سب رس

سہ ماہی علمی رسالہ

حیدرآباد دکن

انجمن طیلسانین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلہ طیلسانین

حصۂ عام

(مدیر)

محمد غوث ام ۔ اے ۔ ال ال بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ام ۔ اے

(مہتمم)

محمد نور اللہ بی ۔ ایس سی

سالانہ چندہ پانچ روپیے علاوہ محصول ڈاک قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنے

دفتر مجلہ طیلسانین نمائش گاہ باغ عامہ حیدرآباد دکن

[illegible]

مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانین حصۂ عام

جلد ۹ شمارہ ۱ | فہرست مضامین | بہمن ۱۳۵۴ف جنوری ۱۹۴۴ء



آنریبل نواب ظہیر یار جنگ بہادر
امیر پائیگاہ و صدرالمہام امور مذہبی و رکن باب حکومت

اداریہ

نواب ظہیر یار جنگ بہادر صدر المہام امور مذہبی کا خیر مقدم

یہ امر ساری عثمانیہ برادری کی بے انتہا خوشی اور مسرت کا باعث ہوا کہ اس برادری کے ایک رکن رکین جناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر صدر المہامی امور مذہبی اور رکنیت باب حکومت کی عظیم المرتبت خدمت پر، اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی کی خسروانہ نوازش سے، فائز ہوئے۔ مبارک باشد و باشد مبارک۔

جیسا کہ طیلسانین عثمانیہ کی نویں کانفرنس کے خطبۂ استقبالیہ میں بیان کیا گیا ہے۔

"حیدرآباد میں پائگاہی امراء نے شاہان آصفیہ سے عقیدت اور ملک و مالک کی خدمت گزاری کے درخشاں روایات یادگار چھوڑے ہیں۔ علمی خدمت گزاری بھی ان امرائے عظام کا طغرائے امتیاز تھا۔"

ایسے ذی شان خاندان کے چشم و چراغ کا، جو علاوہ طیلسانی ہونے کے اپنے اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کی بنا پر نہ صرف اپنے طبقہ کے لیے بلکہ ہر نوجوان کے لیے ایک مثال ہیں، ایسی ذمہ دارانہ خدمت پر اس جوان سالی میں مامور ہونا "سالے کہ نکوست از بہارش پیدا" کے مصداق ہے۔

نواب ظہیر یار جنگ بہادر جوان حیدرآباد کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ یہ بات واقعی امید افزا ہے کہ خود نواب صاحب کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور اپنے واجب الاحترام بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کا پورا عزم ہے۔

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے ۱۴ ویں اجلاس میں جو بمقام گلبرگہ منعقد ہوا نواب صاحب نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا تھا کہ۔

"دعا فرمایئے کہ پائگاہ کے انتظام کی جو امانت میرے تفویض کی گئی ہے میں اس کے فرائض کی تکمیل میں اپنے آپ کو کامیاب ثابت کروں۔

"حضرت آقائے ولی نعمت کے ایک ادنیٰ فرماں بردار اور حقیقی وفادار کی حیثیت سے میرا یہ بھی فرض ہے کہ مالک کی خیر خواہی میں اور ملک کی فلاح و بہبودی میں مجھ سے جو کچھ بھی خدمت ہو سکتی ہے اس کو بجا لاؤں اور اس کو اپنی سعادت سمجھوں۔ میرے اجداد کرام اور جد محترم نواب آسماں جاہ مرحوم کے خدمات میرے نصب العین ہیں۔" (صفحہ ۴)

نواب آسماں جاہ مرحوم کے خدمات سے اہل ملک کما حقہ واقف نہیں ہیں۔ ان کی وزارت حب وطن اور خیر خواہی کی خالص اساس پر قائم تھی۔ اس وقت جن تجاویز پر اخلاص مندی کے ساتھ عمل پیرائی شروع ہوئی تھی اس پر زمانۂ مابعد میں بھی استواری اور عزم مصمم کے ساتھ عمل ہوتا تو آج حیدرآباد ترقی کے اور زیادہ بلند مرتبہ پر ہوتا۔

نواب آسماں جاہ مرحوم نے جائزہ وزارت کے ساتھ ہی اپنے کام کا جو نظام نامہ مرتب کیا تھا وہ ایک بیدار مغز مدبر کی روشن خیالی اور بلند نظری کا آئینہ دار ہے۔ آج بھی غالباً اس پر عمل آوری کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ ۶۰ سال قبل جب کہ وزارت کی سرفرازی کے بعد نواب آسماں جاہ کو حیدرآباد کے افق پر امید دل کی ایک روشن قوس قزح نظر آئی تھی۔ نواب آسماں جاہ نے لکھا تھا کہ

"میرا فرض عین یہ ہوگا کہ ملک کے ہر صیغہ کے انتظام کے لیے جن قواعد و ضوابط کی ضرورت ہو زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھاؤں اور ملک کی زراعت اور تجارت کو جو ملک کی دولت کے دو وسیع چشمے ہیں ترقی دینا۔ صنعت و حرفت کو جس میں اب بہ نسبت سابق کے کچھ انحطاط نظر آتا ہے سنبھالنا۔ تعلیم اور اس کی اشاعت کے ذرائع کو وسعت دینا۔ باشندوں کی صحت و تندرستی کی حفاظت کے واسطے شفاخانوں کی تعداد میں جو اب بہت کم ہیں اضافہ کرنا اور خصوصاً پردہ نشین عورتوں کے معالجات میں سہولت کرنا۔ رعایا کی راحت و آرام کے واسطے ضروری تدابیر کو کام میں لانا اور امن اور عافیت اور عدل و انصاف کو ترقی دینا۔ عدالتوں کے احکام کی بلا ناجائز تاخیر و رعایت کے تعمیل کرانا اور محاصل کی حالت کو جو بہت اصلاح طلب ہے درست کرنا۔ ریلوے اور معدنیات کے

کمیٹیوں کو جن کی کارروائیوں سے ملک کی دولت اور بہبودی کی ترقی کی امید ہے ہر ایک ضروری اور مناسب مدد دینا کہ جس سے ان کے کام میں آسانی اور ملک کو فائدہ ہوئے۔ اعلیٰ ترین فرائض میری خدمت کے ہوں گے۔ اور سب سے بڑھ کر اہل ملک کے حقوق کو بطور کامل ملحوظ رکھا جائیگا اور مداخل و مخارج کے انتظام کا اور کفایت شعاری کے ساتھ موجودہ آمدنی کے مناسب طور پر استعمال کا ہر وقت خیال رہیگا...... اور خزانہ کی عمدہ حالت جو ملک کی ہر قسم کی ترقی کے لیے سب سے ضروری آلہ ہے اور جس کے بغیر مفید سے مفید کام بھی اختیار نہیں کیا جاسکتا قایم رہے "

یہ ایک حزینہ تھا کہ نواب آسماں جاہ کو ابھی جب کہ مملکت کے نظم و نسق کو ان کے پرعزم اور مستحکم ہاتھ کی ضرورت تھی، اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوجانا پڑا۔ مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی نے لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں غفران مکاں کو اپنے دور حکومت کے جن نہیں امور پر پشیمانی تھی ان میں نواب آسماں جاہ کی سبکدوشی بھی تھی۔ بہر حال مطلب یہ ہے کہ نواب ظہیر یار جنگ بہادر کے سامنے خود اپنے دادا کے نظام نامہ کی تکمیل کا میدان اپنی ساری وسعت کے ساتھ اب بھی موجود ہے " اگر پدر نتواند پسر تمام کند "

ایجوکیشنل کانفرنس کے صدارتی خطبہ میں نواب ظہیر یار جنگ بہادر نے یہ بھی کہا تھا کہ۔

"چوبیس سال قبل ایک جدید محکمہ صنعت و حرفت مسٹر ویکفیلڈ کے تحت قائم ہوا تو انھوں نے ایک بسیط رپورٹ اس بارے میں مرتب کی اس طویل مدت میں اس سررشتہ نے کیا ترقی کی کچھ ظاہر نہیں ہوتا (صفحہ ۱)۔۔۔۔۔۔ آبادی کے اضافہ سے دوش بدوش زرعی پیداوار میں اور مصنوعات ملکی میں قطعاً ترقی نہیں ہوئی ہے " (صفحہ ۲۳)

آج بحیثیت رکن باب حکومت نواب ظہیر یار جنگ بہادر ریاست یہ امر معلوم فرماسکتے ہیں کہ اس طویل مدت میں ترقی جو نہیں ہوئی اس کے کیا وجوہ اور اسباب ہیں۔ موانعات دور ہونے کے کیا وسائل اور مسلسل تیز رفتار ترقی کے کیا ذرائع ہیں۔

ایجوکیشنل کانفرنس کے ہی خطبہ صدارت میں نواب صاحب نے بالکل صحیح کہا ہے کہ۔

"ہم اس حقیقت کو آپ کے سامنے پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب تک ابنائے وطن میں مصنوعات ملکی کے استعمال کرنے کا احساس پیدا نہ ہو اور ان میں تھوڑے ایثار کی یعنے دیسی مال کی تلاش کی زحمت اور نسبتہً کسی قدر زیادہ دام دینے کی جو ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے آمادگی نہ ہو تو کوئی ملکی صنعت فروغ نہیں پا سکتی۔"

ایک امیر اعظم کے یہ جذبات یقیناً بہت ہی حوصلہ افزا ہیں۔ مخلصانہ جذبات کی گہرائی اور عمل کی تابناک مثال ہے ہی نواب ظہیر یار جنگ بہادر محترم باب حکومت کے اپنے دوسرے معزز شرکار کو متاثر اور اس بات پر آمادہ کر سکیں گے کہ "صنعتی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا جانا چاہیئے کہ ملک کی بیکاری کو رفع کرنے کا یہی ایک واحد علاج ہے۔"
(خطبۂ صدارت صفحہ ۱۱)

انجمن طیلسانین عثمانیہ نے بھی یہ امر اپنے آغاز کے ساتھ ہی محسوس کیا تھا کہ ابنائے وطن میں مصنوعات ملکی کے استعمال کا حقیقی جذبہ پیدا ہونا ہی ترقی کی اصلی بنیاد ہے۔ انجمن کی تنظیم میں مجلس نمائش نے اس خصوص میں اپنا جو مقام پیدا کیا ہے اس کو مزید استوار کرنے میں نواب ظہیر یار جنگ بہادر بحیثیت امیر پائگاہ اور بحیثیت معزز رکن باب حکومت توجہ فرمائیں تو حقیقی کام کو وسعت پر وسعت حاصل ہو سکے گی۔

نواب صاحب کا یہ ایقان ہے کہ "کوئی ملک اور کوئی قوم بغیر تعلیم کے ترقی نہیں کر سکتی" (خطبۂ صدارت صفحہ ۱) کون اس سے انکار کر سکتا ہے اور ساتھ ہی خود نواب صاحب کے الفاظ ہیں۔

"یونیورسٹی کی تعلیم کا مقصد نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ پوسٹ گراجوئٹ سے ... جب تک نافذ نہ ہو تحقیقات کا کام تکمیل نہیں پا سکتا اور یونیورسٹی کی تعلیم مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ جو افراد اس طور پر اپنی زندگی کو علم کی تحقیق میں وقف کر دینا چاہتے ہیں ان کو فکر معیشت سے آزاد کیا جانا چاہیئے تاکہ ان کے انہماک میں کمی نہ ہو۔" (صفحہ ۱۳)

یہ بھی ایک خوش بختی ہے کہ بحیثیت صدر المہام امور مذہبی نواب ظہیر یار جنگ بہادر جامعۂ عثمانیہ کی مجلس اعلیٰ کی رکنیت پر بھی فائز ہوئے ہیں۔ وہاں پہلے ہی سے جامعہ کے

ایک دوسرے کو ہر شب چراغ، ڈاکٹر رضی الدین مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں۔ اب نواب صاحب کی وہاں موجودگی ہمت آفریں ثابت ہونا چاہیئے اور اس خواب کی خوش گوار تعبیر کا زمانہ جلد آنا چاہیئے کہ " ایں سر رشتۂ تعلیم ما در دست ما باشد "

درحقیقت کسی ملک کی حقیقی عظمت اور برتری اس ملک کے ان افراد سے ہی قایم ہوتی ہے جو اپنے علم کے عمق، رائے کی اصابت اور کردار کی مضبوطی سے ملکوں اور قوموں کی زینت ہوتے ہیں۔ آرزو تو یہی ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کے فیضان علم سے ایسے افراد ملک میں پیدا ہوں جو عالم کی روشنی ثابت ہوں۔

بہت مدت سے ہے قحط الرجال اے قوم امت میں
اسی کھیتی سے اس میں حس مردم کا سماں ہوگا

نواب ظہیر یار جنگ بہادر خود اپنے آئیڈیل کے عمل پذیر ہونے کے لیے جو بھی کوششیں عمل میں لائیں اس میں ان کو اپنی ساری برادری کی پوری تائید حاصل رہیگی۔

جامعۂ عثمانیہ نے علم کی جو خدمت کی ہے اس کے متعلق بعض نقادوں کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

"The translations are plentiful, though not very sound The university has little influence outside Hyderabad; its origiona publications, few enough in any case have little circulation. It i uncreative. There is nothing basically original in thei education"

اس کا مطلب یہ ہے کہ تراجم تو بہت ہوئے لیکن کچھ زیادہ بہتر نہیں۔ جامعہ کا اثر حیدرآباد سے باہر بہت کم ہے۔ اس کے ذاتی اصلی مطبوعات تعداد میں تھوڑے ہی ہیں اور ان کا حلقۂ اشاعت محدود ہے۔ یہ ادب غیر تخلیقی ہے۔ بنیادی طور سے جامعہ کی تعلیم میں کوئی نئی راہ نہیں اختیار کی گئی۔

یہ رائے ڈبلیو، سی اسمتھ کی ہے جو فورمن کرسچن کالج لاہور میں تاریخ اسلام کے لکچرار ہیں۔

انھوں نے اپنی یہ رائے اپنی ایک تالیف میں قلم بند کی ہے جو ۱۹۴۳ء میں "ماڈرن اسلام ان انڈیا"
کے نام سے شایع کی ہے۔

غریب مؤلف نے لکھا ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کا ادب غیر تخلیقی ہے۔ بیچارے
کو خبر نہیں کہ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ادب کوئی ایسی شئے نہیں کہ مشین کے ذریعہ جب چاہا بر پیمانۂ کبیر حاصل کرلیا۔ بریں ہم
اگر اس بیان میں کوئی اہمیت ہے بھی تو اس کی اصلاح کا علاج نواب صاحب نے پہلے ہی بتادیا
ہے کہ جامعہ میں مابعد طیلسانی علمی تحقیقات کے لیے سامان مہیا ہونا چاہیئے۔ ۲۵ سال کی مدت
میں جامعہ نے اب تک کسی کو بہ جائے تعلیم ڈاکٹریٹ کی ڈگری نہیں عطا کی۔

نواب صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ

"خدمت علم خاندان بارگاہ کے روایات میں ہے اور یہ نقوش قدم ہیں
جو میرے سامنے ہیں" (صفحہ ۵ خطبہ صدارت)

"سلسلۂ یوسفیہ" کے مانند اگر کوئی "سلسلۂ ظہیریہ" بھی قایم ہو تو وہ بارگاہ کی خدمت علم
کے زرین روایات میں ایک سلسلۃ الذہب ثابت ہوگا۔ سلسلۂ یوسفیہ دکنی ادب کو گمنامی سے
نکالنے کا باعث ہوا۔ سلسلۂ ظہیریہ "تاریخ رشید الدین خانی" کے نقش قدم پر دکنی تاریخ کو
تاریکی سے روشنی میں لا سکتا ہے۔

بہر حال جناب نواب ظہیر یار جنگ بہادر سے طیلسانین عثمانیہ کی نویں کانفرنس کے
صدر مجلس استقبالیہ کے الفاظ میں یہ التماس کرنا ہے کہ آپ اپنے اس بلند و بالا مقام سے
یہ کوشش فرمائیں کہ

"اگر ملک میں گروہ بندی اور جتھے بنے ہوئے ہوں تو اپنے فولادی عزم
و ارادہ سے اس کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ جو ارباب امارت و اصحاب
قیادت خود پرستی میں مبتلا ہوں۔ انھیں تیار باش کی للکار سے جگایا جائے۔
عیش و فراغت کے نشے نے کسی کو متوالا کر دیا ہو تو اس کی بے خودی کو نصیحت
و موعظت کی ترشی سے دور کیا جائے عوام کو فلاکت و جہالت سے نجات

دلائی جائے اور اگر ہماری کوششوں کی رہنمائی صرف ذاتی خواہشوں کے تحت
ہو رہی ہو تو اس کی جگہ سارے ملک کو ایک مشترکہ مقصد ایک مشترک نصب العین
اور ایک واحد غایت کے لیے تیار فرمایا جائے۔ ترقی کا قدم آگے بڑھتا رہے
ہمارے ملک میں کارکردگی کے مکمل کل پرزے موجود ہیں ان میں صرف ہم آہنگی
کی کمی ہے ان کو صرف آئندہ را احتیاط کی ایک تنبیہہ رو براہ کر دے گی۔"

پروفیسر کرشن چندر رائے سکسینہ ابھی جب کہ وہ جامعہ کی خدمت میں سرگرم ہی تھے
دنیا سے کوچ کر گئے۔ ان کی فرض شناسی اور خدمت علم کا جذبہ ان کے شاگردوں کو ہمیشہ
یاد رہے گا۔ موصوف اس وقت جامعہ کے حلقۂ اساتذہ میں شامل ہوئے جب کہ ابھی جامعہ
کی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ اپنی جوانی اور شباب کا زمانہ جامعہ کی خدمت میں گزار دیا۔ موصوف
انجمن طیلسانین عثمانیہ کے قیام پر بہت ہی مسرور ہوئے تھے اور پہلی کانفرنس میں بڑے شوق و
رغبت سے تشریف لائے تھے۔ جذبات نے ان کو اس قدر متاثر کیا تھا کہ وہیں ٹاؤن ہال
میں بیٹھے بیٹھے چند شعر بھی لکھے تھے۔ بعد میں معتمد کانفرنس کو جو خط لکھا وہ بطور یادگار ذیل
میں نقل کیا جاتا ہے۔

بخدمت شریف جناب مولوی محمد غوث صاحب

معتمد کانفرنس طیلسانین عثمانیہ

مکرمی تسلیم :- آپ کی کانفرنس کے اجلاس چہارم کے اختتام پر جناب صدر کی اجازت
سے مولوی مرزا شکور بیگ صاحب بی اے۔ ال ال بی نے ایک نظم میری جانب سے پڑھ کر سنائی
تھی وہ اشعار اسی وقت کسی طرح سے ایک غیر رسمی کاغذ پر گھسیٹ دیے گئے تھے۔ معلوم یہہ
ہوا ہے کہ وہی تحریر شامل مثل کر لی گئی ہے۔ اگر فی الحقیقت ان اشعار کو کانفرنس کے رُوداد
کی مثل میں جگہ دینا مناسب فرماتے ہیں۔ تو براہ کرم رقعہ ہذا کو شریک کر لیجے اور اس کاغذ کو واپس
مرحمت فرما دیجے عین نوازش ہوگی۔

میری غرض و غایت اس نظم کے پڑھوائے جانے کی محض یہ تھی کہ کلیہ کے عزیز طلبہ جس
جد و جہد میں کوشاں ہیں اس میں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ اپنے فرائض منصبی کو محسوس
کریں اور حصول مقاصد کے لیے راہ راست کو اپنا مسلک بنائے رکھیں جیسا کہ اشعار مندرجہ ذیل سے

واضح ہو جاتا ہے۔

قوم کے اے نونہالوں اے جوانانِ وطن
تم سے وابستہ ہے اُمیدِ گلستانِ وطن

کام ہوتا ہو نہ بوڑھوں سے نہ بچوں سے کوئی
کیا کریں خدمت وطن کی ناتوانانِ وطن

ہیں تمہارے دست و پا مضبوط تازہ ہیں دماغ
تک رہی ہے آج تم کو چشمِ حیرانِ وطن

وہ عمل ہرگز نہ ہو جس سے کہ رسوا قوم ہو
کام وہ کرنا کہ ظاہر جس سے ہو شانِ وطن

ہو وطن میں یا وطن سے دور تم غربت میں ہو
حُبِّ قومی جان میں ہو اور دل میں ارمانِ وطن

نیاز مند
کرشن چندر رائے سکسینہ

اس شمارہ میں ایک مقالہ "موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر" کے موضوع پر شایع کیا جا رہا ہے۔ اس کے مولف رشید صدیق حسین صاحب بی۔اے (علیگ) ال ال ایم (عثمانیہ) ہیں مقالہ در اصل ال ال، ام کے لیے لکھا گیا تھا۔ موضوع کے مباحث ان دنوں تو گویا ہر آن بدلتے رہتے ہیں اور اس پر مواد کی بہتات اور پیچیدگی مستزاد ہے۔ بریں ہم رشید صاحب نے جس عمدگی سے یہ مباحث مختصر ضخامت میں قلم بند کیے ہیں وہ ہر طرح قابل ستایش ہے۔ امید ہے کہ موصوف کا یہ نقش اول مزید مستند تالیفات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر

(از جناب رشید صدیق حسین صاحب بی۔اے۔ ال ال بی ام ا (عثمانیہ))

قانون کی تعریف | قانون بین الممالک سے مراد لارنس کے الفاظ میں[۱] "وہ قاعدے ہیں جو متمدن مملکتوں کی جماعت عامہ کے باہمی برتاؤ میں ان کے کردار کا تعین کرتے ہیں"

یہاں ہم اُن مباحث میں نہیں جائیں گے کہ آیا قانون بین الممالک کوئی قانون ہے یا نہیں البتہ اتنا پیش نظر رہے کہ جس قاعدے پر عام طور سے متمدن ممالک میں عمل کیا جاتا ہے اس کی کبھی کبھار خلاف ورزی چاہے کسی متمدن ملک ہی نے کیوں نہ کی ہو، اس قاعدے کو منسوخ شدہ نہیں قرار دے دیتی۔ یہ صحیح ہے کہ جو قانون بہت کچھ رواج اور طرز عمل پر مبنی ہوتا ہے اس میں تبدیلی کے لیے کسی نہ کسی خلاف ورزی کے ذریعے سے آغاز ہونا چاہیے اور خلاف ورزی کا اولین مرتکب مجرم ہی سمجھا جائیگا لیکن جب رفتہ رفتہ خلاف ورزی ہی قاعدہ بن جاتی ہے اور عمل ایک استثنائی صورت اور شاذ واقعہ تو پھر اس نئی چیز ہی کو ہم قانون بین الممالک کا قاعدہ قرار دے لیتے ہیں۔

موضوع بحث | یہاں قانون بین الممالک کے الفاظ عمداً اس لیے استعمال کیے گئے ہیں[۲] ہمارے مضمون میں مملکتوں کے برتاؤ سے بحث ہوتی ہے اور یا تو فریقین مملکت ہوتی ہیں یا کم از کم ایک فریق کا مملکت ہونا ضروری ہے۔ یہاں قوموں سے بحیثیت قوم کے کوئی بحث نہیں ہوتی اگر بحث ہو بھی تو سیاسی قوم سے بحث ہوتی ہے، جسے آج کل مملکت کہا جاتا ہے نسلی یا لسانی قوم سے نہیں جو اب لفظ قوم سے اولین مفہوم سمجھا جاتا ہے۔

قانون بین الممالک میں جو قاعدے بیان ہوے ہیں وہ کچھ تو مملکتوں کے آپس کے رواج پر مبنی ہوتے ہیں کچھ دو فریقی یا کثیر فریقی معاہدات پر اور انھیں دو پر جدید قانون بین الممالک کا بڑا حصہ مبنی ہے۔ متمدن ممالک کے لیے مرکزی قانون سازی اب تک ممکن نہ ہوئی۔ مجلس اقوام اس سلسلہ میں اولین قدم تھا جو اس کے چلانے والوں کی نااہلی یا بدنیتی

۱؎ Principles of International Law, by T. J. Lawrence.

قانون الممالک کے اصول اور نظیریں صہ ۱۵

۲؎ International Law - A Treatise, Vol. 2 by L. Oppenheim

کے باعث ناکام ثابت ہوا۔ البتہ ایسے معاہدے جن کو دنیا کی تمام متمدن سلطنتوں نے منظور کرلیا ہو بالکل ناپید نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاک کے تبادلے کا معاہدہ وغیرہ۔ ایسی صورتیں اب بھی کبھی کبھی پیش آتی ہیں جن کے متعلق رواج و نظائر یا معاہدات میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی اور قانون قدرت یا قیاس سے رجوع کیا جاتا ہے۔ غرض یہ وہ ماخذ ہیں جن سے جدید قانون بین الممالک بنتا اور بدلتا رہتا ہے۔

قانون بین الممالک میں تین ہی قسم کے حالات سے بحث ہوسکتی ہے: امن۔ جنگ۔ ناطرفداری۔

آخر الذکر صورت ایک طرح سے جنگ اور امن کی مخلوط صورت ہے یعنی ایک فریق جنگ میں شریک رہتا ہے اور دوسرا نہیں اور انھیں کے تعلقات بعض خصوصی قواعد کے تابع ہیں۔

قانون بین الممالک کی موجودہ حیثیت یہ ہے کہ اس کے قواعد کی تعمیل کے لیے کوئی ایسے وسائل نہیں پائے جاتے جیسے کہ عام قانون ملک کے لیے چنانچہ تہدید و تدارک کا یہ فقدان ہی بعض لوگوں کو یہ کہنے پر آمادہ کرتا ہے کہ اس علم کو قانون کہنا صحیح نہیں ہوسکتا لیکن خلاف ورزی کا تدارک بالکلیہ مفقود نہیں ہے۔ چنانچہ متمدن دنیا کو حریف کی تلوار کا دتنا ڈر نہیں ہوتا جتنا بدنامی اور فضیحت کا اور یہ ایک ایسا تدارک ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے جیسے دنیا میں تعلیم کی ترقی ہوگی اخبار بینی کا شوق بڑھیگا اور متمدن دنیا کے ایک دوسرے کے محتاج ہونے کا احساس ترقی کرکے بیرونی حالات پر توجہ مرکوز ہوگی تو خود ہر مملکت میں حکومت اندھے اور بہرے استبداد کی جگہ رائے عامہ سے متاثر ہوتی رہے گی۔ یہ تدارک موثر سے موثر تر ہوتا جائیگا۔ اور مشاہدہ بھی یہ ہے کہ یہ پہلو ترقی کرتا جارہا ہے۔ موجودہ جنگ کے دوران میں دعایتے (پروپگنڈے) کو حربی سلطنتیں جتنی اہمیت دے رہی ہیں وہ محاذ جنگ کی تیاریوں سے قطعاً کم نہیں ہے۔ یہ دعایہ نہ صرف اپنی نیکیوں بلکہ اپنے حریفوں کی برائیوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ اور اسی طرح نہ صرف اپنے حریف کے ملک میں بے چینی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ ناطرفدار ممالک میں اپنے متعلق ہمدردی پیدا کرنے کے لیے بھی۔ ایک اور تدارک بالواسطہ طور پر یوں پایا جاتا ہے کہ کسی ملک کی سیاست خارجہ کی ذمہ داری جن لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے ان کی اس ذمہ داری پر فائز ہونے سے پہلے

International Affairs by Catheione & Hardy

Propaganda in International Politics by E. H. Carr

خاص کر نوعمری، کی تعلیم و تربیت بھی ایک ایسی چیز ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اس سلسلے میں بھی ہم پڑھ اور سن رہے ہیں کہ خاص کر شریک جنگ ممالک میں آج کل مذہبیت کی طرف رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ انگلستان میں مابعد جنگ تعلیمی نظام میں مذہبی عنصر کا بڑا دخل حاصل کر لینا اب ایک طے شدہ امر ہے اور ارباب تعلیم و ارباب کلیسا اب ایک نئی نسل کی تربیت کے لیے افراد کو آپس میں بانٹ نہیں لیں گے بلکہ مشترکہ طور سے اس فرض کو انجام دیں گے۔ روس جیسے ملک میں بھی مذہبیت کی طرف میلان اتنا شدید ہو گیا ہے کہ دوران جنگ میں انقلابی احکام کا دینا اس کے سوا کسی اور چیز پر دلالت نہیں کر سکتا۔ پہلے وہاں[1] لامذہبیت اور خدا کو نہ ماننا سرکاری مذہب تھا جس کی سرکاری سرپرستی میں نوعمروں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ اس جنگ میں روس کی شرکت کے آغاز پر روسی سفیر انگلستان کی زبانی یہ اعلان کرایا گیا کہ "روس میں اصل میں ضمیر کی آزادی ہے اور اہل ملک کو اختیار ہے کہ وہ جس مذہب کو چاہیں قبول کریں یا چاہیں تو لامذہب اور خدا سے منکر رہیں" اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ چند ہی دنوں بعد اولاً عیسائیت کی سرپرستی کی گئی اور تقریباً ایک نسل کے وقفہ کے بعد روس میں اسقف اعظم کا انتخاب کیا گیا جس کی گدی نشینی کی رسم کے لیے انگلستان سے یارک کا اسقف اعظم بھی وہاں پہنچا اس کے کچھ ہی دن بعد مسلمانوں کے لیے بھی بعض رعایتیں منظور کی گئیں اور ان کے لیے ایک مفتی اعظم منتخب کیا گیا اور کوئی تعجب نہیں کہ یہ ایک مستقل ذہنی انقلاب ثابت ہو۔ گذشتہ ایک صدی سے ارباب سیاست بڑی حد تک مذہب سے بے تعلق رہے ہیں۔ اب تعلیم و تربیت میں مذہبی عنصر کا اضافہ قانون بین الممالک کی نگرانی کرنے والے افسروں کی حد تک رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس عنوان کے انتخاب کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اب جنگ سلطنتوں کی سرکاری فوجوں کی آویزش کا نام نہیں رہا ہے بلکہ اب وہ ہمہ گیری میں اس حد تک آگے بڑھ گئی ہے کہ اندھے تک اب فوجی خدمت انجام دینے والے سمجھے جانے لگے ہیں اور بعض نہایت حساس قسم کے آلے جو خاص کر جنگی ہوائی جہازوں میں لگائے جاتے ہیں آنکھوں والوں کی جگہ اندھے کاریگر زیادہ بہتر بنا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہتھیار چلانے والا اور ہتھیار بنانے والا

---

[1] World Affairs and the U. S. S. R. by W. P. Z. Coates

اب یکساں دشمن خیال کیا جاتا ہے۔ یہ ہمہ گیری جسے جرمنوں نے Totalitarianismus کا بھاری بھرکم نام دیا ہے اور شعبہ ہائے حیات کی طرح قانون بین الممالک پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی جب کہ قانون بین الممالک غیر ہمہ گیر جنگوں سے بھی متاثر ہو جاتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ جنگ قانون بین الممالک پر اس پانچ ہی سال کے عرصے میں اتنا اثر ڈال چکی ہے کہ اس سے پہلے تیس تیس سال بلکہ سو سو سال کی جنگیں بھی نہ ڈال سکی تھیں۔ اور انہیں اثرات کو ہم آئندہ ابواب میں نمایاں کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس کا مواد قریب قریب پوری طرح صرف روزمرہ کے جرائد سے لیا گیا ہے اور یہ شروع ہی میں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جنگ کے زمانے کی اخباری خبریں نہ تو پوری طرح صحیح ہوتی ہیں اور نہ مجرمانہ حذف و اضافہ Commission and Omission سے پوری طرح بری۔ یوں بھی ہمیں صرف یکطرفہ بیانات پر اکتفا کیے بغیر چارہ نہیں اور واقعات کے متعلق دشمن کی توجیہ جنگ کے اختتام سے پہلے پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ بیان کیا گیا قانون بین الممالک میں امن، جنگ اور ناطرفداری سے بحث ہوتی ہے۔ حالات امن کے قواعد کو پانچ بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:-

(۱) خودمختاری۔

(۲) جائداد۔

(۳) عدالتی اختیار سماعت

(۴) مساوات

(۵) سفارت کاری

اب ہم دیکھیں گے کہ ان میں سے ہر ہر امر کے کون کون سے اجزا نمایاں طور پر اس جنگ سے متاثر ہوئے ہیں۔

خودمختاری

۱۸۵۶ء سے پہلے یورپ میں کوئی حقیقی قانون بین الممالک نہیں پایا جاتا تھا۔ اس سنہ سے قانون بین الممالک کو حقیقی معنوں میں بین الممالک بنانے کی اولین کوشش شروع ہوئی ورنہ اس سے پہلے یورپ میں صرف نصرانی ممالک کے باہمی تعلقات ہی اس قانون کا موضوع سمجھے جاتے تھے

۱۸۵۶ء میں پہلی مرتبہ ایک غیر نصرانی مملکت یعنی ترکی کو صراحت سے قانون بین الممالک کا موضوع قرار دیا گیا۔ اگرچہ یہ مجبوری کے تحت تھا ترکی کے ساتھ کوئی رعایت مقصود نہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ دیگر غیر عیسائی ممالک مثلاً جاپان چین وغیرہ اس مشترکہ قانون کے موضوع قرار پائے۔ دوسرے الفاظ میں خود مختاری اور آزادی کا جو قدیم تصور تھا اس میں مزید تخفیف ہوئی اور خود مختار سلطنتیں اپنے آپ کو اپنی ہی مرضی اور اپنے ہی قانون کے تابع ہونے کی جگہ کچھ نہ کچھ حد تک ایک بیرونی ادارے یعنی قانون بین الممالک کے ماتحت سمجھنے پر آمادہ ہو گئیں حقیقت میں یہ ایک ارتقا تھا جو تا حال اختتام پذیر نہیں ہے۔ شروع میں اگر قانون بین الممالک صرف رواج پر مبنی تھا تو اس میں رفتہ رفتہ دو فریقی یا کثیر فریقی معاہدے بھی موثر حصہ لینے لگے اور بالآخر اس نے مجلس اقوام تک اپنے آپ کو پہنچا دیا جس کے ارکان دنیا کی طاقتور ترین مملکتوں میں سے ہونے کے باوجود یہ اقرار کرنے میں کچھ تامل نہ کرتے تھے کہ بعض امور کی حد تک وہ اپنی خود مختاری و آزادی سے مجلس اقوام کے حق میں دست بردار ہوتے ہیں۔ مجلس اقوام کسی نہ کسی وجہ سے ناکام ہو چکی ہے اور موجودہ ہمہ گیر جنگ میں جو مملکتیں شریک ہیں وہ کسی ایسی تبدیلی کی خواہشمند ہیں کہ پھر آئندہ انھیں ایسی ہی سخت جنگ کی ہولناکی کا سابقہ نہ پڑے۔ چنانچہ اس وقت نظام عالم کے متعلق کئی رجحانات پائے جاتے ہیں۔

تصورات نظام عالم ایک تو وہی قدیم عالمگیر حکومت کا خواب ہے جو علانیہ تو نہیں عملاً اب بھی بعض ممالک کے پیش نظر ہے لیکن بظاہر اس کی کامیابی کے فی الوقت کم آثار ہیں۔

ایک دوسرا رجحان یہ ہے کہ ایک وفاق عالم قایم کیا جائے جس میں دنیا کی تمام مملکتیں شریک ہوں۔ دوسرے الفاظ میں مجلس اقوام کو نئے سرے سے زندہ کیا جائے۔ اس کے اختیارات بڑھائے جائیں۔ اسے اپنی مرضی کے منوانے کے لیے وسائل مہیا کیے جائیں اور اس میں شریک ہونے والے ممالک اپنے بہت سے اختیارات اس وفاق کے سپرد کر دیں۔

ایک تیسرا رجحان یہ ہے کہ دنیا کو چند منطقوں میں بانٹ دیا جائے۔ یہ خیال جرمنی اور جاپان دونوں کے مفکر پیش کر رہے ہیں۔ تفصیلات کے نہ ہونے کے باوجود اتنا معلوم ہوتا ہے کہ منطقہ داری کا جرمن نظریہ اس اصول پر مبنی ہے کہ ہر منطقہ میں ایک مرکزی نظام پایا جائے اور اس نظام کی رہنمائی کسی موزوں ترین مملکت کے سپرد کر دی جائے۔ مثال کے طور پر یورپ کو اگر ایک منطقہ قرار دیا جائے تو اس کی رہنمائی جرمنی کے ہاتھ میں رہے

لہ British Year Book of Int. Law. By Hurst and others
Statesman's Year Bock. London

اور وہ معقولیت کی اساس پر جملہ اجزائے ترکیبی کے فرائض متعین کرے : جس ملک میں جو چیز قدرت نے مہیا کی ہے وہی اس کے صنعتی استعمالوں کا حقدار ہو اور سب کو اپنی مصنوعات مہیا کرے۔ یہ نہیں کہ بڑے بڑے محصول درآمد عائد کر کے غیر فطری ذرایع سے ناموزوں مقاموں پر کسی صنعت کو باقی رہنے دیا جائے۔ علاوہ تقسیم فرائض کے تسویہ میں اعلیٰ ترین حق حاصل ہونے کے، دماغ بھی اسی مرکز سے متعلق رہے اور یہ پورا نظام برتر نسل کے مفروضے پر مبنی ہے۔ اس کے برخلاف جاپان کی طرف سے منطقہ واری نظام کا جو تخیل پیش کیا جا رہا ہے اس میں باہمی نفع اندوزی (کو پراسس پیری ٹی) پر کم از کم ظاہرداری کی حد تک زور دیا جاتا ہے جس کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصول کی حد تک تو کسی منطقہ میں بسنے والے جملہ ممالک پوری مساوات رکھیں گے البتہ جو ملک تعلیم میں اور صنعت و حرفت میں اور دیگر وسائل میں جتنا زیادہ ترقی یافتہ ہوگا اتنا ہی دوسروں کی خدمت کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔

ایک چوتھا رجحان تصور نظام عالم کے سلسلے میں یہ نظر آتا ہے کہ مملکت واری موجودہ صورت حال تو برقرار رکھی جائے البتہ ہر مملکت میں قومی معاشیات کی کچھ اس طور پر اصلاح ہو کہ غریبوں اور امیروں کا موجودہ فرق گھٹ جائے اور کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے۔

یہ چار رجحان باہم کشمکش کر رہے ہیں اور یہ کہنا دشوار ہے کہ جنگ کے اختتام پر فاتح کس چیز کی طرف مائل ہوں گے۔ البتہ دولت عامہ کا تصور جسے غالباً رجحان اول کی ایک شاخ قرار دیا جا سکتا ہے مختلف مقاموں پر مختلف رنگ لا رہا ہے۔

دولت عامہ کی مرکز گریزی | برطانوی دولت عامہ گذشتہ جنگ کے زمانے میں ایک طرح کی وحدانی مملکت تھی اور ہر چیز کا آخری اقتدار ۱۰ ڈاؤننگ اسٹریٹ کو حاصل تھا۔ اب حالات نے مجبور کیا ہے کہ اس اقتدار کو بانٹ دیا جائے چنانچہ قلمرو اب اگر کسی بات میں قانوناً مشترک ہیں تو وہ صرف یہ کہ باہمی رضامندی سے خانوادۂ ہانوور کے تاجدار کو فرداً فرداً نہ کہ مشترکہ طور سے اپنا بادشاہ تسلیم کرتی ہیں۔ اگرچہ اس سلسلے میں بھی آئرے (آئرستان) کی حد تک بعض دشوار مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ساتویں ایڈورڈ کی تخت سے دست برداری کو تسلیم نہ کرنا بڑے اہم اثرات رکھتا اگر وہاں دستور سے بادشاہ کے حلف کی ضرورت اور بادشاہ کے

The Status of British Commonwealth in International Law by Corbett.

نمائندے کے طور پر گورنر جنرل کا عہدہ ڈسمبر ۱۹۳۶ء کی آئرے کی دستوری ترمیم کے ذریعہ سے برخواست نہ کر دیا جاتا۔ برطانوی قلمروؤں میں یک جہتی گھٹتی ہوئی نظر آرہی ہے اور حالیہ جنگ میں شرکت سے جنوبی افریقہ کا تامل اور آئرے کا انکار ایک طرف اور دوسری طرف بے زبان ہندوستان کی مقننہ میں جنگ سے بیزاری کی کامیاب قراردادیں بے معنی نہیں کہی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان باوجود قلمروی مرتبے پر فائز نہ ہونے کے اب دولت عامہ سے باہر کے سفیر قبول کرتا اور اس کے جواب میں اپنے سفیر بھیجتا ہے۔ چنانچہ امریکہ اور چین اور ایک حد تک خود روس سے سفارتی تعلقات قابل ذکر ہیں، جو معمولی تجارتی اور قونصلی تعلقات کے علاوہ ہیں۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر کینیڈا کے وزیر اعظم نے یہاں تک کہدیا کہ اگر کوئی شہنشاہی جلسہ ہو اور اس میں جملہ قلمروؤں کی خارجی سیاست کے لیے کوئی اصول مقرر کریں تو وہ تک کینیڈا کی پارلیمان کے لیے واجب التعمیل نہ ہوگا کیونکہ کینیڈا کا اقتدار اعلیٰ صرف کینیڈا کی پارلیمان کو حاصل ہے ۱۹۴۰ء ہی میں برطانیہ نے ویشی کی حکومت فرانس سے تعلقات منقطع کر لیے تھے لیکن جنوبی افریقہ اور کینیڈا کی قلمروؤں نے ۱۹۴۲ء تک ایسا نہ کیا اور ان کے سفارتی تعلقات ویشی سے برقرار رہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ لندن کے اقتدار[1] کی یہ زوال پذیری کس حد تک دولت عامہ کی یک جہتی اور قوت کا باعث بنے گی۔

ممالک شورائیہ روس کا وفاق دولت شورائیہ روس بھی اسی پہلے رجحان کی ایک دوسری مثال ہے وہاں بھی ۱۹۴۴ء کے آغاز پر ایک بڑا معنی خیز بلکہ انقلابی اصول بظاہر کسی کشمکش اور دباؤ کے باعث نہیں بلکہ خود مرکز کی تحریک پر منظور کیا گیا ہے۔ چنانچہ ممالک شورائیہ روس کا وفاق اب ایک طرح سے عہدیہ بنا دیا گیا ہے اور اس میں شریک ہر مملکت کو یہ اختیار دیدیا گیا ہے کہ اپنی علحدہ وزارت خارجہ رکھے اور اپنے دفاع کے لیے اپنی ایک الگ فوج بھی۔ فی الوقت تو ان دونوں پر مرکز ماسکو کے اثرات غالب رکھے گئے ہیں لیکن بہرحال ایک نیا رجحان روسی تصور حکومت میں نظر آنے لگا ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جب روس میں بالشویک حکومت قایم ہوئی تو اس وقت بھی وہاں مرکزیت نہ تھی۔ مثال کے طور پر کمالی ترکوں کے ساتھ جو معاہدے ہوئے وہ ایک نہیں بلکہ تین روسی جمہوریتوں سے

---

[1] ۔ قانون بین الممالک کی تازہ ترقیاں اور تحقیقاتیں از ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ہونے والے معاہدے سمجھے گئے ۔ بعد میں خارجہ تعلقات میں مرکزیت قایم کردی گئی اب دوبارہ مرکز گریزی کا احیاء معنی خیز ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ اس کا منشاء ایک طرف تو یہ ہو کہ صلح کانفرنس میں جس طرح برطانیہ ایک کی جگہ چھپے چھپے نمایندے اپنی قلمرو وں کے ذریعہ سے لاسکتا ہے اسی طرح روس کو سولہ نمایندے حاصل ہوں ۔ دوسری طرف جب شورائیہ روس کی مملکتوں پر اپنی مدافعت آپ کرنے کا بار پڑیگا تو خاص کران میں کی وہ مملکتیں جو سرحد پر واقع ہیں اور طاقتور دشمنوں کی ہمسایہ ہیں وہ ماسکو سے ٹوٹنے کی جگہ جڑنے کی طرف زیادہ مائل ہوجائینگی اور اپنی کمزوری کا علاج مرکز سے وابستگی میں پائیں گی جس نے جرمنی جیسے دشمن کے بھی چھکے چھڑا کر تمام دنیا سے خراج تحسین حاصل کرلیا ہے ۔

تیسری طرف عالم گیری کے سلسلے میں شورائیہ روس سے خارج خاص کر چھوٹے ہمسایہ ممالک کے لیے شورائیہ روس میں شرکت کی ایک ترغیب وتحریص مہیا کرائے اور انھیں یقین دلائے کہ انکی خود مختاری کے دونوں بڑے معیار یعنی فوج اور سفارت کاری اس انضمام کے باوجود بحال رہیں گے ۔ اور ظاہر ہے کہ قطرہ قطرہ دریا میگردد کی طرح بہت سے چھوٹے ممالک کے انضمام کے بعد ماسکو میں اتنی قوت آسکتی ہے کہ بڑے ممالک کو بھی بے کھٹکے دھمکا سکے ۔

بہرحال نظام عالم کے متعلق مختلف ممالک کا سرکاری تصور اور مختلف مفکرین کا خانگی تصور مختلف تصویریں ہمارے سامنے پیش کررہا ہے ۔ جو سب کی سب اس جنگ کی پیداوار ہیں ۔

منشور اوقیانوس | اس سلسلے میں غالباً منشور اوقیانوس کا ذکر بیجا نہ ہوگا جس میں انگلستان اور امریکہ نے جنگ کے بعد کی دنیا کے متعلق اپنے تصورات کا مشترکہ طور سے اظہار کیا اور یہی وہ اعلان ہے جسے بعد میں روس نے بھی قبول کرکے یہ ظاہر کیا کہ تمام اہم متحدین اس کے مندرجات پر متفق ہیں ۔

۱۴؍اگست ۱۹۴۱ء کو نائب وزیر اعظم انگلستان نے لاسلکی پر تقریر کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ وزیر اعظم انگلستان مسٹر چرچل نے سفر امریکہ کے موقع پر صدر ممالک متحدہ امریکہ مسٹر روزولٹ کے ساتھ گفتگو کرکے دونوں ممالک کا اس امر پر اتفاق حاصل کرلیا ہے کہ :-

---

لے W London Times 1944 (File)

(۱) ممالک متحدہ امریکہ اور برطانیہ عظمیٰ کوئی نیا علاقہ یا کوئی اور چیز نہیں چاہتے۔

(۲) وہ کوئی ایسی علاقہ وار تبدیلیاں دیکھنے کی خواہش نہیں رکھتے جو اقوام متعلقہ کی آزادانہ طور سے ظاہر کردہ خواہشوں کے مطابق نہ ہوں۔

(۳) ساری قوموں کے اس حق کا احترام کیا جائے گا کہ وہ اپنا طرز حکومت خود پسند کریں نیز وہ (یعنی امریکہ و برطانیہ) مفتوحہ اقوام کے حقوقِ اقتدار اعلیٰ کی بحالی دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔

(۴) ضرورت اور واجبات کے مناسب احترام کے ساتھ وہ ساری قوموں کو دنیا کی منڈیوں اور خام سامان تک مساوی رسائی دینی چاہتے ہیں۔

(۵) وہ اس امر کے خواہشمند ہیں کہ کامل ترین بین الممالک اور اقتصادی اشتراک عمل قایم ہو جائے تاکہ مزدوروں کا معیار ترقی کرے اور سبھوں کے لیے اقتصادی ترقی اور معاشی تحفظ حاصل ہو سکے۔

(۶) نازی ظلم و تعدی کی آخری بربادی کے بعد انھیں توقع ہے کہ وہ ایک ایسے امن کا قیام دیکھیں گے جو ساری قوموں کو نیز سارے لوگوں کو خوف و احتیاج سے آزادی کا یقین دلا دے۔

(۷) ایسا امن سمندروں کی آزادی پر مبنی ہونا چاہئے۔

(۸) وہ باور کرتے ہیں کہ بین الممالک طور پر قوت کا استعمال ترک کر دینا چاہئے اور عام تحفظ کے ایک وسیع تر اور زیادہ مستقل قیام تک اقدامی اقوام کا غیر مسلح کر دیا جانا ضروری ہے اسی طرح وہ اس کی تائید کریں گے کہ برداشت سے باہر اسلحہ کے بوجھ کو بھی عام طور پر ہلکا کر دیا جائے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ بعد کی توجیہوں میں یہ بیان کیا گیا کہ اس کا اطلاق صرف ان ممالک پر ہوتا ہے جو اس جنگ میں محوریوں کے ہاتھوں مضرت اٹھا چکے ہوں۔ ان ممالک پر نہیں جو خود اعلان کنندہ مملکتوں یا ان کے رفیقِ جنگ ساتھیوں کے قبضے میں ہوں۔

مسٹر چرچل جیسی مستند شخصیت نے صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ منشور اوقیانوس کے نقاط کا اطلاق ہندوستان پر نہیں ہوتا۔ البتہ یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ برما اور ملایا نیز جاوا و سماٹرا وغیرہ پر اس کا اطلاق ہوگا یا نہیں۔

سچ پوچھیئے تو دوران جنگ کے مواعید کچھ بہت زیادہ لفظی معنوں میں نہیں لیے جاتے ہیں۔

برطانوی اور فرانسیسی انضمام کی کوشش | نظام عالم کی کوششوں کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ کا ذکر اس سلسلہ میں بیجا نہ ہوگا۔

حالیہ جنگ کے آغاز پر برطانیہ اور فرانس نے اپنی معاشی اور فوجی حالت کی حد تک وفاق قایم کر دیا تھا اور یہ قرار دیا گیا تھا کہ جنگ کے ختم ہونے کے چھ ماہ بعد تک ان دونوں کے سکون سے بڑا دن میں کوئی تبدیلی نہ ہوسکے گی یہ آغاز جنگ کا انتظام تھا سنہ ۱۹۳۹ء کے آخری ہفتہ میں یہ طے پایا گیا کہ ان دونوں ممالک کی فوجوں کی کمان ایک کر دی جائے۔ رسد اور اسلحہ کی خریدی مشترکہ ہو۔ ضروریات کی تیاری پر مشترکہ نگرانی ہو۔ دونوں کی نوآبادیوں کی انتظامی جماعتوں نیز پیداوار اور برآمد میں یک عملی قایم کیجائے۔ اسی زمانہ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ ڈاک اور ڈاک کے ٹکٹ فرانس اور برطانیہ میں مشترک کر دیئے جائیں چنانچہ فرانسیسی ٹکٹ لگا کر انگلستان کے ڈاک خانہ میں اور انگریزی ٹکٹ لگا کر فرانس کے ڈاک خانہ میں خط ڈالے جانے لگے تھے کہ دو تین ماہ بعد جب فرانس پر جرمنی اقدام شروع ہوگیا اور متحدین کی مقاومت ہر جگہ ٹوٹنی چلی گئی تو فرانسیسی حکومت میں اس کا میلان نظر آیا کہ اس معاہدے کو نظر انداز کر دے جس کے تحت انگلستان اور فرانس صلح مشترکہ طور ہی سے کر سکتے تھے۔ ایک رفیق کو چھوڑ کر دوسرا رفیق اپنی علحدہ صلح کر لینے کا مجاز نہ تھا ایسے موقع پر حکومت انگلستان کی طرف سے ایک پیش کش فرانس بھیجا گیا کہ انگلستان اور فرانس کا مکمل قومی اتحاد عمل میں آجائے اور دونوں کی ایک مشترکہ قومیت اور متحدہ مملکت قایم کر دی جائے لیکن اب یہ تجویز اتنی دیر سے پیش ہوئی تھی کہ اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کا وقت بھی نہ مل سکا۔ بہرحال اس زمانہ میں یہ تجویز زور وشور سے پیش ہوتی رہی کہ اگر فرانس اور برطانیہ اپنا وفاق قایم کر کے متحد ہو جائیں تو باقی دنیا کو بھی ترغیب ہو سکتی ہے۔

حالت امن کے دستوری انتظاموں پر جنگ کے اثرات | حالت امن کے دستوری انتظاموں پر جنگ کا جو اثر ہوتا ہے اس کی بعض پیچیدہ صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

اولاً مشترکہ سیادت والے ممالک کا مسئلہ ہے مثلاً سوڈان۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

The Attempts to form an Anglo-French Alliance by J. P. Salsam. Annual Survey of English Law. Ch. Int. Law ـــ۱

ایسے ممالک کا اگر ایک آقا شریک جنگ ہو جائے اور دوسرا ناطرفدار رہے تو آیا ایسے علاقہ کو ہم شریک جنگ سمجھیں یا ناطرفدار اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت سوڈان کا ایک آقا یعنی مصر ناطرفدار رہے اور آقائی میں شریک انگلستان شریک جنگ ہے۔ اس بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکے لیکن عملاً چونکہ سوڈان میں انگریز افسروں کا دخل بڑھا ہوا ہے اس لیے کہ مصر کی ناطرفدار زمین سے جتنا استفادہ انگلستان کو رہا ہے اس سے کہیں زیادہ سوڈان سے مدد لیجا رہی ہوگی۔

دوسری قسم ان ممالک کی ہے جہاں مشترکہ سیادت تو ہے اور جن کے دونوں آقا ایک ساتھ شریک جنگ بھی ہو گئے ہیں لیکن بعد میں ایک فریق جنگ لڑائی سے باہر ہو جاتا ہے۔

نیو ہبریڈیز کی ایسی ہی صورت حال ہے چنانچہ پہلی اور دوسری اپریل سنہ ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے کہ یہاں سنہ ۱۹۱۱ء سے فرانس اور انگلستان کی مشترکہ سیادت قایم ہے۔ اور انتظام یہ ہے کہ وقت واحد میں یہاں دو ہائی کمشنر مقرر ہوتے ہیں۔ ڈاک کے ٹکٹوں پر دونوں ملکوں کی علامت پائی جاتی ہے۔ اور انگریزی عبارت والا ایک سٹ اور فرانسیسی عبارت والا ایک سٹ وقت واحد میں رائج ہے۔ حکومت کا کام دونوں ملکوں کے افسر مل کر کرتے ہیں۔ سرکاری زبان بھی ایک نہیں دو ہیں۔ اور جملہ سرکاری نشریات دونوں زبانوں میں ہوتے ہیں۔ عدالتیں تین قسم کی پائی جاتی ہیں ایک خالص فرانسیسی دوسرے خالص انگریزی اور تیسرے مخلوط عدالتیں ہیں — جن میں سے آخر الذکر کا صدر کوئی اجنبی ہوتا ہے غالباً فرانس کے ہتیار ڈال دینے کے بعد یہ علاقہ انگریزی اثرات کے تحت جنگ میں برابر کا شریک رہا ہوگا۔ اور چونکہ فاتح جرمن اپنی مرضی اس سے منوا نہیں سکتا تھا اور نہ وشی کی حکومت وہاں پر پورا پورا اقتدار رکھتی تھی اس لیے انگریزوں کو کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی ہوگی۔

شخصی اتحاد کا بھی ایک مسئلہ قابل غور ہے۔ ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۱۸ء کو ڈنمارک اور آئسلینڈ میں فی الحال پچیس سال کے لیے شخصی اتحاد عمل میں آیا۔ آئیس لینڈ ایک مقتدر مملکت ہے لیکن وہاں بری یا بحری فوج بالکل نہیں پائی جاتی۔ فوج کے عوض وہاں کل (۷۰) جوان کوتوالی پائے جاتے ہیں آبادی سوا لاکھ کی ہے۔ معاہدہ اتحاد میں طے ہوا تھا کہ پچیس سال گذرنے پر یعنی ڈسمبر سنہ ۱۹۴۳ء کے بعد تین سال کے عرصہ میں دونوں

مملکتوں میں کوئی نیا معاہدہ نہ ہو تو یہ اتحاد منسوخ کیا جاسکتا ہے اور دونوں مملکتیں دوبارہ الگ ہوجاسکتی ہیں۔ جیسا کہ ۱۰ و ۱۱ رمئی سنہ ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے۔ لیکن ڈسمبر سنہ ۱۹۴۰ء کے آنے سے پہلے یوروپی ڈنمارک پر جرمن فوجوں نے محافظانہ قبضہ کرلیا اور اس کے کچھ دن بعد آئسلینڈ پر انگریزی فوجیں اترگئیں۔ ظاہر ہے کہ جنگ کے باعث میعاد ساعت منقضی نہیں سمجھی جاسکتی اور تجدید معاہدے کے حق پر تمادی عارض نہیں ہوسکتی۔

مجلس اقوام پر جنگ کے اثرات | مجلس اقوام پر اس جنگ کے جو اثرات ہوئے ہیں ان کا بھی چلتے ہوئے مختصر ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

۱۵ رڈسمبر ۱۹۳۹ء کو فنلینڈ پر بے وجہ حملہ کے الزام میں روس کا مجلس اقوام سے اخراج عمل میں آیا۔ ۱۹۴۰ء میں انگلستان کو چھوڑ کر آخری بڑی مملکت یعنی فرانس نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ۱۰ رجولائی ۱۹۴۰ء کو رومانیہ بھی الگ ہوگیا۔ اور مجلس اقوام کی معتمدی معہ اسٹاف کے لندن بھیج دی گئی اور دفتر مسائل مزدوران امریکہ روانہ کردیا گیا جس کے باعث کہنا پڑتا ہے کہ یا تو مجلس اقوام کے حصے بخرے ہوگئے یا اس پر مشترکہ سیادت قایم ہوگئی۔ بہرحال اس کے بعد سے مجلس اقوام کا کوئی عملی وجود باقی نہیں ہے۔ البتہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مجلس اقوام کی اصلاح و ترقی کے لیے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ غیر سیاسی مسائل کے ایک شعبہ کا اس میں اضافہ کیا جائے چنانچہ اس کی مجلس کا پہلا اجلاس جنیوا میں نہیں بلکہ شہر ہیگ میں ۱۷ر فروری ۱۹۴۰ء کو ہوا۔ جس میں اس امر کی چھان بین کی گئی کہ اس شعبہ کا دائرہ عمل کیا ہوگا اور کون سے مسائل اس میں پیش ہوسکیں گے خاص کر ان مسائل کی چھان بین جو سیاسی یا غیر سیاسی ہونے کے متعلق پیچیدگی پیدا کرسکتے۔ چنانچہ ایسے مسائل کے صحیح زمرہ کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی جیسا کہ ۱۸ر فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ روس کا مجلس اقوام کے اس شعبہ سے بھی اخراج عمل میں آیا تھا۔

مملکتوں کا تسلیم کیا جانا | سلطنتوں کی خود مختاری کے ساتھ خود مختاری کا تسلیم کیا جانا ایک جزو لاینفک ہے۔ خود مختاری کا صریح طور سے تسلیم کیا جانا۔ ضمناً تسلیم کیا جانا۔ بعض شرائط کی تعمیل کرتے رہنے کی پابندی کے ساتھ تسلیم کیا جانا۔ معنوی طور پر تسلیم کیا جانا اور مجلس اقوام کا رکن بننے کے

The Annual Register 1939

World Affairs. Publisehd by State Broadcasting Service, Hyderabad-Dn. سلہ

Political Activities of the League of Nations, by Quincy Wright

باحمت تسلیم کیا جانا۔ یہ وہ مثالیں ہیں جو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہیں کیونکہ یہ قدیم چیزیں ہیں۔ اسی طرح واقعہ کی حد تک اور استحقاق کی حد تک Defacto — Dejure تسلیم کرنا بھی خاصا قدیم ہے چنانچہ ۱۹۳۷ء میں آئرے کی طرف سے اٹلی کی فتح حبشہ کو اسی طرح تسلیم کیا گیا تھا اور آئرلینڈ کا پہلا سفیر روما میں مقرر ہوا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس فرق کو صراحت کے ساتھ ڈی والیرا کی حکومت نے ظاہر کیا تھا۔ جیسا کہ ۲۹ ڈسمبر ۱۹۳۷ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے۔ محدود تسلیم بھی کسی قدر پرانی ہے چنانچہ منچوکو میں جاپان کے زیر اثر جو خود مختار مملکت قایم ہوئی اسے انگلستان نے تسلیم کرنے سے انکار کیا تو انگلستان سے جانے والی ڈاک کو منچوکو کے ڈاک خانہ نے اپنے یہاں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انگلستان نے منچوکو کی مملکت کو ڈاک خانہ کی حد تک مقتدر مملکت تسلیم کیا جو اپنی نوعیت کا ایک دلچسپ واقعہ تھا۔

حالیہ جنگ کے دوران میں بھی ایک نئی چیز نظر آتی ہے چنانچہ اسے جزئی تسلیم یا منقسم تسلیم کہنا چاہئے۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۱ء کے ٹائمز آف انڈیا نے یہ خبر شایع کی کہ جب ہالینڈ پر جرمنی نے قبضہ کر لیا اور پناہ گزیں اور مفرور ملکہ ہالینڈ نے لندن میں اپنی حکومت قایم کی جسے ہالینڈ کے مقبوضات اپنی جائز حکومت مانتے رہے تو جاپان نے جو اس وقت تک جنگ میں شریک نہ ہوا تھا یوروپی ہالینڈ کی حد تک ملکہ ولہلمینا کو جائز حکمران تسلیم کرنے سے انکار کیا لیکن جزائر شرق الہند جاوا وغیرہ کی حد تک ملکہ ولہلمینا کی پناہ گزیں حکومت کو جائز حکومت تسلیم کیا۔

حکومت کی دعویداری | جس طرح شکست خوردہ حکومت کسی دوست علاقہ میں جا پناہ گزیں ہوتی ہے اور وہاں سے اپنے چھنے ہوئے علاقہ کی ملکیت کی دعویدار رہتی ہے اور جس کی کم و بیش ایک درجن مثالیں حالیہ جنگ کے زمانہ میں بھی پیش آ چکی ہیں۔ اسی طرح اسی جنگ کے دوران میں ایک دلچسپ اور بظاہر مضحکہ خیز کوشش جاپان کے طرف سے ہوئی ہے۔ چنانچہ اس نے سوباش چندر بوس مفرور ہندوستانی لیڈر کے تحت آزاد ہندوستان کی ایک حکومت اپنے علاقہ میں قایم کر دی ہے جس کے ساتھ وزرا وغیرہ کا بھی پورا لوازمہ بنا دیا گیا ہے گویا برطانوی ہند کی موجودہ حکومت نہیں بلکہ جاپان میں پناہ گزیں ہندوستانیوں کی یہ جماعت ہی حکمرانی کا جائز حق رکھتی ہے۔

فی الواقع حکومت کے بالمقابل دو دو مدعیان استحقاق حکومتیں۔ گزشتہ زمانہ کی تاریخ میں ایسی نظیریں کافی ملتی ہیں کہ ایک حربی ملک اپنے حریف کی موجودہ حکومت کو ناجائز اور غاصب قرار دیکر اپنے ملک میں ایک نئی حکومت قایم کردے اور یہ حکومت جو کہ علاقہ اور سرزمین سے تو محروم ہوتی ہے لیکن اسے وہ تمام ممالک مستحق حکومت Dejure تسلیم کرتے اور اس کے پاس اپنے سفیر بھی متعین کرتے ہیں۔ حالیہ جنگ کے دوران میں ایک عجیب چیز یہ نظر آئی ہے کہ ایک ہی ملک کے متعلق اسی طرح کی برائے نام حکومتیں ایک سے زاید ممالک میں قایم ہوئیں اور یہ مخالفوں ہی میں نہیں بلکہ حلیفوں اور آپس میں متحد رہ کر جنگ کی ایک فریق ہونے والی مملکتوں میں۔ چنانچہ پولینڈ پر جب جرمنی کا قبضہ ہوگیا تو پناہ گزیں لوگوں کی مدد سے لندن میں بھی ایک حکومت پولینڈ کے لیے قایم ہوئی اور ماسکو میں بھی حالانکہ انگلستان اور روس دونوں ملکر جرمنوں سے متحدہ طور پر لڑ رہے ہیں ــــــــ بظاہر یہ انگلستان اور روس کی حکومتوں میں اختلاف رائے یا نامکمل ہم آہنگی کا نتیجہ ہے نہ کہ کوئی ایسا قاعدہ جو قانون بین الممالک میں جگہ پا سکے۔ بہرحال ایک دلچسپ مشاہدے کی حیثیت سے قابل ذکر معلوم ہوا۔

انتداب اس باب میں ایک آخری مسئلہ انتدابات کا ہے۔

یہ جدت بھرا ادارہ گذشتہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے اختتام پر وجود میں لایا گیا تھا اور اپنے مقصد کے لحاظ سے تاریخ انسانیت میں واقعی قابل فخر چیز تھا۔ اس کی تاریخ سے ہمیں یہاں بحث نہیں ہے۔

حالیہ جنگ کے آغاز پر اس کی صورت حال یہ تھی کہ درجہ دوم و سوم کے انتدابات تو اپنی حالت پر برقرار تھے سوائے غالباً اس واحد فرق کے کہ جاپان بہ حیثیت رہنما متولی بعض انتدابات پر قابض و نگران تو تھا لیکن وہ مجلس اقوام کی رکنیت سے الگ ہو چکا تھا گو پھر بھی حسب قاعدہ وہ مجلس اقوام کے شعبہ انتدابات کو اپنی سالانہ انتظامی رپورٹ مجلس اقوام کے وجود کے آخری دنوں تک برابر بھیجتا رہا جیسا کہ ۱۵ر ڈسمبر ۱۹۳۹ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا ہے۔

اس کے بعد سے چونکہ مجلس اقوام کی کارکردگی بند ہوگئی ہے اس لیے کوئی مزید امر قابل ذکر نہیں معلوم ہوتا۔

البتہ درجہ اول کے انتدابات میں سے ایک تو عراق اس جنگ کے آغاز سے پہلے خودمختاری کا اہل سمجھ کر انتداب سے آزاد کردیا جا چکا تھا۔ باقی فلسطین شام اور لبنان اپنی اپنی ابتدائی حالت ہی پر قانوناً برقرار تھے۔ حالیہ جنگ نے ان تینوں کی حالت پر معتدبہ اثر ڈالا ہے۔

فلسطین | فلسطین کی علاقہ انگریزی سیاست[1] بار بار کی تبدیلیوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ اعلان بالفور منسوخ کردیا جائے جس کے تحت فلسطین[2] یہودیوں کی مملکت تو نہیں البتہ قومی وطن بنانے کی کوشش کا اقرار تھا دوسرے ۹ / نومبر ۱۹۳۸ء کو اعلان بالفور کی منسوخی سے قطع نظر فلسطینی عربوں اور یہودیوں کی آبادی کا ایک تناسب بھی مقرر کردیا جس کے تحت یہودی ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہوسکتے تھے۔ اور یہ وعدہ کیا گیا کہ دس سالہ عبوری دور کے گذرنے کے بعد فلسطین کو خودمختار قرار دے دیا جائے گا اور عرب مملکتوں کی اس بارے میں ضمانت حاصل ہوگی لیکن زمانہ جنگ کی ضرورتیں اس آخری حکم میں مجبوراً تبدیلیاں کرا رہی ہیں۔ ایک طرف تو یہودی مالی کا دباؤ ہے جو خود انگلستان کے اندر سے اثر ڈال رہا ہے اور دوسرے امریکہ کے توسط سے متاثر کرنے کی بے انتہا کوشش کی جارہی ہے۔ ان کے علاوہ دوسری چیز تقریباً پورے یورپ پر جرمنی کی حکومت کا قایم ہوجانا لاکھوں یہودیوں کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہیں ہزاردں یہودی جو نازی گھیرے سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے ناطرفدار اسپین و پرتگال وغیرہ میں پہنچے ان کی ناگفتہ بہ حالت ہر انسان کو ہمدردی پر آمادہ کرسکتی ہے۔ انگلستان اور امریکہ ان کے لیے اپنی دولت اپنی وسعت اور اپنے وسائل سے ٹھکانا مہیا کرنے کی کوشش کی جگہ پھر پھر کر اسی نقطہ پر آرہے ہیں کہ یہودیوں کو فلسطین میں جانے دیا جائے چنانچہ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر یہ اطلاع شایع ہوئی کہ کافی تعداد میں یہودی پرتگال کی بندرگاہوں میں جہازوں پر سوار ہوئے اور فلسطین پہنچے۔ لیکن بحیثیت مجموعی یہ کہنا پڑتا ہے کہ تادم تحریر فلسطین کے سلسلہ میں قانون بین الممالک پر کوئی گہرا اثر نہیں پڑا ہے چاہے بین الممالک سیاست بدل گئی ہو۔

شام و لبنان | شام و لبنان کی کیفیت البتہ جدا ہے اس جنگ کے آغاز پر متحدین اپنی ناتیاری کے باعث بڑی ہراسانی محسوس کررہے تھے خاص کر فرانسیسی قومی خصوصیت یعنی زود تاثر پذیری

---

[1] The Palestine Mandate in Practice, by B. Akzin (Iowa Law Review)

[2] Palestine Nationality and the Mandate, By Norman Bentwich

اس کی سیاست میں بھی منعکس ہو رہی تھی چنانچہ ترکی کی حلیفی کی خواہش کے حصول میں فرانس نے اس بات کو منظور کر لیا کہ شامی انتداب کے متعلق مجلس اقوام سے رجوع کیے بغیر ایک معاہدہ ترکی کے ساتھ کر لے۔ اور اس انتداب کا ایک سرحدی حصہ یعنی انطاکیہ اور اسکندرونہ کے سنجق (جن میں سے آخر الذکر کا اب ترکی نام حطائی ہے) انتداب سے خارج کر کے ترکی کو دیدے۔ حتیٰ کہ اس معاہدے کو توثیق کے لیے تک مجلس اقوام میں نہ پیش کرے۔ اس معاہدے کی تکمیل اور فوری نفاذ پر چند ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ ۱۹۴۰ء کے وسط میں نانسی سواستیکا کے بوجھ نے فرانس کے کاریج کے گولہ کو دبا کر چکنا چور کر دیا۔ اس کے بعد بظاہر شام ولبنان لاوارث اور بے مالک ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ فرانس میں ایک حکومت قانوناً خود مختار اور برقرار رہنے دی گئی اور جرمن فوجی ضرورتوں کے لیے قبضہ کیے ہوئے علاقے کے باہر جو غیر مقبوضہ علاقہ تھا ان پر ویشی شہر سے اسی فرانسیسی حکومت کی حکمرانی باقی تھی۔ جلدی ہی جنگ نے وسعت اختیار کی اور یہ گمان ہونے لگا کہ جرمن فوجیں شام پر قبضہ کر کے آگے بڑھیں گی اور مصر و عراق کی طرف توجہ کریں گی۔ ایسے وقت انگریزی سیاست و تدبر نیز وسائل کارآمد ثابت ہوئے۔ اور جرمنی کے قبضہ سے پہلے انگریزی فوجوں کا قبضہ شام ولبنان پر ہو گیا جس میں برائے نام فرانس کی وہ حکومت مالکہ قرار پائی جو جلا وطن اور پناہ گزیں فرانسیسیوں کی مدد سے لندن میں جنرل ڈیگال کے تحت قایم کی گئی تھی۔ شام ولبنان میں انگریزی و آزاد فرانس کی جو مشترکہ فوجی حکومت قایم ہوئی اس نے اپنی ذاتی ذمہ داری پر ان دونوں مملکتوں کو آزاد قرار دیدیا۔ وہاں جمہوریتیں قایم ہوئیں چنانچہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کو برطانیہ نے اسے سرکاری طور سے تسلیم بھی کر لیا۔ جیسا کہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کے لندن ٹائمز میں ذکر ہے لبنان کے متعلق اسی طرح کا اعلان ۲۶ر نومبر ۱۹۴۱ء کو ہوا جس کی خبر ۲۸ر نومبر ۱۹۴۱ء کے لندن ٹائمز میں دیدی گئی ہے۔ البتہ یہ امر قابل یادداشت ہے کہ انگلستان اور فرانس نے شام ولبنان کی آزادی کا جو اعلان کیا وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقامی آبادی کا دل موہ لینے کے لیے تھا۔ دلی خلوص اور صاف بیانی منظور نہ تھی کیونکہ ۱۶ر اگسٹ ۱۹۴۱ء کو رہبر دکن حیدرآباد میں یہ خبر چھپی کہ شام ولبنان کی آزادی کے بعد بھی وہاں فرانس کو دیگر یوروپی اقوام پر اولیت حاصل ہونے اور فرانسیسی مفادات کو مرجح سمجھنے کی بابت انگلستان نے بھی علی الاعلان رضامندی دیدی بہرحال آزادی کے اعلان نے پیچیدہ

قانونی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ وہاں کی وہ معتدل ترین حکومت جو دوران جنگ میں
قایم ہو سکتی تھی اس نے تک اپنے آپ کو اس کا مجاز خیال کیا کہ اپنے دستور میں اپنی مرضی سے
اور اپنے پارلیمانی توسط سے حسب دلخواہ ترمیمیں کرے خاص کر لبنان نے اس کا اقدام کیا
چونکہ شام و لبنان کی غیر فوجی (سیول) حکومت میں فرانسیسی عنصر پوری طرح چھایا ہوا تھا
مصلحتاً انگریزی حکومت بھی شام و لبنان کا تعلق براہ راست اپنے سے رکھنے کی جگہ آزاد
فرانسیسی حکومت کے توسط سے اپنے زیر اثر رکھنے پر قانع تھی۔ اور اس آزاد فرانسیسی حکومت
کی قوت میں شمالی افریقہ کے پورے فرانسیسی علاقہ کے آجانے کے باعث کافی قوت آگئی تھی
اور امریکی ہمدردیاں بھی اب خالص انگریزی اثر میں ترازو کے دوسرے پلڑے پر اپنا بوجھ
ڈالکر کمی پیدا کر رہی تھیں بہرحال ان حالات کے باعث یہ ممکن ہو سکا کہ لبنان میں کوتوالی کا
فرانسیسی افسر اعلیٰ (جو ظاہر ہے کہ وزارت کے ایک افسر ماتحت سے زیادہ نہ تھا) شمالی افریقہ
میں کارفرما آزاد فرانسیسی حکومت کے اشارہ سے پوری وزارت حتیٰ کہ صدر جمہوریہ کو گرفتار
کرکے حکومت کو برخاست کر دیتا ہے اور صدر جمہوریہ کو باوجود اس کے بڑھاپے کے جبل الشیخ
کے سدا برف میں ڈھکے ہوئے سرد مقام کی چوٹی پر ایک قلعہ میں قید کر دیتا ہے۔ اس اطلاع
کا پھیلنا تھا کہ عربی بولنے والی دنیا میں بلکہ پوری دنیائے اسلام میں ردعمل عظیم اثرات پیدا کرنے
کا باعث بنا اور انگریزی حکومت کچھ تو ان اثرات سے متاثر ہو کر اور غالباً خود کچھ اپنی اس
خواہش کی بنا پر کہ شام و لبنان جیسے اہم علاقے آئندہ فرانس کے قبضہ میں نہ رہیں بلکہ انگریزی
دائرہ اثر میں شامل ہو جائیں فوراً بیچ میں پڑ کر یہ منوا لیا کہ صدر جمہوریہ اور ارکان وزارت
نہ صرف رہا کیے جائیں بلکہ اپنے عہدوں پر بحال بھی سمجھ لیے جائیں نیز لبنان سے کیے ہوئے
وعدہ آزادی کی تکمیل کی پیش رفت میں دوران جنگ میں بھی کچھ حقوق اسے دیے جائیں۔
الجزائر کی آزاد فرانسیسی حکومت نے اسے منظور کر لیا اور جیسا کہ فروری ۱۹۴۴ء کے انڈین ریویو
کی ماہوار ڈائری میں ریکارڈ کیا گیا ہے انتداب لبنان کی تاریخ میں پہلی دفعہ صدر جمہوریہ
اپنے دستور کی حمایت کا حلف اٹھایا۔ اور بہت سے عہدے جو اب تک نگران انتداب
فرانس کے راست اور خصوصی انتظام سے مخصوص سمجھے جاتے تھے مقامی حکومت کے سپرد
کر دیے گئے اور ایک مزید کارروائی یہ بھی طے پائی کہ لبنان و شام کی مملکتوں میں آپس میں
یگانگی کے اتحاد کا معاہدہ طے کر لیا گیا اور قرار پایا کہ ان میں آپس میں تجارتی حمل و نقل آزاد اور

محصول درآمد سے بری ہو۔ اور بیرونی درآمدوں پر جو محصول دونوں علاقوں میں وصول ہو اسے ایک مشترکہ دفتر کے سپرد کر کے سالانہ حساب کے بعد ایک خاص تناسب سے آمدنی کو دونوں مملکتوں میں بانٹ دیا جائے۔ یہ گویا شام و لبنان کے اتحاد و انضمام کی خواہش کا ابتدائی اور عملی مظاہرہ ہے۔

بہر حال انتدابات کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ان کی حد تک نگران انتداب مملکتیں اب کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ جنگ کے اختتام پر کیا صورت حال پیش آئیگی ابھی کچھ کہنا دشوار ہے۔

انتداب سے باہر لیکن اس سے بڑی قربت رکھنے والا ایک امر بین الممالک نگرانی ہے۔

بین الممالک نگرانی اس سلسلہ میں بھی فرانسیسی سیاست بعض اثرات چھوڑنے کا باعث بنی ہے چنانچہ شمالی مغربی افریقہ میں شہر طنجہ مشترکہ بین الممالک نگرانی میں تھا لیکن اسپین کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے فرانس نے اس پر آمادگی ظاہر کر دی کہ وہاں کا انتظام بالکلیہ اسپینی نگرانی میں دیدیا جائے۔ ۱۴ر جون ۱۹۴۰ع کو اسپینی فوجیں آنی شروع ہوئیں اور فرانس اس سے دست بردار ہو گیا بظاہر انگریزی حکومت نے بھی بروقت واقفیت کے باوجود اس پر چپ سادھ لی لیکن فرانس کی شکست کے بعد جب اسپین نے طنجہ کے متعلق بعض حقوق جو انگریزوں کو بھی حاصل تھے یکطرفہ فیصلہ کے ذریعہ سے ختم کر دیے تو انگریزی حکومت نے احتجاج کیا اور تلافی کے لیے مناسب وقت پر ضروری تدبیریں اختیار کرنے کا حق محفوظ رہنے کا اعلان کیا۔

غالباً دوران جنگ میں جرمنوں کا کسی علاقہ پر قبضہ اور وہاں حکمرانی میں دو عملی ہمارے موضوع سے کچھ بہت زیادہ تعلق نہیں رکھتی۔

بہر حال اس طرف اشارہ کرنا کافی ہوگا کہ اس سلسلہ میں متعدد واقعات پیش آچکے ہیں مثلاً جنوب مشرقی افریقہ کا فرانسیسی جزیرہ مدغشقر انگریزی قبضہ میں ہے اور جاپانی قبضہ کے خطرات سے بچانے کے لیے انگریزی فوج نے اس پر آزاد فرانس کے لیے قبضہ کیا ہے اسی طرح امریکہ کے قریب ہیرڈیز کے جزائر پر بھی انگریزی اور ممالک متحدہ امریکہ کے اثرات وزن ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قانون جائداد | قانون جائداد کے تذکرے میں کوئی خاص چیز قابل ذکر نہیں نظر آتی بجز اس کے کہ ۱۹۴۰ء کے آغاز پر جرمنی اور اٹلی میں اس امر کے متعلق سمجھوتہ ہوگیا کہ ۱۹۱۸ء کی جنگ کے اختتام پر اٹلی کو تیرول کا جو علاقہ عطا ہوا تھا اور وہاں تقریباً ہر ارسال سے خالص جرمن نسل کی آبادی تھی اس کو حکم دیا جائے کہ یا تو جرمنی چلی جائے یا اس بات کو منظور کرے کہ اسے اس سرحدی علاقہ سے ہٹا کر اٹلی میں کسی اور مقام پر بسا دیا جائے جو آبادی جرمنی چلی گئی اس کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ اس کے قرضوں اور رہنوں اور دیگر جائیدادی حقوق کی مالیت ساڑھے سات ارب لیرا قرار دی گئی اور زوڈیٹن لینڈ وغیرہ سے بھی اطالوی آبادی کو اٹلی چلے جانے پر جرمنی کی طرف سے چونکہ مجبور کیا گیا تھا اس لیے ان کے جائیدادی حقوق کا تیرول کی وصول طلب رقم سے مجرا دیا جانا طے پایا۔ جیسا کہ ۱۶ ر فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں بیان کیا گیا ہے۔

کثیر تعداد میں آبادیوں کا تبادلہ حالیہ زمانہ میں یونان و ترکی کی جنگ کے اختتام پر طے ہوا تھا۔ لیکن حالیہ جنگ کے زمانہ میں اس نے بہت بڑی اہمیت اختیار کرلی۔ چنانچہ ۹ ر نومبر ۱۹۳۹ء کے لندن ٹائمز میں بیان ہوا تھا کہ یہودیوں کو اصل جرمنی سے نکال کر پولستان وغیرہ بھیجا جا رہا ہے چنانچہ برلن ہی سے تیس ہزار یہودی منتقل کیے گئے۔ مذکورۂ بالا تیرول سے کئی لاکھ جرمن اٹلی نے خارج کیے۔ ۲۰ ر نومبر ۱۹۳۹ء کے لندن ٹائمز نے بیان کیا تھا کہ لبلن کے اطراف کے علاقہ میں جرمنی آسٹریا چیکوسلواکیہ کے ڈیڑھ کروڑ یہودیوں کو لاکر بسایا جا رہا ہے۔ استھونیا لاتویا۔ اور لتوانیا پر جب روس نے قبضہ کرلیا تو وہاں سے بھی بکثرت جرمن خارج کیے گئے چنانچہ ۱۴ ر فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز نے بیان کیا ہے کہ ۱۸ ر فروری سے یکم مارچ تک چھ لاکھ روسیوں کو جرمن علاقہ سے روس میں منتقل کرنا طے پایا ہے۔ ۲۲ ر فروری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں لکھا تھا کہ روسی پولستان سے اس وقت تک ایک لاکھ چالیس ہزار جرمن خارج کیے گئے جن کو جرمن حکومت لوتس (LODZ) کے اطراف بسا رہی تھی۔ ان مختلف خبروں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ تبادلہ آبادی اور جائدادی مسائل میں جنگ کے باعث کتنی عظیم وسعت حاصل ہوچکی ہے۔

اختیار سماعت | مسائل اختیار سماعت کے سلسلہ میں غالباً اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ اب تک اعلان جنگ کے قبل متوقع دشمن کی رعایا کے خلاف معمولی نگرانی اور چوکسی کے سوا

کوئی اور سختی نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن اگسٹ ۱۹۳۹ء میں حکومت ہند نے جنگ چھڑنے سے کئی ہفتہ قبل ہی سے جرمن اور اطالوی مستامنوں میں سے بہت سوں کو نظر بند کردیا تھا اور جنگ چھڑنے کے بعد جرمن نظر بندی حیثیت اختیار کرگئے جو عام طور پر جرمنی کی رعایا کی ہوتی ہے۔ برطانوی ہند میں جنگ سے پہلے یہ نظر بندی اپنی نوعیت کی سبب سے پہلی معلوم ہوتی ہے ورنہ ایسے ناخواندہ مہمان زیادہ سے زیادہ فوراً ملک بدر کردیے جاتے ہیں۔ نظر بند نہیں کیے جاتے۔ بظاہر اس پر اور جگہ عمل نہیں ہوا حتیٰ کہ جرمنی میں اعلان جنگ ہونے کے بعد مستامنوں کو جن کے ممالک سے جنگ چھڑ گئی تھی ملک سے چلے جانے کی کافی آزادی حاصل رہی۔ چنانچہ جامعہ ملیہ دہلی کے شیخ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا معاملہ اسی کی ایک مثال ہے جو جرمنی سے سوئزرلینڈ اور اٹلی ہوتے ہوئے ہندوستان واپس آئے۔

حفاظتی منطقہ | علاقہ وار سمندر کا مسئلہ[1] اسی باب سے متعلق ہے۔ اور باوجود بیسیوں کوششوں کے اب تک ساحل سے تین میل ہی تک سمندر کو متصلہ مملکت کے اختیار سماعت میں داخل سمجھا جاتا رہا ہے۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء میں جب پناما کانفرنس کے نام سے امریکی ریاستیں ہم بزم ہوئیں تو انھوں نے جنگ کو اپنی سرزمین سے دور رکھنے کے لیے یہ اعلان کرنا طے کیا کہ حسب ضرورت تین سو سے چھ سو میل تک چوڑا رقبہ علاقہ وار سمندر سمجھا جائے گا جسے حفاظتی منطقہ (سیفٹی بلٹ) کا نام دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اس رقبہ میں کوئی بحری جنگ نہ ہونے پائے لیکن جو حربی ممالک امریکہ میں اپنے مقبوضات رکھتے ہوں (جن سے مراد فرانس برطانیہ اور برطانوی قلمرو تھے) انھیں اپنے علاقہ سے متصل مذکورہ حفاظتی منطقہ میں آزادی رہے گی کہ اپنے دشمن پر اگر وہ وہاں آئے تو اس پر وار کریں جیسا کہ ۴ / اکتوبر ۱۹۳۹ء کو لندن ٹائمز میں شایع ہوا۔

امریکی مملکتوں نے طے کرنے کو تو یہ فیصلہ کردیا لیکن دو چار دن بعد ہی انہیں اس میں فائدہ کی جگہ نقصان نظر آنے لگا چنانچہ یہ سوال پیدا ہوا کہ اس تین سو میل چوڑے سمندر میں کیا کوئی جرمن جہاز ایک امریکی مملکت کی بندرگاہ سے دوسری کو امن و سلامتی کے ساتھ جاسکتا

---

[1] قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں از: ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔

یا انگلستان و فرانس اس حفاظتی منطقہ کی ناطرفداری کو توڑ کر جرمن جہاز کا پیچھا کر سکتے اور اس سے مقابلہ کر سکتے ہیں جیسا کہ ۶ ر نومبر ۱۹۳۹ء کو لندن ٹائمز میں شایع ہوا تھا غالباً ایسی ہی دشواریاں ہونگی کہ پھر اس خود ساختہ قانون کا نام سننے میں نہیں آیا ۔

۳۰ ر جولائی ۱۹۴۰ء کو ہوانا کانفرنس ہوئی جس میں امریکی ریاستوں نے طے کیا کہ جن یوروپی ممالک کے مقبوضات امریکہ میں ہوں ان کو شکست بھی ہو جائے تو ایسے ممالک کے امریکی مقبوضات فاتح پر منتقل نہ کیے جائیں اور بظاہر ایسے ممالک کے لیے بین الامریکی انتداب پیش نظر تھا ۔

مراعات خصوصی | مشرقی ممالک میں اس بدنام نظام کا جو خاتمہ ہو رہا ہے اس کی بعض آخری چیزیں بھی اس جنگ کے دوران میں پیش آئیں چنانچہ چین کے جنوبی صوبہ نانکنگ میں فاتح جاپان نے مارچ ۱۹۴۳ء میں اپنے امتیازات اور مراعات خصوصی سے دست برداری دیدی اور ایک نئی پالیسی کا آغاز کیا غالباً یہ اس عمل کا ردعمل ہوگا کہ ۱۳ ر جنوری ۱۹۴۳ء کے اخباروں کی شایع کردہ اطلاع کے بموجب انگلستان نے دوران جنگ ہی میں چین میں مراعات سے دست برداری دیدی چنانچہ جلدی ہی اس کو امریکہ نے بھی تسلیم کرلیا اور چینی عدالتوں کو انگریزوں اور امریکیوں کے مقدمات کی سماعت کا مکمل اقتدار مل گیا ۔

حیدرآباد میں یوروپیوں اور امریکیوں کو بعض مراعات خصوصی | ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد میں ایک واقعہ پیش آیا جو قابل ذکر ہے اس کے پس منظر کے طور پر یہ یاد دلانا ہے کہ حیدرآباد میں بھی یوروپیوں اور امریکیوں کو بعض مراعات خصوصی اختیار سماعت کے سلسلہ میں حاصل ہیں اور ان کا مقدمہ معمولی عدالتوں میں پیش نہیں ہوتا بلکہ ان کے خلاف فوجداری مقدموں کی سماعت حکومت حیدرآباد کا ایک ایسا انگریز ملازم کرتا ہے جس کو خاص اس غرض کے لیے حکومت سرکار عالی نامزد کرتی ہے (مجموعہ ضابطہ فوجداری سرکار عالی باب ۲۸) ۔

۱۹۴۱ء میں ایک امریکی تبلیغی مشن کے نگرانکار پادری نے حیدرآباد میں تحقیر عدالت کا اس طور پر ارتکاب کیا کہ اس نے ایک منصف کے مکان پر جا کر اسے دھمکی دی کہ ایک عورت کو جو پہلے عیسائی تھی اور جس نے برضا و رغبت اسلام قبول کرلیا تھا اگر عدالت دوبارہ اس پادری کے سپرد نہ کردے تو وہ اس منصف کو برطرف کرا دیگا منصف کی شکایت پر حیدرآباد کی عدالت عالیہ نے اس مقدمہ کی سماعت کی اور پادری کو یہ قرار دیتے ہوئے کہ تحقیر عدالت کے مقدمات میں یوروپین کے لیے کوئی امتیاز نہیں کیا گیا ہے ایک سو روپیہ جرمانہ کی سزا صادر

فرمائی گئی۔ (دکن لا رپورٹ جلد ۳۰ صفحہ ۱۴۰ - سرکار عالی بنام ڈاکٹر میلے وغیرہ)

حیدرآباد کی عدالتیں کم از کم تحقیر عدالت کے مقدمات کی حد تک امریکیوں انگریزوں اور یوروپین اقوام کے متعلق بے بس نہیں ہیں اور ان کے مقدمات کی سماعت کر سکتی ہیں۔ وہ صورت بڑی مضحکہ خیز ہوگی جب احیاناً عدالت العالیہ کی تحقیر کوئی ایسا شخص کرے اور اس مقدمہ کی سماعت حکام عدالت العالیہ خود نہ کر سکیں بلکہ جس طرح اوپر ذکر کیا گیا ہے کوئی انگریز افسر کرے اور پھر اس کے مرافعہ کی ضرورت ہو تو وہ عدالت العالیہ میں آئے۔ مگر فی الحال یہ بحث قبل از وقت ہے۔

بحری فریسخ کا قانون | بحری[1] جنگ کے سلسلہ میں ناطرفدار ممالک کی حیثیت کے متعلق بھی اس جنگ کے دوران میں بعض واقعات پیش آئے جن کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ مقدمہ ہے جس میں ایک جرمن جہاز آلٹ مارک[2] انگریزی جنگی قیدیوں کو لیے ہوئے بحر بالٹک کی ایک ناطرفدار بندرگاہ میں لنگرانداز اور پناہ گزیں تھا ایسے میں انگریزی جنگی جہازوں کی ایک برتر قوت والی ٹکڑی وہاں پہنچی۔ نہ تو مقامی حکومت اور نہ ہی اس جرمن جہاز میں اتنی سکت تھی کہ انگریزی بیڑے سے اس وقت مقابلہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے اپنے ہم وطنوں کو جو جرمن قید میں تھے چھڑا لیا اور واپس چلے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے جرمن جہاز کو کوئی اور نقصان نہیں پہنچایا لیکن پھر بھی ناطرفدار اختیار سماعت میں دخل دیا اور اس کے دیے ہوئے امان (کوارٹر) کی خلاف ورزی عمل میں آئی چنانچہ برطانیہ سے احتجاج کیا گیا تو حکومت برطانیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ جرمن ان انگریزی قیدیوں کے ساتھ خلاف انسانیت سلوک کر رہے تھے چنانچہ ان کو جہاز کے سب سے نچلے حصہ میں رکھا گیا تھا جہاں کی سردی اور نمی نے ایک انگریز قیدی کے پاؤں میں نقرس کے مرض کو دوبارہ پیدا کر دیا۔ بظاہر یہ بہانہ سازی تھی لیکن بے بسی کچھ نہ کرا سکی اور جرمن بھی سمجھ گئے کہ اپنے دوست ناطرفدار مملکت کو کچھ سزا دینی بیجا ہوگی کیونکہ اس کی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا تھا اور وہ واقعی بے بس تھا۔

---

[1] The Naval Role in Modern Warfare, by Admiral Sir Herbert Richmond

[2] The Year Book - Times of India 1939

دوسرا مقدمہ جاپانی جہاز آسمامارو کا ہے۔ اس میں چند جرمن مسافر بھی سفر کر رہے تھے انگلستان کے جنگی جہازوں نے جاپان کے علاقہ وار سمندر سے باہر ساحل سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر اسمامارو کو روکا اور جبراً جرمن مسافروں کو اتروا کر اپنے جہاز پر سوار کرالیا اور قیدی بنا کر چلے گئے۔ جاپانی حکومت نے احتجاج کیا کہ یہ جاپانی سمندروں کی ہتک ہے اگرچہ مروجہ قانون بین الممالک کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی تھی لیکن جاپان کو ناطرفدار رکھنے کے لیے ہر رعایت دی جاسکتی تھی۔ اس لیے بالآخر اشک شوئی کا انتظام یوں کیا گیا کہ جرمن مسافروں میں جو سپاہی تھے یا بھرتی کے حکم کے سلسلہ میں جا کر سپاہیانہ خدمت کا جائزہ لینے والے تھے ان کو رکھ کر باقی جرمن مسافروں کو جاپان کے سپرد کردیا گیا اور اپنی قید سے چھوڑ دیا اور اس طرح اس قضیہ کا تصفیہ ہوگیا (ملاحظہ ہو لندن ٹائمز فروری ۱۹۴۰ء۔)

قانون مساوات | قانون مساوات پر حالیہ جنگ کا کوئی خاص اثر نظر نہیں آتا البتہ قانون سفارت میں کافی اضافے نظر آرہے ہیں چنانچہ:۔

آزاد ممالک اور مشابہ آزاد ممالک | برطانوی ہند جیسے غیر آزاد علاقہ سے بھی اب برطانیہ کے علاوہ متحدین میں کے دیگر آزاد ممالک کے سفارتی تعلقات قایم کئے جارہے ہیں۔ امریکہ کی طرف سے ایک نئی جدت یہ نظر آرہی ہے کہ سرکاری سفیر کے علاوہ صدر جمہوریہ کے شخصی نمائندہ کے نام سے بھی سفارت کار بھیجے جارہے ہیں جن کی حیثیت ایک طرح سفیر غیر معمولی کی سی ہے۔

(ب) جنگ

قانون جنگ کے سلسلہ میں متعدد دلچسپ چیزیں نظر آتی ہیں۔

اعلان جنگ[له] | سب سے پہلے اعلان جنگ کا مسئلہ ہے۔ ہیگ کانفرنسوں کا قایم کردہ قاعدہ کہ جنگ سے پہلے اعلان جنگ ضروری ہے یا کم از کم نہائیہ (الٹیمیٹم) بھیجنا لازمی ہے۔ اس قاعدہ کے سلسلہ میں چند چیزیں قابل ذکر ہیں۔

جب اٹلی نے یونان پر حملہ کیا تو اطلاع آئی تھی کہ اطالوی سفیر ایتھنز نے رات کے تین چار بجے یونانی وزیر خارجہ کو اس کے مکان پر جا کر بیدار کیا اور ایک مراسلت اس کے سپرد کی جس میں یہ درج تھا کہ گھنٹے دو گھنٹے کے بعد اٹلی اور یونان میں حالت جنگ قایم

له International Affairs by Berridale Keith Vol. 1 & 2
International Law and the Present War, by W. Friedmann

ہو جائے گی۔ ایسے وقت اطلاع کے متعلق یہ خیال کیا جائیگا کہ وہ قانون کے مغز کی نہیں چھلکے کی اور معنی اور مقصد کی نہیں بلکہ لفظ کی تعمیل ہے۔

(۲) جاپان کا برطانیہ اور امریکہ پر اعلان جنگ کچھ مبہم سا ہے۔ واقعات یہ معلوم ہوتے ہیں کہ انگلستان اور امریکہ کی طرف سے چین کو جو روز افزوں مدد دی جارہی تھی اور جس کے باعث چین کی قوت مقاومت بڑھتی نہیں تو برقرار نظر آرہی تھی اس پر جاپان کی طرف سے احتجاج ہوئے اور بالآخر یہ دھمکی دی گئی کہ اگر آئندہ اس مدد کا اعادہ ہو تو جاپانی حکومت مناسب تدبیریں اختیار کرنے کا اپنا حق محفوظ رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک صبح اخباروں میں یہ اطلاع شایع ہوئی کہ جاپانی حکومت نے کسی مزید زحمت کی ضرورت نہیں خیال کی اور صرف اس کے فوجی مستقر سے دنیا کو یہ سنا دیا گیا کہ اب جاپان کی امریکہ اور انگلستان کے ساتھ حالتِ جنگ قایم ہے۔

(۳) جرمنی کا پولستان پر حملہ کرنا آیا کسی اطلاع یا نہائیہ کے بعد تھا یا غفلت میں اچانک حملہ کیا گیا فی الحال نہیں بتایا جاسکتا کیونکہ ہمارے سامنے صرف یکطرفہ بیانات ہیں۔ اپنی حد تک یہ ظاہر ہے کہ حملہ سے ہفتوں پہلے سے جرمنی کی روش تخویفی انداز اختیار کر چکی تھی۔ اسلئے اعلان جنگ نہ ہونے کے باوجود تیاریوں سے غافل رہنا غفلت مجرمانہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

(۴) یہی حال روس اور جرمنی کی جنگ کا ہے کہ آیا اس میں کوئی اعلان یا نہائیہ بھیجا گیا تھا یا نہیں تا حال ٹھیک طور سے معلوم نہیں ہے۔

(۵) کنیڈا اور جرمنی میں حالت جنگ کا قایم ہونا ایک دلچسپ نظیر پیدا کرتا ہے۔ برطانیہ نے جرمنی کو جو نہائیہ بھیجا وہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء یا اس کے ایک دن بعد تھا اور ایک یا دو دن انتظار کرنے کے بعد ۳ ستمبر کی دوپہر سے حالت جنگ قایم ہوئی تھی۔ دولت عامہ برطانیہ میں جو قلمرو ہیں ان میں سے کینیڈا نے اگرچہ انگلستان کے چند دن بعد اعلان جنگ کیا لیکن اس صراحت کے ساتھ کہ اسے مستقدمانہ اثر حاصل ہوگا اور اسی وقت سے کینیڈا اور جرمنی میں حالت جنگ قایم سمجھی جائے گی جب سے کہ جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا۔ علاوہ اپنی نوعیت کی ایک دلچسپ مثال ہونے کے یہ تصفیہ قانونی اثرات سے خالی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی جرمن مستامن کو کینیڈا میں مثلاً ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء تک حق دعویٰ حاصل رہا ہو

اور پھر اس کے بعد سے قانون میعاد سماعت کے تحت تمادی عارض ہونے والی ہو تو مستقدمانہ اثر والے اس اعلانِ جنگ کے باعث اس جرمن مستامن کو جنگ کے بعد حق دعویٰ حاصل ہو جانا چاہیئے اور دو دن کی اسے مہلت ملنی چاہیئے ۔ اسی طرح کینیڈا کی عدالتوں میں جرمن مستامنوں کے متعلق یکم و دوم ستمبر ۱۹۳۹ء بلکہ اس کے بعد بھی چند دن تک یعنی اس وقت تک جب کہ کینیڈا نے واقعتہً اعلان جنگ جرمنی کے خلاف کیا، فیصلے ہوئے، باوجود فیصلہ ہو چکنے کے کالعدم سمجھے جائیں کیونکہ جب قانوناً حالت جنگ یکم ستمبر سے قایم ہو گی تو پھر حربیوں کو عدالتی چارہ جوئی کا حق بھی باقی نہیں رہ سکتا ۔ یہ اور اس طرح کے دیگر مسائل قابل لحاظ عملی اہمیت رکھتے ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں ہے[1]

اعلان جنگ کے بعد مستامنوں سے برتاؤ | پہلے بھی قانون بین الممالک میں کوئی خاص متفق علیہ قاعدہ کے تحت برتاؤ نہیں ہوتا تھا پھر بھی اب تک رواج یہ معلوم ہوتا تھا کہ خطرناک افراد کو چھوڑ کر باقی عورتوں اور بچوں کو گرفتار نہیں کیا جاتا تھا ۔ اسی طرح مشرقی ممالک میں آئے ہوئے مشنری یا دریوں کو چھیڑا نہیں جاتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حالیہ جنگ کے زمانہ کی سیاست سے دلچسپی ہر طبقہ رعایا میں پھیل گئی ہے ۔ حتیٰ کہ مسیحی مبلغ بھی خالص مذہبی کاموں سے وابستہ رہنے اور کم از کم سیاسیات سے الگ تھلگ رہنے کی جگہ سب نہیں تو کم از کم نوجوان مسیحی مبلغوں کا ایک حصہ مذہب کے ساتھ ساتھ اپنی قومی سیاست کا بھی ہمدرد و ہمنوا بلکہ معاون و مددگار بن گیا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ چند استثناؤں کے سوا حربی سلطنتوں کی رعایا کو جو جنگ سے پہلے مستامن کی حیثیت رکھتی تھی نظر بند کر دیا گیا ہے ۔ عورتیں ہوں کہ بچے، یا دری ہوں کہ کوئی اور پیشہ انجام دینے والے سب کی حیثیت جنگی قیدیوں کی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ برتاؤ میں ہر ایک کے ساتھ فرق ہے اور جنگی خدمت انجام دے سکنے والے مردوں کی چوکسی لازماً زیادہ سختی کے ساتھ کی جاتی ہے ۔ نیز بیرونِ قید خانہ سے ان کی خط و کتابت بھی محدود تر ہے ۔ بعض صورتوں میں تو نظر بندی کے کیمپ کی جگہ زبانی اقرار کے کیمپ قایم کیے گئے ہیں جن میں رہنے والوں سے فرار نہ ہونے کا زبانی اقرار لیکر انھیں کافی آزادی دی گئی ہے ۔ یہ ہندوستان کے حالات ہیں دیگر حربی ممالک کے حالات معلوم کرنے کے وسائل اس وقت نہیں ہیں ۔

---

[1] Legal Aspects of Internment by E. J. Cohn 4, Modern Review p. 200

کشوری اور لشکری آبادی کا فرق مقاتل اور غیر مقاتل یا لشکری و کشوری آبادی کا فرق بھی اس جنگ میں پہلے کی بہ نسبت اب بہت کم ہو گیا ہے۔ آج سے سالہا سال قبل لارڈ برکن ہیڈ نے اپنی کتاب انٹرنیشنل لا میں لکھ دیا تھا کہ طیارہ رانی، مملکتوں کی حکومت میں عوام کے منتخبین، جنگ میں قریب قریب ہر ایک صنعت کے مفید ہونے سے ہر فرد قوم کو جنگ کے کامیابی تک پہنچانے میں کچھ نہ کچھ حصہ لینا ہوتا ہے غرض جنگ کی ہمہ گیری کے باعث نیز اس بناء پر کہ ناکہ بندی، محاصرہ، ہوائی بمباری وغیرہ کی صورت میں بے ضرر سے بے ضرر کشوری آبادی کا متاثر ہو جانا ناگزیر ہے ان وجوہ سے لشکری و کشوری میں فرق کا نہ ہونا سابق سے کہیں زیادہ موجودہ جنگ میں حقیقت کا ترجمان بن گیا ہے۔ حتیٰ کہ اندھے اور لنگڑے بھی میدان جنگ سے دور ہتیار سازی کے کارخانوں وغیرہ میں جنگ کی تیاریوں میں مصروف و منہمک ہیں۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر یہاں تک اطلاعیں شایع ہوئی ہیں کہ جرمنی اور جاپان میں آٹھ آٹھ بارہ بارہ سال کے بچوں کو بھی جبراً جنگی ضروریات کے لیے خدمت انجام دینے پر مجبور کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بچے ان لوگوں کو جو نسبتہً کم اہم فرائض انجام دیتے تھے ان کی خدمات سے چھڑا کر اہم تر جنگی خدمات میں جانے کا موقع دیں گے۔ بہر حال انسانیت کی بیرحمی حد اعتدال سے متجاوز ہو چلی ہے۔

جدید آلات حرب جنگ کے طریقوں کے سلسلہ میں کم از کم یہ امر باعث اطمینان ہے کہ زہریلی گیس اور وبائی جراثیم کا پھیلانا فریقین میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا ہے۔ آبدوزوں اور سرنگوں کی کارکردگی البتہ کم ہونے کا نام نہیں لیتی اور سائنس کی ترقی نے ان کی ہولناکی اور ان کے موثر ہونے میں اضافہ ہی کر دیا ہے۔ بعض نئے آلات جنگ استعمال ہونے لگے ہیں جن میں مقناطیسی سرنگیں، بری اور بحری اور ہوائی سرنگیں، جگر شگاف چیخیں مارنے والے بم، ہوائی چھتریوں کا بکثرت استعمال اور اسی طرح کی متعدد چیزیں دنیا کے سامنے آئی ہیں لیکن بظاہر ان میں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں پائی جاتی۔ ایک مرتبہ مسٹر چرچل وزیر اعظم انگلستان نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ جرمن اب ایسی سرنگیں استعمال کر رہے ہیں جو انگریزی جہازوں کی آواز پہچانتی ہیں نیز غیر انگریزی جہاز کے گذرتے وقت پھٹنے کا نام نہیں لیتیں۔ معلوم نہیں کہ یہ چھپا ہوا طنز تھا یا حقیقت حال۔ جرمن کامیابیوں کے زمانہ میں ایک مقامی طنزیہ خبر یہ تراشی گئی کہ آسٹریلیا کے اصلی باشندوں میں بومرانگ نامی درانتی کی قسم کا جو ہتیار پایا جاتا ہے

Encyclopaedia Britannica (Supplement)

اور جو پھینکنے پر یا تو شکار کو گرا دیتا ہے ورنہ شکاری کے ہاتھ میں واپس آجاتا ہے بالکل اسی طرح جرمن توپوں کے گولے انگریز جہازوں کو لگتے ہیں یا پھر جرمن توپوں میں واپس آجاتے ہیں!!

اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ غیر سپاہیوں کو بلا دریافت غنیم کے ہر آدمی پر گولی چلانے کی ممانعت ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والے آزاد وار کرنے والے Franc-Tireurs کہلاتے ہیں۔ (جن کو اندھا دھند وار کرنے والے کہنا بہتر ہوگا) اور اس طرح کا فعل ایک بڑا جرم ہے اور ہو سکتا ہے کہ غنیم کے جس آدمی پر گولی چلائی گئی وہ قابل قتل نہ ہو مثلاً سفیر ہو یا حالت اضطرار میں ہو جب کہ صرف اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ اور پناہ دی جانی ضروری ہے۔ خاص کر حالیہ جنگ کے زمانہ میں طیاروں سے چھتری پکڑ کر کودنے والے دو طرح کے ہو سکتے ہیں ایک اقدامی جو حریف سے لڑنے کے لیے برستے ہیں اور دوسرے اضطراری جو اپنی اڑنے والی سواری کی تباہی کے باعث گر کر پاش پاش ہو جانے سے بچنے کے لیے چھتری پکڑ کر کودتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اقدامی کودنے والوں کو بے شک گولی کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے لیکن اضطراری طور سے کودنے والے پناہ دیے جانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ غیر سپاہیوں کو گولی چلانے کی جو ممانعت تھی وہ حالیہ جنگ میں بہت کچھ ختم ہو گئی ہے۔ چونکہ کشوری آبادی کے ہر ہر گاؤں میں جو محافظ دستے قایم کیے گئے ہیں اور جن کو انگلستان میں ہوم گارڈ (وطنی محافظین) کہا جاتا ہے۔ وہ ہتیاروں سے بھی لیس ہوتے ہیں۔ اور حربیات کے خاصے تربیت یافتہ بھی۔

وطنی محافظین | ۱۲ فروری ۱۹۴۴ء کے روزناموں میں وزارت انگلستان کے ایک ممتاز فرد کی تقریر شایع ہوئی ہے جس میں وزیر موصوف نے اس پر زور دیا ہے کہ یہ وطنی محافظ اب اچھی طرح تربیت پا چکے ہیں اور ضروری ہتیاروں سے بھی لیس ہو چکے ہیں اور ہر ناگہانی صورت سے نمٹنے کی پوری صلاحیت پیدا کر چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نوجوان کو اہم تر فوجی قواعد و ضوابط سے بھی واقف کرا دیا جاتا ہے لیکن یہ توقع فضول ہے کہ وہ تربیت یافتہ سپاہیوں کی طرح جنگی قواعد و ضوابط سے باخبر رہیں گے اور ناگزیر فوجی اور غیر فوجی اشخاص کا فرق نہ صرف ہدف بننے میں بلکہ لڑنے اور ہدف بنانے میں بھی ختم ہوتا نظر آرہا ہے اور وہی پرانا نظریہ زندہ ہوتا نظر آتا ہے کہ ا۔

Bellum Omnium Contra Omnes.

Status of Home Guard international Law, By J. Merdyn Jones. 56 Law. Q. Review, p. 212

یعنی سب کی جنگ سب کے ساتھ۔ دوسرے الفاظ میں حربی مملکتوں کی رعایا کا ہر فرد اپنے حریف کے علاقہ کے ہر فرد سے عملاً برسر جنگ ہوتا ہے۔

پانچواں کالم اس سلسلہ میں دو اور چھوٹی چیزوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو زیادہ تر اس جنگ کی پیداوار ہیں۔ ایک تو پانچویں کالم کی اصطلاح ہے جو زیادہ تر اس جنگ ہی کی پیداوار ہے جس سے منشا یہ ہوتا ہے کہ حریف کے علاقہ میں ہمارے ہمنوا لوگ ہماری ہی فوجی قوت کی پانچ ستون والی عمارت کا ایک ستون ہیں اور ان کی بروقت عملیت یا غداری ہمارے لیے قابل لحاظ مدد پہنچا سکتی ہے۔ یہ اصطلاح اولاً حالیہ اسپینی خانہ جنگی کے سلسلہ میں جنرل فرانکو نے استعمال کی تھی اور اس کا استعمال حالیہ جنگ کے زمانہ میں بہت عام ہوگیا ہے۔

کوئزلنگ ایک دوسری اصطلاح خالص اس جنگ کی پیداوار ہے یہ کوئزلنگ ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مفتوحہ علاقہ کا ایسا شخص جو اپنی سابقہ حکومت کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کرکے نئے فاتحوں اور قابضوں کو جائز حکمران تسلیم کرے اور ان کے قبضہ کو مستحکم بنانے میں عملی حصہ لے۔ اصل میں کوئزلنگ ایک فوجی افسر کا نام تھا جس نے ناروے میں جرمنوں کے ساتھ بڑا تعاون کیا اور جرمن نگرانی وتائید نے اسے ناروے کا وزیر اعظم اور صدر حکومت بنادیا تھا۔ اگر حالیہ جنگ میں محوریوں کو فتح ہو تو یہ لفظ غالباً جلدی ہی استعمال باہر ہوجائیگا ورنہ بظاہر اب وہ کم از کم انگریزی ادبیات میں اپنے بھدے اپنی صوتی خوبی کے باعث مستقل جگہ پیدا کرچکا ہے۔

جنگی قیدیوں سے سلوک جنگی قیدیوں سے سلوک کے سلسلہ میں کوئی خاص جدتیں نظر نہیں آتیں۔ قیدیوں کا تبادلہ نسبتہً بے حد گھٹ گیا ہے۔ جنگی قیدیوں کو اپنے ملک میں اپنے رشتہ داروں سے خط و کتابت کرنے اور خیریت کی اطلاع دینے اور اطلاع حاصل کرنے کی سہولتیں باقی ہیں لیکن انتظامات کی دشواریوں کا کچھ اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جرمنی کے قبضہ میں فرانس کے دس پندرہ لاکھ قیدی تھے (قبل اس کے کہ پورے فرانس پر جرمنی کو قبضہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی) روسی قیدیوں کی تعداد بھی اس سے کم نہ ہوگی۔ جاپان کے قبضہ میں بھی متحدین کے لاکھوں قیدی ہیں ان سب کے خطوط کو محکمہ احتساب سے جلد سے جلد گذارنے میں ظاہر ہے کہ بڑے وسیع انتظامات کی ضرورت ہوگی جاپان کی حد تک اخباروں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ متحدین کے قیدیوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں بھی متحدین کے

ممالک سے کافی مقدار میں بھیجی جا رہی ہیں ۔ غالباً وجہ یہ ہوگی کہ جاپانی غذا اور جاپانی معیار زندگی یوروپیوں اور امریکیوں کے مقابلہ میں بدلے ہوئے ہونے کے باعث دشواری پیدا ہوئی ہوگی اور جاپان سے یہ مطالبہ ممکن نہیں ہوگا کہ جو خود کھاتا ہے اور جتنا خود کھاتا ہے اس کے سوا کچھ اور ان قیدیوں کو مہیا کرے ۔

جنگی قیدیوں سے برتاؤ | حالیہ جنگ میں جنگی قیدیوں کی تعداد جو ہر فریق کے قبضہ میں ہے وہ لاکھوں سے متجاوز ہے ۔ ان سے معمولی جسمانی محنت کے کام لینے کے علاوہ حالیہ جنگ میں جبراً فوجی کارخانوں میں فنی مہارت کے کام بھی لیے جا رہے ہیں ۔ چنانچہ اسلحہ سازی کے کارخانوں میں اور اسی طرح کے دوسرے مقاموں پر یہ قیدی اپنی ہی قوم کے خلاف جنگی خدمات انجام دینے پر مجبور ہیں اور اس طرح کی خدمت لینے سے فریقین میں سے کوئی بھی بری نہیں ہے ۔

ہندوستان میں ۱۹۴۴ء کے آغاز پر مجلس مقننہ مرکزی میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ اطالوی قیدیوں کی بڑی اکثریت اب باہر بھیجائی جا چکی ہے بجز ایسے لوگوں کے جو اہم خدمات کی انجام دہی کے لیے ناگزیر ہوں ۔ اس سے غالباً مذکورہ قسم ہی کے کاموں کی طرف اشارہ مقصود تھا ۔

مختلف معیار تربیت کی فوجیں | مروجہ قانون بین الممالک میں اس پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ وحشی باشندوں کو کبھی فوج میں بھرتی نہ کیا جائے اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک تو یہ لوگ ضبط و نظم کے پابند نہیں ہوتے اور افسروں کی اطاعت پوری طرح نہیں کرتے جس کے باعث قواعد جنگ کی خلاف ورزی عمل میں آنے لگتی ہے ۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایسے لوگ ضرورت سے زیادہ بے رحمی اور بربریت دکھاتے ہیں جو انسانیت کے لیے باعث ننگ ہے ۔ لیکن صدیوں سے یوروپی سلطنتیں اس پر عامل رہی ہیں کہ اپنی ماتحت قوموں سے لوگوں کو فوج میں بھرتی کیا جائے اور جس وقت گولوں کو خوراک کی ضرورت ہو اس وقت ان بیچاروں کو آگے بڑھایا اور آگ میں جھونکا جائے یا مثلاً کسی مقام پر ڈائنامائیٹ یا بری سرنگوں کا خطرہ ہو تو اولاً اس طرح کی فوجیں آگے بڑھائی جائیں خطرہ ان کو پیش آجائے اور ان کے گذرنے کے بعد دوسروں کے لیے راستہ بے ضرر بن جائے اور پھر گورا فوجیں کسی مقام پر جب فاتحانہ داخلہ کی ضرورت ہو تو سب سے آگے اور سب سے اعزازی مقام پر رہیں ۔

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے زمانہ میں کالی فوجیں جرمنی کے خلاف یورپ میں بکثرت استعمال ہوئیں اور اس چیز نے حالت امن میں بڑے دور رس اثرات پیدا کیے۔ چنانچہ اعلیٰ ترین ذمہ داران حکومت اپنی تشخیص یہ بیان کرتے ہیں کہ کالی آبادیوں میں جو احساس خود داری پیدا ہوا اور ان کے دلوں سے گوروں کا جو رعب کم ہو گیا اس کی وجہ یہی جنگی استعمال ہے۔ چنانچہ جب یورپ میں یہ لوگ اپنی سپاہیانہ آزادیوں کے ساتھ مہینوں بلکہ برسوں رہے تو خاص کر گوری عورتوں سے ان کا خلا ملا انھیں یہ باور کرانے لگا کہ وہ کسی بات میں گوروں سے کم نہیں ہیں بلکہ بہادری جفاکشی اور دیگر جنگی قابلیتوں میں بہت سے گوروں سے بڑھے ہوئے ہیں۔

غالباً یہی وجہ ہوگی کہ حالیہ جنگ میں کالی فوجوں کا استعمال یورپ میں نسبتہً کم ہے لیکن بعض نئے عناصر فوجوں کے سلسلہ میں زیادہ نمایاں ہو گئے ہیں مثال کے طور پر روسی محاذ پر بے قاعدہ گوریلا دستے بے انتہا موثر کارروائیاں کرتے رہے ہیں اس سے مراد سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں ہوتی ہیں جن میں آپس میں کوئی ربط نہیں ہوتا اور نہ جن پر کوئی افسر مامور رہتے ہیں بلکہ انھیں ایک عام ہدایت رہتی ہے کہ جہاں اور جس طرح موقع پاؤ دشمن کو نقصان پہنچاؤ۔ آدمیوں کو قتل کرنا، رسد کو لوٹ لینا، ریلوں موٹروں وغیرہ کو گزرتے وقت تباہ کر دینے کی کوشش کرنا اور اس طرح کے ہزاروں کام اس زمرہ میں شامل ہوتے ہیں۔ اس طرح کے بے قاعدہ دستے باقاعدہ فوجوں سے کہیں زیادہ دشمن کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔

موجودہ جنگ میں عورتوں کا حصہ اب تک عورتوں کی پلٹنیں محاذ جنگ پر کم نظر آتی تھیں شاذ ہی صورتوں میں کسی لڑائی کے آخری لمحات عورتوں اور بچوں کو اس پر آمادہ کر دیتے تھے کہ وہ بھی میدان میں ٹوٹ پڑیں اور اپنے نازک ہاتھوں میں تلوار نہ سہی سونٹے لیکر اور کچھ نہیں تو تعداد میں اضافہ کر دکھائیں۔ لیکن حالیہ زمانہ میں عورتوں کی تربیت خاصکر روس میں فوجی اغراض کے لیے مردانہ معیاروں پر ہی ہوتی رہی ہے وہ نہ صرف ریل اور موٹر چلاتی ہیں بلکہ طیارہ ران بھی ہیں۔ خالص زنانہ پلٹنیں بھی ہیں اور ایسی اطلاعیں شایع ہوتی رہی ہیں کہ ان عورتوں نے چاہے وہ سپاہی ہوں کہ افسر بڑی بہادری سے اور جم کر مقابلہ کیا۔ ان حالات میں عورتوں کو غیر مقاتل قرار دینا ظاہر ہے کہ مجبوراً ناممکن ہو جائیگا۔

ممنوعات جنگی | ممنوعات جنگ کی فہرست اب بظاہر ہر چیز پر حاوی ہوگئی ہے اور نہ صرف مشروط بلکہ خالص غیر جنگی سامان بھی کوئی باقی نہیں رہا ہے کیونکہ جنگ کی ہمہ گیری پوری آبادی کو مقاتل بنا چکی ہے جس کی وجہ سے آبادی کے ہر ہر فرد کی ضرورتیں بھی مقاتلوں کا سامان ہی سمجھی جا سکتی ہیں چاہے وہ عورتوں کا غازہ اور سرخی ہی کیوں نہ ہو۔

۲۳ جنوری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز کی شایع شدہ اطلاع کی رو سے اب بانڈ اور روپیہ بھی ممنوعات کی فہرست میں داخل کر دیا گیا ہے جس سے ناطرفدار کے ڈاک کی نگرانی اور احتساب بھی ناگزیر ہوگیا ہے۔

اسی طرح فوجی اہمیت کی اطلاعیں جو ناطرفدار ممالک کے نام ہوں یا جو ناطرفداروں کی طرف سے آئیں مثلاً برطانوی حکومت کا وہ خط جو لندن میں مقیم امریکی سفیر کے نام لکھا گیا تھا اسی کے تحت داخل سمجھا گیا۔

۱۳ جنوری ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز میں لکھا تھا کہ جرمنی نے کاغذ بنانے کا گودا (ملپ) بھی ممنوعہ چیز قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کاغذ کو اس جنگ میں بڑی اہمیت حاصل ہے علاوہ بیسیوں جنگی ضروریات کے خود دشمن کے ملک پر طیاروں سے دعایہ کاری (پروپگنڈا) کی جو چٹھیاں برسائی جاتی ہیں ان کی طرف اشارہ کافی ہے۔

(ج) قانون غیر جانبداری

قانون بین الممالک کا جو حصہ اس جنگ میں سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے وہ ناطرفداری ہی سے متعلق ہے۔ ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ یہ نہ صرف متاثر ہوا بلکہ سرے سے بدل ہی گیا ہے کیونکہ اکثر بنیادی اصول ایسے ہیں جن پر فریقین جنگ بیک وقت سابقہ رواج کے خلاف عمل کر رہے ہیں مگر یہ چیز انتقام اور جوابی انتقام کی حیثیت نہیں رکھتی ہے بلکہ تجدید کی ہے سے حالت امن میں طے کیے ہوئے علانیہ مجلس اقوام میں رجسٹر کرائے ہوئے معاہدوں کے مطابق ہے

اصول | ناطرفداری کا تصور اگرچہ قدیم زمانہ ہی سے چلا آرہا ہے لیکن قدیم تر زمانہ میں اس میں قانونی سے زیادہ اخلاقی عنصر غالب نظر آتا تھا۔ ظالم کے خلاف مظلوم سے رعایت مناسب بلکہ ایک حد تک ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس سے انکار نہیں کہ مظلومیت کا معیار بڑی حد تک انفرادی صوابدید پر منحصر تھا اور اس کے لیے کوئی معینہ قواعد نہیں پائے جاتے تھے۔ ہم نے یہ بھی

رشتہ داری، دشمن کا دشمن ہونا وغیرہ مختلف اثرات کارفرما تھے۔ ہر چیز جیسے رعایت آمیز ناطرفداری Benevolent Neutrality. کہتے ہیں ۱۸۹۹ء تک مسلّم اور جائز سمجھی جاتی رہی اور اس سال ہیگ کانفرنس میں ایک بین الممالک معاہدہ ہوا جس پر دنیا کی اکثر متمدن سلطنتوں نے دستخط کیے۔ اس میں بڑے مباحثوں کے بعد یہ طے ہوا تھا کہ ناطرفداری کے لیے فریقین جنگ کے ساتھ یکساں سلوک اور مساوات کا برتاؤ ہونا چاہیئے اور ناطرفداروں کو فریقین جنگ کے حق و ناحق ہونے کا دوران ناطرفداری میں لحاظ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور قرار پایا کہ کسی ناطرفدار علاقہ کو کسی فوجی کارروائی کا نہ تو مستقر (بیس آف آپریشن) بننا چاہیئے اور نہ ہی وہاں سے کوئی جنگجو یا نہ مہم (وار لائک اکسپیڈیشن) روانہ ہونی چاہیئے۔ لیکن معاہدے میں ان الفاظ کے مطلب کی کوئی توضیح نہیں کی گئی بلکہ عمداً ان کو مبہم رکھا گیا تاکہ شرکاء کانفرنس کے شدید اختلافات میں مصالحت کی کوئی صورت پیدا کی جائے اور دکھاوے ہی کے لیے سہی کانفرنس کو کامیاب اختتام پر پہنچایا جائے۔

تعریف: لارنس[1] کی رائے میں اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ جن کاموں کو تھوڑی مقدار اور تھوڑے عرصے کے لیے کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھا جاسکے لیکن زیادہ مقدار یا زیادہ عرصہ کے لیے کرنے میں کسی حربی کو اپنے غنیم پر بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہو، ایسے کاموں کو اپنے علاقہ میں کرنے دینا مستقر کارروائی جنگ (بیس آف آپریشن) بننا ہے۔ مثلاً کسی جنگی جہاز کا کثیر مرمت یا آرام کے لیے آنا یا بحری غنیمت کو لا رکھنا تاکہ غنیم دوبارہ ان کو چھین نہ سکے اسی میں داخل ہے۔

وار لائک اکسپیڈیشن یعنی جنگجو یانہ مہم کے معنی یہ لیے جاتے ہیں کہ سپاہیوں کا افسروں کی سرکردگی میں لڑائی میں حصہ لینے کے لیے ایک تنظیم کے ساتھ جانا۔ ۱۸۷۰ء میں جرمنی اور فرانس میں جنگ چھڑی تو نیویارک سے دو فرانسیسی جہازوں میں (۱۲۰۰) بارہ سو فرانسیسی روانہ ہوئے۔ جہازوں میں کچھ سامان جنگ اور بندوقیں بھی تھیں مگر چونکہ ان فرانسیسیوں کے نہ تو کوئی افسر تھے اور نہ ان میں کوئی فوجی تنظیم تھی اس لیے اس روانگی کو جنگجو یانہ مہم نہیں سمجھا گیا۔

---

[1] قانون بین الممالک کے اصول از لارنس صفحہ ۱۶۶۔

Principles of International Law, by Lawrence.

Neutrality by Edwin M. Borchard Y.L. J. p. 237

جدید ترین تصورات ناطرفداری | مذکورۂ صدر بنیادی قاعدہ میں تھوڑی سی ترمیم میثاق مجلس اقوام کی دفعہ ۱۶ کے ذریعہ سے ارکان مجلس اقوام کی حد تک عمل میں آئی چنانچہ اقدامی جنگ کرنے والی مملکت کے خلاف یہ انتظام طے کیا گیا کہ ناطرفدار ممالک اولاً اس مملکت کا معاشی بائیکاٹ کریں اور اگر یہ غیر موثر ثابت ہو تو جنگی کارروائی میں ارکان مجلس اقوام اپنا اپنا حصہ پیش کریں اور چونکہ ان معاشی ہی نہیں جنگی تہدیدات میں بھی پوری فوجی کل کو حرکت میں لانا ضروری نہ تھا بلکہ ہر مملکت فوجی دستوں اور سازوسامان کا کچھ حصہ اپنی استطاعت کے مطابق مستعار بطور چندہ پیش کرتی جس کے باعث غالباً ارکان مجلس اقوام کا جنگ میں شریک ہونا نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن مجلس اقوام کی جنگی تہدیدات Sanctions کبھی بھی نافذ نہ ہوئیں اس لیے اس کے متعلق کوئی واقعاتی توضیح ممکن نہیں ہے۔

موجودہ نازیسی جنگ کے آغاز پر مہذب دنیا کا قانون ناطرفداری یہی تھا۔ اب حالیہ جنگ میں جو نئے عناصر قانون ناطرفداری میں داخل ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں اُن کا مختصراً ذکر کیا جائیگا۔

اولاً چند نئی اصطلاحیں قابل ذکر ہیں۔

حالیہ جنگ کی دو نئی اصطلاحیں غیر حربیت Non-belligerency اور غیر ناطرفداری Non-Neutrality خاص طور پر کثرت سے استعمال ہوتی رہی ہیں۔ ان کا آغاز بظاہر اٹلی سے ہوا ہے۔ موجودہ جنگ کے چھڑنے سے کچھ ہی پہلے جرمنی اور اٹلی نے ایک جنگی حلیفی کرلی تھی اور طے کیا تھا کہ آئندہ دس سال تک امن اور جنگ ہر صورت میں دونوں باہم متفق رہیں گے۔ عالم سیاست میں اپنی انتہائی یک جہتی ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا گیا کہ محور سیاست کا ایک سرا اٹلی ہے تو دوسرا جرمنی۔ موجودہ جنگ کے آغاز پر ان محوریوں میں سے جن میں جاپان بھی بعد کو شامل ہو گیا تھا اٹلی نے اپنے آپ کو ناتیار پایا اور باوجود جرمنی سے جنگی حلیفی کے جنگ میں عملی شرکت سے معذرت چاہی۔ جرمنی نے اسے برانہ مانا اور جنگ میں عملاً شریک ہوئے بغیر اٹلی کے اور طور پر رفیق اور معاون رہنے کو جو مسولینی کے الفاظ میں اُٹلی کی طرفدارانہ غیر حربیت تھی کافی اور جنگی حلیفی کے مطابق تسلیم کیا۔ یہ غیر حربی امداد جو اٹلی نے دی کتنی اور کس نوعیت کی تھی، وہ تا حال بڑی حد تک غیر شایع شدہ دستاویزوں میں ہماری دسترس سے باہر ہے۔ لیکن معلوم شدہ واقعات کی تحلیل اور ان سے

اصول کے استنباط پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر حربیت بڑی حد تک قدیم رعایت آمیز ناطرفداری ہی کا احیاء تھا۔ غیر حربیت میں طرفداری کو تسلیم کیا جاتا ہے اور زور صرف جنگ میں عملی حصہ نہ لینے پر دیا جاتا ہے۔ اور رعایت آمیز ناطرفداری میں رعایت دہی کو شرمائے بغیر تسلیم کیا جاتا ہے اور زور ناطرفداری پر دیا جاتا ہے۔ گویا رعایت دینے کی مقدار اور درجہ کا نیز نیت کا فرق ہے۔ گو نتیجہ تقریباً یکساں ہے۔ اور ان میں امتیاز تو کیا جا سکتا ہے لیکن فرق نہیں۔

یہ غیر حربیت تھی۔ غیر ناطرفداری بھی عملاً یہی چیز ہے۔ ٹھیک طور پر معلوم نہیں کہ اولاً یہ لفظ کس نے استعمال کیا تھا۔ نئے الفاظ کے برتنے کا شوق بلکہ خبط اس کا ذمہ دار خیال کیا جا سکتا ہے البتہ یہ ظاہر ہے کہ اس میں ناطرفدار نہ ہونے پر زور دینا مقصود ہے۔ اور محدود عملی حصہ لینا ضمناً تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

ہمیں زیادہ تفصیل ان امدادوں کی نہیں معلوم ہے جو جنگ میں شریک ہونے سے پہلے اور دیگر غیر حربی یا غیر ناطرفدار ممالک کی طرف سے جرمنی کو ملتی رہی لیکن امریکہ کے متعلق بعض اہم اور دلچسپ معلومات درج کیے جاتے ہیں۔

امریکہ کا تصور ناطرفداری امریکہ نے اپنے طرفدارانہ سلوک کے متعلق کوئی نیا لفظ وضع نہیں کیا بلکہ اپنے کو غیر جانبدار ہی قرار دیتا رہا۔ اس کے باوجود اس کی پوری ہمدردیاں محوریوں کے خلاف اور متحدین کی تائید میں تھیں۔

حالیہ جنگ کے آغاز پر امریکہ میں علاوہ عام قانون بین الممالک کے تحت عائد ہونے والی پابندیوں کے، بعض خود ساختہ پابندیاں بھی تھیں جو امریکہ نے اپنے آپ پر عاید کر لی تھیں مثلاً فریقین جنگ میں سے کسی کے ہاتھ بھی ہتیار کا فروخت نہ ہونے دینا۔ امریکی جہازوں کو کسی منطقۂ جنگ میں جانے سے ممانعت کیا جانا۔ ان مملکتوں کو امریکی بازار میں قرضہ نہ لینے دینا جنھوں نے سابق میں بدمعاملگی دکھائی تھی، وغیرہ۔ لیکن متحدین کی سیاست جلدی ہی امریکی رائے عامہ کو ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گئی اور موجودہ جنگ کے چھڑنے کے چند ہفتوں بعد ہی ۴ نومبر ۱۹۳۹ء کو یہ قانون منسوخ کر دیا کہ حربیوں کے ہاتھ اسلحہ فروخت نہ کیے جائیں نیز یہ قانون بھی کہ انھیں قرضہ نہ دیا جائے۔ نومبر ۱۹۴۱ء میں یہ پابندی بھی منسوخ کر دی گئی کہ حربیوں کی بندرگاہوں کو کوئی امریکی جہاز نہ جائے اور "نقد لو اور لیجاؤ" (کیش اینڈ کیری بیسس) کا نفاذ کر دیا۔ بظاہر یہ خالص ناطرفداری تھی لیکن عملاً بہت بڑی

طرفداری کیونکہ بحریہ کی حد تک متحدین کے وسائل بہت زیادہ تھے اور اس کا امکان کم تھا کہ جرمن جہاز سامان کے خود لیجانے میں کام آسکیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ سے لاکھوں کروڑوں روپیوں کا سامان متحدین کو ملنے لگا جن سے ان کی فوری جنگی ضرورتیں بڑی حد تک پوری ہونے لگیں ۔ چند دن بعد صدر جمہوریہ امریکہ نے ایک اور قاعدہ بنایا کہ جنگی سامان تیار کرنے والے کارخانوں کو حکومت کے احکام کی تعمیل اس بارے میں کرنی پڑیگی کہ کس فرمایش کو مقدم رکھیں ۔

امریکہ جنگ میں شریک نہ تھا اس لیے اسے اپنی ذاتی ضرورتوں کے لیے سامان کی کوئی بڑی مقدار مطلوب نہ تھی اور اس بظاہر بے ضرر حکم کے ذریعہ سے یہ ممکن ہوگیا کہ جرمنی کی کسی فرمایش کی ختم جنگ تک تعمیل ہی نہ کی جائے ۔

یہ ظاہر ہے کہ کوئی ناطرفدار ملک اپنے علاقہ کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک کچھ سامان جنگ لے جائے تو کسی فریق جنگ کو اعتراض کا حق نہیں ہوسکتا اور نہ ایسی حمل ونقل ممنوعات کے تحت آتی ہے ۔ اس اصول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکہ نے یہ چاہا کہ آئیس لینڈ میں جو ۱۹۴۰ع کے آغاز پر انگریزوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور امریکہ کے مقابلہ میں انگلستان سے بے حد قریب تھا جزیرہ کا کچھ حصہ امریکہ کو عارضی طور سے حاصل ہوجائے مسٹر چرچل نے بظاہر اس پر ناک بھوں چڑھائے اور ناپسندیدگی و ناگواری کے اظہار کے ساتھ امریکہ کے اس مطالبہ کو منظور کرلیا ۔ لیکن یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ دل کے حقیقی جذبات کا اظہار نہ تھا بلکہ مصلحت شناسی ہوگی ۔ بہر حال جو بھی ہو ایک حربی کے مقبوضہ علاقہ کا کچھ حصہ ایک ناطرفدار مملکت نے حاصل کرلیا اور کثیر مقدار میں وہاں سامان جنگ روانہ کرنا شروع کیا اور یہ ظاہر ہے کہ براعظم امریکہ سے سامان بار کرکے لانے کے مقابلہ میں وہاں یعنی آئیس لینڈ سے انگلستان تک سامان لانا انگریزی جہازوں کے لیے نسبتہً بہت زیادہ آسان تھا ۔

ناطرفدار امریکہ نے نیوزیلینڈ میں بھی اسی طرح کی چوکیاں حاصل کیں اور ڈچ گیانا میں بھی بعض اسی طرح کے انتظامات عمل میں لائے گئے جن کی تفصیل طوالت کا موجب ہوگی ۔

امریکہ کو یہ اصرار رہا کہ ایسی امریکی چوکیوں تک امریکہ سے ہر قسم کا سامان لیجانے کی آزادی رہنی چاہیئے اور ان چوکیوں کو امریکی سرزمین ہی کا ایک جز سمجھنا چاہیئے ۔ وسط ستمبر ۱۹۴۱ع میں صدر روزولٹ نے اعلان کیا کہ جو کوئی اس آزادی میں آڑے آئیگا تو

اسے قوت سے روکا جائے گا۔

قرضہ اور پٹہ یا عاریت اور کرایہ پر دینے کا قانون: سب سے پہلا اقدام جو امریکہ کی طرف سے ہوا وہ قرضہ اور پٹہ یعنی عاریت اور کرایہ پر دینے کا مشہور نظام ہے۔

اصول یہ تھا کہ جن ممالک کی حفاظت اور خود مختاری خود امریکہ کی حفاظت کا بالواسطہ ذریعہ ہو یا دوسرے الفاظ میں جو ممالک امریکہ کے اگلے مورچے ہوں ان کی ہر طرح مدد حفاظت ذاتی کے فطری اصول کے تحت، امریکہ کے لیے نہ صرف جائز اور امریکہ کے لیے اس کا حق ہے بلکہ امریکہ کی حکومت کا ایک فریضہ ہے۔ اس مقصد کے لیے امریکہ کی حکومت نے اپنے موازنہ میں کروڑوں روپیوں کی گنجایش مہیا کی اور اس بات کا فیصلہ کرنے کا اختیار کہ کونسا ملک اس طرح کی امداد کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے صرف ایک فرد کی تنہا صوابدید پر چھوڑ دیا گیا جو صدر امریکہ کی بلند شخصیت تھی۔ چنانچہ اس کے لیے مجلس نمائندگان سنیٹ وغیرہ سے رجوع کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہی اور اس اصول کے تحت امریکہ سے انگلستان کو کروڑوں روپیوں کا جنگی سامان انتہائی شدید ضرورت کے وقت بلا خرچ پہنچنے لگا۔ قرضہ اور پٹہ کے متعلق فی الحال یہ قرار دیا گیا ہے کہ بے دریغ دیتے جائیں اور جو سامان جنگ میں تلف ہو جائے اس کی بازیابی کا کوئی سوال نہیں اور جو سامان امداد یاب کے پاس ختم جنگ پر محفوظ اور موجود ہے وہ بعینہ امریکہ کو واپس کر دیا جائے۔ باقی، دوران جنگ کے استعمال کا کرایہ اور نقصان کا ہرجہ اور متعلقہ معاملات، جنگ کے ختم ہونے کے بعد گفت و شنید کے ذریعہ سے طے کیے جائیں۔ اس طرح کی امداد نہ صرف شرکاء جنگ کو ملتی رہی بلکہ ناطرفدار ممالک بھی اس سے مستفید ہو چکے ہیں جن میں ترکی ایک حد تک نمایاں ہے۔ جو انتہائی ناطرفداری پر عمل پیرا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا پرتگال لائبیریا وغیرہ نے ناطرفداری کے باوجود اپنے علاقوں میں متحدین کو فوجی مستقر قایم کرنے کی اجازت دیدی ہے لیکن ترکی نے اس سے اب تک قطعی انکار کیا ہے جیسا کہ فروری ۱۹۴۴ء میں متحدین کی صحافت نے علانیہ شکایت کی۔

بہرحال ناطرفداروں کو مدد دیکر قومی تر بنانا ہماری بحث سے خارج ہے لیکن اس کی دلچسپی یوں ہے کہ امریکہ کی ناطرفداری کے زمانہ میں انگلستان وغیرہ حربیوں کو امریکہ سے سرکاری طور پر قرضہ اور پٹہ کے اصول پر مدد ملتی رہی اور امریکہ کے شریک جنگ ہونے کے بعد

اس کی طرف سے ناطرفدار ترکی کو یہ مدد ملنی شروع ہوئی ۔ اس میں ستم ظریفی یہ ہے کہ فریقین جنگ کی طرف سے ترکی کو یہ فوجی سامان مل رہا ہے اور اس طرح وہ گویا ناطرفدار رہنے کے معاوضہ میں سا یونکہ فریقین کی خدمت کررہا ہے اس لیے فریقین سے اس کا معاوضہ اس طور سے حاصل کررہا ہے ۔ ورنہ اس کا کسی ایک فریق کی طرف سے شریک جنگ ہوجانا جنگ کو مختصر کردینے میں انقلاب آفریں حصہ لے سکتا تھا ۔

امریکہ کی طرفدارانہ ناطرفداری کا مظاہرہ ایک اور طور پر بھی ہوا ۔ چنانچہ ۱۹۴۰ء میں جب انگلستان کا جہازی نقصان جرمن آبدوزوں کے باعث ناقابل برداشت ہوگیا تھا اور حمل ونقل کے لیے جہازوں کی ضرورت انتہائی شدید تھی انگلستان نے اپنے مملوکہ چند جزیرے جو امریکہ کے قریب تھے اور دفاعی نقطہ نظر سے امریکہ کے لیے بڑی اہمیت رکھتے تھے ان کا ۹۹ سال کے لیے پٹہ امریکہ کے نام کردیا گیا اور اس کے معاوضہ میں امریکہ کی حکومت کی طرف سے حمل ونقل کے جہازوں کی خاصی بڑی تعداد انگلستان کے حوالہ کردی گئی ۔

۱۹۴۱ء میں امریکی رائے عامہ جرمنی کے خلاف اس قدر برانگیختہ کردی جاتی ہے کہ امریکہ اپنا سامان جنگ جو متحدین کو بیچ رہا تھا سرکاری بدرقہ کی نگرانی میں بھیجنا طے کردیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ جرمن آبدوز اگر آڑے آئیں تو انھیں بے تامل گولہ مار کر ڈبو دیا جائیگا ۔ اسی طرح پرانے قواعد کے برخلاف امریکہ نے اس کو بھی منظور کرلیا کہ متحدین کے جنگی جہاز اگر متضرر ہوکر امداد کے محتاج ہوں تو کھلے سمندر میں انکی مرمت کے لیے امریکہ کے امدادی جہاز (جن میں مرمت کا جملہ سامان مہیا ہوگا) تیار رکھے جائیں گے ۔ یہ اور اس طرح کے متعدد امور امریکہ کی طرف سے انجام پائے، جن کی توجیہ سوائے اس کے کچھ نہیں کی گئی کہ ہٹلری حکمران انسانیت کے لیے باعث ننگ اور جرم مجسم ہیں ۔ ان کے ساتھ کسی قاعدہ قانون کا ملحوظ رکھنا غیر ضروری ہے ۔ یہ کہنا غالباً بے جا نہ ہوگا کہ امریکہ میں صحافت جس قدر یہودی سرمایہ داروں کے زیر اثر ہے اور ساتھ ہی امریکی معاشیات پر یہودی جس قدر چھائے ہوئے ہیں وہ بھی اس کے بڑی حد تک ذمہ دار ہوں گے کہ امریکی حکومت ایسی انتہائی کارروائیاں کرتے ہوئے نہ شرمائے ۔ یہودیوں کے ساتھ ہٹلری جرمنی نے جو سلوک کیا تھا اس سے تمام یہودی دنیا کی آبادی میں غم وغصہ کی لہر کا دوڑ جانا قابل فہم ہے اور خاص کر یہودیوں کا حد سے زیادہ قومی یک جہتی کے جذبات سے لبریز ہونا ہر کوئی جانتا ہے

جرمن لاسلکی کا یہ بیان انگریزی اخباروں میں بھی شایع ہوا تھا کہ خود صدر جمہوریہ مسٹر روزولٹ کے جسم میں یہودی خون دوڑ رہا ہے۔ آخر دسمبر ۱۹۴۱ء میں جب جرمنی اور اٹلی نے امریکہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو پھر قانون شکنی کے یہ مسائل اپنی حد تک ختم ہو گئے۔

طرفدارانہ ناطرفداری کے سلسلہ میں ایک اور دلچسپ مثال امریکہ کے علاوہ نیپال کی ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے زمانہ میں نیپال کی حیثیت بہ مشکل ہی کسی بین الممالک شخص کی سمجھی جا سکتی تھی کیونکہ اس کے تعلقات بیرونی دنیا سے بالکل نہ تھے۔ لیکن اس اثنا میں اس کے یہاں انگلستان کا فرستادۂ سفارتی (اینوائے) اور فرانس کا بھی سفارتی نمائندہ مقرر ہو چکا تھا۔ غالباً جرمنی سے بھی کچھ نہ کچھ تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔

اسی بنا پر اگر گذشتہ جنگ کے زمانہ میں نیپالی فوجیں بڑی تعداد میں انگریزوں کے دوش بدوش لڑتی رہیں تو یہ تصور کیا جا سکتا تھا کہ نیپال کو اعلان جنگ کی ضرورت نہیں ہے اور انگلستان کا اعلان جنگ ہی اس کو بھی خود بخود شریک جنگ کر چکا ہے۔ لیکن حالیہ جنگ میں اس کی طرف سے کسی شرکت کا اعلان سننے میں نہیں آیا اگرچہ حکومت انگریزی کی طرف سے اس کا شکریہ کے ساتھ اعتراف شایع ہوا کہ حکومت نیپال نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے فوجی دستے حکومت انگریزی کے سپرد کر دیے ہیں، تاکہ جب اور جہاں ضرورت ہو ان سے فوجی خدمت لیجائے اور یہ گورکھا سپاہی ایشیا یورپ اور افریقہ کے ہر محاذ پر کام کرتے رہے۔ غالباً طرفدارانہ ناطرفداری کی یہ انتہائی صورت ہے جو حالیہ جنگ میں دیکھنے میں آئی ہے۔

اس طرح نظر آتا ہے کہ انتہائی اور فریقین جنگ کے ساتھ مساوی ناطرفداری اب محض ایک داستان پارینہ ہے جو طاق نسیاں پر رکھ دی گئی ہے۔

اوپر ابتداً اس باب میں بیان کیا گیا کہ قانون ناطرفداری کے دو بنیادی اصول ہیں: ناطرفدار علاقہ میں کسی فریق جنگ کا نہ تو فوجی کارروائی کا مستقر بنایا جا سکتا ہے اور نہ وہاں سے کوئی جنگجو یا نہ مہم کسی حربی ملک کو جانی چاہیئے۔ لیکن ان بنیادی قاعدوں پر بھی کوئی فریق عمل نہیں کر رہا ہے جس کے باعث اس خلاف ورزی کو قانون شکنی نہیں بلکہ قانون کی تبدیلی کہے بغیر چارہ نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں ہر دو فریق کے طرز عمل کی مثالیں پیش کیجائینگی۔

قانون ناطرفداری کے بنیادی اصولوں کے خلاف موجودہ جنگ میں عمل۔ بذریعہ معاہدہ | ایران۔ تاریخ وار لحاظ سے

سب سے قدیم معاملہ ایران کا کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ قاچاری دور میں کمزور ایران سے روس نے یہ منظور کرالیا تھا کہ اگر کسی وقت ایران کی حالت تشویش ناک ہو جائے اور اس کا خطرہ ہو کہ کوئی ایسی مملکت ایران پر قابض ہو جائے جو روس کی دشمن ہو تو روسی حکومت کو حق ہو گا کہ پیش بندی اور حفاظت ذاتی کے لیے اپنے دوست ایران کے ان علاقوں پر جو روس کے لیے اہمیت رکھتے ہوں، اپنی فوجیں بھیج کر اپنے قبضہ میں لے لے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایران کی ناطرفداری ہی کے زمانہ میں موثر ہو سکتا تھا ورنہ دشمن یا حلیف جنگ کی حیثیت سے قبضہ کسی معاہدہ کا محتاج نہ تھا۔ پہلوی خانوادہ کے قیام کے باوجود کہتے ہیں یہ معاہدہ منسوخ نہ کیا گیا اور چونکہ روس کے اس کے استعمال کی اس اثناء میں کبھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اس لیے پہلوی دور کے حساس ارباب حکومت بظاہر اس کو بھلا بیٹھے اور خموشی کے ذریعہ سے اس کو نافذ رکھا۔

۱۹۴۰ء کے اواخر میں جب جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا اور انگلستان وغیرہ روس کو ضرورت کا سامان بھیجنے کے ہر راستہ سے محروم رہے تو بظاہر اس غرض کے لیے کمزور ایران کو تاکا گیا اور بزور اسے اس پر مجبور کیا گیا کہ اپنے علاقہ میں سے ہو کر سامان جنگ روس کو جانے دیا جائے۔ ضمناً ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ دیگر راہوں کے مقابل ایرانی راستہ خطروں سے محفوظ بھی تھا۔ بہرحال جو بھی ہو روسی جرمن کشمکش جیسے جیسے روسیوں کے لیے تشویش ناک ہوتی گئی ان کو ایران کے راستہ کے کھولنے کی ضرورت بڑھتی گئی۔ چنانچہ انگلستان اور روس دونوں کی طرف سے ایران کو یہ مطالبہ بھیجا گیا کہ جرمن عنصر کو وہاں سے خارج کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ کوئی خودمختار اور ناطرفدار ملک ایسے مطالبوں کو قبول نہیں کر سکتا تھا اس لیے ایران نے ناگزیر اس کے ماننے سے انکار کیا اور یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ متحدین اس انکار کی توقع بھی کر رہے تھے چنانچہ فوراً ہی پیشگی تیار انگریزی فوجیں ایک طرف سے اور روسی فوجیں دوسری طرف سے ایران میں گھس گئیں اور طہران کے قریب دونوں کا اتصال ہوا اور یہ فوجیں بظاہر ایران کو نازی وبا سے پاک کرنے کے لیے آئی تھیں۔ انگلستان کی طرف سے عذر سیدھا سادہ تھا کہ ہمارے دشمن تمہارے علاقہ میں تمہاری ناطرفداری سے بے جا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے خلاف سازش کر رہے ہیں لیکن روس کا استدلال ہماری اس علمی بحث کے لیے دلچسپ ہے چنانچہ اس نے اسی قاچاری دور کے آزیادرفتہ معاہدہ سے استدلال کیا

اور اپنے فعل کو کوئی معاندانہ فعل نہیں قرار دیا بلکہ دو دوست مملکتوں کے خوش دلی سے طے کیے ہوئے معاہدے کی تعمیل و نفاذ بنایا گیا۔ بہر حال نتیجہ سے سب واقف ہیں کہ ایران کے راستہ سے روس کو مطلوبہ سامان جنگ کثیر مقدار میں بھیجا جانے لگا اور بے بس ایرانی حکومت نے یہ بھی منظور کر لیا کہ اسے اس اجنبی سامان کے عبور و مرور کے سلسلہ میں چنگی کا محصول عبور (ٹرانزٹ ڈیوٹی) بھی نہ دیا جائے۔ یہ کہ ان حربیوں کی فوجیں نہ صرف حالیہ جنگ کے دوران میں بلکہ اس کے ختم ہونے کے چھ ماہ بعد تک ایران میں رہیں اور ان سب کے باوجود ایران خود مختار بھی سمجھا جائے، اور ناطرفداری بھی اس کی سلامت رہے۔

اگرچہ ایران نے کچھ عرصہ بعد اعلان جنگ کر کے اس صورت حال کو جائز بنا لیا لیکن اُس وقت تک کی حالت قانونِ ناطرفداری کے سلسلہ میں دلچسپی کا باعث سمجھی جا سکتی ہے۔

عراق| دوسرا واقعہ عراق کا ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد جب ترکی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی اور عراق پر برطانیہ کا انتداب قایم ہوا تو معاہدۂ صلح کی متعلقہ دفعہ کی رو سے یہ قرار پایا تھا کہ جیسے ہی اس زیر انتداب علاقہ میں اس کی قابلیت پیدا ہو جائیگی کہ اپنے آپ حکومت کر سکے تو اسے انتداب سے آزاد کر کے خود مختار مملکتوں کی سماج میں داخل کر لیا جائیگا۔ انگلستان نے عراق کی اہلیتِ آزادی کا صداقت نامہ اس وقت تک نہ دیا جب تک کہ عراق نے یہ اقرار نہ کر لیا کہ اس کے مکمل خود مختار ہونے کے بعد بھی وہ انگلستان کے لیے بعض اہم فوجی مراعات ملحوظ رکھے گا۔

اگرچہ بجائے خود یہ مسئلہ دلچسپ اور تحقیق طلب ہے کہ کسی متولی کا اپنے زیر ولایت شخص سے اخلاقی یا مادی دباؤ کے تحت کوئی ایسا معاہدہ کر لینا جس میں متولی کے لیے بے جا مراعات ہوں تو ایسا معاہدہ کس حد تک قابل پابندی ہے، لیکن ہمیں یہاں نفس معاہدہ سے بحث ہے جو نہ صرف حالت امن میں ہوا اور شایع کیا گیا بلکہ اسے مجلس اقوام میں رجسٹر بھی کرا لیا گیا۔ گویا عدم اعتراض کے ذریعہ سے متمدن دنیا میں اجماع آرا کے ذریعہ سے اس معاہدہ کے اصول کو درست تسلیم کر لیا گیا۔ بہر حال اس معاہدہ میں یہ طے کیا گیا کہ عراق کے پایۂ تخت کے قریب ایک بڑا ہوائی مرکز قایم کرنے کی انگلستان کو مستقل اجازت حاصل ہوگی۔ اور انگریزی فوجوں کو عراق کی سرزمین سے دوستانہ گذرنے کی ہر وقت اجازت رہے گی۔ اسی طرح بندرگاہ بصرہ کے استعمال کے متعلق بعض رعایتیں منظور کی گئیں۔ یہ شرطیں اُس

صورت میں کوئی پیچیدگی پیدا نہیں کر سکتی تھیں جب عراق بھی انگلستان کے دوش بدوش جنگ میں شریک رہے۔ لیکن اگر کسی وقت عراق کی ناطرفداری کے باوجود انگلستان کو جنگ میں گھسیٹ لیا گیا ہو اور وہ ان شرایط کی تکمیل پر اصرار کرے تو قانون بین الممالک کے مذکورہ بنیادی اصول پر زد پڑتی ہے کیونکہ انگریزی فوجیں اگر عراق سے گذر سکیں اور انگریزی ہوائی فوج کا مستقر عراقی سرزمین میں قایم رہے نیز عراقی وسائل حمل ونقل حربی انگلستان کے تصرف میں آجائیں تو دوسرا فریق جنگ کس طرح عراق کی ناطرفداری کے دعوے کو مطابق واقعہ تسلیم کر سکتا ہے جب کہ قول وفعل میں تضاد ہو؟ بہرحال یہ معاہدہ ہوا اور حالیہ جنگ کے دوران میں عراق کی ناطرفداری نے دنیا کو بتا دیا کہ پرانا قانون ناطرفداری اب باقی نہیں ہے۔

اس کے بعد کے واقعات سے ہمیں کوئی زیادہ بحث نہیں ہے کہ کس طرح عراق نے اپنی ناطرفداری کو پرانے قاعدے کے مطابق بنانے کی کوشش کی اور کس طرح وہ پہلے سے زیادہ جکڑنے والی بندشوں سے گھیر لیا گیا۔ اسی طرح جب کچھ عرصہ بعد عراق نے بھی محوریوں کے خلاف اعلان جنگ کیا تو پرانے قواعد کی خلاف ورزی ختم تو ہو گئی لیکن نظیر منسوخ نہ ہو سکی۔

مصر ۱۹۱۴ء کی جنگ میں انگلستان نے مصر کو ترکی سے چھین کر اپنے سے الحاق کر لیا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں اس کی خود مختاری تسلیم کر لی گئی لیکن چند شرایط کے تحت جن میں سے ایک یہ تھی کہ نہر سویز کی حفاظت کے لیے انگریزی فوجیں مصر میں رہیں گی نیز دیگر شرائط طے کیے گئے۔ طویل کشمکش کے بعد انگریزی گرفت کم کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی اور طے ہوا کہ انگریزی فوج کا مصر میں رہنا مدامی نہیں بلکہ صرف اس وقت تک کے لیے ہو گا جب تک کہ خود مصر نہر سویز کی مدافعت کے قابل نہ ہو جائے۔ بعد ازاں انگلستان اور مصر میں ایک جنگی حلیفی ہوئی جس کے تحت یہ قرار دیا گیا کہ اگر انگلستان شریک جنگ ہو تو اسے مصر کی سرزمین سے جنگی استفادہ کرنے کا پورا حق حاصل رہے گا اور مصر کے وسائل حمل ونقل انگلستان کو سہولت بہم پہونچانے کے لیے کوشش کریں گے۔ یہ تمام معاہدے بھی حالت امن کے تھے اور ان کو بھی علی الاعلان طے کیا گیا تھا۔ اگر انگلستان کے ساتھ مصر بھی رفیق جنگ ہو جاتا تو کوئی خاص پیچیدگی پیدا نہ ہوتی۔ لیکن حالیہ جنگ میں مصر نے ناطرفدار رہنا ہی بہتر خیال کیا اور اب تک بھی ناطرفدار ہی ہے۔ اس کے باوجود اس کی ناطرفدار سرزمین سے ایک فریق جنگ کا پورا پورا استفادہ کرنا قابل غور ہے۔ انگلستان کے ساتھ ان مراعات کا روا رکھنا مصر کی حد تک رعایت یا طرفداری سے کہیں زیادہ معاہدہ کی

وفادارانہ تعمیل ہے۔ قانون بین الممالک کی عمداً خلاف ورزی بالکل مقصود نہیں۔

یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایسی صورتوں میں جب کہ ایک فریق جنگ کو کسی ناطرفدار علاقہ سے اتنا زیادہ فائدہ حاصل ہو رہا ہو تو دوسرا فریق جنگ اس انتہائی طرفدارانہ ناطرفداری کا کس حد تک احترام ملحوظ رکھے گا۔ یہ بالکلیہ اس کی مرضی پر منحصر ہوگا اور غالباً اس کا بس چلے تو وہ اس طرح کے سلوک کو ناطرفداری تسلیم کرنے سے قطعی انکار کر کے اس ناطرفدار علاقہ کو دشمن علاقہ ہی قرار دیگا۔

حالیہ جنگ میں یہ عجیب وغریب صورت حال پیدا ہوئی کہ ایک فریق جنگ کی فوج جو مصر کے ناطرفدار علاقہ میں تھی اور دوسرے دشمن پر وار کرنے کی تیاریوں میں روز افزوں منہمک تھی تو دوسرے فریق جنگ نے اپنے دشمن کی فوج کے تعاقب اور ایسے ناطرفدار علاقہ سے نکال باہر کرنے کے لیے عملی جدوجہد شروع کی چنانچہ ناطرفدار علاقہ میں وہ بہت دور تک گھس بھی آیا اور وہاں اپنا فوجی تسلط بھی قایم کیا اور مصر کی سرزمین پر اپنے حریف مقابل کے فوجی مرکزوں کو تباہ کرنے کے لیے بمباری بھی کی چنانچہ سرحد کی فوجی چوکیوں اور استحکاموں پر ہی نہیں بلکہ اسکندریہ اور قاہرہ پر بھی محوری طیاروں نے بم برسائے جس سے ناطرفدار مصری رعایا کو کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔

مصری حکومت نے احتجاج کیا اور ہرجانہ کا مطالبہ اور مناسب کارروائی کا حق بھی محفوظ رکھا اور خود اپنی سرزمین پر اجنبی فوجی پیش قدمی کے خلاف کوئی حرکت نہ کی اور نہ مقابلہ کے لیے اپنی فوج کو بڑھایا بلکہ ناطرفدار ہی رہا اور تا دم تحریر وہ ناطرفداری پر قایم ہے۔ اگرچہ ایک حربی یعنی انگلستان کے لیے اس کی رعایتوں کا سلسلہ غیر منقطع طور سے جاری رہا۔

ترکی | اب تک جن تین ممالک کا ذکر ہوا ان کے معاہدے واقعات کی کسوٹی پر گھسے اور آزمائے جا چکے ہیں لیکن ترکی کا مندرجہ ذیل معاہدہ ابھی تک صرف علمی دلچسپی کا حامل ہے۔[۵]

۱۹۳۹ء کے اواخر میں انگلستان فرانس اور ترکی نے ایک سہ گانہ معاہدہ کیا کہ اگر ترکی پر کوئی مملکت حملہ آور ہو تو انگلستان اور فرانس اس کی ممکنہ مدد کریں گے۔ اور اگر بالفرض بحر متوسط میں جنگ چھڑ جائے جس میں انگلستان اور فرانس شریک ہوں تو ترکی ان کی کامل مدد کریگا بجز اس کے کہ ترکی حکومت روس سے کبھی اسلحہ آزمائی نہ کریگی۔

---

[۵] قانون بین الممالک کا تازہ ترقیاں اور تحقیقاتیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اب فرض کیجیے کہ اواخر ۱۹۳۹ء کے توقعات کے مطابق اگر روس اور جرمنی مشرقی بحر متوسط میں جنگ چھیڑ دیتے تو ترکی فوجیں جرمنوں سے لڑتیں اور روسیوں سے نہیں اور غالباً انگلستان اور فرانس کی فوجیں ترکی سرزمین میں آزادانہ گردش کرتیں اور وہاں سے جرمن محاذ پر بھی جاتیں اور روسی محاذ پر بھی اور اگر کسی محاذ پر روسی اور جرمن مخلوط فوج ہوتی تو ترکی سپاہی اپنی بندوقوں اور توپوں کے گولوں کو یہ حکم دے کر چھوڑتا کہ خبردار روسی سپاہی کو ہرگز نہ چھونا اور جرمن کو جہنم واصل کر دینا۔ یہ کس حد تک ممکن ہوتا اور روسی حکومت ترکی کے اپنے علاقہ میں روس سے برسر جنگ انگلستان اور فرانس کی فوجوں کو جنگی کارروائیوں کی اجازت دینے کے باوجود کس حد تک ترکی کو اپنے لیے غیر جانبدار سمجھتی۔ یہ ایسے مسائل ہیں جو علمی دلچسپی اور دل بہلائی کے سوا کوئی خاص وقعت نہیں رکھتے ہیں۔ اور اب بظاہر اس معاہدہ کے نفاذ کا امکان بھی نہیں ہے کیونکہ اس سہ گانہ معاہدہ کا ایک اہم فریق یعنی فرانس لڑائی سے باہر ہو چکا ہے گو انگلستان و ترکی کی دوگانہ ذمہ داری لفظاً باقی ضرور ہے [1]۔

ناطرفدار تجارت پر پابندیاں — پرانے زمانہ میں یوروپ میں قاعدہ تھا کہ فریقین جنگ میں سے ہر ایک اپنے حریف کو نقصان پہنچانے کے لیے ناطرفدار ممالک کی تجارت کو بھی حریف مقابل کے ملک سے جبراً بند کر دیتا۔

حالیہ زمانہ میں بین الممالک سماج کا ہر فرد دوسرے فرد سے کچھ نہ کچھ احتیاج رکھنے لگا ہے اور یہ باہمی احتیاج ان ممالک کو مجبور کرتی ہے کہ عارضی منفعتوں کی خاطر دیگر مستقل نقصانات نہ کر لیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناطرفدار تجارت کو جو حربی ممالک سے ہوتی ہے جنگ کے زمانہ میں ضروری پابندیوں کے ساتھ جاری رہنے دیا جاتا ہے۔ لیکن حالیہ زمانہ کی جنگوں کی ہمہ گیری پھر قرون مظلمہ کی وحشت ہی کو دوبارہ زندہ کرتی جا رہی ہے۔

موجودہ جنگ کے آغاز پر جرمنی کی مقناطیسی سرنگوں سے انگلستان اور فرانس کا بے پناہ نقصان ہونے لگا تو ان دونوں نے وزارتی حکم (آرڈر ان کونسل) کے ذریعہ سے یہ اعلان شایع کیا کہ دشمن کے ملک سے چلا ہوا سامان قابل ضبطی و تباہی ہے چاہے کسی ناطرفدار ملک نے اس کی قیمت بھی کیوں نہ ادا کر دی ہو اور اپنے ناطرفدار

---

[1] لندن ٹائمز ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں اس معاہدہ کا متن چھپا ہے۔

وفادارانہ تعمیل ہے۔ قانون بین الممالک کی عمداً خلاف ورزی بالکل مقصود نہیں۔
یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایسی صورتوں میں جب کہ ایک فریق جنگ کو کسی ناطرفدار علاقہ سے اتنا زیادہ فائدہ حاصل ہو رہا ہو تو دوسرا فریق جنگ اس انتہائی طرفدارانہ ناطرفداری کا کس حد تک احترام ملحوظ رکھے گا۔ یہ بالکلیہ اس کی مرضی پر منحصر ہوگا اور غالباً اس کا بس چلے تو وہ اس طرح کے سلوک کو ناطرفداری تسلیم کرنے سے قطعی انکار کرکے اس ناطرفدار علاقہ کو دشمن علاقہ ہی قرار دیگا۔

حالیہ جنگ میں یہ عجیب و غریب صورت حال پیدا ہوئی کہ ایک فریق جنگ کی فوج جو مصر کے ناطرفدار علاقہ میں تھی اور دوسرے دشمن پر وار کرنے کی تیاریوں میں روز افزوں ہمک تھی تو دوسرے فریق جنگ نے اپنے دشمن کی فوج کے تعاقب اور ایسے ناطرفدار علاقہ سے نکال باہر کرنے کے لیے عملی جد و جہد شروع کی چنانچہ ناطرفدار علاقہ میں وہ بہت دور تک گھس بھی آیا اور وہاں اپنا فوجی تسلط بھی قایم کیا اور مصر کی سرزمین پر اپنے حریف مقابل کے فوجی مرکزوں کو تباہ کرنے کے لیے بمباری بھی کی چنانچہ سرحد کی فوجی چوکیوں اور استحکاموں پر ہی نہیں بلکہ اسکندریہ اور قاہرہ پر بھی محوری طیاروں نے بم برسائے جس سے ناطرفدار مصری رعایا کو کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔

مصری حکومت نے احتجاج کیا اور ہرجانہ کا مطالبہ اور مناسب کارروائی کا حق بھی محفوظ رکھا اور خود اپنی سرزمین پر اجنبی فوجی پیش قدمی کے خلاف کوئی حرکت نہ کی اور نہ مقابلہ کے لیے اپنی فوج کو بڑھایا بلکہ ناطرفدار ہی رہا اور تادم تحریر وہ ناطرفداری پر قایم ہے۔ اگرچہ ایک حربی یعنی انگلستان کے لیے اس کی رعایتوں کا سلسلہ غیر منقطع طور سے جاری رہا۔

ترکی | اب تک جن تین ممالک کا ذکر ہوا ان کے معاہدے واقعات کی کسوٹی پر گھسے اور آزمائے جا چکے ہیں لیکن ترکی کا مندرجہ ذیل معاہدہ[۱] ابھی تک صرف علمی دلچسپی کا حامل ہے۔

۱۹۳۹ء کے اواخر میں انگلستان فرانس اور ترکی نے ایک سہ گانہ معاہدہ کیا کہ اگر ترکی پر کوئی مملکت حملہ آور ہو تو انگلستان اور فرانس اس کی ممکنہ مدد کریں گے۔ اور اگر بالفرض بحر متوسط میں جنگ چھڑ جائے جس میں انگلستان اور فرانس شریک ہوں تو ترکی ان کی کامل مدد کریگا بجز اس کے کہ ترکی حکومت روس سے کبھی اسلحہ آزمائی نہ کریگی۔

---

[۱] قانون بین الممالک کی تازہ ترقیاں اور تحقیقاتیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اب فرض کیجئے کہ اواخر ۱۹۳۹ء کے توقعات کے مطابق اگر روس اور جرمنی مشرقی بحر متوسط میں جنگ چھیڑ دیتے تو ترکی فوجیں جرمنوں سے لڑتیں اور روسیوں سے نہیں اور غالباً انگلستان اور فرانس کی فوجیں ترکی سرزمین میں آزادانہ گردش کرتیں اور وہاں سے جرمن محاذ پر بھی جاتیں اور روسی محاذ پر بھی اور اگر کسی محاذ پر روسی اور جرمن مخلوط فوج ہوتی تو ترکی سپاہی اپنی بندوقوں اور توپوں کے گولوں کو یہ حکم دے کر چھوڑتا کہ خبردار روسی سپاہی کو ہرگز نہ چھونا اور جرمن کو جہنم واصل کر دینا۔ یہ کس حد تک ممکن ہوتا اور روسی حکومت ترکی کے اپنے علاقہ میں روس سے برسر جنگ انگلستان اور فرانس کی فوجوں کو جنگی کارروائیوں کی اجازت دینے کے باوجود کس حد تک ترکی کو اپنے لیے غیر جانبدار سمجھتی۔ یہ ایسے مسائل ہیں جو علمی دلچسپی اور دل بہلائی کے سواء کوئی خاص وقعت نہیں رکھتے ہیں۔ اور اب بظاہر اس معاہدہ کے نفاذ کا امکان بھی نہیں ہے کیونکہ اس سہ گانہ معاہدہ کا ایک اہم فریق یعنی فرانس لڑائی سے باہر ہوچکا ہے گو انگلستان و ترکی کی دوگانہ ذمہ داری لفظاً باقی ضرور ہے[1]۔

ناطرفدار تجارت پر پابندیاں | پرانے زمانہ میں یوروپ میں قاعدہ تھا کہ فریقین جنگ میں سے ہر ایک اپنے حریف کو نقصان پہنچانے کے لیے ناطرفدار ممالک کی تجارت کو بھی حریف مقابل کے ملک سے جبراً بند کر دیتا۔

حالیہ زمانہ میں بین الممالک سماج کا ہر فرد دوسرے فرد سے کچھ نہ کچھ احتیاج رکھنے لگا ہے اور یہ باہمی احتیاج ان ممالک کو مجبور کرتی ہے کہ عارضی منفعتوں کی خاطر دیگر مستقل نقصانات نہ کرلیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناطرفدار تجارت کو جو حربی ممالک سے ہوتی ہے جنگ کے زمانہ میں ضروری پابندیوں کے ساتھ جاری رہنے دیا جاتا ہے۔ لیکن حالیہ زمانہ کی جنگوں کی ہمہ گیری پھر قرون مظلمہ کی وحشت ہی کو دوبارہ زندہ کرتی جارہی ہے۔

موجودہ جنگ کے آغاز پر جرمنی کی مقناطیسی سرنگوں سے انگلستان اور فرانس کا بے پناہ نقصان ہونے لگا تو ان دونوں نے وزارتی حکم (آرڈر ان کونسل) کے ذریعہ سے یہ اعلان شایع کیا کہ دشمن کے ملک سے چلا ہوا سامان قابل ضبطی و تباہی ہے' چاہے کسی ناطرفدار ملک نے اس کی قیمت بھی کیوں نہ ادا کردی ہو اور اپنے ناطرفدار

---

[1] لندن ٹائمز ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں اس معاہدہ کا متن چھپا ہے۔

جہازوں پر بار کرکے ہی کیوں نہ لے جارہا ہو۔ منشا یہ تھا کہ جرمنی کی خارجہ تجارت کو دھکا لگنے سے اس کی معاشی قوت متاثر ہو جائیگی اور جنگ جرمنی کے خلاف جلد تر طے ہو سکے گی۔ یہاں ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ پورے براعظم یورپ کے کھلے رہنے کے باعث محض بحری تجارت کے کم ہو جانے سے جرمنی کو کوئی بڑا نقصان نہیں ہوسکتا تھا یہاں ہم صرف اس قاعدے ہی سے بحث کر رہے ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کا نہایت ہمہ گیر حکم تھا جس نے ناطرفدار تجارت کو قرونِ متوسط کے بعد بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس حکم کی مکمل تعمیل نہ تو کرائی گئی اور نہ ہی ممکن تھی چنانچہ ایک تو وقتاً بوقت رعایتیں منظور کی جانے لگیں اور مثال کے طور پر امریکہ نے جب کچھ دوائیں، عینکیں، دوربینیں اور اسی طرح کی کچھ ضروری چیزیں جرمنی سے خریدکیں تو خصوصی رہ گزر اس امریکی ساماں کے لیے عطا کر دیا گیا۔ یا مثلاً ترکی کے لیے جب جنگی جہازوں کی جرمن کارخانوں کو فرمایش دی گئی تھی اور ترکوں کو خصوصی اجازت نامہ دیا گیا کہ اگر ترکی جہازران یا اُن کا عملہ جرمنی پہنچے اور ان جہازوں کو مکمل طور پر اپنی نگرانی میں لے لے اور ان جہازوں پر کوئی جرمن بھی رہنے نہ پائے اور وہی ان جہازوں کو چلاتے ہوئے جرمنی سے لے جائیں تو ان کو روکا نہیں جائے گا۔

اسی طرح جب تک اٹلی ناطرفدار رہا تو وہ اس زد میں آتا رہا ہے۔ کوئلہ کی قلت کے باعث جرمنی سے اطالوی جہاز کوئلہ خرید کر اٹلی لے جاتے تھے اور ریل کے مقابلہ میں یہ چکردار بحری سفر ہی سستا ہوتا تھا۔ اطالوی حکومت نے انگریزی اور فرانسیسی حکومتوں کے مذکورۂ بالا وزارتی حکم کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس پر اطالوی جہاز جو جرمنی سے کوئلہ لا رہے تھے انہیں انگریزی جہازوں نے پکڑا اور ان کو روک رکھا۔

چونکہ اٹلی کی ناطرفداری بہر حال مفید و مطلوب تھی اس لیے اٹلی سے صرف یہ اقرار لیا گیا کہ آئندہ مذکورہ حکم کی خلاف ورزی نہیں کیجائیگی۔ اور ان جہازوں کو رہا کر دیا گیا اور برائے نام توجیہ کے لیے یہ کہا گیا کہ اطالوی حکومت نے یہ بیان کیا تھا کہ مذکورہ حکم کے ٹھیک ٹھیک اثرات اسے معلوم نہ تھے اور اسے اس حکم کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی تھی اور یہ کہ یہ عذر قابل پذیرائی ہے۔ کم وبیش اسی زمانہ میں جاپانی حکومت نے مذکورہ بالا وزارتی حکم پر احتجاج کیا اور کہا کہ اس کا فلاں جہاز جرمنی سے سامان بار کرکے

جاپان جا رہا ہے اور وہ عمداً اس حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور یہ کہ اسے جاپان ایک آزمائشی مقدمہ بنانا چاہتا ہے۔ بظاہر انگریزی یا فرانسیسی جنگی جہازوں نے اس جاپانی جہاز کو واقعتہً یا عمداً سمندر پر نہ پایا کیونکہ پھر اس کے متعلق کچھ سننے میں نہیں آیا ہے۔

یہ تو وہ مثالیں تھیں جن میں اس وزارتی حکم کی تعمیل عمداً نہیں کرائی گئی اب اس سے کچھ بحث کی جا سکتی ہے کہ اس کی تعمیل ممکن بھی نہ تھی اور اس سلسلہ میں ہمیں بحری ناکہ بندی اور "نادی سرٹ" اجازت ناموں کے نظام سے سابقہ پڑتا ہے۔

بحری ناکہ بندی اور نادی سرٹ اجازت ناموں کا نظام | پرانا قاعدہ یہ ہے کہ ایک فریق جنگ اپنے حریف مقابل کی کسی معینہ بندرگاہ یا محدود رقبہ کی ناکہ بندی کا اعلان کر سکتا ہے اور حکم دیسکتا ہے کہ کوئی ناطرفدار ان حدود کے اندر نہ تو جائے اور نہ وہاں سے باہر نکلے۔ اور درسی کتابوں میں یہ ذکر ملتا ہے کہ اس طرح کا رقبہ اتنا ہونا چاہیئے کہ ناکہ بندی کرنے والے ملک کی بحری قوت واقعی طور پر اس کی تعمیل کرا سکتی ہو ورنہ ناکہ بندی کا کاغذی حکم بے سود ہے اور ناطرفدار ممالک اس کی عمداً بھی خلاف ورزی کریں تو کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں آبدوزوں کی مدد سے جرمنی نے جزائر برطانیہ کے چاروں طرف کے سمندر کو ممنوعہ رقبہ قرار دیدیا تھا اور خلاف ورزی کرنے والے ناطرفدار جہازوں کو بے تامل ڈبونا شروع کیا تھا۔ اس پر بڑا سخت احتجاج کیا گیا تھا۔ یوں بھی آبدوز شکن ہتیاروں کا استعمال اس واقعی قوت کا بڑی حد تک خاتمہ کر دیتا ہے۔

اگر رقبہ بہت بڑا ہو تو یہ ناممکن ہے کہ بڑی سے بڑی بحری قوت جو طیاروں، جنگی جہازوں اور آبدوزوں کے مکمل ارتباط سے ناکہ بندی کے اعلان کے نفاذ میں مصروف ہو اس سے بھی یہ ممکن نہیں کہ سو فیصد اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔ رات کی تاریکیاں، سمندر کے طوفان، اور رقبہ کی وسعت کے باعث چوکسی کرنے والوں کے درمیانی فصل میں سے بچ کر نکل جانے کے امکانات کی وجہ سے ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم ہی نے بحری ناکہ بندی کو بے سود ثابت کر دیا تھا۔

مزید براں کسی بڑے ملک کو جانے والے ناطرفدار جہاز اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی مکمل جھڑتی لینا اور اس پر بار کیے ہوئے ہر ایک سامان کو کھول کر تنقیح کرنا ناقابل برداشت محنت اور وقت کو ضایع کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ جنگ کے

آخری دنوں ہی میں برطانیہ نے یہ طریقہ رائج کردیا تھا کہ اگر ناطرفدار ممالک سے چلنے والے جہاز چلنے سے پہلے مقامی انگریز قونصل سے اجازت نامہ حاصل کرلیں کہ جہاز کی تنقیح کی گئی اور اطمینان حاصل کرلیا گیا ہے کہ اس میں ممنوعات بار نہیں ہیں تو ایسا اجازت نامہ کھلے سمندر پر انگریزی جہازوں سے مڈبھیڑ ہونے والے ناطرفدار تجارتی جہاز کو امان اور رہ گذر کا متراد قرار پاتا ہے۔ ایسے اجازت نامے ناوی سرٹ کہلاتے ہیں۔ حالیہ جنگ میں بحر منجمد شمالی سے لیکر جنوب مشرقی یوروپ تک ہزاروں میل طویل ساحل جرمنی کے زیر اثر رہا ہے۔ اور انگلستان ہی کیا تمام دنیا کی مجتمعہ بحری قوت بھی اس طویل ساحل کی بحری ناکہ بندی میں کامیاب طور سے لینے میں قاصر رہے گی۔ اسی لیے ناوی سرٹ اجازت ناموں کا انتظام جو اصل میں ایک طرح سے دکھاوا اور اپنی بے بسی کا مہذب اعتراف ہے، پہلے سے زیادہ وسیع کردیا گیا ہے۔

یوں بھی یوروپ میں بعض ناطرفدار ممالک کچھ ساحل رکھتے ہیں چنانچہ ترکی پرتگال اسپین وغیرہ کو دیگر ناطرفدار ممالک سے جو سامان جاتا ہے اس میں زیادہ رکاوٹ نہیں ڈالی جاسکتی۔ جنگ کے باعث بڑھتی ہوئی قیمتیں ان ناطرفدار یوروپی ممالک کو باسانی اس پر آمادہ کرسکتی ہیں کہ اپنے لیے درآمد کیا ہوا سامان منفعت کی خاطر کسی حربی ملک کو مکرر برآمد کردیں۔

اس کے سوا بحری ناکہ بندی انتہائی مکمل حالت میں بھی صرف کسی جزیرہ کے خلاف موثر ہوسکتی ہے۔ جرمنی جیسے ملک کے لیے جس کا تعلق روس کے جنگ میں شریک ہونے سے پہلے تک تقریباً پورے یوروپ اور پورے ایشیا سے خشکی کی راہ تھا، محض بحری ناکہ بندی کوئی خاص اثر نہیں ڈال سکتی تھی۔ یہی وجوہ ہونگے کہ ۳۱ جولائی ۱۹۴۰ء کے لندن ٹائمز نے ایک اداریہ لکھا تھا کہ پرانے طریقہ کی ناکہ بندی میں اب کوئی فائدہ نہ رہا۔ اس بارے میں ایک اور نکتہ یہ قابل ذکر ہے کہ ہوائی قوت کے وجود نے جنگی جہازوں اور آبدوزوں کے ذریعہ سے کسی مقام کی واقعی اور مستقل ناکہ بندی کو بھی ناممکن بنا دیا ہے اور ناکہ بندی کرنے والے خود ہوائی حملوں سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ناطرفدار ممالک کا حربیوں کو سہولتیں مہیا کرنا | اوپر یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ متحدین اور محوریوں کے دوست ناطرفداری کے زمانہ میں کس کس طور سے ناطرفدارانہ طرفداری دکھاتے رہے اس کا تتمہ یوں ہوتا ہے کہ امریکہ وغیرہ اپنی ناطرفداری کے اختتام پر جب جنگ میں شریک ہو جاتے ہیں تو

بعض دیگر ناطرفدار ممالک سے بھی وہ مختلف اثرات کے ذریعہ سے اپنے حق میں ایسی ہی رعایتیں چاہتے ہیں اور تاریخ ناطرفداری میں پہلی مرتبہ بعض رواج پھیلتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں پرتگال کی ناطرفدار حکومت نے اپنے مقبوضہ جزائر آزور کی گودیوں وغیرہ کا استعمال دورانِ جنگ کے لیے متحدین کے جہازوں کو عطا کردیا۔ غالباً اس کے معاوضہ میں پرتگال کو کچھ رعایتیں اور منفعتیں حاصل ہوئی ہونگیں۔ اسی کے مماثل دوسرا واقعہ لائبیریا کی جمہوریت کا ہے۔ اس نے امریکہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ امریکہ وقتِ ضرورت لائبیریا کی حفاظت میں مدد دے۔ اور اس کے معاوضہ میں لائبیریا کی بحری گودیاں امریکی جہازوں کے لیے دورانِ جنگ میں کھلی رہیں۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر لائبیریا نے محوریوں کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا لیکن پرتگال تا دمِ تحریر ناطرفداری کا دعویدار ہے۔

اسپین کا رجحان متحدین کے برخلاف ہے۔ اس کے تعلقات محوریوں کے ساتھ زیادہ دوستانہ ہیں۔ اسپین میں پٹرول نہیں ہوتا ہے۔ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر امریکہ نے اپنے آپ کو قوی پایا۔ یہاں تک کہ اس نے یہ طے کیا کہ اپنی قوت کے بل پر اسپین پر سختی کی جائے۔ چنانچہ اسپین کو جانے والی پٹرول کی درآمدوں کی یک لخت ممانعت کردی گئی۔ اس کا بظاہر کافی اثر ہوا اور اسپین کی طرفدارانہ ناطرفداری گھٹ کر عملاً مکمل ناطرفداری کی صورت اب اختیار کرنے لگی ہے۔

میرا اپنا یہ خیال ہے کہ اپنے ناطرفدار علاقے کے استعمال کا حق کسی حربی کو دینا کوئی نیا قاعدہ نہیں بن رہا ہے بلکہ ضرورت کے باعث حسب موقع اس کی خلاف ورزی کی جارہی ہے اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ترکی اور متحدین کی خاصی گہری دوستی کے باوجود جب ۱۹۴۴ء کے آغاز پر متحدین نے ترکی سے یہ مطالبہ کیا کہ پرتگال اور لائبیریا کی طرح وہ بھی اپنے علاقہ کے ہوائی مرکز متحدین کو مستعار دیدے جہاں سے جرمنی پر کافی موثر حملے کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ترکی نے اس مطالبے سے صاف انکار کردیا اور اپنی مکمل ناطرفداری کو برقرار رکھا ہے۔

ترکی کا استدلال یہ تھا کہ یہ چیز ناطرفداری کے خلاف ہوتی ہے اور وہ یا تو شریک جنگ نہ ہوگا اور اپنی ناطرفداری کی پوری پابندی کریگا یا جنگ میں شریک ہوگا اور کھلم کھلا مقابلہ کریگا۔ اس کے بین بین حالت جو نافذ الوقت قانون کے خلاف ہے اسے کسی طرح منظور نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مستعار اور کرایہ پر دینے کے نظام کے تحت امریکہ نے ترکی کو کچھ نہ کچھ فوجی سامان

مہیا کیا ہے ۔ لیکن ترکی حکومت نے یہ صاف ظاہر کر دیا کہ وہ اگر لڑے تو اپنے سپاہیوں کے ذریعہ سے خود لڑیگا اور یہ نہیں کہ ترکی حکومت ماتحتانہ تماش بینی کرتی ہوئی جنگ میں شریک ہو اور متحدین کی فوجیں اپنا سامان خود لاکر اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لیے ترکی سرزمین کا استعمال کریں اور یہ کہ ترکی کو مطلوبہ سامان جنگ مہیا کر دیا جائے تو وہ اپنے ہی سپاہیوں کے ذریعہ سے اس سامان سے مدد لیکر متحدین کی مدد کرنے کے لیے آمادہ ہے ۔

بظاہر ترکی روش ہی بہتر قانون کی نشان دہی کرتی ہے ۔

جزئی ناطرفداری اور جزئی شرکت جنگ | حالیہ جنگ کا یہ سب سے عجیب و غریب پہلو ہے کہ اس میں جو سلطنتیں شریک ہوئی ہیں وہ دو حصوں میں منقسم ہیں ایک یہ کہ جیسا کہ اس سے پہلے ہمیشہ ہوتا رہا ہے یعنی ایک طرف کے جملہ ممالک دوسری طرف کے جملہ ممالک سے فرداً فرداً اور مشترکاً بر سر جنگ ہیں ۔

پرانے قاعدے کو قانونی ریاضیات کے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ دوست کا دوست دوست ہوتا تھا ۔ دوست کا دشمن دشمن ہوتا تھا ۔ اور دشمن کا دشمن دوست ہوتا تھا ۔

لیکن حالیہ قاعدہ اس ریاضیانی مساوات کو تسلیم نہیں کرتا ۔ اب یہ قطعاً کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے کہ دوست کا دوست دوست ہی ہو یا دشمن کا دوست دشمن ہی ہو ۔ بلکہ ہر ایک ممکنہ صورت واقعتہً موجود ہے ۔ مثال کے طور پر ۱۹۳۹ء کے اواخر میں جب روس نے پولستان پر حملہ کر دیا اور اس بارے میں جرمنی کا رفیق جنگ بن گیا تو جرمنی سے لڑنے والے ممالک یعنی فرانس انگلستان وغیرہ نے روس کی حد تک غیر جانبداری رکھی باوجودیکہ ان ممالک کے رفیق اور حلیف جنگ پولستان پر روس حملہ آور تھا ۔

کچھ دنوں بعد جب اٹلی اور یونان میں جنگ چھڑی تو کافی طویل عرصہ تک جرمنی اور یونان میں دوستانہ تعلقات رہے ۔ اور یونان کا سفیر برلن میں اور جرمنی کا سفیر ایتھنز میں برابر متعین رہے ۔ حالانکہ اٹلی اور جرمنی ایک طرف سے شریک جنگ تھے اور یونان پر انھیں محوری حریفوں میں سے ایک نے حملہ کیا تھا ۔

اسی طرح جاپان اور چین میں جنگ جاری رہی اور جاپان نے جرمنی کے حریفوں پر اعلان جنگ کیا تو بھی عرصہ دراز تک جرمنی اور چین کے دوستانہ تعلقات برقرار رہے ۔ اور چین اور جاپان کی جنگ میں جرمنی ناطرفدار رہا گو بعد میں چین نے خود ہی جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ۔

ایک اور مثال عراق کی ہے اس نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ تو کر دیا لیکن اٹلی کے

خلاف اعلان جنگ کرنا اسے ضروری معلوم نہیں ہوا۔

خود ان سطور کے لکھنے کے وقت فنلینڈ اور روس برسرِ جنگ ہیں لیکن امریکہ اس حد تک جنگ سے خارج ہے چنانچہ فنلینڈ اور امریکہ کے دوستانہ تعلقات برقرار ہیں۔

بلغاریہ متحدین کے ساتھ برسرِ جنگ ہے لیکن روس ان کی جنگ میں پوری طرح ناطرفدار ہے اور روس کے دوستانہ تعلقات بلغاریہ کے ساتھ اتنے گہرے ہیں کہ ایک دوسرے کے سفیروں کے تبادلہ ہونے کے علاوہ ۱۹۴۴ء کے آغاز پر ان میں تجارتی معاہدہ کی اطلاعیں شائع ہوئی ہیں۔

خود جرمنی اور روس کی زندگی و موت کی کشمکش میں جرمنی کا یارِ غار جاپان پوری طرح ناطرفدار ہے۔ اور اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ وہ اپنی اس حیثیت کو سالہا سال گذرنے کے باوجود بدلنے پر آمادہ ہو اگرچہ اس کے باعث جرمنی کے لیے مشکلات میں شدید تر اضافہ ہوگیا ہے۔

غالباً حالیہ جنگ کا سب سے دلچسپ پہلو یہی ہے اور کوئی تعجب نہیں جو زمانہ آئندہ میں یہ مزید وسعت اختیار کرے

حق اماں بڑے پرانے زمانہ سے قانون شہامت Chevalry چلا آرہا ہے اور سیاسی پناہ گزین کو اس کے دشمنوں کے تحویل میں نہ دیے جانے کا اصول مسلم ہے۔ تحویل ملزمین صرف غیر سیاسی جرائم کے متعلق ہی ہو سکتی ہے۔

۱۹۴۳ء کے اواخر میں صدر جمہوریہ امریکہ کی طرف سے ایک یادداشت ناطرفدار ممالک کے نام گشت کرائی گئی جس کی انگلستان نے بھی تائید کی۔ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ محوری ارباب حکومت انسانیت کے خلاف گھناونے جرائم کے مرتکب ہو چکے ہیں اس لیے ان کی شکایت پر اگر وہ بھاگ کر کہیں پناہ لینا چاہیں تو ناطرفدار ممالک کے لیے مناسب یہ ہوگا کہ انھیں پناہ نہ دیں اور اس طرح ان گھناونے جرائم کے ساتھ اپنی عدم ہمدردی کا ثبوت دیں۔ اور مقصد یہ بتایا گیا کہ محوری ارباب حکومت پر مقدمہ چلایا جائے اور انھیں سزا دی جاسکے۔ بظاہر کسی بھی ملک نے اس کا جواب صراحت کے ساتھ اثبات میں نہ دیا۔ ترکی کی حکومت ہی اس کی اخلاقی جرأت رکھتی تھی کہ اس کو قوت اور صراحت کے ساتھ رد کردے۔ اس نے اس بات سے قطعی انکار کیا کہ اگر اس کے یہاں کوئی پناہ گزینی کے لیے آئے تو وہ پناہ دینے کے اپنے حق کو استعمال کرنے میں آزاد نہ رہے۔ چونکہ یہ ابھی قبل از وقت ہے اس لیے متحدین کی طرف سے کوئی اصرار بھی غالباً نہیں کیا جارہا ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے اختتام پر قیصر ولہلم کی حوالگی کا بھی فاتحوں نے مطالبہ کیا تھا لیکن ہالینڈ کی پناہ دہندہ حکومت نے تحویل سے قطعی انکار کیا تھا۔ فتح حاصل ہو چکنے پر خود ہی محوری علاقوں میں انقلاب ہو جائے گا اور وہاں فاتح من مانے انتظامات عمل میں لاسکیں گے۔ دو چار

بڑے بڑے ارباب حکومت کو گرفتار کرکے اگر سزا بھی دی جائے تو وہ کسی دور دراز مقام پر نظر بندی کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ نپولین کے متعلق کہا گیا تھا۔ ان ارباب حکومت کا دل شکستگی کی حالت میں کسی جگہ پناہ گزین ہونا نظر بندی سے کہیں زیادہ ان کے لیے جانکاہ ہوسکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر محوریوں کو فتح حاصل ہو تو پیشگی ان کو مجرم قرار دیدینا ان ناطرفدار ممالک کے لیے خطرناک ہوسکتا ہے اور آئندہ مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ اسی لیے ترکی روش ہر طرح قرین صواب بھی معلوم ہوتی ہے اور احتیاط کے مطابق بھی۔

متفرقات | قانون ناطرفداری کے سلسلہ میں آئرے (آئرلینڈ) کی حیثیت بڑی عجیب ہے ایک طرف تو وہ برطانوی دولت عامہ کا شریک ہے اور اس سے علیحدگی کے متعلق اپنے حق کو کام میں لانے کا وہ کوئی ارادہ نہیں رکھتا حتیٰ کہ ۱۰ ر فروری ۱۹۴۴ء کے ٹائمز آف انڈیا میں یہ خبر شایع ہوئی کہ جون ۱۹۴۲ء میں پانچ آئرستانی جو انگلستان میں تھے اس جرم میں قابل سزا قرار پائے تھے کہ انھوں نے فوجی خدمت انجام دینے کے حکم کی تعمیل نہ کی تھی۔ انگریزی قوانین کے تحت انگریزی مقبوضات کا ہر فرد جو انگلستان میں ٹھیرا ہوا ہو جنگی خدمت کی انجام دہی کے لیے طلب کیا جاسکتا ہے۔ تجویز مقدمہ کے سلسلہ میں حکام عدالت سے استدعا کی گئی کہ وہ ان آئرستانیوں کو برطانیہ میں مقیم اجنبی مستامن قرار دیں لیکن حکام عدالت نے بیان کیا کہ یہ ان کے لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ برطانوی دولت عامہ سے حق علیحدگی کا آئرے نے استعمال نہیں کیا ہے۔ اس لیے اسے فی الحال برطانوی دولت عامہ کا ایک جز ہی قرار دیا جائیگا اور اس کے باشندے برطانوی رعایا سمجھے جائیں گے۔

۱۹۴۴ء کے آغاز پر ایک مماثل واقعہ ہندوستان کی حد تک پیش آیا۔ ایک ہندوستانی اخبار نویس کو جو انگلستان میں مقیم تھا اس بنا پر سزا دی گئی کہ اس نے بھی فوجی خدمات کی انجام دہی کے لیے نام رجسٹر کرانے کے حکم کی تعمیل نہیں کی حتیٰ کہ اس کا یہ عذر بھی حکام عدالت نے تسلیم نہیں کیا کہ وہ اپنے ضمیر کے مطالبہ کی بنا پر جنگ میں شرکت کرنا جائز سمجھتا ہے حالانکہ یہی عذر باشندگان برطانیہ کو جنگی خدمت سے مستثنیٰ کرا دیتا ہے۔ وزیر ہند نے اس استدلال کو بھی غیر اہم قرار دیا کہ خود ہندوستان میں جنگی خدمت جبری نہیں ہے تو کسی ہندوستانی پر برطانیہ میں جنگی خدمت کا واجب کر دینا درست نہیں ہوسکتا۔

آئرے کے سلسلہ میں اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ برطانوی دولت عامہ کا رکن ہونے کے باوجود وہ حالیہ جنگ میں ناطرفدار ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اور دلچسپ واقعات پیش آچکے ہیں مثلاً ۲ ر جنوری ۱۹۴۱ء کے اخبار ہندو مدراس نے یہ اطلاع شایع کی کہ آئرے سے برآمد کیے جانے والے سامان پر نادی سرٹ کے اجازت نامے ضروری قرار دیے گئے ہیں گویا کہ وہ کوئی اجنبی ملک ہو۔ اس کا اعلان کرتے ہوئے برطانوی وزیر حرب معاشی نے بیان کیا کہ ۲۲ ر جنوری سے اس بات کی ضرورت ہوگی کہ آئرے کے برآمد کنندہ نادی سرٹ کے تجارتی اجازت نامے حاصل کرلیا کریں۔ ایسے

اجازت ناموں کے بغیر جو جہاز روانہ ہوں گے وہ قابل ضبطی ہونگے حتیٰ کہ اگر کسی ناوی سرٹیفکیٹ جازنامہ میں چند چیزوں کا ذکر ہو اور اسی جہاز پر اس کے علاوہ بھی سامان پایا جائے تو اس طرح کا زائد سامان قابل ضبطی ہو سکیگا۔

اسی طرح حکومت آئرے کے متعلق ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۱ء کے ٹائمز آف انڈیا میں ایک بڑی عبرت ناک خبر چھپی ایک برطانوی جنگی طیارہ آئرستانی سرزمین پر اڑا تو اسے نیچے اتر آنے پر مجبور کیا گیا پھر طیارہ ضبط اور طیارچی کو بالکل اسی طرح نظر بند کر دیا گیا جس طرح کسی خود مختار غیر جانبدار ملک میں برطانوی جنگی طیارہ کے متعلق ہو سکتا تھا۔

ایک اور خبر اخباروں میں یہ شایع ہوئی تھی کہ برطانوی پارلیمان میں ایک مرتبہ یہ دریافت کیا گیا کہ آیا یہ صحیح ہے کہ آئرے کی بندرگاہوں میں جرمن آبدوز رسد اور پٹرول حاصل کیا کرتے ہیں تو برطانوی ارباب حکومت نے اس کو جھٹلایا نہیں بلکہ صرف یہ جواب دیا کہ اس امر کی نگہداشت کہ آیا آئرے کی سرزمین سے کوئی خلاف قاعدہ و قانون استفادہ ہو رہا ہے یا نہیں خود آئرے کی حکومت کے فرایض میں داخل ہے۔

غرض برطانیہ کی طرف سے آئرے کو بعض چیزوں کی حد تک برطانوی دولت عامہ کا رکن قرار دیا جا رہا ہے اور اس رکنیت کے فرایض اس پر عاید کیے جا رہے ہیں اور بعض چیزوں کی حد تک اس کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا ہے جو ارکان دولت عامہ نہیں بلکہ اس کے باہر کی خود مختار مملکتوں سے ناطرفداری کی صورت میں روا رکھا جا سکتا ہے۔

آئرے کی ناطرفداری کا سب سے پر لطف تماشہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جارج ششم قانوناً آئرے کا بھی بادشاہ ہے اور وہی جارج ششم انگلستان کا بھی بادشاہ ہے۔

انگلستان کا بادشاہ جارج ششم جرمنی کے ساتھ اس جنگ میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور یہی جارج ششم آئرے کے بادشاہ کی حیثیت میں اسی جرمنی کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتا ہے۔ باہم سفیروں کا تبادلہ کرتا ہے حتیٰ کہ انگلستان کے بادشاہ سے لڑنے کے لیے جانے والی جرمن آبدوزوں کو رسد اور پناہ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ قانون قدیم سے یہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک شخص کی دو حیثیتیں ہوں تو قانوناً اسے ایک شخص نہیں بلکہ دو اشخاص سمجھنا چاہیئے مثلاً کسی نابالغ کا ولی اس نابالغ کی طرف سے جو کام کریگا وہ اپنی خانگی حیثیت سے بالکل علحدہ سمجھا جائیگا اور مثلاً اپنی خانگی حیثیت میں اس نابالغ کو کچھ چیز ہبہ کرے تو اس نابالغ کے ولی کی حیثیت سے اس ہبہ کو قبول کریگا اور یہ چیز اپنے آپ کو ہبہ کرنا یا اپنے ہی ہبہ کو قبول کرنا نہیں سمجھا جائیگا۔ لیکن اس کو منطقی انتہا تک اس جنگ ہی نے پہنچایا ہے اور تاریخ نے پہلی دفعہ یہ منطقی نتیجہ صحیح پایا کہ ایک ہی شخص اپنی دو حیثیتوں میں اپنے آپ کا جانی دشمن بھی ہو سکتا ہے۔

اس صورت حال کو کیا نام دیا جائے اس کا طے کرنا بڑا مشکل ہے۔ اور برطانوی دولت عامہ کوئی وفاق بلکہ شخصی اتحاد بھی نہیں رہتا۔ اسے بجز اس کے نام اتحاد (نامی نل یونین) کے سوا کسی اور نام سے موسوم کرنا موزوں نظر نہیں آتا۔

خاتمہ | اب ہم شاہد اکے اس تذکرے کو ختم کرتے ہیں۔ یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ حالیہ جنگ جو انسانیت کے لیے ایک عبوری دور کی نشاندہی کرتی سمجھی جارہی ہے اس کا قانون بین الممالک سے زیادہ صحیح مصداق کوئی اور شعبۂ حیات مشکل سے ہوگا۔ خاص کر قانون ناطرفداری کچھ اس قدر متاثر ہو چکا ہے کہ پرانے قواعد داستان پارینہ اور تاریخی دلچسپی کے سوا کوئی اہمیت رکھتے نظر نہیں آتے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پرانے قواعد ہی زیادہ معقول زیادہ بہتر اور زیادہ قابل عمل تھے اور نیا رواج جو فریقین جنگ کے یہاں یکساں نظر آرہا ہے رجعت قہری کے سوا کچھ اور نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور یہ نیا رواج خطرات سے اس قدر لبریز ہے کہ اس سے دنیا کو امن وچین کا حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہے۔

فریقین جنگ اپنی فوری ضرورتوں کے باعث ان سہولتوں سے (جو محض ناجائز استفادہ بھی جاسکتی ہیں) کام تو لے رہے ہیں لیکن اپنے سکون کے لمحہ میں غور کریں تو وہ اس میں خود اپنے لیے بھی خطرات کا انبار پائیں گے۔ حقیقت میں لاٹھی راج نہ تو کبھی انسانی دنیا میں امن قایم کرسکتا ہے اور نہ انسانیت کے لیے کوئی شایان شان امر۔

تاریخ عالم بتاتی ہے کہ ہر کمائے راز والے تمدن وتہذیب کسی قوم کے لیے ہمیشہ کا بیارث نہیں! ور جب کوئی انتہائی ترقی یافتہ قوم انسانیت کے ان ادنیٰ فرایض یعنی معقولیت پسندی کا لحاظ رکھنا چھوڑ دے تو پھر قدرت کی طرف سے فرایض امتیازات پر تبادلۂ عمل ہی آجاتا ہے۔ اور انسانیت کی علمبرداری کی قسمت ایک سے لیکر دوسرے کو دیدی جاتی ہے۔ یہ دوسرا ابتداً کم اہل ہوتا ہے۔ بڑی بڑی غلطیاں کرتا ہے۔ لیکن اپنی نیک نیتی کے باعث منزل مقصود سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔

ایک اور چیز بھی تاریخی درس میں شامل ہے کہ ترقی ہی نہیں بقا کے لیے بھی کشمکش کا موجود ہونا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر جب تک ہندوستان میں وجیا نگر کی حکومت قایم رہی اسکی دہشت دکن کی پانچوں اسلامی مملکتوں کو جو اس زمانہ میں پائی جاتی تھیں ہر وقت مستعد رہنے، اپنے فرایض کے انجام دینے اور خانہ جنگیوں سے باز رہنے پر مجبور کرتی رہی۔ لیکن ایک مرتبہ ان پانچوں کی متحدہ قوت نے وجیا نگر کو مٹا دیا، تو پھر اردو کے ایک ادبی محاورہ میں یہ پانچوں اسلامی ممالک کچھ اس طرح گھوڑے بیچ کر سوئے کہ کبھی انھیں جگنے کا موقع ہی نہیں ملا اور سر پر کھڑا ایلاب انہیں سوتے ہی میں بہالے گیا۔ یہ کہنا پیشین گویوں کی خطرناک دنیا میں قدم رکھنا ہوگا کہ اپنے دشمنوں کو بالکلیہ فنا کر دینے کے بعد متحدین کی حیثیت کہیں دکن کی مذکورہ اسلامی مملکتوں کی سی نہ ہو جائے۔ ابھی سے یونانی علاقہ کے متعلق روسی بدنیتوں کا مظاہرہ مستقبل کے متعلق بدگمانیاں پیدا کر رہا ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسانیت کی علم برداری اب کی مرتبہ کسی گمنام قوم کو قدرت کی طرف سے عطا ہونی منظور ہے اور اولاد آدم میں برادرکشیوں کا یہ باعث ننگ سلسلہ کب ختم ہونے والا ہے۔

وللہ عاقبۃ الامور

فرانس میں قومی تحریک کا نشو و نما (سنہ ۱۸۵۲ء تا ۱۸۷۲ء)

از جناب محمد منیر الدین احمد صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ)

یورپ میں قومی تحریک کی ابتدا یوں تو نشاۃ ثانیہ کے بعد سے ہوتی ہے لیکن اس تحریک کو زیادہ کامیابی انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ہوئی یورپ میں سب سے پہلی مرتبہ پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں میکیاولی نے قومیت پر زور دیا اور اپنے سیاسی نظریوں سے تمام دُول یورپ کو متاثر کیا۔ ایک تو اس نے سیاست کو مذہب سے علیحدہ کر کے بتلایا اور دوسرے ہر ملک کے عوام الناس کو یہ تعلیم دی کہ وہ اپنے اپنے حکمرانوں کی سرکردگی میں متحد ہو کر ملک کی بھلائی و برتری کے لیے کام کریں میکیاولی کی مشہور کتاب The Prince یورپ میں اتنی مقبول عام ہوئی کہ برک کے خیال کے مطابق اس وقت ہر شہزادے کے سرہانے پائی جاتی تھی۔ گو میکیاولی نے یہ کتاب سیزر بورجیا کے لیے لکھی تھی لیکن اس سے دیگر حکمرانوں نے فائدہ اٹھایا علاوہ قومیت کے آزادی کے مسئلہ نے بھی اہمیت اختیار کرنی شروع کی چنانچہ عوام اور حکمران کے درمیان اختیارات کے لیے ایک کشمکش شروع ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ معاہدہ معاشری کے مفکرین نے زیادہ تر زور اس پر دیا کہ بادشاہ کے اختیارات عوام کے دیے ہوئے ہیں۔ لہذا مقتدر اعلی عوام ہیں نہ کہ بادشاہ۔ چنانچہ معاہدہ معاشری کے مفکرین نے جو عوام کے سیاسی خیالات کو بدلنے میں بہت بڑا حصہ لیا وہ لانگے، گوٹاریز، اسپینوزا، بیو کانن، ماریانا، ہابس، لاک، اور روسو تھے۔ انہیں مفکرین کی وہ انقلاب انگیز تحریریں تھیں جنھوں نے نہ صرف یورپ کے عوام الناس کو متاثر کیا بلکہ امریکیوں کو بھی جیمس آڈمس، آٹنس لی اور فرنکلین جیسی ہستیاں یورپی خیالات سے متاثر ہو کر امریکی انقلاب کی پیشرو بنیں۔ جب سنہ ۱۷۷۶ء میں جنگ آزادی امریکہ کی ابتدا ہوئی تو اس جنگ میں فرانسیسی افواج نے بھی حصہ لیا۔ اور جب جنگ ختم ہونے کے بعد فرانس واپس ہوئیں تو انھوں نے بھی اس امر کی کوشش کی کہ لوئی سولھویں کی مطلق العنان و جابر حکومت کا جو عوام کے کندھوں سے نکال پھینکدیں ژاں ژاک روسو کی تحریروں، امریکی انقلاب کے اثر اور لوئی سولھویں کی مطلق العنان حکومت نے تمام فرانسیسی قوم کو بےچینی کے عالم میں مبتلا کر دیا تھا اور شہنشاہیت سے

نفرت ہونی شروع ہوگئی تھی یہ وہ اسباب تھے جنکے باعث ۱۷۸۹ء میں فرانس کے ان مشہور انقلابات کی ابتدا ہوتی ہے جو یورپ میں قومیت و آزادی کی روح پھونکدیتے ہیں قومیت و تحریک آزادی کی ابتدا، تو فرانس سے ہوتی ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے والے ممالک میں سب سے پہلے یونان اس کے بعد بلجیم اور جرمنی و اطالیہ کی تحریک آزادی فرانس سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتی ہے کیونکہ ان ممالک میں اس بات کی جدوجہد کی گئی کہ مختلف ریاستوں کے عوام کو ایک رہنما کی سرکردگی میں متحد کر کے قومیت اور تحریک آزادی کے مقصد کو حاصل کیا جائے برعکس اس کے فرانس میں بہ نسبت قومیت کے قومی آزادی کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانسیسیوں کی ایک قوم تھی جس کا ایک حکمران تھا اور یہ بہت امن وچین کے ساتھ شاندار طور پر زندگی بسر کر رہی تھی لیکن جب حکمران اور امراء نے ظلم و زیادتی کرنی شروع کی تو پھر ساری قوم متحد ہو کر قومی آزادی کے لیے اپنے حکمران کے خلاف کھڑی ہوگئی اور "آزادی، اخوت اور مساوات کو اپنے لیے مشعل راہ بنایا اور اسی کے لیے اس کو تقریباً سو سال تک انقلابی دور سے گذرنا پڑا چنانچہ ۱۷۸۹ء سے لیکر ۱۸۱۲ء تک کئی دساتیر بنے اور ختم ہوگئے۔

۱۸۱۵ء میں نپولین بوناپارٹ کے خاتمہ کے بعد پھر بوربون شاہی حکومت فرانس میں قایم کی گئی جس کے خلاف یہ انقلاب برپا ہوا تھا۔ لیکن چارلس دہم کی زیادتیوں کے باعث ۱۸۳۰ء میں پھر فرانس نے انقلاب کو دیکھا جس کے بعد بوربون خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور اورلین خاندان کے ایک فرد فلپ نامی کو تخت فرانس پر بٹھایا گیا۔ پہلے پہل تو فلپ نے عوام کی دلجوئی و دلبستگی کی لیکن لوئی بلانک کی اشتراکی تحریک نے فلپ کو عوام کا مخالف بنادیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فبروری ۱۸۴۸ء میں فلپ کو تخت فرانس چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا اور دوسرا جمہوریہ پیرس میں قایم کیا گیا اور بادشاہت سے نفرت کا اظہار کیا گیا سوال یہ پیدا ہوا کہ صدر جمہوریہ کس کو بنایا جائے اس وقت فرانس میں "نپولیانی فسوں" Napoleonic Myth عوام پر بہت گہرا اثر کیے ہوئے تھا اور عوام یہ چاہتے تھے کہ فرانس یورپ میں وہی جگہ حاصل کرے جو نپولین بوناپارٹ کے دور میں اس کو حاصل تھی۔ نپولین کی شاندار فتوحات کی یاد نے لفظ نپولین سے عوام میں محبت پیدا کردی تھی چنانچہ دوسرے جمہوریہ کا جو صدر بنا وہ لوئی نپولین تھا

"نیپولین اعظم" کا بھتیجا تھا حالانکہ لوئی نیپولین میں وہ خصوصیات نہیں تھیں جو نیپولین بوناپارٹ میں پائی جاتی تھیں اور نہ ہی اس نے کسی میدان کارزار میں اپنے جوہر دکھلائے تھے کہ فوج اس کو پسند کرے بلکہ عوام کی ایک اکثریت لوئی نیپولین کے نام سے بھی واقف نہیں تھی کیونکہ اس کی زندگی کنج عزلت میں بسر ہوئی تھی لیکن اس کے دماغ میں یہ ضرور سمایا ہوا تھا کہ وہ ضرور ایک نہ ایک روز فرانس کا بادشاہ بنے گا چنانچہ فروری کے انقلاب اور "نیپولیا تی افسوں" سے اس نے فائدہ اٹھایا عوام نے جب لوئی نیپولین کا نام سنا تو انہوں نے بے سوچے سمجھے نیپولین کو دوسرے جمہوریہ کی صدارت کے لیے رائیں دینی شروع کیں کیونکہ عوام کو لفظ نیپولین سے عشق ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ کہ لوئی نیپولین عوام کو بہت ساری امیدیں دلا کر دوسرے جمہوریہ کا صدر بن بیٹھا لیکن رفتہ رفتہ اپنے اثر کو بڑھانا شروع کیا اور ۱۸۵۲ء میں مجلس مشاورت Senatns Consultam نے یہ فیصلہ کر دیا کہ لوئی نیپولین کے سر پر تاج رکھا جائے اور اس کو فرانس کا شہنشاہ بنا دیا جائے اس فیصلہ کی توثیق عوام کی رائیں Plebesite لیکر کی گئی (۷۸۳۹۰۰۰) آرا، سے لوئی نیپولین سوم کے لقب سے فرانس کا شہنشاہ بن گیا۔

لوئی نیپولین نے ۱۸۴۸ء کے دوسرے جمہوریہ کا صدر بننے سے پیشتر مختلف رسالوں

Political Reveries, 1832 Les Ideas Napoleoniennes, 1839

اور Extinction of Pauperism, 1844 میں اپنے سیاسی عقیدوں کا اظہار کیا تھا جن کا مطلب یہ تھا کہ انقلاب کے باعث فرانسیسی معاشرہ کا اس پچاس سال کے عرصے میں جو شیرازہ بکھر گیا تھا اس کو نئے سرے سے منظم کیا جائے اور آزادی و عوام کے حقوق کو ایک مقتدر کی سرکردگی میں برقرار رکھا جائے" چنانچہ ۲ ڈسمبر ۱۸۵۲ء کے فرانسیسی دستور کی رو سے جب وہ فرانس کا شہنشاہ بنگیا تو اس نے یہ امید دلائی کہ بیکاروں کو کام دیا جائیگا۔ اور مفلسی کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ عمومی آزادی کی بنیاد عمومیت پر رکھی گئی جیسا کہ آگسٹن کہتا ہے۔

"عیسائیت کی فتح نے غلامی کو ختم کیا فرانسیسی انقلاب کی کامیابی نے زرعی غلامی کا خاتمہ کیا اور اب عمومیت کی کامیابی مفلسی کو ختم کر دیگی" اسطرح آزادی کی بنیاد رکھی جائیگی لیکن یہ صرف ایک دکھاوے کی چیز تھی کیونکہ لوئی نیپولین نہ صرف فرانس کا شہنشاہ بننا

چاہتا تھا بلکہ نیپولیائی خاندان کے افراد کو پھر سے تخت فرانس کیے جائز حقدار تسلیم کروانا چاہتا تھا چنانچہ جیسے ہی اس کو پورے اختیارات حاصل ہوگئے اس نے اس امر کی کوشش کی کہ "سرخول" Reds کو جنکو وہ اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا اس کا قلع قمع کردینا چاہیئے۔ اور اس کے لیے اس نے ایک بہترین حیلہ یہ تراشا کہ "دوبارہ امن قایم کرنے کیلئے "سرخول" کے خلاف یہ طریقہ کار اختیار کرنا پڑا کیونکہ یہ "سرخ" امن عامہ کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔

اس طرح ۲ ر ڈسمبر ۱۸۵۲ء کے علان نے لوئی نیپولین کی اس حکمت عملی کو ظاہر کیا جو ۱۸۴۹ء سے بحیثیت صدر جمہوریہ کے وہ عمل پیرا ہوا تھا چنانچہ دوسری مجلس مشاورت Senatus نے عام آرا حاصل کرنے کے بعد ۲۵ ر ڈسمبر ۱۸۵۲ء کو فرانس میں ایک Consulte نئی حکومت کا اعلان کیا۔ جس وقت لوئی نیپولین دوسرے جمہوریہ کا صدر بنایا گیا تھا اسی وقت اس کو "قوم کے سامنے ذمہ دار" اور فرانس کی "مطلق العنان شخصیت" بتا دیا گیا تھا اس کو خشکی اور سمندری افواج کی کمان حاصل تھی۔ جنگ اور امن کے اختیارات اسی میں مرکوز تھے اسی کے نام سے انصاف کیا جاتا تھا اور وہی معافی دے سکتا تھا۔ کسی قانون کو وہی پیش کرسکتا تھا حالات کے لحاظ سے اس کو وقتی قواعد و احکام صادر کرنے کا بھی اختیار تھا۔ اپنے اثر کو کام میں لاتے ہوئے وہ مقننہ میں قوانین اپنی مرضی کے مطابق پاس کرواتا تھا غرض یہ کہ اسکو نہ صرف پورے عاملانہ اختیارات حاصل تھے بلکہ اس کا اثر عدلیہ اور مقننہ دونوں پر بھی تھا۔ ۲۵ ر ڈسمبر ۱۸۵۲ء کی مجلس مشاورت نے تو واضح طور پر اس کے شاہی اختیارات کی تشریح کردی اور اب وہ شخصی طور پر فرانس کا شہنشاہ تھا۔ تجارتی معاہدات اب تک مجلس مقننہ کرتی تھی لیکن اب شہنشاہ خود براہ راست دیگر ممالک سے تجارتی معاہدات کرسکتا تھا اور عوام کے مفاد کے لیے جتنے تعمیری کام تھے وہ سب اس کے اختیار میں آگئے تھے۔ سینات اور مجلس مقننہ کے اختیارات کا تعین کرنا اسی کے ہاتھ میں تھا۔ گو وزارت کے لیے موازنہ مجلس مقننہ کی اکثریت سے منظور ہوتا تھا لیکن اس موازنہ کے مصرف کے لیے مختلف عنوانات بھی قایم کرتا تھا کہ کس مد پر کتنا روپیہ خرچ کیا جائے اس طرح سے شہنشاہ ظاہرا طور پر تو قوم کے سامنے ذمہ دار گردانا گیا تھا لیکن حقیقت میں ذمہ داری کا کہیں وجود باقی نہیں تھا۔

شاہ لوئی نیپولین اپنے وزرا اور صوبہ داروں Prefects کے ذریعہ

تمام فرانس پر حکومت کرنا تھا اور یہ ایک قسم کی انتہائی مرکزیت تھی گو ۱۸۵۲ء کے دستور کے مطابق وزراء کی ایک ذمہ دار مجلس تھی لیکن حقیقت میں یہ شہنشاہ کے آلۂ کار تھے اور آگٹن کے قول کے مطابق وہ شہنشاہ کی وفاداری کا حلف اٹھاتے تھے انھیں مجلس مقننہ سے علیحدہ کر دیا گیا انمیں کا ہر ایک اپنے محکمہ میں بالکل اپنی مرضی اور شہنشاہ کے خیالات کے مطابق عمل کرتا تھا یہ وزراء تعداد میں دس تھے جو سلطنت کے مختلف محکمہ جات کے کاروبار انجام دیتے تھے اور انہیں کی رہنمائی میں حکومت کی مشنری چلائی جاتی تھی۔ ہفتہ میں کئی مرتبہ یہ شہنشاہ سے ملتے اور اپنی اپنی رپورٹیں معہ اپنے نقاط نظر کے پیش کرتے اور شہنشاہ سے احکامات حاصل کرتے تھے یہ تو مرکز میں شہنشاہ کا اختیار تھا۔

مقامی امور کو بھی مرکزی حیثیت دی گئی۔ جو صوبہ دار Prefects مقرر کیے جاتے تھے ان کو ۲۵ مارچ ۱۸۵۲ء کی رو سے پورے شاہی اختیارات حاصل تھے انہیں خاص مقامی معاملات میں قانون بنانے کا اور مختلف دفاتر میں اپنے لوگوں کو نامزد کرنے کا اختیار تھا۔ ۱۴ جون ۱۸۵۴ء کے قانون کی رو سے انہیں مدارس میں اساتذہ مقرر کرنے کا بھی اختیار حاصل ہو گیا جو پہلے ریکٹر Rector کو تھا انہیں مقامی ادارات پر پوری طرح قابو تھا خواہ تعلیمی ہوں یا زرعی امور ان میں ان کی مداخلت ضروری ہوتی تھی۔

بلدیات میں میر بلدیہ Mayor کو پورا اقتدار حاصل تھا لیکن ۱۸۵۲ء کے ستاونویں دفعہ کی رو سے نہ صرف میر بلدیات Mayor بلکہ نائب میر بلدیات Deputy Mayor کا تقرر براہِ راست عاملہ کے تحت کر دیا گیا۔ علاوہ ازیں ان کا انتخاب بلدیہ کی مجلس کے اراکین میں سے ہونا کوئی ضروری نہ تھا۔

فوج کی نئے سرے سے تنظیم کی گئی پوری فوج کو شہنشاہ نے اپنے ماتحت کر لیا۔ فوج کے علاوہ پولیس کی بھی جدید طریقہ پر تنظیم عمل میں آئی اس طرح سے فرانس میں بغاوت کو تقریباً ناممکن بنا دیا گیا کیونکہ پولیس کا کام یہ تھا کہ خفیہ طور پر شہنشاہ کو ان لوگوں کی رپورٹ کرے جو اس کے مخالف ہیں اور اگر بغاوت ہو بھی جائے تو اس کے کچلنے کے لیے فوج شہنشاہ کے ساتھ تھی۔

مطابع کی آزادی کو بھی مکمل طور پر سلب کر لیا گیا مطابع پر پولیس کی نگرانی رکھی گئی اخبارات پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ کسی مضمون کو اخبار میں شایع کرنے سے پیشتر اس مضمون کی

اشاعت کے لیے حکومت سے اجازت لیں۔ علاوہ ازیں اخبارات کی ضمانت کی رقم بھی دگنی کردی گئی۔ چنانچہ پیرس میں اس کی رقم (۵۰۰۰) فرانک تھی۔ اسٹامپ ڈیوٹی میں بھی دگنا اضافہ کیا گیا۔ کسی اخبار کے اجرا کے لیے قبل از قبل حکومت سے اس کی اجازت لینا ضروری رکھا گیا۔ اخبارات کے عملہ میں بغیر وزیر داخلہ کی رضامندی کے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کیجا سکتی تھی وزیر داخلہ کو یہ اختیار تھا کہ اخبار کے مدیر کو اس کے فرائض سے سبکدوش کردے جو اخبار حکومت کے خلاف کچھ کہہ دیتا تو اس کا مقدمہ عام عدالتوں میں نہیں جاتا تھا بلکہ پولیس کی عدالت میں اسکی سماعت ہوتی تھی۔ جہاں سختی کے ساتھ پولیس کارروائی اختیار کرتی تاکہ دوسری مرتبہ پھر اس قسم کے جرم کے مرتکب نہ ہونے پائیں شہنشاہ کو پورا اختیار تھا کہ اگر کسی اخبار کو حکومت کے خلاف پائے یا اس کو امن عامہ میں مخل ہوتا دیکھے تو فوراً اپنے اخبار Bulletin des Lois میں ایک اعلان کے ذریعہ اس اخبار کو بند کردے۔ مطابع کے مقدمات کے فیصلے مجلس مقننہ کی نشست اور ایسی خبریں جن کو حکومت ناپسند کرتی ہو کسی اخبار میں شایع نہیں کیجا سکتی تھیں۔

مقننہ میں شہنشاہ نے اپنا اثر اس طرح قایم کیا کہ جو انتخابات مقننہ کی رکنیت کے لیے ہوے وہ عوام کے عام انتخاب کے ذریعہ ہوتے ہر بالغ میں ایک شہری کو حق رائے دہی حاصل تھا لیکن شہنشاہ کی جانب سے بھی امیدوار رکنیت کھڑے کیے جاتے۔ شہنشاہ کے آدمیوں کو رائے دینا شہنشاہ کو رائے دینا سمجھا جاتا چنانچہ اس طرح سے مقننہ میں شہنشاہ کے کھڑے کیئے ہوئے نمایندے زیادہ تعداد میں آتے۔ نتیجہ یہ کہ مقننہ کی اکثریت وہی قوانین پاس کرتی جو شہنشاہ چاہتا اور عوام کو یہ مغالطہ تھا کہ انہیں کے بھیجے ہوئے نمایندے ہونے کے باعث وہ ایسے ہی قوانین منظور کریں گے جو اُن کے مفاد کے لیے ہوں۔ یہ ایک دھوکہ کی ٹٹی تھی جس کی آڑ میں شہنشاہ اپنی مقصد براری کر رہا تھا نہ کہ عوام کی چنانچہ دستور کا لب لباب یہ تھا کہ "شہنشاہ، وزرائ مجلس مملکت، سینات اور مجلس مقننہ کے ذریعہ حکومت کرتا ہے" ظاہر ہے کہ جب یہ تینوں اختیارات ایک شخص میں مرکوز ہوں تو پھر مانٹسکو کے خیال کے مطابق ایسا حکمراں عوام کی آزادی کو ختم کردے سکتا اور عوام پر ظلم کر سکتا ہے۔ ہوا بھی یہی کہ فرانس میں آزادی کا نام ونشان تک باقی نہیں تھا یہاں تک کہ مذہبی آزادی بھی عوام سے چھین لی گئی تھی۔ مدارس میں تاریخ وفلسفہ کی ڈگریاں دینا بند کردیا گیا تھا تاکہ عوام پچھلے واقعات کو

پڑھ کر پھر کہیں آزادی کے لیے جدوجہد نہ کرنے لگیں۔

فرانس میں سینٹ سائمن کے پیروؤں کی ایک ایسی جماعت تھی جو یہ چاہتی تھی کہ ملک کی صنعت وحرفت میں ترقی ہو اور مزدوروں کو کام فراہم کیا جائے۔ چنانچہ لوئی نیپولین نے بھی اسی طرف توجہ کی Credit Foncier نے جو حکومتی بنک تھا ۱۸۵۲ء اور ۱۸۶۴ء کے درمیان آٹھ کروڑ چار لاکھ فرانک کی رقم پیرس کی نئے سرے سے تعمیر کے لیے منظور کی لیکن زرعی ترقی کے لیے صرف پانچ کروڑ سات لاکھ فرانک کی رقم قرض لی۔ شہروں کی رونق اور صنعت وحرفت پر تو حکومت نے بے دریغ روپیہ صرف کیا لیکن کاشتکاروں کے لیے بہت کم رقم دی گئی۔ لوئی نیپولین نے ۱۸۵۵ء میں ایک صنعتی نمائش بھی کی جس میں دنیا کے بڑے بڑے صنعتی ممالک کے لوگوں کو دعوت دی گئی نتیجہ یہ کہ بڑے بڑے کارخانے قایم ہو جانے کے باعث مزدوروں کی ایک کثیر تعداد فرانس کے شمالی اضلاع وادی لوئیر اور آلسس میں جمع ہوگئی اور یہ اجتماع حکومت کے لیے بیچینی کا باعث ہونا شروع ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان صنعتی شہروں میں اجرتیں تو مزدوروں کی کم تھیں لیکن اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں پچاس فیصد کا اضافہ ہوگیا۔ خاندان اورلیون کی جو ملکیت ۲۲ جنوری ۱۸۵۲ء میں قوم کے لیے منتقل ہوگئی تھی وہ ایک کروڑ فرانک تھی اور خود شہنشاہ نے بھی گراں قدر رقم مزدوروں کی آسایش کے لیے وقف کردی۔ چونکہ مزدوروں کے مطالبات بڑھتے ہی چلے جارہے تھے اس لیے حکومت نے یہ مناسب سمجھا کہ کارخانوں پر حکومت کی خاص نگرانی ہو۔ کارخانوں کے لیے جو بورڈ ہوتا اس کے صدر کو نامزد کرنے کا اختیار حکومت نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ علاوہ ازیں ۱۸۵۴ء کے قانون کی رو سے ایک خاص لباس جس کو Livert کہتے تھے مزدوروں کے لیے رکھا گیا تاکہ پولیس کو ان کے پہچاننے میں آسانی ہو اور جب کبھی یہ حکومت کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کریں تو انہیں آسانی کے ساتھ گرفتار کیا جاسکے۔ الغرض یہ کہ مزدوروں کی تحریک کو اس طرح دبانے کی کوشش کی گئی۔

بات یہ ہے کہ شہنشاہ لوئی نیپولین کے پہلے دس سال یعنی ۱۸۵۲ء سے ۱۸۶۲ء تک بڑے ہی اچھے گذرے۔ لیکن بعد کے دس سال یعنی ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۲ء تک اس کا عہد رعایا اور دیگر دول یورپ کے لیے بڑا ہی پریشان کن رہا اسکی وجہ یہ تھی کہ اس کی خارجی حکمت عملی ناکام رہی۔

چونکہ شہنشاہ اور ملکہ دونوں رومن کیتھولک مذہب کے حامی تھے اس لیے ان پر فرانس کے رومن کیتھولکس کا اثر بڑھا ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اطالیہ کے معاملہ میں کوئی نیپولین نے پیڈمانٹ سلطنت سے پاپائی ریاستوں میں اپنی افواج بھیج کر مخالفت مول لی دوسرے یہ کہ میکسیکو میں اس کی مہم ناکام رہی۔ آسٹریا کو وہ اپنا جانب دار نہ بنا سکا بلکہ پرشیا سے جو اس وقت آسٹریا سے جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا ایک معاہدہ کر لیا صرف اس امید پر کہ لکسمبرگ فرانس کو ملے گا۔ یہ اس لیے کرنا پڑا کہ اس کو میکسیکو اور اطالیہ میں کامیابی نہیں ہوئی تھی اور یہ عوام میں دن بدن غیر ہر دلعزیز ہوتا جا رہا تھا چنانچہ اپنے کو ہر دلعزیز کرنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ کچھ نہ کچھ فرانس کے لیے حاصل کرے اور فرانس کے وقار کو برقرار رکھے۔ لیکن اس کا یہ منصوبہ بھی ناکام ہی رہا۔ بسمارک کی چالوں سے یہ بچ نہ سکا۔ جب بسمارک نے آسٹریا کو ختم کیا تو لکسمبرگ کی آزادی کا مسئلہ اہم ہو گیا۔ برطانیہ نے کہا کہ ایک کانفرنس اس سلسلہ میں لندن میں کیجائے۔ چنانچہ لندن میں بڑے بڑے دول یورپ کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں یہ طے پایا کہ لکسمبرگ سے جرمن افواج ہٹالی جائیں اور اس علاقہ کی آزادی کی ضمانت برطانیہ، جرمنی اور فرانس دے۔ لوئی نیپولین اس فیصلہ کو ماننے پر مجبور ہوا اور اس طرح سے اس کو لکسمبرگ کے معاملہ میں بھی ناکامی ہوئی۔

اس کے علاوہ اسپین کی تخت نشینی کا مسئلہ بھی حکومت فرانس کے لیے تردد کا باعث ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اسپین کی تخت نشینی کے لیے بلجیم کے شہزادہ لیوپولڈ کو پرشیا نے نامزد کیا جب فرانسیسیوں کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے بڑی ہی لے دے کی اور لوئی نیپولین کی حکومت کو کمزور ٹھیرایا اور اس بات پر زور دیا کہ یہ چیز فرانس کے لیے ذلت کا باعث ہے۔ جب شہنشاہ نے یہ حالات دیکھے کہ ایک طرف تو مزدور اس کی حکومت کی شکایت کر رہے ہیں اور دوسری جانب پوری رعایا اس کی خارجی حکمت عملی سے نفرت کر رہی ہے تو پھر وہ مجبور ہوا کہ فوراً اسپین کی تخت نشینی کا مسئلہ حل کرے اور ضرورت ہو تو پرشیا سے جنگ کر کے پھر سے فرانس کی ساکھ کو یورپ میں قایم کرے۔ ادہر لوئی نیپولین یہ سوچ رہا تھا اور ادھر بسمارک اس موقع کی تاک میں تھا کہ ذرا بھی حیلہ ملجائے تو فرانس سے جنگ چھیڑ دے۔ چنانچہ بسمارک اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا۔ حکومت فرانس کی جانب سے جو سفیر فریڈرک ولیم چہارم شاہ پرشیا کے پاس روانہ کیا گیا اس کے متعلق برلن کے اخبارات نے یہ خبر شایع کی کہ

شاہ پرشیا نے اس سفیر سے گفتگو کرنے سے انکار کردیا جب حکومت فرانس کو یہ خبر پہنچی تو وہ بہت ہی چیں بہ جبیں ہوئی اور فوراً ایک ٹیلیگرام شاہ پرشیا کو کیا گیا جو بجائے بادشاہ کو ملنے کے بسمارک کو ملا بسمارک نے اس ٹیلیگرام میں نہایت چالاکی سے الفاظ کی تبدیلی کردی جس سے ٹیلیگرام کا مقصد بالکل بدل گیا۔ نتیجہ یہ کہ ۱۸۷۰ء میں فرانس اور پرشیا میں جنگ چھڑ گئی اور ۱۸۷۱ء میں پیرس پر پرشیا کی افواج کا قبضہ ہوگیا اور اس طرح سے لوئی نیپولین کو پیرس چھوڑ کر فرار ہوجانا پڑا۔ ۱۸۷۵ء میں ایک نیا جمہوری دستور بنا اور شہنشاہیت کا فرانس سے بالکل خاتمہ کردیا گیا۔

یہ تھی فرانس کی وہ تحریک آزادی جو پوری قوم نے شروع کی تھی جس کا تجربہ پوری قوم نے اس شکل میں دیکھا کہ کبھی فرانس جمہوریہ میں جاتا تو کبھی شہنشاہیت میں تبدیل ہوجاتا اور آزادی کا بالکل خاتمہ کردیا جاتا چنانچہ جس وقت ۱۷۹۹ء میں جمہوریہ فرانس کا صدر نیپولین بوناپارٹ بنایا گیا تھا تو وہ ۱۸۰۴ء میں شہنشاہ بن گیا تھا اسی طرح فبروری ۱۸۴۸ء کے انقلاب کے بعد لوئی نیپولین دوسرے جمہوریہ کا صدر بنایا گیا لیکن ۱۸۵۲ء میں وہ فرانس کا شہنشاہ بن گیا اس طرح سے پھر عوام کی آبادی کا خاتمہ ہوا جس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ لوئی نیپولین کی انتہائی مطلق العنان حکومت کی سختی کے ساتھ عوام نے مخالفت شروع کی اور اسی خلفشار سے بسمارک نے فائدہ اٹھایا۔ لیکن ۱۸۷۰ء کے بعد پوری فرانسیسی قوم اس نتیجہ پر پہنچی کہ فرانس کے لیے شہنشاہیت نقصان عظیم کا باعث ہے لہذا ۱۸۷۰ء کے انقلاب کے بعد فرانس کا جو دستور بنایا گیا اس میں ایک دفعہ یہ بھی شامل کی گئی کہ آئندہ فرانس بادشاہت میں تبدیل نہ ہوسکیگا علاوہ ازیں پچھلے تجربے نے بتلادیا تھا کہ جمہوریہ کے صدر کو زیادہ اختیارات دینا بیحد خطرناک تھا اس لیے صدر کو بالکل ہی بے دست و پا کردیا یہاں تک کہ شاہ انگلستان سے بھی اس کے اختیارات کم ہوگئے۔ اس کو صرف یہ اختیار دیا گیا کہ جو قانون مقننہ کے دونوں ایوان منظور کریں اس پر دستخط کرے جو کسی قانون پر ضروری رکھی گئی۔ چنانچہ فرانسیسی جمہوریہ کے صدر کے اختیارات کی بابت ایک مشہور امریکن کا خیال ہے

"The King of England reigns but does not rule,
The President of America rules but does not reign; The President of Frauce neither rules nor reigns."

یہ تھا فرانس کا وہ صدر جو موجودہ جنگ میں فرانس کو شکست ہونے کے قبل تک فرانس پر حکومت کرتا رہا اور یہی تھی فرانس کی وہ تحریک آزادی جو طاقتور حکومت کے خلاف کامیاب رہی۔ فقط

میرے کلیاتی تجربے

از جناب مولوی محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب وظیفہ یاب صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ

(۸ رجب سنہ م ۱۹۴۴ع ۱۳ امرداد سنہ ۱۳۵۳ف کو یہ تقریر نشرگاہ حیدرآباد سے نشر کی گئی تھی جو باجازت شائع کی جاتی ہے)

میرے کلیاتی تجربے کچھ تو خود کے دور طالب علمی سے متعلق ہیں اور کچھ زمانہ پروفیسری و پرنسپلی سے۔ میں آج کی تقریر میں اپنے چند ایسے تجربے بیان کروں گا جو خالص اصول تعلیم اور طلبا و ملک کے فلاح پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکے گا کہ ایک عالم کو جب علم کی خدمت کا موقعہ ملتا ہے تو وہ کس طرح اس خدمت کو کامیاب طریقہ پر انجام دے سکتا ہے علم کا شیدائی باوجود گوناگوں مخالفتوں کے کیونکر ماحول کو علم کی خدمت میں اپنا ہمنوا بنا سکتا ہے۔ علم کا ایک شعبہ دوسرے شعبوں کے لیے کیسے کارآمد ہوسکتا ہے۔ ممالک غیر کے علماء کے ساتھ بے لوث طریقہ پر کس طرح تعاون کیا جا سکتا ہے اور بین الاقوامی تحقیقاتی مساعی میں اپنے آپ کو اور اپنے شرکاء کار کو حتیٰ کہ اپنے ہونہار طلبا، کو کس طرح نمایاں مقام تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ عزم و استقلال سے مشکلیں کیونکر حل ہو سکتی ہیں۔ صداقت اور دور اندیشی کی بدولت مفاد کل کا جذبہ بالآخر جز و کو بھی اس کا واجبی صلہ کیسے دلا سکتا ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل میں ہمارے ملک کی جو تعلیمی حالت تھی لوگ اس سے اب بھی بخوبی واقف ہیں۔ ان دنوں سررشتہ تعلیم میں مشرقی ادب و حکمت کے علماء کو چھوڑ کر شاذ و نادر ہی ایسے افراد نظر آتے تھے جو حقیقی معنوں میں اعلیٰ درجہ کی سند رکھتے تھے۔ قحط الرجال کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو کہ نظام کالج کے چند انگریز پروفیسروں کے سوا (اگر ڈاکٹر اگھوناتھ آنجہانی کو مستثنیٰ کر دیا جائے) یوروپی جامعات کی آنرز ڈگری والے کہیں نہیں ملتے تھے۔ بلدہ و چادرگھاٹ کے سربرآوردہ فوقانی مدارس کے صدر بھی مدت دراز تک انڈر گریجویٹ تھے۔ اس پر یہ مجبوری کہ میٹرک اور اس سے بالاتر درجوں کے امتحانات جامعہ مدراس سے ملحق تھے۔ پڑھانے والے بیچارے اپنی بساط کے موافق حق نمک ادا کرنے کی کوشش ضرور کرتے تھے اور طالب علم بھی رطب و یابس سب کچھ دماغ کے مختلف گوشوں میں جیسے سما سکا بھر بھرا کر شریک امتحان ہو جاتے تھے لیکن اکثر و بیشتر بدنصیب بری طرح ناکامیاب ہوتے تھے۔

امتحان دراصل مقررہ نصاب کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کا منشا طلبا کو علم کی طرف پوری طرح متوجہ کرانا ہے لیکن کسی قدر مصنوعی طریقہ پر۔ ورنہ بغیر آزمایش بے بحث علم کتابوں کی اوراق گردانی ہی پر ختم ہوجاتا ہے۔ اس زمانہ میں تحصیل علم کی اصلی غایت (یعنی تربیت دماغ و کردار ترغیب تحقیق وتجسس) نہ معلم پر پوری طرح منکشف ہوئی تھی اور نہ متعلم پر۔ اس لیے امتحان ہی کو تعلیم کی اول اور آخر منزل تصور کیا جاتا تھا۔ انگریزی زبان ذریعۂ تعلیم ہونے کی وجہ سے کچھ سیکھ لی جاتی تھی۔ فارسی وعربی کے مشہور اساتذہ شاگردوں کو بہرکیف اپنے فیض علم سے مستفیض کرلیتے تھے لیکن صرف درسی کتب کی حد تک۔ دیسی زبانوں میں حیدرآبادی اردو کی بہ نسبت دلّی اور لکھنو والوں کی رائے کچھ بہت اچھی نہ تھی۔ یہی حالت تلنگی مرہٹی اور کنڑی کی تھی بیرون ملک جو علاقہ جات اپنے آپکو ان زبانوں کا منبع و مسکن سمجھتے ہیں ہمارے ملک کے محاورات و انشاپردازی کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ سائنس و ریاضی کی ماہیت سے چونکہ بہت کم لوگ واقف تھے اس لیے عام طور پر یہ مضامین انتہا درجہ ادق اور عوام کی فہم سے ماورا تصور کیے جاتے تھے۔ الحمدللہ رفتار زمانہ کے ساتھ یہ تمام دقتیں بتدریج رفع ہونے لگیں۔ پہلے اعلیٰ درجہ کی سند رکھنے والے اہل وطن استادوں کے تقرر سے بعد کو حیل کرو طایف تعلیم یورپ والیشیا کے صحیح اصول پر اجرا ہونے سے اور سب سے بڑھ کر جامعہ عثمانیہ میں اُردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے سے ملک میں علم کا دریا بہنے لگا۔ اردو میں مہارت لازمی ہوگئی۔ دیسی زبانوں کے مستند استاد بھی مامور ہونے لگے۔ کتب سائنس و ریاضی کے صحیح ترجموں کے ساتھ ان کی ماہیت بآسانی سمجھ میں آنے لگی۔ اچھے تجربے خانے بننے لگے جہاں علمی کام پر زیادہ توجہ ممکن ہوسکی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج سے ایک قرن پہلے کی بہ نسبت ہمارا ملک علم وحکمت میں بہت ترقی کرگیا ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر چیز کی قدر وقیمت اضافی ہوتی ہے اگر ہم نے ترقی کی تو کیا ہمارے بعض پڑوسی ممالک ہم سے کہیں زیادہ ترقی نہیں کررہے ہیں موجودہ زمانہ میں سکون کوئی معنی نہیں رکھتا یا ترقی ہے یا تنزل۔ ترقی پر پہنچکر ٹھیر جانا تنزل کا آغاز ہے۔ اس خدشہ سے بچنے کی تدابیر ہر مفکر بآسانی معلوم کرسکتا ہے بشرطیکہ اپنے گرد وپیش غائر نظر سے دیکھے۔ سررشتۂ تعلیم حکومت کے مختلف شعبوں کی طرح ایک واحد شعبہ ہے۔ اس کی ترقی دوسرے سررشتوں کے ساتھ یقیناً مربوط ہے۔ جس طرح اہل وطن

جامعہ کی فضا میں اعلیٰ قابلیت اور بیرون ملک بلکہ بین الاقوامی شہرت کے حامل افراد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اگر دوسرے سررشتوں میں بھی اسی طرح کے مساعی جاری رکھی جائیں تو سارے ملک میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو سکتی ہے۔ انسانوں کا ذہنی ارتقا بڑی تعداد میں باقاعدہ تربیت ہی سے ہوتا ہے۔ اگر مناسب انتظام کیا جائے تو ہر شعبہ میں ملک کا باشندہ اپنے کام کی خوبی کے اعتبار سے نقادوں کی نظر میں ایسا ہی بلند مرتبہ حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ جامعہ کی خالص علمی فضا میں۔

میں اپنے آپ کو بڑا ہی خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ ایسے وقت دنیا میں قدم رکھا جبکہ شعبہ تعلیم میں بہت سے کام کرنے کی شدید ضرورت داعی تھی۔ پہلے ایک کالج کا پروفیسر پھر ایک یونیورسٹی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا۔ چند ایک جدید علوم و فنون کو اردو زبان میں منتقل کیا۔ اپنے مصائب اور حالات کی نامساعدت سے یہ سبق سیکھا کہ جو تکالیف مجھ کو برداشت کرنی پڑیں اور جن مجبوریوں کی وجہ سے میدان تحقیق و تجسس میں مجھ کو اپنا راستہ آپ خود ڈھونڈنا اور صاف کرنا پڑا یہ تمام رکاوٹیں دوسروں کے سد راہ نہ ہونی چاہیں۔ آج کا طالب علم کل کا معلم ہے آج کا کار آموز کل کا کارفرما۔ دنیا بقول شکسپیر ایک اسٹیج ہے جس پر پروگرام کے بموجب ایک مدت کے لیے مختلف اداکار اپنا پارٹ ختم کر کے رخصت ہوتے ہیں۔ عہدہ ہو کہ ذیلی خدمت دنیا کے نظام العمل میں دونوں کی نوعیت اداکاری کی ہی ہے۔ البتہ دنیا کی اداکاری کی مدت اسٹیج کی متعلقہ مدت سے علی العموم بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن تاریخ تمدن کے معیار سے ہیچ ہے۔ ایسی صورت میں انسان کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو ملک کا حقیقی خدمت گزار سمجھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اشتراک عمل کرے۔ اشتراک عمل ہی سے دنیا کے بڑے بڑے کام انجام پائے ہیں جب تک دوسرے مستحقین کو اچھے کام کرنے کا موقعہ نہ دیا جائے کوئی کام تکمیل نہیں پا سکتا۔ اس زمانہ کے سررشتہ فینانس کے اشتراک عمل ہی سے میری مساعی نظام کالج میں بلند پایہ سائنس کے معمل تیار اور مرتب کرانے میں کامیاب ہو سکیں۔ اس کے فوراً ہی بعد یہ کالج جامعہ مدراس کے شعبہ سائنس میں اپنا سکہ منوانے لگا اسی طرح جب تک جامعہ عثمانیہ سے ریسرچ جرنل جاری نہ ہوا اور اس کے اساتذہ اپنے تصانیف اور تحقیقاتی کام دنیا کے ممتاز رسالوں میں شایع نہ کیے جامعہ عثمانیہ کو اس کے مخالفین محض ایک تجربہ ہی سمجھتے رہے۔ بعد کو آنکھیں کھلیں اور اس کی کامیابی کو دیکھ کر اس کی تقلید کی جانے لگی۔

نباتیات وحیوانیات کی تعلیم طبیہ کالج کے قیام کا پیش خیمہ ہوئی۔ طبیعات وریاضی کی تعلیم کلیہ انجینیری کے قیام کا باعث ہوئی۔ طبیعات کی بدولت خود مجھ کو نہ صرف ایک مناظری آلہ کی ایجاد کا برطانوی پیٹنٹ مل سکا بلکہ اسٹرو اور جیو فزکس میں چند ایک نئے انکشافات کی نعمت نصیب ہوئی

پچاس برس پہلے مغربی دنیا میں یہ افسانہ مشہور تھا کہ اہل ہند لسانیات فلسفہ تاریخ و دینیات میں کافی مہارت حاصل کر سکتے ہیں۔ ریاضی میں بھی ملک کے باشندوں کا ایک طبقہ جو صدیوں سے حساب کے کاموں میں مشغول ہے کافی ترقی کر سکتا ہے۔ لیکن عملی سائنس جراحی میکانیات یا ان کے مماثل علوم کی تحصیل ہندوستانیوں کے دماغ کی فطری ساخت کی وجہ سے ان کے امکان سے باہر ہے۔ لطف یہ ہے کہ بہتیرے ضعیف الاعتقاد ہندوستانی خود اس افسانہ کے موید و معتقد تھے۔ لیکن جب ہندوستانیوں کو وہ تمام سہولتیں یکے بعد دیگرے میسر ہوئیں جو عملی سائنس کے لیے لازمی ہیں تو تیس سال کے اندر ہندوستانی محققین نے اپنے انکشافات اور نظریوں سے دنیائے علم کو مسخر کر لیا حتیٰ کہ کالجوں کے نو آموز بھی اپنی رایوں پر مصر ہونے لگے۔ آلات کی ایجاد چنداں مشکل کام نہیں اگر مروجہ آلات سے حقیقی واقفیت ہو اور ایجاد کا شایق ان کے حسن و قبح کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ قبل از وقت جامعہ سے تعلق منقطع کرنے کی وجہ سے میں اپنے دو اور دلچسپ اور مفید ایجادات رائج نہ کر سکا۔

سب سے زیادہ آسان اور نسبتاً مفید کام جس کی طرف میں حیدرآباد کے علمی اداروں کو اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر متوجہ کرانا چاہتا ہوں وہ عرب عجم اور ہند کے حکما زمانہ ماسبق کے شاہکاروں کی تدوین و طباعت ہے۔ تجربہ خانوں کو چھوڑ کر خانہ نشین ہونے کے بعد میں نے رات کو مشاہدات فلکی اور دن کو تاریخ سائنس و تمدن کی نذر کر دیا ہے۔ پروفیسر مار گولوت آنجہانی جیسے مشہور مستشرق کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حکماء عرب و عجم کی سائنس کی تصانیف اگر ترجمہ کے ساتھ طبع کرائی جائیں تو ملک سے احساس کمتری بہت جلد دور ہو جائیگا۔ اور جو کام زیادہ تر سیاسی نقطۂ نظر سے جرمنی فرانس ہالینڈ روس انگلستان و امریکہ میں کیا جا رہا ہے خالص علمی نقطہ نظر سے بطریق احسن حیدرآباد میں انجام پا سکیگا۔

بسا اوقات ایک چیز جب کمال کو پہنچتی ہے تو اس کے کارپردازوں کی رعونت یا غفلت سے اس میں تنزل شروع ہو جاتا ہے۔ ایک شہرہ آفاق جامعہ کا بلند پایہ کلیہ ایک وقت ایسے دور سے گذرا ہے کہ اس کا وارڈن ۱۸۳۰ء میں بی۔اے کا امتحان لیوی Livy کے چند جملوں کا ترجمہ اور اقلیدس کی پہلی کتاب کے پانچویں مسئلہ کا ثبوت دیکر کامیاب کیا۔ کیا عجب کہ

اس نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں یہ عقیدہ ظاہر کیا ہو کہ "دنیا حق پسندی کی طرف اس وقت تک عود نہ کریگی جب تک تصنیف طباعت و اشاعتِ کتب کو ممنوع قرار نہ دیا جائے" ہمیں یقین ہے کہ ایسا دور پھر کبھی نہ آئیگا۔

میرے کلیاتی تجربوں میں ایک اہم تجربہ حصول اعداد و شمار علی المخصوص طبیعات کے نظریہ تجربہ پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ ایک کافی بڑی جماعت میں خواہ وہ طلبا پر مشتمل ہو یا کسی اور نوعیت کے افراد پر اگر معدودے چند بدنصیب صفر رفتار کے سالمات کی طرح سست و کاہل ہوں تو چند دوسرے نامتناہی رفتار کے سالمات کے مماثل انتہائی ذہانت و توانائی کے بھی افراد ضرور ہوتے ہیں۔ صدرا دارہ کو چاہیے کہ اس دوسری نوع کے خوش نصیبوں کو بہتے اپنی ذاتی ذہانت اور طبع رسا سے پہچانے اور پھر ان کی حفاظت و تربیت کا انتظام کرے۔ اسی پالیسی پر عمل کرنے کی وجہ سے آج حیدرآباد میں زمرۂ اہل وطن سے چند ایسی صورتیں نظر آرہی ہیں جن کی دنیائے علم میں کافی شہرت ہے۔

ذمہ دار اشخاص کے حافظہ کی کمزوری بھی دنیا کو بہت نقصان پہنچاتی ہے۔ [اکثر اوقات احسان فراموشی اور فرائض سے بے توجہی اسی کے نتائج ہوتے ہیں۔] سچ پوچھو تو انسان اللہ تعالیٰ کی دوسری جاندار مخلوق پر اپنے ترقی یافتہ حافظہ ہی کی بدولت غالب اور حکمران ہے۔ حصول علم اور ذہنی تربیت سے حافظہ میں بھی نمایاں ترقی ہوتی ہے۔ نیک نہاد انسان سے غلطی اکثر بھول چوک سے سرزد ہوتی ہے۔ اسی لیے مجالس شوریٰ میں اگر کوئی واقف کار رصاف گو رکن سچی بات ظاہر کردے تو ضدی سے ضدی شخص بھی اپنی غلط رائے ترک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ [بشرطیکہ برائی کی طرف بالطبع مائل نہو] انسان اور خصوصاً نوعمر انسان عموماً نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اس کا ضمیر اس کو سیدھے راستہ سے منحرف ہونے نہیں دیتا۔ بری صحبت میں ضمیر کی چیخ پکار کم سنائی دیتی ہے۔ استاد ہی اپنے بلند کردار اور نفسیاتی پاکیزہ اثر سے طالب علم کو سیدھے راستہ پر قایم رکھ سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا عالم کو بہت قلیل معاوضہ دیکر بڑی ذمہ داری کے کام لیتی ہے لیکن اسکا علم ذاتی وقار اور احساس خدمت خلق اسکی تمام دنیاوی کوتاہیوں کا کافی معاوضہ ہیں۔ دنیا نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی ہے کہ ہر چیز کی صحیح قدر معین کر سکے۔ زر کار واج بہترین سہولتوں کے باوجود جب اخلاق و کردار علم و فضل کی قیمت مشخص کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے تو بڑی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے باوجود کثرت علم و افراط صنعت و ایجاد دنیا قتل و خون کی منزل سے آگے نہیں بڑھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بنی نوع انسان کے دلوں میں علم کی صحیح قدر و منزلت کا جذبہ پیدا کرے تاکہ عالم کو موقعہ ملے کہ بھٹکی ہوئی دنیا کو سیدھے راستہ پر پھیر لائے۔ فقط

یوسف زلیخا تالیف ہاشمی بیجاپوری اور نورس

از محمد غوث ام۔ اے مدیر مجلہ

آج سے بیس سال قبل تاریخ زبان اردو کی جانب شاذ شاذ کسی کسی کی توجہ تھی جناب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی کی تالیف "دکن میں اردو" شایع ہونے کے بعد اس موضوع کی دل کشی نے جگہ جگہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ نہ صرف مضامین بلکہ خود تالیفوں کی نوبت آئی اور اردوے قدیم، پنجاب میں اردو، مغل اور اردو، یوپی میں اردو، بہار میں اردو وغیرہ کتابیں مسلسل یکے بعد دیگرے مرتب ہوئیں علاوہ ازیں کتبیات کے متعلق اب اس قدر وافر مواد مہیا ہو گیا ہے کہ اس موضوع کے کسی پہلو یا اس کی کسی کتاب یا مخطوطہ پر قلم اٹھاتے ہوئے اس مواد سے استفادہ نہ کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔

رسالہ "ہندوستانی ادب" میں دو ایک ماہ قبل دو ایک مضامین "دکنی مخطوطات" کے متعلق شایع ہوئے ہیں ایک مضمون تو نومبر کے پرچہ میں ہاشمی بیجاپوری کی یوسف زلیخا پر ہے اور دوسرا مضمون دسمبر کے رسالہ میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کی "نورس" پر۔

ان کے دیکھنے سے صاف طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قابل مضمون نگار نے کافی تحقیق نہیں کی۔

"ہاشمی" بیجاپوری کے حالات کے متعلق بہت کچھ صراحت کی جا سکتی تھی۔ وہ "ریختی" کا موجد تھا۔ علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں ہاشمی نے بڑی شہرت حاصل کی تھی لیکن "ہندستانی ادب" کے مضمون میں ہاشمی کی سوانح حیات کے متعلق بہت کم روشنی ڈالی گئی ہے۔

"نورس" کے متعلق جب کوئی حسب ذیل عبارت ہندستانی ادب کے مضمون میں پڑھتا ہے تو اس کو حیرت ہوتی اور تعجب پیدا ہوتا ہے۔

> "بہر حال آج سے تین سو سال پہلے کی یادگار تصنیف سے متعلق۔ تلاش اور جستجو کے بعد جو بھی معلوم ہو سکا تبرک کے طور پر ہم نے پیش کر دیا ہے، ممکن ہے کہ اس کتاب کے اور بھی مخطوطے کہیں موجود ہوں۔ اگر یہ کتاب مکمل حالت میں کسی صاحب کی نظر سے گذری ہو تو ہم انھیں مشورہ دیں گے کہ وہ بہر قیمت اس کو حاصل کر کے چھپوا دیں۔"

"نورس" کے متعلق آج سے کئی سال بیشتر جناب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی کا ایک بہت تفصیلی مضمون رسالہ معارف میں شایع ہوا۔ اور اس کے بعد "مقالات ہاشمی" میں (جو تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور سے شایع ہوئی ہے) اس مضمون کو شریک کیا گیا ہے۔ یہ کتاب عام طور سے ملتی اور آسانی سے دست یاب ہو جاتی ہے۔

نصیر الدین صاحب ہاشمی بتا چکے ہیں کہ حیدرآباد میں اس کے چار مخطوطے موجود ہیں کتب خانۂ دفتر دیوانی عجائب خانہ سرکار عالی، کتب خانہ نواب سالار جنگ بہادر اور کتب خانۂ آغا حیدر حسن لکچرار نظام کالج میں اس کتاب کا ایک ایک مخطوطہ موجود ہے۔ جناب مولوی ابو محمد عمر یافعی صاحب نے فرمایا کہ بمبئی کے میوزیم میں بھی اس کا ایک نسخہ مخزون ہے۔ دفتر دیوانی کا نسخہ تو خصوصیت سے قابل تذکرہ ہے جو خاص شاہی کتب خانہ بیجاپور کا نسخہ ہے۔ اس پر سلطان ابراہیم کے دستخط اور کتب خانہ کی مہر بھی ثبت ہے۔ اور ہر طالب علم بسہولت خطاطی کے اس شہ کار کے معائنہ سے سرور و انبساط حاصل کر سکتا ہے۔

ہاشمی صاحب نے اپنے مضمون میں یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مصنف اردوے قدیم کا یہ بیان کہ "نورس میں سرود ہندی کے قواعد وضوابط قلم بند کیے گئے تھے" درست نہیں ہے۔ ہم عصروں کی تالیفات سے استفادہ کسی طرح معیوب نہیں سمجھنا چاہیے ہمارا مشورہ تو یہ ہے کہ آئندہ اس موضوع پر جو بھی کچھ لکھنا چاہے وہ پہلے جناب حکیم شمس اللہ صاحب قادری، ڈاکٹر زور اور نصیر الدین صاحب ہاشمی کی جملہ تصانیف کو پیش نظر رکھے۔ ورنہ ایسی لغزشوں کا اندیشہ رہیگا جس کا ایک نمونہ نورس کے زیر تبصرہ مضمون میں نظر آتا ہے۔

تنقید و تبصرہ

سراج الترتیل۔ رسالہ سراج الترتیل فی تجوید کلام رب جلیل مصنفہ جناب قاری کلیم اللہ حسینی صاحب استاذ فارسی جامعۂ عثمانیہ۔

یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں مصنف نے اختصار کے ساتھ تعلیم قرآن اور تلاوت فرقان کے فضائل تحریر فرمائے ہیں۔ یہ فن قراءت کے طالب کی بہتر ذہنیت کے لیے گویا بنیادی باب ہے۔

اصل کتاب دوسرے باب سے شروع ہوتی ہے۔ اس باب کی بارہ فصلیں ہیں ان اہم اور ضروری فصلوں میں مصنف نے نہایت کامیاب طریقے پر علم تجوید اور اس کے قواعد و مخارج کو نہایت شرح و بسط سے تحریر فرمایا ہے۔ آخری فصل میں مصنف نے قرآن کریم کے رسم الخط سے بحث کی ہے کتاب کے اختتام پر متفرقات کے باب کا اضافہ فرمایا ہے۔

کتاب بحیثیت مجموعی جامعیت۔ سلاست اور وضاحت کے لحاظ سے اردو زبان میں ایک بہتر اضافہ ہے۔ توقع ہے کہ طلبہ اس سے استفادہ کرینگے۔

یعقوب الرحمن عثمانی لکچرار دینیات جامعہ عثمانیہ

اسلام اور سود

تالیف ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی، ام اے، ام ایس سی اکنامکس (لندن) پی ایچ ڈی (ڈبلن) ۲۳۸ صفحات، چھوٹی تقطیع۔ طباعت، کتابت اور کاغذ بہتر۔ قیمت تین روپے۔ ادارہ معاشیات فاطمہ منزل حمایت نگر سے مل سکتی ہے۔

یہ تو ایک حقیقت نفس الامر ہے کہ اس دنیا میں اگر ایک طرف دولت اور امارت کی دھوم ہے تو دوسری طرف غربت اور افلاس کی پکار۔ ہزاروں سال سے دنیا اسی متضاد تنظیم کی بھول بھلیاں میں سرگرداں ہے۔ روس کی اشتراکیت بھی اس کا کوئی حل معلوم کرسکتی ہے یا آگے چلکر خود بھی سرگرداں ہو جاتی ہے اس کو ابھی دیکھنا باقی ہے۔ اہل مذہب کا یہ ادعا ہے کہ دنیا کے اس متناقض نظام کی پیچیدگیوں کو سلجھانے میں اس کی روشنی ہی میں کامیابی کا راستہ نظر آسکتا ہے۔

اسلام نے امارت اور غربت میں توافق پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس نے معاشرت کے ایسے دل پذیر آئین وضع کیے کہ ان کی پابندی سے ہر شخص جی کا کھ حاصل کرسکتا ہے۔

سود کی وجہ سے نظام معاشرت میں جو فساد پیدا ہوتا ہے اس کے سد باب کے لیے اسلام نے بہت سخت نقطۂ نظر قایم کیا۔ اسلام نے ہر قسم کے سودی کاروبار کو خود خدا سے جنگ کے مصداق قرار دیا ہے۔ بعد میں اسلامی قوانین کے ردعمل کے طور پر مغربی مہاجنوں کے جنون امارت نے دنیا میں اپنی برتری منوالی۔ دنیا اب اس جنون کے ردعمل کے جنگل میں گرفتار ہے۔ معاشی قوانین اسلام کے ردعمل سے پہلے عقاید اسلام کو ایک بہت شدید فلسفیانہ ردعمل سے

دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس وقت یہ ہوا کہ مسلمان فلسفہ کے مکاتیب میں شریک ہو کر زانوے ادب تہ کرتے اور ان علوم میں پوری مہارت اور دست رس پیدا کرتے تھے جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان سے اسلام کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ نہیں گزرا کہ خود فلسفیانہ علوم کی تائید و مدد سے مسلمان فلاسفروں نے خود فلسفہ کی بنیاد متزلزل کر دی۔ امام رازی اور امام غزالی نے فلسفہ کے خیال و وہم کے تار و پود کو بکھیر دیا۔ اور اس زمانہ میں بالآخر پروفیسر نکلسن کو تسلیم کرنا پڑا کہ فلسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں امام غزالی کی شخصیت سد سکندری ثابت ہوئی۔

لوگ منتظر تھے کہ اس معاشی افراط و تفریط کے دور میں بھی بالآخر ایسے افراد ضرور پیدا ہوں گے جو تاریخ کو دہرائیں گے۔ اور اسلامی ماہرین معاشیات مغربی معاشیات سے واقف ہو کر اس کی بساط بھی الٹ دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز شروع ہو چکا ہے۔ البتہ چند دن یہ تکلیف دہ مناظر ضرور نظر آئے جیسا کہ خود فلسفہ کے عروج کے وقت بھی ہوا تھا کہ خود مسلمان اساتذۂ معاشیات سود کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اور سود کا جواز ثابت کرنے کے لیے خود مسلمان اہل علم داد تحقیق دیتے تھے۔

لیکن ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی کو غالباً یہ اولیت حاصل ہوئی ہے کہ مغربی معاشیات کے اصول و ضوابط کا اسلامی معاشی اصول و ضوابط سے تقابل کریں۔ ڈاکٹر صاحب کی مرتب دو تحقیق اور کاوش کے نتائج اب ایک تالیف کی صورت میں طبع اور شایع ہو چکے ہیں۔ گو یہ کہنا درست ہوگا کہ مضامین کی ترتیب اور اسلوب بیان کی حد تک مزید توجہ کی ضرورت تھی۔

اس تالیف میں ڈاکٹر صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ ابتدائی زمانہ سے آج تک سود کے متعلق نظریوں کو بیان کیا جائے ساتھ ہی ساتھ ہر نظریہ کے نقائص پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ پھر انھوں نے اسلام کا نظریہ سود پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی نظریہ اس موضوع سے متعلق دوسرے تمام معلومہ اور موجود نظریوں سے بہتر ہے اور یہ کہ کس طرح عصری معاشی افکار اور خیالات اسلامی نظریہ کی جانب کھنچے چلے آ رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس تالیف میں جو نہایت مستند مواد ایک جا کر دیا ہے اس پر تفصیلی تبصرہ موجب طوالت ہوگا۔ اس مواد کی روشنی اور رہبری میں اور زیادہ عمیق

جاننے اور مزید چھان بین کی ضرورت ہے۔

جامعۂ عثمانیہ ہی اس نوعیت کے دقیق علمی مباحث کا بہترین مرکز ہوسکتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کے متعلق جن مسائل کو عصری خیال کیا جاتا ہے ان پر پلیٹ کر اسلامی نظام زندگی کی روشنی میں نظر ڈالنے کی ضرورت ہے قانون کے سلسلہ میں اس نوعیت کا کام جامعۂ عثمانیہ میں ہی آغاز ہوا اور اب معاشیات پر کام کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اسی طرح سلسلہ آگے چلیگا۔

جامعۂ عثمانیہ کا جو خواب ہمارے بزرگوں نے دیکھا تھا اب اس کی تعبیر دل نواز صورتوں میں نظر کے سامنے ہوتی جا رہی ہے۔

محمد غوث

مشرق بعید از شاہد حسین رزاقی قیمت ۴؍

مشاہیر کی بیویاں از طاہر اور رفعت قیمت ۱۲؍

یہ دونوں کتابیں دارالاشاعت سیاسیہ نے شایع کی ہیں سیاسی کتابوں کی اُردو میں جس قدر شدید ضرورت ہے وہ ظاہر ہے۔ اور دارالاشاعت سیاسیہ اس کی امکانی کوشش کر رہا ہے کہ سیاسی موضوع پر کتابیں شایع کرے۔

اول الذکر کتاب کے دو حصے کیے گئے ہیں پہلا حصہ مشرق بعید تک اور دوسرا حصہ سامراجی دول کی سیاسی بساط پر مشتمل ہے قابل مصنف نے مختلف مشرقی ممالک کے سیاسی حالات اور چین اور دیگر دول عظمیٰ کے تعلقات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ عہد حاضر کی مشرقی سیاست کو سمجھنے میں یہ کتاب نہایت کارآمد ہے۔ دوسری مختصر کتاب مشاہیر کی بیویاں حصہ اول ہے اس میں میڈم اسٹالن، سنورا مولینی، مسز چرچل، مسز روز ولٹ، پولو فرانکو اور مسز ڈی ویلیرا کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں صرف مسز روز ولٹ اور مسز ڈی ویلیرا نے اپنی قوم اور اپنے ملک کی خدمت کی ہے اور اس کو ترقی پر لانے میں اپنی کوشش صرف کی ہے اور باقی خواتین کی زندگی اتنی نمایاں طور پر اثر انداز ہوتی نظر نہیں آتی۔

کتاب کے مطالعہ سے ان بڑے بڑے مدبرین کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے لیے کیسی رفیقہ حیات منتخب کی۔ ہر دو کتابیں دلچسپ اور قابل مطالعہ ہیں۔ ا ص

حیدرآباد کی نسوانی دنیا۔ از نصیر الدین ہاشمی۔ ناشر ادارۂ ادب جدید حیدرآباد۔ قیمت دو روپے چار آنے۔

اس کتاب میں کچھ تو حیدرآباد کی مختلف خواتین کے تذکرے ہیں اور کچھ ایسے مضامین جو یہاں کی عورتوں کے بعض حالات اور ان کی معاشرت کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خواتین کے تذکرے کا حصہ "حیدرآباد کے تینتیس ستارے" کے زیر عنوان ہے اس میں بعض ایسی ہستیاں بھی ہیں جن کی شہرت کا انحصار ان کے شوہروں پر ہے گویا اس طرح ان تینتیس ستاروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو دوسروں کے نور سے روشن ہیں۔ مضامین کے حصے میں قدیم و جدید اور مخلوط طرز کی عورتوں کی خصوصیات، عورتوں کی تعلیم اور ان کے کارناموں اور طبقہ نسواں کی معیشت وغیرہ کے متعلق جو کچھ بھی لکھا گیا ہے اس میں شک نہیں کہ دلچسپ ہے۔ بعض باتوں میں مبالغہ سے بھی کام لیا گیا ہے شاید مصنف نے خواتین کی حوصلہ افزائی کے خیال سے اس کو مناسب سمجھا ہو۔ بایں ہمہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا ایک حد تک اندازہ ہو سکتا ہے کہ حیدرآباد کی نسوانی دنیا میں کس قسم کی سماجی تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور اس سلسلے میں تعلیم کا کیا اثر پڑ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مصنف نے اس مضمون سے جس میں انہوں نے اپنے خاندان کی عورتوں کے حالات قلم بند کیے ہیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہاں ایسے معاشرے بھی پائے جاتے جو کم تغیر پذیر نوعیت رکھتے ہیں۔

نورتن یا ایک ایکٹ کے ڈرامے۔ از علی عباس حسینی صاحب۔ ناشر مکتبہ جامعہ لکھنؤ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

چھوٹے چھوٹے ایک ایکٹ کے دلچسپ ڈراموں کا مجموعہ جس میں چھ ڈرامے ہندوستان کے تاریخی کرداروں پر اور تین سماجی موضوع پر مبنی ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ڈرامہ نگاری کے اسلوب سے واقف ہے مختلف کردار کی حیثیت اور اس کی نفسیات کو صحیح طور پر اس کی گفتگو اور عمل میں ظاہر کر سکتا ہے مصنف نے تاریخی کردار کے انتخاب اور اس کو ڈرامہ کی شکل دینے میں خاص خاص اخلاقی سبق پیش نظر رکھے ہیں۔ ان ڈراموں میں "میراث" جو گوتم بدھ اور "ہر ملک ملک ماست" جو شیر شاہ کے بچپنے کے کردار پر مبنی ہے۔ بہت ہی کامیاب کہے جا سکتے ہیں۔ سماجی موضوع سے متعلق "دل بہلاوا" نہایت دلچسپ ہے۔ جس میں ایک پردہ نشین باتونی خاتون کا کردار بڑی خوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس کے حرکات انداز گفتگو اور زبان وغیرہ نہایت مثالی ہیں غرض بحیثیت مجموعی یہ تمام ڈرامے اپنا ایک خاص معیار رکھتے ہیں۔

س۔ ف۔ ح

مجلۂ طیلسانین

حصۂ معاشیات

چوتھی جلد پہلا شمارہ بہمن ۱۳۵۴ف جنوری ۱۹۴۵ء

(مدیر)

محمد غوث ام اے، ال ال بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ام اے (عثمانیہ)

(مہتمم)

محمد نور اللہ بی ایس سی (عثمانیہ)

قیمت سالانہ تین روپے علاوہ محصول ڈاک

قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنے

مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانین حصۂ معاشیات

جلد ۹ شمارہ (۱)	فہرست مضامین	بہمن ۱۳۵۳ف م جنوری ۱۹۴۴ء

حرفِ آغاز

یہ امر مسرت اور مبارک باد کے قابل ہے کہ رضاکارانہ اصول پر مصنوعات ملکی کی ترقی کے لیے جو کوشش سات سال قبل شروع کی گئی تھی۔ وہ بحمد اللہ برگ و بار لا رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی نے بنفس نفیس نمائش کا افتتاح فرمایا اور نمائش کے آخری دن تفصیلی معائنہ سے شادکام اور سرفراز فرمایا۔

مجلس نمائش کے سپاس نامہ کے جواب میں زبانِ فیض ترجمان سے جو کچھ ارشاد فرمایا اس سے حضرت پیر و مرشد کے مرکوزات شاہانہ کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ کم کوئی ملک ہوگا جس کو ایسا فرماں روا نصیب ہو مملکت آصفیہ اپنی خوش بختی پر جس قدر بھی ناز کرے بجا ہے۔

حضرت جلالت الملک کی حکیمانہ رہبری کا ہی نتیجہ ہے کہ ملک میں ہر طرف ایک نئی سرگرمی پیدا ہے۔ اور کیا ملازمان سرکاری اور کیا عامۃ الناس سب کوشاں ہیں کہ مملکت آصفیہ شاہ عثمان کے بابرکت سایہ میں ترقی کے بلند ترین منازل بعجلت ممکنہ طے کرے۔ اسٹیٹ بنک کے کاروبار کی وسعت۔ اسٹاکوں کی سرگرمی اور صنعتی مدارس کا قیام۔ حیدرآباد دکن کمپنی کے جملہ اثاثہ کی خریدی، نظام ساگر ہائیڈرو الکٹرک اسکیم کا آغاز، تنگ بھدرا کے کام شروع ہونا یہ سب ملک کے ایک نشاۃ جدید کا آوازہ بلند کرتے ہیں۔ لیکن چاہیے مجلس نمائش ہو یا کوئی اور اس کو فضیلت مآب صدر اعظم مملکت آصفیہ کے وہ الفاظ یاد رکھنا چاہیئے جو انھوں نے نمائش کے دوران میں معاشی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے ارشاد فرمائے کہ

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ حیدرآباد کے صنعتی مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ آپ حضرات جو "نوجوان حیدرآباد" کے نمائندے ہیں۔ ملک کی نشاۃ اور ترقی کے لیے بے چین ہیں۔ لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ گو آپ کی موجودہ کامیابی قابل قدر اور آپ کی مساعی قابل عزت ہیں۔ سعی پیہم آپ کی زندگی کا نصب العین ہونا چاہیئے۔ آپ کا مستقل عزم اور آپ کی انتھک کوششیں جن میں حضرت بندگان اقدس اعلیٰ کی حکومت کی عملی ہمدردی اور مدد شامل رہیگی۔ آپ کی کامیابی کی ضامن ہوں گی۔

اور انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں ہے جب کہ حضرت اقدس و اعلیٰ کی دلی تمنا کہ مملکت آصفیہ کی رعایا خوش حال اور خورسند رہے پوری ہوکر رہیگی"۔

اس جنگ نے زندگی اور معاشرت کے قدیم نظام کا تار و پود بکھیر دیا ہے۔ اب جب کہ جنگ کے اختتام کا آغاز آنکھوں کے سامنے ہے۔ دنیا امن اور سلامتی کی ایک دل نواز صبح صادق کے لیے ہمہ تن منتظر ہے۔ خدا کرے کہ دنیا اپنے نئے دور میں کوئی ایسا معاشی نظام اختیار کرے جو ہر طوفان کا مقابلہ کرسکے۔

معاشیات کے عملی مسائل جس طرح ہر وقت ایک نیا قالب اختیار کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس جنگ کے دوران میں مہیا ہوگیا۔ قوموں کی قوت برداشت اور زندہ رہنے کی قابلیت کا ایسے ہی مواقع پر امتحان ہوتا ہے۔ زندہ قومیں اپنے آپ کو بدلتے ہوئے حالات پر ڈھال لیتی ہیں۔ لیکن افسوس ہندوستان میں ناجائز ذخیرہ بندی اور ناجائز نفع اندوزی کے ایسے ہوش ربا مناظر دکھائی دیے کہ الاماں۔ الحفیظ۔ اخلاق، انسانیت، ہمدردی اور مواسات کے قدیم مشرقی روایات گویا ہم نے قطعی طور سے بھلادیے۔ قانون سے بچنے کے لیے عذر تراشی اور حیلہ جوئی میں ہم نے اپنی ذہانت اور جودت کے جوہر دکھائے ہیں۔ جلب منفعت کا بھوت سر پر اس طرح سوار ہے کہ حکومت اور بے بس رعایا کا کوئی افسوں کارگر نہیں ہوتا۔ آخر یہ لوگ کبھی یہ غور بھی کرتے ہیں کہ ان کی منزل مقصود کیا ہے؟ امن۔ سلامتی اور شانتی کے راستہ پر ہم نہیں جارہے ہیں۔

ہندوستانی معاشیات کے مبادی کے نام سے مجلہ میں جو سلسلۂ مضامین عرصہ سے جاری تھا۔ اسکی تکمیل اس شمارہ میں بہ تمام و کمال ہوگئی۔ اس کو بطور کتاب علحدہ بھی شایع کیا گیا ہے۔ اس کے صفحات کا نشان اب تک جو سلسلہ شایع ہوا ہے اسکی مناسبت سے قایم کیا گیا ہے۔

قوانین مالگزاری

از جناب مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم

مرحوم مملکت آصفیہ کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ لکھنے کے لیے سال ہا سال تک مواد فراہم کرتے رہے ۔ اور مطالعہ جاری رکھا ۔ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کے بعد اس کے کاروبار میں کچھ اس طرح گتھ گئے کہ علمی مشاغل کی آرزو ، آرزو ہی رہ گئی۔ بریں ہم کچھ نہ کچھ کام جاری تھا کہ پیام اجل آگیا ۔ مرحوم کے متعدد مسودے اور یادداشتیں اس قابل ہیں کہ ان کو شایع کر دیا جائے تو کام کرنے والوں کو کچھ نہ کچھ مدد ملیگی ۔ اسی خیال سے موضوع متذکرہ عنوان پر ان کی ایک یادداشت شایع کی جاتی ہے ۔ افسوس ہے کہ یہ یادداشت مرحوم مکمل نہ کر سکے ۔ اب یہ نوخیز نسل کا کام ہے کہ اس قسم کے عنوانوں پر تحقیق اور کاوش سے صداقت کو روشن کرے ۔ مجلہ

سلطنت آصفیہ میں سررشتہ مال گزاری دولت مغلیہ کے اصولوں پر کامل باقاعدہ طور سے موجود تھا ۔ بعد میں اس انتظام میں یہ قباحت ہوئی کہ عہدے موروثی بن گئے ۔ نواب مختار الملک نے بہت جلد قدیم اصول کو قایم کیا اور اس کے نتائج بھی بہت جلد نظر آگئے ۔ کیا ہی عمدہ بات ہوتی اگر ہم بجائے جدید کورانہ تقلید کے ہمارے قدیم مردہ اصولوں کو زندہ کرتے ۔ مگر غلط فہمی سے اس حالت کو اب اور عمدہ بنانے کا خیال پیدا ہوا تو اس کے لیے مناسب تجویز یہ خیال کی گئی کہ برٹش انڈیا کا طریقہ دکن میں رائج کیا جائے ۔

ابتداء ۱۲۹۳ھ میں مولوی مہدی علی خاں (محسن الملک) معتمد سررشتۂ مال مقرر ہوئے ۔ اس میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ نئے معتمد نے جنکی بہت سی اعلیٰ قابلیتیں مسلم ہیں ملک کو ایک نئے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ۔

جیسا کہ محسن الملک نے سر لیپل گریفن کے جواب میں بیان کیا ہے بنگالہ کا انتظام بندوبست دکن کے لیے نمونہ ٹھیرایا گیا ۔ افسوس ہے کہ بنگالہ کا نمونہ دکن کے لیے نہایت ناموزوں تھا ۔ سرکار برطانیہ نے مختلف صوبہ جات میں جن مختلف اصول پہ مال گزاری کا انتظام کیا ہے وہ خود اس امر کی صاف صاف گواہی دے رہا ہے کہ ایک خطہ کی تقلید

دوسرے خطہ کے لیے کس قدر نامناسب ہے۔ اودھ، ممالک مغربی و شمالی کا طرز بنگالہ سے جداگانہ ہے۔ پنجاب، اور احاطۂ مدراس میں اصول الگ قرار دیے گئے۔ سرکار برطانیہ کے سمجھ دار افسروں نے ہر ملک کے مطابق کام کیا اور مقامی گزشتہ حالت پر آئندہ کی بنیاد رکھی جس سے آج اس قدر توفیر آمدنی کی صورت نظر آرہی ہے۔

لیکن خود برطانوی ہند کے طرز عمل مالگزاری میں جس قدر بھاری نقص خود اس وقت موجود ہیں اور جن سے ملک اور رعایا کی بربادی ہو رہی ہے اور ان کے مقابلہ میں دولت مغلیہ کے عمدہ اصول جن سے ملک اور رعایا خوش حال تھی اس کو خود بنگالہ ہی کے نامور افسروں نے جنھیں اس سررشتہ کا کامل طور سے تجربہ ہے مثل رومیش چندر دت ایسے مدلل طور سے ثابت کر دکھایا ہے کہ کسی انصاف پسند کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

محسن الملک نے جو تقلید کی قباحتوں سے واقف ہیں اس تقلید بند و بست پر بغیر تحقیقات جس قدر کوشش صرف کی وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ اس کے لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ بنگالہ کی مالگزاری کی ایک مختصر تاریخ لکھیں جس سے معلوم ہو جائے کہ برطانوی حکومت کو کن وجوہ نے اس طرز عمل پر مجبور کیا۔ اور کیا وہ وجوہات دکن میں بھی موجود تھے جس کے لیے اس طریقہ کا رواج یہاں مفید ہو سکتا۔

۱۲ اگست ۱۷۶۵ء کو بمقام الہ آباد عالی شان سلطنت مغلیہ کے باعث ننگ شاہ عالم نے صوبہ جات بنگال، بہار اور اڑیسہ کی سند دیوانی لارڈ کلایو کو عطا کی تو اسی وقت لارڈ کلایو کا یہ تخیل بروئے کار آنے لگا کہ "وہ زمانہ آگیا ہے جب کہ کل سلطنت مغلیہ ہمارے ہاتھ میں ہوگی"۔ لارڈ کلایو کے پاس ایک تدریجی رفتار عمل یقیناً مرتب تھی۔ اسی مخفی رفتار عمل کا آئندہ زمانہ میں مسلسل ظہور ہوتا گیا۔

اول اول چونکہ عہدہ داران کمپنی سررشتۂ مال سے واقف ہی نہیں تھے اور اس کے علاوہ جن آلات کے ذریعہ سے دیوانی کا رتبہ حاصل ہوا تھا دفعتاً ان کو شل کر دینا عام مصلحت کے خلاف تھا، لہذا تمام قدیم مغلیہ انتظام بحال رکھا گیا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خود سلطنت مغلیہ کی طرح یہ پرانا مضبوط انتظام بھی جان کندنی کی حالت میں ہو رہا تھا اور اس کی وجہ شایستہ افراد کا قحط تھا جو تنزل کی اصلی وجہ ہے۔ وہی پرانے افسر تھے جن کے احسانات کا بار کمپنی کی گردن اٹھا نہیں سکتی تھی۔ محمد رضا خاں دیوان بنگالہ، راجہ شتاب رائے دیوان صوبۂ بہار،

راجہ دولب رام اور جگت سیٹھ وغیرہ۔ مگر اب ان کے ساتھ انگریز افسر بھی روپیہ کمانے اور تجربہ حاصل کرنے کی غرض سے شریک تھے۔ اس وقت جیسا کہ بالاتفاق مان لیا گیا ہے ملک کی بد تر سے بد تر حالت ہو رہی تھی۔ ذکاء اللہ جیسے خوشامدی مورخ نے لکھا ہے کہ۔

"اب ان تین صوبوں میں حکمران ایک تاجروں کی جماعت تھی جنکی تعداد معین نہیں تھی۔ جو شخص روپیہ دیتا اس میں شریک ہو جاتا۔ گورنر اور ان کی کونسل اختلاف رائے سے یہاں کے آدمیوں کو تباہ کرتے غرض جو حاکم ہوتا نہ اسکو اپنا اعتماد تھا نہ اپنے حکم پر اختیار رکھتا۔ جو اپنا انتفاع دیکھتا اسے حاصل کر کے چلتا بنتا۔ اس بے انتظامی کی بدولت لٹیروں، ڈاکوں اور رہزنوں کا زور ہوا۔"

اس زمانہ میں اصول بندوبست کے یہ متعدد طریقے جاری تھے۔

۱۔ خالصہ۔ جس کا بندوبست ہندوستانی افسر کیا کرتے تھے۔

۲۔ انعامات، جاگیرات جو عطیہ کے طور پر دیے گئے تھے اور جن کی مالگزاری معاف تھی۔

۳۔ اجارہ۔ جو ہر سال مستاجروں کو دیا جاتا تھا۔

۴۔ زمینداری۔ تعلقہ داری جس کا محاصل ادا کیا جاتا ہے۔

اس بدنظمی پر زیادہ زور دینے سے انگریزی مورخوں کا یہ مقصد ہے کہ آئندہ انتظام کے سلسلہ میں افسران کمپنی کی خود مطلبی کی پردہ پوشی ہو جائے۔ مگر جس شخص کو یورپ کی پُراسرار پالسی کی خبر ہے اور جس نے تاریخ یورپ و ایشیا کے آخر دور پر گہری نظر ڈالی ہے اسکو صاف صاف نظر آجائیگا کہ یہ تمام مسلسل انتظامات جو بظاہر بالکل جداگانہ اور وقتاً فوقتاً ضرورت کی وجہ سے قایم ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں در اصل ایک ہی خاکہ کے رنگ ہیں جنکی بتدریج خانہ پری کی جاتی ہے۔ یہی یورپ کا وہ سربستہ راز ہے جس نے مشرقی زمین کی یہ درگت کر دی۔ مصر اور ٹرانسوال کا مجوزہ خاکہ جس طریقہ پر پورا کیا گیا وہ حال ہی کا واقعہ ہے اور گزشتہ ڈیڑھ دو صدی پہلے کے واقعات کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

خیر تو لارڈ کلایو کے زمانہ تک یہی حالت رہی۔ بتدریج انگریزی افسروں کو زیادہ دخیل بنایا جا رہا تھا۔ ۱۷۶۹ء میں ہندوستانی محصل اور عمال کی نگرانی کے لیے سرکار کمپنی کے ملازم بھیجے گئے۔ بنام "سوپر وائزر" پھر ان کی تنقیح کے لیے دو کونسل پٹنہ اور مرشد آباد میں،

قایم ہوئے ۔ یہ سب آئندہ انتظام کا پیش خیمہ تھا ۔

جدید انتظام سات سال کے بعد جب کہ لارڈ کلایو کو ہندوستان سے واپس جانا پڑا تو ان کے ہوا خواہوں سے لحاظ و مروت کی ضرورت نہ رہی تھی ۔ ۱۷۷۲ء میں یہ تجویز جس کی سات سال پہلے ہی بحث دیز ہو چکی تھی بزمانہ وارن ہسٹنگز عملاً جاری ہو گئی ۔ وارن ہسٹنگز کی عیاری تو بے نظیر ہے ۔ اب کورٹ آف ڈائرکٹرز نے مصمم ارادہ کر لیا کہ تمام انتظام فرنگستانی افسروں کے ذریعہ سے عمل میں آئے ۔ ہندوستانی افسروں کے مامور رکھنے سے وہ سخت متنفر تھے جس کے وجوہ یہ بیان ہوتے تھے ۔

۱ ۔ ملک کی آمدنی دن بدن گھٹ رہی ہے ۔

۲ ۔ دیسی افسر خائن ہیں ۔

۳ ۔ نگرانی عمدہ طور سے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی زمینات انعام میں شامل ہو گئی ہیں ۔

۴ ۔ زمینداروں نے ۴۰ لاکھ بیگہ زمین کی معافی دے کر برہمنوں کو عطا کر دی ہے ۔

۵ ۔ اس طرح ۳۰ لاکھ اور ۴۰ لاکھ کے مابین محصول سے کمپنی کا خزانہ محروم ہو گیا ۔

ان وجوہات کے متعلق اب تحقیقات کرنی بیکار ہے ۔ "رفتار عمل" کا اصول ایسا روشن ہو گیا ہے کہ اب کوئی دھوکہ ہو نہیں سکتا ۔ ان وجوہات کے اصلی معنی اب سمجھ میں آ گئے ہیں ۔ کمپنی کے ملازموں کی خیانت ، فریب اور رشوت خواری تاریخ کے ہر صفحہ سے نمایاں ہے ۔ جان کلارک مارشمن نے لکھا ہے کہ

> "رعایا اور زمینداروں کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس کا حکم مانیں اس لیے کہ ایک طرف تو بظاہر سرکاری کارروائی نواب کے علاقہ داروں کو مفوض تھی لیکن دوسری طرف انگریز تمام ملک میں اس قدر صاحب اقتدار تھے کہ ہندوستانی افسر ان کو اپنا تابع بنا ہی نہیں سکتے تھے ۔"

بہر حال باشندگان ملک میں حب وطن کی کسی روح کا موجود نہ ہونا اور دیسی افسروں کی نا اتفاقی اور شایستہ افراد کا قحط ان سب باتوں نے کمپنی کے ڈائرکٹروں کا حوصلہ بڑھا دیا اور بذریعہ مراسلہ ۲۸ اگست ۱۷۷۱ء تجویز جدید جاری کرنے کے لیے گورنر فورٹ ولیم کو حکم دے دیا گیا اس کی تعمیل دوسرے سال ۱۷۷۲ء کے اپریل و مئے میں کی گئی ۔ یہ بھی

ایک ثبوت ہے اس امر کا کہ بحث ویز مدت سے ہو چکی تھی۔ یہ نہیں کہ واقعات کی وجہ سے تجویز جدید جاری کرنے کی ضرورت ہوئی ہو۔ غرض اعلان شایع کیا گیا کہ آئندہ مالگزاری کا کام انگریز کلکٹر کیا کرے گا۔ گویا پہلے سوپر ویزر کلکٹر بنا دیے گئے۔

کمپنی کا پہلا اصول بندوبست

اصول بندوبست کے بارے میں وارن ہسٹنگز نے رزلیوشن پاس کروالیا کہ بندوبست مستاجری کا قاعدہ جاری کیا جائیگا اور پٹہ ایک مدت معینہ کے لیے لکھوایا جائیگا۔ جو رزلیوشن اب پاس کیا گیا وہ انگریزی بندوبست کا پہلا نمونہ تھا۔ سلطنت مغلیہ کے باقاعدہ وسیع اور مکمل بندوبست کے سامنے اس خفیف بندوبست کو پیش کرنا ہی ایک سخت غلطی ہوگی۔ اس برائے نام ناقص بندوبست کی بدولت تمام گزشتہ شایستہ اصول مفقود کر دیے گئے اور مالگزاری کی تاریخ صدیوں پیشتر کے تاریک زمانہ کی طرف پھر لوٹ گئی۔ اس انتظام سے بجز اس کے کہ حق داروں کو بے دخل بنایا جائے بظاہر اور کوئی خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور آخر ہار کر یا جب مقصد پورا ہو گیا اس ناقص بندوبست کو خیر باد کہنا پڑا۔ مسلمانوں نے اس سررشتہ کو جس حالت میں پایا تھا اس میں کوئی ابتری نہیں پیدا کی۔ کمپنی نے جس حالت میں اس کو پایا اس کو خراب کر دیا۔

پہلے دفعہ کا اجارہ

سب سے پہلے دفعہ جو اجارہ دیا گیا اس میں میعاد مستاجری ۵ سال قرار دی گئی۔ ایک کمیٹی بورڈ کی قرار پائی جس میں گورنر اور کونسل کے چاروں ممبر شریک تھے کہ وہ انتظام کی نگرانی دورہ کر کے کیا کرے۔ تھوڑے ہی تجربے کے بعد معلوم ہو گیا کہ مستاجری کے جو شرایط قرار دیے گئے ہیں ان سے کام نہیں نکل سکتا۔ اس لیے یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ زمین کا عام نیلام ہوا کرے۔ پرانے حق داروں کی بے دخلی کے متعلق مارشمن نے لکھا ہے کہ۔

> "جس جگہ پرانا زمین دار یا تعلقہ دار محصول معتدبہ کی ادائی پر راضی ہوتا تھا تو زمینات اس کے قبضہ میں رکھی جاتی تھیں ورنہ اس کو بے دخل کر دیا جاتا اور کسی قدر وظیفہ اس کے لیے مقرر کر دیا جاتا اور زمین کسی نئے مستاجر کے قبضہ میں دیدی جاتی تھی۔"

"قیاس کن زگلستان من بہار مرا" اسلامی دور کی تاریخ مالگزاری میں بلا وجہ بے دخلی کی ایسی

کوئی ایک بھی نظیر نہیں مل سکتی۔

محمد رضا خان وغیرہ کی گرفتاری جدید اعلان کی اجرائی کے ساتھ ہی محمد رضا خاں دیوان اور راجہ شتاب رائے (جس نے فن زراعت کے متعلق بہت سی ایجادیں کی ہیں) کو بالکل خلاف ضابطہ راتوں رات گرفتار کیے جانے اور نہایت ذلت کے ساتھ کلکتہ میں لائے جانے کے تمام واقعات ہم بوجہ اختصار قلم انداز کرتے ہیں۔

راجہ تو خیر فوراً چھوٹ بھی گیا اور اس ذلت کی تاب نہ لاکر مر بھی گیا مگر محمد رضا خاں کا جھوٹا مقدمہ دو سال تک زیر تحقیقات رہا اور آخر اس کی تمام دولت انگریز دکلا اور ملازمین کی نذر ہو جانے کے بعد اس کو برأت نصیب ہوئی۔

یہ سب واقعات ہمیشہ تاریخ کے صفحوں پر نمایاں رہیں گے۔

وارن ہسٹنگز کی مالی کارروائیاں ذکاءاللہ نے لکھا ہے کہ

"صیغہ مال میں ہسٹنگز کی عہد گورنری میں حسن کارگزاری کی تحسین و آفرین کی جاتی ہے کہ انھوں نے سرکار کمپنی کے افلاس اور بے زری کی مشکلات کو آسان کر دیا۔ اور ملک کی آمدنی کو بڑھا دیا۔ بے شک یہ کام ان کا قابل ستایش ہوتا اگر افزایش زر، ملک کی پیداوار کی قابلیت بڑھانے سے ہوتی جس سے باشندوں کو فلاح ہوتی اور وہ انگلستان کے مرہون اور ممنون ہوتے مگر ان کی تو تحصیل زر کی سبیل ایسی تھی کہ خرد سال نواب بنگالہ کے ۳۲ لاکھ سے ۱۶ لاکھ دیے۔ بادشاہ کا خراج موقوف کر دیا۔ شجاع الدولہ کو سپاہ کرایہ دے کر (۴۰) لاکھ روپیہ نقد لے لیا۔ اور اس سے ایک تہائی خرچ سپاہ کا کم کر لیا۔ خالص آمدنی میں قرض کے منہا کرنے کے بعد ۱۷۷۲ء سے ۱۷۷۵ء تک بقدر ۴۲ لاکھ افزایش معلوم ہوتی ہے جس کے عوض میں نہیں معلوم کہ کتنوں کے گلے پر چھری پھری ہوگی اور کیا کیا کو تک کرنے پڑے ہوں گے۔"

دوسرے دفعہ کا اجارہ پہلے اجارہ کی مدت اب ختم ہو گئی (۱۷۷۷ء) حالات ملک سے

ناواقف رہکر جو تجویز جاری کی گئی چند ہی دنوں میں اس کے نقصانات نظر آگئے ۔ بقول انگریزی مورخوں کے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ مستاجروں پر بقایا رہ گیا ۔ ذکاءاللہ نے لکھا ہے

"اب اس زر مالگزاری کے ادا کرنے کے لیے سرکار نے زمینداروں کو شکنجہ میں کھینچنا شروع کیا ۔ اور زمینداروں نے رعیت کے گلے پر چھری پھیری شروع کی ۔ اس بندوبست نے خلق خدا کو برباد کیا ۔ اور ملک کو ویران بنایا ۔ اگر یہی بندوبست رہیگا تو نہ کسی کانوں میں چکی کی آواز سنائی دیگی نہ کسی گھر میں چراغ کی روشنی نظر آئے گی ۔"

غرض کہ گورنر جنرل اور ممبروں میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی رائے انتظام مالگزاری اور بندوبست کے بارے میں کمپنی کے ڈائرکٹروں کے پاس لکھ بھیجی ۔ ہسٹنگز اور بارویل نے جو مسودہ قانون تیار کیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اکثر اضلاع کا بندوبست زمینداروں کے ساتھ کیا جائے بشرطیکہ وہ بہت کم روپیہ مال گزاری کا بہ نسبت کسی غیر شخص کے دینے ہوں اور اس بندوبست کی میعاد زمیندار کے حیات تک یا اس کی دو نسل کی حیات تک ٹھیرائی جائے اور اس کے ساتھ سب طرح کی رعایت کی جائے ۔

فرینسس ممبر نے ایک کتاب مرتب کی جس میں یہ امور شرح و بسط سے لکھے کہ زمین کا مالک بادشاہ کو سمجھنا بڑی غلطی ہے ۔ اس سے کچھ خراج معین لیا جائے ۔ اس کی مقدار ایک دفعہ جو سب سے ٹھیر جائے وہی لی جائے پھر اس میں تغیر و تبدل نہ ہو ۔ لیکن کمپنی کے پاس سے حکم آیا کہ نیلام کا قاعدہ موقوف کیا جائے اور زمینداروں کے ساتھ برعایت یک سالہ بندوبست کیا جائے ۔ اس حکم کے مطابق یہ تجویز ٹھیری کہ پرانے زمینداروں کو زمین سال آخر کی جمع پر یا از سر نو جمع تشخیص کرکے کونسل اضلاع دیدے ۔ زمینداروں اور مستاجروں کو اوروں پر ترجیح دی جائے ۔ ہر سال نیا اجارہ دینے کا یہ اصول ۱۷۸۲ء تک جاری رہا اس کی بھی اصلی وجہ مارشمن نے بیان کردی ہے کہ :-

"نئے اجارہ کا قاعدہ جاری کرنے کا اصلی منشا یہ تھا کہ گزشتہ سالوں کا بقایا بھی وصول ہو جائے اور اسی منشا کے مطابق تا بقدور اجارہ گزشتہ مستاجروں ہی کو دیا جاتا تھا ۔"

آخر کار وارن ہسٹنگز کا دور ختم ہوا اور کارنوالس کے زمانہ کی ابتدا ہوئی ۔

دکن کی سرزمین

از جناب مولوی محمد عبد الرحمن خان صاحب صدیقی وظیفہ یاب کلیہ جامعہ عثمانیہ

(یہ تقریر نشرگاہ حیدرآباد سے بتاریخ ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء نشر کی گئی جو باجازت نشرگاہ شایع کی جاتی ہے)

دکن سے مراد عموماً ہند کا وہ حصہ ہے جو بندھیاچل کے جنوب میں واقع ہے۔ اس میں بلحاظ تنظیم حالیہ مدراس اور بمبئی پریزیڈنسی کے وسیع علاقے اور سلطنت حیدرآباد ریاست ہائے میسور ٹراونکور وکوچن وغیرہ داخل ہیں۔ اقلیم ہند کے اس جنوبی حصہ کی شکل ایک مثلث کی سی ہے جس کا سرا راس کماری پر قایم ہے۔ سمندر کے دونوں بازو ساحل سے کسی قدر ہٹ کر کم بلندی کی پہاڑیاں ہیں جو مشرقی و مغربی گھاٹ کہلاتی ہیں۔ ان کے علاوہ سرزمین کے وسطی حصہ میں بھی چند ایک سرسبز ہو اور وہ پہاڑیاں ہیں (جیسے نیلگری، اوٹاکرینڈ، کوڈائی کنال، کونور وغیرہ) جہاں باوجود قربت خط استواء ارتفاع کی وجہ سے گرمیوں کے زمانہ میں بھی موسم خوشگوار ٹھنڈا رہتا ہے اور اسی لیے اکثر ذوی استطاعت لوگ وہاں گرما کی چھٹیاں منانے جاتے ہیں۔

اس خطہ ملک میں سب سے بڑی ندی گوداوری ہے جو اس کی شمالی سرحد کے متوازی بہتی ہے۔ اس کے جنوب میں کرشنا تنگبھدرا کاوری اور پینار وغیرہ بھی کافی بڑی ندیاں ہیں۔ ان سبھوں کا بہاؤ عموماً مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ دریائے کاوری کے پانی کو روک کر ریاست میسور نے اپنے ہائیڈرو الیکٹرک اسکیم سے صنعت و حرفت و عام تمدن کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔

سلطنت حیدرآباد کا علاقہ کسی زمانہ میں بشمول علاقہ جات شمالی سرکار وکرناٹک وارکاٹ، خلیج بنگال تک پہنچا تھا اور جنوب میں میسور کی حالیہ شمالی سرحد تک پھیلا ہوا تھا۔ اب وہ ممالک حیدرآباد و برار ہی پر مشتمل ہے۔ مملکت حیدرآباد کے موجودہ حدود تقریباً شمالی عرض بلد ۱۵ درجے ۱۰ دقیقے سے لیکر ۲۰ درجے ۴۰ دقیقے تک، اور مشرقی طول بلد ۷۴ درجے ۴۰ دقیقے سے ۸۱ درجے ۳۵ دقیقے تک تصور کیے جاتے ہیں۔ اس کا رقبہ

بیاسی ہزار سات سو مربع میل ہے ۔ اس کا بیشتر حصہ مرتفع پہاڑی میدان کوئی ساڑھے بارہ سو فٹ بروئے اوسط بلند ہے ۔ اگرچہ اس میں چند ایسی پہاڑیاں بھی ہیں جو کہیں کہیں ڈھائی ہزار بلکہ ساڑھے تین ہزار فٹ سے بھی اونچی ہیں ۔

دریائے گوداوری مملکت حیدرآباد کی شمالی سرحد کے مشرقی حصہ کی تعیین کرتا ہے اور دریائے تنگبھدرا اس کی جنوبی سرحد کی ۔ ارضیاتی نقطۂ نظر سے ملک کا بیشتر رقبہ دکن ٹراپ پر مشتمل ہے اور اس کے شمال مغرب اور جنوب مشرق میں آرکے اِئن یعنے قدیم ترین عہد کی چٹانیں پائی جاتی ہیں ۔ متعدد مقامات پر زمینی دریا برآمد ہے ۔ شہر حیدرآباد کے گرد کے اضلاع میں سرخ رنگ کی مٹی کے طبقات (لائیٹرائیڈٹ) بکثرت موجود ہیں ۔ اور گونڈوانا نوع کی چٹانیں ۹۵ سو میل تک چلی گئی ہیں ۔

اس سرزمین کی پہاڑیوں میں اکثر جگہ بڑے بڑے گول پتھر ایک دوسرے کے بازو اور کہیں کہیں ایک دوسرے کے اوپر کچھ ایسی ترتیب میں واقع ہیں کہ دیکھنے والے کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید کسی زمانہ میں کوئی دیو ہیکل مخلوق نے اپنے ہاتھوں سے ان کو خطرناک مقامات پر رکھ چھوڑا ہے ۔ چنانچہ کرنل میڈوز ٹیلر نے امیر علی ٹھگ کے مشہور قصہ میں بعض لوگوں کا عقیدہ بیان کیا ہے کہ یہ پتھر وہ ہیں جو ہنومان کی فوج کے بندر ہمالیہ پہاڑ سے لائے تھے تاکہ راجہ رام چندر جی سمندر عبور کر کے لنکا جا سکیں ۔ اکثر پتھر تو پل بنانے کی غرض سے سمندر میں ڈال دیئے گئے جو بچ رہے وہ دکن کی پہاڑیوں میں جوں کے توں بندر جس وضع میں رکھ چھوڑے تھے رہ گئے ۔ حالیہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صورت بعض نباتات (مثلاً کرونده شریفہ اور دیگر جنگلی جھاڑیوں) کی جڑوں کے کیمیائی تعامل اور کرۂ ہوائی کے اثرات کا نتیجہ ہے ۔

بعض پہاڑ ایک ہی چٹان سے بنے ہیں (مثلاً قلعہ بھونگیر کا پہاڑ یا مولی کا پہاڑ وغیرہ) اور کافی بلند اور وسیع بھی ہیں ۔ ایک امریکی سیاح نے میرے ایک دوست سے کہا ہے کہ بھونگیر والا پہاڑ اس لحاظ سے دنیا بھر میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے ۔ شاید ایک یا دو ہی ایسے ایک چٹان والے بڑے پہاڑ اور جگہ موجود ہوں گے ۔

ممالک محروسہ کے بعض علاقوں میں ساگوان اور دیگر قیمتی لکڑیوں کے جنگل ہیں ۔ بڑ پیپل، ببول سرس بانس اور چندن کو بھی اہمیت حاصل ہے ۔ میوے کے درختوں میں

آم، املی، ناریل، تاڑ، کویٹ اور چرونجی وغیرہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ باغات میں لیمو، نارنگی سنترہ موسمبی انجیر انگور امرود کیلا کٹھل اور فالسہ بھی آسانی سے پھل دیتا ہے۔ لیکن جب کبھی خشک سالی مسلط ہوتی ہے تو باغ کے باغ سوکھ جاتے ہیں اور از سر نو پودے لگانے پڑتے ہیں۔ اسی طرح بعض جگہوں پر مٹی میں دیمک اور درختوں پر کیڑے اس بلا کے نازل ہوتے ہیں کہ بڑے سے بڑے درخت بھی مر جاتے ہیں۔ امید کہ سائنٹیفک تحقیق سے یہ نقائص جلد رفع کیے جا سکیں گے۔

خوشبودار پھولوں میں موتیا یہاں تقریباً خودرو ہے۔ پاکھال کے جنگلوں سے باسانی فراہم کیا جا سکتا ہے۔ چنبیلی چمپا سیوتی گیندا ہند کے پرانے پھولوں کے لیے تو یہاں کی زمین فطری طریقہ پر موزوں ہے۔ مغلیہ بادشاہت کے زمانہ میں ایران سے لایا ہوا گلاب بھی یہاں خوب پھولتا اور خوشبو دیتا ہے۔ اقصائے مشرق سے آیا ہوا ہنا بانا (رات کی رانی اور دن کا راجہ) بھی چاندنی راتوں میں خوب بہار دیتا ہے۔

ہمارے ملک میں بارش زیادہ تر جنوب مغربی موسمی ہواؤں کے زمانہ میں (جون سے سپٹمبر تک) ہوتی ہے۔ یہ ہوائیں بحیرۂ عرب اور بحر ہند سے چلتی ہوئی آبی بخارات سے سیر ہو جاتی ہیں اور خشکی پر سے گذرتی ہوئی ان بخارات کو بارش کی شکل میں مطروح کرتی ہیں۔ شمال مشرقی موسمی ہواؤں کے زمانہ (اکتوبر و نومبر) میں بھی خلیج بنگال سے آنے والی ہواؤں سے کچھ بارش میسر ہو جاتی ہے لیکن ہر سال نہیں۔ یہاں اوسط بارش ۲۸ انچ سالانہ شمار ہوتی ہے کبھی ۳۵ انچ تک بھی پہنچ جاتی ہے اور خشک سالی میں دس پندرہ انچ پر ہی ختم ہو تی ہے۔ ملک کی اوسط تپش ۸۱ درجے فارنہائٹ قرار دی گئی ہے سرما میں بعض اوقات ۵۵ درجے سے بھی کمتر محسوس ہوتی ہے اور گرما میں ۱۰۵ درجے سے بھی زیادہ۔

ممالک محروسہ میں کئی ایک قدرتی تالاب بھی ہیں جو بارش کے زمانہ میں پہاڑوں کے دامن میں پانی سے لبریز ہو کر بہنے لگتے ہیں۔ سال بھر ان میں پانی رہتا ہے۔ سب سے بڑا پاکھال کا ہے جس کی وسعت ۱۳ مربع میل ہے۔ مصنوعی تالاب بکثرت ہیں۔ سب سے بڑا نظام ساگر کا ہے جو دریائے مانجرا کو روک کر نظام آباد میں تیار کیا گیا ہے۔ بلدہ سے قریب عثمان ساگر حمایت ساگر حسین ساگر اور میر عالم کا تالاب بھی کافی بڑے ہیں۔

معدنیات میں سب سے بڑھ کر اہمیت پتھر کے کوئلہ کو حاصل ہے جو سنگرینی وغیرہ کی

کانوں سے نکالا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں دریائے کرشنا کے کنارے الماس بھی پایا جاتا تھا چنانچہ ہندوستان کا مشہور کوہ نور یہیں سے برآمد ہوا تھا۔ سونا پہلے بکافی مقدار میں ملتا تھا اب صرف ہٹی کے معادن سے برآمد کیا جا رہا ہے۔

سنگ سیلو سنگ مرمر ابرک تامڑا وغیرہ بھی قابل ذکر معدنی اشیا ہیں۔ چند سال پیشتر ورنگل کے صوبہ سے ایک کمپنی نے معقول مقدار میں یاقوت حاصل کیے تھے اب وہ ختم ہوگئے۔ باضابطہ تلاش اگر سائنٹیفک اصول پر کی جائے تو کیا عجب کہ اب بھی ایسی چیزیں برآمد ہو سکینگی جن کی صنعت و حرفت میں بہت قیمت ہے۔

زبانوں کے لحاظ سے ممالک محروسہ کی تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ مشرقی حصہ تلنگانہ کہلاتا ہے۔ شمالی مغربی حصہ مرہٹواڑی اور جنوبی و جنوب مغربی حصہ کنڑا علاقہ تلنگانہ میں دو قسم کی کاشت ہوتی ہے۔ بارش کے موسم میں آبی اور گرما سرما وغیرہ میں تابی جس کے لیے تالابوں سے پانی لیا جاتا ہے۔ بقیہ دو علاقوں میں چونکہ بارش کم ہوتی ہے باولیوں سے پانی لیکر کاشت کی جاتی ہے یا سرما کی شبنم سے استفادہ کرکے۔

تلنگانہ میں زیادہ تر چاول کی کاشت کی جاتی ہے۔ مرہٹواڑی اور کنڑا علاقوں میں جوار گیہوں سور مونگ تل اور کرڑ وغیرہ بوئی جاتی ہے۔ چنا بھی جاڑے کے موسم میں تالابوں کے بیٹھے میں یا ریگڑ کی زمین میں کاشت کیا جاتا ہے۔ کالی مٹی کپاس کی کاشت کے لیئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ یہاں چند مقامی ترکاریاں بہت اچھی ہوتی ہیں۔ لیکن موزوں اقسام کے کھاد کا استعمال چند ہی سال سے مروج ہو رہا ہے۔ توقع ہے کہ آگے چلکر ملک کے باہر کی ترکاریاں بھی بخوبی کاشت کی جاسکینگی۔ زراعت کے ساتھ مویشی اور دیگر مفید جانوروں کی پرورش و نگہداشت پر اب زیادہ توجہ کی جارہی ہے۔

ملکی صنعتوں میں سمنٹ تیل دیا سلائی اور شیشہ کی تیاری و باعث پارچہ بافی کاغذ اور شکر سازی وغیرہ بہت کامیاب ہو رہی ہیں۔ جدید تالابوں سے پانی بافراط حاصل ہونے سے ان دنوں گنّے کی کاشت بڑی ترقی کر رہی ہے۔ میکانیات سے جوں جوں واقفیت زیادہ ہوگی اور معاملہ فہم متدین لوگ سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر کام کرینگے صنعتوں کو مزید فروغ ہوگا اور امید کی جاتی ہے کہ ملک سے جلد تعلیم یافتہ بیروزگاری رفع ہو جائیگی۔

حیدرآباد کو اس کے آثار قدیمہ کی بدولت عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ ایلورا اور اجنٹہ کے

غاروں کی سنگتراشی اور صناعی ہند میں اپنی آپ نظیر ہے۔ ان کی محافظت اور معائنہ کی سہولت
کے لیے سرکار آصفیہ کی طرف سے فیاضانہ طریقہ پر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ بیدر کے بریدشاہوں
کی عمارتیں ان کے گنبد، محمود گاواں کا مدرسہ وغیرہ قلعہ گولکنڈہ کا بالاحصار اور اس کے گرد ونواح
کی قدیم عمارتیں اور خود وسط شہر حیدرآباد میں کہ مسجد چارمینار وغیرہ نہ صرف اپنے حسن تعمیر کے
لحاظ سے جاذب نظر ہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی نہایت دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ اسی طرح
اورنگ آباد خلدآباد اور دولت آباد کی عمارتیں اور زیارت گاہیں بھی۔

دکن کا تمدن کئی ایک پرانے اور نئے تمدنوں کی آمیزش و ارتقا کا کامیاب نمونہ ہے
ورنگل وغیرہ کی قدیم عبادت گاہیں کاکتیا عہد کی شاندار یادگاریں ہیں۔ ملک کے طول وعرض
میں پھیلے ہوئے پہاڑی قلعے قرون وسطیٰ کے تلنگانہ کنڑا اور مرہٹواڑی کی چھوٹی ریاستوں اور
ان کے باہمی خانہ جنگیوں کی عبرت انگیز تصویریں ہیں۔ خلجی، تغلق اور افغانی سپہ سالاروں
کے فتوحات کے بعد مسلم ہندو سمجھوتے کے ساتھ گلبرگہ کی خود مختار بہمنی حکومت کا قیام،
اور اس کے شکست و ریخت پر برار کے عماد شاہی احمدنگر کے نظام شاہی بیدر کے بریدشاہی
بیجاپور کے عادل شاہی اور گولکنڈہ کے قراقیونلی کالے بکرے کے قومی نشان والے ترکمانی
نژاد قطب شاہی ریاستوں کا نشوونما، ان کے باہمی نزاع، پھر موقت اتحاد اور ریاست
وجیانگر کا سقوط اور بعدازاں بادشاہان مغلیہ کا تمام ہند پر تسلط اور مغلوں کے زوال پر سلاطین
آصفیہ کا حسن تدبر دوراندیشی اور رواداری اور بالآخر انگریزوں کے ساتھ دوستانہ اتحاد،
ان تمام واقعات سے ملک کے تمدن اور معاشرت میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کی ترجمانی
دکنی تہذیب کی ہردلعزیزی اور اردو زبان کی جادو اثر ترقی سے ہوتی ہے۔

ہمارے ملک میں بعض جنگجو اقوام کے تاخت و تاراج کے علامات، پرتگالی اور فرانسیسی
تجارت پیشہ سیاحوں کی سیاسی ریشہ دوانیوں اور پھر فوجی تسلط کی کوششوں کے آثار کا بھی
جابجا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان دقتوں کے باوجود شاہان آصفیہ کا حکیمانہ تدبر اور منصفانہ شعار
ملک کو ہمیشہ خوش حال رکھا۔

سرزمین دکن میں زمانہ قدیم سے علم و ہنر کی سرپرستی چلی آرہی ہے۔ قطب شاہی دور میں
گولکنڈہ اردو اور فارسی شعر و سخن کا مسکن رہا۔ اسی طرح دیگر بہمنی ریاستوں نے بھی اپنے
عروج کے زمانہ میں علم کی اچھی خدمت کی۔ دور دور سے عالم و فاضل چلے آئے اور اپنی قابلیت

صلہ پائے۔ ظہوری و فرشتہ کی شہرۂ آفاق تصنیفات اسی قدر شناسی کے خوشہ چیں ہیں۔ بہمنی دور ختم ہونے پر شاہانِ آصفیہ باوجود جنگی و سیاسی مصروفیتوں کے بذاتِ خود شعر و سخن کے سرچشمہ بن گئے۔

حضرتِ غفران مکاں کو اردو شاعری میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ موجودہ عہد میں حضرت سلطان العلوم سلطان الشعراء نے ملک دکن کو دنیائے علم میں جس اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچایا ہے اس کا ثبوت قیام جامعۂ عثمانیہ و رشحات کلکِ عثمانی کی شہرت سے عیاں ہے۔

سلطنت آصفیہ کا برطانوی شہنشاہیت کے ساتھ مخلصانہ ارتباط نہ صرف اقلیم ہند کو زمانۂ امن میں ترقی کے راستہ پر چلانے میں ممد و معاون رہا ہے بلکہ ہر جنگ میں فتحیاب بناکر موجودہ عالمگیر تباہی کے دوران میں مہذب و صلح پسند دنیا کو فتح و نصرت کی طرف آگے بڑھا رہا ہے۔

اس مبارک سرزمین میں قدیم ڈراوڈی اقوام کی اولاد قبل دور مسیح علیہ السلام کے آریائی نسل کے ہندو، عصر جدید کے پارسی نصرانی یہودی جین سکھ وغیرہ حتیٰ کہ آفریقی و ملایائی اقوام کے نمائندے بھی ملک کے مسلمان عرب ترکمان افغان اور ایرانیوں کے ساتھ شیر و شکر کی طرح ملکر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ قابلِ تقلید ارتباط زیر پرچم آصفی ہمیشہ برقرار رہے۔ آمین

تنقید و تبصرہ

سلسلہ مطبوعات ادارۂ معاشیات

اردو میں معاشی ادب کا اضافہ کرنے کے لیے یہ ادارہ حال ہی میں قایم کیا گیا ہے۔ اس کے صدر ڈاکٹر انور اقبال قریشی صاحب استاذ معاشیات جامعۂ عثمانیہ و معاشی مشیر حکومت حیدرآباد ہیں۔ صاحب موصوف کو ان کے چند قدیم طالب علموں کا تعاون عمل حاصل ہے۔ چھ سات مہینے کی قلیل مدت میں اس ادارہ نے سات کتابیں شایع کی ہیں دو ایک کتابوں مثلاً "ہندوستان کے معاشی مسائل" پر مجلہ میں قبل ازیں تبصرہ ہو چکا ہے۔

ہندوستان کی آبادی:- از ڈاکٹر انور اقبال قریشی۔ کراؤن سائز۔ مجلد۔ معہ رنگین گردپوش۔ ضخامت ۳۰۰ صفحات قیمت ۳ روپیے۔

اس کتاب کے سات باب ہیں۔ ان میں آبادی کے قدیم نظریوں، مالتھس کے نظریۂ آبادی، کنن کے متوازن نظریۂ آبادی، ہندوستانی آبادی کے تاریخی پس منظر، ۱۹۴۱ع کی مردم شماری، آبادی اور خوراک اور کثرت آبادی کے مسائل پر جامع طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے۔ امید کہ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کریں گے۔

ہندوستان کا نظام زر:- از ڈاکٹر انور اقبال قریشی کراؤن سائز۔ مجلد۔ معہ رنگین گردپوش ۳۰۰ صفحات قیمت ۳ روپیے۔

اس کتاب میں ہندوستانی زر کی ایک سو سالہ تاریخ پیش کی گئی ہے۔ اور زر کے پیچیدہ مسائل کو نہایت عام فہم پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ شرح مبادلہ۔ معیار طلا۔ افراط زر اور اسٹرلنگ تمسکات جیسے اہم مسائل کو ماہرانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں یہ اپنی نوعیت کی گویا پہلی مستند کتاب ہے۔ مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ پڑھا لکھا شخص جسے ہندوستان کے زر کے مسائل سے دلچسپی ہو اس کتاب سے بآسانی استفادہ کر سکے۔ طلبا کے لیے یہ کتاب خاص طور پر مفید ہے۔ امید کہ بی۔ اے اور ایم۔ اے کے طالب علم اسے ایک نصابی کتاب کی حیثیت سے پڑھیں گے۔

ہندوستان کی معیشت اور جنگ:- از محمد احمد خاں صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) ال ال بی (علیگ) کراؤن سائز۔ ضخامت ۳۰۰ صفحے۔ مجلد۔

معہ رنگین گردپوش قیمت ۳ روپے۔

یہ کتاب پروفیسر انور اقبال قریشی صاحب کے پیش لفظ اور نو ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ہندوستانی زراعت کس طرح متاثر ہوئی۔ جنگ سے قبل زراعت کی کیا حالت تھی اور آغاز جنگ سے اس میں کس قسم کی تبدیلیاں شروع ہوئی ہیں۔ فصلوں کی نوعیت، رقبۂ کاشت، مقدار پیداوار اور قیمت پیداوار کے لحاظ سے گذشتہ پانچ سال میں کیا تغیرات ہوئے اور ان تغیرات کی وجہ سے ہندوستان کی معاشی زندگی کس طرح متاثر ہوئی۔

دوسرے باب میں ہندوستان کی صنعتوں پر بحث کی گئی ہے۔ سوت، جوٹ، لوہے، فولاد، کوئلے، سمنٹ، شکر، چائے، کاغذ، ایلومنیم، جہاز، ہوائی جہاز، جنگی سازوسامان اور کیمیائی صنعتوں پر موجودہ جنگ کے جو اثرات پڑے ہیں انھیں نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ بھی بتایا ہے کہ اس جنگ کی وجہ سے گھریلو صنعتیں کس طرح متاثر ہوئی ہیں۔ حکومت کی صنعتی پالسی اور مزدوروں کے مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرا باب تجارت سے متعلق ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ۴۰-۱۹۳۹ تا ۴۴-۱۹۴۳ کی پانچ سالہ مدت میں ہندوستان کی تجارت خارجہ میں کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ جنگ سے پہلے اشیائے تجارت، مقدار تجارت، اور ممالک تجارت کے لحاظ سے کیا صورت حال تھی اور اب کس قسم کی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ملک کی معاشی زندگی پر ان تبدیلیوں کے کیا اثرات پڑے ہیں؟

چوتھے باب میں ذرایع حمل ونقل پر بحث کی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ کی وجہ سے ریل اور موٹروں کی حد تک کیا مسائل پیدا ہوئے ہیں؟ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے حکومت نے کونسی تدبیریں اختیار کی ہیں۔ آئندہ کس قسم کی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

پانچواں باب زر سے متعلق ہے۔ ہندوستان کے نظام زر پر جنگ کے بہت گہرے اثرات پڑے ہیں۔ مصنف نے ان اثرات کو نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ افراط زر کے وجوہ اسباب، نوعیت، اثرات اور اصلاح کی تدبیروں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

چھٹے باب میں نظام بنک کاری پر بحث کی گئی ہے۔ ریزرو بنک جدول بنک، غیر جدولی بنک اور امداد باہمی کے بنکوں پر موجودہ جنگ کے اثرات کو نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ساتویں باب میں مالیات کی تشریح کی گئی ہے۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے حکومت ہند کے اخراجات میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ اس اضافے کی تکمیل کن مختلف ذرایع سے کی جا رہی ہے۔ اس باب کا تنقیدی حصہ خاص طور پر قابل غور ہے۔

آٹھویں باب میں ہندوستانی قومی قرض پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ کے موافق حالات کی وجہ سے ہندوستان کس طرح ایک دین دار ملک کے بجائے لین دار ملک بن گیا ہے۔ اسٹرلنگ قرضے کی نوعیت اور اس کی ادائی وغیرہ کے متعلق دلچسپ بحث کی گئی ہے۔

نواں باب جنگ کے بعد کے معاشی مسائل سے متعلق ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زراعت، صنعت، تجارت، حمل ونقل، زر، بنک، مالیات اور قومی قرض کے سلسلے میں کیا مسائل رونما ہوں گے اور انھیں کیونکر حل کیا جا سکتا ہے۔

یہ کتاب ہماری معاشی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر جنگ کے اثرات کے متعلق معلومات کا اچھا ذخیرہ پیش کرتی ہے۔ زبان سادہ خیالات مربوط اور ابواب کی ترتیب میں تسلسل اور تناسب کا عمدگی کے ساتھ لحاظ رکھا گیا ہے۔

معاشیات اور اعداد وشمار میں بہت قریبی تعلق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریاضیاتی اور اعداد وشمار کی مدد کے بغیر معاشی مسائل کی خاطر خواہ تفہیم اور تحلیل ممکن ہی نہیں۔ اعداد وشمار کی اس اہمیت کے باوجود اگر ان کا استعمال بہت زیادہ ہو تو عام قارئین کو دلچسپی باقی نہیں رہتی۔ وہ اعداد وشمار کی بھرمار کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں اور مطالعہ کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ مصنف مناسب سمجھیں تو کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اعداد وشمار کو نمایاں طور پر گھٹا دیں۔

بعض ابواب کے آخر میں متعلقہ مباحث کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ اگر یہ طریقہ تمام ابواب میں اختیار کیا جاتا تو اس سے نہ صرف طرز استدلال میں یکسانیت پیدا ہوتی بلکہ عام قارئین کو فائدہ پہنچتا۔ بالخصوص طالب علموں کو ضروری نکات یاد رکھنے میں سہولت ہوتی۔ آئندہ ایڈیشن میں اگر اس چیز کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو بہتر ہے۔

کتاب کے آخر میں اشاریے بھی شامل ہے یہ وہ خصوصیت ہے جو عام طور سے اردو کتابوں میں نظر نہیں آتی۔ معاشی زندگی پر جنگ کے اثرات کے متعلق انگریزی میں مختلف کتابیں اس سلسلے شایع ہوئے ہیں۔ اگر ان کی ایک مکمل فہرست شامل ہوتی تو عام قارئین اور طلبا ... سے ... ملتی

مجموعی طور پر یہ کتاب مستحق تعریف ہے۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ "زیر نظر کتاب میں ایسا مواد پیش کیا گیا ہے جو کسی انگریزی کتاب میں بھی یکجا نہیں ملتا . . . . . ہندوستانی جامعات کے طلباء کے لیے امتحانی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے"۔

احمد خاں صاحب کی یہ پہلی کتاب نہیں ہے۔ اس سے قبل ان کی تین کتابیں "ہندوستان کا قومی قرضہ" "ہندوستان کے زر پر جنگ کے اثرات" "انگلستان اور بین الاقوامی زر کے منصوبے" شایع ہو چکی ہیں۔ بالخصوص پہلی دو کتابوں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ انھوں نے امبیڈکر کی مشہور کتاب . . . . کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے جو عنقریب شایع ہو جائے گا۔ خاں صاحب ہندوستان کی معاشی ترقی کے مختلف منصوبوں پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں ادارہ معاشیات کی جانب سے توقع ہے کہ جلد شائع کی جائیگی۔

(۶) **بمبئی پلان حصہ دوم** مترجمہ سعید احمد صاحب مینائی بی۔ اے (عثمانیہ) ضخامت ۶۰ صفحے کراؤن سائز۔ قیمت ۱۲/

جنگ کے بعد ہندوستان کی معاشی ترقی کے لیے آٹھ سربرآوردہ کاروباری ماہروں نے جنوری ۱۹۴۴ء میں "ایک لائحہ عمل" مرتب کیا جو عام طور پر "بمبئی پلان" کے نام سے موسوم ہے۔ سعید احمد صاحب مینائی نے اس کا ترجمہ کیا تھا اور بزم معاشیات جامعہ عثمانیہ نے اسے شایع کیا۔ یہ ترجمہ اردو میں بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا حال ہی میں "بمبئی پلان" کا حصہ دوم انگریزی میں شایع ہوا ہے۔ سعید احمد صاحب نے اردو داں پبلک کے استفادہ کی خاطر اس کا ترجمہ بھی اردو میں کر دیا ہے۔ ترجمہ مجموعی طور پر آسان اور عام فہم ہے۔ امید کہ پہلے حصے کی طرح دوسرا حصہ بھی بہت مقبول ہوگا۔

(۷) **نظری اور عملی معاشیات** از محمد ناصر علی صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ) لکچرار معاشیات جامعہ عثمانیہ ۸۲ صفحات کراؤن $\frac{1}{16}$ سائز قیمت ایک روپیہ۔

اس مختصر کتاب میں مصنف نے حسب ذیل مضامین پر روشنی ڈالی ہے:۔

(۱) نظری اور عملی معاشیات (۲) معاشیات ہند (۳) سترھویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان کی آبادی (۴) ۱۹۴۱ء میں ہندوستان کی آبادی (۵) کیا ہندوستان کثیر الآباد ہے (۶) ہندوستان کی قدیم صنعتیں (۷) قدیم صنعتوں کے زوال کے اسباب۔

زبان سادہ ہے۔ طرز استدلال آسان ہے۔ جو مضامین ہندوستانی آبادی سے متعلق ہیں وہ عام معاشی مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے خاص طور پر مفید ہیں۔ م۔ع

"ہندوستان میں امداد باہمی کی تحریک" مولف طاہر حامد صاحب۔

اس رسالے میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں امداد باہمی کی تحریک کب جاری ہوئی۔ اس کی موجودہ نوعیت کیا ہے اور اس سے ہندوستانی کاشتکاروں کو کس حد تک فائدہ پہنچتا ہے۔

"ہندوستان کی تجارت" مولف معین الدین صاحب بلگامی بی۔اے (عثمانیہ)

اس رسالے میں ہندوستان کی خارجی اور داخلی تجارت کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران میں ہندوستانی تجارت کی جو حالت رہی ہے اس کی تشریح کی گئی ہے۔

"ہندوستان کے صنعتی مسائل" تالیف سعید احمد صاحب مینائی بی۔اے (عثمانیہ)۔

اس رسالے میں ہندوستان کی صنعتی تاریخ کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے اور عہد حاضرہ کی مختلف صنعتوں پر بحث کی گئی ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ہندوستان کی صنعتیں کس طرح متاثر ہوئی ہیں اور جنگ کے بعد انھیں کن مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا۔

"ہندوستان کا مالی نظام" تالیف محمد شمس الدین صاحب بی۔اے (عثمانیہ)

اس میں ہندوستان کے مالی نظام کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ صوبہ داری اور مرکزی حکومتوں کے ذرائع آمدنی اور مدات خرچ کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہندوستانی مالیات پر موجودہ جنگ کے جو اثرات پڑے ہیں ان کی بھی تشریح کی گئی ہے۔

"ہندوستان میں زرعی پیداوار کی فروخت" تالیف مانک صاحب اور تاج الدین صاحب

اس رسالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں زرعی پیداوار کی فروخت کے مسئلہ کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ فروخت پیداوار کے موجودہ نقائص کیا ہیں۔ انھیں کیونکر دور کیا جا سکتا ہے اور حکومت نے اس بارے میں کیا کیا۔

ہندوستان میں زرعی قرضہ داری۔ مولف سید محمد عبداللہ صاحب ہندوستان میں زرعی قرض داری کے مسئلہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کی مفصل تشریح اس رسالہ میں کی گئی ہے۔ قرض داری کے اسباب اور اصلاح کی تدبیروں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ہندوستانی معاشیات کے مبادی (بہ سلسلہ سابق)

مملکت آصفیہ کے برآمدی اشیاء میں مندرجۂ ذیل کو اہمیت حاصل ہے۔

(۱) پارچہ بافی (۲) روغندار تخم (۳) روغنیات (۴) غلّہ و دالیں (۵) کوئلہ و کوک (۶) دباغت شدہ چمڑا و کھال (۷) گرم مسالے (۸) تمباکو (۹) میوہ جات (۱۰) پیداوار شیر خانہ جات (۱۱) دیا سلائی (۱۲) شیشہ جات۔

مندرجہ ذیل تختہ سے مملکت آصفیہ کے جملہ درآمد و برآمد کے اعداد معلوم ہوسکتے ہیں۔

سنہ	درآمد	برآمد
سنہ ۱۹۲۷ء	۱۳ کروڑ ۸۰ لاکھ	۱۲ کروڑ ۴۸ لاکھ
سنہ ۱۹۳۰ء	۱۸ کروڑ ۶۹ لاکھ	۲۰ کروڑ ۲۸ لاکھ
سنہ ۱۹۳۳ء	۱۸ کروڑ ۷۸ لاکھ	۱۸ کروڑ ۶ لاکھ
سنہ ۱۹۳۶ء	۱۳ کروڑ ۵۷ لاکھ	۱۴ کروڑ ۳۴ لاکھ
سنہ ۱۹۴۰ء	۱۶ کروڑ ۶۱ لاکھ	۱۶ کروڑ ۸۶ لاکھ

مملکت کا کل ہندوستان کی درآمد و برآمد میں خاص اشیاء کا حسب ذیل تناسب ہے۔

اشیاء	مملکت میں درآمد بحساب من	مملکت میں برآمد بحساب من	تناسب	
			درآمد	برآمد
سمنٹ	۳۸۹۴	۲۸۶۱۵۲۷	۱۸	۳
کوئلہ و کوک	۱۲۵۳۲۳۲	۱۱۲۹۸۳۹۱	۱۷	۴
کپاس	۲۷۴۳	۱۲۹۲۲۸۰	۱۶	۶
میوے	۴۶۷۸۱۶	۹۱۶۲۰	۴	۱۵

چانول	۱۳۰۴۸۹۶	۱۷۲۷۶	۱۱	۱۵
کھالیں اور چمڑے	۱۸۶۹	۴۵۰۹۴	۱۵	۳
لوہا و فولاد	۱۰۰۸۹۹۲	۳۰۶۴۹	۱۲	۱۷
کروسین آئیل	۴۷۱۹۹۶	۱۰۳۵	۹	۱۶
نباتاتی روغنیات	۷۱۹۰۳	۵۲۰۱۹۷	۱۵	۴
ارنڈی	۳۴	۱۰۵۰۸۷۵	۱۴	۱
بنولہ	۱۰۲۶۳	۷۹۵۰۵۷	۱۳	۳
مونگ پھلی	۶۰۶	۲۲۷۷۸۸۲	۱۸	۳
السی	۵	۱۴۹۵۴۰۸	۱۸	۳
سرسوں	۷۹۱	۲۱۸۶۸۱	۱۷	۴
نمک	۱۶۱۷۰۲۰	۲۲۹۶	۶	۱۴
ساگوان	۱۴۲۳۳۳	۵۴۳۹۸	۴	۷

داخلی تجارت

ساحلی تجارت | داخلی تجارت کے دو حصے ہیں ایک ساحلی تجارت دوسرے اندرونی تجارت۔

۱۹۱۸ء-۱۹ میں ہندوستان کی کل ساحلی تجارت ۱۶۶ کروڑ ۵۹ لاکھ روپیہ کی ہوئی۔ ۱۹۳۷ء-۳۸ میں ۸۷ کروڑ ۲ لاکھ روپے تک گھٹ گئی کیونکہ برما ہندوستان سے علیحدہ ہوچکا ہے۔ خارجی اور ساحلی تجارت کے لئے ہندوستان کی خاص بندرگاہیں بمبی، کلکتہ، کراچی، مدراس، کوچین، ٹی کورن اور اسحق پٹن ہیں۔ اول الذکر چار بندرگاہیں زیادہ اہم ہیں۔

اندرونی تجارت | ارضی وسعت، کثیر آبادی، وسیع اور مختلف ذرائع اور اپنی آب وہوا کے اختلافات کی

بنا بر سلطنت برطانیہ کے برخلاف ہندوستان خارجی تجارت کے مقابلہ میں اپنی داخلی تجارت کی جانب زیادہ متوجہ ہے۔ حمل ونقل اور آمد و رفت کے ترقی یافتہ ذرائع تجارت کے فروغ میں اضافہ کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ سرکاری اشاعت موسومہ "ہندوستان کی داخلی تجارت بابتہ ۲۱-۱۹۲۰ء کے بموجب کل تجارت تقریباً ۱۱۵ کروڑ روپے کے مالیت کی تھی۔ ۳۰-۱۹۲۹ء میں بعض اہم اشیاء کی اندرونی تجارت بلحاظ مقدار ۸۲ کروڑ ۸۰ لاکھ من اور ۳۴-۱۹۳۳ء میں ۶۲ کروڑ ۸۰ لاکھ من تھی۔

اندرونی تجارت کی اہمیت کبھی بھی واجبی طور پر تسلیم نہیں کی گئی اور خارجی تجارت پر غیر متناسب توجہ منعطف کی گئی ہے۔ جہاں تک داخلی تجارت کا تعلق ہے ایک وسعت پذیر پالیسی اختیار کرنے کی ضرورت ہے خصوصاً ایسی صورتیں جبکہ ہماری خارجی تجارت بڑی حد تک گھٹ چکی ہے اور جسکے اُتار چڑھاؤ پر ہمارا کچھ قابو نہیں ہے۔

ہندوستان کے خاص تجارتی مراکز | چار بڑی بندرگاہوں کلکتہ، بمبئی، کراچی اور مدراس کے علاوہ حسب ذیل بڑے تجارتی مرکز ہیں۔

کانپور، دہلی، احمد آباد، امرتسر، آگرہ، لاہور، بنارس، لکھنو، ناگپور، جبل پور، مرزاپور، مدورا
گوالیار، ڈھاکہ، سری نگر، شولاپور، امراوتی، حیدرآباد دکن، الہ آباد، جے پور، بڑودہ اور بنگلور

تجارتی اطلاعات | ترقی یافتہ ملکوں جیسے جرمنی جاپان اور ممالک متحدہ امریکہ کے مقابلہ میں ہندستان میں تجارتی اطلاعات بہم پہونچانے کا طریقہ اور تجارتی تنظیم کچھ اچھی حالت میں نہیں ہے۔ بہرحال اب اس جانب زیادہ توجہ کی جارہی ہے۔ سرکاری جانب سے تجارتی اطلاعات اور اعداد و شمار کا سررشتہ قایم ہے اور ہفتہ وار رسالہ "انڈین ٹریڈ جرنل" کے نام سے بھی شائع کیا جاتا ہے جس میں اعداد و شمار اور دوسرے تجارتی معلومات مہیا کئے جاتے ہیں۔ لندن، میلان، نیویارک، ممبوسا، اسکندریہ، کابل اور کولمبو میں ہندوستانی ٹریڈ کمشنر مقرر ہیں۔ ان کے علاوہ غیر سرکاری مجالس بھی موجود ہیں مثلاً یورپین اور ہندوستانی چیمبرس آف کامرس یہ مجالس ملک کی صنعتی اور تجارتی ترقی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ ملکی اور غیر ملکی بازاروں کے متعلق صحیح اور مکمل معلومات تجارت اور پیداوار کی تشہیر ہماری تجارت اور صنعت میں توسیع کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

مملکت آصفیہ میں بھی سررشتۂ اعداد و شمار ۱۹۱۸ء سے قائم ہے۔ یہ سررشتہ تجارتی اعداد و شمار شائع کرتا ہے جو مفید ثابت ہو رہے ہیں۔ جنگ کی وجہ سے بازار کے اُتار چڑھاؤ کی بناء پر نرخوں کے اعداد و شمار کی بڑی مانگ ہے۔

حیدرآباد میں بھی چیمبر آف کامرس قائم ہے جو تجارت پیشہ طبقہ اور ملکی صنعت کے مفاد کے تحفظ کا ضامن ہے۔ بہرحال تجارت میں حیدرآباد اس اعلیٰ پیمانہ پر منظم نہیں ہے جیسا کہ اسے ہونا چاہیئے لیکن اس کے باوجود بھی ہم شاہراہ ترقی پر منزل کی طرف گامزن ضرور ہیں۔

باب ۶۔ زر، قیمتیں اور بنک کاری

ہندوستانی زر

روپیہ کی مختصر سرگذشت ۱۸۳۵ء میں تمام برطانوی ہند میں مقررہ روپیہ بطور واحد زر قانونی جاری ہونے سے قبل سونے اور چاندی کے سکے ہندوستان میں رائج تھے۔ اس طرح ہندوستان میں ایک عرصہ تک دونوں دھاتوں یعنی سونے اور چاندی کے سکوں کا طریق جاری رہا۔

مسلمانوں کے عہد میں شمالی ہند میں بڑی حد تک چاندی کا اور جنوبی ہند میں سونے کا سکہ رائج تھا۔ مثلاً صوبۂ مدراس میں طلائی پگوڈا رائج تھا۔ بہرحال شمالی ہند میں بھی طلائی اشرفیوں کا محدود طور پر چلن تھا۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان میں مرکزی حکومت کمزور ہو جانے کی وجہ سے ملک بھر میں جگہ جگہ سونے اور چاندی کے متعدد سکے رائج تھے۔ رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے زر کا انتظام شروع کیا اور ۱۸۳۵ء میں تمام برطانوی ہند میں روپیہ کا ایک ہی سکہ جاری ہوا۔ اس روپے کا کل وزن ۱۸۰ گرین تھا جس میں گیارہ حصے یعنی ۱۶۵ گرین خالص چاندی اور ایک حصہ یعنی ۱۵ گرین کھوٹ شامل کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ سونے کے سکوں کا استعمال بند کر دیا گیا اور ہر دارالضرب میں چاندی کے سکے ڈھلوانے کا ہر شخص مجاز تھا۔ اس طرح ہندوستان کے زر کا معیار چاندی پر قائم ہو گیا۔ سونے اور چاندی کے سکے جو پہلے پہلو بہ پہلو زر قانونی کی حیثیت سے چلتے تھے اب وہ طریقہ مسدود کر دیا گیا۔

۱۸۹۳ء میں ہرشل کمیٹی کی سفارشات پر روپے کی آزاد تسکیک روک دی گئی۔ حکومت ہند نے اپنی مالیاتی مشکلات سے تنگ آکر یہ صورت اختیار کی کیونکہ ۱۸۷۱ء سے چاندی کی قدر سونے کے لحاظ سے گھٹ رہی تھی اور جیسے جیسے چاندی کی قدر گھٹتی گئی ہندوستانی روپے کی قدر میں بھی اسی مناسبت سے تخفیف ہونے لگی اس سے انگلستان میں مطالبات وطن کی ادائی میں سخت نقصان ہونے لگا۔ ۱۸۷۱ء میں روپے کی قیمت دو شلنگ تھی لیکن ۱۸۹۲ء میں روپے کی قیمت ایک شلنگ ۲ پنس رہ گئی تھی۔ روپے کی قدر میں تخفیف ہونے سے خارجی تجارت اور ہندوستان میں مشغول بیرونی سرمایہ پر بہت برا اثر پڑا۔ چونکہ ۱۸۹۳ سے روپے کی آزاد تسکیک روک دی گئی تھی اس لئے رفتہ رفتہ ۱۸۹۸ء تک روپے کی قیمت ایک شلنگ چار پنس ہوگئی۔ فاولر کمیٹی نے بھی اسی شرح مبادلہ کی سفارش کی ۱۸۹۹ء میں ہندوستان میں برطانوی ساورن کو زر قانونی قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ روپے اور ساورن کی شرح مبادلہ ایک شلنگ چار پنس فی روپیہ یا پندرہ روپے فی پونڈ مقرر کی گئی۔

معیار مبادلہ طلا | فاولر کمیٹی نے ہندوستان کے لئے زر طلا کا معیار اور ساورن کا دارالضرب قایم کرنے کی سفارش کی تھی۔ لیکن زر طلا کا معیار قائم کرنے کے بجائے مختلف وجوہ کے باعث حکومت نے صرف معیار مبادلہ طلا کا طریقہ جاری کیا۔ روپے کی شرح مبادلہ بدستور ایک شلنگ چار پنس قائم رکھی گئی۔ "کونسل بل" کو حکومت ہند کے نام وزیر ہند لندن میں فروخت کرتا ہے اور "ریورس کونسل" حکومت ہند فروخت کرتی ہے جس پر لندن میں اسٹرلنگ یا سونا حاصل ہوتا ہے کونسل بل اور ریورس کونسل کی فروخت عموماً ایک شلنگ چار پنس کے حساب سے عمل میں آتی تھی۔

حکومت کے پاس دو طرح کے محفوظات زر موجود تھے۔ ایک تو محفوظات طلا جو ۱۹۰۰ء میں قائم ہوا۔ یہ رقم تسکیک کے منافع سے حاصل ہوتی تھی اس محفوظ کی بڑی مقدار لندن میں اسٹرلنگ تمسکات کی خریدی کے لئے جمع رہتی تھی۔ سکوں کے تبادلہ کے سلسلہ میں ۸-۱۹۰۷ء میں جو بحران پیدا ہوا تھا اس وقت اس محفوظ کی طمانیت پر ریورس کونسل فروخت کئے جاتے تھے تاکہ روپے کی

ساکھ باقی رہے - دوسرا ذخیرۂ محفوظ زر کاغذی کی ساکھ قائم کرنے کے لئے قایم کیا گیا جس کا کچھ حصہ ہندوستان میں اور کچھ لندن میں محفوظ رکھا جاتا تھا - کونسل بل کچھ تو محفوظ زر کاغذی کی طمانیت اور کچھ حکومت ہند کی نقد فاضلات کی طمانیت پر فروخت ہوتے تھے - چمبرلین کمیشن (۱۹۱۳ء - ۱۴) نے معیار مبادلہ طلا کے جاری رکھنے کی سفارش کی اگرچہ کہ ہندوستانی رائے عامہ معیار زر طلا کی خواہشمند تھی -

جنگ عظیم (۱۹۱۴ء - ۱۸) کے زمانہ میں ہندوستانی زر کے نظام میں بہت کچھ تغیرات نمودار ہوئے - چاندی کی قدر اسٹرلنگ معیار کے اعتبار سے اتنی بڑھ گئی تھی کہ روپے کا گلا دینا مفید ثابت ہونے لگا - اس لئے حکومت نے رفتہ رفتہ ڈسمبر ۱۹۱۹ء تک روپیہ کی شرح مبادلہ ۲ شلنگ ۴ پنس مقرر کر دی - اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۱۸۹۳ء سے روپیہ زر ضمنی رہا - اس کی قدر ذاتی اس کی قدر قانونی سے ایک شلنگ چار پنس کم تھی - جنگ سے قبل اس کی قدر ذاتی تقریباً دس شلنگ اور اس کی قدر قانونی ۱۶ شلنگ تھی - اس کے بعد چاندی کی قدر میں مزید تخفیف ہوئی اور روپے کی قدر ذاتی تقریباً ۸ پنس ہوگئی -

۱۹۱۹ء میں بیگٹن اسمتھ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا - اس نے شرح مبادلہ دو شلنگ فی روپے مقرر کرنے کی سفارش کی - اس کمیشن کی یہ رائے تھی کہ چاندی کی بڑھیا قیمت مستقلاً قایم ہو چکی ہے اس لئے روپے کو زر ضمنی برقرار رکھنے کے لئے اس کی مجوزہ بڑھیا شرح نہایت ضروری ہے - ۱۹۲۰ء میں حکومت نے دو شلنگ فی روپے کی شرح سے ریورس کونسل فروخت کرنے شروع کئے لیکن حکومت کو اس سے سخت نقصان ہوا - ریورس کونسل کی فروخت بند کر دی گئی اور روپے کی شرح کو اس کی حالت پر کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ دیا گیا -

معیار خشت طلا ۱۹۲۵ء میں ہلٹن ینگ کمیشن کا تقرر عمل میں آیا - اس کمیشن نے معیار مبادلہ طلا کے بجائے معیار خشت طلا اختیار کرنے کی سفارش کی - حالانکہ حکومت ہند کے محکمہ مالیات اور کمیشن مذکور کے کئی ہندوستانی گواہوں نے بھی اس کی مخالفت کی تھی - کمیشن نے اس کا بھی مشورہ

دیا کہ روپے کی شرح بہ اعتبار طلا السیں مقرر کی جائے جس سے روپیہ ایک شلنگ چھ پنس کے مساوی ہوجائے۔ بحالیکہ ملک کی رائے عامہ ایک شلنگ چار پنس کی تائید میں تھی۔ کمیشن نے اس امر کی بھی سفارش کی کہ مجوزہ ریزرو بنک کا بنک آف انگلینڈ کی طرح یہ فرض بھی ہو کہ وہ ایک معینہ شرح سے سونا خریدے اور فروخت کرے بشرطیکہ مقدار خرید و فروخت بہ یک وقت چار سو اونس یا ۱۰۶۵ تولے سے کم نہ ہو۔ اس طرح ہر فرد ۲۲۶۲۹ روپے ریزرو بنک میں لے جاکر چار سو اونس سونا بصورت خشت حاصل کرسکتا تھا۔ (سونے کی شرح تقریباً ۲۱ روپے ۷ آنے ۹ پائی فی تولہ ہوتی تھی اس میں لندن کو سونے کی روانگی کے اخراجات شامل تھے)

ہلٹن ینگ کمیشن کی سفارشات کی بموجب مارچ ۱۹۲۷ء میں ایک نیا قانون زر منظور ہوا۔ اور ایک شلنگ چھ پنس کی شرح مقرر ہوئی۔ ریزرو بنک کے قیام تک حکومت ہند کو اس بات کا مجاز کیا گیا کہ وہ انتظام زر کی نگران رہے۔ نیز اس کو ۲۱ روپے ۳ آنے دس پائی فی تولہ کی شرح سے سونا فروخت کرنے کا بھی مجاز کیا گیا۔ شرط یہ لگائی گئی کہ خرید و فروخت میں سونے کی مقدار چار سو اونس سے کم نہ ہو یا چاہے تو اسٹرلنگ سے مبادلہ کرسکتی تھی اور اسکی شرح ایک شلنگ ۵ $\frac{49}{64}$ پنس تھی۔ اس میں بمبئی سے لندن کو سونے کی روانگی کے اخراجات بھی شامل تھے۔ چالیس تولہ یا پندرہ اونس سونے کی مقدار کے مقابلہ میں حکومت ہند روپیہ اور زر کاغذی اجرا کرنے کی بھی مجاز قرار دی گئی۔ اگرچہ کہ حکومت ہند نے ہر ساورن پر تیرہ روپے پانچ آنے چار پائی ادا کرنے کی ذمہ داری لی لیکن ساورن زر قانونی کی حیثیت سے باقی نہ رہا۔ اس طرح معیار خشت طلا کا ضروری انتظام عمل میں آگیا۔ لیکن ریزرو بنک کے قیام تک اس کا مکمل نفاذ ملتوی کیا گیا۔ اس وقت تک حکومت کو اختیار دیا گیا کہ ہندوستان میں سونا دینے کے بجائے لندن میں حاصل کرنے کے لئے اسٹرلنگ فروخت کرے۔ اس حد تک یہ طریقہ معیار مبادلہ طلا کی حیثیت سے باقی رہا۔

<u>روپے اور اسٹرلنگ کی شرح تبادلہ</u> ۲۰ ستمبر ۱۹۳۱ء تک معیار مبادلہ طلا کے اس طریقہ کی پابندی ہوتی رہی۔ اس تاریخ کو انگلستان نے معیار طلا کا طریقہ منسوخ کردیا۔ ہندوستان نے بھی اسکی پیروی کی

ساتھ ہی وزیر ہند نے اعلان کیا کہ روپیہ اور اسٹرلنگ کے مابین ایک شلنگ چھ پنس کی شرح سے تعلق قایم کیا گیا ہے آج تک بھی یہی سرکاری شرح ہے۔ ریزرو بنک کے قانون بابتہ ۱۹۳۴ء میں اس شرح کو قانونی قرار دیا گیا ہے اور بنک کو فی روپیہ ایک شلنگ چھ پنس کی شرح قایم رکھنے کا ذمہ دار گردانا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ریزرو بنک ایک شلنگ $6\frac{3}{16}$ پنس فی روپیہ سے زیادہ شرح پر ہندوستان میں اسٹرلنگ نہیں خرید سکتا اور لندن میں ادا کرنے کے لئے ایک شلنگ $5\frac{49}{64}$ پنس فی روپے کی شرح پر اسٹرلنگ فروخت کرتا ہے دونوں صورتوں میں اسٹرلنگ کی رقم دس ہزار پونڈ سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ غرض ہندوستان کے زر کا موجودہ نظام معیار مبادلہ اسٹرلنگ پر قایم ہے۔

بہرحال ریزرو بنک کے قانون میں ریزرو بنک پر یہ ذمہ داری عاید کی گئی ہے کہ ہندوستان کے مناسب حال معیار زر کی نسبت اس وقت جبکہ بین الاقوامی زر کی حالت درست اور مستحکم ہو جائے بنک کی جانب سے رپورٹ پیش کی جائے۔

شرح مبادلہ کا اختلاف | اسٹرلنگ اور روپے کے مابین صحیح شرح مبادلہ کے مسئلہ پر اختلاف کا ایک وسیع سلسلہ بڑے عرصہ سے چلا آرہا ہے۔ ہلٹسن ینگ کمیشن نے یہ استدلال پیش کیا کہ اس کی مجوزہ شرح مبادلہ (ایک شلنگ چھ پنس) کے مطابق ہندوستان میں اشیاء کی قیمتوں کو عالمی قیمتوں کے ساتھ کامل توازن حاصل ہو چکا ہے۔ اس لئے اگر شرح مبادلہ میں کوئی تبدیلی کی جائے تو اس سے وسیع معاشی مشکلات پیدا ہو جائینگے۔ کمیشن کے پیش کردہ استدلال کو عام طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے لیکن اس مسئلہ میں رائے کا اختلاف اصول پر نہیں بلکہ واقعہ پر مبنی ہے۔ ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ کمیشن کا پیش کردہ کامل توازن کا مفروضہ وجود میں نہیں آسکا۔ اگر وسیع معاشی مشکلات کا سدباب مقصود ہے تو قدیم شرح ایک شلنگ چار پنس ہی قابل ترجیح ہے۔ اس مسئلہ میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے کسی متفقہ فیصلہ تک پہنچنے کا امکان نہیں ہے۔ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کوئی شرح ایک عرصہ سے قایم ہے تو اجرتوں اور قیمتوں کا اس سے توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شرح میں تبدیلی پیدا کرنا دانشمندی نہیں ہے تاوقتیکہ

ایسے حالات نہ پیدا ہو جائیں جن کے باعث دوسری شرح اختیار کرنا ضروری ہو۔ دوسری چیز یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ شرح مبادلہ میں کسی تبدیلی کا اچھا یا برا نتیجہ عام تصور کے خلاف محض عارضی ہوتا ہے۔ ۱۹۲۸ء میں مجلس قانون ساز کے غیر سرکاری اراکین نے کوشش کی تھی کہ روپے کے شرح تبادلہ میں تبدیلی کی جائے لیکن ان کی کوششیں ناکام رہیں۔

طلاء کی برآمد اور اسٹرلنگ سے تعلق | مسئلہ زر سے متعلق دو امور کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے پہلا اسٹرلنگ کے ساتھ روپے کا مسئلہ ہے۔ جس کی اجمالی تاریخ کا ذکر اوپر گذر چکا۔ معیار مبادلہ اسٹرلنگ کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے زر کا تعلق کسی خاص ملک کے نظام زر کے ساتھ وابستہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر اس ملک میں معاشی تغیرات پیش آئیں تو ان کے اچھے یا برے اثرات سے دوسرے ملک کو لامحالہ متاثر ہونا پڑے گا۔ اسٹرلنگ معیار (ایک شلنگ چھ پنس) کی نسبت یہ بحث بھی کی جاتی ہے کہ اس کی وجہ سے ہندوستانی بازاروں میں انگلستانی مصنوعات کو ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ہندوستان کو اس کے اس اختیار سے محروم کر دیتا ہے جو اس کو اپنے زر کی شرح مبادلہ اسٹرلنگ اور دوسرے زروں کے بالمقابل تخفیف قیمت کے سلسلہ میں مقرر کرنے کی نسبت حاصل ہونا چاہیئے اگر یہ اختیار حاصل ہو تو ایسی صورت میں زرعی آبادی کے مفاد کی خاطر روپیہ کی قدر میں اضافہ کیا جا سکیگا۔ اسٹرلنگ معیار کی حمایت میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ ہندوستان ایک قرضدار ملک ہے مطالبات وطن اور دیگر رقوم کی ادائی کی جو ضرورت پیش آتی ہے اس کے باعث اس کو اسٹرلنگ کی صورت میں رقوم ادا کرنے پڑتے ہیں اس لئے روپے کا تعلق اسٹرلنگ سے قایم رکھنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اسٹرلنگ معیار کا قیام تجارت خارجہ کے لئے بھی سہولت کا باعث ہے۔ کیونکہ ہندوستان کی بیشتر تجارت ان ملکوں سے ہوتی ہے جہاں اسٹرلنگ کا رواج ہے۔ بہرصورت معیار مبادلہ اسٹرلنگ عارضی انتظام تصور کیا جاتا ہے اور اسی وقت تک برقرار رہے گا جب تک کہ دنیا کی مالی حالت تغیر پذیر رہیگی۔

دوسرا اختلافی مسئلہ ہندوستان سے طلاء کی برآمد کا ہے۔ ستمبر ۱۹۳۱ء سے جبکہ برطانیہ نے

معیار طلاء ترک کر دیا جنوری ۱۹۴۰ء تک ۱۵۱ ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے کا سونا بر آمد ہو چکا ہے جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا گیا ہے کہ سونا کی بر آمد کس حد تک دوسرے بر آمدی اشیاء کی جگہ لے سکی - اور موافق توازن تجارت کو برقرار رکھنے میں اس سے کچھ مدد حاصل ہوئی - جو بیرونی مطالبات کی تکمیل کے پیش نظر ضروری بھی ہے - روپے کے حساب سے سونے کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے - سونے کی بر آمد سے قبل اس کی قیمت ۲۲ روپے فی تولہ تھی لیکن مئی ۱۹۴۳ء میں اس کی قیمت ۱۱۴ روپے فی تولہ تک بڑھ گئی اس صورت حال نے سونا پس انداز کرنے والوں میں اس کے فروخت کرنے کی خواہش پیدا کر دی - سونے کی قیمتوں میں کثیر اضافہ کے باعث بھی اسکی بر آمد ہونے لگی - معاشی کساد بازاری کی وجہ سے بھی بہت سے افراد سونے کے فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے - معاشیات کے بعض ماہرین طلاء کی بر آمد پر سخت اندیشہ کا اظہار کر رہے ہیں اور ان کا مطالبہ ہے کہ طلاء کی بر آمد پر ٹیکس عائد کیا جانا یا خود اس کی بر آمد قطعاً بند کر دی جائے تاکہ سونا ملک میں رہے اور ہندوستانی ریزرو بنک کے ذخیرۂ محفوظ کو اس سے تقویت پہنچے - اس پر اعتراض یہ ہے کہ موجودہ اعلیٰ نرخ سے سونے کی خریدی بہت گراں ثابت ہوگی - اور یہ صورت حال بڑی حد تک سٹہ بازی کی ترویج کا سبب بنے گی - حکومت نے بر آمد طلاء پر بندش عائد کرنے کی تجاویز کے منجملہ ابھی تک کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا ہے -

زر کاغذی | اب ہندوستان میں زر کاغذی کے رائج ہونے کا اجمالی طور سے تذکرہ کیا جاتا ہے - قانون زر کاغذی بابتہ ۱۸۶۱ء کی رو سے زر کاغذی کے جاری کرنے کا حکومت نے اپنے لئے اجارہ حاصل کر لیا اور عند الطلب حامل نوٹ کو رقم ادا کرنے کی ذمہ داری لی گئی - اس سے پہلے تینوں پریسیڈنسی بنکوں (مدراس، بمبئی اور کلکتہ) کو نوٹ اجرا کرنے کا حق حاصل تھا اور عند الطلب حامل نوٹ کو رقم ادا کرنی ہوتی تھی - لیکن بہت محدود حلقوں میں ان کا چلن تھا - حکومت نے اپنے زر کاغذی کو پانچ، دس، پچاس، سو، پانچ سو، ایک ہزار اور دس ہزار روپے کی قیمت کا قرار دیا - ملک کو سات حلقوں میں تقسیم کیا گیا تھا (کلکتہ، بمبئی، مدراس، کانپور، لاہور، کراچی اور رنگون) اور جس

حلقہ میں نوٹ جاری کئے جاتے تھے وہ صرف اسی حلقوں میں زر قانونی تھے اور دفاتر خزانہ میں بھنائے جاسکتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کو عام کر دیا گیا اور تمام ہندوستان میں ان کو زر قانونی کی حیثیت حاصل ہوئی۔ موجودہ زمانہ میں دس ہزار کے سوا بقیہ تمام نوٹ عام ہیں۔ ان نوٹوں کو تمام سرکاری خزانوں اور امپیریل بنک کی شاخوں میں بھنانے کی سہولتیں بہم پہونچائی گئی ہیں۔

محفوظ ذخیرۂ زر کاغذی ۱۹۲۰ء تک محفوظ ذخیرہ زر کاغذی کا انتظام ایک مقررہ محفوظ امانتی طور پر کیا گیا۔ جو ۱۸۴۴ء میں برطانیہ میں رائج تھا۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل زر محفوظ کی زیادہ سے زیادہ مقدار جو کفالتوں میں لگائی جاسکتی تھی چودہ کروڑ روپے تھی اس چودہ کروڑ روپے کے مقابلہ دس کروڑ روپے کے حکومت ہند کے تمسکات اور چار کروڑ روپے کے برطانیہ کے اسٹرلنگ تمسکات حاصل کئے گئے تھے۔ ما بقی محفوظ کچھ تو بہ شکل سکہ جات نقرہ اور کچھ بہ شکل طلا محفوظ رکھا گیا۔ سونا تو لندن میں اور تمام ڈھلے ہوئے سکے ہندوستان میں رکھے جاتے تھے۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل جاری شدہ کل نوٹوں کی مالیت ۶۶ کروڑ ۱۲ لاکھ روپے تھی۔ جنگ کے زمانہ میں اس میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ ۱۹۱۹ء کے اختتام پر اس کی مالیت ۱۸۰ کروڑ روپے ہوگئی تھی۔ یہ اضافہ ان اسٹرلنگ تمسکات کی طمانیت پر عمل میں آیا جو لندن میں وزیر ہند کے نام ان مصارف جنگ کی ادائی کے سلسلہ میں تبدیل کردیے گئے تھے جو برطانوی دفتر جنگ کی طرف سے حکومت ہند نے برداشت کئے تھے۔ ستمبر ۱۹۱۹ء میں مشغول ذخیرہ محفوظ کی مقدار ۱۲۰ کروڑ روپے قرار پائی جس میں ایک سو کروڑ روپے کی مالیت کے ٹریژری بلس موجود تھے۔ بابنگٹن اسمتھ کمیٹی کی سفارش پر ۱۹۲۰ء میں بحصہ متناسبہ ذخیرہ محفوظ کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اسی سال قانون زر کاغذی کے بموجب رائجہ زر کاغذی کے مقابلہ میں پچاس فی صدی رقم محفوظ رکھنا قرار پایا۔ اسی قانون کی رو سے ناگہانی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بالخصوص اس وقت جبکہ کاروباری چہل پہل کی وجہ سے زر کی زیادہ طلب ہوتی ہے بعض خاص تمسکات کی طمانیت پر پانچ کروڑ روپے کی مالیت تک زر کاغذی کی اجرائی کا اختیار دیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں اس کی مقدار ۱۲ کروڑ روپے کر دی گئی۔

ریزرو بنک میں اجرائی نوٹ کی منتقلی | اپریل ۱۹۳۵ء میں ریزرو بنک کا افتتاح ہوا ہلٹن ینگ کمیشن کی سفارش پر زر کاغذی کی اجرائی اور اس کا انتظام ریزرو بنک کے تفویض کر دیا گیا۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں ریزرو بنک کے نوٹ اجرا ہوئے۔ اور پانچ روپے والے نوٹ دستیاب ہونے لگے۔ فبروری میں دس روپے والے نوٹ اور مئی ۱۹۳۸ء میں ایک سو اور ہزار روپے والے نوٹ جاری ہوئے۔ ستمبر ۱۹۴۳ء تک جملہ اجرا شدہ نوٹوں کی مقدار ۳ء۷۶۴ کروڑ روپیہ تھی اور زیر گشت نوٹوں کی مقدار ۷ء۵۳۵ کروڑ روپے رہی۔ ذخیرہ محفوظ میں سونے اور خشت طلا کی مقدار ۴۴ء۴ کروڑ روپے تھی۔ تمسکات اسٹرلنگ کی مقدار ۹ء۶۱۱ کروڑ روپے تھی۔ روپے کے سکہ جات کی مقدار ۸ء۱۴ کروڑ تھی۔ بنک نے اس بات کا تصفیہ کیا کہ پچاس اور پانچ سو روپے والے نوٹ اجرا نہ کئے جائیں کیونکہ ان کا رواج بہت ہی کم ہے حکومت کے موجودہ نوٹوں کے بجائے بالآخر ریزرو بنک کے نوٹ جاری ہونگے۔ جن کی حکومت ہند ضامن ہے اور حکومت کے قدیم نوٹوں کی طرح یہ بھی عند الطلب بھنائے جا سکتے ہیں۔ محفوظ معیار طلا اور محفوظ زر کاغذی پہلے علحدہ علحدہ جمع رہتے تھے اب ان کو باہم ضم کر کے محفوظ زر کی شکل دے دی گئی ہے اور اس کو ریزرو بنک کے شعبۂ اجرائی کے تفویض کر دیا گیا ہے۔ ریزرو بنک کے قانون بابتہ ۱۹۳۴ء میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ زر کاغذی کی طمانیت کے لئے جو رقم محفوظ کی جائے اس اثاثہ کا کم از کم چالیس فی صد حصہ طلائی سکوں، خشت طلا یا اسٹرلنگ تمسکات پر مشتمل ہونا چاہیے۔ طلائی سکے اور خشت طلا کی مالیت چالیس کروڑ روپے سے کم کی نہ ہونی چاہیئے اور یہ کہ حکومت ہند کے روپیہ کے تمسکات ۲۵ فی صدی یا ۵۰ کروڑ روپے سے زاید نہ ہوں۔ بقیہ اثاثے روپیہ کے سکے، تجارتی ہنڈیوں اور ہندوستان میں ادا ہونے والے پرامیسری نوٹوں کی شکل میں رکھے جا سکتے ہیں اور یہ کہ طلا جو ہندوستان میں محفوظ رکھا جائے وہ اپنے مجموعہ کے ۱/۲ حصے سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ ریزرو بنک کو اس امر کا مجاز گردانا گیا ہے کہ بعض خاص حالات کے تحت محفوظ طلا کی مقدار چالیس فی صد سے بھی کم کر دیئے لیکن کمی کی صورت میں ٹیکس ادا کرنا

لازمی قرار دیا گیا۔ اعلان جنگ سے قبل یعنی اگسٹ ۱۹۳۹ء کے اختتام پر ہندوستان میں جملہ ۲۰۵،۹۴ کروڑ روپے کے نوٹ جاری کئے گئے تھے جن کے منجملہ ۱۷۰،۲۹ کروڑ روپے کے نوٹ زیر گشت تھے بقیہ ۶۵ و ۳۵ کروڑ روپیہ کے نوٹ شعبۂ بنک کاری میں تھے۔ ان نوٹوں کے لئے ذخیرہ محفوظ میں ۴۴،۴۲ کروڑ روپیوں کے ہم قدر خشت طلا اور طلائی سکے رکھے گئے تھے اور اسٹرلنگ کے تمسکات ۵۹،۵۰ کروڑ کے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں ایک روپے کے نوٹ اجرا کئے گئے۔

ہندوستان میں پچھلی جنگ کے بعد سے زر کاغذی کے استعمال میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے آجکل زر قانونی کی مجموعی مقدار کا ۷۰ فی صد زر کاغذی کی شکل میں پایا جاتا ہے۔

ذیلی سکے　ہندوستان کے سکے جنکو زر قانونی کی حیثیت حاصل ہے روپیہ اور اٹھنی ہیں۔ ان کے علاوہ ہندوستان میں بعض ذیلی سکے بھی ہیں مثلاً چاندی اور نکل کے آمیزے کی چونی۔ نکل کی آنی اور تانبے کے مختلف سکے۔

ہندوستانی زر پر موجودہ جنگ کے اثرات　موجودہ عالمی جنگ نے زر کے نظام پر بھی اثر ڈالا ہے جس کو گرانی کی شکل میں ہندوستانی معاشرہ کے سب طبقات خاص طور پر متوسط المال اور غریب طبقہ بہت زیادہ محسوس کر رہا ہے۔ مارچ ۱۹۴۲ء تک قیمتوں میں تدریجی اضافہ کا دور ختم ہوا اور اس کے بعد سے قیمتوں کی سطح بہت تیزی سے بلند ہونا شروع ہوئی۔ قیمتوں کا اس طرح تیزی سے بڑھنا "افراط زر" کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں قیمتوں میں اضافہ اس نسبت سے نہیں ہوا ہے جس نسبت سے زر کی مقدار بڑھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زر کی گردش پہلے کے مقابلہ میں کم ہو گئی ہے۔ لوگ ذخیرہ کے طور پر زر کو رکھ رہے ہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بنکوں کی اماتوں میں اضافہ ہو گیا ہے .... اور ان اماتنوں سے پوری طرح سے کام نہیں لیا جا رہا ہے، اسٹرلنگ کی ایک کثیر مقدار ہندوستان کے نام لندن میں جمع ہو گئی ہے۔ ملک کے مختلف ایوان ہائے تجارت اور ماہرین معاشیات نے حکومت کی توجہ نئے حالات کی طرف مبذول کرائی اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ افراط زر کے حالات کو روکنے کے لئے خاص تدابیر اختیار کی جائیں۔

لیکن حکومت، اس بات سے قطعی طور پر انکار کرتی رہی کہ ہندوستان میں افراط زر کا مسئلہ پیدا ہورہا ہے۔

جنوری ۱۹۴۳ء کے بعد سے حکومت نے اپنی غلطی کو محسوس کیا۔ حالات پر قابو پانے کیلئے حکومت بعض خاص تدابیر اختیار کرنے کا اعلان کر چکی ہے۔ زائد منافع پر محصول کی شرح بڑھا کر ۹۴ فی صد کر دی گئی ہے۔ اور اس کے ایک حصہ کو علیٰحدہ کر دیا گیا ہے تاکہ جنگ کے بعد اس کو واپس کر دیا جائے۔ سرمایہ کاری پر تسلط اس طرح سے قائم کیا گیا ہے کہ بغیر حکومت کی اجازت کے کوئی نئی کمپنی قائم نہیں کی جا سکتی۔ سٹہ بازوں کے خلاف مہم جاری کی گئی اور بعض اشیاء کی اعلیٰ ترین قیمتیں مقرر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مزید برآں حکومت نے حال میں ایک ماہر معاشیات کا تقرر اس غرض سے کیا ہے کہ وہ ملک کا دورہ کر کے مختلف اداروں اور افراد سے تبادلہ خیال کریں اور افراط زر کو روکنے کے لئے تدابیر بتلائیں۔

افراط زر کی وجہ سے معاشرہ کے مختلف طبقات کے درمیان قومی دولت کی تقسیم بہت کچھ بدل جاتی ہے امیروں کی دولت میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور غریبوں کی غربت کی شدت بڑھ جاتی ہے۔ قیمتوں کا بڑھنا ہر شخص کو یکساں طور پر متاثر نہیں کرتا۔ غریب اور متوسط الحال طبقہ کی حالت سب سے زیادہ تباہ ہو جاتی ہے ان طبقات میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کی آمدنیاں معین ہیں۔ قیمتوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کی آمدنیاں نہیں بڑھتیں۔ منظم صنعتوں کے مزدوروں کی حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے۔ ان صنعتوں کو ترقی ضرور ہو رہی ہے اور مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ ضرور ہوا ہے لیکن یہ اضافہ قیمتوں میں اضافہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ہنگامی مزدوروں، خانگی کام کرنے والوں اور گھریلو صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی حالت کو جنگ نے بہت زیادہ تباہ کر دیا ہے۔ دیہی آبادی کا تقریباً نصف حصہ افراط زر سے بجائے فائدہ کے نقصان اٹھا رہا ہے۔ صرف بڑے بڑے کاشتکاروں کو افراط زر سے فائدہ اٹھانے کے مواقع ہاتھ آئے ہیں۔ سرمایہ دار، تاجر اور سٹہ کرنے والے ہی جماعت کے چند افراد ہیں جو اکثریت کی مصیبت کے دوران میں فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔

افراط زر کی وجہ سے اسٹرلنگ کی ایک کثیر مقدار ہندوستان کے نام لندن میں جمع ہوگئی ہے اس سے ہندوستان کا وہ قرضہ جو برطانیہ کو واجب الادا تھا بالکلیہ ادا کردیا گیا ہے۔ افراط زر کا یہ ایک اچھا اثر ہے۔ ہندوستان کے ذمہ ۱۹۳۶ع میں ۳۷۶ ملین پونڈ واجب الادا تھے لیکن ۱۹۴۳ع میں یہ رقم ادا کردی گئی ہے۔ اگر اسٹرلنگ کا صحیح استعمال کیا جائے تو یہ ذخیرہ مابعد جنگ کی تعمیر میں ہندوستان کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوسکتا ہے۔

حیدرآبادی زر | ۱۸۳۵ع میں برطانوی ہند میں ایک ہی سکہ جاری ہوا جو تمام برطانوی ہند کیلئے زر قانونی قرار پایا۔ لیکن ہندوستانی ریاستیں اپنا سکہ علیحدہ ڈھالتی تھیں۔ اولاً اُن سے یہ خواہش کی گئی کہ انگریزی دارالضرب میں اپنا سکہ ڈھلوائیں۔ اس کے بعد یہ کیا گیا کہ سکہ پر نہ صرف ریاست کی بلکہ برطانوی حکومت کی علامت بھی قایم کی جائے۔ بعد ازآں سوائے مملکت حیدرآباد کے تمام ہندوستانی ریاستوں میں بھی انگریزی سکہ بڑی حد تک رائج ہوگیا۔

بقول پروفیسر برنی سرکار آصفیہ نے اس موقع پر بڑی دوراندیشی سے کام لیا اور اپنے زر کا انتظام حکومت ہند کے سپرد نہیں کیا اپنے زر کی اصلاح اور انتظام پر خود آمادہ ہوگئی۔ ۱۸۵۵ع میں سالارجنگ اول نے تمام خانگی دارالضرب بند کردینے کے احکام جاری کئے۔ بلدہ حیدرآباد میں سرکاری دارالضرب کو ترقی دینے کا ارادہ کیا اور ہر قسم کی تسکیک اسی کے توسط سے عمل میں لانے کا انتظام کیا گیا۔ ۱۸۵۵ع میں یہ دارالضرب میر جملہ کے تالاب کے کنارے محلہ سلطان شاہی میں قائم ہوا۔ سرکاری دارالضرب میں جو روپیہ تیار ہونا شروع ہوا وہ اصطلاحاً حالی سکہ کہلایا۔ روپے کا وزن ۱۱ ماشہ برقرار رہا یعنی ۹ ماشہ چاندی اور ۲ ماشہ کھوٹ۔

سرکار ہند کی طرح سرکار آصفیہ کے دارالضرب میں بھی روپے کی تسکیک آزاد تھی یعنی لوگ اپنے طور پر چاندی داخل کرکے سرکاری دارالضرب میں روپیہ ڈھلوا سکتے تھے اور صرف ۲ فیصدی مصارف تسکیک ادا کرنے پڑتے تھے۔

کرنسی کمیشن | سرکار آصفیہ نے ۱۸۹۳ع میں نواب محسن الملک کی صدارت میں ایک کمیشن مقرر کیا تاکہ

وہ نئے حالات کے مدنظر زر کی اصلاح و ترمیم کی مناسب تجاویز پیش کرے۔ اس کمیشن کے مندرجہ ذیل سفارشات قابل ذکر ہیں۔

(۱) حکومت ہند کی طرح سرکار آصفیہ بھی اپنے روپے کی تسکیک محدود کردیے۔

(۲) حکومت ہند نے جس طرح کلدار روپے اور ساورن کی شرح مبادلہ معین کرنے کا ذمہ لیا ہے سرکار آصفیہ بھی حالی اور کلدار روپے کی شرح معین کرنے کا ذمہ لے۔

(۳) دارالضرب میں دستکاری کی بجائے کلوں کے ذریعے سے روپیہ تیار ہونا چاہیے اور اس کی شکل و صورت کو بھی بہتر بنانا چاہیے تاکہ مصنوعی روپیہ تیار ہونا مشکل ہو۔ علاوہ بریں قدیم روپے واپس لے کر ان سے نئے روپے تیار کئے جائیں۔

(۴) چھوٹے چھوٹے ذیلی نقروی اور مسی سکے بطور اجزاء روپیہ جاری کئے جائیں۔

(۵) مزید احتیاط کی غرض سے چاندی پر دس یا پندرہ فی صدی محصول درآمد بڑھا دینا چاہیے تاکہ مصنوعی روپیہ بنانے میں لوگوں کو منافع کی گنجائش نہ رہے۔

سرکار عالی نے مندرجہ بالا سفارشات منظور کرلیے۔ آخرالذکر سفارش کی بابت حکومت ہند سے بھی مشورہ کرنا پڑا۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت ہند نے اس تجویز سے اس شرط پر اتفاق کیا کہ سرکار ہند کے کلدار روپے کی درآمد پر کبھی کوئی محصول نہ لگایا جائے بلکہ ممالک محروسہ کے لوگ اپنی خواہش سے کلدار روپیہ استعمال کرنا چاہیں تو ان کو اس سے منع نہ کیا جائے۔ باقی تجاویز سرکار عالی کے اندرونی انتظامات سے متعلق تھیں ان کی تعمیل شروع ہوگئی۔ ۱۸۹۴ء سے سرکار آصفیہ نے بھی حالی روپے کی تسکیک محدود کردی۔

لیکن چند دن کے انتظام کے بعد بدنظمی پھر پیدا ہوگئی۔ لوگوں نے مصنوعی روپے بنانے اور چلانے شروع کردیے۔ سرکار آصفیہ کے زر کے حق میں یہ وقت بہت نازک تھا۔ لیکن سرکار آصفیہ نے ہمت نہ ہاری چنانچہ ۱۹۰۰ء میں سخت ممانعتی احکام اجرا کئے گئے کہ سرکار عالی کے سوا کبھی کسی کے واسطے دارالضرب میں روپیہ تیار نہ کیا جائے۔ روپے کے نقش و نگار میں بھی ترمیم

اور چار میناری روپیہ منظور کیا گیا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اعلیٰ پیمانہ پر جدید دارالضرب قائم کرنے کی تجویز منظور ہوئی۔ ۱۹۰۳ء میں جدید دارالضرب حسین ساگر کے کنارے تعمیر ہوا۔ اور اس جدید دارالضرب میں تسکیک شروع ہوگئی۔ اس دارالضرب میں برابر توسیع اور ترقی ہورہی ہے۔

مبادلات خارجہ کا انتظام ۱۹۰۴ء میں سرکار عالی نے مبادلات خارجہ کی شرح استقامت پیدا کرنیکی غرض سے حسب ذیل انتظام کیا۔

(۱) عام لوگوں کو کلدار روپے کے معاوضہ میں سرکار عالی حالی روپیہ مہیا کرے گی شرح مبادلہ ایک سو پندرہ روپیہ حالی کے لئے ایک سو کلدار ہوگی۔

(۲) حالی روپے کے معاوضہ میں سرکار عالی کلدار روپیہ مہیا کرے گی اس صورت میں شرح مبادلہ ایک سو بیس روپے حالی کے لئے ایک سو روپے کلدار ہوگی۔

سرکار عالی نے حالی اور کلدار کی شرح مبادلہ معین کرنے کے واسطے جو کچھ انتظام کیا وہ مشابہ ہے اس انتظام کے جو حکومت ہند نے کلدار اور پونڈ کی شرح مبادلہ قائم کرنے کے واسطے مقرر کیا تھا دونوں انتظامات کے اصول ایکساں ہیں۔

ذیلی سکے اور طلائی اشرفی کرنسی کمیشن کی سفارش کے مطابق ۱۹۰۵ء میں مسی فلوس ڈوپائی اور نقروی چوانّی کے سکے جاری ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں نقروی دوانّی اور مسی نصف آنے کے سکے جاری ہوئے ۱۹۰۹ء تک اشرفی کی تسکیک آزاد رہی۔ لیکن اس کے بعد سے یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ سرکار عالی اپنے طور پر اشرفیاں تیار کراکر مناسب نرخ پر فروخت کیا کرے گی۔ ۱۹۱۲ء میں نقروی اٹھنّی جاری ہوئی۔

حیدرآباد کے مبادلات خارجہ پر جنگ یورپ کا اثر ۱۹۱۴ء سے زر کے معاملات میں حکومت ہند اور حکومت سرکار عالی یکساں دقتوں میں مبتلا نظر آتی تھی اور مبادلات خارجہ کو سنبھالنے کے واسطے یکساں تدابیر اختیار کرتی تھیں۔ جنگ کے پہلے تین سال تو شرح مبادلہ سرکار عالی کے قابو میں رہی پہلے دو سال تو معمولی طور پر حالی سکہ کی رسد پوری رہی۔ تیسرے سال قرضہ سے مدد لی گئی اور رسد بھی محدود رکھی گئی لیکن طلب کا دہ زور بندھا کہ تنگ آکر سرکار عالی نے مبادلات کے انتظام سے علٰحدگی

اختیار کر لی۔ شرح مبادلہ ایک سو سولہ کے بجائے ایک سو آٹھ اور ایک سو نو کے درمیان قائم ہوگئی اور کبھی کبھی ایک سو روپے تک بھی چڑھ گئی۔ یہ غیر معمولی صورت پیش آئی اس کے چند اسباب تھے مثلاً درآمد کی کمی بیشی۔ چاندی کی گرانی اور روپے کی قلت اور سب سے بڑھکر سٹہ بازی یعنی محض نفع کمانے کی خاطر لوگوں کا مبادلات خارجہ میں حصہ لینا۔

زر کاغذی کا اجرا۔ ۱۹۱۸ء میں زر کاغذی کا قانون منظور ہوا اور اس کا باضابطہ انتظام ہوگیا۔ نوٹوں کی طباعت کا انتظام لندن میں کیا گیا۔ چنانچہ اول سو سو روپے کے نوٹ اور دس دس روپے کے نوٹ خزانہ سے جاری ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں پانچ پانچ روپے اور ایک ایک روپے کے نوٹ بھی جاری ہوگئے۔ لیکن چند دن کے بعد ایک روپے کے نوٹ واپس لے لئے گئے۔ از روئے قانون ذخیرہ زر کاغذی کا دو ثلث نقد بشکل حالی یا کلدار روپیہ یا بشکل نقرہ وطلا محفوظ رہنا لازم ہے۔ البتہ بقیہ ایک ثلث سرکار عالی یا حکومت ہند کے تمسکات میں مشغول رہ سکتا ہے۔ ذخیرہ کے نقد حصہ میں کلدار روپے کی جو رقم شریک رہتی ہے وہ بھی بقدر گنجایش امپیریل بنک میں بمد امانات قلیل المدت جمع رہتی ہے اور اس پر کچھ سود وصول ہوتا ہے البتہ حالی روپے کی رقم بالراست ذخیرہ میں محفوظ رہتی ہے۔

موجودہ جنگ کی وجہ سے زر فلزی اور زر کاغذی کی مقداروں میں بہت اضافہ ہو رہا ہے زیر گشت زر کی مقدار ۱۷،۳۸ کروڑ تھی جس میں زر کاغذی کی مقدار ۶ کروڑ ۳۸ لاکھ اور زر فلزاتی کی مقدار ۱۱ کروڑ تھی۔ بہرحال حیدرآباد بھی افراط زر سے محفوظ نہ رہ سکا ہے مگر ہندوستان کے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے حیدرآباد میں حالات البتہ نازک نہیں ہوئے ہیں۔ مارچ ۱۹۴۳ء میں زر کی مقدار ۲۹،۸۱ کروڑ ہوگئی ہے جس میں زر کاغذی کی مقدار ۱۷ کروڑ ۸۱ لاکھ اور زر فلزاتی کی مقدار ۱۲ کروڑ ہے۔ ایک روپے کے نوٹ جاری ہوئے ہیں۔ جنکی طباعت دار الطبع سرکار عالی میں عمل میں آرہی ہے۔

۱۹۴۰ء-۴۱ میں سو تولے سونا سکہ سازی کے لئے ۵۰ ہزار روپے میں خریدا گیا۔ اس سال سلاخی چاندی نہیں خریدی گئی صاف شدہ اور معیاری چاندی جو وصول کیجا کر حسابات میں جمع کر لی گئی علی الترتیب ۱۴۵،۵۰۳ تولے اور ۱۶۹۷،۸۱۳ تھی۔ تانبا ۳۵۶۲۳،۱۵ تولے خریدا گیا۔ اس سال

قلعی اور جست کی کوئی مقدار نہیں خریدی گئی اور نہ کوئی کانسے کا سکہ ڈھالا گیا۔ ۱۹۴۰ء-۴۱ میں اٹھنیاں، چونیاں، نکل کی اکنیاں جنکی قیمت پچیس پچیس پچیس ہزار روپے تھی استعمال کے لئے جاری کئے گئے۔

ہندوستان میں قیمتیں

ہندوستان میں قیمتوں کے تغیرات

ذیل کی جدول میں ۱۸۶۱ء سے ہندوستان میں قیمتوں کی ایک عام کیفیت کو ظاہر کیا گیا ہے جس میں ۱۸۷۳ء کو بنیادی سال قرار دیا گیا ہے۔ اشاری عدد (INDEX NUMBER) ۳۹ اشیاء کی تھوک فروش قیمتوں پر مبنی ہے۔ (۲۸ برآمدی اور ۱۱ درآمدی اشیاء)

ہندوستان کی قیمتوں کا اشاری عدد

۱۸۷۳ء میں قیمت = ۱۰۰

سال	۳۹ اشیاء کے انڈکس نمبر	سال	۳۹ اشیاء کے انڈکس نمبر	سال	۳۹ اشیاء کے انڈکس نمبر
۱۸۶۱	۹۰	۱۹۱۴	۱۴۷	۱۹۲۵	۲۲۷
۱۸۶۵	۱۰۷	۱۹۱۵	۱۵۲	۱۹۲۶	۲۱۶
۱۸۷۰	۱۰۲	۱۹۱۶	۱۸۴	۱۹۲۷	۲۰۲
۱۸۸۰	۹۴	۱۹۱۷	۱۹۶	۱۹۲۸	۲۰۱
۱۸۸۵	۱۰۴	۱۹۱۸	۲۲۵	۱۹۲۹	۲۰۳
۱۸۹۰	۸۷	۱۹۱۹	۲۷۶	۱۹۳۰	۱۷۱
۱۸۹۵	۱۰۰	۱۹۲۰	۲۸۱	۱۹۳۱	۱۲۷
۱۹۰۰	۱۱۶	۱۹۲۱	۲۳۶	۱۹۳۲	۱۲۶
۱۹۰۵	۱۱۰	۱۹۲۲	۲۳۲	۱۹۳۳	۱۲۱
۱۹۱۰	۱۲۲	۱۹۲۳	۲۱۵	۱۹۳۴	۱۱۹
۱۹۱۳	۱۴۳	۱۹۲۴	۲۲۱	۱۹۳۵	۱۲۷
				۱۹۳۶	۱۲۵
				۱۹۳۷	۱۳۶
				۱۹۳۸	۱۳۲
				۱۹۳۹	۱۴۲
				۱۹۴۰	۱۶۳
				۱۹۴۱	۱۷۴
				۱۹۴۲	۲۳۸
				۱۹۴۳	۳۲۵

۱۸۶۱ء تا ۱۸۹۳ء کے مابین قیمتوں کے تغیرات کی خصوصیات ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) قیمتوں کا چڑھاؤ۔ (۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۷ء) امریکی خانہ جنگی لنکا شائر کے کارخانوں میں کپاس کی قلت کا باعث ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان میں قیمتی دھاتوں کی زیادہ درآمد اور روپیہ کی وسیع تسکیک ہونے لگی۔ اس کی وجہ سے مسئلہ مقدار زر کے بموجب قیمتوں میں اضافہ ہوا۔

(۲) قیمتوں کا اتار ۱۸۶۶ء سے ۱۸۸۳ء تک قیمتیں مسلسل گرتی رہیں۔ لیکن ۱۸۷۶ء سے ۱۸۷۹ء تک زبردست قحط رہا جسکی وجہ سے عارضی طور سے اشیاء خوردنی کی قیمتیں چڑھ گئیں۔ اس دوران کے ابتدائی سالوں میں قیمتوں میں عام تخفیف کو پچھلے سالوں کی بڑھیا قیمتوں کا ردعمل اور سالہائے مابعد میں مغربی ممالک میں قیمتوں میں جو کمی ہو رہی تھی اس کا جواب تصور کرنا چاہیئے۔ اس صورت حال کو سونے کی پیدائش میں کمی پر محمول کیا جاتا ہے جو عین اس وقت واقع ہوئی جبکہ سونے کی مانگ بڑھتی جارہی تھی اور پیدائش دولت کو فروغ ہونے کی وجہ سے تجارت کو ترقی ہو رہی تھی۔

(۳) قیمتوں کا چڑھاؤ (۱۸۸۳ء تا ۱۸۹۳ء) چاندی کی قیمت میں تخفیف ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں قیمتیں چڑھ گئیں اس کی وجہ روپے بمقدار کثیر تسکیک کرنا پڑا اور بالآخر روپیہ کی قیمت میں تخفیف ہوگئی۔ چاندی کی رسد اشیاء کی پیداوار کے مقابلہ میں بہت بڑھ گئی اور ایک ایسا زمانہ آگیا جبکہ قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا جو ۱۹۲۰ء تک برابر قائم رہا۔ (سوائے ۱۸۹۳-۹۹ء کی ایک قلیل مدت کے جس میں دارالضرب کے بند ہونے کی وجہ قیمتیں کچھ گر گئی تھیں

چڑھتی ہوئی قیمتیں ۱۸۹۰ء تا ۱۹۱۲ء | ان حالات کی تحقیقات کے لئے جو قیمتوں میں اضافہ کا باعث ہوئے حکومت ہند نے ۱۹۱۲ء میں مسٹر کے۔ یل۔ ڈاٹا کو مقرر کیا۔ چنانچہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۲ء تک کی تحقیقات کی گئی۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ قیمتوں میں عام اور مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ خصوصاً ۱۹۰۵ء کے بعد سے تو قیمتیں بہت بڑھ گئیں تھیں۔ قیمتوں کا اشاری عدد (۱۸۹۰-۹۴ء بنیادی سال = ۱۰۰) ۱۹۰۵ء میں ۱۱۶ اور ۱۹۱۲ء میں ۱۴۱ تک بڑھ گیا۔ اس زمانہ میں تمام دنیا میں قیمتوں میں

اضافہ ہوگیا تھا لیکن ہندوستان میں دیگر ممالک کے مقابلہ میں بہت زیادہ اضافہ عمل میں آچکا تھا۔

(۱) ہندوستان میں گرانی کے خاص اسباب:۔ قیمتوں کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے بموجب ہندوستان میں قیمتوں کے اضافہ کے خاص وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) زرعی پیداوار اور خام اشیاء کی رسد میں کمی (ب) ان اشیاء کی طلب میں اضافہ (ج) ہندوستان میں ریلوے اور دوسرے ذرائع آمد و رفت کی ترقی جس کے نتیجہ کے طور پر ایک حصہ ملک میں قیمتوں کا اضافہ دوسرے اقطاع ملک میں محسوس ہونے لگا (د) زر اور بنک کاری میں اصلاح اور ساکھ کا بڑھنا۔ (ی) زر کی گردش میں ترقی۔ افراط زر۔ (معیار مبادلۂ طلاء کے تحت) کی وجہ سے ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۷ء میں روپیہ کی تسکیک میں اضافہ ہوا تاکہ وزیر ہند نے جو کونسل بل فروخت کئے تھے اس کی رقم ادا کی جائے۔ ہندوستان میں قیمتوں کے اضافہ کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔

(۲) عالمی اسباب ــ ہندوستان میں قیمتوں میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہوا کہ تمام دنیا میں مندرجہ ذیل اسباب کی بناء پر اس زمانہ میں قیمتیں چڑھ گئی تھیں۔

(۱) دنیا کے بازاروں میں خام اشیاء کی طلب میں اضافہ اور ان کی رسد میں کمی (ب) دنیا کے معدنوں سے سونے کی بڑھتی ہوئی فراہمی (ج) ساکھ میں ترقی (د) تخریبی جنگیں اور مستقل افواج و بحریہ کا قیام۔

جنگ کے زمانہ میں قیمتیں | قیمتوں میں اضافہ کا جو رجحان پہلے سے موجود تھا اس میں ۱۹۱۴ء تا ۱۹۲۰ء میں جنگ کے حالات کی وجہ سے بہت اضافہ ہوگیا۔ تمام دنیا میں بھی قیمتوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں افراط زر کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان میں بھی بڑی مقدار میں جدید روپیہ اور کرنسی نوٹ جاری ہوئے تاکہ توازن تجارت ہندوستان کے موافق قائم رہے اور حکومت کی جانب سے عائد شدہ اخراجات جنگ کی پابجائی ہوسکے۔ ۱۹۱۴ء میں اگر بنیادی قیمت کو ۱۰۰ فرض کیا جائے تو کلکتہ کی تھوک فروش قیمتوں کا اشاری عدد ۱۹۲۰ء میں ۲۰۱ ہوگیا تھا۔ جرمنی فرانس اور انگلستان میں تو قیمتوں میں اس سے زیادہ اضافہ ہوگیا تھا۔ ہندوستان میں قیمتوں میں نسبتاً جو کمی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ

یہاں افراط زر زیادہ نہیں تھا۔ اتحادیوں کی جانب سے اضافہ طلب کی بناء پر غلہ اور خام پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہوا تھا اس کے علاوہ قیمتیں اس وجہ سے بھی زیادہ ہوگئی تھیں کہ ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۰ء میں ہندوستان میں غلہ کی قلت ہوگئی تھی۔ درآمدی اشیاء مثلاً پارچہ اور شیشہ کی قیمتوں میں اس وجہ سے اضافہ ہوا کہ ان اشیاء کی درآمد میں کمی واقع ہوچکی تھی۔

قیمتوں میں تخفیف ۱۹۲۰ء میں قیمتیں اپنی انتہا کو پہونچ جانے کے بعد ۱۹۲۱ء سے ہندوستان اور تمام ممالک میں زر کی قلت، پیدائش دولت میں اضافہ اور تجدید تجارت کے باعث قیمتوں میں تخفیف ہونے لگی۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں امریکہ میں وال اسٹریٹ کے بحران کی وجہ سے قیمتوں میں کمی ہوگئی جسکو دنیا کی گذشتہ طویل معاشی کساد بازاری کا آغاز سمجھا جاتا ہے۔ قیمتوں میں اس عالمگیر تخفیف کو سونے کی کمی اور اس کی غیر مساوی تقسیم پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ساکھ بگڑ گئی اور زر میں کمی واقع ہوگئی نیز اس کی وجہ یہ تھی کہ معمولاً جس قدر مصنوعات دنیا کے بازارات میں کھپ سکتے تھے اور جس قدر زرعی پیداوار صرف ہوسکتی تھی اس سے بڑھکر پیداوار ہونے لگی۔ اس کے اثرات صنعتی ممالک مثلاً انگلستان سے زیادہ زرعی ممالک مثلاً ہندوستان میں نمودار ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں اگر بنیادی قیمت ۱۰۰ فرض کی جائے تو کلکتہ کی تھوک فروش قیمتوں کا اشاری عدد ستمبر ۱۹۲۹ء میں ۱۴۳ ہوگیا تھا۔ ستمبر ۱۹۳۱ء میں جب انگلستان نے معیار طلا ترک کیا تو یہ اشاری عدد ۹۱ تک گھٹ گیا یعنی جنگ سے قبل کی سطح سے بھی کم ہوگیا۔ دسمبر ۱۹۳۱ء میں چونکہ روپیہ کا تعلق اسٹرلنگ سے قائم ہوگیا تھا اسلئے انڈکس نمبر ۹۸ تک کا خفیف اضافہ ہوا لیکن یہ برقرار نہیں رہا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں اشاری عدد ۸۸ ہوگیا مارچ ۱۹۳۳ء میں ۸۳ تک گھٹ گیا لیکن اس کے بعد قیمتیں ایک سطح پر قائم رہیں اور دسمبر ۱۹۳۳ء میں انڈکس نمبر ۸۹ ہوگیا اس کے بعد دو سال تک قیمتوں میں تغیرات ہوتے رہے اس کے بعد ان میں ترقی ہوئی کیونکہ دنیا میں اسلحہ سازی کی مہم آغاز ہوچکی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں اشاری عدد ۱۰۵ ہوگیا اس کے بعد سے قیمتوں میں تخفیف ہونے لگی اور ۱۹۳۸ء میں اشاری عدد ۹۴ ہوگیا اپریل ۱۹۳۹ء میں انڈکس نمبر ۹۹ ہوا اور اس کے بعد کسی قدر اضافہ ہونے لگا اور مئی ۱۹۳۹ء میں اشاری عدد ۱۰۱ ہوا۔

موجودہ جنگ اور قیمتوں کا مسئلہ اس کے بعد موجودہ جنگ کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا ہے۔

جنگ کے شروع کے مہینوں میں قیمتیں بہت چڑھ گئی تھیں لیکن یہ اضافہ بحرانی کیفیت اور سٹہ کرنے والوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ سٹہ کرنے والے زیادہ قیمت پر فروخت کرکے زائد منافع کمانے کی امید میں اشیاء کے ذخیرہ کررہے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد حالات سدھرنا شروع ہوئے اور جنوری ۱۹۴۰ء سے قیمتیں گرنے لگیں۔ قیمتوں کے گرنے کا سلسلہ تقریباً مئی ۱۹۴۱ء تک قایم رہا۔ اس کے بعد سے قیمتوں میں تدریجی اضافہ شروع ہوا۔ تدریجی اضافہ کا دور اپریل ۱۹۴۲ء تک قایم رہا۔ اپریل ۱۹۴۲ء سے قیمتوں میں اضافہ بہت تیزی سے ہورہا ہے۔ کیونکہ جنگ کی وجہ سے درآمد کی موقوفی بالخصوص چاول کی رسد میں کمی ہوگئی ہے۔ جاپان کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لئے ہندوستان کو مرکز بنادیا گیا ہے انگریزی اور امریکی افواج کے خوراک کے انتظام کے لئے وسیع پیمانہ پر حکومت نے خوردنی اجناس کی خریداریاں کیں جو قیمتوں میں اضافہ کا موجب بنی۔ نقل وحمل کی دشواریوں ملایا اور برما کے تخلیہ کنندگان اور جنگی قیدیوں کو ہندوستان میں رکھنے کی وجہ سے ملک کے غذائی وسائل پر بار پڑا ہے اور نتیجۃً اشیائے مایحتاج کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔

حیدرآباد اور قیمتوں کی نگرانی | موجودہ جنگ کے اثرات کا اندازہ کرنے کے لئے اگر شہر حیدرآباد کے لئے اگسٹ ۱۹۳۹ء کو بنیادی سال قرار دیں اور قیمتوں کو ۱۰۰ فرض کرلیں تو اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۴۱ء تک قیمتیں بہت زیادہ نہیں بڑھی تھیں لیکن اگسٹ ۱۹۴۲ء میں اشاری عدد ۱۵۳ تک پہونچ گیا۔

حیدرآباد میں نگرانی نرخ اشیاء کی کمیٹی کا قیام ستمبر ۱۹۳۹ء میں عمل میں آیا۔ اس کمیٹی کے قیام کی غرض یہ تھی کہ اشیائے مایحتاج کی درآمد و برآمد اور ان کی قیمتوں پر نگرانی رکھنے کی تجاویز پر غور اور سفارشات پیش کرے۔ دو سال تک سرکار عالی نے اس کمیٹی کے مشورے سے قیمتوں کی نگرانی اور ان پر قابو رکھنے کے لئے یہ طرز عمل اختیار کیا کہ ذی اثر تجّار کا تعاون عمل حاصل کرکے باہمی سمجھوتہ اور ترغیب کے ذریعہ ان کو اس امر پر آمادہ کیا کہ قیمتوں کو نامناسب حد تک بڑھنے نہ دیا جائے۔ جب جنگ کے ابتدائی زمانہ میں قیمتوں میں اضافہ ہونے لگا تو خیال تھا کہ کاشتکار اس سے فائدہ اٹھائینگے۔

حکومت کے اس طرز عمل سے کاشتکاروں کو ضرور فائدہ پہونچا مگر اس کے ساتھ ساتھ کاشتکاروں سے کہیں زیادہ درمیانی اشخاص نے فائدہ حاصل کیا۔ بالآخر حکومت کو نگرانی نرخ اشیاء کی حکمت عملی اختیار کرنی پڑی اور یہ مسئلہ گیہوں کی قیمت کے تعین سے شروع ہوا۔

جنوری ۱۹۴۲ء میں نگرانی نرخ اشیاء کا صیغہ جو نظامت صنعت و حرفت سے متعلق تھا اب معتمدی مالگزاری میں منتقل ہوا اور زاید معتمد مال کو افسر نگرانی نرخ اشیاء مقرر کیا گیا۔ اب نگرانی نرخ اشیاء کا کام زیادہ تر ان اشیاء سے متعلق ہوگیا جو ضروریات زندگی سے تعلق رکھتی تھیں مثلاً اشیائے خوردنی، جلانے کی لکڑی کوئلہ، کاغذ، روغن گیاس، دیاسلائی۔ پارچہ اور سوت افسر نگرانی نرخ اشیاء نے جن اشیاء کے قیمت کی نگرانی کی وہ حسب ذیل ہیں۔ شکر گیہوں، جوار، چانول باجرہ دیگر باریک دانے والے اجناس خوردنی، مونگ پھلی، چنا، تور، مسور، اڑد، کرڑ، گھی اور گڑ۔

اجناس خوردنی کے ذخائر اور ان پر موثر نگرانی کی غرض سے ٹھوک فروش بیوپاریوں پر اجازت ناموں کا حصول لازمی قرار دیا گیا۔ جون ۱۹۴۲ء میں ارزاں فروشیٔ غلہ کے دوکانات کا قیام عمل میں آیا تا کہ مقررہ قیمتوں پر اشیاء کی فروخت عمل میں آئے اور عوام کو اپنی ضروریات کی اشیاء حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ حکومت کی جانب سے حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کا قیام بھی عمل میں لایا گیا تا کہ پیداکنندگان اور صارفین کے درمیان ربط قائم کیا جائے۔ اور جہاں تک ہوسکے ارزاں قیمت پر غربا کو غلہ بہم پہنچایا جائے۔ حکومت خود اپنی ضروریات کی اشیائے خوردنی اس کارپوریشن کے توسط سے خریدتی ہے۔ اگر فاضل غلہ ہو تو بیرون ملک اس کی برآمد کارپوریشن کے توسط سے کی جاتی ہے اور جن اشیائے خوردنی کی حیدرآباد میں قلت ہے وہ بیرون حیدرآباد سے کارپوریشن درآمد کرتا ہے۔

حال ہی میں معتمدی رسد کا قیام عمل میں آیا ہے۔ کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے پنجے سے آزاد کرنے اور صارفین کو حریص تجار سے نجات دلانے کے لئے ایک اسکیم ''مشترکہ ادائی حصہ پیداوار اجناس خوردنی'' عمل میں لائی گئی ہے۔ کاشتکاروں سے پیداوار کی خریدی اور دیگر متعلقہ کاروبار کے لئے

ہر موضع میں ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ ان کی امداد باہمی کے اصولوں پر تنظیم عمل میں لائی جا رہی ہے۔

ہندوستان میں بنک کاری

ہندوستانی بازار زر کے عناصر | ہندوستان کے بازار زر[1] اور بنک کاری کے اصلی عناصر حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہندوستانی ریزرو بنک (۲) امپیریل بنک آف انڈیا (۳) مبادلات خارجہ کے بنک (۴) ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنک (۵) ملکی بنک کار جو ملک کے مختلف حصوں میں مختلف ناموں سے موسوم ہیں (مثلاً صراف، ملتانی، بنیا، مارواڑی، مہاجن، ساہوکار) اسی بنک کاری کے ابتدائی چار شعبے یوروپین طریقہ کا بازار زر ہیں اور سب سے آخری ملکی بازار زر ہے۔ امداد باہمی کے بنکوں کو درمیانی مقام حاصل ہے۔ ہندوستانی بازار زر کے دوسرے چھوٹے عناصر ڈاک خانہ کے سیونگ بنک، زمین گروی بنک، صنعتی بنک اور ملکی قرضوں کے ادارہ جات مثلاً بنگال میں لون آفس اور مدراس میں چھٹی فنڈ ہیں۔ اب ہم ہندوستانی بازار زر کے سب سے اہم عناصر پر غور کرینگے لیکن آگے بڑھنے سے قبل ہندوستانی بنک کاری کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالنی بھی ضروری ہے۔

دیسی بنک کاری | ہندوستانی تجارت کی طرح ہندوستانی بنک کاری بھی قدیم زمانہ سے موجود ہے۔ ہنڈی جو دیسی بنک کاروں کی ساکھ کا خاص معیار ہے کئی صدیوں سے یہاں رائج ہے۔ ہنڈی کی اس ملک میں وہی حیثیت ہے جو یوروپین ممالک میں بل آف اکسچنج کی۔ یوروپ میں بنک کاری کے ارتقاء سے کئی صدی قبل ہندوستان میں ملکی بنک کاری کا نظام موجود تھا۔ مغلیہ عہد میں بھی یہ کاروبار وسعت کے ساتھ جاری تھا۔ دیسی بنک کار مختلف کام انجام دیتے تھے وہ امانتیں محفوظ رکھتے تھے اور قرضے بھی دیا کرتے تھے۔ ملک کے ماہران مالیات بھی یہی لوگ تھے اور دارالضرب کے عہدہ دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ ان ہی کے ذریعہ زر اور ہنڈیوں کا مبادلہ عمل میں آتا تھا۔

---

(۱)۔ کسی ملک کے بازار زر سے وہ خاص تنظیم مراد ہے جو ساکھ اور اصل فراہم کرنے کا کام انجام دیتی ہے اور جو خاص ادارہ جات جیسے بنک، صرافہ، بٹہ کاٹنے والی کوٹھیاں، ہنڈی دلالوں اور سرمایہ مشغول کرنے والے بنکوں وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔

اور یہی لوگ ملک کی تجارت کا سرمایہ فراہم کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کی سرپرستی کی۔ اٹھارویں صدی کے اختتام پر بہت سے ایسے اسباب پیش آئے جو ان کی خوش حالی کے منافی ثابت ہوئے۔ مثلاً ملک میں سیاسی بدنظمی، کلکتہ اور بمبئی کے ان یوروپین ایجنسی ہاؤس کی مسابقت جو بنک کا کاروبار کررہے تھے اور جنکو ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرپرستی حاصل ہوچکی تھی۔ یوروپین طرز کی پریسیڈنسی بنکوں کے قیام اور ہندوستان میں ایک ہی قسم کا زر جاری ہوجانے کی وجہ سے دیسی بنک کاروں کے کاروبار کو شدید نقصان پہنچا اور مبادلہ زر جو ان کا ایک اہم کام تھا بند ہوگیا۔ ان مشکلات کے باوجود دیسی بنک کار اب بھی اپنا کاروبار جاری رکھے ہوئے ہیں اور نوّد فی صدی باشندوں کی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستانی بنک کار تقریباً ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں موجود ہیں۔ وہ کاشتکاروں، چھوٹے صناعوں اور تاجروں کو رقم مہیا کرتے ہیں۔ تیار شدہ فصول کو بندرگاہوں اور دوسرے مقامات تک پہنچانے میں مدد دیتے ہیں اور ملک کے اندرونی حصوں میں ہر قسم کی ضروری اشیاء کی تقسیم میں حصہ لیتے ہیں۔ دیسی بنک کار امانتیں محفوظ رکھتے ہیں لیکن جدید بنکوں کی طرح ان کے پاس امانتیں واپس حاصل کرنے کے لئے چک استعمال نہیں کئے جاتے۔ وہ ہنڈیاں جاری کرتے اور ان کی خرید و فروخت بھی کرتے ہیں جس کا مقصد ایک مقام سے دوسرے مقام کو روپے کی منتقلی یا تجارتی اغراض میں مالی امداد ہے۔ یوروپین طرز کی بنکوں سے دیسی بنک کاروں کا بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ عموماً یہ اپنے ہی سرمایہ سے کاروبار کرتے ہیں۔ اور اکثر سرمایہ دار بنکوں سے مسابقت بھی کرتے ہیں۔ کاروباری گرم بازاری کے زمانہ میں جبکہ وہ اپنا سرمایہ کاروبار پر لگا چکتے ہیں تو امپیریل بنک یا شہروں کے دوسرے تجارتی بنکوں سے بڑی بڑی رقمیں ہنڈیوں پرامیسری نوٹ یا مال و اسباب کی ضمانت پر قرض لیتے ہیں۔ امپیریل بنک اور دوسرے مشترک سرمایہ دار بنکوں نے یہ آسانیاں صرف مشہور صرافوں تک محدود رکھی ہیں جن کے نام بنکوں کے ہاں فہرست میں مندرج ہوتے ہیں۔ اب ریزرو بنک ملک کے زر اور قرضہ پر قابو رکھنے والے ادارہ کی حیثیت سے قائم ہوچکا ہے اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دیسی کاروں سے بھی

تعلق قایم رکھے تاکہ وہ ان کا مددگار ثابت ہو اور ان کی بنک کاری یا قرضہ کے کاروبار کو اپنے قابو میں رکھے جیسا کہ جدولی بنکوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ ہندوستانی ریزرو بنک کے قانون بابتہ ۱۹۳۴ء کے بموجب ۱۹۳۷ء میں ریزرو بنک نے اس سلسلہ میں تجاویز پیش کئے اور ذاتی سرمایہ، غیر بنک کارانہ تجارت کی موقوفی، حسابات کی نگہداشت وغیرہ کے سلسلہ میں بعض شرایط قایم کئے دیسی بنک کاروں نے ان کو قبول نہیں کیا۔

حیدرآباد میں دیسی بنک کاری | ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی کے تحقیقات کے بموجب حیدرآباد میں جو ساہوکار کاروبار کررہے ہیں۔ سرمایہ کے لحاظ سے ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔

وہ ساہوکار جن کا کاروبار ایک کروڑ سے زاید ہے	۵
ـــــ پچاس لاکھ سے زاید مگر ایک کروڑ سے کم	۵
ـــــ دس لاکھ سے زاید مگر پچاس لاکھ سے کم	۲۰
ـــــ ایک لاکھ سے زاید مگر دس لاکھ سے کم	۲۰

اب دو ایک دیسی بنک کاروں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں جن سے ان کے کاروبار کا اندازہ ہو سکے گا۔

موتی لعل بنسی لال کی فرم حیدرآباد میں ۱۸۳۱ء سے قائم ہے۔ اس فرم کی ابتدا غلّہ فروشی سے ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ زر کا کاروبار آغاز کیا گیا۔ موجودہ زمانہ میں مملکت کی سب سے بڑی فرم ہے اور اس کی دولت کا اندازہ تقریباً پانچ کروڑ روپیہ ہے۔ کاشتکاروں کو قرضہ دینے کے لئے ممالک محروسہ سرکار عالی کے اضلاع میں اس فرم کی چار شاخیں ہیں۔ اس فرم کا اصلی کاروبار چھوٹے ساہوکاروں اور ضرورت مند اشخاص خصوصاً نوابوں اور جاگیرداروں کو قرضے دینا اور ہنڈیاں اجرا کرنا ہے۔ صرف ساہوکاروں سے قلیل مدت کے لئے امانتیں قبول کی جاتی ہیں۔

حیدرآباد کا دوسرا بڑا فرم رگھوناتھ مل کا ہے جو تقریباً ۸۵ سال سے قائم ہے۔ ابتدا میں غلّہ کی تجارت سے کاروبار شروع کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں حالی کلدار کا تبادلہ شروع کیا گیا۔ ۱۹۱۸ء میں ایک

چھوٹے سے پیمانہ پر جدید طریقہ پر بنک کا قیام عمل میں آیا۔ جو امانتیں قبول کرتا ہے۔ چکوں کی اجرائی پر رقمیں حاصل کر سکتے ہیں۔ اس بنک کی تین شاخیں اور کئی ایجنسیاں قائم ہیں۔

مملکت کے دیسی بنک کار اپنے فرد واصل باقی شائع نہیں کرتے۔ ان کے کاروبار پردۂ اخفا میں رہتے ہیں۔ اور اپنی مالی حالت کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ بہرحال دیسی بنک کاروں کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔

یوروپین بنک کاری کا نظام | ہندوستان میں یوروپین بنک کاری کا نظام سب سے پہلے کلکتہ کے ایجنسی ہاؤس نے اپنے تجارتی کاروبار کو ترقی دینے کے مقصد سے رائج کیا۔ ہندوستان بنک جسکی داغ بیل مسرز الگزینڈر اینڈ کمپنی نے ڈالی ہندوستان میں یوروپین طرز کا سب سے پہلا خالص بنک کاری ادارہ خیال کیا جاتا ہے۔ ۳۲-۱۸۲۹ء کے تجارتی بحران کے زمانہ میں ایجنسی ہاؤس مشکلات میں پھنس گئے اور ان کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد یونین بنک قائم ہوا جو ۱۸۴۸ء میں بند ہو گیا۔ بعد ازآں ۱۸۶۰ء تک بنک کاری کی ترقی سست رہی گو اس زمانہ میں ہی محدود ذمہ داری کا اصول تسلیم کر لیا جا چکا تھا۔ ۱۸۶۵ء میں کپاس کی قیمتوں کی کمی اور روپے کی شرح مبادلہ میں تخفیف کے باعث بمبئی میں مالی بحران رونما ہوا۔ ان حالات کے تحت بنک کاری میں کوئی ٹھوس ترقی نہ ہو سکی سودیشی تحریک کی وجہ سے عام لوگوں کو بیرونی سرمایہ سے قایم شدہ بنکوں میں اپنی رقمیں جمع کرانے میں تامل پیدا ہو گیا چنانچہ ۱۹۰۵ء کے بعد سے ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی لیکن بدقسمتی سے بہت سے نئے بنک ناتجربہ کار افراد کے ہاتھوں ۱۴-۱۹۱۳ء کے بنک کاری کے بحران میں تباہ ہو گئے۔ اسکے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ اس زمانہ میں ہندوستانی بنک کاری کو بہت تقویت حاصل ہوئی اور ابتدائی بنکوں کی ناکامیوں سے سبق حاصل کر کے ذمہ داریوں کے مقابلہ میں زر نقد کی ایک مناسب مقدار محفوظ رکھنے کا عمل شروع کیا گیا۔ جنگ کے بعد قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے بھی نئے بنک قائم ہوئے لیکن پھر کساد بازاری کا دور دورہ شروع ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں بہت سے بنک دیوالیہ ہو گئے ۳۱-۱۹۲۹ء میں متعدد صوبہ جات ہند اور مملکت آصفیہ میں بنک کاری کے کاروبار کی تحقیقات

کے لئے کمیٹیاں قائم کی گئیں اور ایک مرکزی تحقیقاتی کمیٹی نے صوبہ واری کمیٹیوں کے ساتھ اشتراک عمل کیا۔ ہلٹن ینگ کمیشن نے ۱۹۲۶ء ہی میں ہندوستانی ریزرو بنک قائم کرنے کی سفارش کی تھی لیکن بڑی تاخیر کے بعد اپریل ۱۹۳۵ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ توقع ہے کہ اس کے ذریعہ ہندوستان کے بازار زر کی جدید تنظیم ہوسکے گی اور اس کا مستقبل ماضی سے زیادہ مستحکم ہوگا۔

<u>ہندوستانی ریزرو بنک</u> ہندوستان کے لئے ایک مرکزی بنک قایم کرنے کا خیال ایک صدی پیشتر پیدا ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے تینوں پرسیڈنسی شہروں میں پرسیڈنسی بنک قایم کئے۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں علی الترتیب ۱۸۰۶ء، ۱۸۴۰ء اور ۱۸۴۳ء میں یہ بنک قایم ہوئے تاکہ ایک طرف تو ہندوستان کی روزافزوں تجارتی کاروبار اور دوسری طرف خود کمپنی کے بنک کارانہ ضروریات کی تکمیل ہوسکے۔ کل ہندوستان کے لئے ایک مرکزی بنک قایم کرنے کی تجویز بمقام لندن ۱۸۳۶ء میں پیش ہوئی جو بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ تینوں پرسیڈنسی بنکوں کے انضمام کے لئے سب سے پہلے ۱۸۶۷ء میں تجویز پیش ہوئی لیکن بنکوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے یہ تحریک آگے نہ بڑھ سکی۔ اس کے بعد اس مسئلہ پر وقتاً فوقتاً بحث جاری رہی۔ آخر کار ۱۴-۱۹۱۳ء میں بنکوں کی ناکامی اور ۱۸-۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم نے ایک مرکزی بنک کے قیام کی شدید ضرورت محسوس کرائی اور قانون امپیریل بنک آف انڈیا بابتہ ۱۹۲۰ء کے بموجب تینوں پرسیڈنسی بنک ۱۹۲۱ء میں امپیریل بنک آف انڈیا میں ضم ہوگئے۔ اس کو محدود طور پر ایک مرکزی بنک کی حیثیت سے کام کرنے کا اختیار بھی عطا کیا گیا۔ حکومت ہند کے ساتھ اپنے معاہدہ کی تکمیل کی غرض سے امپیریل بنک نے ایک سو نئی شاخیں قایم کیں۔ اس کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوتا رہا چنانچہ اس وقت اس کی ۱۶۱ شاخیں موجود ہیں۔

ہلٹن ینگ کمیشن نے ایک جدید مرکزی بنک قایم کرنے کی سفارش کی کیونکہ امپیریل بنک اپنی کثیر شاخوں کے ساتھ بڑی حد تک ایک تجارتی بنک ہے اور یہ کہ اس کو ملک بھر میں عصری بنک کارانہ سہولتوں کی فراہمی کا فرض انجام دینے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اس خیال کے مدنظر سر بسیل بلاکٹ نے

۱۹۲۷ء میں پہلی دفعہ ہندوستانی ریزروبنک کا مسودہ قانون پیش کیا۔ لیکن بنک کی ملکیت اور مرکزی و مقامی مجالس کے دستور کے متعلق شدید اختلاف رائے پیدا ہونے کی وجہ سے دو دفعہ اس مسودہ قانون کو ملتوی رکھنا پڑا[1]۔ آخر کار گول میز کانفرنس کی سفارش پر ہندوستانی ریزروبنک کا قانون ۱۹۳۴ء میں مرتب کیا گیا اور یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو اس کا افتتاح عمل میں آیا۔

ہندوستانی ریزروبنک حصہ داروں کا بنک ہے اور اس کا کامل طور سے ادا شدہ سرمایہ پانچ کروڑ روپیہ ہے ہر حصہ کی قیمت سو روپے ہے۔ اس کے دفاتر بمبئی، کلکتہ، مدراس، اور دہلی میں ہیں۔ ہر شاخ کے حصہ داروں کے جداگانہ رجسٹر ہیں ریزروبنک نے لندن میں بھی اپنی شاخ قایم کرلی ہے۔ ریزروبنک کے عام انتظام کا کام ایک مرکزی مجلس نظماء کے تفویض کیا گیا ہے۔ جس کے حسب تفصیل ذیل ۱۶ ارکین ہوتے ہیں۔ ایک گورنر اور دو ڈپٹی گورنر جن کو گورنر جنرل با جلاس کونسل بنک کی مرکزی مجلس کی سفارش پر مقرر کرتے ہیں۔ چار نظماء ان کو بھی گورنر جنرل با جلاس کونسل نامزد کرتے ہیں (یہ چار نظماء ٹیکس ادا کرنے والوں کی نمائندگی کرتے اور ملک کے اہم معاشی مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں) آٹھ نظماء کو حصہ دار مختلف حلقوں سے منتخب کرتے ہیں۔ ایک سرکاری عہدہ دار اس کا رکن ہوتا ہے۔ بنک کی مرکزی مجلس کو مشورہ دینے کے لئے مقامی مجالس بھی قائم ہیں۔ مرکزی مجلس کے نظماء یا مقامی مجالس کے ارکین مرکزی یا صوبہ واری مقننہ کے ارکین نہیں ہوسکتے۔

اب یہاں ریزروبنک کے اغراض و مقاصد کا اجمالاً ذکر کیا جائے گا۔ ریزروبنک بلاسودی امانتیں قبول کرتا ہے۔ صوبہ واری امداد باہمی یا جدولی[2] بنکوں کے مصدقہ پرامیسری نوٹس اور ہنڈیوں کی

---

[1] اختلاف یہ تھا:۔ (۱) ریزروبنک اسٹیٹ بنک ہونا چاہیئے یا حصہ داروں کا (۲) مرکزی اور صوبہ واری مقننہ کے ارکین ریزروبنک کے مرکزی اور مقامی مجالس میں شریک کئے جائیں یا نہیں۔ بالآخر منظور یہ ہوا کہ ریزروبنک حصہ داروں کا بنک ہونا چاہیئے اور سیاسی اثرات سے آزاد رہے۔ ہلٹن ینگ کمیشن نے بھی اسی چیز کی سفارش کی تھی۔

[2] جدولی بنکوں کی تعداد ۵۴ ہے۔ ہر ایک کا ادا شدہ سرمایہ اور ذخیرہ محفوظ پانچ لاکھ روپے اور اس سے زاید بھی ہے جو قانون ریزروبنک کی ضمیمہ فہرست میں بتلائے گئے ہیں۔

خرید و فروخت کا کام انجام دیتا ہے۔ تجارتی کاروبار کی صورت میں ان ہنڈیوں اور پرامیسری نوٹس کی نوعیت ایسی ہونی چاہیئے کہ تاریخ خریدی سے نو ۹۰ دن کی میعاد میں ادا ہوسکیں لیکن موسمی زرعی کاروبار یا غلہ کی فروخت کی صورت میں نو مہینوں کی مدت دی جاتی ہے۔ ریزرو بنک کیلئے ضروری ہے کہ جدولی بنکوں سے اسٹرلنگ کی خرید و فروخت کرے۔ ان بنکوں کے علاوہ مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں ہندوستانی ریاستوں اور مقامی حکومتوں کو قلیل المیعاد قرضے بھی دے سکتا ہے۔ ریزرو بنک حکومت کی جانب سے چاندی اخشت طلاء اور تمسکات کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔ ایک ماہ کی مدت یا اس سے کم مدت کے لئے جدولی بنکوں سے قرضے حاصل کر سکتا ہے۔

ریزرو بنک کو نوٹ جاری کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے۔ جس کی رقم عند المطالبہ اس کے پیش کرنے والے کو ادا کی جائے گی۔ اس کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ عام بازار میں ہنڈیوں، پرامیسری نوٹس یا اسٹرلنگ کی براہ راست خرید و فروخت کرے اور عوام کو قرضے دے۔ اس اختیار کے عطاء کا منشاء یہ ہے کہ قرضہ کی مقدار پر قابو حاصل رہے اور اس کے ذریعہ بنک کی ساکھ اور اس کی شرح کی پالیسی کو موثر بنایا جائے۔

ہندوستانی ریزرو بنک کو بعض خاص قسم کے کاروبار انجام دینے کی اجازت نہیں ہے مثلاً اس امر کی ممانعت ہے کہ وہ خود کوئی تجارتی کاروبار چلائے یا کسی صنعتی اور تجارتی کاروبار سے براہ راست اپنا مفاد وابستہ رکھے۔ بنک کو جائداد غیر منقولہ کی ضمانت پر قرضہ دینے اور امانتوں پر سود ادا کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ ریزرو بنک کو معمولی تجارتی بنکوں سے مسابقت کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اب یہاں مختصر طور پر ریزرو بنک کے ان فرائض پر نظر ڈالی جائے گی جو اس کو بطور ایک مرکزی بنک کے انجام دینا چاہیئے۔ اس بنک کو حکومت کی جانب سے رقم وصول کرنے اور ادائی کے انتظامات عمل میں لانے ہوتے ہیں۔ مبادلہ، ترسیل زر، قرضہ عامہ اور دوسرے بنک کاری کے کاروبار کی تکمیل بھی اسی بنک کے ذمہ ہے۔ صرف ریزرو بنک کو ہی نوٹوں کی اجرائی کے کامل حقوق حاصل ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے معاملات زر پر قابو رکھنے والے ادارہ کی حیثیت سے بنک کو ضروری ہے کہ روپے کی شرح مبادلہ کو ایک شلنگ چھ پنس اسٹرلنگ کی شرح پر قایم رکھنے کے لئے اسٹرلنگ کی خرید و فروخت کرے۔ ہر ایک جدولی بنک کو لازم ہے کہ ریزرو بنک میں اپنی ناگزیر اور موقتی واجبات کا علی الترتیب کم از کم دو اور پانچ فی صد فاضلات فراہم رکھے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ریزرو بنک ملک کے بنک کارانہ محفوظات کو کسی مرکزی نظام کے تابع کرائے۔ اور اس طرح ان قرضہ جات پر قابو رکھا جا سکے جو جدولی بنکوں کی جانب سے اجرا ہوتے ہیں۔ جدولی بنکوں کو اس کا بھی پابند کیا گیا ہے کہ اپنے کاروبار کا ہفتہ واری تختہ ریزرو بنک میں پیش کریں۔

امپیریل بنک کو پندرہ سال کے لئے ریزرو بنک کا واحد کارندہ مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس کی شاخوں کے ذریعہ حکومت کی جانب سے سرکاری خزانہ کے فرایض انجام دیئے۔ ریزرو بنک کو بھی گورنر جنرل باجلاس کونسل کے پاس بنک کاری اور صیغہ اجرائے نوٹ کے حسابات کا ہفتہ واری تختہ پیش کرنا پڑتا ہے۔

قانون ریزرو بنک کے منشاء کے مطابق بنک نے زرعی قرضہ کا ایک خصوصی شعبہ قایم کیا ہے اس کے فرایض یہ ہیں زرعی قرضے کے مسائل کا مطالعہ کرنا، حکومت اور صوبہ داری امداد باہمی کے بنکوں کو ماہرانہ مشورہ دینا، صوبہ داری امداد باہمی یا دیگر بنکوں کے ساتھ جن کا تعلق زرعی قرضہ کے مسائل سے ہو اشتراک عمل کرنا۔

مسٹر ایم۔ ایل۔ ڈارلنگ آئی۔ سی۔ ایس نے جو خاص اسی مقصد کے لئے مقرر کئے گئے تھے ضروری ابتدائی تحقیقات قبل از قبل مکمل کر لی تھی۔

اب جبکہ ریزرو بنک قایم ہو چکا ہے اس امر کی توقع کی جاتی ہے کہ ہندوستان کے بازار زر کی تنظیم جدید اور اس میں یکسانیت پیدا کی جائے گی۔ اس کے قدیم نقائص مثلاً بازار کے مختلف حصوں کے مابین باہمی تعلقات کا فقدان، حکومت اور امپیریل بنک کی جانب سے زر اور قرضہ کی نگرانی میں دوعملی، زر کی موقتی عدم تغیر پذیری اور اس کی اعلیٰ شرح اور ہنڈیوں کے قلیل استعمال کا ارتفاع

ہو سکے گا ان کے علاوہ اس بنک کے قیام سے عام طور پر ہندوستانی بنک کاری کے طریق کو تقویت پہونچیگی۔ بشرطیکہ ریزرو بنک اور ملکی بنک کاروں کے درمیان باہمی اشتراک عمل کا انتظام کیا جائے۔

حیدرآباد اسٹیٹ بنک | حیدرآباد اسٹیٹ بنک کا قانون ۱۹۴۱ء میں منظور ہوا۔ ۹ر ڈسمبر ۱۹۴۲ء کو حصہ داروں کا پہلا جلسہ عام منعقد ہوا۔ حیدرآباد اسٹیٹ بنک اس لئے قایم کیا گیا ہے کہ وہ ترویج زر کو منظم کرے اس کے استحکام وتحفظ کو برقرار رکھے۔ اندرون وبیرون ممالک محروسہ ادائی زر میں سہولت پیدا کرے۔ ملک کی معاشی زندگی کو ترقی دینے کے لئے ضروری قرضے فراہم کرے اور ممالک محروسہ میں زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت کی ترقی یا حوصلہ افزائی کرے۔

حیدرآباد اسٹیٹ بنک حصہ داروں کے ایک بنک کی حیثیت سے قایم کیا گیا ہے اور اس کے قانون میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ بنک آبادی کے تمام طبقوں کی ضروریات، بنک کاری کی تکمیل اور ان کے مفاد کی حفاظت کرسکے۔ اس کا کامل طور سے ادا شدہ سرمایہ ۷۵ لاکھ روپے سکۂ عثمانیہ ہے ہر حصہ کی قیمت سو روپے ہے۔ ایک کروڑ پچاس لاکھ روپے کے مجوزہ سرمایہ میں سے ۷۵ لاکھ روپے مجموعی رقم کے حصص جاری کئے گئے جس میں سے ۳۰ لاکھ ۲۵ ہزار روپے کے حصص حکومت کیلئے مختص کردیئے گئے اور باقی ماندہ حصص عوام نے خریدے۔

اس بنک کی مجلس نظماء میں حکومت کے نامزد کردہ اور حصہ داروں کے منتخب کردہ دونوں قسم کے نظماء شامل ہیں اور اس انتظام کی وجہ سے یہ بنک اس قابل ہوگیا ہے کہ حکومت کی ساکھ سے پورا فائدہ اُٹھائے اور باشندوں کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ملک کے معاشی وسائل سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرے۔ حکومت سرکار عالی نے اس بنک کے جاری کردہ سرمایہ حصص کا ۵۱ فی صد حصہ خریدا ہے اور ایسا کرنا ضروری تصور کیا گیا کیونکہ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ حکومت کی تمام نقدی سلک بنک کے پاس امانت رکھی جائے۔ مختلف محفوظ سرمایہ کا انتظام بھی اس کے تفویض کردیا جائے جن میں

سرمایہ محفوظ زرکاغذی، قرضہ ہائے عامہ کا انتظام اور حکومت کے کارندے کے طور پر کرنسی نوٹوں اور سکوں کی اجرائی جیسے امور شامل ہیں۔

اسٹیٹ بنک کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً حکومت کے جاری کردہ اعلانوں کے ذریعہ مقرر کی ہوئی اقل ترین اور بیش ترین شرحوں پر برطانوی روپیوں کی خرید و فروخت کرے اور اس طرز کار کی وجہ سے یہ بنک اس قابل ہوجاتا ہے کہ شرح مبادلہ کے اتار چڑھاؤ کو حکومت کی مقرر کردہ حدود (یعنی ۱۰۰ روپے کلدار کے معاوضہ میں ۱۱۶ آنا ۱۱/روپیہ حالی) کے اندر برقرار رکھنے پر قابو رکھ سکے۔

اس بنک کے تمام حصص پر کم از کم تین فی صدی سالانہ منافع دینا واجب ہے اور اس منافع کی مستقل ادائی کی ضمانت حکومت نے لی ہے۔

ممالک محروسہ کے تمام اہم تجارتی مرکزوں اور اضلاع کے صدر مقاموں میں اسٹیٹ بنک کی شاخیں قایم کرنے کی تجویز بھی زیر غور ہے۔ ورنگل گلبرگہ رائچور اور لاتور میں اس کی شاخیں قایم ہو چکی ہیں۔

امپیریل بنک آف انڈیا ریزرو بنک کے قیام کے بعد امپیریل بنک آف انڈیا نے ملک کے سب سے بڑے تجارتی بنک کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ ریزرو بنک کا واحد کارندہ مقرر ہونے کی وجہ سے یہ بنک جو عملاً حکومت کے فاضلات کی نگرانی کرتا ہے ایک خصوصی قانون کا پابند ہے۔ جس کی رو سے اسکے دائرۂ عمل پر تحدیدات عاید کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بنک چھ ماہ سے زائد عرصہ کے لئے یا غیر منقولہ جائداد مثلاً زمینات کی ضمانت پر قرضہ نہیں دے سکتا۔ لیکن انگلستان میں امانتوں کو قبول کرنے اور قرضے حاصل کرنے یا ممالک غیر کے کاروبار مبادلہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں جو قدیم پابندیاں عاید تھیں ان سے اب یہ بنک آزاد ہے۔ امپیریل بنک امانتیں قبول کرسکتا ہے قرضہ پر رقمیں دے سکتا ہے حکومت کے تمسکات، اسٹیٹ ریلوے بانڈز، بلدیہ اور مقامی مجالس کے ڈبنچر یا پرامیسری نوٹ پر نقد قرضے ایصال کرسکتا ہے۔ اس بنک کو ہنڈی قبول کرنے ان پر بٹہ حاصل کرنے اور ان کو فروخت اور دوسرے قابل بیع و شریٰ تمسکات کو قبول کرنے کی اجازت ہے اور بحیثیت وصی جائدادوں کے نظم و نسق کی ذمہ داری

بھی یہ بنک قبول کر سکتا ہے۔ اور بھی چند اختیارات اس بنک کو حاصل ہیں جنکی تفصیل موجب طوالت ہے۔

امپیریل بنک کی ۱۶۱ شاخیں ہیں۔ ہندوستان میں کسی بنک کی اس قدر شاخیں نہیں ہیں۔ پریسیڈنسی شہروں میں اس کے تین مقامی صدر دفتر قایم ہیں اور مقامی مجالس نظماء کے ذریعہ ہر شاخ کے کاروبار کی نگرانی اور انتظام کیا جاتا ہے۔ امپیریل بنک آف انڈیا کے کاروبار پر نگرانی قائم رکھنے کے لئے ایک مرکزی مجلس نظماء قایم ہے جو مقامی مجالس کے صدر اور نائب صدر وں میں سے منتخب شدہ ایک رکن ایک منیجنگ اور ایک ڈپٹی مانیجنگ ڈائرکٹر جن کو مرکزی مجلس مقرر کرتی ہے دو اراکین جن کو گورنر جنرل باجلاس کونسل نامزد کرتے ہیں اور مقامی مجالس کے معتمدین پر مشتمل ہوتی ہے۔ امپیریل بنک کا سرمایہ اور مد محفوظ ۱۵ کروڑ روپے ہے۔ ۱۹۳۷ء میں ادا شدہ سرمایہ ۵ کروڑ ۶۲ لاکھ اور ذخیرہ محفوظ ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے ہے۔ جملہ اماتی رقم تقریباً ۸۱ کروڑ روپیہ ہے۔ بنک کے لئے لازم ہے کہ اپنے اثاثے اور ذمہ داریوں کا ہفتہ وار تختہ شائع کرے۔

امپیریل بنک کی ایک شاخ حیدر آباد میں ۱۸۶۸ء میں قایم ہوئی۔ اضلاع ناندیڑ، پربھنی، نظام آباد اور گلبرگہ میں بھی امپیریل بنک کی ایجنسیاں قایم ہیں۔

<u>مبادلہ بنک</u> ہندوستان میں کم و بیش سترہ مبادلہ بنک کام کر رہے ہیں۔ ان تمام بنکوں کے صدر دفاتر بیرون ہند میں قایم ہیں۔ یہاں ان کی شاخیں کام کرتی ہیں۔ ان میں سب سے اہم برطانوی بنک ہیں جنکی تعداد آٹھ ہے۔ دوسرے ممالک جن سے ہندوستان کے تجارتی تعلقات وابستہ ہیں انہوں نے ہندوستان میں اپنے مبادلہ بنک قائم کر رکھے ہیں۔ مبادلہ بنکوں کی سرکاری تقسیم حسب ذیل ہے۔

(۱) جو ہندوستان میں ایک قابل لحاظ پیمانہ پر کاروبار انجام دیتے ہیں اور جن کی امانتوں کا ۲۵ فی صدی ہندوستان میں محفوظ ہے۔ مثلاً نیشنل بنک آف انڈیا یا چارٹرڈ بنک آف انڈیا۔

(۲) وہ بنک جو ایسے بڑے بنکوں کی ایجنسیاں ہیں جو تمام ایشیا میں اپنا کاروبار انجام دے رہے ہیں اور جنکی امانتوں کا ۲۵ فی صدی سے کم ہندوستان میں محفوظ ہے۔

مبادلات خارجہ کے کاروبار میں ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنکوں کا بہت کم حصہ ہے

اس کے وجوہ یہ ہیں۔(۱) ضرورت کے بموجب سرمایہ کا فقدان ہے۔(۲) بیرونی مرکزوں میں شاخوں کی غیر موجودگی (۳) بیرونی مبادلہ بنکوں کے استحکام اور قدیم سے جاری رہنے کی وجہ سے ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بہرحال پہلا ہندوستانی ایکسچینج بنک سنٹرل بنک آف انڈیا کے زیر سرپرستی لندن میں قائم ہوا لیکن بعد میں اس کا انضمام برکلے بنک لمیٹیڈ لندن کے ساتھ ۱۹۳۰ء میں عمل میں آیا۔

مبادلہ بنکوں کا اصلی کاروبار خارجی ہنڈیوں کی خریدی اور اس پر بٹہ کاٹنے کے ذریعہ ہندوستان کی تجارت خارجہ کو مالی امداد بہم پہونچانا ہے۔ یہ بنک اصل میں برآمدی ہنڈیوں پر لین دین کرتے ہیں یہ ہنڈیاں زیادہ تر وہ ہوتی ہیں جن کو ہندوستان کے ایسے تاجر جو اپنا مال باہر بھیجتے ہیں فروخت کرتے ہیں۔ بعد ازاں یہ ہنڈیاں لندن کو ارسال کی جاتی ہیں۔ لندن کے بنک ان پر دوبارہ بٹہ کاٹتے ہیں اور اپنے اسٹرلنگ فاضلات کی طمانیت پر جس میں خارجی ہنڈیاں خریدنے کی وجہ سے اور مزید اضافہ ہوتا ہے مبادلہ بنک ہندوستانی ریزرو بنک کو اسٹرلنگ فروخت کرتے ہیں۔ ریزرو بنک اس کا اس وجہ سے ضرورت مند رہتا ہے کہ وہ اس کو مطالبات وطن کی ادائی میں وزیر ہند کو ارسال کرنے میں استعمال کرسکے۔ دوسرے اشخاص مثلاً مال بیرونی ممالک سے ہندوستان میں درآمد کرنے والے یا طلباء جو بیرون ہند میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے سرپرست بھی مبادلہ بنکوں سے اسٹرلنگ ڈرافٹ لندن میں ادائی کے لئے خریدتے ہیں۔ اصول توازن تجارت کے حسب ضرورت یہ بنک یا تو سونا درآمد یا برآمد کرتے ہیں۔ ہندوستان کی درآمدی تجارت کو مالی امداد بہم پہونچانے میں مبادلہ بنکوں کی شاخیں جو بیرون ہند قایم ہیں بہت اہم اور نمایاں حصہ لیتی ہیں۔ اس کاروبار میں ہندوستانی شاخوں کا یہ کام ہے کہ ادائی کے زمانہ میں درآمدی ہنڈیاں (جو ہندوستانی درآمد کنندگان کے نام تحریر کئے جاتے ہیں) اکٹھا کرکے اپنے بیرونی صدر دفاتر اور شاخوں کو ان ہندوستانی درآمد کنندگان کی حیثیت اور وسائل کی نسبت معلومات بہم پہونچائیں جن کے نام بیرونی قرض خواہ ہنڈیاں حاصل کرتے ہیں۔

مبادلہ بنک مبادلات خارجہ کے کاروبار کے علاوہ معمولی بنک کاری کے کاروبار بھی انجام دیتے ہیں اس طرح وہ ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنکوں سے بھی مسابقت کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے بعض مبادلہ بنکوں نے اندرون ملک مثلاً کانپور اور دہلی میں بھی اپنی شاخیں قایم کی ہیں اور اس طرح ہندوستان کی داخلی تجارت کے لئے سرمایہ فراہم کرنے میں حصہ لیتے ہیں یہ بنک خود ہندوستانیں بمقدار کثیر امانتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں (چنانچہ ۱۹۳۷ء میں امانتوں کی مقدار ۵۷ کروڑ ۲۲ لاکھ روپے تھی) بہر حال ہندوستانی مشترک سرمایہ دار بنکوں کو داخلی تجارت اور معمولی بنک کاری کے میدان میں بھی بیرونی مہیب رقابتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ملک کی خارجی تجارت کے کاروبار میں ہندوستان کو زیادہ سے زیادہ موقع بہم پہونچانے کے لئے مرکزی بنکنگ انکوائیری کمیٹی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مبادلات خارجہ کے بنکوں پر اجازت ناموں کی قید عاید کر کے ان پر نگرانی قایم کی جائے۔ اس کی دوسری تجویز یہ ہے کہ اگر امپیریل بنک مبادلات خارجہ کے کاروبار کو وسعت دینے میں ناکام رہے جس کے اختیار کرنے میں اب وہ آزاد ہے تو ایک خانگی ہندوستانی مبادلہ بنک حکومت کی امداد کے ساتھ قایم کیا جائے۔

مشترک سرمایہ دار بنک | ہندوستان میں مشترک سرمایہ دار بنکوں کی حالیہ ترقی کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے ان بنکوں کی نوعیت بڑی حد تک تجارتی ہے اور صرف قلیل المیعاد قرضے ایصال کرتے ہیں۔ یہ امانتیں قبول کرتے اور مقامی ہنڈیوں پر بٹہ کاٹتے، نقد قرضے کے کھاتے کھولتے، صرافہ کے تمسکات غلے یا کپاس کی کفالت پر قرضے دیتے، کمپنیوں کے حصے خریدتے اور ان کو فروخت کرنے کے علاوہ متفرق بنک کاری کے کاروبار بھی انجام دیتے ہیں۔ ۳۱ ڈسمبر ۱۹۳۷ء تک مشترک سرمایہ دار بنکوں کی تعداد ۱۵ تھی اور ان کا اصل اور محفوظ سرمایہ ایک کروڑ روپے سے زاید تھا۔ ان کا اداشدہ سرمایہ ۷ کروڑ ۳ ، ۷ لاکھ روپے مابقی سرمایہ بشمول مد محفوظ ۶ کروڑ ۲۷ لاکھ روپے امانتیں ۰۸.۰ اکروڑ ۶۶ لاکھ اور نقد فاضلات کی مقدار ۸ا کروڑ ۱۳ لاکھ روپے تھی ہندوستان کے پانچ بڑے بنک، بنک آف انڈیا، سنٹرل بنک آف انڈیا (جو ایک ایسے کامیاب

بنک کی نمایاں مثال ہے جسکی ملکیت اور انتظام ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے)، پنجاب نیشنل بنک، بنک آف بڑودہ اور الہ آباد بنک ہیں۔ ۱۴-۱۹۱۳ء میں بنکوں کی ناکامی کے بعد سے ہندوستان میں مشترک سرمایہ دار بنکوں میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے زیادہ توجہ مبذول کیگئی ہے۔

ہندوستان میں بنکوں کی ناکامی کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

(۱) نقد فاضلات کی عدم فراہمی (۲) اداشدہ سرمایہ کی قلت (۳) تجربہ کار اور تربیت یافتہ منیجروں کا فقدان (۴) غیر محتاط قرضے (۵) بعض صورتوں میں فریب دہی۔

مرکزی بنکنگ انکوائری کمیٹی نے ایک خاص قانون بنک کے نفاذ کی سفارش کی ہے کیونکہ موجودہ ہندوستانی کمپنیوں کا قانون جو تمام قسم کے مشترک سرمایہ دار کمپنیوں پر حاوی ہے بنکوں میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے قطعاً ناکافی ہے اگرچہ کہ ہندوستانی کمپنیوں کے مرمہ قانون بابتہ ۱۹۳۶ء میں بنکنگ کمپنیوں میں زیادہ باقاعدگی پیدا کرنے کے خیال سے بعض دفعات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ریزرو بنک کے زیر نگرانی ملک میں مشترک سرمایہ دار بنکوں کے قیام کی کافی وسعت ہے۔

مملکت آصفیہ میں بنک کاری | تقریباً دس سال قبل بنک کاری کی تحقیقات کے متعلق خان بہادر احمد محی الدین صاحب ڈپٹی مینجنگ ڈائرکٹر حیدرآباد اسٹیٹ بنک نے سرکاری طور پر رپورٹ مرتب کی تھی۔ مملکت آصفیہ میں بنک کاری کی موجودہ صورت یہ ہے کہ بہت سا بیرونی سرمایہ ملک میں منافع کما رہا ہے اور باہر چلا جارہا ہے اور خود ملک کی بڑی رقمیں باہر کی بنکوں میں بغرض حفاظت جمع ہوکر باہر فائدہ پہنچارہی ہیں۔ یہ حالت فلاح ملک کے منافی ہے۔ ضرورت ہے کہ اعلیٰ اور متوسط طبقے سب کے اندوختے بنکوں میں جمع ہوکر قلت سرمایہ کی دشواری رفع کریں اور بنکوں کے ذریعہ کاروبار کو مالی امداد ملے۔ یہ سچ ہے کہ بنک چلانا کوئی آسان کام نہیں ہے لیکن جو کام دوسرے ملکوں میں کامیابی سے انجام پارہے ہیں وہ یہاں کیوں محال سمجھے جائیں۔

سنٹرل بنک آف انڈیا کی ایک شاخ حیدرآباد میں ۱۹۳۳ء میں قایم ہوئی۔ اس کی شاخیں جالنہ، سیلو، ورنگل، رائچور، اورنگ آباد اور لاتور میں قایم ہیں۔ مملکت آصفیہ میں مشترکہ

سرمایہ دار بنکوں کی تعداد ۱۹۳۹ء میں ۲۲ تھی۔ حال ہی میں ایک کروڑ روپے کے سرمایہ سے اورنگ آباد میں ایک بنک قایم ہوا ہے۔ حیدرآباد اسٹیٹ بنک کے زیر نگرانی ملک میں مشترک سرمایہ دار بنکوں کے قیام کی کافی گنجائش موجود ہے۔

حیدرآباد اسٹاک اکسچینج حکومت سرکار عالی نے حیدرآباد میں ایک منظم اسٹاک اکسچینج کے قیام کی ضرورت محسوس کی تاکہ مقامی اداروں سے وسیع مفاد وابستہ رکھنے والے برطانوی ہند کے سرمایہ کاروں کے علاوہ حکومت سرکار عالی اور ممالک محروسہ کے سرمایہ دار بھی بنک کاری اور صنعت وحرفت میں کثیر اصل صرف کر رہے ہیں تمسکات کی منتقلی حیدرآباد میں وسیع پیمانہ پر جاری ہے۔ متعدد دلال اور بنک کار خود اپنی یا اصل کاروبار والے اشخاص کی جانب سے حیدرآباد اور بمبئی کے مارکٹوں میں یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ ان حالات کے تحت یہ محسوس کیا گیا کہ اگر یہ کاروبار کسی باقاعدہ اسٹاک اکسچینج کے ذریعہ منظم نہیں کیا گیا تو ممکن ہے کہ عوام کے لئے اس کے نتائج بہتر نہ ہوں اور ایسی صورتیں پیدا ہو جائیں جن سے سٹہ بازی کا اندیشہ ہو۔

اس وجہ سے حکومت نے نواب کمال یار جنگ کی صدارت میں ایک کمیٹی کا اعلان کیا تاکہ ایک دستور مرتب کرئے جس کے تحت حیدرآبادی صرافہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔ کمیٹی کی سفارشات میں اکسچینج کے حسب ذیل مقاصد مقرر کئے گئے ہیں۔ (۱) تمسکات کے کاروبار کو بہتر طور پر منظم کرنا۔ (۲) ناپسندیدہ طریقوں کو مسدود کرنا (۳) ارکین کے باہمی نزاعات اور ارکین اور اُن کے انتخاب کنندوں کے درمیان نزاعات میں ثالثی کرنا اور تصفیہ کرنا۔ (۴) جب مقدار کاروبار اس کی اجازت دے تو ہنڈیاں پٹانے کے لئے حساب گھر کا انتظام کرنا۔ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں جو قواعد وضوابط تجویز کئے ہیں وہ مختصراً حسب ذیل ہیں۔ اکسچینج کی نگرانی ایک مجلس انتظامی کے سپرد ہوگی جس کے ارکین حکومت اسٹیٹ بنک کمیٹی ساہوکاران ایوان تجارت اور ارکین اسٹاک اکسچینج پر مشتمل ہونگے۔ بورڈ کا فرض ہوگا کہ وہ ایسے تمسکات کی فہرست کا تعین کرے جن کے لین دین کی اجازت ہوگی۔ بورڈ دلالی کی شرح مقرر کرے گا اور اکسچینج اور اس کے سرمایہ کے کاروبار کی نگرانی کرے گا۔ ۱۹۴۳ء میں حیدرآباد میں

سر پرشوتم داس ٹھاکرداس نے حیدرآباد اسٹاک اکسچینج کا افتتاح کیا۔

ہندوستان میں دوسرے قسم کے بنک | اس سے قبل امداد باہمی اور زمین گروی بنکوں کا ذکر کیا جاچکا ہے ملک میں کسی بنک کاری کا کوئی خاص انتظام موجود نہیں ہے جو صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے مشنری کی خریدی اور کارخانوں کے تعمیری اغراض کے لئے طویل المیعاد قرضے دے اس قسم کے بنکوں کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے صنعتی کمیشن اور مرکزی بنکنگ انکوائری کمیٹی نے بھی اس کی ضرورت پر بہت زور دیا ہے۔ آخرالذکر کمیٹی نے صوبہ داری حکومتوں اور ایک کل ہند صنعتی کارپوریشن کی مدد سے ہر صوبہ میں ایک صوبہ واری صنعتی کارپوریشن کے قیام کی سفارش کی ہے۔ حکومت کی جانب سے مدراس، پنجاب اور بنگال میں قانون امداد صنعت کے تحت قرضے عطا کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ امداد صرف گھریلو صنعتوں کی حد تک محدود ہے۔ صنعتی بنکوں کی ضرورت اب بھی برابر محسوس کی جارہی ہے۔ تاکہ پیمانہ کبیر کی صنعتوں کے لئے طویل المیعاد قرضے فراہم کئے جاسکیں۔ اس موقع پر ڈاک خانوں کے سیونگ بنک کا ذکر بھی ضروری ہے جو ہندوستان کے تمام حصوں میں ۱۸۸۲ء اور ۱۸۸۳ء میں قایم ہوئے۔ ادنیٰ اور متوسط طبقوں کے لئے یہ بنک رقم بطور امانت محفوظ رکھنے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوئے ہیں۔ حکومت رقم کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ ڈاک خانوں کے سیونگ بنک کی تعداد ۱۹۴۲ء۔۴۳ء میں ۱۲۶۳۱ کھاتہ داروں کی تعداد ۳۷۸۶۴۹۵ اور امانتی رقوم کی مجموعی مقدار ۷۷ کروڑ ۵ لاکھ روپے تھی۔ سیونگ بنک امانتوں پر دو فی صدی سود ادا کرتے ہیں جو کسی وقت بھی بعض شرائط کی تکمیل کے بعد بہ آسانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہر شخص سالانہ ۷۵۰ روپے جمع کراسکتا ہے مجموعی امانت کی اعظم ترین مقدار جو کھاتہ میں جمع کرائی جاسکتی ہے پانچ ہزار روپے اور اقل ترین مقدار چار آنے ہے۔ ان بنکوں سے رقم ہفتہ میں صرف ایک بار حاصل کی جاسکتی ہے۔

۱۹۴۱ء میں ڈاک خانوں نے قلیل مقدار کے مدافعتی قرضوں کا بھی انتظام کیا ہے جس پر زاید شرح سے سود ملتا ہے۔ ۱۹۴۲ء۔۴۳ء میں اس کی مقدار ۵ کروڑ ۶۴ لاکھ روپے تھی۔

۱۹۲۷ء کے بعد سے ڈاک خانوں میں پس اندازی کا ایک نیا طریقہ جاری ہوا ہے اس کے لئے

پانچ سالہ پوسٹل کیاش سرٹیفکٹس دس روپے سے لیکر دس ہزار روپے تک کے اجرا کئے جاتے ہیں۔ ان پوسٹل کیاش سرٹیفکٹس کی مجموعی مقدار ۴۳ - ۱۹۴۲ء میں ۶۹ کروڑ ۲ لاکھ روپے تھی۔ شرح سود کے مسلسل تخفیف کے باوجود ان سرٹیفکٹس کی طلب روز افزوں ہے۔ موجودہ زمانہ میں جو سونا برآمد ہورہا ہے اس کی فروخت کا کچھ حصہ ان سرٹیفکٹس میں لگا دیا جاتا ہے کوئی شخص دس ہزار سے زاید سرٹیفکٹس حاصل نہیں کرسکتا۔

مملکت آصفیہ میں سیونگ بنک | سرکار عالی کے ٹپہ خانوں میں سیونگ بنک قایم کرکے عوام کو کفایت شعاری اور پس اندازی کی کافی ترغیب دی جاتی ہے کیونکہ ان سیونگ بنکوں کے قیام کی وجہ سے دور افتادہ علاقوں میں بھی بنک کاری کی سہولتیں فراہم ہوگئیں ہیں اور عام طور پر انہیں امانتیں رکھنے کا ایک محفوظ ذریعہ تصور کیا جانے لگا ہے۔ ۱۹۴۲ء میں مملکت آصفیہ میں سیونگ بنک کے کھاتہ داروں کی تعداد ۵۴۴۸۴ اور ان بنکوں میں امانتی رقوم کی مجموعی مقدار ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے تھی۔

حال ہی میں ڈاک خانوں میں کیش سرٹیفیکٹ سسٹم کا طریقہ جاری کیا گیا ہے جس کے مطابق پانچ سال کی مدت کے لئے امانتیں رکھی جاتی ہیں شرح سود کا یہ حساب ہے کہ جتنی زیادہ مدت کے لئے رقم امانت رہے گی اتنی زیادہ سود کی شرح بھی ہوگی۔ فی الحال دس روپے سے لیکر پانچ ہزار روپے تک نو مختلف اقسام کے کیش سرٹیفکٹ جاری کئے جاتے ہیں۔

پس اندازی کی عادت | ہندوستانیوں کے رقم کے پس انداز کرنے کے سلسلہ میں بڑی اختلافی بحث پیدا ہوگئی ہے ہندوستان قیمتی دھاتوں یعنی سونے اور چاندی کا ایک غیر محدود خزانہ خیال کیا جاتا ہے ہندوستان کے اندوختہ کا تخمینہ ایک ارب پونڈ تک کیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ صنعتی اور گھریلو اغراض کے لئے سونے کا استعمال صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہ طریقہ یوروپین ممالک میں بھی رائج ہے اس کے علاوہ ہندوستان کی کثیر آبادی کے پیش نظر اندوختہ کی مجموعی مقدار کچھ زیادہ نہیں ہے ہندوستان سے سونے کی جو کثیر برآمد ہوئی اس سے ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت ہندوستانی اپنے اندوختہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ دفینہ کی شکل میں اس کو محفوظ رکھکر ضائع نہیں کیا جاتا۔ اندوختہ عموماً کم مقدار میں

ہوا کرتا ہے گھریلو اور صنعتی اغراض میں سونے اور چاندی کا استعمال رسوم و رواج اور قدیم روایات کی بنا پر مروج ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان میں اندوختہ کرنے کی عادت موجود ہے تاہم اس میں بڑے مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اندوختہ کرنے کی عادت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ پہلے زمانہ میں جان مال کی حفاظت سے لوگ مطمئن نہیں تھے۔ ہندوستان متعدد بیرونی حملہ آوروں کا نشانہ رہا ہے اس زمانہ میں جو عادت پیدا ہوئی اس کا سلسلہ امن و امان کے زمانہ میں بھی جاری ہے۔ عام طور پر یہاں کے باشندوں کا غیر تعلیم یافتہ ہونا اور بنک کاری کی مناسب سہولتوں کا نقدان بھی اس عادت کا سبب ہے۔

لوگوں کے اندوختہ کو پیدا آور اغراض میں لگانے کی ترغیب دینے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ڈاک خانوں کے سیونگ بنک اور امداد باہمی کی انجمنوں کی تعداد میں اضافہ کے علاوہ طلائی سرٹیفکٹس کی اجرائی عمل میں لائی جائے۔ طلائی سرٹیفکٹس سے یہ مراد ہے کہ ان کی ادائی میں خود سونا دیا جائے۔ امداد باہمی اور دوسری نوعیت کے چکوں کے استعمال اور بنک کارانہ سہولتوں میں وسعت اور قومی کفایتی اداروں کا قیام بھی ضروری ہے جن کے ذریعہ لوگوں میں کفایت شعاری کی عادت پیدا کی جائے۔ اور چھوٹی چھوٹی رقمیں پس انداز کرنے والوں کو محفوظ اور مفید امانتی ذرائع سے روشناس کرایا جائے۔ ناخواندگی کے ازالہ تعلیم کے ذریعہ معاشرتی اور مذہبی اصلاح اور عام روشن خیالی کی ترویج بھی اس مقصد کے حصول میں ممد و معاون ہو سکتی ہے۔

مزید بنکوں کی ضرورت | ہندوستان میں بنک کاری کی آسانیاں دوسرے ممالک کے مقابلہ میں بہت کم ہیں تمام ہندوستان میں اسا دسمبر ۱۹۳۷ء تک صرف ۷۸۵ بنکوں کے صدر دفاتر اور ۱۴۰۹ شاخیں تھیں اس میں ایجنسیاں بھی شامل ہیں ۲۷۵۵ قصبات کے منجملہ صرف چارسو قصبات میں بنکوں کی شاخیں یا ایجنسیاں ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ مشترک سرمایہ دارا اور امداد باہمی کے بنکوں کے قیام کی مہم آغاز ہو اور ان کی شاخیں ہندوستانی ریزرو بنک کی نگرانی اور رہبری میں قائم کی جائیں۔ نیز ملکی بنک کاروں کی خدمات سے بھی پوری طرح استفادہ کرنے کی غرض سے ان کو مشترک سرمایہ دار بنکوں کے ایجنٹ مقرر کیا جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ان بنکوں کو کاروبار باقاعدگی کے ساتھ جدید اصول پر چلانے کی بھی ضرورت ہے۔

باب ۷ - مالیات

تمہید | موجودہ زمانہ میں ہندوستانی مالیات میں بہت بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل سارے ہندوستان کے لئے ایک ہی موازنہ ہوتا تھا اور صرف مرکزی حکومت محصول عائد کرنے کی مجاز تھی۔ جنگ کے بعد سے عملی طور پر صوبہ واری مالیات کو مرکزی مالیات سے بالکل علحدہ کردیا گیا ہے۔ پچاس سال قبل آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ صرف مالگذاری تھا۔ اب آمدنی کے دوسرے ذرائع مثلاً کروڑگیری اور انکم ٹیکس بہت نمایاں حیثیت اختیار کرتے جارہے ہیں اور بعض ذرائع مثلاً افیون جنکو بڑی اہمیت حاصل تھی اب وہ کم ہوتی جارہی ہے۔ متوازن مالیاتی زمانہ میں اب ریلوے سے بھی سرکاری مالیات میں اضافہ کی توقع کی جاتی ہے اب ریلیں بار نہیں رہی ہیں۔

مرکزی موازنہ | حکومت ہند کا موازنہ بابتہ ۴۱-۱۹۴۰ء ذیل میں بطور تمہید درج کیا جاتا ہے تاکہ مرکزی حکومت کے اہم ترین ذرائع آمدنی اور ابواب خرچ کا علم ہوسکے۔

مرکزی موازنہ بابتہ ۴۱ - ۱۹۴۰ء

آمدنی	لاکھوں روپیوں میں	خرچ	لاکھوں روپیوں میں
اہم مدات آمدنی		آمدنی وصول کرنے کے اخراجات	۴۰۷
کروڑگیری	۳۷۸۶	اخراجات سرمایہ بہ کار آمد نمک اور دوسرے اخراجات	۱
مرکزی محاصل چنگی	۱۱۴۴	سرمایہ بہ ذمہ محاصل	
کارپوریشن ٹیکس	۵۴۰	ریلوے: سود اور متفرق مطالبات بموجب موازنہ ریلوے	۳۲۵۱
انکم ٹیکس بہ استثنائے کارپوریشن ٹیکس	۱۴۲۰	آب پاشی	۱۱
		ڈاک و تار	۶۹
نمک	۸۲۰	قرضوں کی ادائی	۱۲۱۱
افیون	۴۷	محکمہ جات سیول	۱۱۸۱

مد	رقم
متفرق	۱۰۱
میزان اہم مدات آمدنی	۷۸۴۸
ریلوے:۔ خالص آمدنی (جیسے موازنہ ریلوے)	۳۷۸۲
آب پاشی: خالص آمدنی	۱
ڈاک اور تار: خالص آمدنی	۱۰۷
قرضہ	۶۱
محکمہ جات سیول	۱۰۵
دار الضرب اور زر	۱۲۴
کارہائے تعمیرات اور متفرق ترقیات عامہ	۳۴
متفرق	۱۲۰
مدافعت	۵۸۹
غیر معمولی مدات	۴۰۳
میزان کل محاصل	۱۳۱۷۴
خسارہ	....
صدر میزان	۱۳۱۷۳

مد	رقم
دار الضرب اور زر	۶۲
کارہائے تعمیرات اور متفرق ترقیات عامہ	۳۲۳
متفرق	۳۶۶
مدافعت	۵۹۴۰
مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں کے متفرق حسابات	۳۰۵
غیر معمولی مدات	۴۱
میزان اخراجات	۱۳۱۶۸
بچت	۵
صدر میزان	۱۳۱۷۳

جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ ۱۹۲۵ء سے ریلوے کا موازنہ عام موازنہ سے علحدہ کردیا گیا ہے۔ ریلوے سے سالانہ مقررہ آمدنی مرکزی حکومت کو ادا کردی جاتی ہے۔ گورنر جنرل کی مجلس تنقیدی کا رکن صیغہ ریلوے عام موازنہ سے ایک ہفتہ قبل ریلوے کا موازنہ مرکزی مقننہ میں پیش کرتا ہے اور عام موازنہ ماہ فروری کے آخری دن رکن صیغہ مالیات اس مقننہ میں پیش کرتا ہے۔

اب مرکزی موازنہ کے خاص ابواب آمدنی پر بحث کی جائے گی۔

(۱) (الف) کروڑ گیری (درآمدی محاصل) حالیہ زمانہ تک ہندوستان کے محاصل آزاد تجارت کے

اصول پر مبنی تھے۔ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۹۴ء تک عملاً درآمد پر کوئی محصول عاید نہیں کیا جاتا تھا۔ ۱۸۹۴ء سے پانچ فی صدی کا ایک عام محصول بہ لحاظ قیمت تمام اشیاء درآمد پر عاید کیا گیا جس سے چند اشیاء مثلاً سوت اور پارچہ جات کو مستثنیٰ کیا گیا۔ اس محصول کا مقصد آمد حاصل کرنا تھا۔ ملکی صنعت کی حفاظت مقصود نہ تھی۔ ۱۸۹۴ء کے ختم پر سوت اور پارچہ جات پر بھی محصول عاید کر دیا گیا۔ ۱۸۹۶ء میں پارچہ جات کا محصول ۳½ فی صدی تک کم کر دیا گیا اور اسی قدر چنگی ہندوستانی کارخانوں کے ساختہ پارچہ جات پر بھی عاید کی گئی۔ ہندوستان میں چنگی کی بہت مخالفت ہوئی لیکن ۱۹۲۶ء تک یہ باقی رکھی گئی۔ جنگ ۱۹۱۴-۱۸ء کے بعد سے محاصل میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ مختلف اشیاء درآمد پر مختلف مقدار کے محاصل عائد کئے گئے۔ ابتداً محض حصول آمدنی کی غرض سے یہ محاصل عاید کئے گئے تاکہ نظم و نسق کے زائد مصارف کی پابجائی ہو سکے۔ ۱۹۲۴ء میں امتیازی محصول کی پالیسی اختیار کی گئی اور اس کے بموجب چند درآمدی محاصل (جنکی تعداد میں مسلسل اضافہ عمل میں آرہا ہے) بعض منتخب صنعتوں پر تامینی اغراض کے تحت عائد کئے گئے۔ اس کے بعد ہندوستان کے نظام محاصل میں شاہی ترجیح کا خیال پیدا ہوا۔ ۲۰ اگسٹ ۱۹۳۲ء کو بمقام اٹاوا ہندوستان اور سلطنت متحدہ برطانیہ کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ ہوا اور اس کے بعد ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کو لوہے اور فولاد کے متعلق بطور ضمیمہ ایک عارضی راضی نامہ طے ہوا ان معاہدوں کا واضح مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کی برآمدی تجارت کو خطرات سے محفوظ رکھا جائے اور کساد بازاری سے نجات حاصل ہو اور ممکنہ حد تک ترقی کی نئی راہیں کھول دی جائیں۔ ان مراعات کے معاوضہ میں جو سلطنت متحدہ برطانیہ میں بعض ہندوستانی اشیاء کو عطا کی گئی برطانوی اشیاء کو بھی ہندوستانی بازار میں مماثل مراعات منظور کی گئی ہیں۔ ہندوستانی تامینی محاصل جو اب تک ایک طرفہ تھے اب دو طرفہ ہو گئے ہیں۔ یعنی پہلے مختلف ملکوں کی درآمد میں چند صورتوں کو چھوڑ کر کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا لیکن اب دو قسم کے درآمدی محصول وصول کئے جاتے ہیں۔ ایک تو اعلیٰ محصول ان اشیاء پر جو سلطنت متحدہ برطانیہ کے سوا دوسرے ملکوں سے درآمد ہوتے ہیں دوسرے ادنیٰ محصول جو برطانوی مصنوعات پر

عاید کیا جاتا ہے۔ درآمدی اشیاء پر جو اعلیٰ محصول عاید کیا جاتا ہے وہ بعض صورتوں میں بہ لحاظ قیمت ۵۰ فی صدی تک بھی پہونچ جاتا ہے ایسے اشیا کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اس سلسلہ میں حسب ذیل اشیاء قابل ذکر ہیں۔ پارچہ جات ریلوے کا ساز و سامان، شکر، دیا سلائی، موٹریں، سینما فلمس، گھڑیالیں، ریشمی پارچہ، تمباکو، سگار، سگریٹ، کروسین پٹرولیم، چاندی، شراب اور اسپرٹ وغیرہ۔

(ب) کروڑگیری (برآمدی محاصل)۔ ۱۸۶۰ء تک عملاً تمام برآمدی اشیاء پر تین فی صد محصول عاید کیا جاتا تھا۔ لیکن ۱۸۶۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان اکثر اشیاء پر محصول منسوخ کردیا گیا۔ حالیہ زمانہ میں صرف جوٹ اور جوٹ کی مصنوعات اور چانول پر برآمدی محصول قایم ہے۔ جوٹ کی پیداوار کے صوبہ جات (بنگال، آسام اور بہار) کو جوٹ کے برآمدی محاصل سے امداد عطا کی جاتی ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد سے کروڑگیری کی آمدنی میں بہت ترقی ہورہی ہے۔ چنانچہ برما کی علیحدگی کی وجہ سے آمدنی میں خسارہ کے باوجود اس کی آمدنی ۱۴-۱۹۱۳ء کے مابین ۱۱ کروڑ ۱۲ لاکھ روپے سے ۳۹-۱۹۳۸ء میں ۴۳ کروڑ ۱۸ لاکھ روپئے تک پہونچ گئی۔ آمدنی میں اضافہ کیلئے کروڑگیری کی آمدنی پر انحصار کا رجحان بڑھتا جارہا ہے[۱]۔ ۴۲-۱۹۴۱ء کے مابین ۴۳ کروڑ ۵۷ لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے کروڑگیری کی آمدنی متاثر ہوئی ہے کیونکہ محوری ممالک سے تجارت بند ہوچکی ہے۔ درآمد پر قیود عاید ہوچکے ہیں اور جہازرانی گھٹ گئی ہے۔

انکم ٹیکس۔ ہندوستان میں مستقل طور پر انکم ٹیکس ۱۸۸۶ء سے جاری کیا گیا۔ گذشتہ جنگ سے قبل، انکم ٹیکس کے ذریعہ سالانہ صرف تقریباً تین کروڑ روپے وصول ہوتے تھے۔ شرح میں مسلسل اضافہ کی وجہ سے اب تقریباً پندرہ کروڑ روپیہ سے زاید وصول ہوجاتے ہیں۔ ٹیکس کی ایک خفیف رقم

---

[۱] محصول چنگی کو ابتداً محصول کروڑگیری کے تحت شامل کیا گیا تھا۔ اب اس کو علیحدہ کردیا گیا ہے جس کی آمدنی کا اندازہ موازنہ بابتہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں ۷ کروڑ ۱۷ لاکھ روپیہ کیا گیا ہے ۱۹۳۴ء میں شکر اور دیاسلائی پر عاید کیا گیا اور کروسین اور موٹر اسپرٹ پر جو ہندوستان میں تیار کیا جاتا ہے محصول نمک کر علیحدہ دکھلایا گیا ہے۔

جو صوبہ جات کو ادا کی جاتی ہے وہ اس میں شامل نہیں ہے نیز برما کی علحدگی کی وجہ سے بھی آمدنی کچھ متاثر ہوئی۔

۱۹۱۶ء سے آمدنی کے لحاظ سے ٹیکس کی شرح مختلف کردی گئی ہے۔ بڑی آمدنیوں پر زیادہ اور کم آمدنیوں پر کم شرح سے ٹیکس عاید کیا جاتا ہے۔ معمولی انکم ٹیکس کے علاوہ سوپر ٹیکس ان لوگوں کو ادا کرنا پڑتا ہے جنکی آمدنی ۲۵ ہزار سالانہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ انکم ٹیکس کے ترمیمی قانون بابتہ ۱۹۳۹ء کی رو سے آمدنی کے ہر جز پر تدریجی طریقہ سے شرح محصول میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ لیکن قدیم نظام کے تحت جملہ آمدنی پر ایک ہی شرح سے محصول لگایا جاتا تھا اور یہ شرح آمدنی کے ساتھ بڑھتی جاتی تھی۔ جدید قانون کے تحت سالانہ آمدنی کا پہلا جز بقدر ۱۵۰۰ روپے محصول سے مستثنیٰ ہے۔ ۱۵۰۰ کے بعد ۳۵۰۰ روپے آمدنی پر فی روپیہ نو پائی ادا کرنے پڑتے ہیں اس کے بعد مزید پانچ ہزار روپے آمدنی پر ایک آنہ تین پائی فی روپیہ ادا کرنے پڑتے ہیں اس کے بعد اگر مزید پانچ ہزار آمدنی ہو تو دو آنہ فی روپیہ ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ آمدنی پر دو آنہ چھ پائی فی روپیہ محصول مقرر ہے۔

موجودہ جنگ کی وجہ سے مارچ ۱۹۴۰ء سے محصول زاید منافع پچاس فی صد عاید کیا گیا ۴۲-۱۹۴۱ء میں محصول زائد منافع بجائے پچاس فی صد کے ۶۶ ⅔ فی صد کر دیا گیا۔ محصول آمدنی وسوپر ٹیکس میں ۲۵ فی صدی سے ۳۳ ⅓ فی صدی کا اضافہ کر دیا گیا۔ ۴۳-۱۹۴۲ء میں انکم ٹیکس وسوپر ٹیکس کی شرح بجائے سادہ رکھنے کے درجہ داری شرح مقرر کی گئی اور بڑی آمدنیوں پر زیادہ محصول لگایا گیا۔ ۴۴-۱۹۴۳ء میں انکم ٹیکس میں اضافہ کیا گیا۔ پانچ ہزار تا دس ہزار کے لئے دس پائی فی روپیہ۔ دس ہزار تا ۱۵ ہزار کے لئے ۱۶ پائی فی روپیہ ۱۵ ہزار سے زاید کے لئے ۲۰ پائی فی روپیہ مقرر کیا گیا۔ اسی سال سوپر ٹیکس میں بھی اضافہ کیا گیا ۲۵ ہزار اور ۳ لاکھ کی درمیانی آمدنی پر آدھ آنہ فی روپیہ مقرر کیا گیا۔

نمک :- برطانوی حکومت کو نمک کی آمدنی اور دوسرے محاصل راہ داری اپنی پیش رو حکومتوں سے ورثہ میں ملے ہیں۔ محاصل راہ داری ۱۸۴۳ء میں موقوف کر دیے گئے لیکن محصول نمک کو قایم رکھا گیا اور اسمیں اضافہ بھی ہوا۔ ابتدا میں اس کی شرح بہت زیادہ تھی۔ ۱۸۶۲ء میں دو روپے اور ۱۸۸۰ء میں دو روپے

آٹھ آنے فی من تھی۔ ۱۹۰۳ء سے یہ شرح بحیثیت مجموعی گھٹ رہی ہے۔ اب ایک روپیہ چار آنے فی من ہے یا اگر ۱۹۳۱ء کے زاید ٹیکس کو بھی شامل کرلیا جائے تو ایک روپیہ نو آنے۔ برآمدی نمک پر ایک زاید حفاظتی محصول لگایا جاتا ہے۔

محصول نمک چونکہ ضروریات زندگی پر ٹیکس ہے اس لئے غیر مقبول ہے۔ رائے عامہ اس ٹیکس کو سرے سے موقوف کردینے کی حامی ہے۔ محصول نمک کو فوراً موقوف کردینا ممکن نہیں ہے کیونکہ اس سے ہر سال آٹھ کروڑ روپے کی آمدنی کم ہوجائے گی۔

افیون | افیون کے مد سے کسی زمانہ میں سالانہ تقریباً آٹھ کروڑ روپے کی قابل لحاظ آمدنی ہوتی تھی۔ لیکن ملک چین میں اس کے استعمال کو دور کرنے میں مدد دینے کی غرض سے حکومت ہندنے ۱۹۰۷ء میں چین سے ایک معاہدہ کیا اور پھر ۱۹۱۱ء میں یہ معاہدہ کیا گیا کہ ہندوستان سے چین کو افیون کی برآمد میں تدریجاً کمی کی جائیگی۔ ۱۹۱۶ء میں ایک اعلان ہوا کہ سوائے طبی اغراض کے افیون کی برآمد بند کردی جائیگی چنانچہ اس پر عمل کیا جارہا ہے۔ ملک میں اس کے بطور ادویہ استعمال کرنے میں بھی باضابطہ نگرانی کی جاتی ہے۔ افیون کی آمدنی ایک کروڑ روپے سے زاید گھٹ گئی ہے۔

صوبہ داری آمدنی | اب تک مرکزی حکومت کے مدات آمدنی پر بحث کی گئی۔ اب صوبہ داری ابواب آمدنی پر غور کیا جائے گا۔

صفحات (۲۴۹ تا ۲۵۰) کے تختہ جات سے اصلی آمدنی اور اخراجات کے خاص ابواب پر ایک عام اندازہ اور مختلف صوبہ جات میں ان کی اضافی اہمیت واضح ہوسکتی ہے۔

(۱) مالگذاری۔ باب سوم میں مالگذاری پر بحث ہوچکی ہے۔ ۴۰-۱۹۳۹ء میں تمام برطانوی ہند سے اس مد میں ۲۷ کروڑ ۲۵ لاکھ روپے کی آمدنی ہوئی۔

(۲) آبکاری۔ برطانوی ہند میں آبکاری کی آمدنی ۴۰-۱۹۳۹ء میں ۱۲ کروڑ ۲۹ لاکھ روپیے ہوئی جو نشہ آور مشروبات گانجہ، ادویہ، افیون وغیرہ کی فروخت اور صنعت سے حاصل ہوئی۔ اس کی صنعت پر محصول اور فروخت پر لیسنس فیس لگائی جاتی ہے۔ آمدنی کا بڑا حصہ سیندھی اور تاڑی وغیرہ سے

حاصل ہوتا ہے۔ کسی ضلع میں ٹھوک فروشی کا حق ٹھیکہ کے ذریعہ اور چلر فروشی کا حق ہراج کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔

آبکاری کی پالیسی کا اصلی مقصد شراب نوشی کی برائیوں کا انسداد ہونا چاہیئے۔ اس خصوص میں حکومت نے مشروبات پر قیمت بڑھانے پر اکتفا کی ہے مگر پیداوار کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ راشننگ دوکانوں کی تعداد اور مسکرات کی مقدار میں تخفیف اور فروخت کے اوقات میں کمی ترک مسکرات کے دوسرے طریقے ہوسکتے ہیں۔

غیر سرکاری رائے کا رجحان یہ ہے کہ مسکرات کی مقدار اور دوکانات کی تعداد پر پابندیاں عاید کرنے کے لئے قوانین نافذ کئے جائیں اور عام طور پر سخت نگرانی رکھی جائے۔ نیز صوبہ واری کانگریسی وزارتوں کے طریقہ کار کی اتباع میں کامل ترک مسکرات کی پالیسی اختیار کی جائے۔ ایسے سخت طریقہ ہائے کار سے بہر حال اصل مقصد کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ اشیاء کی غیر آئینی درآمد خفیہ کشید یا اسی قبیل کی دوسری مضر عادتیں اختیار کر لی جائیں یہ تمام خطرات اور مشکلات ایک عملی مدبر کے پیش نظر ہونا چاہیئے اور ان کو حل کرنے میں جرأت اور احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اس کو چاہیئے کہ آبکاری کی پالیسی کے اخلاقی پہلو پر زیادہ زور دے۔ اس سلسلہ میں اہم اور عملی اصلاحات کو محض اس لئے نظر انداز کردیئے کہ اس سے حکومت کو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۱۹۳۸ء میں حکومت مدراس کی جانب سے سیلم میں اور حکومت بمبئی کی جانب سے احمد آباد میں ترک مسکرات کی تحریک کا نفاذ عمل میں آیا۔ حکومت بمبئی نے ترک مسکرات کی اسکیم جزیرہ بمبئی اور ریاست میں اگسٹ ۱۹۳۹ء سے جاری کی تھی۔

(۳) آمدنی کے دوسرے مدات ۴۰-۱۹۳۹ء میں حسب ذیل تھے۔

عدالتی و تجارتی اسٹامپ (۱۰ کروڑ ۴۱ لاکھ روپے) فیس برائے رجسٹری دستاویزات (ایک کروڑ ۱۸ لاکھ روپے) جنگلات (۳ کروڑ ۱ لاکھ روپے) جو چوبینہ کی فروخت، چراگاہوں کی فیس وغیرہ سے حاصل ہوئی بعض خاص محاصل (۴۵ لاکھ روپے) جیسے تفریحی ٹیکس، فروخت پر ٹیکس

پیشہ ورانہ ٹیکس اور جائداد غیر منقولہ پر ٹیکس وغیرہ جو اصلاحات بابتہ ۱۹۱۹ء کے تحت صوبہ جاتی حکومتوں نے اپنے صوابدید سے عاید کئے ہیں۔

مملکت آصفیہ اور مالیات | ۱۸۵۳ء سے قبل مملکت آصفیہ کی مالیاتی حالت ابتر تھی نہ تو کسی خزانہ کا وجود تھا اور نہ کوئی باضابطہ حساب رکھا جاتا تھا۔ مملکت کی آمدنی قلیل تھی اور خرچ زیادہ تھا۔ سرکاری ساکھ بہت کم تھی اس لئے قرضہ صرف معقول ضمانت اور بھاری شرح سود پر مل سکتا تھا۔

اس زمانہ میں بھی آمدنی کا بڑا ذریعہ مالگذاری اراضی تھا جس سے تقریباً ایک کروڑ روپے وصول ہوتے تھے۔ آبکاری کی آمدنی ایک لاکھ روپے سے کم تھی۔ محصول نقل و حمل جو وقتاً فوقتاً لگایا جاتا تھا اس سے تجارت میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی تھی۔ کسی قسم کے ٹیکس کے مشخص اور وصول کرنے کا کوئی باضابطہ باقاعدہ مقرر نہ تھا اور یہی حالت مالگذاری اراضی کی تشخیص اور وصول کی تھی۔ چونکہ مملکت کی ساکھ باقی نہ تھی اس لئے قرضہ کی ضمانت میں اضلاع کی آمدنی مکفول کی جاتی تھی اور بعض اوقات اضلاع ہی کو ساہوکاروں کے انتظام میں دیدیا جاتا تھا۔

اخراجات میں سب سے زیادہ فوجی مصارف تھے جس میں مالگذاری اراضی کی تقریباً جملہ آمدنی اس میں خرچ ہو جاتی تھی۔ قلیل رقم شاہی خاندان کے سرپرستوں پر صرف کی جاتی تھی۔ تعلیمات پر سالانہ صرف چند سو روپیہ صرف کئے جاتے تھے اور اسی کے مساوی رقم حفظان صحت اور دواخانوں پر خرچ کی جاتی تھی۔ انتظام ٹپہ پر رقم چند ہزار سے بڑھنے نہیں پاتی تھی۔ تعمیرات کے ہر قسم کے کاموں کے لئے سالانہ بیس ہزار کی رقم علحدہ رکھی جاتی تھی۔ پایۂ تخت کے علاوہ کسی اور مقام پر باضابطہ پولیس کا انتظام نہ تھا۔ انتظام عدالت پر پچاس ہزار روپے صرف کئے جاتے تھے۔

۱۸۵۴ء میں جب سالار جنگ اوّل مدارالمہام مقرر ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے آمد و خرچ کا توازن قایم کرنے کی کوشش کی جس سے مملکت کی ساکھ بڑھ گئی۔ اس کے بعد جدید قرضے واجبی شرح سود پر لینے کا انتظام کیا گیا اور بھاری شرح سود پر جو قرضے پہلے سے چلے آرہے تھے ان کی ادائی اس رقم سے کی گئی۔ عام نظم و نسق اور انتظام فینانس کی اصلاحات کے ساتھ ساتھ مالیات کے

ترتیب دینے اور اس کی جانچ کئے جانے کے طریقہ میں بھی رفتہ رفتہ اصلاح عمل میں آئی۔ موازنہ کا طریقہ ابواب اور ذیلی مدات کی پوری ترتیب کے ساتھ اختیار کیا گیا اور اس سے گویا مملکت کے انتظام فینانس کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

سر سالار جنگ کے دور وزارت میں مملکت کی مالی حالت جس حد تک ترقی پذیر ہوئی اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف ایک مثال پیش کرنی کافی ہوگی کہ ۱۸۶۲ء کی شش ماہی اول میں صرف آٹھ لاکھ کی رقم حیدر آباد کے خزانۂ عامرہ میں وصول ہوئی تھی جو مملکت میں اس وقت ایک ہی خزانہ تھا اس مدت کے اختتام پر صرف ۱۳ ہزار کی سلک باقی رہی تھی۔ ۱۸۹۱ء جو سر سالار جنگ کی دور وزارت کا آخری سال تھا خزانۂ عامرہ اور اس کی دوسری شاخوں میں مجموعی وصولات کی مقدار ۳ کروڑ ۱۱ لاکھ تھی اور رقم سلک کی مقدار ۱۸ لاکھ تھی۔

مملکت کی مالی حالت ۱۳۰۹ف کے قحط عظیم تک قابل اطمینان رہی جبکہ ۱۴۴۷ لاکھ کی کمی آکر پڑھی اور اخراجات قحط کے لئے حکومت ہند سے ۳۴۰ لاکھ روپے کلدار کا قرض لینا پڑا۔

۱۲-۱۳۲۱ف کے دہ سالہ زمانہ میں آمدنی اور خرچ کا اوسط علی الترتیب ۴ کروڑ ۹۴ لاکھ روپے اور ۳ کروڑ ۷۶ لاکھ روپے رہا۔ دہ سالہ آئندہ یعنی ۳۱-۱۳۲۲ف میں آمدنی کا اوسط ۵ کروڑ ۴ ۹ لاکھ اور خرچ کا اوسط ۵ کروڑ ۴ ۵ لاکھ روپے رہا اس زمانہ میں اخراجات کے اضافہ کے بڑے اسباب حسب ذیل میں۔

(۱) مختلف سررشتہ جات کی تنظیم جدید اور تنخواہوں کی بڑھی ہوئی شرح کی منظوری

(۲) ضروریات زندگی کی گرانی کے باعث جنگ عظیم کے زمانہ میں الونس کی اجرائی۔

(۳) جدید سررشتہ جات مثلاً آثار قدیمہ، انجمن ہائے امداد باہمی، زراعت صحت عامہ و حفظان صحت، صنعت و حرفت، اعداد و شمار، سکۂ قرطاس، آرائش بلدہ اور ترقیات عامہ۔

(۴) جنگ عظیم کی امداد اور جنگ کے دوسرے اخراجات

(۵) قیام جامعہ عثمانیہ و توسیع تعلیم و قیام مدارس ابتدائی۔

سررشتہ داری سبیل بندی | مملکت حیدر آباد کے مالیات کی ایک نمایاں خصوصیت جسکی وجہ سے حیدرآبادی

مالیہ کو ایک امتیازی شان حاصل ہوئی وہ اسکیم ہے جو سہ سالہ تعہدات پر مبنی تھی اس اسکیم کو سررشتہ واری سبیل بندی سے موسوم کیا گیا تھا۔ اس طریقۂ مالیہ کا مفہوم یہ ہے کہ تین سال کے اعداد آمدنی وخرچ کا اغلب اندازہ حتی المکان احتیاط اور صحت کے ساتھ قایم کیا جاتا ہے۔ یہ دوران تعہد جو سالانہ گنجائشیں سررشتہ جات کے لئے مہیا کی جاتی ہیں وہ سال کے اختتام پر سوخت نہیں ہوتی جو رقم غیر متصرفہ باقی رہ جاتی ہے وہ بحق سررشتہ جات جمع کردی جاتی ہے اور بوقت ضرورت استفادہ کے لئے موجود رہتی ہے۔ البتہ جو گنجائشیں جو تعہد سہ سالہ کے آخری دن تک غیر متصرفہ رہی ہوں ان کی تنصیف عمل میں آتی ہے اور نصف حصہ پھر بہ حق سررشتہ جات متعلقہ جمع کردیا جاتا ہے اور باقی نصف، محاصل میں بازگشت ہوجاتا ہے۔

سررشتہ واری سبیل بندی کی ابتدا ۱۹۲۲ء میں ہوئی جبکہ سر اکبر حیدر نواز جنگ نے بہ حیثیت صدرالمہام فینانس پہلا موازنہ پیش کیا اس طریقۂ مالیہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کفایت شعاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے منظم طور پر اخراجات کئے جاسکتے ہیں محکموں کو اس بات کی ترغیب نہیں رہی کہ گنجائش سوخت ہوجانے کے خوف سے ختم سال سے قبل ہی خواہ مخواہ اخراجات کریں۔ سہ سالہ بجٹ کو یک مشت کسی ضروری اور اہم مد پر خرچ کرنا بدرجہا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ عجلت میں رقمیں غیر ضروری مدات پر لٹادی جائیں۔ اس تنظیم مالیہ کے تحت ہر محکمہ کو اپنی کارگذاری دکھانے کا موقع ملتا ہے۔

سررشتہ واری سبیل بندی اسکیم کے تحت اگرچہ کہ محکمۂ فینانس نے اپنے لئے یہ حق محفوظ کر رکھا تھا کہ مالیہ کی سقیم حالت کی صورت میں تعہد کے دوران میں بھی محکمہ فینانس مختلف سررشتہ جات کی گنجائشوں کو گھٹا سکتا ہے مگر گذشتہ ۱۲ سال میں اس کی نوبت کبھی نہیں آئی بلکہ برعکس اس کے متعدد سررشتہ جات کو ان کی منظورہ گنجائش سے زیادہ رقمی منظوریوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا حیدرآبادی مالیات پر اور بھی خوشگوار حیرت ہوتی ہے جبکہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ بغیر نئے ٹیکس عاید کئے یا تنخواہوں میں تخفیف کئے ہوا کساد بازاری کے زمانہ میں یہاں کے موازنہ سال بہ سال متوازن رہے باوجود اس کے کہ قحط سالی میں قابلِ لحاظ معافیاں کی گئیں اور کروڑگیری میں بھی بعض مواقع پر تخفیف

کی گئی۔ حکومت نے اپنے خزانے سے جملہ رقم ادا کر کے کمپنی سے ½ ۷ کروڑ روپے میں ریلوے خرید لی اس کے علاوہ حکومت ہند کے ½ ۷ کروڑ کلدار کے سرکاری تمسکات بھی خرید لئے گئے۔ نصف کروڑ سے زیادہ روپیہ کاروباری کمپنیوں میں لگایا گیا۔ ریلوے بسیں خرید کی گئیں۔

جدید اصول ترتیب موازنہ و قواعد منتقلی گنجائش

حکومت سرکار عالی کی مالیاتی پالیسی کی بنیاد ۲۱ سال سے طریقۂ سبیل بندی پر مشتمل تھی۔ اب ان اصولوں کو جدید العہد مالیاتی اصولوں اور تجربات کی روشنی میں جانچ کر ایک ایسا طریقہ وضع کیا گیا ہے جس میں سبیل بندی سررشتہ داری کی تمام خوبیاں تو موجود ہیں مگر ایسے نقائص جو گذشتہ اکیس سال کے تجربہ سے ظاہر ہوئے ان کا ازالہ ہو سکے۔

طریقہ سبیل بندی کے تحت جو جزوی آزادی سررشتہ جات کو میسر آئی تو اس نے ان میں یہ عجیب و غریب ذہنیت پیدا کر دی کہ موازنہ میں ایک مرتبہ جو رقم کسی سررشتہ کے لئے رکھ دی گئی وہ بالکلیہ اسی کی ملک ہے وہ جس طرح چاہیں اسے صرف کریں۔ سررشتہ جات کو بچتوں سے استفادہ کا موقع دینے کا مقصد تو یہ تھا کہ حوصلہ مندانہ اور سودمند اسکیمیں تیار کی جائیں تو فراہمی رقم میں دشواری نہ ہو مگر بجائے اسکیموں کے یہ بچتیں شخصی مفاد اور غیر ضروری مصارف کی محرک ثابت ہوئی۔ بچتوں کی موجودگی اور متوقعہ بچت سے منظوریات کے سلسلہ نے جس کی نظیر ایک مرتبہ قایم ہو جانے کے بعد روک تھام مشکل ہو گئی تھی مالیاتی نگرانی اور ذمہ داری کی اساس کو مشکل کر دیا۔ طریقۂ سبیل بندی میں عملی دشواریوں کے علاوہ بعض اندرونی نقائص بھی تھیں جو موجودہ اور آیندہ ہونے والے دستوری تغیرات کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ مثلاً آئینی مشاورتی کمیٹی مالیہ کو موازنہ کے بعض امور کے بارے میں بھی مشورہ دینے کا حق دیا گیا ہے اب اگر حکومت موازنہ کی گنجایشوں کا تعین تین تین سال کے لئے کر دیا کرے تو مشاورتی کمیٹی کے لئے کسی مد میں کمی یا زیادتی کا مشورہ دینے کا سال بہ سال کوئی موقع ہی باقی نہ رہے گا اور اس کی افادیت متاثر ہوگی۔

۴۴-۱۹۴۳ء سے موازنہ سالواری بنیادوں پر قایم کیا گیا ہے۔ چونکہ قومی تعمیر کے سررشتہ جات کو ملک کی ترقی میں خاص اہمیت ہوتی ہے اور ان سررشتہ جات کی اسکیمیں بالعموم طویل المدت مسلک پر

منحصر ہوتی ہیں اس لئے اس قسم کے ابواب خرچ کے لئے ایک سے زاید سال کے لئے مقررہ گنجایش فراہم کی جائینگی جن کو غیر سوخت شدنی گنجایش کہا جاتا ہے۔ آیندہ سے سررشتہ واری محفوظات نہ رکھے جائینگے البتہ جملہ سررشتہ جات کی زیر غور اور غیر متوقعہ ضروریات کے لئے ایک عام محفوظ رکھا جائے گا اور تمام سررشتہ جات اس سے سررشتہ فینانس کی منظوری سے استفادہ کر سکیں گے۔

محصول زاید منافع | گذشتہ سال تک ہمارے کارخانہ داروں اور کاروباری اشخاص کو ایک بڑی سہولت یہ حاصل تھی کہ انہیں برطانوی ہند کے کارخانہ داروں کی طرح متعدد محاصل خصوصاً انکم ٹیکس اور موجودہ حالات میں زاید منافع کا محصول جنگی محاصل دینے نہیں پڑتے تھے اس طرح موجودہ جنگ کے ابتدائی سالوں میں یہاں کے کارخانہ داروں نے ان موافق حالات میں کافی منافع حاصل کیا لیکن حکومت حیدرآباد نے یہ محسوس کیا کہ جو کارخانہ دار اور تاجر جنگ کے پیدا کردہ حالات سے فائدہ اٹھا کر کثیر منافع حاصل کر رہے ہیں اور اس طرح عوام کو نقصان پہنچا کر دولت مند بن رہے ہیں انہیں یقیناً ان اخراجات کا کچھ حصہ ادا کرنا چاہیئے جو حکومت غریب تر طبقوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے برداشت کر رہی ہے اس اصول کے مد نظر حکومت سرکار عالی نے محصول زائد منافع عائد کیا ہے۔ یہ اسکیم صرف تجارت اور کاروبار سے متعلق ہے اور ان میں بھی ایسے منافع جو ۲۴ ہزار روپے سے کم ہو قابل ٹیکس نہیں ہے زائد نفع میں سے چالیس فی صد کا مطالبہ ٹیکس کی بابتہ اور بیس فی صدی امانت کے بابت ہوگا۔ رقم امانت کسی وقت بھی موجودہ جنگ کے ختم ہونے کے تین سال بعد بشرح ۲ فی صد قابل واپسی ہوگی۔ یہ امانتی اسکیم اس قانون کی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ ایسی لازمی بچت زمانہ مابعد جنگ میں صنعتوں اور کاروبار کی ترقی کیلئے کارآمد ثابت ہوگی۔

محصول زاید منافع حیدرآباد کے خاص حالات ضروریات اور موزونیت کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ جہاں برطانوی ہند کی طرح انکم ٹیکس کا نفاذ نہیں ہے یہاں کی شرح محاصل برطانوی ہند کے مقابلہ میں بہتر ہے اور اس طرح حیدرآباد میں قایم شدہ صنعتوں کے جائز مفاد کا تحفظ ہو سکے گا۔ یہ وصول شدہ ٹیکس زیادہ تر ملک کے غریب تر طبقے اور کم مواجبی ملازمین سرکار کی حالت بہتر بنانے اور اشیاء خوردنی اور دیگر ضروریات زندگی کی مناسب قیمت پر فراہمی میں صرف کیا جائے گا۔

مملکت آصفیہ کا موازنہ مملکت آصفیہ کا موازنہ بابتہ ۱۳۵۱ف مطابق ۴۲-۱۹۴۱ء ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے مملکت آصفیہ کے حقیقی ذرائع آمدنی اور حقیقی ابواب خرچ کا علم ہوسکے گا۔

صدر مدات جمع

مد	رقم
مالگذاری	۲ کروڑ ۴۷ لاکھ ۸۹ ہزار روپے
چوبینہ انتقالی مال	ایک لاکھ ۱۶ ہزار روپے
چوبینہ	۱۹ لاکھ ۷۷ ہزار روپے
کروڑگیری	ایک کروڑ ۱۰ لاکھ ۶۲ ہزار روپے
آبکاری	ایک کروڑ ۵۹ لاکھ ۲۷ ،، ،،
افیون وگانجہ	۱۴ لاکھ ۸۱ ،، ،،
کاغذ مختوم	۱۷ لاکھ ۷۵ ،، ،،
رجسٹریشن	۳ لاکھ ۱۷ ،، ،،
معدنیات	۶ لاکھ ۵۰ ،، ،،
محصول پٹرول	۳ لاکھ ۹۰ ،، ،،
ٹیکس سواری (موٹر)	۳ لاکھ ۷۶ ،، ،،
محصول دیا سلائی	۱۵ لاکھ ۱۷ ،، ،،
محصول تمباکو و پیداوار نباتیا	[illegible] لاکھ ۴۰ ،، ،،
میزان	۶ کروڑ ۱۴ لاکھ ۱۲ ہزار روپیہ
پیشکش برار	۲۹ لاکھ ۱۶ ہزار روپے
سود	۲۸ لاکھ ۴۰ ،، ،،
میزان	۵۷ لاکھ ۹۶ ہزار روپے

صدر مدات خرچ

مد	رقم
مالگذاری	۶۵ لاکھ ۷۶ ہزار روپے
مالگذاری آبپاشی	۸ لاکھ ۶۹ ،، ،،
چوبینہ	۱۰ لاکھ ۹۵ ،، ،،
کروڑگیری	۲۳ لاکھ ۵ ،، ،،
آبکاری	۳۴ لاکھ ۱۶ ،، ،،
افیون وگانجہ	۷۷ ،، ،،
کاغذ مختوم	۶۶ ،، ،،
رجسٹریشن	ایک لاکھ ۲۷ ،، ،،
معدنیات	ایک لاکھ ۳۶ ،، ،،
محصول پٹرول	۳ لاکھ ۹۰ ،، ،،
ٹیکس سواری (موٹر)	۳ لاکھ ۷۶ ،، ،،
میزان	۱ کروڑ ۴۵ لاکھ ۸۳ ہزار روپے
سود	۷۴ لاکھ ۴۴ ہزار روپے
سنکنگ فنڈ ادائی قرضہ	۲۲ لاکھ ۴۲ ،، ،،
دارالضرب	۳ لاکھ ۱۳ ،، ،،
سکہ قرطاس	۱ لاکھ روپے
ہنڈاون بٹاون	۴۸ ہزار روپے

دارالضرب	۲ لاکھ ۷ ہزار روپے
سکۂ قرطاس	۳۰ لاکھ ۶۴ ہزار روپے
ہنڈاون و ٹباون	۶۳ ″ ″
میزان	۴۳ لاکھ ۳۶ ہزار روپے
ٹپہ	۱۴ لاکھ ۱۳ ہزار روپے
آبپاشی	۴۳ ″ ″
ریلوے	ایک کروڑ ۸۵ لاکھ ۸۳ ہ ″
برقی	۳ لاکھ ۹۰ ″ ″
ٹیلیفون	۴۵ ″ ″
متفرقات	۲ لاکھ ۸۸ ″ ″
صدر میزان	۹ کروڑ ۵۳ لاکھ ۸۷ ہزار روپے

ٹپہ خانہ	۱۴ لاکھ ۶۵ ہزار روپے
امداد برائے ہوائی ڈاک	۸ ″ ″
داخل حضور پرنور بندگانعالی	۵۰ لاکھ روپے
اخراجات شہزادگان بلند اقبال	۱۵ لاکھ ۵۳ ہزار ″
انتظام مملکت	۵۲ لاکھ ۱۵ ہزار ″
اخراجات سیاسی	۱۱ لاکھ ۸۳ ″ ″
ایجنٹ برار	۱ لاکھ ۲۸ ″ ″
منصب	۱۷ لاکھ ۷۲ ″ ″
فوج	۷۳ لاکھ ۶۳ ″ ″
عدالت	۲۴ لاکھ ۶۴ ″ ″
مجالس	۴ لاکھ ۷۶ ″ ″
کوتوالی	۱۷ لاکھ ۱۳ ″ ″
تعلیمات	۱ کروڑ ۱۰ لاکھ ۷۶ ″ ″
طبابت	۳۹ لاکھ ۳۵ ″ ″
مذہبی	۱۱ لاکھ ۲۵ ″ ″
زراعت	۹ لاکھ ۵۵ ″ ″
علاج حیوانات	۵ لاکھ ۹۱ ″ ″
انجمن ہائے امداد باہمی	۴ لاکھ ۲۴ ″ ″
دفاتر خورد	۹ لاکھ ۵۱ ″ ″
صفائی و آرائش عامہ	۲۳ لاکھ ۴۵ ″ ″
عمارات و شوارع	۶۷ لاکھ ۷۲ ″ ″

مملکت آصفیہ کا موازنہ مملکت آصفیہ کا موازنہ بابتہ ۱۳۵۱ف مطابق ۴۲-۱۹۴۱ء ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے مملکت آصفیہ کے حقیقی ذرائع آمدنی اور حقیقی ابواب خرچ کا علم ہو سکے گا۔

صدر مدات جمع

مد	رقم
مالگذاری	۲ کروڑ ۴۷ لاکھ ۸۹ ہزار روپے
چوبینہ التصوابی مال	ایک لاکھ ۱۶ ہزار روپے
چوبینہ	۱۹ لاکھ ۷۷ ہزار روپے
کروڑگیری	ایک کروڑ ۱۰ لاکھ ۶۲ ہزار روپے
آبکاری	ایک کروڑ ۵۹ لاکھ ۲۷ " "
افیون وگانجہ	۱۴ لاکھ ۸۱ " "
کاغذ مختوم	۱۷ لاکھ ۷۵ " "
رجسٹریشن	۳ لاکھ ۱۷ " "
معدنیات	۶ لاکھ ۵۰ " "
محصول پٹرول	۳ لاکھ ۹۰ " "
ٹیکس سواری (موٹر)	۳ لاکھ ۷۶ " "
محصول دیا سلائی	۱۵ لاکھ ۱۷ " "
محصول تمباکو پیداوار نباتیا	[illegible] لاکھ ۴۰ " "
میزان	۶ کروڑ ۸۱ لاکھ ۶۲ ہزار روپے
پٹہ برار	۲۹ لاکھ ۱۶ ہزار روپے
سود	۲۸ لاکھ ۸۰ " "
میزان	۵۷ لاکھ ۹۶ ہزار روپے

صدر مدات خرچ

مد	رقم
مالگذاری	۶۵ لاکھ ۷۶ ہزار روپے
مالگذاری آبپاشی	۸ لاکھ ۶۹ " "
چوبینہ	۱۰ لاکھ ۹۵ " "
کروڑگیری	۲۳ لاکھ ۵ " "
آبکاری	۳۴ لاکھ ۱۶ " "
افیون وگانجہ	۷۷ " "
کاغذ مختوم	۶۶ " "
رجسٹریشن	ایک لاکھ ۲۷ " "
معدنیات	ایک لاکھ ۳۶ " "
محصول پٹرول	۳ لاکھ ۹۰ " "
ٹیکس سواری (موٹر)	۳ لاکھ ۷۶ " "
میزان	۱ کروڑ ۵۴ لاکھ ۸۳ ہزار روپے
سود	۷۴ لاکھ ۴۴ ہزار روپے
سنکنگ فنڈ ادائی قرضہ	۲۲ لاکھ ۴۲ " "
دارالضرب	۳ لاکھ ۱۲ " "
سکہ قرطاس	۱ لاکھ روپے
ہنڈاون تاوان	۴۰ ہزار روپے

اب اخراجات سے بحث کی جائے گی اور مرکزی و صوبہ واری اخراجات کے مدات پر غور کیا جائے گا۔

عام مرکزی اخراجات | موجودہ صدی کے آغاز سے اور بالخصوص گذشتہ پچیس سال سے ہندوستان کے عام اخراجات میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر مرکزی اور صوبہ واری مجموعی اخراجات کی مقدار ۱۴-۱۹۱۳ء میں ۱۲۴ کروڑ روپے تھی۔ ۴۱-۱۹۴۰ء میں ۲۲۱ کروڑ روپے ہوگئی۔ دور جدید میں ہر جگہ حکومت کے فرائض میں بہت وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ عام اخراجات میں زبردست اضافہ دوران جنگ اور زمانہ مابعد جنگ میں ہوا۔ فوجی اخراجات جو ۱۴-۱۹۱۳ء ہی میں ۲۹ کروڑ ۴۸ لاکھ روپے تک بڑھ گئے تھے ۲۱-۱۹۲۰ء میں ۸۷ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے تک پہونچ گئے۔ اس کے بعد سے مسلسل تخفیف کی وجہ سے ۳۹-۱۹۳۸ء میں فوجی اخراجات تقریباً ۴۵ کروڑ روپے تک گھٹ گئے۔ اب بھی عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مناسب کفایت کے لئے مزید امکانات موجود ہیں لیکن قومی تحفظ فی الحقیقت بہت ہی اہم مسئلہ ہے اور اس کے سلسلہ میں ہر قسم کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہونا چاہیئے لیکن اس کے ساتھ اس امر کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان ایک غریب ملک ہے اسلئے اخراجات میں کفایت اور احتیاط ہر طرح عمل میں لانا چاہیئے۔ غیر پیداآور مصارف سے بھی جو بالکل غیر ضروری ہوں حتی الامکان احتیاط لازمی ہے۔ ۱۹۳۸ء میں برطانوی حکومت نے ۲۰ لاکھ روپے برطانوی افواج کے اخراجات کے لیے منظور کئے گئے جو ہندوستان میں مقیم ہوں۔ اس کے علاوہ برطانوی حکومت نے سالانہ ایک لاکھ پونڈ اس شرط سے منظور کئے کہ اس سے ہندوستان کی مدافعت کے لئے ایک شاہی بحری بیڑا مہیا کیا جائے۔ ۱۹۳۹ء میں موجودہ جنگ کے آغاز کی وجہ سے ملک کے مدافعت کے اخراجات میں بے حد اضافہ ہوگیا ہے ۴۰-۱۹۳۹ء میں فوجی اخراجات ۴۹ کروڑ ۲۹ لاکھ روپے کے ہوئے تھے تو ۴۲-۱۹۴۱ء میں ۸۴ کروڑ ۱۳ لاکھ روپے کے ہوگئے ہیں۔ جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستانی فوج کو عصری بنانے کی سفارشات جو چیٹ فیلڈ کمیٹی نے کی تھیں منظور کرلی گئیں ہیں۔

دیوانی نظم و نسق کے مصارف میں غیر معمولی اضافہ حکومت کے خلاف ایک دوسری شکایت ہے۔ ہندوستانی نظم و نسق پر دنیا میں سب سے زیادہ مصارف عاید ہوتے ہیں۔ دستوری اصلاحات سے بھی نظم و نسق کے مصارف میں کثیر اضافہ ہوتا رہا ہے فوجی اور دیوانی دونوں شعبہ ہائے نظم و نسق میں عملہ کی تخفیف اور تدریجی طور سے ہندوستانی افراد کو اس میں شامل کرکے مناسب کفایت پیدا کی جا سکتی ہے اسی کے ساتھ قومی تعمیری سررشتوں مثلاً تعلیم زراعت، صنعت و حرفت اور آبپاشی وغیرہ پر بھی پوری فیاضی کے ساتھ رقم صرف کرنی چاہیے تاکہ لوگوں کی معاشی ترقی ہو سکے۔ موجودہ زمانہ میں ان سررشتوں پر بہت ہی قلیل رقم صرف کی جاتی ہے جیسا کہ تختہ نمبر ۳ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

محاصل کا بار ٹیکس کے لحاظ سے ہندوستان میں حکومت کی آمدنی کا تناسب بعض دوسرے ممالک مثلاً سلطنت متحدہ برطانیہ کے مقابلہ میں کم ہے[1]۔ یہ تناسب سلطنت متحدہ برطانیہ میں ۲۲ فیصدی سے زیادہ ہے اور ہندوستان میں چھ فی صدی لیکن لوگوں کی غربت کا لحاظ کیا جائے تو ٹیکس کے بار کو ہلکا نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر مصارف حقیقت میں قوم کے لئے سودمند ہیں تو ٹیکس کو حق بجانب تصور کیا جا سکتا ہے لیکن اس خصوص میں حالات اطمینان بخش نہیں ہیں۔

گذشتہ جنگ عظیم سے قبل مختلف جماعتوں کے مابین ٹیکس کی تقسیم غیر مساوی تھی۔ غریب طبقہ مالگذاری، محصول نمک، چنگی، کاغذ مہور وغیرہ کے سلسلہ میں ٹیکس کا بار بہت زیادہ برداشت کرتا تھا۔ زمانۂ جنگ عظیم اور اس کے بعد محاصل میں تبدیلیوں کی وجہ سے اس نظام میں تھوڑی بہت مساوات قایم ہو گئی ہے کیونکہ انکم ٹیکس اور سوپر ٹیکس کے علاوہ تعیشاتی اشیاء پر بھی خاص محصول

---

[1] ۳۸-۱۹۳۷ء میں برطانوی ہند میں ٹیکس کا بار (مرکزی اور صوبہ جاتی بشمول مالگذاری) فی شخص چار روپے بارہ آنہ گیارہ پائی تھا۔ سر پرشوتم داس ٹھاکر داس کی رائے میں ٹیکس کا بار فی شخص ۱۸۷۱ء میں ایک روپیہ ۱۳ آنے ۹ پائی ۱۹۰۱ء میں دو روپے ۶ آنے ۶ پائی ۱۹۱۳ء میں ۲ روپے ۱۴ آنے ۵ پائی اور ۲۲-۱۹۲۱ء میں چھ روپے ایک آنہ آٹھ پائی تھا۔

درآمد لگایا جاتا ہے۔ جس کا بار مالدار طبقہ پر پڑتا ہے لیکن اب بھی بڑی حد تک عدم مساوات باقی ہے۔ غریب طبقہ پر جو غیر متناسب ٹیکس کا بار ہے اس میں تخفیف اور مالدار طبقہ پر زاید ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت ہے۔

جدید ہندوستانی مالیات | جیسا کہ توقع تھی گذشتہ جنگ عظیم نے تجارت اور صنعت و حرفت کے علاوہ مالی نظام کو بھی بدل دیا۔ جنگ سے قبل موازنہ میں بچت ہوا کرتی تھی جنگ کے بعد مرکزی اور صوبہ واری موازنوں میں خسارہ آنے لگا۔ تخفیف مصارف کی کمیٹی بابتہ ۲۳-۱۹۲۲ء کی سفارشات کے بموجب کفایت کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر ۲۴-۱۹۲۳ء سے کچھ عرصہ تک موازنوں میں پھر بچت ہونے لگی لیکن ۲۸-۱۹۲۷ء کے بعد موازنہ کا توازن درہم برہم ہوگیا۔ دنیا کی معاشی کساد بازاری کی وجہ سے بہت سے مدات آمدنی مثلاً کروڑ گیری اور انکم ٹیکس بری طرح متاثر ہوگئے۔ تجارتی سررشتوں جیسے ریلوے ڈاک اور تار کی آمدنی بھی بہت گھٹ گئی۔ موازنہ میں خسارہ کی تلافی زاید کثیر محاصل سے کرنی پڑی جس کا تخمینہ تین سال ۳۲-۱۹۳۰ء میں ۴۵ کروڑ روپے ہوا۔ بہر حال اس تدبیر کی بدولت مرکزی موازنہ میں کسی قدر بچت ہونے لگی ۳۶-۱۹۳۴ء کے درمیان موازنوں کی بچت میں قابل لحاظ اضافہ عمل میں آیا۔ جسکی وجہ سے محاصل یعنی انکم ٹیکس میں تھوڑی سی تخفیف ممکن ہوسکی۔ کروڑ گیری اور انکم ٹیکس جیسے محاصل میں انحطاط کے باعث ۳۷-۱۹۳۶ء میں ایک کروڑ ۹۷ لاکھ روپے کا خسارہ رونما ہوا یہی وجہ ہے کہ شکر کی چنگی میں اضافہ کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ اس اضافہ کے بعد موازنہ کی حالت میں اصلاح ہوئی لیکن موجودہ جنگ کے آغاز کی وجہ سے موازنہ کی حالت میں بڑی تبدیلی رونما ہوگئی ہے۔ حکومت کو غیر معمولی اخراجات برداشت کرنے پڑ رہے ہیں ۴۱-۱۹۴۰ء میں پہلا جنگی موازنہ مرتب کیا گیا ہے۔ ریلوں کی آمدنی میں اضافہ ہوا مگر دفاع کے اخراجات میں بہت اضافہ ہوگیا ہے۔ جسکی وجہ سے موازنہ میں خسارہ رونما ہو رہا ہے۔ اس لئے نئے محاصل لگا کر یا محاصل میں اضافہ کرکے اخراجات کی پابجائی کی جارہی ہے۔ انکم ٹیکس، سوپر ٹیکس اور محصول

زاید منافع میں اضافہ کیا گیا ہے جس کی تفصیل اس سے قبل بیان کی گئی ہے اس کے علاوہ دیگر ذرایع کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ شکر کا محصول بجائے دو روپے کے تین روپے فی ہنڈر ویٹ کر دیا گیا ہے۔ موٹر اسپرٹ کا محصول بجائے دس آنے کے ۱۲ آنے فی گیالن ہو گیا ہے۔ سامان کے حمل و نقل ذریعہ ریلوے کی شرح میں ½ ۱۲ فی صد کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مسافروں کے شرح ٹکٹ میں فی روپیہ ایک آنہ اضافہ ہوا ہے۔ دیا سلائی پر صد فی صد محصول عاید کیا گیا ہے مصنوعی ریشم و ریشمی دھاگے پر محصول بجائے تین آنے فی پونڈ کے پانچ آنے فی پونڈ کیا گیا ہے۔ ٹائیر و ٹیوب پر محصول جنگی دس فی صدی عائد ہوا ہے۔ تمباکو پر محصول لگایا گیا ہے جس سے تقریباً دس کروڑ روپے کی آمدنی ہو گی۔ ڈاک، ٹیلیفون اور تار کے شرح میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

تختہ نمبر ۱

مختلف صوبہ واری حکومتوں کی آمدنی بابتہ سال ختم ۳۱ مارچ ۱۹۴۰ء لاکھوں روپیوں میں

ابواب آمدنی	مدراس	بمبئی	بنگال	صوبہ متحدہ	پنجاب	کورگ	بہار	صوبہ متوسط و برار	صوبہ شمالی مغربی سرحد	آسام	اڑیسہ	سندھ	میزان صوبہ واری حکومتیں
خاص ابواب آمدنی ترود گیری	—	—	۲۱۱،۹۷	—	—	—	۱۹،۲۳	—	—	۱۳،۳۹	،۹۲	—	۲۵۵،۶۲
محصول آمدنی	۵۸۱،۴	۵۵۱،۰۰	۵۵۰،۰۰	۵۸۰،۱۴	۲۳۰،۴۲	—	۳۳۷،۰	۱۳،۹۵	۲،۷۹	۶،۴۱	۵،۵۸	۵،۵۸	۲۰۵،۶۳
مالگزاری	۵۱۶،۸۷	۳۴۳،۲۰	۳۰۶،۱۰	۵۸۰،۹۶	۲۳۴،۲۰	۴،۰۴	۱۳۱،۲۸	۲۶۳،۰۴	۱۸،۵۹	۱۳۶،۹۰	۴۷،۶۲	۳۶۱،۸۵	۲۷۰۷،۶۵
آبکاری	۳۴۶،۰۲	۲۰۲،۱۳	۱۶۵،۲۸	۱۱۵،۷۲	۱۰۴،۹۸	۲،۰۶	۱۱۰،۸۹	۵۷،۳۷	۸،۸۷	۳۳،۹۶	۲۹،۸۱	۳۶،۳۳	۱۲۰۳،۴۴
اسٹامپ	۱۷۴،۲۶	۱۳۸،۹۳	۲۵۶،۴۴	۱۳۰،۱۰	۷۴،۵۶	،۴۸	۱۰۵،۰۴	۳۷،۸۰	۷،۰۵	۱۷،۶۳	۱۹،۱۲	۱۷،۱۶	۹۷۸،۵۶
جنگلات	۴۴،۸۳	۲۸،۶۱	۲۳،۹۸	۵۲،۶۶	۲۵،۴۰	۳،۲۷	۸،۳۶	۵۰،۴۴	۵،۲۲	۱۷،۴۶	۶،۵۳	۷،۷۶	۲۸۴،۵۱
رجسٹریشن	۳۲،۹۶	۱۳،۷۶	۲۷،۳۲	۸،۹۱	۸،۵۰	،۰۶	۱۳،۲۸	۵،۲۵	،۶۹	۲،۶۰	۲،۲۸	۲،۰۷	۱۱۷،۱۹
آمدنی تحت قانون سواری ہائے موٹر	۸۰،۵۱	۴۱،۷۰	۲۱،۳۱	۱۲،۱۶	۱۳،۴۹	،۹۲	،۳۱	۴،۵۶	۲،۳۸	۴،۰۹	۱،۰۷	۲،۶۸	۱۸۵،۲۷
متفرق ٹیکس	۷۹،۲۸	۱۹۴،۰۳	۴۶،۶۱	۵۰،۹۱	۱۱،۴۳	۰	۲،۱۱	۸،۵۷	۱،۱۴	۲،۳۸	—	۶،۶۶	۴۰۳،۱۲
میزان	۱۳۰۶،۵۸	۱۰۲۸،۲۴	۱۲۰۴،۰۱	۱۰۰۰،۴۷	۹۴۳،۸۷	۱۰،۸۴	۴۲۲،۳۱	۴۱۱،۹۸	۴۶،۷۳	۲۳۴،۲۲	۱۱۰،۰۳	۱۱۵،۰۹	۶۴۱۷،۹۷
ریلوے	—	—	،۱۴	—	—	—	—	—	—	—	—	—	،۱۴

آب پاشی	۱۷۸٫۸۰	۳۲٫۱۳	—	۱۹۵٫۷۵	۵۰۸٫۷۰	٫۰۳	۴٫۹۸	۷٫۴۵	۱۳٫۸۱	—	۲٫۳۷	۸۸٫۷۲	۱۰۴۶٫۷۰
قرضہ جات	۲۳٫۳۵	۷۱٫۰۳	۲۹٫۶۲	۱۳٫۱۷	۳٫۷۶	٫۱۳	۱۶٫۳۶	۴٫۶۰	٫۶۳	٫۲۶	۱۲٫۷۵	۷٫۲۱	۱۸۲٫۸۷
تنظیمی محکمہ جات	۹٫۶۴	۱۱۰٫۳۲	۹۳٫۶۸	۸۰٫۹۱	۹۰٫۳۲	٫۵۷	۶۱٫۸۲	۲۹٫۵۹	۸٫۰۷	۱۳٫۳۷	۶٫۳۲	۱۷٫۷۶	۵۱۹٫۳۷
تعمیرات	۳۰٫۹۶	۴۸٫۹۲	۳۵٫۵۰	۱۷٫۹۶	۲۸٫۷۸	٫۱۴	۱۰٫۹۰	۱۲٫۴۱	۸٫۲۳	۱۰٫۹۱	۷٫۷۲	۹٫۹۶	۲۲۲٫۳۹
متفرق	۲۱٫۳۲	۲۰٫۲۰	۲۵٫۷۷	۱۸٫۸۴	۲۸٫۳۱	٫۰۴	۱۳٫۶۸	۱۲٫۳۵	۳٫۲۳	۴٫۵۳	۲٫۶۷	۱۰۵٫۱۲	۱۵۳٫۸۴
برقی اسکیم	۱۲٫۹۹	—	—	—	۱۰٫۸۷	—	٫۰۳	—	۱٫۹۰	—	—	—	۲۵٫۷۴
پیشکش	٫۲۶	٫۲۵	٫۳۰	۲۵٫۲۱	۳٫۸۵	۱٫۱۶	٫۱۶	٫۱۲	۱۰٫۰۱	۳۰٫۰۴	۴۲٫۰۲	۱۰۵٫۱۲	۲۰۹٫۵۰
غیر معمولی مدات	—	۳٫۱۴	۴۱٫۸۵	—	۴۱٫۶۳	—	۱٫۴۵	—	—	—	—	۱۱٫۸۵	۱۷۳٫۱۸
جملہ آمدنی	۱۶۶۵٫۹۰	۱۳۱۴٫۲۳	۱۴۲۱٫۶۷	۱۳۵۲۶٫۹	۱۲۱۱۶٫۹	۱۲٫۹۱	۵۴۷٫۶۰	۵۰۸٫۵۰	۱۸۲٫۶۱	۲۹۲٫۳۳	۱۸۷٫۸۸	۴۲۸٫۸۷	۹۱۳۸٫۶۸

تختہ نمبر (۲)

مختلف صوبہ واری حکومتوں کے اخراجات بابتہ سال ختم ۳۱ مارچ ۱۹۴۰ء لاکھوں روپیوں میں

مدات اخراجات	مدراس	بمبئی	بنگال	صوبہ متحدہ	پنجاب	کورگ	بہار	صوبہ متوسط و برار	صوبہ سرحدی شمال مغربی	آسام	اڑیسہ	سندھ	میزان جملہ صوبہ واری حکومتیں
بابت مالگذاری وصول کرنے کے اخراجات	۲۱۰٫۱۷	۱۶۷٫۰۱	۱۰۴٫۶۵	۱۵۸٫۳۰	۸۵٫۰۶	۲٫۷۱	۳۸٫۲۷	۶۴٫۵۲	۸٫۵۱	۴۰٫۵۸	۱۸٫۲۱	۲۸٫۲۶	۷۳۵٫۰۵
آبپاشی (کھاتہ آمدنی)	۱۲۶٫۹۶	۵۳٫۳۹	۳۸٫۹۷	۱۱۵٫۰۹	۱۵۸٫۲۶	٫۰۶	۱۶٫۰۲	۶٫۰۳	۴٫۵۸	٫۶۰	۱۳٫۷۵	۱۷۰٫۶۷	۷۰۴٫۳۸
خاص اخراجات (آمدنی کے اخراجات)	۱٫۳۰	—	—	٫۱۶	—	—	—	—	—	—	—	—	۱٫۳۰

قرضے جات	۳۸،۶۶	۱۲۵،۳۰	۱۷،۱۵	۶۶،۷۸	۱۷،۴۶	۱،۰۷	۶،۲۱	۲۵،۴۰	۰،۱۶	۴،۱۳	۱،۲۶	۵،۱۷	۱۹۷،۱۶
تنظیمی محکمے:- عام انتظام	۲۷۵،۲۶	۷۸،۸۷	۱۷۰،۱۳	۱۴۲،۸۷	۱۱۶،۹۲	۱،۵۰	۸۱،۷۵	۶۷،۹۵	۱،۸۲	۳۳،۸۹	۲۰،۵۳	۲۳،۸۵	۱۰۴۴،۵۲
عدالت	۸۸،۴۳	۶۶،۴۳	۹۶،۸۶	۷۰،۵۸	۵۴،۵۶	۰،۳۹	۳۶،۴۶	۲۵،۲۸	۲۳،۰۵	۱۰،۵۹	۶،۴۸	۱۲،۸۶	۴۷۶،۸۸
پولیس	۱۶۳،۲۶	۱۵۰،۳۱	۲۰۸،۲۸	۱۷۵،۴۹	۱۲۷،۴۶	۰،۷۰	۸۱،۵۵	۵۹،۲۷	۷،۹۵	۲۲،۴۴	۲۲،۲۶	۴۱،۷۰	۱۱۲۰،۵۶
تعلیمات	۲۹۳،۵۷	۲۰۰،۱۷	۱۶۲،۶۰	۳۱۳،۴۲	۱۶۳،۵۱	۱،۱۴	۷۵،۹۲	۵۴،۵۹	۳۷،۴۲	۳۸،۶۷	۲۲،۶۸	۳۱،۳۱	۱۲۵۲،۲۲
طبابت	۹۷،۵۳	۴۶،۳۹	۵۶،۳۲	۳۷،۲۳	۳۰،۶۰	۱،۹۹	۲۴،۳۳	۸۱،۶۰	۱۱،۳۴	۱۴،۴۰	۹،۳۷	۱،۵۴	۳۴۹،۴۹
حفظان صحت	۲۷،۳۰	۲۸،۱۰	۳۹،۳۹	۲۳،۶۵	۱۸،۰۱	۰،۲۱	۱۲،۲۹	۵،۰۸	۷،۷۶	۸،۳۱	۲،۱۶	۲،۶۶	۱۶۹،۰۹
زراعت	۱۹،۸۱	۱۱،۹۹	۲۱،۶۴	۶۷،۹۲	۳۶،۶۲	۰،۱۲	۱۰،۷۳	۱۰،۱۹	۱،۵۹	۶،۳۰	۲،۴۱	۹،۹۷	۱۹۹،۸۱
صنعت وحرفت	۲۶،۱۰	۷،۶۵	۲۰،۲۲	۲۲،۱۹	۱۸،۸۰	—	۱۰،۶۰	۳،۰۶	۲،۴۱	۲،۷۸	۲،۲۶	۰،۹۱	۱۱۵،۰۳
دوسرے محکمے	۱۷۳،[illegible]	۴۹،۹۱	۱۶۴،۱۵	۴۸،۴۲	۸۸،۱۳	۰،۵۴	۳۳،۲۰	۱۶،۶۳	۰،۲۵	۸،۲۷	۵،۹۳	۹،۳۱	۶۱۰،۱۴
میزان	۱۰۳۲،۶۴	۶۳۹،۷۳	۸۵۹،۵۹	۸۰۰،۷۰	۶۵۲،۶۱	۵،۸۳	۳۶۶،۸۴	۲۵۸،۰۷	۱۱۶،۳۱	۱۵۵،۹۷	۱۰۴،۹۲	۱۴۰،۸۵	۵۱۴۰،۲۴
تنظیمی محکمے کی خاصہ آمدنی	۳،۰۲		۳۵۰،۸۸	—	—	۳،۴۹	—	۲۵۸،۰۷	—	—	—	—	۱،۵۰
متفرق	۳۳،۹۰	۲۹۷،۰۴	۱۳۷،۲۴	۲۰۳،۷۳	۳۱۵،۱۳	۴۳،۱۲	۱۰۸،۴۵	۱۲۱،۵۸	۱،۵۰	۸۳،۰۶	۴۳،۹۱	۴۰۵،۰۸	۱۹۴۴،۴۷
جملہ اخراجات	۱۴۳۲،۳۹	۱۲۸۳،۲۷	۱۳۷۱،۲۴	۱۳۳۳،۵۲	۱۱۹۵،۶۰	—	۵۳۵،۷۹	۴۷۵،۶۴	۵۴۱،۱۳	۲۹۲،۳۳	۱۸۳،۰۵	—	۸۹۲۴،۱
جملہ آمدنی	۱۲،۹۱	۱۳۱۳،۲۳	۱۴۳۱،۷۷	۱۳۵۲،۰۹	۱۲۱۱،۰۹	۱۳،۹۱	۵۴۷،۶	۵۰۸،۵	۱۸۶،۱۱	۲۹۳،۳۳	۱۸۷،۸۸	۴۲۸،۸۶	۹۱۳۸،۶۸
ہر حکومت کی بچت (+) خسارہ (-)	+۲۸،۵۱	+۳۰،۹۶	+۶۰،۴۳	+۷،۵۷	+۱۵،۴۹	+۰،۷۹	+۱۱،۸۱	+۳۴،۹۰	−۴،۵۰	+۱،۰	+۳،۸۳	+۲۳،۷۹	+۲۲۲،۵۸

کارپوریشن ٹیکس میں ایک آنے کی بجائے ڈیڑھ آنہ فی روپیہ اضافہ ہوا ہے۔

زاید محاصل کا بار تمام طبقوں پر پڑا۔ ریلوے ٹکٹ میں اضافہ، محصول ڈاک میں اضافہ، محاصل درآمد و برآمد میں اضافہ، نئے محاصل اور مہنگی کی وجہ سے غریبوں پر بار پڑا۔ امیر طبقہ بھی متاثر ہوا ہے کیونکہ انکم ٹیکس کی شرح میں ٦٦ فی صدی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح نئے محاصل کے ذریعہ حکومت نے آغاز جنگ سے ۱۹۴۳ء تک جملہ ۲۱۴ کروڑ ۳۳ لاکھ روپے وصول کیا ہے۔

ہندوستان میں قرضہ عامہ | ہندوستانی قرضۂ عامہ کی ابتدا ایسٹ انڈیا کمپنی کی لڑائیوں کے زمانہ سے ہوتی ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت ہند پر منتقل شدہ قرضہ غیر پیدا آور تھا۔ ۱۸٦۷ء کے بعد ریلوے اور کارہائے آبپاشی وغیرہ کی تعمیر کے لئے جو پیدا آور قرضہ حاصل کیا جانا شروع ہوا اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم سے قبل ہندوستان کے قرضہ عامہ کا ایک بڑا حصہ انگلستان سے حاصل کیا گیا تھا۔ دوران جنگ میں حصول قرضہ میں غیر متوقع طور پر حکومت کی سعی جو مشکور ہوئی اس سے ہندوستان کے بازار زر کی قوت کا اندازہ ہوا چنانچہ عام قرضے اب زیادہ تر ہندوستان ہی میں حاصل کئے جاتے ہیں۔ ہمارے قرضہ کا بڑا حصہ اس لحاظ سے خارجی ہے کہ وہ غیر ہندوستانیوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ امر باعث مسرت ہے کہ اب قرضہ عامہ کی بڑی مقدار پیدا آور ہے جو زیادہ تر ریلوے اور کارہائے آبپاشی کی تعمیر کے لئے حاصل کئے گئے ہیں۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۱ء تک حکومت ہند کا مجموعی قرضہ عامہ ۱۱۹۷ کروڑ ۰۹ لاکھ روپے تھا جس میں ۴۵۵ کروڑ ۹۸ لاکھ اسٹرلنگ کا قرضہ انگلستان میں اور ۷۴۱ کروڑ ۹۲ لاکھ روپے کا قرضہ ہندوستان میں حاصل کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۳ء کے ختم پر انگلستان کا اسٹرلنگ قرضہ بے باق کر دیا گیا ہے۔ اخراجات جنگ کی پابجائی کے لئے ہندوستان میں دفاعی قرضے لئے گئے ہیں۔

مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں کے مابین مالیاتی تعلقات | ۱۸۳۳ء سے ۱۸۷۱ء تک تمام مالیاتی اقتدار حکومت ہند کے ہاتھ میں تھا جو صوبوں کے معمولی اخراجات کی بھی نگرانی کرتی تھی۔ لارڈ میو نے نافذ الوقت مالیاتی نظام میں تھوڑی سی لامرکزیت پیدا کرنے کی ضرورت

محسوس کی تا کہ آمدنی میں اضافہ کرنے اور اخراجات میں ممکنہ کفایت برتنے کے خیال سے صوبہ جاتی حکومتوں کی توجہ حاصل ہونے کے علاوہ باہمی اشتراک عمل بھی پیدا کیا جائے چنانچہ لارڈ میونے ۱۸۷۱ء میں صوبہ واری انتظام کا طریقہ جاری کیا جس کے تحت بعض مصارف کے مدات جنکی نوعیت مقامی تھی صوبہ جات کے تفویض کردئے گئے ان امور کے انتظام کے لئے صوبہ جات کو سررشتہ واری آمدنی کے علاوہ سالانہ یکمشت رقمی امداد بھی دی جاتی تھی۔ صوبہ واری حکومتوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے اپنے صوبوں کی کمی دور کرنے کے لئے مقامی محاصل عاید کریں۔

لامرکزیت کے اس طریقہ میں مسلسل اصلاح ہوتی گئی چنانچہ ۱۹۱۹ء سے قبل اس نظام کی حالت حسب ذیل تھی۔

آمدنی کے سلسلہ میں مرکزی حکومت نے تمام آمدنیوں کو جو کسی ایک صوبہ پر تقسیم نہیں ہوسکتی تھیں اپنے لئے محفوظ کرلئے تھے۔ ان کو شاہی مدات آمدنی کہا جاتا تھا مثلاً افیون، ریلوے، کروڑ گیری، نمک، ٹپہ اور تار کی آمدنی بعض مدات آمدنی بالکل صوبہ واری تھے جیسے جنگلات، آبکاری (بمبئی اور بنگال میں) رجسٹریشن۔ بعض سررشتوں کی آمدنی مثلاً تعلیمات، عدالت اور پولیس۔ بعض مدات آمدنی میں مرکزی اور صوبہ واری دونوں حکومتوں کا حصہ ہوتا تھا جیسے مالگذاری، محصول آمدنی، آبکاری، آبپاشی اور کاغذ مہر۔

جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے اسی قسم کا ہی ایک نظام مروج تھا البتہ قحط کے اخراجات کے لئے بالکل جداگانہ انتظام تھا۔ جس میں مرکزی حکومت بھی حصہ لیا کرتی تھی۔

۱۹۱۹ء کے اصلاحات کے بعد سے جسکی اہم خصوصیت مالی خود اختیاری تھی منقسمہ مدات خارج کردئیے گئے تھے اور آمد و خرچ کی نئی تقسیم حسب طریقۂ ذیل کی گئی تھی۔

(۱) شاہی مدات آمدنی۔ افیون، نمک، کروڑ گیری، محصول آمدنی، ریلوے، ٹپہ، تار اور فوج۔

(۲) صوبہ واری مدات آمدنی۔ مالگذاری (بشمول آبپاشی) اسٹامپ (عدالتی اور تجارتی)

رجسٹریشن، آبکاری اور جنگلات۔

صوبہ واری عطیئے | منقسمہ ابواب آمدنی کے نکل جانے اور بعض ذرائع آمدنی مثلاً مالگذاری اور کاغذ مہور صوبہ جات کے تفویض کرنے کی وجہ سے مرکزی موازنہ پر بہت بڑا نقصان عاید ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں مسٹن کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس نے عاید شدہ خسارہ کی تلافی کے لئے مرکزی حکومت کے لئے صوبوں سے مالی اعانت کی ایک اسکیم مرتب کی۔ اس اسکیم کے مطابق صوبوں کے ابتدائی اقساط اس اصول کے تحت مقرر کئے گئے کہ وہ خسارہ اٹھائے بغیر یا جدید محاصل عاید کئے بغیر ادا کرسکتے تھے۔ یہ قرار دیا گیا کہ یہ ابتدائی اقساط ہر صوبہ کی حیثیت کے مطابق مستقل طور سے معیاری قرار دے دیئے جائینگے۔ مگر مسٹن کمیٹی کے اس فیصلہ پر کسی نے رضامندی کا اظہار نہیں کیا اور اس کی مسدودی کا مسلسل مطالبہ ہونے لگا۔ مرکزی حکومت کی مالی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہونے کے بعد ۲۶-۱۹۲۵ء اور بعد کے سالوں میں مرکزی حکومت اقساط کی ادائی میں معافی عطا کرنے کے قابل ہوئی۔ ۲۹-۱۹۲۸ء سے صوبہ واری پیش کش کا طریقہ بالکل ترک کردیا گیا۔ اس کے باوجود صنعتی صوبہ جات خاص کر بمبئی اور بنگال کے اصلی شکایات باقی رہے یعنی مستقل ضرورتوں کے لئے مرکزی حکومت کے ذرائع آمدنی مثلاً انکم ٹیکس اور کروڑگیری میں کافی لچک ہے اس کے برخلاف صوبہ واری حکومتوں کو جن کی ضرورت تیزی کے ساتھ وسیع ہورہی ہیں جو ذرائع آمدنی مثلاً مالگذاری اور آبکاری حاصل ہیں ان سے ضروریات کے مطابق آمدنی کا حصول بہت مشکل ہے۔ ان حالات کے تحت صوبہ جات نے محصول آمدنی سے ایک خاص حصہ حاصل کرنے کے لئے سخت جد و جہد کی بنگال اور بمبئی جیسے صنعتی صوبوں نے اس کا بطور خاص مطالبہ کیا تھا چنانچہ محصول آمدنی سے تھوڑا سا حصہ صوبہ جات کو عطا کرنا منظور کرلیا گیا۔

ہندوستان میں وفاقی مالیات کا مسئلہ | مرکزی حکومت اور صوبہ جات یعنی قایم ہونے والے وفاق کی وحدتوں کے مابین آمدنی کی تقسیم کے اہم مسئلہ پر مختلف کمیٹیوں اور کمیشنوں نے غور کیا ہے مثلاً

سائیمن کمیشن کی لٹن رپورٹ گول میز کانفرنس کی وفاقی مالیات کی ذیلی کمیٹی اور پرسی کمیٹی۔

حکومت ہند کے قانون ہند بابتہ ۱۹۳۵ء میں جو جدید وفاقی دستور کا مبدا ہے حسب ذیل امور مقرر کئے گئے ہیں جو کل جماعتوں کے متفقہ فیصلوں پر مبنی ہیں۔

حسب ذیل محاصل وفاقی حکومت کی جانب سے عائد اور وصول کئے جائینگے۔

(۱) زرعی زمین کے سوا وراثتاً جائداد حاصل کرنے پر محاصل۔

(۲) محاصل اسٹامپ، ہنڈی، چک، پرامیسری نوٹ، حوالے نامے، اعتباری کاغذات بیمہ کی پالیساں، عیوضی نامے اور قبض الوصول کے بارے میں۔

(۳) منتہائی محصولات، اشیا، یا مسافروں کا ریل یا ہوائی جہاز کے ذریعہ پہونچنا۔

(۴) ریلوے کے کرایہ اور سامان کے نقل و حمل پر ٹیکس۔

مندرجہ بالا محاصل کی خالص آمدنی اور ٹیکس وفاقی حکومت کی آمدنی کا جزو نہیں ہے بلکہ بعض اصول کے تحت یہ آمدنی صوبہ جات اور وفاقی ریاستوں میں منقسم ہوگی کہ جہاں مذکورہ بالا محاصل اور ٹیکس وصول کئے جائینگے لیکن وفاقی مقننہ کو اجازت حاصل ہے کہ وفاقی مقاصد کی خاطر ان محاصل پر مزید آمدنی وصول کرے۔

آمدنی پر ٹیکس (بہ استثنائے کارپوریشن ٹیکس[1]) وفاقی حکومت زرعی آمدنی کو مستثنیٰ کرکے آمدنی پر محاصل عاید کرنے کے علاوہ وصول بھی کریگی۔ اس آمدنی کا ایک خاص فی صد جو بہ حکم کونسل معین کیا جائے گا صوبہ جات اور وفاقی ریاستوں کو دے دیا جائے گا کہ جہاں اس قسم کا ٹیکس ایک مقررہ سال کے دوران میں کونسل کے مجوزہ طریقہ کے مطابق وصول کیا جائے گا۔

وفاقی مجلس مقننہ کسی وقت بھی اس قسم کے ٹیکس میں وفاقی مقاصد کی غرض سے مزید اضافہ کرسکتی ہے۔ نمک اور برآمدی محاصل، نمک پر محصول، چنگی، وفاقی اور برآمدی محاصل وفاقی

---

[1] کارپوریشن ٹیکس سے مراد کمپنیوں کے منافع پر ٹیکس ہے۔

حکومت کی جانب سے عائد اور وصول کئے جائینگے لیکن وفاقی مقننہ قانون منظور کرسکتی ہے کہ اس قسم کے وفاقی محاصل کی خالص آمدنی میں سے کچھ حصہ یا تمام رقم صوبہ جات کو دی جائے

جوٹ یا جوٹ کی پیداوار کی برآمدی محصول کی صورت میں کم از کم خالص آمدنی کا نصف حصہ ان صوبہ جات کو دیا جائے گا جہاں جوٹ کی کاشت ہوتی ہے یہ تقسیم جوٹ کی پیدائش کے تناسب کے لحاظ سے عمل میں آئے گی۔

وفاقی مقننہ میں کوئی مسودۂ قانون یا اس میں کوئی ترمیم گورنر جنرل کی قبل از قبل منظوری کے بغیر پیش نہ ہوسکیگی جو

(۱) کسی صوبہ کی مفوضہ کل خالص آمدنی یا اس کے جزو پر کوئی محصول یا چنگی عاید کرے یا

(۲) زرعی آمدنی کے مفہوم کو جسکی توضیح قانونی اغراض کے لئے ہندوستانی انکم ٹیکس کے بارہ میں کی گئی ہو تبدیل کرے یا

(۳) ان اصولوں کو متاثر کرے جن کے تحت رقوم صوبہ جات یا ریاستوں میں تقسیم شدنی ہوں یا

(۴) حسب صراحت بالا کوئی وفاقی زاید محصول لگاتا ہو۔

<u>فیصلہ نیمیر</u> وزیر ہند نے برطانیہ کے ایک قابل مالیاتی عہدہ دار سر اوٹو نیمیر کو مقرر کیا تھا تاکہ حکومت ہند کے قانون بابتہ ۱۹۳۵ء کے مجوزہ مالیاتی موقف کی تحقیقات کرے۔ اس کی مرتبہ رپورٹ جس میں مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں کے درمیان مالیاتی امور کی قرارداد کی گئی ہے منظور کرلی گئی۔ اس رپورٹ میں انکم ٹیکس کی تقسیم کا اصول بہ طور خاص معین کیا گیا ہے۔

نیمیر رپورٹ میں تین طریقوں سے صوبہ جات کی مالی اعانت کی سفارش کی گئی ہے۔

(۱) نقد امداد (۲) یکم اپریل ۱۹۳۶ء کے قبل کے قرضے معاف کردیئے جائیں

(۳) ساڑھے بارہ فی صدی۔

جوٹ کا محصول جوٹ پیدا کرنے والے صوبہ جات (بنگال آسام اور بہار) پر تقسیم کیا جائے۔ سالانہ نقد امداد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

صوبہ متحدہ ۲۵ لاکھ روپے (صرف پانچ سال کے لئے) آسام ۳۰ لاکھ روپے اڑیسہ ۴۰ لاکھ روپے شمال مغربی سرحدی صوبہ ۱۰۰ لاکھ روپے (اس امداد پر پانچ سال کے بعد پھر غور کیا جائے) سندھ ۱۰۵ لاکھ روپے (دس سال کے بعد تدریجی تخفیف کی جائے)

دوسری سالانہ امداد حسب ذیل ہے۔

بنگال ۷۵ لاکھ روپے بہار ۲۵ لاکھ روپے صوبہ متوسط ۱۵ لاکھ روپے آسام ۴۵ لاکھ روپے شمال مغربی سرحدی صوبہ ۱۱۰ لاکھ روپے اڑیسہ ۵۰ لاکھ روپے سندھ ۱۰۵ لاکھ روپے صوبہ متحدہ ۲۵ لاکھ روپے۔ اڑیسہ کو مزید غیر متوالی ۱۹ لاکھ روپے امداد دی جائے گی۔ سندھ کو پانچ لاکھ روپے چھ مساوی اقساط میں جسکی ابتدا صوبہ واری خود اختیاری کے آغاز کے چھٹے سال سے بعض شرائط کے تحت عمل میں آئے گی۔

صوبہ جات کو انکم ٹیکس کی حوالگی:۔ یہ مسئلہ نیمیر تحقیقات کے اہم مسائل میں سے تھا رپورٹ میں محصول آمدنی کا اندازہ برما کی علحدگی کے بعد ۱۲ کروڑ روپے سالانہ کیا گیا ہے۔ جس کا نصف (چھ کروڑ) صوبہ جات کے حوالے کیا جائے گا لیکن سر آٹو نیمیر کی سفارش کے مطابق ابتدائی پانچ سالوں تک یہ آمدنی مرکزی حکومت کے حق میں محفوظ رہے گی تاکہ وہ اپنی مالی حالت مستحکم کرسکے۔ بعد کے پانچ سالوں کے دوران میں انکم ٹیکس کی آمدنی تدریجاً صوبہ جات کے لئے قابل حصول ہوگی۔ اس طرح دس سال کے بعد صوبہ جات انکم ٹیکس میں اپنا پورا حصہ حاصل کرسکینگے۔ سررشتۂ ریلوے کے عطیات کو شامل کرکے اگر تقسیم شدنی رقم کا کوئی حصہ مرکزی حکومت کے پاس ۱۳ کروڑ روپے سے کم رہے تو انکم ٹیکس کی آمدنی صوبہ جات میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔ مشترکہ انکم ٹیکس کا فی صد جو صوبہ جات میں تقسیم شدنی ہے درج ذیل ہے۔

مدراس ۱۵ فی صدی بمبئی ۲۰ فی صدی بنگال ۲۰ فی صدی صوبہ متحدہ ۱۵ فی صدی پنجاب ۸ فی صدی بہار ۱۰ فی صدی صوبہ متوسط ۵ فی صدی آسام ۲ فی صدی اڑیسہ ۲ فی صدی سندھ ۲ فی صدی شمال مغربی سرحدی صوبہ ایک فی صدی ابتداً یہ اندیشہ تھا کہ محصول آمدنی سے

صوبہ جات کو جزوی منافعہ حاصل ہونے تک کافی وقفہ گذر جائے گا اور اپنے کامل حصے کو حاصل کرنے کے لئے اس سے بھی زیادہ مدت درکار ہوگی۔ لیکن خوش قسمتی سے مرکز کی آمدنی میں اضافہ اور ریلوے بجٹ کی وجہ ۳۸-۱۹۳۷ء کے مالیاتی سالوں کے درمیان مرکزی حکومت کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ نیمیر سفارشات کی بموجب انکم ٹیکس میں سے ایک حصہ صوبہ جات کے حق میں منتقل کرے۔ اس طرح منتقل شدہ جبار رقم کا اندازہ ایک کروڑ ۶۳ لاکھ روپے کیا گیا ہے لیکن چونکہ ریلوے مالیات اور عام معاشی حالات اطمینان بخش نہیں ہیں اس لئے مستقبل غیر یقینی ہے۔

سر اوٹو نیمیر کی سفارشات بہت سے متضاد نظریوں میں توازن پیدا کرتی ہے اس امر کا اعتراف ضروری ہے کہ وہ وفاقی مالیات کے کسی نظریہ کے بجائے عملیت اور حقیقت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ نیمیر رپورٹ پر تقریباً عام طور سے بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا۔ تاہم اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ کوئی معقول اسکیم نہیں ہے کسی صوبہ کے حق میں اس کے اندر ایسی تبدیلی ناممکن ہے جو دوسرے صوبہ کو قابل اعتراض نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ صوبہ جات کے لئے آمدنی کے وسیع ذرائع مہیا کرنے چاہئیں تاکہ وہ قومی تعمیر کی خاطر نئی اسکیم جاری کر سکیں۔ صوبہ جات کو انکم ٹیکس کی کامل حصہ کی ادائی کا جہاں تک تعلق ہے سر اوٹو کی اسکیم کی کامیابی کا انحصار بڑی حد تک ریلوے کے اطمینان بخش کام پر ہے اور صوبہ واری حکومتوں کا مفاد اسی میں ہے کہ ریلوے کی نفع بخش آمدنی کے حصول کی خاطر حکومت ہند سے اشتراک عمل کریں تاکہ ریلوے کی جانب سے مرکزی آمدنی میں ٹھوس اعانت حاصل ہو سکے اس مقصد کے لئے صوبوں کی سڑکوں کی پالیسی میں باقاعدگی بھی ضروری ہے تاکہ سڑکیں ریلوں سے مسابقت کرنے کی بجائے ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔ اس کی بھی ضرورت ہے کہ مرکزی حکومت کی جانب سے ریلوے کے اخراجات کا جائزہ لیا جائے اور مختلف ذرائع حمل و نقل میں باہمی رابطۂ اتحاد پیدا کیا جائے۔

۱۹۴۰ء میں تیسرا اسکیم میں چند ترمیمات جنگ کی وجہ سے عمل میں آئے ہیں۔ صوبہ واری حکومت خود اختیاری کے قیام کے بعد سے صوبہ جات کی آمدنی اور اخراجات میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ صوبہ جات کو محصول آمدنی میں سے عطیہ مل رہا ہے۔ جوٹ کا محصول جوٹ پیدا کرنے والے صوبہ جات پر تقسیم ہو رہا ہے۔ بعض متفرق محصولات مثلاً محصول فروخت اشیاء، پیشہ ورانہ ٹیکس، شہری جائداد غیر منقولہ کا ٹیکس بھی صوبہ جات کو مل رہا ہے تا کہ یہ رقم تعلیم اور قومی مفاد کے سر رشتہ جات پر صرف کی جائے۔

اشتهارات

مجلۂ طیلسانین کے مقاصد اور قواعد

۱ ۔ مجلۂ طیلسانین انجمن طیلسانین عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ترجمان ہے ۔

۲ ۔ اغراض انجمن کے لحاظ سے مجلہ میں :۔

الف ۔ جامعۂ عثمانیہ کے منظور ما بعد طیلسان مقالے شایع کیے جائیں گے ۔

ب ۔ اُردو مطبوعات پر تنقید و تبصرہ کیا جائیگا ۔

ج ۔ انجمن طیلسانین عثمانیہ اور اس کے ملحقہ اداروں کی سرگرمیوں اور کاروبار کی تفصیلات شایع کی جائینگی ۔

د ۔ علمی اور ہر جہتی ترقی کی معلومات و اطلاعات شایع کی جائیں گی ۔

ھ ۔ سیاسیات حاضرہ اور اختلافی مذہبی امور کے متعلق مضامین وغیرہ کسی صورت میں شایع نہ کیے جائینگے ۔

۳ ۔ حسب ضرورت مجلہ کے مختلف حصے خاص خاص علم و فن سے مختص ہوں گے ۔ فی الوقت مجلہ کے دو حصے ہوں گے ۔ حصۂ عام اور حصۂ معاشیات ۔

۴ ۔ مجلہ بہمن ۔ اردی بہشت ۔ امرداد اور آبان مطابق جنوری ۔ اپریل ۔ جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوگا ۔

۵ ۔ مجلہ کے ہر حصہ کی ضخامت کم از کم ۱۰۰ صفحے ہوگی ۔

۶ ۔ مابعد طیلسان مقالے اس صورت میں شایع کیے جائیں گے جب کہ ان کا حق اشاعت و طباعت مجلّہ کو دے دیا جائے ۔ البتہ مولف کو دس نسخے ہدیۃً دیے جائیں گے اگر اس سے زاید نسخے درکار ہوں تو کاغذ کی قیمت قبل از قبل ادا کرنے پر انتظام کیا جائیگا ۔

۷ ۔ اگر مضمون یا مقالہ نگار پہلے سے مجلہ کے خریدار نہ ہوں تو مجلہ کا وہ شمارہ جس میں ان کا مضمون شایع ہو بلا قیمت ارسال کیا جائیگا ۔

۸ ۔ سال بھر میں کسی صاحب کے دو مضمون یا مقالے شایع ہونے کی صورت میں سال مابعد کے لیے اگر قواعد انجمن طیلسانین عثمانیہ مانع نہ ہوں تو مجلہ بلا قیمت جاری کیا جائیگا ۔

۹ ۔ اگر کسی مضمون یا مقالہ کے لیے مجلہ اپنے خرچ سے تصاویر کے بلاکس تیار کرے تو ان کو مناسب قیمت پر جس کا تصفیہ مہتمم مجلہ کریگا فروخت کیا جا سکے گا ۔

۱۰ ۔ اگر مجلہ کا کوئی شمارہ اشاعت کے مقررہ مہینے میں وصول نہ ہو تو اس کی اطلاع دوسرے مہینہ میں کر دینی چاہیے ۔

مجلہ طیلسانین کا چندہ

۱ - مجلہ چندہ دہندہ ارکان انجمن طیلسانین عثمانیہ کو مقررہ قواعد کے بموجب بلاقیمت ارسال کیا جائیگا۔

۲ - مجلہ کا حصۂ معاشیات معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین کے ارکان کو اپنے چندہ رکنیت کے علاوہ سالانہ (عہ) ایکروپیہ ادا کرنے پر ارسال کیا جائیگا۔ اگر ان کو مجلہ کے دونوں حصے مطلوب ہوں تو ان کو سالانہ دو روپیہ اپنے چندۂ رکنیت کے علاوہ ادا کرنا ہوگا۔

۳ - مجلہ کے دونوں حصوں کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ پانچ روپیہ سکہ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے پانچ روپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی۔

۴ - مجلہ کے عام حصہ کی قیمت محصولڈاک کے علاوہ خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیے سکہ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی۔

۵ - مجلہ کے حصۂ معاشیات کی قیمت علاوہ محصولڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیہ سکہ عثمانیہ ہوگی۔ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکہ حکومت ہند۔

۶ - مجلہ کے ہر حصہ کی قیمت فی نسخہ ایک روپیہ اور دونوں حصوں کی ایک روپیہ آٹھ آنے ہوگی۔

۷ - تبادلہ کے طور پر اشتہارات کی اشاعت مطلوب ہو تو مراسلت کے ذریعہ تصفیہ ہوسکیگا۔

۸ - مجلہ کے سلسلہ میں ہر قسم کی مراسلت مہتمم مجلۂ طیلسانین دفتر مجلس نمائش باغ عام حیدرآباد دکن کے توسط سے کی جانی چاہیئے۔

۹ - خریداران مجلہ اپنے پتہ کی تبدیلی سے مہتمم مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں۔

اشتہارات کا نرخ

صفحہ	چار بار کے لیے	ایک بار کے لیے	صفحہ	چار بار کے لیے	ایک بار کے لیے
پورا صفحہ پہلا ورق	۳۰ روپیہ سالانہ	۱۲ روپیہ	پورا صفحہ اندرونی	۲۰ روپیہ سالانہ	۶ روپیہ
آدھا صفحہ ″ ″	۲۰ ″ ″	۸ ″ ″	آدھا صفحہ ″	۱۵ ″ ″	۵ ″ ″
پاؤ صفحہ ″ ″	۱۵ ″ ″	۱۰ ″ ″	پاؤ صفحہ ″	۸ ″ ″	۳ ″ ″

سلسلۂ مطبوعات انجمن طیلسانین عثمانیہ

نام کتاب	مصنف	قیمت
۱- عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متولیان ریاست	سید علی محسن ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۲- سلطان احمد شاہ بہمنی	ظہیر الدین ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۳- امام غزالی کے کلامی خصوصیات	محمد غوث (محبوب نگری) ام اے (عثمانیہ)	ایک روپیہ آٹھ آنے
۴- موضع دویلی کی معاشی تحقیق	محمد ناصر علی ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۵- دربار اودھ کا اثر لکھنو کی شاعری پر	محمد اعظم ام اے (عثمانیہ)	ایک روپیہ
۶- معاشیات کی الف بے	محمد ناصر علی ام اے (عثمانیہ)	آٹھ آنے
۷- عہد معاونت اور حیدر آباد	میر مخدوم علی خاں ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۸- بلدہ سے قصبہ تک	محمد فاروق بی اے (عثمانیہ) ایچ سی ایس	۴/
۹- یادر المحل	نظیر حسین افندی ام ایس سی (عثمانیہ)	۴/
۱۰- مقامی محاصل ان کے اقسام اور نوعیت	محمد فاروق بی اے (عثمانیہ) ایچ سی ایس	۴/
۱۱- اسلام کے معاشی نظریے	محمد یوسف الدین ام اے (عثمانیہ)	ایک روپیہ آٹھ آنے
۱۲- پریم چند اور ان کی افسانہ نگاری	محمد اکبر الدین صدیقی ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۳- ہندوستانی معاشیات کے مبادی	شرف الدین بی اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۴- دیسی ریاستیں اور تنظیم مابعد جنگ	سید محمد نقی ہاشمی ام اے (عثمانیہ)	۸/

نام کتاب	مصنف	قیمت
۱- رہبر نمائش	خواجہ حمید احمد بی اے	[illegible]
۲- تحریک ترقی مملکت آصفیہ	" " "	۲/
۳- دنیائے نمائش	مرتبہ مجلس نمائش معاشی کمیٹی	۸/
۴- تحفہ نمائش	" " "	۸/

پڑھنے کے قابل کتابیں

۱۔ عہدِ سلف۔

بیداری کے لیے ملک کو جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ اس کی تاریخ ہے۔ یہ کام تمام زندہ قوموں میں قومی زندگی کا سب سے اصلی اور مقدم عنصر ہے۔ اس کی بدولت سلطنت کی عظمت اور خاندان شاہی کے ساتھ ارادت اور عقیدت کا خیال مستحکم ہوتا جاتا ہے۔ اہل نظر کے پاس مسلم ہے کہ تاریخ سلطنت آصفیہ کو صحیح طریقہ سے لکھنے کی کوشش بہت کم ہوئی ہے۔

اس نقص کے دور کرنے کے لیے جناب مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم نے قلم اٹھایا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان کی تالیف کا پہلا حصہ "عہد سلف" ہے یہ حضرت آصف جاہ کی سوانح عمری کا مقدمہ ہے۔ سلسلہ بیان قائم کرنے اور صحیح نتائج حاصل کرنے کے لیے ناگزیر سلطنت اسلامی کے نشو و نما پھر ہندوستان و دکن میں اسلامی سلطنت کے قیام پر ایک تبصرہ لکھنے کی ضرورت داعی ہوئی۔ چنانچہ "عہد سلف" میں مرحوم نے ۱۴ سو سال کی تاریخ سلطنت اسلامی پر نہایت دقت نظر سے ایک دلچسپ اسلوب بیان میں تبصرہ کیا ہے۔ تاریخ اسلام و ہند کے شائقین کو اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

۲۔ فوائد بدریہ۔

یہ کتاب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک میں نہایت مستند کتاب ہے۔ سیرت مبارک کی نہایت ضخیم عربی کتابوں کا یہ ایک بہترین اردو خلاصہ ہے۔ علاوہ براں تقریباً (۸۰) سال پہلے کی زبان اور انشا کا بہترین نمونہ ہے۔ رائل سائز عمدہ ڈبل کاغذ ۴۰۴ صفحات لکھائی چھپائی نہایت نفیس۔ قیمت تین روپیہ۔ مجلد چار روپے۔

۳۔ تفسیر فیض الکریم۔

تالیف قاضی بدر الدولہ و مفتی محمد سعید خاں بہ زبان اردو جس میں تفسیر و شان نزول اور احکام وغیرہ نہایت مستند احادیث و تفاسیر و فقہ سے لکھے گئے ہیں۔ ۸ جز طبع ہوئے۔ قیمت چار روپیہ

۴۔ ریاض النسواں

قاضی بدر الدولہ کی تالیف فقہ شافعی کی مستند کتاب جس میں نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل صراحت سے لکھے گئے ہیں۔ ہر شافعی کو اس کی ضرورت ناگزیر ہے۔ کاغذ چکنا رائل سائز ضخامت ۲۰۶ صفحات قیمت ایکروپیہ تین آنے

۵۔ تحفۃ الخلان

تالیف مولوی خلیل اللہ مرحوم فقہ شافعی جس میں بیع وغیرہ معاملات اور فرائض وغیرہ کے مسائل معتبر کتب سے منتخب کر کے لکھے گئے ہیں۔ کاغذ چکنا رائل سائز ضخامت ۲۰۶ صفحات قیمت ایکروپیہ تین آنے۔

۶۔ طب قدیم کی تاریخ

تالیف حکیم محمد اسمٰعیل صاحب۔ اس تالیف میں طب قدیم کے اسلامی زمانہ کی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ اور طب جدید کی ابتدائی اساس کو واضح کیا گیا ہے۔ اس تالیف پر مولف کو انجمن اطبائے دکن سے انعام ملا تھا۔ قیمت بارہ آنے

۷۔ خواتین عہد عثمانی۔

تالیف مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی۔ اس تالیف میں حیدرآباد کے حالیہ دور میں خواتین نے جو ترقی کی ہے۔ اس کو دلچسپ پیرایہ میں قلم بند کیا گیا ہے۔ قیمت ایکروپیہ چار آنے

۸۔ قرآنی دعائیں۔

تالیف مولوی محمد فاروق صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ۔ سی۔ ایس قلب و روح کی تسکین کا سامان۔ ہدیہ آٹھ آنہ۔

۹۔ نور علیٰ نور۔

تالیف مولوی محمد فاروق صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ۔ سی۔ ایس۔ قرآن شریف کی ان آیتوں کا انتخاب جو بڑی عظمت و حلاوت رکھتی ہیں۔ ہدیہ آٹھ آنہ۔

ملنے کا پتہ:۔ دفتر "مجلہ طیلسانین"

احاطہ نمائش گاہ۔ باغ عام۔ حیدرآباد دکن

معلوماتِ حیدرآباد

محکمہ اطلاعات سرکارِ عالی کی جانب سے ہر ماہ رسالہ

"معلوماتِ حیدرآباد"

پانچ زبانوں (انگریزی، اُردو، تلنگی، مرہٹی اور کنڑی) میں شایع ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مستند مواد کی فراہمی کے روزافزوں مطالبے کی تکمیل کے مدنظر باشندگان ممالک محروسہ سرکارِ عالی کی سماجی معاشی اور تعلیمی حالت نیز زندگی کے دوسرے شعبوں کو ترقی دینے کے لیے حکومت کی سرگرمیوں کو عام فہم طرز میں پیش کیا جائے۔

موجودہ جرائد میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کلیتہً ان امور کے لیے وقف ہو۔ ان میں سے کچھ تو ادب کی خدمت کے لیے۔ چند کا موضوع سیاسیات ہے اور چند کا معاشیات اور روزانہ سہ روزہ اور ہفتہ وار اخبار کم و بیش پورے طور پر خبروں اور حالات حاضرہ سے جو صرف حیدرآباد تک محدود نہیں ہوتے تعلق رکھتے ہیں۔

"معلوماتِ حیدرآباد" کے پیش نظر ایک ایسا خصوصی مقصد ہے جس کی تکمیل سے کسی موجودہ اخبار یا رسالے کے ساتھ خواہ وہ ممالک محروسہ میں شایع ہوتا ہو یا اس کے باہر کسی قسم کی رقابت کا امکان پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے برعکس اس رسالے کے مضامین آزادی کے ساتھ اس رسالے کے حوالے سے یا بغیر حوالے کے کل یا جزوی طور پر دوبارہ شایع کیے جاسکتے ہیں۔

یہ رسالہ نہ صرف پبلک کی دلچسپی کے امور فراہم کرکے روزافزوں مطالبے کی تکمیل کرتا ہے بلکہ وہ صحافتی تعاون کا بھی ایک وسیلہ ہے۔

ہر زبان کے رسالے کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ اس رسالے میں اشتہارات بھی دیے جاسکتے ہیں۔ نرخ نامہ اشتہارات محکمہ اطلاعات سرکارِ عالی حیدرآباد سے طلب کیا جاسکتا ہے۔

تحفۂ نمائش

نمائش مصنوعات مملکت آصفیہ کے موقع پر حضرت جلالت مآب مدظلہم العالی خلد اللہ ملکہٗ کی رونق افروزی اراکین مجلس کی سرفرازی کی موجب رہی۔ عام رعایائے آصفی کیلئے بھی یہ رونق افروزی احسان عظیم کی مترادف ہے۔ مجلس نمائش نے ہر سال ورودِ شاہانہ سے متعلق فوٹو تیار کرائے ہیں۔ اور ہر سال کے وقائع تشریفات شاہانہ کو بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے چنانچہ اس سال ایک مصور تحفۂ نمائش کی طباعت و اشاعت نمائش مصنوعات مملکت آصفیہ کے افتتاح کے موقع پر عمل میں آئی ہے۔

قیمت .... آٹھ آنے

ملنے کا پتہ، دفتر مجلس نمائش باغ عامہ حیدرآباد دکن

اِلتماس

تبدیلی پتہ — معزز خریدار اصحاب پتہ کی تبدیلی سے براہِ کرم دفتر مجلہ کو بر وقت مطلع فرمائیں۔

کتب برائے تبصرہ — تنقید و تبصرہ کے لیے کتابیں جو بھیجی جاتی ہیں اس کے دو دو نسخے روانہ فرمائے جائیں۔

اشتہارات — یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور اردو معیاری رسالوں میں شمار کیا جاتا ہے اور دور و نزدیک جاتا ہے اس رسالہ کے ذریعہ اشتہارات دینا کاروبار کی ترقی میں ممد و معاون ہوگا۔

مقالہ جات جامعہ عثمانیہ — ادارہ نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے کہ علمی ادبی اعلیٰ سے اعلیٰ مقالوں کے ذریعہ اردو زبان کی بطور خاص خدمت انجام دی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ کے مابعد طیلسان مقالہ جات اس وقت تک (۱۱) شایع ہو چکے ہیں۔ جو اصحاب اپنے مقالوں کی طباعت کے خواہش مند ہوں وہ براہِ کرم مدیر مجلہ سے مراسلت فرمائیں۔

سہ ماہی علمی رسالہ

حیدرآباد دکن

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلّۂ طیلسانیین

(حصۂ عام)

(مُدیر)

محمد غوث ام۔ اے۔ ال ال بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ام۔ اے

(مہتمم)

محمد نور اللہ بی۔ یس۔ سی

سالانہ چندہ پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

دفتر مجلۂ طیلسانیین، نمایش گاہ باغ عام۔ حیدرآباد دکن

ٹیلیفون نمبر ۲۵۵۳

مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانین حصۂ عام

جلد ۹
شمارہ ۲ و ۳
اردی بہشت و امرداد ۱۳۵۴ف
اپریل و جولائی ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

اداریہ

مجلہ کے گذشتہ شمارہ کی اشاعت کے بعد دنیا کو جنگ و غارت گری کے بھونچال سے گونہ اطمینان حاصل ہو گیا۔

عالمگیر جنگ کے بعد عالمگیر امن و اطمینان کا خواب شرمندۂ تعبیر بھی ہو گا یا پھر کوئی سراب ہو جائیگا مستقبل کی بات ہے۔

جنگ کا زمانہ تو خیر کمزور حافظہ کی دنیا میں دو ایک سال کے بعد خواب و خیال ہو جائیگا لیکن خدا نہ کرے کہ زمانۂ جنگ کے دوستوں میں فتح کی رقابتیں آہستہ آہستہ لیکن مستقل انداز سے جو رنگ جما رہی ہیں وہ پھر رنگ لائیں۔

جنگ کے مختلف دور، شکست و فتح، مفتوحوں سے فاتحوں کا برتاؤ، کمزور قوموں سے وعدے، ان وعدوں کے ایفا کی صورتیں، سب ایک مستقل تبصرہ کی محتاج ہیں۔ اسکی اس وقت نہ تو ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ لیکن سب باتوں سے قطع نظر ہر ملک اب اس بات کا منتظر ہے کہ کب "تنظیم مابعد جنگ" اہل ملک کے لئے حقیقت میں "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" ثابت ہو گی۔ "تنظیم مابعد جنگ" کے سہانے خواب کی تعبیر بھی چاہے مستقبل کے مورخ کو کچھ بھی کیوں نہ نظر پڑے اس وقت اس سلسلہ میں ہمارے ملک کے بیسیوں نوجوان اپنی جوانی اور شباب کی بے پناہ قوتوں کے ساتھ بہتر تعلیم و تربیت کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر سفر بیرون وطن کے لئے پا بر کاب ہیں لیکن آخر خود ہمارے ملک میں بہتر تعلیم و تربیت کا انتظام کب ہو گا، اور کون کریگا؟

ارض مغرب میں بہتر تعلیم و تربیت کا مفہوم آخر کیا ہے کہ نصف صدی سے زیادہ کے تجربہ کے بعد اب بھی جبکہ اخلاقی نقطۂ نظر سے خود اہل مغرب پر اپنی بہتر تعلیم و تربیت کے باوجود ضغطہ کا عالم طاری ہے۔ اہل مشرق کے لئے تعلیم و تربیت کا کعبۂ مقصود مشرق سے دور مغرب میں واقع ہے۔

ایک فرزند وطن نے آج سے ۲۴ سال قبل جن الفاظ میں بہتر تعلیم و تربیت کے مغربی مفہوم کی جو وضاحت کی تھی اُس کو یہاں دُہرانا کافی ہو گا۔

"یورپ کی موجودہ تعلیمی حالت دو جزو میں تقسیم کی جا سکتی ہے: عام تعلیم اور اعلیٰ تعلیم؛ عام تعلیم وہ چیز ہے جس نے آج یورپ میں عام رائے کی زبردست طاقت قائم کر دی ہے اور عام زندہ دلی کا تناور درخت سیراب کیا ہے

یہ عام تعلیم کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے : تمام ملک کے بسنے والوں میں ایک مشترک تخیل (مبدء)
پیدا کرنا۔ اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے اول وہ کورس ہے جس میں ملک کی صحیح تاریخ ۔ مفید جغرافیہ۔ ادب
کی دلچسپ اور ولولہ خیز کتابیں شریک ہیں ۔ دوسرے نیک مدرسین کی تربیت ہے ۔ ضرورت ملک کے موافق کورس
اور شفیق اُستاد دونوں نوخیز طلباء میں وہ فنا نہ ہونیوالی روح پھونکدیتے ہیں جس سے ان کی آئندہ طویل زندگی
کی عنان کا مصلحتِ ملک کے شارع عام سے ذاتی خواہش کی طرف پھر جانا قریب قریب محال کے ہوتا ہے۔

اس عام تعلیم کے اوپر اعلیٰ تعلیم کا زینہ ہے جس کا منشا یہ نہیں ہوتا کہ اعلیٰ افراد نوکری کیلئے چن لئے جائیں
بلکہ اسکی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص کے ادراکی اور جسمانی قویٰ سے ایسا کام لیا جائے جس سے انکی قدرتی
بالیدگی ہو۔ یہ تعلیم وبالِ جان نہیں ہوتی بلکہ انشراحِ خاطر کا سبب بنتی ہے۔ امتحان کیلئے تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تعلیم کے لئے
امتحان ہوتا ہے۔ ان دونوں جزوں سے ملکر وہ زندہ سوسائیٹی قائم ہے جس نے ہر طرف یورپ کے نعرے بلند
کر دیئے ہیں۔ یورپ کی عام حالت کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے: یہ ہرگز خیال نہ کرنا چاہیئے کہ کل یورپ کی حالت یکساں ہے
اسمیں بھی ایسے قطعات موجود ہیں جہاں علم کی روشنی نہایت ماند ہے اور ترقی یافتہ قطعات میں خود باہم بڑا فرق نظر آئے گا۔
مثلاً جرمن و فرانس کی اعلیٰ تعلیم انگلستان میں معدوم ہے اور انگلستان کی سی عمدہ تربیت کیلئے خود فرانسیسی نہایت پر حسرت
لہجہ میں تمنا کر رہے ہیں۔ موسیو ارمون دی مولین کی کتاب اس مسئلہ پر مشہور ہو چکی ہے اور انگلستان کا نامور مدبر کرومر خرطوم میں
صاف تسلیم کرتا ہے "گو انگریز دوسری قوموں سے تعلیم میں کم ہوں مگر وہ متعلم کو اعتماد بر نفس کی تعلیم دیتے ہیں، اسمیں جد و جہد کے ملکہ
کو بوتے اور ذاتی فرض کے شعور کی تربیت کرتے ہیں جسکی بدولت وہ گرما طبع، حکومت کا مستحق بن جاتا ہے اور اس آلہ کی طرح
جسکو دوسرا شخص گھماتا ہے یا اس سواری کی طرح جسکی عنان سوار کے ہاتھ میں رہتی ہے نہیں ہو جاتا۔" دوستو! بتاؤ کہ ہمارے ملک
میں اعلیٰ تعلیم اور عام تعلیم کی کیا ایسی ہی حالت ہے؟[1]

یہ بات اب کوئی راز نہیں ہے کہ بہتر تعلیم و تربیت کا یہ نظام مغرب میں مشرق سے ہی پہونچا۔ مدرسوں اور جامعات کی بنا یورپ
کی سرزمین میں مشرقیوں نے ہی رکھی۔ اجتماعی درس کا طریقہ بتوسط املا (لکچر) مشرقیوں نے ہی بتایا۔ علمی اوقاف، علمی ادارے اور
فکر معاش سے آزاد محققین کی جماعتوں نے مشرق ہی کی سرزمین میں ہی جنم لیا۔ آزمودہ کامیاب اخلاقی نظام مشرق میں اب بھی
مستحکم ہے۔ پھر ہمارے ہی ملک میں بہتر تعلیم و تربیت کا انتظام استوار کیوں نہیں ہوتا؟

نا امیدی اور مایوسی کی کوئی بات نہیں، دلوں کو اطمینان ہے کہ شاید

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔

یہ مرد غیب شاید جناب سید محمد اعظم صاحب ہوں یا جناب نواب علی یاور جنگ بہادر، یا کوئی اور آنکھوں سے اوجھل!! بہرحال جلد یا دیر
سے کسی نہ کسی مخلص محب وطن مصلح تعلیم کا میدان میں آنا ضروری ہے۔ فقط

---

[1] روحِ ترقی، تالیف مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم صفحہ ۲۰ و ۲۱

اُردو شاعروں کی خدمت میں جناب مولوی الیاس برنی صاحب کی استدعا

اُردو شاعری کا ایک جامع انتخاب بترتیب خاص بنام "سلسلۂ منتخبات نظم اُردو" ۱۹۱۹ئہ سے شائع ہونا شروع ہوا، اور اس کے تین عنوان مستقل قرار پائے:۔

(۱) معارف ملت - جلد اول، دوم، سوم و چہارم

(۲) جذبات فطرت جلد اول - دوم - سوم و چہارم

(۳) مناظر قدرت جلد اول - دوم - سوم و چہارم

ہر عنوان کے تحت چار چار جلدیں چار ہی سال میں ۱۹۲۲ئہ تک شائع ہوگئیں۔ جملہ بارہ (۱۲) جلدوں میں دو سو قدیم و جدید شعرا کا کلام تقریباً چودہ سو نظموں کی شکل میں کم و بیش دو ہزار صفحات پر جمع ہوگیا جو کیفیت و کمیت کے لحاظ سے بہت قابل قدر قرار پایا۔ چنانچہ سلسلۂ مذکور کو علمی و ادبی حلقوں میں، تعلیمات و جامعات میں اور عام طبقات میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہر جلد کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے اور نکل رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تا حال پچاس ہزار سے زیادہ نسخے شائع ہو چکے ہیں۔ حالانکہ تجارتی معمول کے پیمانہ پر اس سلسلہ کا اشتہار کبھی نہیں نکلا۔ پہلے اشاعت کا مرکز مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ رہا۔ چند سال سے اسکی اشاعت جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے تعلق سے مکتبہ جامعہ دہلی کے سپرد ہے۔

اُردو میں ماشاء اللہ جس جس رنگ کی شاعری جس پیمانہ پر ترقی کر رہی ہے اُسمیں اُردو ادب کا نیا دور نظر آتا ہے۔ چنانچہ گذشتہ بیس پچیس سال میں بہت کچھ قابل قدر کلام شائع ہو چکا ہے۔ مجموعوں میں، رسالوں میں اور بہت کچھ کلام غالباً بیاضوں میں موجود ہے جو آئندہ شائع ہوگا۔ غرض کہ اُردو شاعری کا مستقبل بفضلہ امید افزا نظر آتا ہے۔ رہا کلام کا ذوق اور معیار سو یہ ماحول کے ہمیشہ اثرات سے بدلتا رہا ہے اور بدلتا رہیگا۔ دوامی یکرنگی ناممکن ہے اور نامناسب بھی کہ فطرت میں خود تغیرات کا تسلسل ہے

اس دوران میں بعض جوانب سے تقاضا بلکہ ابرام ہوتا رہا کہ بعد کی شاعری بھی سلسلے میں منسلک کرلی جائے تا کہ اتنی تاحال مکمل ہو جائے۔ ہر سہ عنوانات مذکورہ کے تحت مزید جلدیں ساتھ ساتھ شائع ہوں۔ خود میرا بھی مدت سے یہ خیال تھا لیکن کثرت کار نے ادھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ تاہم اُردو کی خدمت بہرحال واجب ہے اور قصد ہے کہ حضرات شعرا اگر اُردو کی صلاح و فلاح کی خاطر حسب سابق از راہ کرم تعاون فرمائیں تو عدیم الفرصتی کے باوجود منتخبات کی مزید جلدیں ترتیب دے دے کر حسب صراحت بالا شائع کیجائیں۔ رفتہ رفتہ نئی نوعیت و وسعت بھی اجمالی شکل میں ملک کے پیش نظر ہوتی رہے انشاء اللہ

حضرات شعراء کرام تعاون کی دو ہی شکل ہے کہ اول تو کلام کے مطبوعہ مجموعے عنایت ہوں جو بعد مطالعہ واپس کر دیئے جائیں گے یا جن کی قیمت ارسال کردیجائیگی۔ البتہ ہدیۃً عنایت ہوں تو دوسری بات ہے، شکریہ۔ دوسرے

جو کلام رسالوں میں متفرق شائع ہوا ہو یا جو بیاضوں میں جمع ہو حسب صوابدید اسکی نقلیں ارسال فرمائی جاسکتی ہیں لیکن وہ واپس نہ ہوسکیں گی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ جو بیاضیں دست بدست وصول ہوں اُن کو بعد مطالعہ دست بدست واپس کردیا جائے۔ توقع ہے کہ مستقل تعاون کے ساتھ کلام کی ترسیل اور منتخبات کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہیگا

ع تازہ بہ تازہ نو بہ نو

غرض کہ جوں جوں کلام کافی منتخب ہوتا جائے گا۔ معارفِ ملت۔ جذباتِ فطرت۔ مناظرِ قدرت۔ ہر سہ عنوانات کے تحت ایک ایک جلد ترتیب پاکر تین تین جلدیں ساتھ ساتھ شائع ہوتی جائیں گی۔ مثلاً ہر سہ عنوان کی جلدہائے پنجم یا جلدہائے ششم وغیرہ۔

جو حضرات ازراہ کرم اپنا کلام ارسال فرمائیں۔ اسکے ساتھ اپنے مکتوب میں اجازت طبع بھی تحریر فرمادیں تو بہتر ہو اور اپنے متعلق ضروری معلومات بھی درج فرمادیں۔ یعنی اپنا پورا نام۔ اپنا تخلص۔ اپنا وطن یا پتہ۔ سن ولادت۔ اگر کچھ کلام شائع ہوچکا ہے تو مجموعوں کے نام اور اشاعت کے مقام۔ تاکہ انتخاب کلام کی صورت میں ضروری معلومات متعلقہ جلد کے ضمیمے میں درج ہوسکیں۔ جن حضرات کا کلام کسی جلد میں شائع ہوگا انکی خدمت میں متعلقہ جلد کا نسخہ ہدیۃً پیش ہوگا۔ اگر کسی صاحب کا کلام انتخاب میں نہ آسکے تو اُن سے پیشگی معذرت چاہی جاتی ہے۔ اور عدم انتخاب سے خدانخواستہ اُن کے کلام پر حرف نہیں آتا۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ نفس کلام کا علمی و ادبی معیار انتخاب کے عام فہم معیار سے بلند تر ہو

جن حضرات شعرا کے پتے معلوم ہوچکے ہیں یا آئندہ معلوم ہونگے اُن کی خدمت میں یہ معروضہ بذریعہ ڈاک راست پیش ہوگا۔ ایسے حضرات اگر دوسرے پتوں سے مطلع فرمائیں تو باعث تشکر ہوگا۔ پھر بھی جن حضرات کے پتے معلوم نہ ہوسکیں ان سے عدم ترسیل معروضہ کی معذرت چاہی جاتی ہے۔ اطلاع ملنے پر وہ خود ہی التفات فرمائیں تو کرم اور بھی زیادہ ہوگا۔

اُردو رسائل و اخبارات سے بھی استدعا کی جاتی ہے کہ وہ براہ کرم یہ معروضہ یا اس کا خلاصہ بشرط گنجائش شائع کرکے تعاون فرمائیں۔ توقع ہو کہ یہ استدعا کسی نہ کسی حد تک ضرور قبول ہوگی اور صحافت کے ذریعے بھی حضرات شعرا تک عام اطلاع پہنچ جائے گی۔

حامیانِ اُردو کی خدمت میں اُردو کے ایک ادنیٰ خادم کی یہ ناچیز استدعا ہے۔ ع
گر قبول افتد زہے عز و شرف

مراسلات کا پتہ: محمد الیاس برنی
بیت السلام۔ حیدرآباد دکن

دکن میں تعلیم

بہ عہد آصف جاہ اوّل و آصف جاہ ثانی

(۱۷۲۴ تا ۱۸۰۳ء)

از

سید علی محسن، ام۔ اے، ام۔ ایڈ

فہرست ابواب :-

دکن میں تعلیم

باب اوّل

آصف جاہ اول کا گھرانہ، اور اُن کی تعلیم و تربیّت

آصف جاہ اول جس خاندان کے چشم و چراغ تھے، وہ جہاں بہت سے دنیاوی اعزازات و امتیازات کا حامل تھا، وہیں اپنے علم و فضل کی وجہ سے بھی کافی شہرت رکھتا تھا۔ ان کے آبا و اجداد سمرقند کے رہنے والے تھے۔ اسلامی علوم و فنون کے مراکز کی حیثیت سے، سمرقند و بخارا کو، ازمنۂ وسطیٰ میں جو شہرت حاصل تھی، وہ محتاج بیان نہیں۔ آصف جاہ اول کے دادا، خواجہ عابد، علی آباد میں[۱] پیدا ہوئے جو سمرقند سے قریب واقع ہے۔ خواجہ عابد کو قدرت نے ایک علمی گھرانا اور ایک علمی ماحول عطا کیا۔ سمرقند کی علم پرور فضا میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ خواجہ عابد کے باپ عالم شیخ اپنے زمانے کے اکابر علما میں سے شمار کئے جاتے تھے۔ ان کے علمی فضل و کمال کی وجہ سے، ان کو توران کی سلطنت میں خاص وجاہت و امتیاز حاصل تھا۔ توران کے بادشاہ نے ان کو عالم العلماء کے خطاب سے سرفراز کر رکھا تھا۔

عالم شیخ نہ صرف ایک بہت بڑے عالم تھے بلکہ صاحب رُشد و ہدایت بھی تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی[۲] کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے ان کو خاندانی امتیاز حاصل تھا۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بہ حیثیت ایک عالم اور صوفی کے تمام اسلامی دنیا میں متعارف ہیں۔ اسلامی دنیا پر ان کی تصانیف، اِن کے تبحّر علمی کا پتہ دیتی ہیں۔ یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے صوفی اور صاحب

---

[۱] مآثر نظامی مصنفۂ منارام قلمی ص۳ و نیز حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۱ ۔ [۲] مآثر نظامی ص۳ و حدیقۃ العالم جلد دوم ص۱ ۔ آصف جاہ اول تک شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:- (۱) شیخ شہاب الدین سہروردی (۲) شیخ ابی محمد حفص (۳) شیخ زین الدین (قطب الاقطاب) (۴) شیخ علاء الدین (۵) شیخ تاج الدین (۶) شیخ فتح اللہ (۷) شیخ نجیب الدین (۸) شیخ جاوید الملقب سرحست (۹) شیخ فتح اللہ ثانی (۱۰) شیخ جاوید ثانی (۱۱) محمد درویش (۱۲) محمد مومن (۱۳) (عبدالرحمن) میر محمد عالم (۱۴) الہداد (عزیزان عالم) (۱۵) خواجہ میر اسمٰعیل عرف عالم شیخ۔ (۱۶) خواجہ عابد مطابق تاریخ خورشید جاہی ص۲۶۳ و مآثر الامراء وغیرہ)

سلسلہ بزرگ سمجھے جاتے تھے، اور ایک عرصہ تک مسندِ رشد و ہدایت پر متمکن رہ کر انھوں نے بہت سے تشنگانِ معرفتِ الٰہی کو اپنے فیضِ باطنی وظاہری سے مستفیض کیا۔

عالم شیخ اپنے زمانے میں اپنے ممتاز اجداد کے حقیقی جانشین ثابت ہوئے۔ اپنے گھرانے کے علمی روایات کو قائم رکھتے ہوئے انھوں نے ایک جید عالم کا رتبہ حاصل کیا۔ اور بعد میں اپنی آبائی مسندِ طریقت پر متمکن ہوگئے۔ سمرقند وبخارا میں ان کے مریدوں اور عقیدتمندوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ انھوں نے متعدد اعلیٰ پایہ کی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں[51]۔

خواجہ عابد اسی علمی اور مذہبی ماحول میں پیدا ہوئے، انھوں نے اپنے باپ سے مذہبی تعلیم حاصل کی، اور دیگر علمائے سمرقند سے بھی تلمذ حاصل کیا، ان کی قابلیت کے لحاظ سے انکو بخارا میں قاضی القضاۃ کی خدمت عطا کی گئی۔ اسلامی ممالک میں اس خدمت کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور عموماً ایسے اشخاص کو ہی یہ خدمت عطا کی جاتی تھی، جن کی علمی قابلیت مسلّمہ ہو، اور جو اپنے فضل وکمال، اور علمی تبحّر کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہوں۔ کچھ عرصہ بعد خواجہ عابد کو "شیخ الاسلام" کے اہم عہدہ پر فائز کیا گیا[52]۔ ان خدمات کے سپرد کئے جانے کے یہ معنی تھے کہ خواجہ عابد کی اعلیٰ علمی قابلیت بخارا میں مسلّم تھی۔ اور وہ یہاں کے علمار کی صفِ اول میں جگہ پانے کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ عابد کی فطری قابلیتیں اپنے کامل اظہار کے لئے ایک وسیع تر میدانِ عمل کی متلاشی تھیں، چنانچہ انھوں نے بخارا کو خیرباد کہا، اور ہندوستان کی راہ اختیار کی شاہجہاں کے آخری زمانہ میں وہ ہندوستان پہونچے۔ (۱۰۶۵ھ م ۱۶۵۴ء)۔ شاہجہاں نے ان کے علمی فضل وکمال کی قدر کرتے ہوئے ان کو خلعت سے سرفراز کیا، اور چھ ہزار روپے نقد عطا کئے[53] فی الوقت انھوں نے مغلیہ دربار میں کوئی خدمت قبول نہیں کی، بلکہ بغرض حج وزیارت مکۂ معظمہ چلے گئے۔

حج سے فارغ ہوکر خواجہ عابد جب دوبارہ ہندوستان آئے، تو یہاں کی سیاسی صورتِ حال بہت نازک ہوچکی تھی (۱۰۶۸ھ م ۱۶۵۷ء)۔ شاہجہاں کے بیٹے، تخت وتاج کے لئے، ایک عظیم الشان خونین کشمکش کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ خواجہ عابد نے ایسی حالت میں اورنگ زیب سے توسّل پیدا کرلیا، اور ایک فوجی خدمت قبول کرلی۔ اس زمانہ کی "ہمہ گیر تعلیمی

---

[51] مآثر نظامی ص۳۲ ومآثر الامراء جلد۳ ص۱۲۱ وحدیقۃ العالم جلد ۲ ص۳۱۰۔ [52] حدیقۃ العالم جلد ۲ ص۳۱۰۔

[53] مآثر الامراء جلد سوم ص۱۲۱ نیز حدیقۃ العالم جلد۲ - ص۳۱۰۔

خصوصیت" کی یہ ایک مثال ہے کہ اعلیٰ علمی قابلیت رکھنے والے اشخاص، عموماً سپاہیانہ فنون میں بھی اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس عہد میں سپاہیانہ فنون کی تعلیم، علمی اور نظری تعلیم کا ایک لازمی جزو تھی۔ خواجہ عابد نے اپنی آئندہ زندگی میں جس نمایاں طریقہ پر اپنے آپ کو، فوجی معرکوں میں ممتاز کر دکھایا، اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے دوران میں، سپاہیانہ فنون کو نظرانداز نہیں کیا گیا تھا۔ اسی لئے اورنگ زیب کے عہد میں اُنھوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ، متعدد فوجی خدمات انجام دیں۔ جن کے صلہ میں شہنشاہ نے ان کو قلیچ خاں کے خطاب سے سرفراز کیا[51] (۱۶۵۸ء)۔ قلیچ خاں نے تا م آخر اپنی سپاہیانہ شہرت قائم رکھی۔ گول کنڈہ کے محاصرہ کے دوران میں ترددات نمایاں کا اظہار کیا، اور اسی معرکہ میں زخمی ہو کر جاں بحق تسلیم ہوئے[52] (۱۶۸۷ء)

خواجہ عابد نے اورنگ زیب کے عہد میں صرف فوجی خدمات ہی انجام نہیں دیں، بلکہ بلحاظ اپنی اعلیٰ قابلیت کے، اہم انتظامی عہدوں پر بھی فائز ہوتے رہے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے دو مرتبہ ان کو "صدارت کل" کے عہدہ پر مامور کیا[53] (۱۶۶۰ء/۱۰۷۱ھ - ۱۶۸۱ء/۱۰۹۲ھ) مغلیہ نظامِ حکومت میں اس عہدہ کو خاص وقعت حاصل تھی؛ اور عموماً قابل ترین اور ذی وقعت اشخاص کو اس خدمت پر فائز کیا جاتا تھا۔ اورنگ زیب نے بالخصوص اس خدمت کی اہمیت بہت بڑھا دی تھی۔ چنانچہ آصف جاہ اول فرمایا کرتے تھے کہ اورنگ زیب کے نزدیک صدارت کی خدمت وزارت سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی تھی[54] اس لحاظ سے خواجہ عابد کا دو مرتبہ اس عہدہ پر سرفراز کیا جانا، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اورنگ زیب اُن کی اعلیٰ علمی قابلیت کا معترف تھا؛ اور بہ حیثیت ایک عالم کے بھی اُن کی قدر کرتا تھا۔ اُن کے علمی فضل و کمال کے مزید اعتراف کے طور پر اُن کو ۱۰۸۵ھ/۱۶۷۴ء میں میر حاج بھی مقرر کیا گیا تھا[55]

غرض خواجہ عابد، عالمگیری دور میں ایک ہمہ گیر قابلیت کے شخص تھے، جنھوں نے مختلف اور متضاد نوعیتوں کی خدمات کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ جن مختلف النوع صلاحیتوں کا اُنھوں نے اظہار کیا

---

۵۱ شہزادہ اکبر کی مہم میں جو خدمات انھوں نے انجام دیں اس کے صلہ میں یہ خطاب دیا گیا (دیکھئے مآثر الامرا جلد ۳ صفحہ ۱۲۱ تا ۱۲۳۔ نیز نظام الملک آصف جاہ اول (انگریزی) ڈاکٹر یوسف حسین خان صفحہ ۳)

۵۲ مآثر عالمگیری صفحہ ۲۹۶ و منتخب اللباب جلد ۲، ۳۳۰

۵۳ مآثر نظامی، صفحہ ۱۲ و حدیقۃ العالم جلد ۲، ۳۱، ۳۲

۵۴ رسالہ دربار آصفی از منشا رام صفحہ ۳۲

۵۵ مآثر نظامی صفحہ ۳

اُن سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کی اسلامی تعلیم میں ہمہ گیر جامعیت کے معیار کو پیش نظر رکھا جاتا تھا[1]۔ خواجہ عابد اس ہمہ گیر جامعیت کا بہت اچھا نمونہ تھے۔

خواجہ عابد نے جس ماحول میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، اسی ماحول میں اُن کے لڑکے میر شہاب الدین کو تحصیل علم کا موقع ملا۔ باپ کے ہندوستان جانے کے وقت شہاب الدین کی عمر چھ سات سال سے زیادہ نہیں تھی، چونکہ ایک علمی گھرانے میں انھوں نے جنم لیا تھا، باپ کی عدم موجودگی کے باوجود اُن کی تعلیم و تربیت میں کوئی رکاوٹ واقع نہیں ہوئی۔ اُن کے چچا شیخ بہاء الدین سمرقندی کی نگرانی میں انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ شیخ میر بہاء الدین، خواجہ عابد کے بڑے بھائی تھے اور علمی فضل و کمال میں انھوں نے اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھا تھا۔ اُن کی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے اُن کو سمرقند کی قضاءت کی خدمت عطا کی گئی تھی، اور عظیم العلماء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا[2]۔ عظیم العلماء کے فیض تربیت نے شہاب الدین کو ایک مرد صالح اور جوان شائستہ بنایا۔ سن تمیز کو پہنچنے کے بعد انھوں نے سبحان قلی خاں والی توران کے دربار میں رسائی حاصل کی[3]، اور اپنی قابلیت و شائستگی سے اُس کے مزاج میں ایسا دخل حاصل کر لیا کہ دربار کے دیگر مقربین کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ میر شہاب الدین کی خواہش یہ تھی کہ وہ ہندوستان چلے آئیں لیکن سبحان قلی خاں کو اُن کی مفارقت گوارا نہ تھی۔ بالآخر خواجہ یعقوب جویباری اور رستم بے کی وساطت سے جو سبحان قلی کے خاص مقربین میں سے تھے، شہاب الدین کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی۔ عالمگیری حکومت کے بارھویں سال میں (۱۰۷۹ھ ۱۶۶۸ء) یہ ہندوستان پہنچے[4] اور ابتداءً منصب سی صدی ہفتاد سوار پر مامور کیے گئے۔ اس کے بعد سے اُن کی مسلسل ترقی کا زمانہ شروع ہوتا ہے، اور ترقی بھی ایسی کہ عالمگیری عہد کے امرائے عظام میں شمار کیے جانے لگے۔ سبحان قلی خاں والیِ توران نے اُن کی آئندہ عظمت کے متعلق جو پیشین گوئی کی تھی وہ لفظاً بہ لفظاً صحیح نکلی[5]۔ عالمگیری عہد میں جو نمایاں خدمات انھوں نے انجام دیں اُن کا نتیجہ تھا کہ وہ سلطنت کے بڑے سے بڑے مناصب پر فائز کیے گئے، اور ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کے اعلیٰ مرتبت منصب تک پہنچے۔ عالمگیر کو اُن کے کارہائے نمایاں سے اتنی خوشی ہوئی کہ اُن کو "فرزند ارجمند" کے ممتاز خطاب سے سرفراز کیا[6]۔

---

۱ دی نظام مصنفہ برگس جلد اول ص۸۹

۲ مراۃ الاخبار قلمی مصنفہ فیض حق قادری ص۱۳۱

۳ مآثر نظامی ص۶

۴ حدیقۃ العالم مقالہ دوم ص۳۲، مآثر الامراء جلد دوم ص۸۷۵

۵ حدیقۃ العالم ص۳۳

۶ سرو آزاد ص۱۷۳

۷ چنانچہ فتح بیجاپور کو ان الفاظ میں داخل وقائع کرنے کا حکم دیا گیا "بدستیاری فرزند بے ریو ورنگ غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ (بیجاپور) مفتوح شد" حدیقۃ العالم ص۳۴۔

فتح بیجاپور کے ضمن میں، اُن کی نمایاں کارگزاری کی ستائش کرتے ہوئے عالمگیر نے یہ مشہور دعائیہ جملہ کہا تھا کہ: "چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ از طرف فیروز جنگ شرم اولاد تیموریہ نگہداشت آبروئے او وآبروئے اولاد او تا روز قیامت نگہدارد"[1] غازی الدین فیروز جنگ تاریخ ہند میں ایک بہترین جنرل کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ ان کی فوجی کامیابیوں کی غیر معمولی شہرت نے اُن کے بعض علمی اور ثقافتی کارناموں کو دھندلا کر دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالمگیری عہد کا یہ مشہور ومعروف سپہ سالار، علوم وفنون کا ایک قابل قدر مربّی اور سرپرست تھا۔ سہروردیہ خاندان کا علمی رُجحان ان میں بھی پایا جاتا تھا۔ اپنی مصروف فوجی اور سیاسی زندگی کے باوجود انھوں نے علمی خدمت کے لئے بھی اپنا بہت کچھ وقت اور روپیہ وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں اُنھوں نے دہلی کے اجمیری دروازے کے قریب ایک مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کی۔ اور اسی سے متصل اپنے لئے ایک مقبرہ بھی تیار کرا لیا تھا۔ اس مدرسہ میں طلبہ کی اقامتی ضروریات کے لئے کافی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اور اُن کی درس وتدریس کا مناسب انتظام کیا گیا تھا[2]۔ اس درسگاہ کے قیام سے یہ پتہ لگتا ہے کہ فیروز جنگ بالخصوص اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں اپنا وقت زیادہ تر علمی اور ثقافتی خدمات پر صرف کر رہے تھے۔ اور خدمت علم کا جو ذوق اُن کو وراثتاً اپنے آباء واجداد سے حاصل ہوا تھا، وہ زندگی بھر اُن میں موجود رہا۔ عالمگیری عہد کے اس مشہور مدبّر، سپاہی اور مربّی علم کا انتقال سنہ ۱۷۱۰ء ۱۱۲۲ھ میں ہوا اور دہلی کے اجمیری دروازے کے قریب ان ہی کے بنائے ہوئے مقبرہ میں اُن کو سپرد خاک کیا گیا[3]۔

میر شہاب الدین عنفوانِ شباب میں اول اول جب ہندوستان آئے تو اورنگ زیب کو ان کی تربیت اور ترقی بطور خاص مرکوزِ خاطر تھی۔ شہنشاہ نے ان کے معاملات میں شخصی دلچسپی لینی شروع کی۔ اور خود بادشاہ کے ایما سے اُن کی شادی علامی سعد اللہ خاں کی لڑکی سے عمل میں آئی[4]۔ اسی رشتۂ مناکحت کا ثمر اولین نواب آصف جاہ اول کی ذات ہے۔

---

[1] حدیقۃ العالم صفحہ ۱۳۰ سنہ ۱۴۰

[2] مرأت احمدی مصنفہ علی محمد خاں جلد اول [illegible] (انگریزی) مصنفہ مسٹر جعفر اسی ضمن میں مسٹر جعفر ایک اور مدرسہ کو جو ۱۷۱۰ء میں قائم ہوا تھا فیروز جنگ کا قائم کردہ بتاتے ہیں۔ اول تو فیروز جنگ کا انتقال ۱۷۱۰ء میں ہو چکا تھا۔ دوسرے مرأت احمدی کے حوالہ سے انھوں نے اس مدرسہ کا ذکر کیا ہے حالانکہ مرأت احمدی میں اس دوسرے مدرسہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ (دیکھئے مرأت احمدی جلد اول مطبوعہ صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۱ نیز مسٹر جعفر کی کتاب صفحہ ۱۴۱)

[3] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲ [4] حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۳۲

اُن سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کی اسلامی تعلیم میں ہمہ گیر جامعیت کے معیار کو پیشِ نظر رکھا جاتا تھا[۱]۔ خواجہ عابد اس ہمہ گیر جامعیت کا بہت اچھا نمونہ تھے۔

خواجہ عابد نے جس ماحول میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، اسی ماحول میں اُن کے لڑکے میر شہاب الدین کو تحصیل علم کا موقع ملا۔ باپ کے ہندوستان جانے کے وقت شہاب الدین کی عمر چھ سات سال سے زیادہ نہیں تھی، چونکہ ایک علمی گھرانے میں، انھوں نے جنم لیا تھا، باپ کی عدم موجودگی کے باوجود، اُن کی تعلیم و تربیت میں کوئی رکاوٹ واقع نہیں ہوئی۔ اُن کے چچا شیخ بہاءالدین سمرقندی کی نگرانی میں انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ شیخ میر بہاءالدین، خواجہ عابد کے بڑے بھائی تھے اور علمی فضل و کمال میں انھوں نے اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھا تھا۔ اُن کی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے اُن کو سمرقند کی قضارت کی خدمت عطا کی گئی تھی، اور عظیم العلماء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا[۲]۔ عظیم العلماء کے فیض تربیت نے شہاب الدین کو ایک مردِ صالح اور جوان شائستہ بنایا۔ سن تمیز کو پہنچنے کے بعد انھوں نے سُبحان قلی خاں والی توران کے دربار میں رسائی حاصل کی[۳]، اور اپنی قابلیت و شائستگی سے اُس کے مزاج میں ایسا دخل حاصل کرلیا کہ دربار کے دیگر مقربین کی نظروں میں کھٹکنے لگے۔ میر شہاب الدین کی خواہش یہ تھی کہ وہ ہندوستان چلے آئیں لیکن سُبحان قلی خاں کو اُن کی مفارقت گوارا نہ تھی۔ بالآخر خواجہ یعقوب جوئباری اور رستم بے کی وساطت سے، جو سُبحان قلی کے خاص مقربین میں سے تھے، شہاب الدین کو ہند جانے کی اجازت ملی۔ عالمگیری حکومت کے بارھویں سال میں (۱۰۷۹ھ ؍ ۱۶۶۸ء) یہ ہندوستان پہنچے[۴]، اور ابتداءً "منصب سی صدی هفتاد سوار" پر مامور کئے گئے۔ اس کے بعد سے اُن کی مسلسل ترقی کا زمانہ شروع ہوتا ہے، اور ترقی بھی ایسی کہ عالمگیری عہد کے اُمرائے عظام میں شمار کئے جانے لگے۔ سُبحان قلی خاں والیِ توران نے اُن کی آئندہ عظمت کے متعلق جو پیشن گوئی کی تھی وہ لفظاً بہ لفظ صحیح نکلی[۵]۔ عالمگیری عہد میں جو نمایاں خدمات انھوں نے انجام دیں اُن کا نتیجہ تھا کہ وہ سلطنت کے بڑے سے بڑے مناصب پر فائز کئے گئے، اور هفت ہزاری هفت ہزار سوار کے اعلیٰ مرتبت منصب تک پہنچے۔ عالمگیر کو اُن کے کارہائے نمایاں سے اتنی خوشی ہوئی کہ اُن کو "فرزند ارجمند" کے ممتاز خطاب سے سرفراز کیا[۶]۔

---

[۱] دی نظام مصنفہ برگس جلد اول صہ ۴۵
[۲] مرآۃ الاخبار قلمی مصنفہ فیض حق قادری صہ ۱۳۱
[۳] مآثر نظامی صہ ۸
[۴] حدیقۃ العالم مقالہ دوم صہ ۴۳، مآثر الامراء جلد دوم صہ ۸۶۸
[۵] حدیقۃ العالم صہ ۴۳
[۶] سرو آزاد صہ ۱۴۳۔

[۷] چنانچہ فتح بیجاپور کو ان الفاظ میں داخل وقائع کرنیکا حکم دیا گیا "بہ سعیاری فرزند بے ریو ورنگ غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ (بیجاپور) مفتوح شد"۔ حدیقۃ العالم صہ ۴۳۔

فتح بیجا پور کے ضمن میں، اُن کی نمایاں کارگزاری کی ستائش کرتے ہوئے عالمگیر نے یہ مشہور دعائیہ جملہ کہا تھا کہ: "چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ از طرف فیروز جنگ شرم اولاد تیموریہ نگہداشت آبروئے او و آبروئے اولادِ او تا روزِ قیامت نگہدارد"[۱] غازی الدین فیروز جنگ تاریخ ہند میں ایک بہترین جنرل کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ ان کی فوجی کامیابیوں کی غیر معمولی شہرت نے اُن کے بعض علمی اور ثقافتی کارناموں کو دھندلا کر دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عالمگیری عہد کا یہ مشہور و معروف سپہ سالار، علوم و فنون کا ایک قابلِ قدر مربّی اور سرپرست تھا۔ سہروردیہ خاندان کا علمی رُجحان ان میں بھی پایا جاتا تھا۔ اپنی مصروف فوجی اور سیاسی زندگی کے باوجود انھوں نے علمی خدمت کے لئے بھی اپنا بہت کچھ وقت اور روپیہ وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں اُنھوں نے دہلی کے اجمیری دروازے کے قریب ایک مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کی۔ اور اسی سے متصل اپنے لئے ایک مقبرہ بھی تیار کر لیا تھا۔ اس مدرسہ میں طلبہ کی اقامتی ضروریات کے لئے کافی گنجائش رکھی گئی تھی۔ اور اُن کی درس و تدریس کا مناسب انتظام کیا گیا تھا۔[۲] اس درسگاہ کے قیام سے یہ پتہ لگتا ہے کہ فیروز جنگ بالخصوص اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں اپنا وقت زیادہ تر علمی اور ثقافتی خدمات پر صرف کر رہے تھے۔ اور خدمتِ علم کا جو ذوق اُن کو وراثتاً اپنے آبا و اجداد سے حاصل ہوا تھا، وہ زندگی بھر اُن میں موجود رہا۔ عالمگیری عہد کے اس مشہور مدبّر، سپاہی اور مربّیِ علم کا انتقال ۱۱۲۲ھ / ۱۷۱۰ء میں ہوا اور دہلی کے اجمیری دروازے کے قریب ان ہی کے بنائے ہوئے مقبرہ میں اُن کو سپردِ خاک کیا گیا۔[۳]

میر شہاب الدین عنفوانِ شباب میں اوّل اوّل جب ہندوستان آئے تو اورنگ زیب کو ان کی تربیت اور ترقی بطور خاص مرکوزِ خاطر تھی۔ شہنشاہ نے ان کے معاملات میں شخصی دلچسپی لینی شروع کی۔ اور خود بادشاہ کے ایما سے اُن کی شادی علامی سعد اللہ خاں کی لڑکی سے عمل میں آئی۔[۴] اسی رشتۂ مناکحت کا ثمرِ اولین نواب آصف جاہ اول کی ذات ہے۔

---

[۱] حدیقۃ العالم صفحہ ۳۷ صفحہ ۱۴۰

[۲] مرأت احمدی مصنفہ علی محمد خاں جلد اول صفحہ ... نیز دیکھیے ... مسلمانانِ ہند کی تعلیم ... (انگریزی) مصنفہ مسٹر جعفر اسی ضمن میں مسٹر جعفر ایک اور مدرسہ کو جو ۱۷۱۰ء میں قائم ہوا تھا فیروز جنگ کا قائم کردہ بتاتے ہیں۔ اول تو فیروز جنگ کا انتقال ۱۷۱۰ء میں ہو چکا تھا، دوسرے مرأت احمدی کے حوالہ سے انھوں نے اس مدرسہ کا ذکر کیا ہے حالانکہ مرأت احمدی میں اس دوسرے مدرسہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ (دیکھیے مرأت احمدی جلد اول مطبوعہ صفحہ ۴۰۳ تا ۱۱۴ نیز مسٹر جعفر کی کتاب محولہ صفحہ ۱۲۱)

[۳] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۱۴ [۴] حدیقۃ العالم جلد دوم صفحہ ۴۳

ان کی ولادت ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء میں ہوئی۔ لفظ "نیک بخت" سے تاریخ تولد برآمد ہوتی ہے اورنگ زیب کو اس خاندان سے جو شخصی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ نومولود کا نام اُسی نے تجویز کیا، چنانچہ میر قمرالدین نام رکھا گیا۔ بچپن ہی سے اس ہونہار لڑکے میں غیر معمولی ذہانت و فطانت کے آثار نمایاں تھے، اور بشرہ سے اس کی آئندہ عظمت کا پتہ چلتا تھا، غالباً ان ہی آثار و علائم کو دیکھکر شہنشاہ اورنگ زیب جو بلا کا مردم شناس تھا، یہ کہا کرتا تھا کہ

"آثار رشد و سعادت بر جبین فرزند خان فیروز جنگ یافتہ می شود"[۱]

اورنگ زیب کے وزیر، اسد خاں عمدۃ الملک نے بھی، اس لڑکے کی آئندہ عظمت کے بارے میں بارہا پیش گوئی کی تھی[۱]۔ ان بیانات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ میر قمرالدین کی غیر معمولی ذہانت کو ذی فہم اشخاص نے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اسی تاثر کے تحت اُنھوں نے اس ہونہار لڑکے کی آئندہ عظمت و بزرگی کی پیش گوئیاں کی تھیں۔ میر قمرالدین کو بجا طور پر ایک طفل مبادر (Precocious) کہا جاسکتا ہے۔ اس مبادرت کا اظہار بہت کم سنی سے ہی ہونے لگا۔ چنانچہ حدیقۃ العالم کا مصنف خود آصف جاہ اول کے الفاظ میں، اس حقیقت کا اس طرح اظہار کرتا ہے :-

"خود می فرمود کہ در ایام صغر سنی، اصلاً رغبتے بہ بازی کہ مرغوب اطفال می باشد نداشتم، و ہر گاہ پدر والا قدر، با اہل کنکاش جلسہ می کردند، و دریافت آں تا نصف شب نمی خفتم و چوں بہ تاکید والد ماجد، جہت خواب بر می خواستم، بہ کنجے نشستہ تمام داستان بگوش ہوش می شنیدم۔" (حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۴۹)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ باوجود صغر سنی کے، میر قمرالدین کو اُن علمی اور سیاسی مسائل سے گہری دلچسپی تھی، جن کے تذکرے، نواب فیروز جنگ کی مجالس میں ہوا کرتے تھے۔ اپنی ذہانت کی وجہ سے وہ ان مسائل کو سمجھتے اور اُن سے بہت کچھ ذخیرۂ معلومات میں اضافہ کی کوشش کرتے تھے۔ اس چیز کو ان کی غیر رسمی، اور بالواسطہ تعلیم کا ایک اہم جزو سمجھنا چاہیئے۔ ماحول کی اس غیر رسمی تعلیم کے پہلو بہ پہلو اُن کی باقاعدہ رسمی تعلیم کا بھی نہایت عمدہ انتظام کیا گیا تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت میں اُن معیاروں کو پیش نظر رکھا گیا جو سترھویں صدی میں، ہندوستان کے امیروں رئیسوں کی تعلیم میں عموماً ملحوظ رکھے جاتے تھے۔ بہ الفاظ دیگر مملکت ہند کی سیاسی ضروریات کے مدنظر کتابی اور درسی تعلیم کے ساتھ ساتھ فوجی اور سپاہیانہ نوعیت کی تعلیم کو بھی خاص اہمیت دیجاتی تھی

---

[۱] حدیقۃ العالم جلد ۲ — صفحہ ۴۹

تاکہ طبقۂ اُمرا کی نوجوان نسل، جس کے کندھوں پر بالآخر ملک کی سیاسی اور فوجی کل کو چلانے کی ذمہ داری عائد ہونا لازمی تھی، وہ اپنی آئندہ اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل ہوسکے۔ چنانچہ میر قمرالدین کی تعلیم میں ان دونوں پہلوؤں کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا۔ درسیات اور متداول کتب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ نواب فیروز جنگ نے اپنے لڑکے کو ترکی زبان کی بھی بہت اچھی تعلیم دلائی۔ ترکی زبان کے ایک ماہر اور فاضل معلم کو، جو تلاش معاش میں بخارا سے ہندوستان وارد ہوا تھا، بطور خاص ان کی تعلیم پر مامور کیا گیا۔ اس نے ترکی کے علاوہ، اپنے شاگرد کو علوم درسی کی بھی تعلیم دی جس میں اُس کو خاص مہارت حاصل تھی۔[1] بچپن کی اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ نواب آصف جاہ اول کو ترکی زبان سے عمر بھر غیر معمولی دلچسپی رہی، اور وہ اس زبان میں بہ فصاحت تمام بے تکلف گفتگو کرسکتے تھے۔ دکن میں قیام پذیر ہوجانے کے بعد، چونکہ درباری زبان فارسی تھی، اُنھوں نے ایک مرتبہ دفتر صدارت کو حکم دیا تھا کہ کسی ترکی داں کو اُن کے حضور میں پیش کیا جائے تاکہ اُس سے ترکی زبان میں بات چیت کا موقع مل سکے۔[2]

اس مکتبی اور درسی تعلیم کے ساتھ ساتھ، سپاہیانہ فنون کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ فتوحات[3] آصفی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس عہد کی تمام حربی ضروریات میں، انھوں نے ید طولیٰ حاصل کرلیا، اور اس طرح اپنی ہر جہتی تعلیم کی تکمیل کی۔

اورنگ زیب کے دربار میں باضابطہ اور رسمی طور پر، ان کو چھ سال کی عمر میں پیش کیا گیا۔ شہنشاہ نے اس پہلی باریابی کے موقع پر ہی عطائے منصب سے سرفراز کیا۔[4] اس عہد کی روایات کے مطابق کم سنی ہی میں، اپنے باپ فیروز جنگ کی معیت اور نگرانی میں، میر قمرالدین کو فوجی مہمات کے ذاتی اور عملی تجربہ کا موقع ملا۔ فیروز جنگ جن جن فوجی مہمات پر جاتے، اُن میں اپنے

---

[1] اس معلم کا نام نہ سوانح دکن کے مصنف نے دیا ہے اور نہ ماہ نامہ کے مصنف نے۔ انھوں نے صرف یہ لکھا ہے کہ اس معلم کو ترکی خان کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور منصب عطا کیا گیا۔ اسی نسبت سے ترکی خان کے لڑکے میر موسیٰ اور اس کے پوتے میر محمد یار کو بڑی خدمات سے سرفراز کیا گیا۔ چنانچہ میر محمد یار کو آصفجاہ ثانی کے زمانہ میں رکن الدولہ، میر موسیٰ خان بہادر احتشام جنگ کے خطابات عطا کئے گئے، اور یہ دکن کے امرائے عظام سے ہوگئے۔ (سوانح دکن مصنفہ منعم خاں قلمی ورق ۲۸ اینز ماہ نامہ مصنفہ غلام حسین خاں گوہر قلمی ورق ۶۵)

[2] رسالۂ دربار آصفی مصنفۂ منسا رام صہ ۲۳ [3] فتوحات آصفی (قلمی صہ ۳۹)

[4] حدیقۃ العالم جلد ۲ صہ ۴۹

لڑکے کو ساتھ رکھتے تھے۔ کم دبیش تیرہ سال کی عمر[1] سے ان کی عملی فوجی تعلیم کی کارآموزی کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اپنے تجربہ کار باپ کی سرکردگی میں، اس کے بعد سے انھوں نے مختلف سرکوں اور لڑائیوں میں حصہ لینا شروع کیا، گو اس شرکت کی نوعیت زیادہ تر تربیتی، اور کارآموزانہ تھی، لیکن حکومت کی جانب سے اُن کی حوصلہ افزائی کے طور پر، اُن کو خلعتوں اور مناصب سے سرفراز کیا جانے لگا۔ چنانچہ ۱۶۹۱ء ۱۱۰۲ھ میں جبکہ اُن کی عمر بہ مشکل بیس سال کی تھی ان کو "چین قلیچ خان" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا[2]۔ اور اس وقت وہ دو ہزار ذات اور پانسو سوار کے منصب پر فائز تھے۔ ان کی اس فوجی کارآموزی اور زمانۂ تربیت کے اختتام کا تعین ۱۶۹۷ء ۱۱۰۸ھ میں کیا جاسکتا ہے جبکہ اُنھوں نے فیروز جنگ سے علیحدگی اختیار کی، اور اپنی شخصی ذمہ داری پر مختلف فوجی مہمات کی سرکردگی اختیار کرنی شروع کی[3]۔

غرض یہ وہ ذرائع اور وسائل تھے، جن سے آصف جاہ اول نے، اپنی ابتدائی زندگی میں اپنی تعلیم کی تکمیل کی۔ گھریلو زندگی کے شائستہ اثرات، اور خانگی مکاتب کی درس و تدریس کے علاوہ، اس عہد کے اعلیٰ طبقات کے نوجوانوں کا سب سے بڑا مرکز تعلیم، میدانِ کارزار بھی تھا۔ جہاں کی فوجی نظم و ضبط کی سختیاں، تپتے ہوئے میدانوں یا دشوار گذار گھاٹیوں کی پیچ در پیچ بادیہ پیمائیاں، ان کو ایک جفاکش اور محنت پسند زندگی کے لئے تیار کرتی تھیں۔ ان ہی عملی تجربات کے ضمن میں، وہ اپنے ملک کی فوجی، سیاسی اور انتظامی ضروریات سے براہ راست واقفیت حاصل کرتے تھے، اور اسی گہری تعلیم اور راست واقفیت کی بدولت وہ بالآخر ملک کی اہم اور ذمہ دار خدمتوں کو بہ احسن الوجوہ انجام دینے کے قابل ہوتے تھے۔

عملی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد سے، میر قمرالدین چین قلیچ خان کی ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اورنگ زیب، کو اس کے اپنے آخری زمانہ میں ان پر بڑا اعتماد پیدا ہوگیا تھا بوڑھے شہنشاہ نے ان کو ہمیشہ موردِ الطاف و عنایات رکھا۔ اس کے انتقال تک انھوں نے پنجہزاری پنجہزار سوار کے منصب تک ترقی کرلی تھی اور بالخصوص واکنکھیڑ (۱۷۰۵ء) کی مہم میں

---

[1] نظام الملک آصف جاہ اول (انگریزی) ڈاکٹر یوسف ص۲۲

[2] حدیقۃ العالم ص۴۹

[3] حدیقۃ العالم ص۵۰۔ پہلی مہم جو ان کی آزاد سرکردگی میں بھیجی گئی، وہ ناگوری (بیجاپور) کے مفسدین کے خلاف تھی (۱۱۰۹ھ)

جو نمایاں خدمات انھوں نے انجام دیں، اُس کی وجہ سے شہنشاہ پر اُن کا مزید اثر قائم ہوگیا، اور وہ اُن کی قابلیت کا بہت معترف اور قدردان ہوگیا تھا۔[۵۱]

اورنگ زیب کے انتقال کے بعد، بہادر شاہ اور فرخ سیر کے زمانہ ہائے حکومت میں وہ مختلف ذمہ دار خدمات انجام دیتے رہے۔ فرخ سیر نے اُن کو نظام الملک فتح جنگ کے خطاب اور ہفت ہزاری منصب سے سرفراز کیا۔[۵۲] محمد شاہی عہد میں وہ سلطنت مغلیہ کے چوٹی کے امراء میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ یہ ان ہی کا حوصلہ اور قابلیت تھی کہ دکن کو امیر الامراء حسین علی خاں کے پنجۂ اقتدار سے نکال کر، اُسے اپنے قبضہ میں کیا، اور بالآخر اپنے مختلف رقیبوں اور مخالفوں پر قابو پاکر اُنھوں نے شکر کھیڑہ[۵۳] کے میدان جنگ میں آصفجاہی سلطنت کی بنیاد[۵۴] رکھی۔ (۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء)

آصفجاہ اول کو اٹھارویں صدی کے ہندوستان کی ایک عظیم المرتبت شخصیت سمجھنا چاہیے۔ کیا سیاست و تدبر، اور کیا معرکہ آرائی و انتظامِ سلطنت، غرض ہر اعتبار سے، انھوں نے اپنے آپ کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کر دکھایا۔ اُن کی زندگی شاندار کارناموں سے مملو نظر آتی ہے۔

اگر اس کو تسلیم کیا جائے کہ ایک صحیح اور بنیادی تعلیم، انسان کے اعلیٰ کردار، اور مکمل شخصیت کی تعمیر کی ذمہ دار ہے، تو نواب نظام الملک آصف جاہ کے کارناموں کے پیش نظر کرتے یہ کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ اُن کو ایک ایسی اچھی تعلیم و تربیت کے حاصل کرنے کا موقع ملا، جس نے اُن کی آئندہ عظمت کی بنیادیں رکھ دیں۔ اس تعلیم نے اُن کو نہ صرف ایک اچھا مدبر اور سپاہی بنایا بلکہ اُن میں دائمی طور پر ایک شستہ علمی مذاق بھی پیدا کر دیا۔ اسی علمی مذاق کی بدولت اُنھوں نے دکن میں علوم و فنون کی سرپرستی کی، اور اپنے آپ کو حکمرانی کے ساتھ ساتھ، علم و ادب کی خدمت میں بھی مشغول رکھا۔ اپنے ذاتی اثر اور مثال سے نواب آصفجاہ اول نے اپنے جانشینوں میں بھی علم و ادب کی وہ دلچسپی پیدا کر دی جو اس خاندان کا اس کے بعد سے ہمیشہ طرۂ امتیاز رہی ہے۔



---

۵۱ نظام الملک آصف جاہ اول، ڈاکٹر یوسف حسین ص ۴ و ۶۴

۵۲ سرو آزاد ص ۱۷۵

۵۳ اورنگ آباد سے ۶۰ کروہ (تقریباً ۱۲۰ میل) کے فاصلہ پر ہے۔

۵۴ دی نظام، مصنفہ برگس جلد اول ص ۴ نیز سرو آزاد ص ۱۷۷

دوسرا باب

آصفی خاندان میں تعلیمی انتظامات

آصف جاہ اول نے اپنے لڑکوں کی تعلیم و تربیت میں بہت گہری دلچسپی لی، چونکہ اُنھوں نے خود بہت اچھی تعلیم حاصل کی تھی، اس لئے اپنے بچوں کی تعلیم کے بھی معقول انتظامات کیئے۔ اور خاص انہماک و دلچسپی کے ساتھ ان کی فطری قابلیتوں کو عمدہ تعلیم کے ذریعہ سنوارنے کی کوشش کی۔ ان کی اِن کوششوں کا ایک طرف تو یہ اثر ہوا کہ اُن کے لڑکوں نے اچھی تعلیم حاصل کرلی، اور دوسری طرف آصفی خاندان میں شہزادوں کی تعلیم و تربیت کی عمدہ روایات قائم ہوگئیں انھیں روایات کے مدِّنظر آصف جاہ اول کے جانشینوں نے بھی اپنے اپنے دور میں اپنی اولاد کو مناسب اور معقول تعلیم سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کی۔ اس باب کا مقصد یہی ہے کہ اُن تعلیمی انتظامات کو پیش کیا جائے جو آصفی خاندان میں، آصفجاہ اول کے زمانہ سے، آصفجاہ ثانی کے زمانہ تک جاری رہے۔

ہندوستان میں عام اسلامی رواج کے مطابق شہزادوں کی تعلیم کی ابتدا بھی تسمیہ خوانی کی رسم سے شروع ہوتی تھی۔ اس رسم کی اساس بالکل تعلیمی ہے۔ اسلامی گھرانوں میں اس رسم کو ہمیشہ سے اتنی اہمیت حاصل رہی ہے کہ اس کو حتی القدور ہر شخص ممکنہ تزک و احتشام سے انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ رسم اس وقت انجام دی جاتی ہے جبکہ بچہ کی عمر چار سال چار ماہ اور چار دن کی ہوتی ہے۔ اس روز بچہ کو پہلی مرتبہ اُس کے علمی مقاصد میں سعادت اور برکت کے پیدا کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت "اقراء باسم" پڑھائی جاتی ہے۔ اس آیت کی پڑھائی کے بعد سے سمجھا جاتا ہے کہ اُس کی باضابطہ اور رسمی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، گویا دوسرے الفاظ میں، تعلیمی عمر کے آغاز کا تعین اسلامی روایات کے مطابق، بچّے کی زندگی کے چار سال و چار ماہ کے گزر جانے کے بعد کیا جاتا ہے،

اسی تعلیمی روایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نواب آصف جاہ اول نے میر احمد خاں (ناصر جنگ) کی رسم تسمیہ خوانی بڑی دھوم دھام سے منائی۔ چنانچہ حدیقۃ العالم کا مصنف اس ضمن میں رقمطراز ہے:۔

"چوں بہ سنِ چہار سال و چہار ماہ و چہار روز رسید، شادی بسم اللہ چنانچہ رسم ایں مملکت است بہ تکلف ہر چہ تمام تر ترتیب دادہ، و آں قرۃ العین خود را پیشِ استاد ادیب دانشمند فرستاد۔ تا مراتبِ علم و آداب اکتساب نماید۔"[۵۱]

اس سے ظاہر ہے کہ شہزادوں کی رسمی تعلیم و تربیت کی ابتدا اُن کی چار سالہ عمر گذر جانے کے بعد کی جاتی تھی۔ اس عمر کو پہونچتے ہی آغازِ تعلیم کے لئے مختلف اساتذہ مقرر کئے جاتے تھے جن کا فرض نہ صرف یہ تھا کہ وہ درسی اور کتابی تعلیم دیں بلکہ اخلاق اور کردار کی درستی کو بھی بہ طور خاص پیشِ نظر رکھیں۔ بہ الفاظِ دیگر سیرت سازی، اس عہد کی تعلیم کا ایک اہم نصب العین تھا۔

شہزادوں کے اِن تعلیمی انتظامات کے لئے محل میں ایک علٰحدہ جگہ مختص کر دی جاتی تھی جسے مکتب یا "مکتب خانہ" کہا جاتا تھا[۵۲] اس مکتب خانہ میں مقررہ اساتذہ شہزادوں کی درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ نواب آصف جاہ اول کو اپنے بچوں کی تعلیم سے اتنی گہری دلچسپی تھی کہ وہ ہمیشہ اُن کی تعلیمی ترقی سے واقف اور باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے معلمین پر سخت نگرانی رکھی جاتی تھی۔ شہزادوں کے تعلیمی انتظامات کی سربراہی اور نگرانی کا کام دفتر صدارت سے متعلق تھا[۵۳] اس دفتر کے متعلقہ اشخاص کا یہ فریضہ تھا کہ ہر ہفتہ اور دو ہفتہ کے بعد "مکتب خانہ" کے کام کا معائنہ کریں، اور اس کی رپورٹ آصف جاہ اول کے حضور میں پیش کریں ہفتہ بھر میں جو تعلیمی کام انجام دیا جاتا تھا اُس کا خلاصہ اس رپورٹ میں مندرج ہوتا تھا۔ شہزادوں کی تعلیمی نگرانی کا یہ کام کچھ عرصہ تک ضیاء الدین حسن خاں[۵۴] کے سپرد رہا، جو صدارت کی خدمت پر فائز تھے۔ اور بعد میں منسا رام پیشکار صدارت کے ذمہ کر دیا گیا۔ چنانچہ منسا رام لکھتا ہے:۔

"سبق ہر روزہ ایں ہا (سید محمد خاں صلابت جنگ، میر نظام علی خاں اسد جنگ، و شریف خاں بسالت جنگ و میر مغل علی خاں ناصر جنگ[۵۵]) بہ قید منتخب تعلیم بعد ہفتہ و دو ہفتہ حسب الامر نوشتہ بہ حضور می گذرانیدم[۵۶]"

---

[۵۱] حدیقۃ العالم جلد ۲ ص ۱۸۱ [۵۲] مآثر نظامی (قلمی) ص ۲۷ [۵۳] مآثر نظامی ص ۲۷

[۵۴] چنانچہ منسا رام مآثر نظامی میں لکھتا ہے" بہ ضیاء الدین خاں صدر حضور حکم شد کہ بر دیوڑھی رفتہ در خیمہ مکتب نشستہ از آموختہ مرشد زادہ ہائے آفاق دریافتہ، بہ معلمین آنہا تقید قرار واقعی بہ کار برند۔" ص ۲۷

[۵۵] میر مغل علیخاں کا خطاب، خزانۂ عامرہ کے مطابق ناصر الملک تھا (ص ۴۹) و نیز حدیقۃ العالم ص ۱۸۱) [۵۶] رسالہ دربار آصفی ص ۳۳

شہزادوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے علیحدہ علیحدہ استاد مقرر کئے گئے تھے ۔ میر سید محمد خاں (صلابت جنگ) حافظ عبدالرحیم سے، میر نظام علی خاں شیخ محمد جمیل سے، اور میر محمد شریف خاں، شیخ محمد علی سے پڑھا کرتے تھے۔ تعلیم کی نوعیت زیادہ تر ادبی تھی۔ مختلف زبانوں کی تحصیل کو پیش نظر رکھا جاتا تھا، فارسی اور عربی زبان کی تحصیل کے لئے ان زبانوں کے قواعد اور ان کے ادبی مُبادیات سے واقف کرایا جاتا تھا۔ چنانچہ ۱۱۵۹ھ ۱۷۴۶ء میں جو کتب ان لڑکوں کے زیر مطالعہ تھیں اُن سے، اُن کے مشتملات تعلیم اور نصاب کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ میر سید محمد خاں کافیہ اور ہدایت النحو پڑھ رہے تھے، میر نظام علی خاں عربی کی ابتدائی کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے، اور دستور المبتدی اُن کے درس میں تھی۔ میر سید محمد شریف خاں چونکہ ان دونوں سے چھوٹے تھے ابھی تعلیم کے بالکل ابتدائی مدارج میں تھے۔ چنانچہ ان کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انھوں نے قرآن مجید ختم کر دیا تھا، اور سعدی کی گلستاں کا درس لے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ جہانگیر نامہ بھی ان کے درس میں تھا۔ جس کو اُنھوں نے تقریبًا ختم کر لیا تھا۔[۱]

کتب درس کی اوپر جو تفصیل پیش کی گئی اُس سے اس عہد کے عام درسی نظام کا ایک سرسری اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی رواج کے مطابق لڑکے کی تعلیمی ابتدا "قرآن مجید" کے رواں مطالعہ سے شروع ہوتی تھی، یعنی بالکل میکانی طریقہ پر، حرف اور لفظ شناسی کے ذریعہ سے، عربی رسم خط سے، بچّہ کو واقف کرا دیا جاتا تھا، اور وہ رفتہ رفتہ پُورا قرآن مجید پڑھنے لگتا۔ یہ پڑھائی صرف عبارت خوانی کی حد تک محدود تھی۔ ظاہر ہے کہ اس میں عبارت کو سمجھ کر پڑھنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ چنانچہ اسی اُصول پر میر محمد شریف خاں نے قرآن ختم کر لیا تھا، قرآن کے ختم کرنے کے بعد یا اس کی تعلیم کے پہلو بہ پہلو بعض ابتدائی فارسی کتب پڑھائی جاتی تھیں، جن میں سعدی کی گلستاں و بوستاں کو صدیوں سے فارسی درسیات کا ایک اہم جز ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ فارسی میں جب کافی استعداد پیدا ہو جاتی تو عربی کی مبادیات شروع کرائی جاتی تھیں۔ غالبًا عربی کی تدریس کے ضمن میں سب سے پہلی کتاب جس میں طالب علم کو استعداد حاصل کرنی پڑتی، وہ میزان تھی۔ میزان دراصل عربی زبان کے قواعد پر مشتمل ہے، جس میں مختلف اور متعدد گردانیں موجود ہیں۔ ان گردانوں کو نہایت بیدردی کے ساتھ رٹایا جاتا تھا۔ میزان کے مطالعہ کے بعد، جب عربی کی مبادیات میں طالب علم کو کچھ استعداد پیدا ہو جاتی، تو پھر اُس سے اُونچے معیار کی کتابیں مثلًا کافیہ و ہدایت النحو وغیرہ کا درس دیا جاتا تھا۔

---

[۱] مآثر نظامی صـ۲۷ـ

فارسی اور عربی کی متذکرۂ بالا درسی کتب کے علاوہ، ان لڑکوں کو ترکی زبان کی تعلیم بھی دلائی جا رہی تھی۔ نواب آصف جاہ اول کو ترکی سے جو غیر معمولی دلچسپی تھی اُس کا اشارہ پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ یہ دلچسپی کچھ تو اس لئے تھی کہ نواب آصف جاہ اول کا خاندان تورانی الاصل تھا۔ سمرقند و بخارا سے ان کو جو نسبت تھی اُس کے لحاظ سے ان کا ترکی میں دلچسپی لینا کوئی تعجب کی بات نہیں، اس کے قطع نظر اس عہد کے حکمراں طبقات میں ترکی کی تحصیل "شائستگی اور کلچریت" کے نقطۂ نظر سے بھی کی جاتی تھی۔ چنانچہ محمد شاہ خود ترکی میں بڑی فصاحت اور بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کر سکتا تھا۔ اور نادر شاہ سے اُس نے اسی زبان میں گفتگو کی[۵۱] علاوہ ازیں جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، اس عہد کی تعلیم کا عام میلان چونکہ زیادہ تر ادبی تھا، اس لئے مختلف اور متعدد زبانوں کا جاننا ایک وسیع گہری اور ادبی نظر کے پیدا کرنے کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ غرض ان وجوہ کی بنا پر آصف جاہ اول نے اپنے لڑکوں کو ترکی زبان کی بھی تعلیم دلانے کی کوشش کی۔ خوشحال بیگ بدخشانی کو، ترکی کے معلم کی حیثیت سے مامور کیا گیا[۵۲]۔

لیکن اسی مقام پر یہ واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ نواب نظام الملک آصفجاہ کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے، ترکی زبان اس عہد میں شہزادوں کے جزو نصاب کی حیثیت سے نظر آتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ اُس کی یہ حیثیت ختم ہوگئی، اور نواب نظام علی خاں کے عہد میں اُس کے اثر کی کوئی نشانیاں نظر نہیں آتیں، اور غالباً یہ قیاس کچھ بیجا نہیں کہ باوجود آصف جاہ اول کی کوششوں کے، اُن کے لڑکوں نے اس زبان میں کوئی خاص معیاری تحصیل کا درجہ حاصل نہیں کیا۔ عربی کی تعلیم کے نتائج بھی کچھ غیر تشفی بخش ہی نظر آتے ہیں۔ نواب ناصر جنگ جو آصفجاہ اول کی اولاد میں باعتبار اپنی علمی قابلیت اور اعلیٰ ادبی ذوق کے سب سے زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں، عربی عمدگی سے سمجھ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ میر غلام علی آزاد نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نواب ناصر جنگ نے اورنگ آباد میں بعض سادات عرب کی دعوت کی، جب قہوہ کا دور ہوا تو مہمانوں میں سے ایک نے کہا "القھوۃ مُحرّمۃٌ عند بعض العلماء" ناصر جنگ اس جملہ کو نہ سمجھ سکے[۵۳]، اور آزاد سے پوچھا کہ مولانا کیا کہتے ہیں۔ آزاد نے اُس کی تشریح یوں کی کہ قہوہ بعض علماء کے نزدیک معظم و محترم ہے۔ حالانکہ جملہ کا اصلی مفہوم یہ تھا کہ قہوہ بعض علماء کے نزدیک حرام ہے۔ آزاد بڑے ادا شناس اور

---

۵۱ Later Moghuls Vol II P. 350.

۵۲ مآثر نظامی صد ۲۷   ۵۳ سرو آزاد صد ۱۹۱

حاضر جواب تھے، محض موقعہ کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے اُنھوں نے اس جملہ کی توجیہ بالقصد ایسی کی کہ نواب ناصر جنگ کو گراں نہ گزرے۔

اس عام درسی اور ادبی تعلیم کے ساتھ ساتھ خوشنویسی پر بھی شہزادوں کی تعلیم میں خاص طور پر زور دیا گیا۔ خوشنویسی اور خطاطی، اِس عہد کے تعلیمی نصاب کا ایک اہم جز تھی۔ اس فن کی ترقی میں مسلمانوں نے ہمیشہ سے غیر معمولی دلچسپی لی۔ اُن کے بہت سے علمی کارنامے اس فن لطیف کے ساتھ وابستہ ہیں، اور چونکہ اسلامی علوم کی ترویج و ترقی، اس فن کے ساتھ وابستہ رہی ہے، اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ اس کو تعلیمی نصاب کا ایک اہم جز بنا دیا گیا تھا۔ اس کی اس اہمیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ اس فن نے ایک علیٰ درجہ کے فن لطیف کی حیثیت اختیار کرلی۔ مصوری کی بعض خاص نوعیتوں پر اسلامی احکام کے امتناع نے مسلمانوں کے جمالیاتی ذوق کو خوشنویسی کے راستہ پر ڈالدیا۔ انھوں نے اس فن کے ذریعہ سے اپنے دبے ہوئے جمالیاتی ذوق کے اظہار کا راستہ ڈھونڈھ نکالا۔ یورپ میں رفائل اور لیونارڈو ڈاونسی کی تصویریں "ذوقِ حسن" کا نتیجہ تھیں، اسی کی کارفرمائی میر علی اور میر عماد کے قطعات میں نظر آتی ہے۔ خوشنویسی کو اس لحاظ سے دوہری اہمیت حاصل تھی، ایک طرف تو وہ علوم کی ترقی کا ذریعہ تھی، اور دوسری طرف اُس نے فنونِ لطیفہ کے زمرہ میں اپنے لئے جگہ پیدا کرلی تھی۔ اور اس کی اِن دونوں حیثیتوں کے لحاظ سے اسلامی مراکز تعلیم میں اُس کی تحصیل پر زور دیا جاتا تھا۔ چونکہ اس فن میں اِفادی اور جمالیاتی، اقدار یکساں طور پر موجود تھے، اس لئے اس کی اپیل، عوام اور خواص کے طبقات میں یکساں طور پر پائی جاتی تھی۔ حکمراں اور متموّل طبقات اس کی تحصیل، اس کی جمالیاتی قدر کے نقطۂ نظر سے کرتے تھے۔ اور اسی لحاظ سے، دکن کی آصف جاہی سلطنت نے شہزادوں کے تعلیمی انتظامات کے ضمن میں، اس فن کی تحصیل کو بہ طور خاص پیش نظر رکھا۔ چنانچہ نواب آصف جاہ اول نے اپنے لڑکوں کو خطِ ثلث سکھانے کے لئے محمد شفیع[۵۲] نامی خوشنویس کو مقرر کیا تھا۔ نواب ناصر جنگ، میاں مست علی سے خطِ نستعلیق اور مصوری کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔[۵۳] چونکہ اُن کی طبیعت شاعرانہ واقع ہوئی تھی، اور فنون لطیفہ سے اُن کو فطری لگاؤ تھا اس لئے اُنھوں نے مصوری اور خوشنویسی میں بہت اچھا کمال پیدا کرلیا، اور اپنی آئندہ زندگی میں بھی، فنون لطیفہ سے دلچسپی لیتے اور اُس کی سرپرستی کرتے رہے۔

---

[۵۱] چنانچہ محمد دلیر جو مست علی مصور و خوشنویس کا بھائی تھا اور خود بہت اچھا خوشنویس تھا، اُس کے متعلق گلزار آصفیہ کا مصنف لکھتا ہے: "محمد دلیر موصوف کہ یک یک حرف مفردش را بہ یک یک روپیہ خلقتِ خدا خریدمی کرد" صفحہ ۲۶۹ "دلیر گوہریں رقم" کے نام سے موسوم تھا۔ اور دکن میں اس کے بہت سے شاگرد موجود تھے۔ ماہ نامہ۔ صفحہ ۱۱۹

[۵۲] مآثر نظامی صفحہ ۲۷ [۵۳] ماہ نامہ قلمی صفحہ ۱۱۹/۱

نواب آصف جاہ اول نے اپنے گھرانے میں، جو تعلیمی روایات قائم کردی تھیں اُن ہی پر نواب نظام علی خاں (آصف جاہ ثانی) کے عہد میں بھی کام ہوتا رہا۔ شہزادوں کی تعلیم میں، جس ادبی رجحان کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا گیا ہے، اُس کا نمایاں اثر آصف جاہ ثانی کے زمانہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ تعلیم میں، ادبیات پر جو زور دیا جاتا تھا، اُس کی تصدیق، تاریخ ماہ نامہ کے اس جملہ سے ہوتی ہے۔ مصنف تاریخ ماہ نامہ، میر اکبر علی خاں (سکندر جاہ) کے تعلیمی انتظامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"و چندے (از اساتذہ) بہ تعلیم و تدریس علوم ادبیہ ..... می کوشیدند۔"[۵۱]

معلوم ہوتا ہے کہ نواب نظام علی خاں کو بھی اپنے لڑکوں کی عمدہ اور اعلیٰ تعلیم کا خاص خیال تھا اسی ادبی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے اپنے لڑکوں کو "علوم عقلی"[۵۲] سے بھی بہرہ ور کرنے کی کوشش کی جس کے معنی یہ ہیں کہ ادبیات اور روایاتی علوم کے پہلو بہ پہلو، فلسفہ، منطق اور ریاضیات کے عقلی علوم کی تحصیل کو بھی مطمح نظر بنایا گیا تھا۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر، مختلف علوم کے نہایت قابل اور ماہر اساتذہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ ان میں ایک قابل ذکر شخصیت قمر الدین علی خاں کی تھی، جس کو بعد میں اکبر یار جنگ کے خطاب اور جاگیر سے سرفراز کیا گیا۔ یہ شخص نہایت متبحر قابلیت کا مالک تھا، اور دکن کے علماء و متکلمین میں اس کی ایسی سربرآوردہ حیثیت تھی کہ اس کے مکان پر ہمیشہ علماء و فضلاء کا مجمع رہتا تھا۔ اُس کی مختلف علوم میں جو قابلیت تھی اُس کو غلام حسین خاں گوہر (مصنف ماہ نامہ) ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے :-

"باوجود خوشنویسی، در علم صرف و نحو، و منطق و معانی، و معلومات طبابت لگانۂ آفاق بود ذات برکت آیاتش دریں عصر از جملہ مغتنمات است۔"[۵۳]

نواب نظام علی خاں نے اس ہمہ گیر قابلیت کے شخص کو، میر اکبر علی خاں (سکندر جاہ) اور میر تیمور علی خاں اکبر جاہ کی تعلیم پر مقرر کیا تھا۔ میر جہانگیر علی خاں سلیمان جاہ کی تعلیم مولوی عماد الدین حسین کے سپرد تھی۔ عماد الدین حسین کا تعلق علماء کے ایک مشہور گھرانے سے تھا، یہ خیر آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ محمد عظیم، محمد شاہ کے اُستاد تھے۔ عماد الدین کے باپ مولوی عطا حسین، اور اُن کے دادا مولوی اعظم حسین دونوں خیر آباد میں صاحب مدرسہ تھے، اور درس و تدریس ان کا مشغلہ تھا۔ نواب

---

۵۱ ماہ نامہ قلمی ص ۱۲۲

۵۲ تاریخ ماہ نامہ ص ۱۲۳

۵۳ تاریخ ماہ نامہ ص ۱۲۳

۵۴ تاریخ ماہ نامہ ص ۱۱۸

آصف جاہ ثانی کے زمانہ میں مولوی عماد الدین حسین خیرآباد سے حیدرآباد چلے آئے، اور چونکہ علوم عقلی و نقلی میں ان کو خاصی دستگاہ حاصل تھی، اس لیئے سلیماں جاہ کی تعلیم و تربیت پر ایک معقول مشاہرہ کے ساتھ ان کو مقرر کیا گیا۔ سلیماں جاہ نے ان کی نگرانی میں بہت اچھی تعلیم حاصل کی عربی کی دقیق اور اعلیٰ معیار کی کتابوں کی تحصیل تک، ان کا سلسلۂ درس جاری رہا۔[51]

علم و ادب کی اس عام تحصیل کے ساتھ ساتھ شہزادوں کو خوشنویسی کے سکھانے کے بھی خصوصی انتظامات کیئے گئے تھے حُسنِ اتفاق سے اس زمانہ میں حیدرآباد میں اس فن کے ماہرین کی کوئی کمی نہ تھی۔ میر قمر الدین علی خاں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس فن میں بھی درجۂ کمال رکھتے تھے اُن کے خطِ نستعلیق میں غایت درجہ کی تیاری موجود تھی۔ اس کے علاوہ نسخ و شفیعہ، شکستہ، رقاع و ثلث کی اقسام پر بھی اُن کو پورا عبور[52] حاصل تھا۔ اس لحاظ سے ان کو سکندر جاہ اور اکبر جاہ کی خوشنویسی کی تعلیم پر مامور کیا گیا تھا۔

عبدالکریم خوش رقم خاں اس فن کی مدد کے شہزادۂ عالی جاہ کے استاد تھے[53] سلیماں جاہ محمد باقر نادر قلم خاں سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ نادر قلم خاں اس عہد کے خوشنویسوں کا امام[54] تھا۔ اس نے محمد دلیر[55] کی شاگردی کی تھی جو خوشنویسی میں یگانۂ روزگار سمجھا جاتا تھا۔ محمد باقر کے متعلق گلزار آصفیہ کے مصنف کا بیان ہے کہ صرف خطِ نستعلیق کو وہ چھیتر[56] مختلف طریقوں سے لکھ سکتا تھا۔ سلیماں جاہ کے معلم کی حیثیت سے اُس کو سرکار آصف جاہی سے دو سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ ملتا تھا، اس کو نہ صرف نستعلیق پر عبور تھا بلکہ دوسرے قسم کے خط بھی بڑی خوبی سے لکھ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ خطِ کوفی میں بھی اُس نے غایت درجہ کا کمال پیدا کیا تھا[57] ان مشہور خوش نویسوں کے علاوہ شہزادوں کی تعلیم پر چند اور خوشنویس بھی مامور تھے جن میں جواہر رقم خاں کا نام قابلِ ذکر ہے، جو فریدوں جاہ اور جہاندار جاہ کا اُستاد[58] تھا۔

نواب نظام علی خاں کو اپنے لڑکوں کی عمدہ تعلیم و تربیت میں جو گہری دلچسپی تھی اُس کا اندازہ

---

[51] گلزار آصفیہ ص۴۲۵

[52] ماہ نامہ کا مصنف ان کو "سرآمد جواہر رقمان فیض شیم" لکھتا ہے ص۱۱۸۔

[53] گلزار آصفیہ ص۴۲۹۔

[54] ماہ نامہ ص۱۱۹

[55] ماہ نامہ ص۱۱۹ و گلزار آصفیہ ص۴۶۹

[56] محمد دلیر، محمد علی خوشنویس کا بیٹا تھا، جو عالمگیری عہد کا خوشنویس تھا۔ گلزار آصفیہ کا مصنف اس کے باپ کے متعلق لکھتا ہے "مثل او نستعلیق نویس تا حال پیدا نہ شد" گلزار آصفیہ ص۴۶۹ نیز ملاحظہ ہو ذیلی نوٹ صفحۂ ما سبق

[57] گلزار آصفیہ ص۴۶۸

اُن تعلیمی انتظامات سے بہ خوبی کیا جا سکتا ہے جن کی تفصیل پچھلے اوراق میں پیش کیگئی۔ نیز اس تفصیل سے، اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ یہ تعلیم اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل سرسری اور سطحی بھی نہیں تھی، بلکہ اس کا مقصد حقیقی علمی لیاقت کا پیدا کرنا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کے کلچری پہلو پر زور دینے کے لئے فنون لطیفہ کے اکتساب کی کوشش کا بھی میلان نظر آتا ہے۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نواب نظام علی خاں کے لڑکوں میں سے تقریباً سب نے بہت اچھی علمی لیاقت و قابلیت پیدا کر لی تھی۔ سکندر جاہ کے ہم عصر مورخ اُن کی قابلیت کے معترف ہیں۔ تاریخ اور طب کے مضامین سے اُن کو خاص دلچسپی تھی۔ اُن کے متعلق حکیم غلام حسین خاں مصنف گلزار آصفیہ کا بیان ہے کہ وہ اپنے عہد حکمرانی میں بھی روز و شب مطالعۂ کتب میں مستغرق رہتے تھے۔ اور شاہی کتب خانہ میں اُن کے حکم سے ہمیشہ مختلف کتابوں کی نقل کا کام جاری رہتا تھا عالی جاہ اور سلیمان جاہ نے بھی خاصی اچھی علمی لیاقت اور استعداد پیدا کر لی تھی۔ گلزار آصفیہ کا مصنف خصوصاً موخر الذکر کے علمی کمالات کا بہت معترف نظر آتا ہے۔ سبحان علی خاں فریدوں جاہ کی علمی صلاحیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ صاحب تصنیف ہیں۔ انھوں نے ایک چھوٹا سا رسالہ "اُصول سیاست" پر مدوّن کیا ہے، جس کا نام اُنھوں نے "فیوضات سبحانی" رکھا ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۱۹ھ م ۱۸۰۴ء میں نواب نظام علی خاں کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہی لکھا گیا اس رسالہ کے موضوع اور اُس کی وجہ تصنیف کے بارے میں خود مصنف کا بیان یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

"اما بعد ایں اضعف العباد میر سبحان علی خاں المخاطب بہ فریدوں جاہ ابن میر نظام علی خاں بہادر نظام الملک، نبیرۂ آصف جاہ، در حالت تجرد کہ سروکار از مشاغل دنیوی چنداں نداشت۔ اما از اختلافات از منہ کہ نشیب و فراز دولت خانۂ خود بہ ملاحظہ در آوردہ، خواست کہ قواعدے چند بہ تحریر در آید، تا مردم بصیرت را دستور العمل رو سا رصالح گردد۔ (فتوحات سبحانی قلمی (ص۳)

لہ تاریخ ماہ نامہ ص۱۲۳   ۲ دی نظام، برگس، جلد اول ص۱۰۲ مگر اس کے ساتھ ہی برگس کا یہ بیان کچھ مہمل اور متضاد سا معلوم ہوتا ہے کہ سکندر جاہ کی تعلیم اچھی نہیں ہوئی تھی

۳ گلزار آصفیہ ص۱۲۷   ۴ گلزار آصفیہ ص۴۲۲

۵ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ دیوانی دفتر دیوانی و مال میں محفوظ ہے جس سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

مصنف نے اِس رسالہ کے ذریعہ سے، ایک ایسا دستور العمل مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جو رئیسوں کو اُصولِ سیاست، اور آئینِ حکمرانی میں مدد دے سکے۔ اس دستور العمل میں جو اُصول پیش کئے گئے ہیں اُن کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اُن کو اخلاقی بُنیادوں پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سیاسیات میں فریدوں جاہ کا نصب العین انتہائی اخلاقی نظر آتا ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے یہ رسالہ اپنی نوعیت کی ایک بہت دلچسپ تصنیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فریدون جاہ کو اُن کی تعلیم نے ایک وسیع النظر اور وسیع المشرب آدمی بنا دیا تھا! اور ایک ایسی علم دوستی اُن میں پیدا کر دی تھی جو اُن کو تصنیف و تالیف[1] کی طرف مائل کرتی تھی۔

ان تمام شواہد کے پیشِ نظر یہ نتیجہ بہ آسانی مستنبط کیا جا سکتا ہے کہ نواب نظام علی خاں کے عہد میں شہزادوں کی تعلیم و تربیت کے نہ صرف عمدہ انتظامات کئے گئے تھے، بلکہ ان انتظامات سے پورا پورا فائدہ بھی اُٹھایا گیا۔

اس عہد کی ضروریات کے لحاظ سے تعلیم کا ایک دوسرا اہم پہلو فوجی اور سپاہیانہ تعلیم کا تھا۔ گو اس تعلیم کے بارے میں، ہمعصر تاریخیں، بالتصریح کچھ زیادہ معلومات پیش نہیں کرتیں۔ مگر جستہ جستہ اور ضمناً جو اشارے اس بارے میں ملتے ہیں، اُن سے اس کی نوعیت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ گلزارِ آصفیہ کا مصنف سلیماں جاہ کے سپاہیانہ کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> "در تمامی فنون مثل و مانندے ندارد، علی الخصوص در سواری اسپ کہ شہسواران زمانہ نام نامیِ آنجناب بر بی آرند۔ و ہمہ مقر و معتقد می گردند آنجناب استاد زمانہ اند معہذا دیگر کمالات و صناعات آنجناب مثل تیر اندازی و برق اندازی ......
> مشہورِ آفاق ہستند" (ص ۹۳)

اِن جملوں سے سپاہیانہ تعلیم کی نوعیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ سواری اسپ، تیر اندازی

---

[1] فریدوں جاہ نے اپنی اس تصنیف کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کی تکمیل کے بعد انھوں نے اس کو اپنے استاد مرزا محمد تقی بیگ خاں کے پاس بہ غرضِ مطالعہ روانہ کیا، اور انھوں نے اس کو پڑھکر اس کی بہت تعریف کی (ص ۹۳)۔ اس تصنیف میں فریدوں جاہ نے "رئیس" کی بعض ضروری خصوصیات کا جو ذکر کیا ہے اُن میں سے چند نکات نہایت اختصار کے ساتھ یہ ہیں (۱) رئیس کو شجیع و جری ہونا چاہیئے (۲) جرأت کے ساتھ احتیاط بھی شرط ہے (۳) دوست و دشمن کو پہچاننے کی صلاحیت ہو (۴) بعض نام نہاد علماء و مشائخین کے دام تزویر سے محفوظ رہنے کی کوشش کرے (۵) نماز پنجگانہ با جماعت پڑھے۔ وغیرہ۔

وبرق اندازی کا جو ذکر کیا گیا ہے، وہ اس عہد کے فوجی اور جنگی ضروریات کے لحاظ سے
بالکل ناگزیر اور لابدی چیزیں تھیں۔ سلطنت آصفی کے قیام سے (۱۷۲۴ء) نواب آصفجاہ ثانی
کے انتقال تک (۱۸۰۳ء) حکمرانان آصفی کو، اپنی سلطنت کی زیست و بقاء کے لئے ایک مسلسل اور
ناگزیر فوجی جد و جہد میں مبتلا رہنا پڑا۔ جنگ ہمیشہ اُن کے دروازے پر رہتی تھی۔ وہ ہر طرف سے
دشمنوں اور حریفوں کے فوجی نرغہ میں گھرے ہوئے تھے۔ اُن کو ہر وقت اپنے تمام فوجی وسائل کے
ساتھ، زرہ و بکتر سے آراستہ پا برکاب رہنا پڑتا تھا۔ اس ضرورت کے احساس نے اور ماحول کے
اقتضاء نے لازمی طور پر، اُن کو سپاہیانہ فنون کے اکتساب پر مجبور کیا۔ اور چونکہ بچپن سے ہی
اُن کی پرورش ہمیشہ ایک سپاہیانہ ماحول میں ہوتی تھی، اس لئے بہت آسانی سے وہ اس
فن کی تمام ضروریات اور لوازمات سے پورے طور پر بہرہ ور ہو جاتے تھے۔ اس لحاظ سے جن
سپاہیانہ کمالات کے اکتساب کو مورخ سلیمان جاہ سے منسوب کرتا ہے، اُن کے بارے میں یہ
تصور کرنا کچھ بیجا نہیں کہ اس نوعیت کی فوجی تعلیم، تمام آصفی شہزادوں کی تربیت کا ایک لازمی
جز تھی۔ چنانچہ نواب ناصر جنگ، اور نواب نظام علیخاں، اس عمدہ فوجی اور سپاہیانہ تعلیم کے
بہترین نمونہ تھے جن کی سپاہیانہ جرات و شجاعت، بجا طور پر سراہی جانے کے قابل ہے۔

تیسرا باب

آصفی حکمرانوں کی علمی سرپرستیاں

تاریخ عام طور پر آصف جاہ اول کو، اٹھارویں صدی کے ایک بڑے جنرل اور مدبر کی حیثیت سے جانتی ہے، جس نے اس صدی کے سیاسی خلفشار اور مغلیہ سلطنت کی شکست و ریخت کے زمانہ میں، اپنے بعض تعمیری کاموں کے ذریعہ سے، اپنی اثر آفریں شخصیت کے اس عہد میں گہرے نقوش چھوڑے ہیں، لیکن اُن کے یہ تعمیری کام صرف سیاست اور تدبر کے میدان تک ہی محدود نہیں تھے بلکہ اُن کی زندگی کا ایک دوسرا رُخ بھی تھا، اور یہ دوسرا رُخ اُن کی علم دوستی ہے۔ ان کی موزوں تعلیم و تربیت نے اُن کو اپنے عہد کی ثقافت و شائستگی کا اچھا نمونہ بنا دیا تھا۔

آصف جاہ اول کی علمی قابلیت اچھی تھی۔ چنانچہ تاریخ ظفرہ کا مصنف لکھتا ہے کہ "در علم و فضل و ہنر و سیاق و شعر و انشاء علم استادی می افراشت"[۱] طبیعت کی اس علمی مناسبت کی وجہ سے انھوں نے دکن میں اپنے اردگرد، بعض قابل ترین اشخاص کو جمع کر لیا تھا۔ اُن کے دربار میں اعلیٰ پایہ کے شاعر اور بہترین ادیب و انشاء پرداز موجود تھے، علماء و فضلاء کی بڑی قدردانی کی جاتی تھی۔ تاریخ فتحیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آصف جاہ اول کو عالموں اور فاضلوں کی صحبت بہت پسند تھی[۲]۔ روزانہ اُمورِ مملکت سے فراغت حاصل کرنے کے بعد علمی محفلیں مجلسیں منعقد کی جاتی تھیں، صبح کی نماز کے بعد سے دوپہر تک ان کا اور وقت، ملک کے سیاسی اور انتظامی اُمور کی انجام دہی میں صرف ہوتا تھا۔ سہ پہر میں بعد ادائے نماز کچھ وقت وہ کلام اللہ کی تلاوت میں مصروف رہتے، اس سے فارغ ہونے کے بعد علماء و فضلاء کی مجلس میں رونق افروز ہوتے[۳]۔ اس مجلس میں اورنگ آباد کے تمام علماء جن کو اُن کے دربار میں رسائی حاصل تھی حاضر رہتے تھے۔ علماء کی اس محفل میں مولوی میر قمرالدین کو ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت حاصل تھی۔ اُن کی غیر معمولی قابلیت کی قدردانی کرتے ہوئے، نواب آصفجاہ اول نے ان کو سلطان العلماء

---

[۱] تاریخ ظفرہ مطبوعہ مصنفہ گردھاری لال ص ۱۰

[۲] "رغبت بجز تحصیل علوم و صحبت با فقراء و فضلاء و صلحا نداشتہ" تاریخ فتحیہ قلمی نسخہ کتب خانہ دیوانی مصنفہ یوسف محمد خاں ص ۲

[۳] حدیقۃ العالم۔ مقالہ ۲ صفحہ ۱۰

کا خطاب دے رکھا تھا۔ ان علمی صحبتوں کا انعقاد، ان ہی کی سرکردگی میں عمل میں آتا تھا۔ چنانچہ گلزار اعظم کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در دربار نواب آصف جاہ محفل علمائے نامدار بہ سرکردگی مولوی میر قمرالدین المخاطب بہ سلطان العلماء منعقد می شد" [۵۱]

ان محفلوں میں علمی اور دینی مسائل پر گفتگو اور بحثیں ہوتی تھیں۔ گلزار اعظم کا مصنف ہی اس بیان کا ذمہ دار ہے کہ ایک مرتبہ، نواب آصف جاہ اول کی موجودگی میں، تمام علماء ایک خاص فقہی مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ مسئلۂ زیر بحث متنازعہ فیہ تھا۔ اگرچہ حاضرین میں سے ہر ایک نے اس مسئلہ پر اپنے اپنے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن کسی کی تشریح دتوضیح پورے طور پر قابل قبول معلوم نہیں ہوتی تھی۔ حسن اتفاق سے اس محفل میں محمد محفوظ خاں (شہامت جنگ) بھی موجود تھے یہ انوارالدین خاں (سراج الدولہ) کے دوسرے بیٹے ہیں، گو کم عمر تھے لیکن ان کی علمی استعداد بہت اچھی تھی۔ انھوں نے مسئلہ زیر بحث پر بہت اچھی روشنی ڈالی۔ نواب آصف جاہ اُن کی اس قابلیت سے ایسے خوش ہوئے کہ اپنے کتاب خانہ سے دو ہزار جلدیں اُن کو بطور انعام عطا کیں۔[۵۲]

اس چیز کو نواب آصف جاہ اول کی علمی قدردانی اور سرپرستی پر محمول کرنا چاہیئے کہ انھوں نے اعلیٰ قابلیت کے اشخاص کی ہر طرح سے دستگیری کی اور اُن کو اپنی مصاحبت اور تقرب سے سرفراز کیا اُن کی قدرشناس نگاہیں علمی فضل وکمال کے جواہر ریزوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتی اور سرفراز کرتی تھیں موسوی خاں جرأت کو اُنھوں نے ساٹھ روپیہ[۵۳] ماہوار سے دو ہزاری منصب تک ترقی دی۔ اور دفتر دارالانشاء میں اپنا منشی خاص بنالیا تھا۔ یہ شخص ایک ہمہ گیر قابلیت کا مالک تھا۔ حتیٰ کہ فن طب میں بھی اُسے اچھا دخل تھا[۵۴] ایسا زبردست انشا پرداز تھا کہ نواب آصف جاہ اول اُسے اپنے عہد کا ابوالفضل کہا کرتے تھے۔ منشا رام کا بیان ہے کہ نادرشاہ اپنے قیام ہند کے زمانے میں اس کی حیرت انگیز قابلیت سے متاثر ہوا اور اس کو اپنی سلک ملازمت میں داخل کرلینا چاہا، مگر آصف جاہ کو اس کی مفارقت گوارا نہ تھی اُنھوں نے لطایف الحیل سے نادرشاہ کے اس مطالبہ کو ٹال دیا۔[۵۵]

---

۵۱ گلزار اعظم ص۵۰ ونیز محبوب الزمن جلد ۲ ص۹۸۲ ۵۲ ان کا اصل نام میر محمد ہاشم تھا۔ اورنگ آباد میں ۱۰۸۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ میر محمد شفیع نوال اور دیگر علمائے اورنگ آباد سے تعلیم حاصل کی (تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے سرو آزاد ص۲۳۳) ۵۳ تاریخ فتحیہ قلمی ص۱۱۶

۵۴ بہارستان سخن قلمی ص۲۸۱ ونیز تاریخ فتحیہ ص۱۱۶ ۵۵ رسالہ دربار آصفی ص۵۳۔ افضل بیگ قاقشال مصنف تحفۃ الشعراء (قلمی) لکھتا ہے کہ آصف جاہ اول نے محمد شاہ کے سامنے جرأت کی تعریف کی اور کہا کہ یہ اس زمانہ کا ابوالفضل ہے (تحفۃ الشعراء قلمی) ص۹۷ و۹۸) ان کی انشا پردازی کا نمونہ دیکھنے کیلئے دیکھئے "منشآت موسوی خاں جرأت" قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ۔

نواب آصف جاہ اول کو شعر و سخن سے بے حد دلچسپی تھی، اُن کا شاعرانہ مذاق بہت ستھرا تھا۔ شاعری میں وہ میرزا بیدل[۱] کے شاگرد تھے، میرزا سے[۲] اُن کو بڑی عقیدت تھی۔ شمالی ہندوستان میں قیام کے زمانہ میں بیدل سے اُن کی اکثر ملاقات رہتی تھی۔ اپنے اُستاد کی حیثیت سے اُس کی بہت عزت کرتے تھے۔ جب کبھی وہ اُن کے پاس آتا تو بڑی تواضع سے پیش آتے اور اُسے اپنی مسند پر اپنے قریب بٹھاتے[۳]۔ منسارام کا بیان ہے کہ جب وہ ریاستِ دکن کی مسند پر بالاستقلال متمکن ہوگئے تو میرزا کو بارہا انھوں نے دکن آنے کی ترغیب دی۔ مگر بیدل اپنے مزاج کی افتاد کی بنا پر، دنیاوی جاہ وحشم سے کچھ اتنا بے پروا واقع ہوا تھا کہ اُس نے دکن آنے سے انکار کردیا۔ اور اس ضمن میں اپنا یہ شعر لکھ بھیجا[۴] ؎

دنیا اگر دہند نہ خیزم زجائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

اگرچہ بیدل دکن نہیں آیا لیکن نواب آصف جاہ اول ہمیشہ اُس کی قدردانی اور سرپرستی کرتے رہے۔ اور دکن سے اُس کی خدمت میں تحفہ تحائف کے ارسال کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

شاعری سے اسی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ دکن اُن کے زمانے میں شعراء اور اہلِ کمال کا مرکز بن گیا تھا۔ ہندوستان کے دیگر اقطاع کے بگڑے ہوئے لوگ اُن کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوکر سنبھل جاتے تھے۔ مرشد قلی خاں مخمور پر جب بنگال میں تباہی آئی تو انھوں نے دکن کا رُخ کیا۔ نواب آصف جاہ نے ان کے شاعرانہ کمال کے لحاظ سے ان کی دستگیری کی، ان کے لئے مشاہرہ مقرر کردیا۔ اور اپنی مصاحبت میں داخل کرلیا۔ ان کی بیوی کو جو شجاع الدولہ ناظم بنگالہ کی بیٹی تھی مہمان بیگم کے خطاب سے سرفراز کیا گیا[۴]۔

مخمور کے ساتھ میر سید رضی اندیشہ[۵] بھی دکن آئے، اور نواب آصفجاہ کی سلک ملازمت میں داخل ہوگئے

---

[۱] میرزا عبدالقادر بیدل پٹنہ عظیم آباد میں پیدا ہوا۔ ایک عرصہ تک شاہزادہ اعظم بن اورنگ زیب کی ملازمت میں رہا (تفصیلی حال کے لئے دیکھئے سروِ آزاد صفحہ ۱۴۸) [۲] سروِ آزاد صفحہ ۱۴۹

[۳] رسالۂ دربار آصفی صفحہ ۱۵ [۴] سروِ آزاد صفحہ ۲۲۱، حدیقۃ العالم مقالہ ۲، صفحہ ۱۳، ۱۴

وبہارستانِ سخن (قلمی) صفحہ ۱۹۴

[۵] ۱۱۱۵ھ میں شوستر میں پیدا ہوا۔ نورالدین شوستری کا بیٹا تھا۔ نورالدین بہت بڑا عالم تھا۔ سید رضی نے اپنے باپ اور بعض دیگر علمائے شوستر سے تعلیم حاصل کی۔ ابوالقاسم میر عالم بہادر (دیوان ۱۲۱۲ھ تا ۱۲۲۳ھ) انہی کے بیٹے تھے۔ تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے تحفۃ العالم مصنفہ سید عبداللطیف شوستری مطبوعہ صفحہ ۱۲۱

ونیز سروِ آزاد صفحہ ۲۲۳

اقدس نہ صرف شاعر تھا بلکہ بہت بڑا عالم بھی تھا۔ آزاد نے لکھا ہے کہ یہ بے نظیر علمی قابلیت کا مالک تھا۔ بہارستان سخن کے مصنف شاہنواز خاں (صمصام الدولہ) کا بیان ہے کہ یوں تو اقدس کسی نوع علم سے بیگانہ نہیں لیکن فقہ و حدیث میں وہ دستگاہ رکھتا ہے کہ اپنی نظیر آپ ہے[1] اس کی اسی بے نظیر قابلیت کے لحاظ سے نواب آصف جاہ نے اُسے مورد عنایات کیا، اور اپنے خاص مصاحبین کے زمرہ میں شریک کرلیا۔ قزلباش خاں[2] امید، میر تا خاں رسا[3] بھی آصف جاہ اول کے دست گرفتہ تھے۔ ان شعراء اور اہل کمال کی، دربار آصف جاہی سے دل کھول کر سرپرستی کی جاتی تھی۔ چنانچہ اسی سرپرستی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امید نے کہا ہے:

کسے دیوانہ باشد کز کویت رود جائے
دل اینجا دولت اینجا مدعا اینجا امید اینجا[4]

غرض آصف جاہ اول نے اپنے اعلیٰ ادبی ذوق اور ستھرے شاعرانہ مذاق کی وجہ سے اپنے دربار میں بہت سی باکمال ہستیوں کو جمع کرلیا تھا۔ روزانہ شعر و سخن کی محفلیں گرم ہوتی تھیں، عصر اور مغرب[5] کے درمیان تمام شعراء جمع ہوتے اور بزم سخن آراستہ ہوتی جس کسی کا کلام پسند آتا اُسے بڑی فراخ دلی کے ساتھ صلہ و انعام سے سرفراز کیا جاتا[6]۔ علمی سرپرستیوں کے ضمن میں نواب آصف جاہ اول کی یہ داد و دہش صرف دکن کی حد تک ہی محدود نہیں تھی۔ شمالی ہندوستان کے شعراء کو بھی وقتاً فوقتاً نوازا جاتا تھا۔ ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں جب بادشاہ کی طلبی پر اُن کو دہلی جانا پڑا تو فضل علی خاں کو صرف ایک رباعی کے صلہ میں اُنھوں نے ہزار روپیہ نقد اور "خلعت و اسپ" سے سرفراز کیا، رباعی یہ تھی:

صد شکر کہ ذات دیں پناہی آمد — رونق دہ ملک بادشاہی آمد
تاریخ رسیدنش بگوشم ہاتف — "گفت آیت رحمت الٰہی آمد"[7]
۱۱۵۰ھ

---

۱ بہارستان سخن قلمی ص ۵۰۵ نیز تحفۃ الشعراء قلمی ص ۱۳ ۔ ۲ اصلی نام محمد رضا ہمدانی الاصل تھا۔ آصف جاہ اول کا متوسل ہوکر خطاب و منصب حاصل کیا۔ (تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے بہارستان سخن ص ۵۳۴، سرو آزاد ص ۲۰۹، تحفۃ الشعراء قلمی ص ۱۰۳)

۳ یہ حیدرآباد میں پیدا ہوا۔ اجداد کا وطن ہمدان تھا۔ آصف جاہ کے لشکر میں نشو و نما حاصل کی (دیکھئے بہارستان ص ۴۹۵، سرو آزاد ص ۲۲۹) ۴ رسالہ دربار آصفی ص ۴۴

۵ دربار آصفی ص ۴۴

۶ چنانچہ ایک موقعہ پر امید کو "چند کشتی پارچہ اور چند ہزار روپیہ" انعام دیا گیا۔ رسالہ آصفی ص ۴۴

۷ سرو آزاد ص ۱۰۷

ان مثالوں سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ نواب آصف جاہ علمی سرپرستان صرف، شعرا نوازیوں کی حد تک محدود تھیں۔ انھوں نے اپنے عہد حکومت میں علما و فضلا کی بھی مالی امداد کی۔ علم کی ترویج سے اُن کو بہت دلچسپی تھی۔ جو کوئی شخص اُن کے دربار میں پہلی مرتبہ باریاب ہوتا تو اُس سے عموماً پہلا سوال یہ کیا کرتے تھے کہ "تحصیل علمی تا بجا کردہ اند؟"[52] مستحق طلبہ کو اُن کی سرکار سے مالی امداد ملا کرتی تھی۔ منسا رام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی طالب علم اُن کی خدمت میں باریاب ہوتا تو اُس سے بڑی خوش دلی سے پیش آتے تھے۔ اس کی علمی استعداد اور عام تعلیمی حالت سے واقف ہونے کے بعد اُس کو مالی امداد سے سرفراز کرتے تھے۔ منسا رام نے اس نوعیت کے دو دلچسپ واقعات بیان کیے ہیں، دونوں صورتوں میں باریاب ہونے والے طلبہ کو مالی امداد سے سرفراز کیا گیا۔[53]

اس قسم کی انفرادی امداد کے علاوہ ہر دربار کے موقع پر کثیر رقمیں بہ طور خیرات کے ارباب استحقاق میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ ارباب استحقاق کی اصطلاح میں طلبہ کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔ چنانچہ منسا رام لکھتا ہے:۔

> "درگویان خیرات طلب ہر روز اول در دربار بہ نظر مبارک می گذشت، و بہ قدر احتیاج ہر کدام برای کتخدائی صبیہ (ج روی) و تحصیل علم نقدی عنایت می شد۔ کمتر دربار بود کہ سی چہل ہزار روپیہ بہ ارباب استحقاق سوائے دستخط یومیہ و انعام مرحمت نمی شد۔"[54]

ان جملوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافی بڑی رقمیں، بطور خیرات کے تقسیم کی جاتی تھیں اور تحصیل علم کرنے والے اشخاص بھی لازمی طور پر اس مالی امداد سے مستفید ہوتے تھے۔ اسی ضمن میں علامہ آزاد بھی نہایت وثوق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ آصف جاہ اول کے زمانہ میں سالانہ تین لاکھ روپیہ "ارباب استحقاق" کی امداد پر صرف کیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس بڑی رقم کا ایک معتدبہ حصہ، علمی خدمت انجام دینے والے طبقات کو پہنچتا تھا، کیونکہ طلبہ، علما، صوفیا، اور فقرا کو ارباب استحقاق میں ہمیشہ سے شمار کیا جاتا رہا ہے۔[55]

---

۵۲ رسالہ دربار آصفی ص ۴۳، ۴۴، نیز تاریخ فتحیہ ص [illegible]، مآثر نظامی ص ۱۱۲ (نسخہ ٹائپ کتب خانہ آصفیہ)

۵۳ رسالہ دربار آصفی ص ۴۲

۵۴ رسالہ دربار آصفی ص ۴۳

۵۵ سرو آزاد ص ۱۸۱

غرض ان مختلف ذرائع اور مدات سے بالواسطہ اور بلاواسطہ آصف جاہ اول کے زمانہ میں علمی سرپرستیاں ہوتی رہیں، اور ان سرپرستیوں کی شہرت نے دکن میں ایسی کشش پیدا کردی تھی کہ دور دور سے اہل کمال کھنچے چلے آتے تھے۔ اور آصف جاہی دامن دولت سے وابستہ ہوجاتے تھے۔ چنانچہ آزاد لکھتے ہیں:۔

"علما..... دیار عرب و ماوراء النہر و خراسان و عراق و عجم و ہندوستان آوازۂ قدردانی استماع یافتہ رو بہ دکن آوردند و در خور حشمت خیمے از احسان عام اندوختند" (سرو آزاد صفحہ ۱۸۱)

علمی سرپرستیوں کی نواب آصف جاہ اول نے جو روایات قائم کردی تھیں، اُن پر نواب ناصر جنگ (۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۰ء) کے زمانہ میں بھی عمل ہوتا اگرچہ ناصر جنگ کو قدرت نے زیادہ مہلت عطا نہیں کی، لیکن باوجود اس کے اُنھوں نے اپنے مختصر عہد حکومت میں اپنے اعلیٰ کردار اور زبردست شخصیت کے دکن میں ایسے نقوش چھوڑے ہیں جن کو آسانی کے ساتھ محو نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا کم و بیش سہ سالہ دورِ حکومت سیاسی دشواریوں اور پیچیدگیوں کے حل کرنے میں صرف ہوگیا جو سیاسی مشکلات اُن کے سامنے درپیش تھیں، اگر اُن میں وہ اپنے عزم کے موافق کامیابی حاصل کرلیتے تو یقیناً اپنی اعلیٰ قابلیت کے لحاظ سے دکن میں اپنے آپ کو وہ ایک بہترین حکمراں ثابت کرسکتے تھے۔ مگر اس عہد کی دکنی سیاست سازشوں اور غداریوں سے پُر تھی۔ نواب ناصر جنگ ان ہی غداریوں کا شکار ہوگئے[1]۔ اور ان کے مرنے سے دکن کے ایک اُمید افزا دورِ حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

ان غیر معمولی سیاسی مصروفیتوں اور مشکلات کے باوجود نواب ناصر جنگ نے، اپنی سرپرستیوں کی وجہ سے دکن کی علمی اور ثقافتی خدمات بھی انجام دیں۔ نواب آصف جاہ اول کی طرح یہ بھی بہت علم دوست تھے۔ ان کی عمدہ تعلیم و تربیت نے اُن میں ایک لطیف علمی مذاق پیدا کردیا تھا۔ ادبیات اور فنون لطیفہ[2] سے اُن کو بڑی دلچسپی تھی۔ آزاد کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک بڑا کتب خانہ[3] فراہم کیا تھا اور علمی صحبتوں کے بہت شائق تھے، شاعری کے بڑے دلدادہ تھے، آفتاب تخلص کرتے تھے[4]۔ آصف جاہ اول کے زمانہ کے شعراء اور اہل کمال جو دربار سے وابستہ تھے، اُن کی اپنے زمانۂ حکومت

---

[1] سرو آزاد صفحہ ۱۹۰ تاریخ ظفرہ صفحہ ۱۱۶ حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۱۹۱

[2] چنانچہ موسیقی و مصوری میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۱۹۵

[3] خزانۂ عامرہ صفحہ ۲۳۸ [4] سرو آزاد صفحہ ۱۸۲

میں قدر افزائی کرتے رہے۔ یہ ان ہی کی سرپرستیوں کا نتیجہ تھا کہ علامہ آزاد[۵۱] کا ورود جب دکن میں ہوا (۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء)[۵۲] تو پھر وہ اس سرزمین کو نہ چھوڑ سکے۔ یہ نواب ناصر جنگ کی بڑی جوہر شناسی تھی کہ اُنھوں نے علامہ آزاد جیسے جیّد عالم اور اعلیٰ پایہ کے شاعر کو اپنے دربار سے وابستہ کرلیا تھا۔ اور عمر بھر اُن کی قدردانی کرتے رہے۔

نواب ناصر جنگ نے شاعری کی حد تک آزاد کو اپنا اُستاد بنالیا تھا، اور اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ تادمِ آخر اُن کی مفارقت کو گوارا نہ کیا۔ اُن کے ساتھ نہایت تلطف اور مہربانی کے سلوک کو روا رکھا۔ خود آزاد کہتے ہیں کہ نواب ناصر جنگ کے حُسنِ خلق نے اُن کو ایسا گرویدہ کرلیا تھا کہ باوجود اپنی طبیعت کے استغنا اور آزادانہ رنگ کے وہ اپنے آپ کو ناصر جنگ سے جدا نہ کرسکے۔ غرض آزاد کی ایسی غیر معمولی سرپرستی کی کہ اپنے مصاحبین اور اہلِ دربار میں سے سب پر اُن کو فوقیت دیدی۔ چنانچہ ناصر جنگ سے اپنے گہرے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے آزاد لکھتے ہیں :-

"فقیر را با نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید ربطِ عجبی اتفاق افتادہ بود و موافقتے کہ بالاتر ازاں متصور نہ باشد دست بہم داد"[۵۲]

آزاد جیسی قابل شخصیتوں کی قدردانی کے ذریعہ سے نواب ناصر جنگ نے اپنے دربار میں باکمال اشخاص کو جمع کرلیا تھا۔ موسوی خاں جرأت[۵۳]، میرزا خاں رسا، نقد علی خاں ایجاد[۵۴]، دورِ سابق کی طرح اس زمانے میں بھی دربار سے وابستہ تھے، اور اُن کی سرپرستی کی جاتی رہی۔ میر عبدالرزاق شاہنواز خاں جو بے نظیر علمی قابلیتوں کے حامل تھے، محض ناصر جنگ کی جوہر شناسیوں کی وجہ سے دربار میں ایک ممتاز جگہ حاصل کرچکے تھے۔ ان اشخاص کی موجودگی نے، ناصر جنگ کے دربار کو ایک ایسا مقام بنا دیا تھا جسے بجا طور پر علمی و ادبی سرپرستیوں کا مرکز کہا جاسکتا ہے۔ آزاد کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب کو شاعری سے ایسی غیر معمولی دلچسپی تھی کہ اکثر و بیشتر اُن کے دربار میں شعر و سخن کی محفلیں گرم ہوتی تھیں، اور اس ضمن میں شعری و ادبی نکات پر پُرلطف بحثیں کی جاتی تھیں۔[۵۵]

---

۵۱ میر غلام علی آزاد بلگرامی جن کے تفصیلی حال کے لئے دیکھئے مقالہ ہذا ص۳۴

۵۲ سرو آزاد ص۱۱۳

۵۳ موسوی خاں جرأت کو اس عہد میں چار ہزاری منصب اور مفخر الدولہ کا خطاب دیا گیا تھا (سرو آزاد ص۲۴۳) نیز گل رعنا قلمی ص۱۹۳ و ۲۹۲۔

۵۴ ایجاد برہانپور میں پیدا ہوئے، آصف جاہ اول کے مصاحب رہے، اس عہد میں دیوانی حیدرآباد کی خدمت پر فائز کئے گئے۔ سرو آزاد ص۲۴۱

۵۵ خزانۂ عامرہ ص۵۶

نواب ناصر جنگ کے انتقال سے آصف جاہ ثانی کی مسند نشینی تک (۱۱۶۴ھ ۱۷۵۰ء تا ۱۱۷۵ھ ۱۷۶۱ء) تاریخ دکن کا جو دور ہے وہ نہایت ہی خشک اور ہر نقطۂ نظر سے غیر پیداآور نظر آتا ہے میر سید محمد خاں صلابت جنگ سخت نا اہل واقع ہوئے تھے، اس لئے زندگی کے کسی میدان میں بھی وہ اپنے آپ کو ممتاز ثابت نہ کرسکے. ہمعصر مورخین اُن کی عدم صلاحیت کا صاف الفاظ میں ذکر کرتے ہیں. چنانچہ گردھاری لال احقر لکھتا ہے:-

"نواب موصوف (صلابت جنگ) از استعداد جوہر ذاتی عاری بودند، راجہ رگھناتھ داس مقدمات مالی و ملکی سرانجام می داد برائے دستخط چھٹی شرح دستخط نوشتہ بہ نظر می گذرانید، وحروف آں را دیدہ ہماں طور بر افراد دستخط می کردند۔ بغیر از چھٹی دستخط کردن نمی دانستند"[1]

ان جملوں سے صلابت جنگ کی انتہائی عدم صلاحیت کا ثبوت ملتا ہے، ظاہر ہے کہ ایک ایسا شخص جو تمام ملکی معاملات کی سرانجام دہی کے لئے اپنے دیوان کا اس درجہ محتاج ہو اُس سے کسی نوعیت کی بھی عمدہ توقعات نہیں رکھی جاسکتیں.

آصف جاہ ثانی کی مسند نشینی سے دکن کے مردہ قالب میں پھر سے ایک نئی جان آگئی اگرچہ اپنے طویل دور حکومت میں (۱۱۷۵ھ ۱۷۶۱ء تا ۱۲۱۸ھ ۱۸۰۳ء) ان کو اپنی سلطنت کی زیست و بقا کے لئے ایک پیہم جد و جہد میں مبتلا رہنا پڑا.[2] لیکن باوجود اس کے قابل اشخاص کی سرپرستی کے ذریعہ سے دکن میں انھوں نے علمی سرگرمیاں بھی پیدا کردیں.

علماء و فضلاء کی قدردانی میں وہ آصف جاہ اول سے کسی طرح پیچھے نظر نہیں آتے انھوں نے اپنے عہد میں متعدد عالموں، مصنفوں اور خوشنویسوں کی مالی امداد کی۔ ان میں سے بعضوں کو اپنے لڑکوں کی تعلیم پر متعین کرکے بیش قرار تنخواہیں اور گذارے مقرر کردیئے تھے خواجہ شہاب الدین جو ایک بہت بڑے عالم تھے، جب شمالی ہند سے حیدرآباد آئے، تو سرکار آصفیہ سے اُن کے لئے یومیہ مقرر کردیا گیا. میر بہادر حسین خاں اس عہد میں ریاضی اور علم ہیئت کا بڑا ماہر تھا۔ گلزار آصفیہ کا مصنف لکھتا ہے کہ اُس کی شہرت نہ صرف ہندوستان میں تھی بلکہ ہندوستان کے باہر بھی اسلامی ممالک میں وہ متعارف تھا. اس قابل شخص کی نواب آصف جاہ ثانی نے خاص

---

[1] تاریخ ظفرہ صفحہ ۱۲۳

[2] دیکھیے دوسرا باب مقالۂ ہذا صفحہ ۱۷ و ۱۸

[3] گلزار آصفیہ صفحہ ۴۲۸

طور پر سرپرستی کی اور دو سو روپیہ کا ماہانہ منصب اُس کے لئے مقرر کر دیا[1]۔

تجلی علی شاہ کو آصف جاہ ثانی کے دربار میں تقرب حاصل تھا۔ یہ شخص ایک ہمہ گیر قابلیت کا مالک تھا۔ یہ نہ صرف اس عہد کا مورخ اور انشا پرداز تھا، بلکہ شاعری، مصوری اور خوشنویسی میں بھی اُسے درجۂ کمال حاصل تھا۔ اس لحاظ سے دربارِ آصف جاہی سے اُس کی سرپرستی کی جاتی رہی۔ جب اُس نے نواب آصف جاہ ثانی کی ایک قدِ آدم تصویر بنائی تو اُس کو پانچ ہزار روپیہ بطور صلہ کے دیا گیا۔ توزک آصفیہ کی تصنیف کے معاوضہ میں نواب آصف جاہ ثانی نے اُسے پچاس ہزار روپیہ نقد و جواہر کی شکل میں عطا کیا[2]۔

نواب آصف جاہ ثانی نے اپنی علمی قدر دانیوں سے دکن میں ایک ایسی مثال قائم کر دی تھی کہ جس کے اثر سے حیدرآباد کے بڑے بڑے اُمراء بھی علمی سرپرستیوں کو اپنے لئے وجہ امتیاز سمجھنے لگے تھے چنانچہ اعظم الامراء[3] ارسطو جاہ علم و فضل کے بڑے قدردان تھے۔ تجلی علی شاہ کی اُنھوں نے بھی خوب سرپرستی کی۔ اگرچہ نواب آصف جاہ ثانی نے توزک آصفیہ کی تصنیف کے صلہ میں تجلّی علی شاہ کو اپنے طور پر پچاس ہزار روپیہ عطا کر دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اعظم الامراء نے اسی تصنیف کے معاوضہ میں مصنف کو مختلف امراء سے مزید پچاس ہزار روپیہ دلوائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اعظم الامراء کو علم کی نشر و اشاعت سے خاص دلچسپی تھی۔ انھوں نے بعض اور علمی کام کرنے والوں کی سرپرستی کی ہے۔ ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں ان کی سرپرستی میں "ریاضیات" پر ایک کتاب تصنیف کی گئی۔ اس کتاب کا نام عمدۃ الحساب ہے۔ اس کے مصنف کریم بخش نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اعظم الامراء کا ذکر بہ طور اپنے مربّی اور سرپرست کے کیا ہے[4]۔

نواب شمس الامراء[5] کی علمی سرپرستیاں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت بالکلیہ نواب آصف جاہ ثانی کی نگرانی میں عمل میں آئی، کیونکہ جس وقت ان کے باپ کا انتقال ہوا اُن کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔ ان کی تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد نواب آصف جاہ ثانی نے اِن کی شادی اپنی لڑکی سے کر دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تحصیلِ علم کے دوران میں نواب شمس الامراء نے بہت اچھا ذوقِ علم پیدا کر لیا تھا۔

---

[1] گلزار آصفیہ صفحہ ۲۶۷ [2] تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۳۸۲، ۳۸۳

[3] اصل نام غلام سید خاں ۱۱۵۳ھ/۱۷۴۰ء میں ایلچپور میں پیدا ہوئے پچاس روپیہ ماہانہ سے ترقی کرتے ہوئے دیوانی کی خدمت تک پہونچے ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء میں انتقال کیا (دیکھئے دی نظام مصنفہ بریگس جلد اول صفحہ ۱۳۵)

[4] عمدۃ الحساب کا قلمی نسخہ کتب خانہ دیوانی و ملکی و مال میں موجود ہے جس سے میں نے استفادہ کیا ہے (دیکھئے صفحہ ۲)

[5] ان کا اصلی نام محمد فخرالدین خاں ہے ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ کا انتقال ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں ہوا۔ تفصیلی حال کے لئے دیکھئے گلزار آصفیہ صفحہ ۲۸۵ و ۲۸۹

اگرچہ نواب آصف جاہ ثانی کے انتقال کے وقت ان کی عمر صرف بیس سال کی تھی لیکن باوجود اس کے وہ علمی خدمات کی انجام دہی کی طرف خاص طور پر متوجہ تھے۔ ان کو ریاضیات سے بہت دلچسپی تھی، اور اس موضوع پر انھوں نے بعض تصانیف بھی لکھی ہیں۔ تصنیف و تالیف کے اس شوق کے ساتھ ساتھ انھوں نے سب سے بڑا کام جو انجام دیا وہ حیدرآباد میں مختلف مدارس و مکاتب کا قیام تھا۔ گو ان کی یہ مفید علمی خدمت زیادہ تر سکندر جاہ کے عہد میں صورت پذیر ہوئی، لیکن اس کام کی ابتدا نواب آصف جاہ ثانی کے زمانے میں ہی ہو گئی تھی۔ انھوں نے جو متعدد مدارس قائم کئے اُن میں غریب طلبہ کو ترغیبی وظیفے بھی اُن کی سرکار سے دیے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ گلزار آصفیہ میں لکھا ہے:۔ کہ

"مدرسہ ہائے متعدد در بلدۂ حیدرآباد با استادانِ کامل علوم مقرر فرمودہ کہ طفلان غربا بشمار شبانہ روز بہ تحصیل علوم نقلی و عقلی مشغول و مصروف اند، برائے خوشنودی طفلان و توجہ شوق ایشاں دو دو روپیہ ماہوار میوہ خوری بہ ہر طفل میدہند"[۲]

نواب شمس الامرا نے ان مدارس کے قیام سے جو زبردست علمی خدمت انجام دی ہے وہ ہر طرح لائق تحسین و ستایش نظر آتی ہے۔ اُن کی یہ علمی سرپرستیاں اُن کی زندگی بھر جاری رہیں، لیکن ان سرپرستیوں کا بیج نواب آصف جاہ ثانی کے زمانہ میں ہی بو دیا گیا تھا۔

---

[۱] گلزار آصفیہ صفحہ ۲۸۸

[۲] گلزار آصفیہ صفحہ ۲۸۸ و ۲۸۹

چوتھا باب

چند علماء و مصنفین اور ان کی علمی خدمات

حکمراں خاندان کے دائرۂ عمل سے ہٹ کر، دکن کی عام علمی سرگرمیوں کا بھی ایک سرسری اندازہ کرنا ضروری ہے۔ دکن میں اس وقت علماء و فضلاء کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو اپنے اپنے حدودِ عمل میں علم کی خدمت میں مصروف و منہمک تھی۔ ان میں سے بعض درس و تدریس اور بعض تصنیف و تالیف کی خدمات انجام دیتے رہتے تھے۔ اور چند ایسے تھے جو ان دونوں خصوصیات کے حامل تھے۔ عہد زیر نظر کی تعلیمی حالت کے جانچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان عالموں اور مصنفوں کی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے۔ ان سربرآوردہ شخصیتوں کی وجہ سے دکن میں جو علمی روشنی پھیل رہی تھی اُس کا صحیح اندازہ ان کی زندگیوں کے حالات کے مطالعہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اس مطالعہ سے یہ بات بھی روشن ہوگی کہ اعلیٰ تعلیم کے اس دور میں کیا معیار اور کیا خصوصیتیں تھیں؟ اس کے حصول کے ضمن میں جامعیت کو کس حد تک پیش نظر رکھا جاتا تھا؟ علماء کے نزدیک علم کی قدر و قیمت کیا تھی؟ اور ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ دکن میں ان علماء کی موجودگی کی وجہ سے کیا مفید علمی کام انجام دیا جا رہا تھا؟

ظاہر ہے کہ اس مختصر جگہ میں صرف چند سربرآوردہ شخصیتوں کو بطور نمونہ کے پیش کیا جا سکتا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ ان کے علاوہ عالمانہ قابلیت رکھنے والے اور علمی خدمات انجام دینے والے موجود ہی نہیں تھے۔ بلکہ ہمعصر تاریخوں اور تذکروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شعراء، ادیب، انشاپرداز، صوفیا، اور دینیاتی علوم کے ماہروں کی اس عہد میں کوئی کمی نہ تھی[۱] اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے طور پر کچھ نہ کچھ علمی خدمت انجام دے رہا تھا۔ قابل اشخاص کی اس طویل صف میں سے صرف چار سربرآوردہ شخصیتوں کے حالات یکے بعد دیگرے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

---

[۱] تاریخ ماہ نامہ قلمی صفحہ ۱۱

۱۔ مولوی میر عبدالولی عزلت

اپنے علمی فضل و کمال کی وجہ سے میر عبدالولی عزلت کو دکن میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ دکن ان کا اختیار کردہ وطن تھا، اصل میں یہ سورت میں پیدا ہوئے، اور جس گھرانے میں انھوں نے جنم لیا وہ ایک علمی گھرانا تھا۔ ۱۶۹۲ء ۱۱۰۴ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ ان کے باپ سید سعد اللہ سورتی عالمگیری عہد کے بہت بڑے عالم تھے۔ سید سعد اللہ کا خاندان قصبہ سلون (ضلع الہ آباد کا) کا رہنے والا تھا۔ انھوں نے اپنے نانا شیخ پیر محمد سلونی سے تعلیم حاصل کی، جن کے متعلق خافی خاں لکھتا ہے کہ "از مدرسانِ مشہور دیار شرقی بود۔"[1] سید سعد اللہ نے علوم عقلی و نقلی کی تحصیل کے علاوہ علم ریاضی میں خصوصیت کے ساتھ درجۂ کمال حاصل کیا۔ عین عالم شباب میں درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے رختِ سفر باندھا۔ مکۂ معظمہ میں بارہ سال قیام کیا، اور اس طویل عرصہ میں مزید تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہاں شیخ عبد اللہ بصری (المتوفی ۱۱۳۴ھ) کی شاگردی کی۔ شیخ مذکور سے اکثر علمائے عرب و عجم نے استفادۂ علم کیا تھا۔ اور اس لحاظ سے وہ "استادِ جہانیاں" کے لقب سے ملقب تھے۔[2] اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد سید سعد اللہ ہندوستان لوٹے اور سورت میں اقامت گزیں ہوگئے۔ ان کے درس و تدریس کا فیض بالکل عام تھا۔ ان کے غیر معمولی فضل و کمال کی وجہ سے، عالمگیر کو ان سے بہت عقیدت تھی اور وہ اُن کی مالی امداد کرتا رہتا تھا۔[3] سید سعد اللہ بڑے وسیع النظر اور وسیع المشرب عالم تھے۔ غیر مسلم طبقات میں بھی اپنے صلح کل مشرب کی وجہ سے انھوں نے غیر معمولی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ ان کے مزاج میں فلسفیانہ رنگ پایا جاتا تھا۔ آخر عمر تک درس، تدریس، اور تصنیف و تالیف کے کام میں لگے رہے[4]

میر عبدالولی عزلت فاضل باپ کے سچے جانشین ثابت ہوئے۔ ان کی تعلیم و تربیت باپ کی عالمانہ صحبت میں ہوئی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد اُنھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا سفر کیا۔ ایک عرصہ تک بنگال میں رہے، کچھ زمانہ محمد شاہ کے دربار میں بھی گذرا۔ آصف جاہ اول کے آخری زمانہ میں اورنگ آباد آئے، ان کے انتقال کے بعد دوبارہ سورت چلے گئے۔ نواب صلابت جنگ کے زمانہ میں پھر اُنھوں نے دکن کا رُخ کیا اور اب کے ایسے آئے کہ مر کر ہی اُٹھے۔[5]

---

[1] منتخب اللباب جلد ۲ صفحہ ۲۱۳۔ آزاد نے پیر محمد سلونی کے متعلق لکھا ہے کہ "از کبارۂ اولیا بودہ۔" مآثر الکرام صفحہ ۲۱۷

[2] مآثر الکرام صفحہ ۲۱۷

[3] سات آٹھ ہزار کی مدد معاش، ان کو عالمگیر کی طرف سے حاصل تھی۔ منتخب اللباب جلد ۲ صفحہ ۲۱۸

[4] ان کا انتقال ۱۱۳۸ھ میں ہوا۔

[5] ماہ نامہ صفحہ ۱۱۶

[6] بہارستان سخن مصنفہ شاہنواز خاں صمصام الدولہ قلمی صفحہ ۴۹

میر عبدالولی عزلت کی ہمہ گیر قابلیت کے معصر مورخ و تذکرہ نویس معترف ہیں۔ ان کو تمام مروجہ علوم میں اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ ان کی قابلیت کی تعریف کرتے ہوئے ماہ نامہ کا مصنف لکھتا ہے:-

"بہ کمالات صوری و معنوی مستثنیٰ و ممتاز۔ علامۃ العصر و نہایۃ الدوران بود آنچناں کہ بر کتب سماوی مثل توریت و انجیل حاشیہ نوشت۔" [1]

ان کو اپنے علمی تبحر پر بڑا بھروسہ تھا، قدرت نے حافظہ بھی بلا کا دیا تھا، چنانچہ وہ خود کہا کرتے تھے کہ اگر دنیا کے تمام علوم اٹھ جائیں تو میں ان کی از سر نو ترتیب و تدوین کر سکتا ہوں۔[2] فارسی اور عربی کی قابلیت کے علاوہ ہندی کے بھی یہ بہت بڑے ادیب تھے۔ ہندی میں ان کے کبت اور دوہے مشہور ہیں۔ فارسی اور عربی کے بہت اچھے شاعر اور انشاپرداز تھے۔ اس تمام عالمانہ قابلیت کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ سے بھی ان کو دلچسپی تھی، ہندی موسیقی کے استاد[3] مانے جاتے تھے۔ اور مصوری میں بھی دخل رکھتے[4] تھے۔

حیدرآباد میں قیام پذیر ہو جانے کے بعد، ان کا محبوب مشغلہ درس و تدریس تھا۔ آصفجاہی سلطنت نے ان کی قابلیت، اور علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کو جاگیر اور مدد معاش سے سرفراز کر رکھا تھا۔ حیدرآباد میں ایک طویل علمی خدمت کے بعد [5] ۱۱۸۹ھ میں انتقال کیا۔ اور دائرۂ میر مومن میں سپرد خاک کئے گئے[6]

۲- مولانا سید قمر الدین

اپنے زمانہ کے فاضل ترین شخص تھے۔ ۱۱۳۴ھ [7] میں ان کی ولادت ہوئی۔ ان کے اجداد خجند کے رہنے والے تھے۔ ظہیر الدین جو ان کے جد اعلیٰ تھے، خجند سے ہندوستان آئے، اور لاہور کے قریب امن آباد میں اقامت اختیار کی۔ دو پشتوں کے بعد یہ خاندان دکن چلا آیا، اور بالاپور (برار) میں قیام پذیر ہو گیا۔ مولانا قمر الدین کے باپ سید منیب اللہ بالاپور سے اٹھ کر اورنگ آباد چلے آئے اور یہاں اقامت پذیر ہو گئے۔ یہ خاندان علم و فضل کا حامل تھا۔ مولوی قمر الدین کی ابتدائی تعلیم و تربیت

---

[1] ماہ نامہ صفحہ ۱۱۶
[2] سرو آزاد صفحہ ۲۳۶
[3] بہارستان سخن صفحہ ۱۱۸
[4] مشکوٰۃ النبوت مصنفہ سید علی (قلمی) صفحہ ۱۶۶
[5] محبوب الزمن جلد دوم صفحہ ۱۲۸
[6] مشکوٰۃ النبوۃ صفحہ ۱۶۶

اُن کے گھرانے میں ہوئی۔ سنِ شعور کو پہونچنے کے بعد اورنگ آباد کے مختلف علماء سے انھوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی، اور مروّجہ علوم میں وہ دستگاہ اور تبحّر پیدا کیا کہ اس عہد میں اس درجہ کے عالم ہندوستان میں شاید ہی موجود تھے۔ علامہ آزاد جیسے جید عالم ان کی قابلیت اور کمال کے معترف ہیں، اور ایسے الفاظ میں اُن کے علمی فضل وکمال کی تعریف کی ہے، جو کسی دوسرے معصر کے واسطے وہ عموماً استعمال نہیں کرتے۔

مولوی قمرالدین صرف دینیاتی علوم کے ہی ماہر نہیں تھے، بلکہ علوم معقول میں بھی درجۂ امتیاز رکھتے تھے۔ علوم معقول کی اصلاح کو جدید الفاظ میں اگر ظاہر کیا جائے تو اُن کو سائنسی علوم کہا جائے گا۔ مشرق کے سائنسی علوم کی فہرست میں فلسفہ، منطق، ریاضی، علم ہیئت اور طب وغیرہ کو شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس زمانے کے بڑے علماء عموماً اِن تمام علوم میں بھی گہری قابلیت و استعداد پیدا کر لیتے تھے۔ اپنے زمانے کے رواج کے مطابق مولوی قمرالدین نے ان تمام علوم میں زبردست تبحّر پیدا کیا، اور اپنے عہد کی ایک بے نظیر شخصیت بن گئے۔ چنانچہ آزاد کا قلم اس بیان کا ذمّہ دار ہے کہ:۔

"در علوم عقلی و نقلی، بحرِ مّواج ناتمناہی، لاسیما فنون حکمی و نقہ واصول و ہیئت و ہندسہ کہ امروز در ممالک ہندوستان نظیر ندارد مشاکان اگر در رکاب اُوروند زہے سعادت و اشراقیان اگر دریوزہ گر انوار او شوند حبذا۔"[1]

اِن الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد نے ان کی قابلیت کی تعریف کرنے میں اپنا پورا زور قلم صرف کر دیا ہے۔ اور اس تعریف کو محض مبالغہ یا حسنِ عقیدت پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آزاد قابلیت کے بڑے پرکھنے والے اور اپنے بیانات میں عموماً بہت محتاط تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حقیقی کمال اور قابلیت کے وہ ایسے دلدادہ نظر آتے ہیں کہ جہاں کہیں یہ خصوصیات نظر آجاتی ہیں اُن کو اپنی فراخدلی اور عالی حوصلگی کی وجہ سے ظاہر کرنے میں نہیں چوکتے۔ اسی لئے مولوی قمرالدین کے حقیقی کمال کو ظاہر کرنے میں اُنھوں نے مطلقاً کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔

غرض مولوی قمرالدین ایک بے نظیر اور ہمہ گیر قابلیت کے مالک تھے۔ ریاضیات اور علم ہیئت کے ساتھ ساتھ ان کو ریاضیاتی جغرافیہ میں بھی کافی معلومات حاصل تھیں۔ چنانچہ مکہ معظمہ

---

[1] خزانۂ عامرہ صفحہ ۳۸

سے جب وہ ہند واپس ہو رہے تھے تو جہاز کے متعلقہ عہدہ داروں نے زمین کے عرض بلد کے استخراج میں غلطی کی اور جہاز کو غلط راستے پر ڈال دیا۔ مولوی قمر الدین کو جب اس کا علم ہوا تو اُنھوں نے اپنی معلومات کی بناء پر اس غلطی کی اصلاح کردی، اور محض اُن کی امداد سے عرض بلد کا صحت کے ساتھ استخراج کیا جا سکا۔[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف علوم میں کس جامعیت کے حامل تھے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی جبکہ وہ بہ غرض حج و زیارت وہاں قیام پذیر تھے، متعدد بڑے بڑے علماء نے اُن کی غیر معمولی قابلیت کا اعتراف کیا۔[2]

کوئی تعجب نہیں کہ ایسی جامع الکمال ہستی کو اپنے ہمعصروں میں بلا کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل رہی ہو۔ نواب آصف جاہ اول ان کے بڑے قدر دان تھے، اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، سلطان العلماء، کے خطاب سے سرفراز کر رکھا تھا۔ اورنگ آباد کے تمام قابل اور ذی علم اشخاص ان سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ مولوی قمر الدین نے ایک بالکل علمی زندگی بسر کی علاوہ درس و تدریس کے (جس کا ذکر آئندہ باب میں مکاتب و مدارس کے سلسلہ میں آئیگا) انھوں نے اپنی عمر تالیف و تصنیف میں صرف کی۔ ان کی ایک مشہور تصنیف "مظہر النور" ہے۔ اس میں انھوں نے فلسفیانہ نقطہ نظر سے مسئلہ وحدت الوجود پر عالمانہ خامہ فرسائی کی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی تعریف میں علامہ آزاد لکھتے ہیں :-

> "برہان علوشان او (قمر الدین) کتاب مظہر النور" است در مسئلہ وجود کہ از عمدہ مسائل امور عامہ است۔ دریں کتاب مذاہب حکماء اشراقین و مشائین و صوفیۂ صافیہ و متکلمین بہ قلم آوردہ و مطالب عالیہ بسیار از نتائج طبع خود مندرج ساختہ"[3]

۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء میں اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی۔ ان کی دوسری مشہور تصنیف نور الکریمتین[4] ہے۔ اس کتاب کے بارے میں ماہ نامہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ :

> "در شرح آیۂ تطہیر . . . . بر طبق آیات کلام مجید در شان ازواج مطہرات نوشتہ مشہور آفاق است۔"[5]

دکن کی اس زبردست جامع الکمال ہستی کا انتقال، ایک طویل علمی زندگی کے بعد ستر سال[6]

---

[1] خزانۂ عامرہ مطبوعہ صفحہ ۳۰۳ [2] خزانۂ عامرہ صفحہ ۳۰۲
[3] خزانۂ عامرہ صفحہ ۳۰۱ [4] مشکوٰۃ النبوۃ صفحہ ۶۵ [5] ماہ نامہ قلمی صفحہ ۱۱ [6] مشکوٰۃ النبوۃ قلمی صفحہ ۵۹

کی عمر میں ۱۱۹۲ھ ۱۷۷۹ء میں ہوا۔ اور یہ اورنگ آباد میں مدفون ہیں۔

۳۔ میر غلام علی آزاد

ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، دکن کی یہ ایک بڑی خوش نصیبی ہے کہ انھوں نے اس سرزمین کو اپنا وطن بنالیا۔ اور اپنی علمی قابلیت کے فیض سے اہل دکن کو مستفیض ہونے کا موقع دیا۔
میر غلام علی آزاد ۱۱۱۶ھ ۱۷۰۴ء میں پیدا ہوئے، قصبہ بلگرام میں ان کی ولادت ہوئی۔ یہ خطہ ہمیشہ سے مردم خیز رہا ہے۔ غلام علی آزاد کے باپ کا نام محمد نوح تھا[1]، لیکن یہ کسی ممتاز شخصیت کے حامل نہیں تھے۔ البتہ آزاد کا ننہیال قصبۂ بلگرام کا ایک مشہور علمی گھرانہ تھا۔ ان کے نانا میر عبدالجلیل واسطی[2] ہندوستان کے نامور علماء میں سے گذرے ہیں ان کو متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا عربی فارسی، ترکی، اور ہندی، خوب جانتے تھے۔ عربی اور فارسی کے تو بہترین شاعر اور ادیب تھے لیکن ترکی و ہندی میں بھی وہ کمال پیدا کیا تھا کہ ان زبانوں میں بھی نہایت بے تکلفی کے ساتھ شعر کہہ سکتے تھے[3]۔ ان کی ہمہ گیر قابلیت اور جامعیت کے متعلق آزاد لکھتے ہیں کہ "در جمیع علوم منقول و معقول، خصوص تفسیر و حدیث و فنون عربیت و تاریخ و موسیقی اقتدارے عظیم بہم رسانید حافظہ شریف بہ مرتبہ بود کہ قاموس اللغۃ از اول تا آخر از بر داشت[4]"
غرض آزاد نے ایک علمی ماحول میں آنکھ کھولی، اور اس ماحول کے اثرات کا نتیجہ تھا کہ ان کو علم کا ایسا چسکہ پڑ گیا کہ عمر بھر اس کی تحصیل میں مصروف رہے، اور شعر و ادب و فن تاریخ میں اپنی قابلیت کے وہ عالمانہ یادگاریں چھوڑی ہیں کہ ہندوستان کی علمی دنیا آج تک ان کی ممنون احسان ہے۔
آزاد کو خوش قسمتی سے بڑے قابل ترین اساتذہ مل گئے تھے۔ درسی کتب کی تحصیل انھوں نے طفیل محمد بلگرامی[5] سے کی۔ یہ میر عبدالجلیل کے ہم سبق اور انھیں کی طرح جامع العلوم تھے،

---

[1] بہارستان سخن قلمی ص۴۹۸
[2] ۱۰۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۳۸ھ میں انتقال کیا۔ (مآثر الکرام ص۲۶۶) امیر الامراء حسین علی خاں کے دست گرفتہ تھے۔ اس کے مارے جانے پر ایک نہایت ہی دردناک نوحہ بزبان فارسی قلمبند کیا ہے جس کا پہلا شعر ہے

آفتاب کربلاست عیاں از جبین ہند — زد جوش خون آل نبی از زمین ہند

آخری شعر میں تاریخ نکالی ہے۔ سال شہادتش قلم واسطی نوشت — بہ قتل حسین کرد یزید لعین ہند (۱۱۳۲ھ) مرثیہ کا ایک ایک شعر دل سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے پورا مرثیہ قابل مطالعہ ہے (دیکھیے سرو آزاد ص۱۲۲ و ص۱۲۳)
[3] خزانۂ عامرہ مطبوعہ ص۳۵۳ [4] مآثر الکرام ص۲۵۸ [5] مآثر الکرام ص۱۶۱

علامہ آزاد ان کی قابلیت کی بڑی تعریف کرتے اور اُن سے حسنِ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں جگہ جگہ اُن کو استاذ المحققین کے نام سے یاد کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کی بنیادی تعلیم کی تکمیل ان ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ چنانچہ خود آزاد کہتے ہیں کہ کتب درسی از بدایت تا نہایت در حلقۂ درس استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی گذرانید۔" آزاد نے اپنی طالب علمی کے حالات کچھ زیادہ تفصیل سے نہیں لکھے ہیں۔ لیکن ضمناً دو ایک جگہ، ایسے مجمل اشارے کئے ہیں جن سے اس زمانے کے درس وتدریس کے طریقوں پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اپنے ہم سبق خالہ زاد بھائی میر محمد یوسف بلگرامی کے حالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"طریق تحصیل چنیں بود کہ پیوستہ دو کتاب یا کتابے واحد از دو مقام بہ سماعت و قرأت یک دیگر می خواندیم۔ و شبدیز سعی در مضمار تحصیل می راندیم۔ اگر احیاناً یکی را عارضہ رومی داد سبق دیگرے در معرض توقف می افتاد۔"[1]

ان جملوں میں جس مکتبی طریقہ کی طرف آزاد نے اشارہ کیا ہے وہ تمام ہندوستان میں رائج تھا، اور ہندوستان کے باہر مختلف اسلامی مراکز تعلیم میں بھی عموماً یہی طریقے استعمال کئے جاتے تھے۔[2] میر طفیل محمد بلگرامی کے علاوہ آزاد نے اپنے فاضل نانا میر عبدالجلیل بلگرامی سے بھی فیض تلمذ حاصل کیا۔ ان سے عربی ادبیات کی تحصیل کی۔ اس کے علاوہ، لغت، سیر نبوی اور حدیث بھی پڑھی میر عبدالجلیل بلگرامی کے بیٹے، میر سید محمد بھی بہت قابل تھے۔ آزاد نے ان کے آگے بھی زانوئے ادب تہہ کیا، اور ان سے ادبیات کی مزید تحصیل کی، اور عروض و قافیہ جیسے مضامین کی تکمیل کی۔

غرض آزاد کی تعلیم زیادہ تر اُن کے گھرانے ہی میں عمل میں آئی۔ عبدالجلیل، طفیل محمد اور سید محمد جیسے علماء کے فیض تربیت نے، اُن کو اپنے زمانے کا ایک قابل ترین شخص بنا دیا۔ لیکن اس قابلیت کے باوجود اُن کی تشنگی علم میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ جب کبھی اور جہاں کہیں اُن کو حصولِ علم کا کوئی ذریعہ موقع مل گیا اُس سے پورے طور پر استفادہ کرنے کی کوشش کی۔

تشنگی علم کی یہ خصوصیت اس عہد کے علماء میں عام طور پر پائی جاتی ہے، اور اکثر بڑے بڑے علماء حج و زیارت کی غرض سے جو سفر اختیار کرتے تھے اُس کا ایک مقصد تو دینی خیر و برکت حاصل کرنا ہوتا تھا اور دوسرا مقصد یہ بھی پیش نظر ہوتا کہ مختلف ممالک اسلامی کے بڑے بڑے علماء سے ملاقات کا موقعہ

---

[1] مآثر الکرام ص ۲۹۷

[2] مثال کے طور پر تحفۃ العالم کے مصنف نے اس عہد کے شوستر کے علماء و معلمین کے جو حالات لکھے ہیں اُن سے اسی قسم کی مکتبی تعلیم کا پتہ چلتا ہے ص ۸۴-۸۸-۹۵-۹۸-۱۰۵-۱۰۶

[3] ان کے حالات کے لئے دیکھئے مآثر الکرام ص ۲۹۳

مل سکے، اور اگر ان میں کوئی غیر معمولی اور مسلمہ قابلیت کا شخص مل جائے تو اُس سے فیض تلمذ بھی حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ ہند کے اکثر علماء اس دوہری غایت کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر کرتے تھے، اور یہ لوگ علم کے معاملہ میں ایسے بے نفس واقع ہوئے تھے کہ باوجود اپنے ذاتی تبحر کے اُن کو جہاں کہیں کوئی علمی کمال نظر آتا تو فوراً سر نیک دیتے۔ حج و زیارت کے سفر کا یہ علمی پہلو بہت دلچسپ ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ کے یورپ میں عام طور پر یہ قاعدہ تھا کہ مختلف یورپی ممالک کے علما، یا طلب علم رکھنے والے نوجوان، اپنی تعلیم کی تکمیل کے ایک لازمی جز کے طور پر اطالیہ کا سفر اختیار کیا کرتے تھے۔ روم ازمنۂ وسطیٰ اور نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں بھی یورپ کا مکہ تھا۔ یورپ میں روم کے سفر کو جو علمی اہمیت حاصل تھی وہی اہمیت، مشرق کے مسلمانوں کی حد تک، حرمین شریفین کے سفر کو حاصل رہی۔

آزاد نے ۱۷۳۷ء / ۱۱۵۰ھ میں حرمین شریفین کا ارادہ کیا۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر، مدینہ منورہ میں اُنھوں نے شیخ محمد حیات سندھی سے صحیح بخاری پڑھی، اور مکہ معظمہ میں مولانا عبدالوہاب مصری کی شاگردی اختیار کی۔ آزاد کا بیان ہے کہ یہ دونوں اپنے زمانے کے بڑے زبردست عالم تھے۔ اگرچہ ان دونوں میں سے کسی کا وطن بھی عربستان نہیں تھا۔ لیکن اپنی عالمانہ قابلیت کی وجہ سے یہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں مرجع خلائق بنے ہوئے تھے۔

غرض آزاد ان علمی صحبتوں سے مستفیض ہونے کے بعد ۱۷۳۹ء / ۱۱۵۲ھ میں ہندوستان لوٹے۔ سورت سے ہوتے ہوئے اورنگ آباد پہونچے اور یہاں بابا شاہ مسافر نقشبندی کے تکیہ میں مقیم ہو گئے۔ خاندان آصفی کے فیض حکومت نے اورنگ آباد کو، ہندوستان کے اس پرآشوب دور میں "دارالامن" بنا دیا تھا۔ یوں تو آزاد کو نواب آصف جاہ اول کی بارگاہ میں بھی رسائی حاصل تھی۔ لیکن دکن میں اُن کی حقیقی سرپرستی نواب ناصر جنگ نے کی۔ اس سرپرستی کا تفصیلی ذکر پچھلے صفحات میں کر دیا گیا ہے۔ نواب ناصر جنگ، اُن کی قابلیت کے معترف اور اُن کی شخصیت کے گرویدہ تھے۔ اسی قرب اور غیر معمولی انسیت کا نتیجہ تھا کہ آزاد نے نواب ناصر جنگ کے حالات بڑے درد سے لکھے ہیں۔

علامہ آزاد نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے بڑی زبردست علمی خدمات انجام دی ہیں، اور یہ تمام علمی کام دکن میں ہی صورت پذیر ہوا۔ علامہ آزاد کی تصانیف اس قدر مشہور ہیں کہ ان کی کسی تفصیلی فہرست کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ خزانۂ عامرہ۔ سروِ آزاد۔ ماٰثر الکرام۔ سبحۃ المرجان۔ ید بیضا لیے

۱؎ خزانۂ عامرہ صـ ۱۲۵
۲؎ سروِ آزاد صـ ۱۹۰
۳؎ سروِ آزاد صـ ۱۰۴

نام ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آزاد نے ادبیات کے ساتھ ساتھ فنِ تاریخ کی بھی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اٹھارویں صدی کے ہندوستان کی تاریخ کے کسی پہلو پر بھی اگر قلم اُٹھایا جائے تو آزاد کے چمن علم سے ناگزیر طور پر خوشہ چینی کرنی پڑتی ہے۔

آزاد کی تصانیف سے اُن کی علمی جامعیت صاف طور پر جھلکتی ہے۔ وہ اپنے عہد کی علمی "ہُمہ دانیت" کے بہت اچھا نمونہ تھے۔ ادبیات اور تاریخ تو اُن کے خاص میدان ہیں۔ دینی علوم میں بھی اُن کو مہارت کلّی حاصل تھی۔ عربی اور فارسی کے اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ ادبیات اور شعر و سخن کی حد تک اُن کے متعدد تلامذہ دکن میں موجود تھے۔ یہاں اڑتالیس برس تک خالص علمی خدمت انجام دیتے رہے، اور سرزمین دکن کو اپنے فیض علم کی روشنی سے خوب منور کیا۔ ان کا انتقال ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۵ء میں ہوا۔ خلد آباد میں سپرد خاک کیے گئے۔[1]

۴۔ میر عبدالرزاق شاہنواز خاں (صمصام الدولہ)

عہد زیر نظر میں دکن میں جو مفید علمی کام انجام دیا جا رہا تھا اُس کی کوئی تفصیل اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک میر عبدالرزاق شاہنواز خاں کی علمی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے۔ قدرت نے ان کو عجیب و غریب صلاحیتوں سے سرفراز کیا تھا۔ اُٹھارھویں صدی میں دکن کے یہ بہت بڑے مدبّر تھے۔ سیاست و تدبر میں، ان کے کارنامے دکن کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی علمی خدمات بھی کبھی فراموش نہیں ہو سکتیں۔ یہاں پر زیادہ تر ان کی ان ہی خدمات کو پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

میر عبدالرزاق کی ولادت ۱۱۱۱ھ ۱۶۹۹ء میں عمل میں آئی۔ اکبر کے زمانہ میں ان کا خاندان خوافؔ سے ہندوستان آیا، اور عالمگیر کے عہد تک اس خاندان کے افراد ممتاز خدمات پر فائز ہوتے رہے۔ میر عبدالرزاق کے جد اعلیٰ امانت خاں کو عالمگیری عہد کے اوائل میں بخشی گری دکن کی خدمت سپرد کی گئی تھی۔ اورنگ آباد کی نظامت اور دیوانی دکن بھی اِن ہی کے تفویض تھی۔ اس طرح اس خاندان کا تعلق دکن سے پیدا ہو گیا۔ میر عبدالرزاق کے باپ حسن علی امانت خاں مذکور کے پوتے تھے۔ عبدالرزاق کی تعلیم و تربیت ان کے دادا کاظم خاں کی نگرانی میں عمل میں آئی۔ تحصیل علم سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد دکن میں ابتداءً مختلف سرکاری خدمتیں انجام دیں۔ نواب

---

[1] آزاد کے تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے خزانۂ عامرہ صفحہ ۱۲۳۔ سرو آزاد صفحہ ۲۹۱ تا ترانکرام صفحہ ۱۶۱ - ۳۰۳

آصف جاہ اول نے کچھ عرصہ بعد میر عبدالرزاق کو دیوانی برار کی اہم خدمت عطا کی۔ اس خدمت کو انھوں نے اس خوبی سے انجام دیا کہ نواب آصف جاہ اول کے دل پر چڑھ گئے۔ حقیقت میں میر عبدالرزاق کو کام کا بہت اچھا سلیقہ تھا، اور اُن کی ابتدائی ملازمت کے زمانہ سے ہی اُن کی قابلیت کے جوہر کھلنے لگے۔ آصف جاہ اول نے اُن کے اسی سلیقۂ کار کو دیکھ کر ایک مرتبہ کہا تھا کہ "کارِ میر عبدالرزاق نمکے دارد"[1]۔

نواب ناصر جنگ نے جب آصف جاہ اول کے خلاف بغاوت کی تو (۱۱۵۴ھ/۱۷۴۱ء) میر عبدالرزاق اُن کے دست راست اور شریک کار تھے۔ شرکتِ بغاوت کے اس جرم میں پانچ سال تک معتوب رہے۔ اور اس واقعہ کی وجہ سے آصف جاہ اول کے زمانہ میں اُن کی ترقیاں رُک گئیں۔ لیکن نواب ناصر جنگ کی مسند نشینی (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کے ساتھ ہی اُن کی قسمت کا ستارہ دوبارہ بڑی آب و تاب سے چمکا۔ پر یہ عہد کچھ دیرپا ثابت نہیں ہوا۔ ناصر جنگ جن سے دکن کو بڑی توقعات وابستہ تھیں بہت جلد لقمۂ اجل ہو گئے (۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء) مظفر جنگ کی تخریبی اور خانہ بر انداز کارروائیوں نے دکن کو ایک مصیبتِ عظمیٰ میں مبتلا کر دیا۔ اس تاریکی کے دور میں مختلف انقلابات کے بعد میر سید محمد خاں صلابت جنگ مسند آرائے سلطنت دکن ہوئے (۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء) لیکن صلابت جنگ ہر قسم کی اعلیٰ صلاحیت سے عاری تھے۔[2] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت دکن ہر قسم کی سیاسی اور مالی مشکلات میں گھر گئی۔ اگر اس نازک زمانے میں میر عبدالرزاق کی زبردست شخصیت موجود نہ ہوتی تو سیاستِ دکن کی اُلجھی ہوئی گتھیاں شاید ہی سُلجھ سکتیں۔ صلابت جنگ کے عہد میں ان کو "وکالتِ مطلق" کا عہدہ دیا گیا تھا (۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء) صمصام الدولہ شاہنواز خاں کا خطاب اور ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کے منصب سے اُن کو سرفراز کیا گیا۔ چار سال تک وکیل مطلق کی حیثیت سے انھوں نے سلطنت دکن کی وہ مفید خدمات انجام دی ہیں کہ جن کو تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔ ملک کو اندرونی و بیرونی پریشانیوں سے پاک کیا، نظم و نسقِ سلطنت درست کیا۔ مالی اصلاحات کے ذریعہ سے ملک کے مالیہ میں جان ڈالی۔ ان کی ان خدمات کا کچھ صحیح اندازہ آزاد کے ان الفاظ سے ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

> بحسنِ رائے و تدبیر مہمات جزوی و کلی را طرزِ رونقِ تازہ داد [illegible]
> بر نسبت کہ عقل عقلا را حیران ساخت [illegible] وکالت با او مقرر شد [illegible] نواب
> امیر الممالک (صلابت جنگ) عجب حالتے داشت [illegible]

---

[1] مآثر الامرا دیباچہ آزاد ص ۱۸

[2] تاریخ ظفرہ ص [illegible]

> رسیدہ بود۔ نواب صمصام الدولہ نوعی حسن تردّد نمود کہ آب رفتہ بجوئے آمد و انسق برہم خوردہ باز انتظام پذیرفت سرکشان حلقۂ اطاعت در گوش و کج فراجان غاشیۂ راستی بر دوش کشیدند و امن عجبی در ممالک بہم رسید . . . . در عرصہ چہار سال مدت وکالت خود جمیع دخرج ملک را برابر کرد۔ می گفت انشاء اللہ تعالیٰ سال آئندہ جمع بر خرج می افزاید[۵۱]

اِن خدمات کے ساتھ ساتھ صمصام الدولہ نے جو سب سے بڑی خدمت انجام دینے کی کوشش کی، وہ یہ تھی کہ سلطنت میں فرانسیسیوں کا جو عمل و دخل ہو گیا تھا، اُس کی بیخ کنی کی جائے لیکن ناموافق حالات کی وجہ سے نہ صرف اس کوشش پر پانی پھر گیا بلکہ ان میں فرانسیسیوں کے اثر و نفوذ کا وہ خود شکار ہو گئے۔ انھوں نے اپنی جان بھی دی تو ملک کی ایک بہترین خدمت انجام دینے کے ضمن میں دی۔ حیدر جنگ جو فرانسیسیوں کا ایجنٹ تھا گو خود قتل ہو گیا لیکن بالواسطہ اُن کی ہلاکت کا موجب ہوا۔[۵۲] (۱۱۷۱ھ/۱۷۵۷ء)

نواب صمصام الدولہ کی شخصیت کو پورے طور پر اُجاگر کرنے اور اُن کی علمی خدمات کے حقیقی پس منظر کو پیش کرنے کے لئے اُن کی زندگی کا یہ خاکہ ازبس ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر ملک کی سیاسی، مالی اور انتظامی خدمات کو بڑی قابلیت سے انجام دیتے رہے۔ لیکن اپنی اس انتہائی مصروفیت کے باوجود، وہ آنا وقت ضرور نکال لیتے تھے کہ علمی خدمات کی انجام دہی بھی اُن سے ممکن ہو سکی۔

نواب صمصام الدولہ اپنے زمانہ کے بہت اچھے ادیب اور انشا پرداز تھے، فنِ شعر سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، اپنی شعر فہمی پر اُن کو ناز تھا، اُن کی انشا پردازی کی تعریف میں آزاد رطب اللسان نظر آتے ہیں۔[۵۳] اُن کی زندگی کے انقلابات کی وجہ سے اُن کی منشآت کا بہت کچھ ذخیرہ تلف ہو گیا۔ گو اُن کے بیٹے عبدالحیٔ خاں صمصام الملک نے اُن کے بچے کھچے رقعات و منشآت کو یکجا کر کے "بہارستان سخن" کے آخری حصے میں منسلک کرنے کی کوشش کی ہے۔[۵۴] مگر ان چند رقعات کو اُن کی انشا پردازی کا ایک بہت ہی مختصر جز سمجھنا چاہیئے۔

---

[۵۱] دیباچۂ آزاد بر مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۲۲

[۵۲] ان تمام سیاسی پیچیدگیوں کا مجمل حال علامہ آزاد کے اس دیباچہ میں ہے جو انھوں نے مآثر الامراء پر لکھا ہے دیکھیے مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۲۵ تا صفحہ ۳۴ - نیز دیکھیے The Nizam, by Briggs Vol I. P. 133, 134. وحدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۵ و ۲۵۱۔

[۵۳] دیباچہ مآثر الامراء صفحہ ۲۵ و ۲۶

[۵۴] دیکھیے بہارستان سخن قلمی، آخری حصہ

تاریخ دانی میں وہ یکتائے عصر تھے۔ اس موضوع سے اُن کو فطری لگاؤ تھا، اور فنِ تاریخ ہی میں اُنھوں نے بہت بڑی علمی خدمت انجام دی ہے۔ مآثر الامراء کی ضخیم تصنیف، اُن کے تاریخی تبحّر کی سب سے بڑی یادگار ہے۔ اگر صمصام الدولہ سوائے اس تصنیف کے دنیا میں اور کوئی نمایاں خدمت انجام نہ دے سکتے تو بھی علمی دنیا میں اُن کی شہرت اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے قائم ہو جاتی۔ گو اس کی ترتیب و تدوین میں علامہ آزاد کا کچھ حصّہ ہے، مگر خود علامہ آزاد کا بیان اس امر کا شاہد ہے کہ یہ تصنیف بالکلیہ صمصام الدولہ کی دماغی کاوشوں اور عرق ریزیوں کا نتیجہ ہے[1]۔ اس شہادت کے موجود ہوتے ہوئے مولوی عبدالحق کا یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ "مآثر الامراء بہت کچھ آزاد ہی کے قلم کی ممنون ہے[2]۔" غالباً اس لغزش کا سبب علامہ آزاد سے اُنکی مبالغہ آمیز عقیدت ہو۔

فنِ تاریخ کی حد تک، بلا شبہ مآثر الامراء اس صدی کی بہترین تصنیف تھی۔ حدیقۃ العالم[3] سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صمصام الدولہ نے اس تصنیف کا زیادہ تر کام اپنی پانچ سالہ معتوبی کے زمانہ میں انجام دیا۔ اس کے بعد بھی غالباً اس کام کا سلسلہ اُن کی موت تک جاری رہا۔ اُن کے انتقال کے وقت اس کے کچھ آخری حصّے تکمیل طلب رہ گئے تھے۔ اور غضب یہ ہوا کہ صمصام الدولہ کے قتل کے بعد ان کے گھرانے پر جو تباہی آئی، اُس کی وجہ سے اُن کا زبردست کتب خانہ تتر بتر ہو گیا۔ کتب خانہ کی اسی درہمی کے ضمن میں، مآثر الامراء کا نسخہ غائب ہو گیا۔ غلام علی آزاد نے بڑے تفحص اور تلاش کے بعد اسے ڈھونڈھ نکالا۔ اور بعد میں، میر عبدالحی خاں صمصام الملک کی شرکت میں اس کی ترتیب اور تکمیل کا کام انجام دیا[4]۔

تاریخ کے علاوہ نواب صمصام الدولہ کو شعر و ادب سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ فارسی زبان اور اس کے مصطلحات پر خوب عبور تھا۔ ان کی مصطلحات دانی پر اہلِ ایران کو رشک ہوتا تھا۔ اسی ادبی ذوق کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے شعرا کا ایک ضخیم تذکرہ بھی تصنیف کیا ہے جو بہارستانِ سخن کے نام سے مشہور ہے۔
غرض، نواب صمصام الدولہ کو علمی کام کا خاص شغف تھا۔ اُنھوں نے ایک زبردست کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ اوقاتِ فرصت میں مطالعہ کتب میں مصروف رہتے اور مختلف کتابوں کی تصحیح و مقابلہ کا کام انجام دیتے رہتے تھے۔

---

[1] چنانچہ آزاد لکھتے ہیں: "در تاریخ دانی یکتائے عصر بود۔ [illegible] احوال امرا و سلاطین تیموریہ هند [illegible] گروہ بود بہ دانش، همین کتاب مآثر الامراء است [illegible] صاحب این فن [illegible]" ص ۳۶ مآثر الامراء
[2] مقدمہ مولوی عبدالحق بر چمنستانِ شعرا، مصنفہ لچھمی نراین شفیق، مطبوعہ انجمن ترقی اردو۔ [illegible]
[3] حدیقۃ العالم مقالہ دوم ص ۱۷۱
[4] تذکرۃ السعداء (قلمی) مصنفہ محمد الحسینی [illegible] نیز سوانح دکن ص ۱۸۱

ان کی اس تمام علمی زندگی کا دوسرا اہم اور دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ انھوں نے دوسرے علمی کام کرنے والوں کی سرپرستی کی۔ وہ بلا کے علم دوست تھے۔ اُن کی محفل میں اورنگ آباد کے قابل ترین اشخاص جمع ہوتے تھے۔ آزاد سے اُن کے تعلقات نہایت گہرے اور مشفقانہ تھے۔ اس عہد کے بعض دوسرے اہل قلم بھی اُن کی ذات سے انتساب رکھتے تھے۔ تاریخ مرأۃ الصفا جو اس عہد کی ایک نہایت ہی وقیع تاریخ ہے وہ ان کی ہی سرپرستی میں لکھی گئی۔ چنانچہ اس کا مصنف محمد علی اپنے مقدمہ میں اس سرپرستی کا ذکر صاف الفاظ میں کرتا ہے[1]۔ ان کے علمی کاموں کو دیکھکر اس عہد کے دوسرے اہل قلم اشخاص کو بھی تصنیف و تالیف کے کام کو انجام دینے کی تحریک ہوتی تھی۔ چنانچہ افضل بیگ خاں قاقشال کو تحفۃ الشعراء کے لکھنے کا خیال، شاہنواز خاں کی بہارستان سخن کے دیکھنے[2] سے ہوا۔ غرض صمصام الدولہ نے باوجود اپنی سیاسی مصروفیتوں کے نہایت مفید علمی خدمات انجام دیں اور اس لحاظ سے اُن کو دکن کی ایک ممتاز علمی شخصیت سمجھنا چاہیئے۔

سطور بالا میں جن سربرآوردہ شخصیتوں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اُن کی جامع اور ہمہ گیر قابلیت سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اپنی بہترین شکل میں اس عہد کی اعلےٰ تعلیم کس معیار اور کس درجہ کے قابل اشخاص کو پیدا کرسکتی تھی۔ اب ان اعلیٰ علمی نمونوں کو سامنے رکھکر درس و تدریس کے اُن اداروں پر ایک نظر ڈال لینی چاہیئے، جہاں سے اس عہد کے قابل اشخاص تعلیم حاصل کرکے نکلتے تھے۔



---

[1] تاریخ مرأۃ الصفا قلمی [2] دیکھیے تحفۃ الشعراء صـ۲ـ۳

پانچواں باب

مکاتب و مدارس

دکن میں دو بڑے علمی مراکز اورنگ آباد اور حیدرآباد تھے، چونکہ ان ہی دو مقامات پر علماء و فضلاء کا مجمع تھا، اس لئے اس عہد کے درس و تدریس کے ادارے بھی زیادہ تر یہیں پائے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان تدریسی اداروں کی دکن میں کافی شہرت تھی کیونکہ اطراف و اکناف سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے نوجوان طلبہ یا تو اورنگ آباد کا رخ کرتے تھے یا حیدرآباد کا۔ ان تدریسی اداروں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہ زیادہ تر علماء فضلاء کی بے لوث علمی خدمت کے ذوق کا نتیجہ تھے۔ البتہ حکمرانانِ وقت کی طرف سے ایسے علماء فضلاء کی سرپرستی کی جاتی تھی۔ جو خالص علمی خدمات میں لگے ہوئے تھے۔ یا جو درس و تدریس کا کام اپنے طور پر انجام دیتے تھے اس قسم کی سرپرستیاں، دکن میں خوب ہوتی رہیں۔ علماء فضلاء کی شخصی امداد کے علاوہ مساجد اور خانقاہوں کے لئے بڑے بڑے اوقاف موجود ہوتے تھے، جن کی آمدنی کا ایک جز لازمی طور پر علمی خدمات پر بھی صرف کیا جاتا تھا۔ اس طرح مساجد اور خانقاہیں، چھوٹی بڑی درسگاہوں کے مرکز بن جاتے تھے۔

ان کے علاوہ علماء فضلاء اپنے ذاتی شوق سے علم کی نشر و اشاعت میں حصہ لینا اپنے لیے باعث فخر اور موجب سعادت سمجھتے تھے۔ اس اعلیٰ ذہنیت کا نتیجہ تھا کہ ہر فاضل شخص کا دیوان خانہ، طالبان علم کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ بڑی بڑی سرکاری خدمات رکھنے والے علماء بھی، اپنی فرصت کے اوقات میں، تشنگان علم کو اپنی علمی قابلیت سے مستفیض ہونے کا موقع دیتے تھے۔ چنانچہ اس عہد کی بہت سی اہم درسگاہیں ان اشخاص سے وابستہ تھیں جو سرکاری طور پر افتاء اور قضاءت وغیرہ جیسی مذہبی خدمات پر فائز تھے علمی نشر و اشاعت کے ضمن میں مشائخین صوفیاء اور طالبان حق کی خدمات کو نظر انداز کرنا، ایک بہت بڑا ظلم ہوگا۔ چونکہ عموماً اس گروہ کے اکثر افراد اچھی علمی قابلیت کے حامل ہوتے تھے، اور بندگان خدا کو راہ

---

۱ ۔ دیکھئے ذیلی نوٹ، مقالہ ہذا صفحہ ۴۴ نوٹ نمبر ۲

ہدایت اور جادۂ صداقت پر چلانا اُن کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین ہوتا تھا۔ اس لئے لازمی طور پر وہ علمی نشر و اشاعت کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ مثال کے طور پر اورنگ آباد میں آصف جاہ اول کے زمانہ میں "شیخا" صاحب ایک صوفی بزرگ موجود تھے جو مولانا روم کی مثنوی کا درس نہایت خوبی سے دیا کرتے تھے، تصوف پر چونکہ ان کو عبور تھا اس لئے اس مثنوی کی متصوفانہ توضیح و تشریح بہت عمدگی سے کرسکتے تھے۔ ایسے طالب علم جو مولانا روم کی مثنوی پڑھنا چاہتے ہوں وہ مولانا شیخا سے اس کا درس لیا کرتے تھے[۱]۔ غرض مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم کا زیادہ تر انتظام علماء اور صوفیاء کے طبقات کے ہاتھ میں تھا۔ اس زمانہ میں جو بڑی بڑی درسگاہیں نظر آتی ہیں وہ تمام تر ان طبقات کی ہی بے لوث علمی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ اب اس مقام پر دکن کی چند اہم درسگاہوں کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ اسی عہد کی عام علمی سرگرمی کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

۱۔ مولوی قمرالدین کا مدرسہ

اورنگ آباد میں سب سے بڑا مدرسہ مولوی قمرالدین کا تھا۔ ان کی علمی قابلیت اور غیر معمولی تبحر کے بارے میں پچھلے صفحات میں کافی وضاحت کردی گئی ہے۔ دکن کے یہ بہت بڑے عالم تھے اسی لحاظ سے ان کی قائم کردہ درسگاہ کو دکن میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ انھوں نے اپنی تمام عمر علم کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کردی تھی۔ ان کے لڑکے سید لطف اللہ علی اور لطف اللہ علی اپنے باپ کے زیر تعلیم رہ کر بڑی قابلیت اور علمی کمال حاصل کر چکے تھے۔ یہ دونوں اپنے باپ کے مکتب میں طالبان علم کو درس دیتے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس درسگاہ کو ایسی مقبولیت حاصل تھی کہ تشنگانِ علم کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ ان کے مدرسہ میں موجود رہتی تھی[۲]۔ اس درسگاہ نے بہت سے اشخاص کو علمی فضل و کمال کے زیور سے آراستہ کیا دور دور سے لوگ مولوی قمرالدین اور ان کے لڑکوں کی شاگردی کا شرف حاصل کرنے کے لئے اورنگ آباد آتے تھے۔ چنانچہ رفیع الدین قندھاری[۳] جو انوار القندھار کے مصنف ہیں لکھتے ہیں کہ انھوں نے اس درسگاہ میں ہی اپنی اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کی۔ قندھار سے انھوں نے اورنگ آباد کا جو سفر کیا تھا اس کی غرض و غایت یہی تھی کہ اورنگ آباد کی اس بڑی درسگاہ میں ان کو علم کی تحصیل کرنے کا موقع ملے۔ اگرچہ انھوں نے اورنگ آباد میں اور دیگر علماء سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا، لیکن ان کے ہی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زیادہ تر تعلیم مولوی قمرالدین کے مدرسہ ہی میں ہوئی۔

۱؎ تاریخ فتحیہ قلمی صفحہ ۱۶۹

۲؎ مشکوٰۃ النبوۃ (قلمی) صفحہ ۵۹۹۔ ۳؎ رفیع الدین قندھاری، قندھار (دکن) میں ۱۱۶۲ھ (۱۷۵۰ء) میں پیدا ہوئے ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ء) میں "انوار القندھار" کی تصنیف کی، یہ بڑے عالم اور صوفی تھے۔ انوار القندھار کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے جس سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

اسی درسگاہ میں انھوں نے ایسی قابلیت پیدا کی کہ وہ خود ایک متبحر عالم ہوگئے۔ چنانچہ اس مدرسہ میں انھوں نے جو تعلیم حاصل کی اس کی تشریح وہ اپنی کتاب "انوار القندھار" میں اس طرح کرتے ہیں :-

"بہ خدمت مولائی مولوی سید قمر الدین مرحوم قدس سرہ، و فرزندان والشان حضرت نور الہدیٰ وسید غلام نور مرحوم...... از ماتحت تا باحاشیہ قدیم و بیضاوی شریف معہ لوازم و حواشی اینہا فراغ یافتہ" [1]

"از ماتحت تا بہ حاشیۂ قدیم" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ابتداء سے اعلیٰ تعلیم کی انتہا تک، اورنگ آباد کی اسی بڑی درسگاہ میں یہ زیر تعلیم رہے۔ رفیع الدین قندھاری کی طرح اس درسگاہ میں اور بہت سے نامور اشخاص نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی۔ مولوی صفدر فخر الاسلام خاں [2] جو اورنگ آباد کے ایک مشہور عالم تھے، مولوی قمر الدین کے ہی شاگرد تھے۔ اسی درسگاہ میں زیر تعلیم رہ کر انھوں نے جو قابلیت پیدا کی اس کے متعلق ماہ نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ :-

"در صرف و نحو، و علم حدیث و فقہ مہارت کلی داشت، و شاگرد مولوی قمر الدین بود" [3]

حکیم غلام حسین خان (مصنف گلزار آصفیہ) کے باپ خواجہ محمد باقر خاں بھی اسی درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے اور ابتداء سے انتہا تک انھوں نے مولوی قمر الدین کی ہی شاگردی کی۔ چنانچہ گلزار آصفیہ کے مصنف نے اپنے باپ کے تعلیمی حالات کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

"والد این عاصی مولف مسیح الدولہ حکیم الممالک خواجہ محمد باقر خان مرحوم المشہور بہ حکیم باقر خان و سید نور الہدیٰ صاحب فرزند کلان آنجناب (مولوی قمر الدین) یا ہم از میزان تا حاشیۂ قدیم کہ فاتحۂ فضیلت برآن می خوانند تحصیل از آنحضرت کردند" [4]

ان مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولوی قمر الدین دکن میں کیسی زبردست علمی خدمات انجام دے رہے تھے ان کی عالمانہ شخصیت کی وجہ سے ان کی درسگاہ کو اورنگ آباد میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ قابل ترین اشخاص ان کی درسگاہ سے تعلیم حاصل کر کے نکل رہے تھے اور انھوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے اورنگ آباد میں ایک علمی سرگرمی پیدا کر دی تھی اعلیٰ تعلیم کی تحصیل

---

[1] انوار القندھار ص ۴۲

[2] فخر الاسلام خاں آصفجاہ ثانی کے زمانے میں اورنگ آباد سے حیدرآباد آئے اور ان کے بڑے لڑکے "عالیجاہ بہادر" کے دربار میں رسائی حاصل کی ان کے انیس و جلیس ہوگئے ۱۲۱۲ھ میں انتقال کیا (گلزار آصفیہ حالات مولوی صفدر اورنگ آبادی ص ۲۱۹)

[3] ماہ نامہ قلمی ص ۱۱۰

[4] گلزار آصفیہ مطبوعہ ص ۲۶۸

کے لئے طالبان علم کو ان کی درسگاہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ ان حالات کے نظر کرنے مشکوۃ النبوۃ کا یہ بیان بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ

"بسیار علماء و فضلاء در مدرسہ ایشان فاتحہ تحصیل خواندہ"[1]

مولوی قمرالدین اپنی زندگی تک اپنے مدرسے کے ذریعہ سے، علم کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء بعد اُن کے فاضل بیٹوں نے، ان کی جگہ درس و تدریس کے کام کو جاری رکھا۔ بعد میں اورنگ آباد کی یہ مشہور درسگاہ، مولوی نورالعلیٰ کے حیدرآباد چلے آنے کی وجہ سے، حیدرآباد میں منتقل ہوگئی[2] اور یہاں بھی اس کو کافی شہرت اور ناموری حاصل رہی جس کا ذکر آئندہ سطور میں برموقعہ کیا جائیگا۔

۲۔ شیخ الاسلام خان کا مدرسہ

تعلیمی خدمات کی انجام دہی کے سلسلہ میں، اورنگ آباد کی ایک دوسری زبردست شخصیت زبدۃ العلماء قاضی شیخ الاسلام خاں کی تھی۔ اورنگ آباد کی قضاءت کی خدمت ان کے تفویض تھی[3] اپنے سرکاری فرائض کی انجام دہی کے بعد اوقات فرصت میں وہ درس و تدریس کا مشغلہ رکھتے تھے۔ یوں تو ان کو تمام مروجہ علوم میں اچھی دستگاہ حاصل تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ فقہ اور اسلامی قانون کے بہت بڑے ماہر تھے اس موضوع سے اُن کو خاص دلچسپی تھی اس لحاظ سے اس میں بڑا تبحر پیدا کیا تھا۔ ماہ نامہ کا مصنف ان کا نام مولوی اصغر بتلاتا ہے۔ فقہ میں ان کو چونکہ بڑا تبحر تھا۔ اس لئے اسی موضوع پر وہ درس دیا کرتے تھے اسلامی قوانین سے جن طلبا کو دلچسپی ہوا کرتی تھی وہ شیخ الاسلام خاں کی شاگردی اختیار کرتے تھے۔ رفیع الدین قندھاری جن کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے لکھتے ہیں کہ ہدایہ (فقہ) اور بعض دیگر متعلقہ کتب کی تحصیل انھوں نے قاضی شیخ الاسلام خاں سے کی۔[4] ان کے ایک دوسرے مشہور شاگرد مولوی معین الدین تھے جن کو ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء میں آصف جاہ ثانی نے قضائے بلدہ کی خدمت عطا کی۔[5] معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام خاں کا حلقۂ درس کافی وسیع تھا۔ باوجود ایک سرکاری خدمت پر فائز ہونے کے انھوں نے اپنے درس و تدریس کے مشغلے سے علم کی نشر و اشاعت میں کافی حصہ لیا اور اپنے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی۔

---

[1] مشکوۃ النبوۃ صفحہ ۔۔
[2] گلزار آصفیہ صفحہ ۳۶۸، صفحہ ۲۶۹
[3] تاریخ ماہ نامہ صفحہ ۱۱۱ ... [4] انوار الاخیار قلمی صفحہ ۔۔
[5] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۔۔

حیدرآباد کے مدارس

اورنگ آباد میں جس طرح یہ درس گاہیں کام کررہی تھیں اسی طرح حیدرآباد بھی علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہاں پر مختلف علماء نے اپنے مکاتب و مدارس قائم کررکھے تھے، اور ان کے ذریعہ سے علوم کی اشاعت کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ اس مقام پر ان مختلف مدارس میں سے صرف چند ایسی درسگاہوں کو پیش کیا جائیگا، جن کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

ا۔ مولوی قطب عالم کا مدرسہ

آصف جاہ اول کے زمانہ میں حیدرآباد کی ایک اہم درس گاہ، مولوی قطب عالم کی تھی، یہ محلہ یوسف چوک (حیدرآباد) میں رہتے تھے۔ ان کے باپ سید میران بخاری، عالمگیری عہد کے بڑے علماء میں سے شمار کئے جاتے تھے۔ سید میران بخاری کو اُن کی علمی قابلیت کے لحاظ سے عالمگیر نے، افتاء حیدرآباد کی خدمت تفویض کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد نواب آصف جاہ اول نے ان کے بیٹے قطب عالم کو اسی خدمت پر فائز کر دیا۔ چونکہ یہ بڑے عالم اور فاضل تھے نواب آصف جاہ ان کی بڑی عزت و توقیر کرتے تھے۔ ان کی علمی قابلیت کے بارے میں مشکوٰۃ النبوۃ کا مصنف لکھتا ہے کہ

"عالم متبحر و فاضل زبردست بودند۔ در علم بلاغت و فصاحت نظیر نداشت[1]"

افتائے بلدہ کی خدمت پر فائز ہونے کے باوجود اُن کو درس و تدریس کا بہت شوق تھا، اسی شوق کے ضمن میں انھوں نے اپنی ایک درسگاہ قائم کررکھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کو، حیدرآباد میں کافی اہمیت حاصل تھی۔ اکثر مشائخین اور صوفیاء کے گھرانوں کے لڑکے ان کی درسگاہ میں تعلیم پاتے تھے۔ ان کا تعلیمی طریقہ بھی بہت دل پسند تھا، اپنے شاگردوں سے بہت تلطف کے ساتھ پیش آتے تھے، اس درسگاہ میں صبح سے دوپہر تک اُن کا سلسلۂ درس و تدریس جاری رہتا تھا۔ ان کے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد حیدرآباد میں موجود تھی۔ جن میں سے تقریباً تین سو اشخاص نے، ان کے فیض تدریس سے اچھی علمی قابلیت پیدا کرلی تھی۔ ان کے ان علمی خدمات کا ذکر مشکوٰۃ النبوۃ میں اس طرح درج ہے:۔

"عالمی از ذات الشان فیض علم می برد۔۔۔۔۔ بسیار بزرگ زادگان بلدہ حیدرآباد نصوص لوائح و لمعات از و ستکردہ بودند"۔

زندگی بھر مولوی قطب عالم، علم کی اس طرح خدمت کرتے رہے یالآخر ان کا انتقال ۱۱۴۳ھ میں ہوا۔

---

[1] مشکوٰۃ النبوۃ ص ۵۹۳

۲۔ عزلت کا مدرسہ

مولوی میر عبدالولی عزلت کی زندگی کے حالات پچھلے صفحات میں کافی وضاحت کے ساتھ درج کئے جا چکے ہیں۔ حیدرآباد میں قیام پذیر ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنی درسگاہ کے ذریعہ سے علمی خدمات کے انجام دینے کی کوشش کی۔ عزلت کا مدرسہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس عہد کے دوسرے مکاتب و مدارس سے مختلف نظر آتا ہے۔ عزلت چونکہ ایک ہمہ گیر قابلیت کے شخص تھے۔ لہذا ان کے مکتب میں ہر علم و فن کی تحصیل کے امکانات موجود تھے وہ نہ صرف متداولہ اور درسی کتب کی تعلیم دیتے تھے بلکہ شاعری موسیقی اور مصوری کے بھی اُستاد تھے۔ اُن کے پاس فنون لطیفہ کے سیکھنے کے لئے شائقین کا جمگھٹا رہتا تھا۔[۱] اس طرح ان کا مدرسہ علوم و فنون کی تحصیل کا ایک ایسا مرکز تھا جہاں مروجہ مذہبی تعلیم کی خشکی کو فنون لطیفہ کی آمیزش نے ایک دلچسپ اور ثمرآفریں رنگ دے دیا تھا۔ سرکار آصفجاہی سے ان کو وجہ معاش کے طور پر چونکہ جاگیرات عطا کی گئیں تھیں اس لئے نہایت اطمینان کے ساتھ یہ اپنے مکتب کے ذریعہ سے علم کی خدمت کرتے رہے۔[۲] عزلت علوم منقول، معقول میں باوجود ایک عالم متبحر ہونے کے نہایت وسیع النظر واقع ہوئے تھے، مذہبی علما کی تنگ نظری ان میں نہیں پائی جاتی تھی۔ عزلت کی وسعت نظری اُن کی درسگاہ میں جاری و ساری نظر آتی ہے اس درسگاہ کے ذریعہ سے انھوں نے مروجہ علوم کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کی جو خدمت انجام دی اس کے لحاظ سے حیدرآباد کے اس علمی ادارہ کو ایک خاص اہمیت دی جانی چاہیے۔ عزلت کے انتقال تک ۱۱۸۹ھ ۱۷۷۵ء ان کا یہ ادارہ علوم و فنون کی خدمت کرتا رہا۔

۳۔ مولوی نورالعلی کا مدرسہ

تحصیل علم کا ایک اہم مرکز، حیدرآباد میں مولوی نورالعلی کا مدرسہ تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولوی نورالعلی، مولوی قمرالدین کے فرزند تھے۔ اورنگ آباد میں اس خاندان کی نمایاں علمی خدمات پیش کی جا چکی ہیں۔ مولوی نورالعلی اپنے بھائی نورالہدیٰ کے انتقال کے بعد حیدرآباد چلے آئے[۳] اور اپنی خاندانی روایات کے مدنظر حیدرآباد میں ایک ایسی ہی زبردست درسگاہ قائم کر دی جیسی کہ اورنگ آباد میں تھی۔ علمی قابلیت کے لحاظ سے، مولوی نورالعلی، مولوی قمرالدین کے سچے جانشین تھے۔ ان کی قابلیت اور علمی فضائل کا ذکر کرتے ہوئے مشکوٰۃ النبوۃ کا مصنف لکھتا ہے کہ :۔

"سید نورالعلی خلاصہ دودمان خود بودند۔ کہ کمال وفضائل الشان از احاطہ تحریر بیرون است۔

۱۔ محبوب الزمن جلد ۲ - صفحہ ۸۱۹   ۲۔ بہارستان سخن قلمی صفحہ ۲۹۶   ۳۔ گلزار آصفیہ صفحہ ۲۶۹

مولوی سید نورالعلیٰ درین زمانہ از مشاہیر علمائے وقت اند"[1]

مولوی نورالعلیٰ کی ذاتی شہرت اور وجاہت کی بنا پر ان کی درسگاہ کو حیدرآباد کے شرفا اور امرا کے طبقہ میں بڑی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چونکہ ان کے گھرانے میں سلسلۂ ارشاد بھی تھا حیدرآباد کے اکثر معززین ان کے معتقد تھے غرض ان مختلف حیثیتوں سے مولوی نورالعلیٰ کی درسگاہ کو بہت جلد ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ہمعصر تاریخوں[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مدرسہ میں ہمیشہ طلبار کی ایک کثیر تعداد زیر تعلیم رہتی تھی۔ مولوی نورالعلیٰ خود پڑھایا کرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ ابتدائی درس وتدریس کا کام ان کے بیٹے مولوی نورالاصفیا کے سپرد ہوگیا اور اعلیٰ معیار کی کتب کی تفہیم وتدریس مولوی نورالعلیٰ انجام دیتے تھے۔ غلام حسین مصنف گلزار آصفیہ اسی درسگاہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ انھوں نے اس مدرسہ کی علمی سرگرمیوں کا اپنی کتاب میں تفصیلی حال دیا ہے۔ اس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والوں کے مختلف گروہ اور جماعتیں ہوتی تھیں مبتدیوں کو علیحدہ درس دیا جاتا تھا۔ اور اونچی قابلیت رکھنے والے طلبا علیحدہ وقت میں درس لیتے تھے چنانچہ اس تدریسی انتظام کے بارے میں غلام حسین نے لکھا ہے کہ:۔

> "محرر اوراق، میر محمد علی خان، محمد محسن (وغیرہ) .... قرارت درس ملا جامی می نمودند۔ میر سیف اللہ و خواجہ احمد خان و دیگر دہ کسان جماعت مبلغ شرح مذکور می کردند اگرچہ ہمہ یک سبق بودند مگر برائے ما چہار کس قارئی درس کہ مطالعہ خوب می کردند روزے مقرر بود کہ قرأت سبق می نمودند دیگر چند کسان "کافیہ" می خواندند۔ وعلیٰ ہذاالقیاس مردمان دیگر بعد سبق مایان بہ قرأت سبق خویش می رسیدند"[3]

ان جملوں سے اس عہد کی مکتبی طرز تعلیم کی ایک اچھی تصویر ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشتملات تعلیم میں قدیم درسی اور متداول کتب پر بھی بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا غرض مولوی نورالعلیٰ کی درسگاہ مثل اور درسگاہوں کے اس عہد کے مکتبی نظام تعلیم کا ایک اچھا نمونہ تھی کثیر تعداد میں طلبار یہاں سے فارغ التحصیل ہوتے تھے۔ چونکہ اس درسگاہ کے ذریعہ سے مولوی نورالعلیٰ حیدرآباد میں[4] نہایت مفید علمی خدمت انجام دے رہے تھے اس لئے یہاں کے اکثر امرا ان کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔[5] نواب آصفجاہ ثانی بھی مولوی نورالعلیٰ کے بہت قدردان اور معتقد[6] تھے۔ حیدرآباد کی یہ بڑی درسگاہ، نواب آصفجاہ ثانی کے انتقال کے بعد بھی ایک عرصہ تک علمی خدمت انجام دیتی رہی۔[7]

---

[1] مشکوٰۃ قلمی صہ ۶۵۱ [2] گلزار آصفیہ صہ ۳۶۹ [3] گلزار آصفیہ صہ ۳۷۱

[4] گلزار آصفیہ صہ ۳۷۰ ... [5] گلزار آصفیہ صہ ۳۶۹ [6] مولوی نورالعلیٰ کا انتقال ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء میں ہوا اس وقت تک یہ درسگاہ کام کرتی رہی (گلزار آصفیہ صہ ۳۶۹)

۴۔ سیدن صاحب کا مدرسہ

نواب آصف جاہ ثانی کے آخری زمانے میں یہ مدرسہ بھی حیدرآباد میں بہت مشہور تھا سیدن صاحب کا اصلی نام سید محمد الحسینی تھا۔ ان کے باپ سید شاہ اعظم الحسینی حیدرآباد کے صوفیا اور مشائخین کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سیدن صاحب مولوی نور العلی کے شاگرد تھے۔ اور ان کی شاگردی میں بہت اچھی علمی قابلیت پیدا کر لی تھی علوم عقلی و نقلی میں کامل تبحر پیدا کیا۔ فارسی ادبیات سے ان کو خاص دلچسپی تھی خوشنویسی میں بھی خوب کمال پیدا کیا تھا۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد انھوں نے اپنا ایک مدرسہ قائم کیا۔ ان کا مدرسہ محلہ شبیر دل میں واقع تھا[۱] اس مدرسہ میں سیدن صاحب کی علمی قابلیت کی شہرت کی بنا پر کثرت سے طلبا پڑھنے کے لئے آتے تھے ان کی اس درسگاہ کی مقبولیت کا اندازہ گلزار آصفیہ کے اس جملہ سے ہو سکتا ہے۔

"از کثرت تلامذہ شب و روز فرصت یکساعت نمی گردید" [۲]

سیدن صاحب کو ریاضیات میں خاص مہارت حاصل تھی۔ اس لحاظ سے ان کے مدرسہ میں اس مضمون کی تحصیل کے لئے بہت سے طلبہ جمع ہوتے تھے ان کے ممتاز شاگردوں میں مولوی نور الاصفیا کا نام لیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ریاضی کی تحصیل اسی درسگاہ[۳] میں کی اور اس فن میں ایسا کمال پیدا کیا کہ خود صاحب تصنیف[۴] ہو گئے ریاضیات کے ساتھ ساتھ سیدن صاحب کے مدرسہ میں تمام متداولہ اور درسی کتب کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ حکیم غلام حسین نے لکھا ہے کہ انھوں ان کی درسگاہ میں بھی بعض درسی کتابیں پڑھی ہیں۔ طلبہ کی کثرت کی وجہ سے سیدن صاحب صبح سے سہ پہر تک برابر درس و تدریس کے کام میں لگے رہتے تھے ان کی بے لوث کوششوں نے ان کے اس ادارہ کو حیدرآباد کی ایک اہم درسگاہ بنا دیا تھا۔

چند اور درسگاہیں[۵]

ان اہم درسگاہوں کے علاوہ حیدرآباد میں چند اور علمی ادارے بھی تھے جہاں درس و تدریس کا کام انجام پاتا تھا۔ امیت اللہ خاں قاضی بلدہ حیدرآباد اس عہد کے مشہور مدرس تھے ان کا حلقہ درس بھی کافی وسیع تھا حیدرآباد کے بہت سے طلبہ نے ان سے فیض علم حاصل کیا مصنف گلزار آصفیہ

---

[۱] میاں صاحب نے ۱۲۱۰ھ کے بعد اپنا مدرسہ اس مقام پر قائم کیا ایک پتلی کی بڑی درگاہ چوڑی بازار متصل نوارچوک کے واقع تھی گلزار آصفیہ

[۲] گلزار آصفیہ صفحہ ۳۶۲   [۳] گلزار آصفیہ صفحہ ۳۶۲

[۴] "نور المحاسبین" ریاضی پر ان کی ایک ضخیم تصنیف ہے۔ یہ غیر مطبوعہ ہے اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔ [۵] ان درسگاہوں کے تفصیلی حالات مجھے نہیں ملے اسلئے مجملاً ان کا ایک جگہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

نے ان کے متعدد شاگردوں کا ذکر کیا ہے ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۵ء تک وہ بلدہ حیدرآباد کی قضات کی خدمت بھی انجام دیتے رہے، اور درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔[۱]

ایک اور مرکز تعلیم مولوی میر ابو تراب فاضل کی درسگاہ تھی۔ یہ بڑے متبحر عالم تھے۔ گلزار آصفیہ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مدرسہ بھی خاصی شہرت رکھتا۔ کثیر تعداد میں طلبہ اُن سے پڑھتے تھے، ان کے نامور شاگردوں میں میر عالم بہادر کا نام لیا جاسکتا ہے جنھوں نے ان سے کتب فقہ کی تحصیل کی۔[۲]

ایک آخری درسگاہ جس کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ مولوی عبدالقوی خاں کی تھی۔ دفتر دیوانی کی ایک "مسند" سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالقوی خان کو آصفجاہ ثانی نے بیدر کی قضارت پر مامور کیا تھا اور یہ خدمت ان کے خاندان میں موروثی طور پر چلی آرہی تھی۔[۳] انھوں نے حیدرآباد میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس کی شہرت دور دور تک تھی۔ مشکوٰۃ النبوۃ کے مصنف نے شاہ یوسف نامی ایک بزرگ کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ، انھوں نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیجاپور سے حیدرآباد کا رخ کیا اور یہاں آنے کے بعد مولوی عبدالقوی خاں کے مدرسے میں شرکت حاصل کرلی۔ اسی مدرسہ میں انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور ایسے زبردست عالم ہوئے کہ مشکوٰۃ کے الفاظ میں،

"عالم متبحر عارف کامل و محقق وقت بودند"[۴]

اس قابلیت کے پیدا کرنے کے بعد اسی مدرسہ میں، انھوں نے درس و تدریس کا کام انجام دینا شروع کیا۔ چنانچہ مشکوٰۃ النبوۃ کی عبارت ہے کہ۔

"درس نصوص و احادیث و کتب متداولہ بہ تردماغی تمام می فرمودند" (مشکوٰۃ ص۶۲۵)

عبدالقوی خاں، جو شاہ یوسف کے استاد تھے، بعد میں ان کے معتقد ہوگئے اور ان سے بیعت بھی کرلی۔ یہ تعلیمی ادارہ جو عبدالقوی خاں کا قائم کردہ تھا شاہ یوسف کے انتقال تک (۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ء) حیدرآباد میں علمی خدمات انجام دیتا رہا۔

بعض سرکاری تعلیمی ادارے

اوپر جن درسگاہوں کا ذکر کیا گیا وہ زیادہ تر علماء اور معلمین کی خانگی کوششوں کا نتیجہ تھیں

---

[۱] گلزار آصفیہ ص۲۱ (۲۳۵) [۲] گلزار آصفیہ ص۲۱۸

[۳] اسنادی کاغذات عہد آصفجاہ ثانی کتب خانہ دیوانی۔

[۴] مشکوٰۃ ص۶۲۵

عہد زیر نظر میں، باقاعدہ سرکاری تعلیم کا کوئی ایسا تصور موجود نہیں تھا جیسا کہ زمانہ موجودہ میں پایا جاتا ہے؛ اور یہ چیز کچھ تعجب خیز بھی نہیں، یورپ میں بھی انیسوی صدی کے پہلے، تعلیم کو حکومت کے فرائض اور ذمہ داریوں میں داخل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ انگلستان میں سنہ ۱۸۷۰ء میں پہلی مرتبہ حکومت کے اس تعلیمی فرض کو تسلیم کیا گیا اور وہ مشہور قانون نافذ ہوا جس کو "انگلستان کی قومی تعلیم کا منشور اعظم سمجھنا چاہیے[1] اٹھارویں صدی میں، دکن کی حد تک، اگرچہ ان وسیع تعلیمی تصورات کا کوئی وجود نظر نہیں آتا مگر پھر بھی خال خال ایسی کوششیں نظر آتی ہیں جن کو ان تصورات کا نقش اول سمجھنا چاہیے۔ آصفی حکمرانوں کو علم سے جو دلچسپی تھی اس کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے ایک محدود طریقہ پر بعض سرکاری تعلیمی اداروں کے قائم کرنے کی بھی کوشش کی یہ تعلیمی ادارے زیادہ تر کسی بڑی مسجد یا مقبرہ سے وابستہ ہوتے تھے یہاں پر مدرسین کا سرکاری طور پر ایسا ہی تقرر عمل میں آتا تھا جس طرح مساجد کے لئے قرآن خوان، حفاظ، پیش امام اور موذن مقرر کئے جاتے تھے مدرسین کے مقرر کرنے کے علاوہ، طلبہ کو بھی مالی امداد دی جاتی تھی[2]۔ اس قسم کے مدارس کی نگرانی، حکومت اپنے دفتر صدارت کے ذریعہ سے کرتی تھی۔ اورنگ آباد میں اس نوعیت کی ایک درسگاہ، مقبرہ رابعہ دورانی میں موجود تھی۔ دفتر دیوانی کے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ آصفجاہ اول نے اس درسگاہ پر شیخ الاسلام خان کو بہ حیثیت ایک مدرس کے مامور کیا تھا[3] بعد میں ان کو قاضی بلدہ خجستہ بنیاد بنایا گیا۔ اس درسگاہ میں سرکاری حیثیت سے وہ ایک عرصہ تک تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ بعد میں جب قضاءت کی خدمت پر ترقی پائی تو اپنے خانگی مکتب کے ذریعہ سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا جس کا ذکر پچھلے صفحات میں کر دیا گیا ہے۔ دفتر دیوانی کے کاغذات سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں بھی ایک ایسی درسگاہ موجود تھی جس کے لئے سرکاری طور پر مدرسین مقرر کئے جاتے تھے اس کے لئے دو مدرسین کا انتظام کیا گیا تھا، مدرس اول کو تیس روپیہ اور مدرس دوم کو بیس روپیہ ماہانہ مشاہرہ دیا جاتا تھا۔ آصف جاہ اول کے زمانہ سے آصف جاہ ثانی کے زمانے تک مختلف اشخاص اس درسگاہ پر مامور ہوتے رہے کاغذات کے ذریعہ سے اگرچہ اس درسگاہ کے مدرسین کے نام کا تو پتہ چلایا جاسکتا ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حیدرآباد میں یہ درسگاہ کہاں واقع تھی۔ کاغذات سے ثابت ہے کہ سنہ ۱۷۵۷ء / ۱۱۷۱ھ میں اس درسگاہ میں مدرس دوم کی خدمت پر حافظ محمد نامی ایک شخص کو مقرر کیا گیا۔ حسن اتفاق سے، حدیقۃ العالم کے مصنف نے سنہ ۱۷۸۴ء / ۱۱۹۹ھ کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سال حافظ محمد مدرس مکہ مسجد کا انتقال ہوا۔ حدیقۃ العالم کے اس ضمنی جملے سے ایک

---

[1] Student's History of Education by Graves.

[2] چنانچہ نواب ناصر جنگ نے ایکہزار روپیہ ماہانہ کی منظوری اخراجات روضۂ منورہ کے نام سے دی تھی جس میں سے طلبہ کو بھی درماہہ دیا جانے کا حکم تھا (دیکھئے کاغذات دفتر دیوانی سند مورخہ ۲۲ جمادالثانی سنہ ۱۱۶۱ ہجری)

[3] کاغذات دفتر دیوانی۔

نئی حقیقت روشن ہوجاتی ہے، اس جملہ کی روشنی میں یہ قیاس کرنا کچھ دشوار نہیں کہ کاغذات کے ذریعہ سے حیدرآباد کی جس سرکاری درسگاہ کے انتظامات کا پتہ چلتا ہے وہ دراصل مکہ مسجد میں واقع تھی[1]۔ اسی لحاظ سے حدیقۃ العالم کے مصنف نے، حافظ محمد کو مدرس مکہ مسجد[2] لکھا ہے۔ شہر حیدرآباد میں، چونکہ مکہ مسجد ایک مرکزی حیثیت رکھتی تھی، اس لحاظ سے، یہاں پر ایک سرکاری درسگاہ کا قائم کیا جانا بعید از قیاس نہیں

اس نوعیت کی درسگاہوں کو، دراصل، مساجد اور مقابر کے سرکاری انتظام کا ایک جز سمجھنا چاہیئے۔ حکومت اپنے عام مذہبی اوقاف کی سربراہی اور ان کے انتظامات کے ضمن میں مساجد سے متعلق، مکاتب بھی قائم کردیتی تھی۔ اور ان کے لئے معلمین کا تقرر، دفتر صدارت کے ذریعہ سے عمل میں آتا تھا اس لحاظ سے، ان سرکاری تعلیمی اداروں کو، سلطنت آصفیہ کے مذہبی انتظامات کا ایک جز تصور کیا جاسکتا ہے۔

ہندوؤں کی تعلیم پر ایک نظر

مسلمانوں کے لئے تو حکومت راست اپنے، محکمہ صدارت کے ذریعہ سے، مساجد میں معلمین کو مقرر کر دیتی تھی۔ مگر ہندوؤں کو ان کی مذہبی تعلیم کی حد تک کامل آزادی حاصل تھی، سلطنت آصفیہ میں ہندوؤں کے معابد اور مناور کے لئے، معاش اور انعام کی صورت میں، ہمیشہ سے جو سرکاری امداد دی جاتی رہی ہے۔ اس کے ذریعہ سے ان معبدوں میں، ان کی مذہبی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا معبدوں سے متعلق مذہبی پاٹ شالے برابر کام کرتے رہے۔ اور حکومت پنڈتوں اور شاستریوں کی بھی اسلامی علما و فضلاء کی طرح امداد اور سرپرستی کرتی رہی۔ غرض ہندوؤں کی مذہبی تعلیم، معبدوں سے وابستہ رہی، سرکاری امداد کی وجہ سے، یہ معابد ہندوؤں کی مذہبی تعلیم کے ایسے ہی مراکز تھے، جیسے مساجد مسلمانوں کی تعلیم کے۔

اس مذہبی تعلیم سے قطع نظر، ہندو طبقات، اسلامی تہذیب کے اثر کی وجہ سے، ایسی درسگاہوں میں بھی تعلیم حاصل کرتے تھے، جہاں مسلمان علماء فضلاء درس دیا کرتے تھے۔ اس عہد کی ثقافت و

---

[1] اس درسگاہ کا ذکر کسی تاریخ میں موجود نہیں اسکا پتہ صرف دفتر دیوانی کے کاغذات سے ملتا ہے۔ اس درسگاہ کی حد تک دفتر دیوانی کے کاغذات کا حوالہ میں نے، نصیر الدین صاحب ہاشمی کے مضمون "تعلیمات آصفیہ کی تاریخ" سے حاصل کیا ہے جو حیدرآباد ٹیچر جوبلی نمبر ۱۹۳۶ء میں طبع ہوا موصوف چونکہ ایک عرصہ تک دفتر دیوانی میں ملازم تھے اس لحاظ سے ان کو کاغذات محولہ کے تفصیلی مطالعہ کا موقع ملا۔ لیکن وہ اپنے مضمون میں یہ نہیں بتا سکے کہ حیدرآباد کی یہ درسگاہ کہاں واقع تھی، دیکھئے پرچہ محولہ صفحہ ۳۴

[2] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۷ حافظ محمد کو نصرت اللہ خاں کا خطاب حاصل تھا اور یہ بلدہ حیدرآباد کی قضات پر بھی ایک عرصہ تک مامور رہے۔

شائستگی کے معیار پر پورے طور پر اترنے کے لئے، ہندوؤں کو فارسی ادبیات میں کامل دستگاہ کی ضرورت ہوتی تھی فارسی نہ صرف حکومت کی زبان تھی بلکہ شائستگی اور کلچر کے نقطۂ نظر سے بھی اس کو اہمیت حاصل تھی، اسلامی ثقافت کے گہرے اثر نے نہ صرف ہندوؤں کو فارسی کی طرف متوجہ کیا بلکہ وہ حسب ضرورت عربی سے بھی واقف ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ ان دونوں زبانوں کے ادبیات کی تحصیل بالعموم مسلمان اساتذہ سے کی جاتی تھی چنانچہ اس عہد میں اورنگ آباد میں ایک ایسا خانگی مکتب قائم تھا جہاں ہندو طلبہ فارسی ادبیات کا درس حاصل کرتے تھے۔ یہ مکتب میر محمد فاضل جویا سرہندی کا قائم کردہ تھا یہ شخص ہندو بچوں کی تعلیم کے ذریعہ سے اپنی گزر اوقات کرتا تھا۔ چنانچہ لچھمی نارائن شفیق نے ان کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ۔

"شیخ محمد فاضل (جویا) سرہندی...... در اورنگ آباد بہ تعلیم اطفال ہنود بسر می برد[1]"

اس کے علاوہ عام طور پر مسلمان علما و فضلا نہایت بے تعصبی کے ساتھ ہندو طلبہ کو اپنے فیض علم سے مستفید کرتے رہے اس تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ہندوؤں میں بھی اس عہد میں فارسی کے اچھے ادیب انشا پرداز اور مورخ پیدا ہو سکے۔ ان میں سے بعضوں نے اپنی تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے نہایت مفید علمی کام انجام دیا ہے۔ ان کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عام ادبی تعلیم کی حد تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی خاص فرق نہیں تھا ادب، انشا، تاریخ اور شاعری کے مروجہ معیارات میں یہ اپنے ہم عصر مسلمانوں سے کسی طرح کم نہیں تھے۔

ادبی تعلیم کی اس یکسانیت کی وجہ سے ہندو اور مسلمان دونوں ایک ہی ثقافتی سانچہ میں ڈھلے ہوئے تھے ان کی علمی دلچسپیاں بالکل یکساں اور مشترک تھیں۔ تعلیم کے اس اشتراک نے دونوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا تھا۔ اور ایک خوشگوار تمدنی ماحول میں دونوں کی مشترکہ سعی سے مفید علمی خدمت انجام پا رہی تھیں۔[2]

یوں تو تعلیم کی اس یکسانیت نے، متعدد ہندو ادیبوں اور مصنفوں کو پیدا کیا لیکن ان میں سے چند خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ گردھاری لال احقر اور منسارام کے نام، ان کی تاریخی خدمت کے لحاظ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ تاریخ ظفرہ[3]، مآثر نظامی[4] اور رسالہ دربار آصفی اس عہد کی نہایت ہی مفید اور وقیع تاریخیں ہیں جو مذکور الصدر مصنفین کے قلم کی ممنون ہیں۔ اس عہد کے ہندو مصنفین کی

۱۔ گل رعنا قلمی ص ۳۹۱ نیز دیکھئے بہارستان سخن قلمی ص ۲۸۳

۲۔ یہ خصوصیت صرف دکن کی حد تک محدود نہیں تھی بلکہ پورے ہندوستان میں پائی جاتی تھی میرے ان جملوں کی تائید کیلئے دیکھئے
Cultural History of British India By: Abdullha Yusuf Ali Page 24

۳۔ گردھاری لال کی تصنیف ہے جو ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی

۴۔ دونوں منسارام کی تصنیف ہیں اول الذکر ۱۲۰۰ھ میں اور ثانی الذکر ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی۔

فہرست میں سب سے زیادہ قابل قدر شخصیت لچھمی نارائن شفیق کی ہے۔ یہ منسا رام کے بیٹے تھے ۱۱۵۸ھ ۱۷۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر سے مسلمان اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ ان کے پہلے استاد شیخ عبدالقادر تھے جن سے انھوں نے کتب متعارفہ کی تحصیل کی۔ جب کچھ علمی استعداد پیدا ہوگئی تو علامہ آزاد کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ ان کے فیض تربیت نے ان میں ایسا علمی ذوق پیدا کر دیا کہ عمر بھر وہ تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شفیق جو کچھ تھے اور جو کچھ بن سکے، وہ تمام تر آزاد کی استادانہ شفقت کا نتیجہ تھا۔ اسی لیے جہاں کہیں وہ اپنی تصانیف میں علامہ آزاد کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کے ایک ایک لفظ سے اس وفور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے جو انکو اپنے اس استاد سے تھی۔ علامہ آزاد کے یوں تو متعدد شاگرد تھے مگر اُن کے اس ہندو شاگرد کو جو شہرت اور ناموری حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکی۔[۳]

شفیق کو اپنے استاد آزاد کی طرح ادبیات اور تاریخ سے بہت دلچسپی تھی۔ وہ فارسی اور اردو کے بہت اچھے شاعر تھے۔ شعر و سخن سے اسی لگاؤ کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے دو نہایت مفید تذکرے لکھے ہیں گل رعنا فارسی شعرا کا تذکرہ ہے اور چمنستان شعرا ریختہ گو شعراء کے حالات پر مشتمل ہے۔ تاریخ میں انکی متعدد تصانیف ہیں۔ لیکن ان میں بالخصوص، ماثر آصفی،[۵] بساط الغنائم اور "حقیقت ہائے ہندوستان" کو تاریخی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت حاصل ہے

شفیق اپنی متعدد تصانیف اور وسیع قابلیت کے لحاظ سے ایک ایسی تعلیم کا بہترین نمونہ نظر آتے ہیں جو اس عہد کے ہندو اور مسلمانوں کے لئے مشترک تھی۔

غرض ان چند مثالوں کو سامنے رکھکر یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ عہد زیر نظر میں ہندوؤں کے عام تعلیمی رجحانات کیا تھے جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے عام ادبی تعلیم سب کے لئے بالکل ایک ہی نوعیت کی تھی اسی وجہ سے ہندو طبقات سے بھی بالکل ایسے ہی ادیب و انشا پرداز پیدا ہوتے رہے جیسے مسلمان طبقات سے پیدا ہوتے تھے۔

۱۔ چمنستان شعرا (مطبوعہ انجمن ترقی اردو) ص ۴۹۲ ۲۔ دیکھئے گل رعنا آزاد کے حالات۔

۳۔ ان جملوں کے لکھنے میں میں نے شفیق کی کتابوں کے علاوہ، مولوی عبدالحق کے اس مقدمہ سے بھی استفادہ کیا ہے جو انھوں نے "چمنستان شعرا" پر لکھا ہے۔ (دیکھئے چمنستان شعرا" مطبوعہ ترقی اردو ص ا تا ۲۴)

۴۔ شفیق کا ایک اور تذکرہ "شام غریباں" ہے

۵۔ آصفی خاندان کی ابتدا سے آصفجاہ ثانی کے عہد تک کی تاریخ ہے ۱۲۰۸ھ ۱۷۹۳ء میں لکھی گئی۔

۶۔ مرہٹوں کے حالات پر مشتمل ہے ۱۲۱۴ھ ۱۷۹۹ء میں لکھی گئی چھپ چکی ہے۔ ۷۔ ہندوستان کی عام تاریخ ہے سنہ تالیف ۱۲۰۴ھ ۱۷۸۹ء

چھٹا باب

تتمہ و تبصرہ

گذشتہ ابواب میں آصفی سلطنت کے قیام سے آصف جاہ ثانی کے انتقال تک (۱۷۲۴ء تا ۱۸۰۳ء) دکن میں جو علمی سرگرمیاں رہیں اُن کو وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ عہد زیر نظر اٹھارویں صدی کے کم و بیش پچھتر سال پر مشتمل ہے۔ ان علمی کوششوں پر نظر ڈالتے ہوئے اس کو ہرگز نہیں بھلایا جا سکتا کہ اٹھارویں صدی ہندوستان کے عام تنزل اور پستی کی صدی ہے۔ سلطنت مغلیہ کی عظیم الشان عمارت آہستہ آہستہ ٹوٹ رہی تھی، ہر بڑی سلطنت کے ٹوٹنے کے موقع پر جو سیاسی انتشار اور تمدنی تباہ کاریاں وجود میں آتی ہیں وہ سب کی سب اس عہد میں کارفرما ہوگئی تھیں۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ شکست و ریخت کے ان ہمہ گیر اثرات سے محفوظ و مامون نہیں تھا۔ سلطنت ہند کی شیرازہ بندی کے خاتمہ کے ساتھ، ملک کی مختلف قومیں آپس میں ہی متصادم ہو رہی تھیں۔ نادر شاہ کے حملہ (۱۷۳۹ء) نے اس کمزوری اور انحطاط کی رفتار کو تیز تر کر دیا۔ اس بیرونی یورش نے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں، اور ہند کی سیاست کو ایسا متزلزل کر دیا کہ آئندہ مزید تباہیوں اور کمزوریوں کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ ایسی حالت میں مرہٹوں کی تاخت و تاراج اور اُن کے پیہم غارتگرانہ حملوں نے، ہند کے اس سرے سے اُس سرے تک، ایک سخت سیاسی بدامنی اور بے اطمینانی پیدا کر دی۔ سلطنت ہند کی بساط مختلف رزم آزما قوتوں کی آماجگاہ بن گئی تھی ہر جگہ فوجی طاقت کا بول بالا نظر آتا تھا، اور مختلف تباہیوں اور بربادیوں کی تیز و تند ہواؤں کے ایسے جھکڑ چل رہے تھے کہ ان میں ترقی پذیر قوتوں کو نمو حاصل کرنے کا قطعی کوئی موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔

اس سیاسی اور تمدنی انحطاط کا اثر لازمی طور پر اہل ہند کی علمی سرگرمیوں پر بھی پڑا۔ ہند کی زندگی میں پھلنے پھولنے والے ادارے آہستہ آہستہ اُجڑ رہے تھے۔ علم و فضل کی قدر دانی ایک ایسے زمانہ

میں جبکہ لامرکزیت کے ساتھ ساتھ فوجی داروگیر کا دور دورہ ہو گیا ہو، ایک ناممکن سی چیز تھی۔ شمالی ہند میں جو بڑے بڑے علمی مراکز ایک عرصہ سے کام کر رہے تھے، اب وہ بیجان ہوتے چلے جا رہے تھے حقیقت یہ ہے کہ جہاں اس فوجی داروگیر اور سیاسی بداطمینانی نے، تمدن کے ہر مفید شعبہ کو متاثر کر دیا تھا، وہیں شمع علم کی جھلملاتی روشنی بھی اس عام تاریکی میں غائب ہوتی نظر آتی تھی۔

ظاہر ہے کہ تنزل اور سیاسی انتشار کی جو خصوصیات مجموعی طور پر ہندوستان میں پیدا ہو گئی تھیں، اُن سے دکن کو کسی طرح مستثنیٰ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اٹھارہویں صدی میں انتشاری اور تخریبی قوتیں یہاں بھی پوری شدت سے کام کر رہی تھیں۔ اسی لئے آصفی حکمرانوں کو اس عہد میں سلطنت کے بچاؤ اور مدافعت کی طرف سب سے زیادہ توجہ کرنی پڑی۔ اُن کی تمام قوتیں اور توجہات، ملک کی اس اہم ترین ضرورت پر مرکوز رہیں۔ سلطنت دکن کو ایک طرف اگر مرہٹوں سے خطرہ تھا تو دوسری طرف یوروپی اقوام کی ریشہ دوانیاں اُس کی پریشانی کا باعث تھیں۔ ان مختلف انتشاری عناصر کی وجہ سے، دکن متخاصم اور متحارب قوتوں کا ایک ایسا اکھاڑہ بن گیا تھا، جہاں ہر لمحہ ایک نئی سیاسی تبدیلی پیدا ہو رہی تھی۔ رزم آزما قوتوں کی اس پیہم سیاسی کشاکش نے لازمی طور پر دکن کے امن و اطمینان کو بھی بُری طرح متاثر کیا۔

دکن کی علمی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے وقت تنزل اور انتشار کے اس پس منظر کو پورے طور پر پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اٹھارویں صدی کے اس ناموافق سیاسی ماحول میں جو کچھ علمی کام انجام دیا جا سکا وہ بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ عہد زیر نظر میں جو کچھ بھی علمی سرگرمیاں پائی جاتی ہیں وہ محض اس لئے ممکن ہو سکیں کہ آصفی حکمرانوں نے باوجود انتہائی سیاسی مشکلات کے اپنے حصۂ ملک کو ایک ایسا گوشۂ عافیت بنانے کی کوشش کی جہاں علماء و فضلا، مصنفین اور معلمین نہایت خاموشی اور اطمینان کے ساتھ علم کی نشر و اشاعت کی خدمات انجام دے سکیں

اس علمی کام کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اُس وقت ہوتا ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسی عہد میں عموماً شمالی ہندوستان میں علمی مراکز پر بُری طرح تباہی آ رہی تھی۔ ہندوستان کا پوربی علاقہ ہمیشہ علوم و فنون کے مرکز کی حیثیت سے خاص شہرت رکھتا تھا۔ اسی لئے شاہجہاں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "پورب شیراز مملکت ماست"۔ محمد شاہ کے زمانے سے اودھ، الہ آباد و جونپور جیسے پورب کے علمی مراکز اجڑنے لگے، عموماً یہاں کے علماء و فضلاء منتشر ہو گئے۔ مدارس اور درسگاہیں بند ہو گئیں اور علمی سرپرستیوں کے خاتمہ کے ساتھ علمی سرگرمیاں بھی سرد پڑ گئیں[1] چنانچہ پوربی علاقوں کی اس

---

[1] مآثر الکرام صفحہ ۲۲۱ نیز دیکھئے Cultural History of British India by A. Yusuf Ali p. 35

تباہی کی تصویر علامہ آزاد نے خوب کھینچی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"کار شمر فاد بجا بہ پریشانی کشید۔ واضطرار معاش مردم آنجا را از کسب علم باز داشتہ در پیشہ سپاہگری انداخت۔ و رواج تحصیل و تدریس بہ آں درجہ نماند۔۔ ایسی کہ از عہد قدیم معدن علم و فضل بود یک قلم خراب افتاد۔ ماحضر ہائے ارباب کمال بیشتر برہم خورد"[1]

علامہ آزاد کا یہ بیان پوری طرح مستند ہے، کیونکہ وہ ہمعصر تھے، جو کچھ انھوں نے لکھا ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر لکھا ہے۔ شمالی ہند میں ارباب کمال کی اس بے قدری کا ہی نتیجہ تھا کہ علامہ آزاد جیسی شخصیتوں نے اورنگ آباد کا رُخ کیا جس کو آصفی حکومت کی کوششوں نے اس پرآشوب زمانہ میں بقول آزاد کے "دارالامن" بنا دیا تھا۔ اس تقابلی نقطۂ نظر سے دکن کی علمی سرگرمیاں کافی حوصلہ افزا نظر آتی ہیں۔ لیکن ان سرگرمیوں کا ایک صحیح اور متوازن اندازہ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا، جب تک ان کی خامیوں اور کمزوریوں پر بھی ایک نظر نہ ڈال لی جائے۔

عہد زیر نظر کی تعلیم میں متعدد خامیاں اور نقائص بھی نظر آتے ہیں۔ تعلیم صرف چند مخصوص طبقات کی حد تک محدود تھی، جو کچھ علمی سرگرمیاں پائی جاتی تھیں وہ ان ہی طبقات کی کوششوں کا نتیجہ تھیں۔ عوام یا تو تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہوتے تھے، یا اگر کچھ جانتے بھی تھے تو اُس کی حیثیت معمولی شُدبُد سے کچھ زیادہ نہ ہوتی تھی[2]۔ امراء و شرفاء کے طبقات، خاص طور پر تعلیم کے اہل سمجھے جاتے تھے۔ مکاتب میں بھی خاص طور پر اس چیز کو ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ شریف خاندان کے لڑکوں کو ہی تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے۔ فرمان اس کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آصف جاہ اول نے عام طور پر یہ تاکید کر رکھی تھی کہ مکاتب میں معلمین ادنیٰ طبقات کے بچوں کو شریک نہ کیا کریں[3]۔ یہ تاکید نہایت پُرمعنی ہے۔ اس سے اس عہد کی طبقہ واری ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ گو اسلام نے ہر کس و ناکس پر علم کے دروازے کھول دیئے تھے، مگر اٹھارویں صدی کے عام اخلاقی انحطاط اور تنزل کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ تعلیمی عمل میں اس

---

۵۱ مآثر الکرام ص۲۲۱۔

۵۲ عوام کی تعلیم سے بے توجہی کی ایک دلچسپ مثال مآثر نظامی میں ملتی ہے۔ اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام کا رجحان زیادہ تر پیشۂ سپاہگری کی طرف تھا، کیونکہ اس سے زیادہ معاشی فوائد کے امکانات تھے، اور اس کے مقابلہ میں مروجہ ابتدائی تعلیم بہت کم توجہ کی مستحق سمجھی جاتی تھی (دیکھئے مآثر نظامی نسخۂ ٹائپ کتب خانہ آصفیہ ص۱۱)

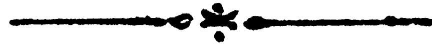
۵۳ یہ تاکید اسلامی مکاتب سے متعلق تھی، دیکھئے رسالہ دربار آصفی ص۲۵

قسم کی تفریقوں کو روا۔ رکھا جانے لگا تھا۔

اس عہد کی اعلیٰ تعلیم یورپ کی مدرسیت (Scholasticism) سے بہت کچھ مشابہ نظر آتی ہے۔ اس "مدرسیت" کے زیر اثر قرونِ وسطیٰ کی یورپی تعلیم جس طرح عموماً کلیسائی طبقہ کے ہاتھ میں تھی، اُسی طرح عہد زیر نظر میں یہاں کے تعلیمی مراکز بالعموم مذہبی علماء اور مشائخین کے زیر اثر تھے۔ اس لحاظ سے کوئی تعجب نہیں کہ اعلیٰ تعلیم اپنی نوعیت کے لحاظ سے زیادہ تر مذہبی ہو کر رہ گئی تھی۔ ادبیات اور فلسفہ کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تدریس اور اکتساب پر خاص طور پر زور دیا جاتا تھا۔ یورپ کے کلیساؤں اور معبدوں کی طرح یہاں کی مساجد اور خانقاہیں مراکز تعلیم کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یورپ نے سترھویں صدی کے بہت پہلے ہی، اپنی تعلیم کو اس "مدرسیت" کے بوجھ سے الگ کر لیا تھا۔ اور وہاں سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ایسے تعلیمی مصلحین پیدا ہو چکے تھے، جو تعلیم کو وسیع تر بنیادوں پر رکھنے کی کوشش کر رہے تھے، اور ان کوششوں سے متعدد مفید تعلیمی تحریکات وجود میں آ چکی تھیں۔ مگر مشرق ہنوز ان تمام تعلیمی تحریکات اور تصورات سے ناآشنا تھا۔ اسی وجہ سے دکن کی تعلیمی سرگرمیوں میں بھی ہر قسم کی مفید انقلابی تحریکات کا فقدان نظر آتا ہے۔ گو قدیم وضع کی تعلیم کی حد تک مفید کام انجام دیا گیا، مگر علمی تحقیق و تفتیش کے میدان میں کسی نئے راستہ کی طرف قدم نہیں اُٹھایا گیا۔ متقدمین نے جو ذخیرۂ علم فراہم کر دیا تھا بس اُسی پر اکتفا کیا گیا۔ سب سے بڑا علمی کمال یہی سمجھا جاتا تھا کہ جو کچھ ذخیرۂ علم پہلے سے موجود ہے اُسی پر کامل عبور حاصل کر لیا جائے۔ اسی وجہ سے اس عہد کے علماء میں تبحّر اور گہرائی تو حد درجہ موجود تھی مگر قدامت پرستیوں نے جدت اور اُپج کا گلا بالکل گھونٹ دیا تھا۔ تعلیم کی یہ قدامت پرستانہ نوعیت ایسی تھی کہ عزلت، قمر الدین اور آزاد جیسے متبحّر عالم تو پیدا ہوتے رہے مگر ان میں کوئی ایسا مفکر پیدا نہ ہو سکا جو نظر و عمل میں انقلاب پیدا کر سکے۔

علم کے ہر شعبہ میں جدت تفکر کا یہ زبردست فقدان نہ صرف دکن بلکہ ہندوستان کی عام ذہنی پستی کا باعث بنا رہا۔ اٹھارہویں صدی میں مجموعی طور پر اہل ہند کی سماجی اور سیاسی پستیوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ عرصۂ دراز سے آزادیٔ فکر کو ایک حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا تھا۔ غرض اس تنگ نظرانہ ذہنیت نے اس عہد کے بہترین دماغوں پر بھی ایک ایسی جمود کی کیفیت طاری کر دی کہ وہ اپنے عہد کے مروجہ علوم کی عام سطح سے بلند ہو کر کسی نئی چیز کے پیش کرنے سے قطعاً قاصر رہے۔

عہد زیر نظر کی تمام علمی سرگرمیوں میں یہ کمزوری اس درجہ نمایاں ہے کہ اس کو کسی عنوان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کمزوری سے جو غیر معمولی نقصانات ہوئے ہیں وہ اٹھارویں صدی کی عام ذہنی، سماجی اور تمدنی پستیوں کے موجود ہوتے ہوئے محتاج تشریح نہیں معلوم ہوتے۔



ماخذات

(۱) فارسی قلمیات

تاریخیں :-

مآثر نظامی — منسارام — (کتب خانہ دفتر دیوانی) (اس کا ایک نسخہ ٹائپ کتبخانہ آصفیہ میں موجود ہے)

تاریخ راحت افزا — محمد علی — (کتب خانہ آصفیہ)

فتوحات آصفی — میر محمد احسن ایجاد — (کتب خانہ دیوانی)

سوانح دکن — منعم خاں اورنگ آبادی — (کتب خانہ آصفیہ)

تاریخ فتحیہ — یوسف محمد خاں — (کتب خانہ دیوانی)

مرآۃ الاخبار — فیض حق قادری — (کتب خانہ دیوانی)

تاریخ ماہ نامہ — غلام حسین خاں جوہر — (کتب خانہ آصفیہ)

تاریخ مرآۃ الصفا — محمد علی — (کتب خانہ شمسیہ، مملوکہ مولوی سید ابراہیم صاحب)

خزانہ رسول خانی در تاریخ دکن۔ فیض حق قادری۔ (کتب خانہ آصفیہ)

تذکرے و دیگر کتب :-

انشائے جرأت — موسوی خاں جرأت — (کتب خانہ آصفیہ)

بہارستان سخن — صمصام الدولہ شاہنواز خاں — (کتب خانہ آصفیہ)

تحفۃ الشعراء — افضل بیگ قاقشال — (کتب خانہ آصفیہ)

تذکرہ گل رعنا — لچھمی نراین شفیق — (کتب خانہ آصفیہ)

قرائن السعدا — محمد حسینی اورنگ آبادی — (کتب خانہ آصفیہ)

مشکوٰۃ النبوت	سید علی	(کتب خانۂ آصفیہ)
انوار القندہار	رفیع الدین قندھاری	(کتب خانۂ آصفیہ)
فیوضات سبحانی	فریدون جاہ	(کتب خانۂ دیوانی)
عمدۃ الحساب	کریم بخش	(کتب خانۂ دیوانی)
نور المی سبین	نور الاصفیا	(کتب خانۂ آصفیہ)

(۲) اسنادی کاغذات دفتر دیوانی سرکار عالی

(۳) فارسی مطبوعات۔

تاریخیں:۔

مآثر عالمگیری	محمد ساقی مستعد خاں
منتخب اللباب	محمد ہاشم خافی خاں
مآثر الامراء	صمصام الدولہ شاہنواز خاں
رسالۂ دربار آصفی	منسا رام
تاریخ ظفرہ	گردھاری لال
توزک آصفیہ	تجلی علی شاہ
حدیقۃ العالم	میر ابو تراب
مرآت احمدی	میرزا محمد علی خان
تحفۃ العالم	عبد اللطیف شوستری
گلزار آصفیہ	حکیم غلام حسین خاں
شجرۂ آصفیہ	محمد بدر الدین خاں

تذکرے:۔

خزانہ عامرہ	غلام علی آزاد بلگرامی
مآثر الکرام	" "
سرو آزاد	" "
گلزار اعظم	غلام غوث خاں
چمنستان شعراء	لچھمی نراین شفیق

(۴) اردو مطبوعات

تاریخ خورشید جاہی	غلام امام خاں
محبوب الزمن جلد اول و دوم	عبد الجبار خاں ملکاپوری
محبوب ذو المنن جلد اول و دوم	"
علمائے سلف	مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی
رسالۂ ٹیچر	جوبلی نمبر ۱۳۴۶ف

۵۔ انگریزی کتب

1. The Nizam 2 Vol Briggs.
2. Later Moghuls 2 Vol, of by irvine
3. Nizamul Mulk Asaf Jah I (Dr Usuf Husain khan)
4. Muslim Education in India. S.M. Jaffar
5. History of Education Grabbes.
6. Al Minhaj. Dr. Sufi
7. Promotion of learning in India. N.N. Law.
8. Cultural History of India during the British Period by A. Yusuf ali
9. History of English Education in India (Syed Mahmood)
10. The Education of India Siquera
11. Indian Education in Anceint and Modern Times (Kesy)
12. History of the Deccan (2 vl) Gribble

عادل شاہی عہد
مناقب اور ملفوظات کی روشنی میں

از جناب مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی

ہندوستان کی تاریخ سے صوفیا رکرام کے کارنامے نظر انداز نہیں ہو سکتے، مذہب رسم و رواج، تمدن و تہذیب اور زبان پر ان اصحاب کی وجہ سے بہت کچھ اثر ہوا ہے۔ اُردو زبان پر صوفیا رکرام کے کارناموں کی تفصیل مولانا ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی کتاب[1] میں بخوبی فرمائی ہے۔ اس سے واضح ہوسکتا ہے کہ ان اصحاب نے زبان اور ادب اُردو کی کس قدر اہم اور گراں بہا خدمت انجام دی ہے۔

جلیل القدر صوفیار کے مریدوں نے اپنے مرشد کے حالات، مناقب اور ملفوظات بھی مرتب کئے ہیں جن سے نہ صرف تصوف اور عرفان، سلوک اور باطن کے اسرار اور رموز معلوم ہوتے ہیں، بلکہ ان سے اس وقت کے ایسے تاریخی حالات پر بھی ضمنی طور پر روشنی پڑتی ہے: جن کو عام مؤرخین نے نظر انداز کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس قسم کی کتابوں سے ہی تاریخی معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ بادشاہوں کی سیرت، ملک کے حالات، تمدن و تہذیب کے متعلق بہت کچھ واقعات منکشف ہوتے ہیں۔ اس موقع پر مولانا شاہ حبیب اللہ بیجاپوری کے مناقب اور ملفوظات سے عادل شاہی عہد کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتے ہیں، اُن کی صراحت کی جاتی ہے۔ مگر اس کے پہلے مولانا شاہ حبیب اللہ کی زندگی کے مختصر حالات کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے

مولانا شاہ حبیب اللہ بیجاپوری کا خاندان ان خاندانوں کے منجملہ ہے، جو براہ سمندر حجاز اور عراق سے آکر جنوبی ہند کے سواحل پر متوطن ہوئے تھے' یہ خاندان سواحل ملیبار و کارومنڈل پر اُتر کر تجارت میں مشغول ہوئے' اور زمانۂ مابعد میں "نائطی" کے لقب سے شہرت حاصل کی۔ شاہ حبیب اللہ کا سلسلۂ نسب مؤلف "تذکرہ اولیار دکن" نے جو درج کیا ہے وہ صحیح

[1] اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیار کرام کا کام۔

نہیں ہے، صحیح سلسلہ حسب ذیل ہے :-

مولانا حبیب اللہ بن ملا احمد بن ملا خلیل اللہ بن قاضی احمد بن ابو محمد بن فقیہ مخدوم اسمٰعیل بن فقیہ مخدوم اسحاق بن فقیہ عطار احمد۔

فقیہ عطار احمد کے اوپر کے نسب نامہ کی صحیح وضاحت اس لئے نہیں کی جاسکتی کہ نسب نامہ دریا بُرد ہوگیا، بعض اصحاب کے خیال میں آپ کا سلسلہ بوساطت امام جعفر صادق حضرت امام حسین سے ملتا ہے، اور بعض عبد اللہ بن جعفر طیار کو مورث قرار دیتے ہیں۔

مخدوم اسحاق ابن فقیہ عطار احمد کی نسبت معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اشاعتِ اسلام میں اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ ان کے فرزند فقیہ مخدوم اسمٰعیل ہیں جن سے مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ نے (۷۴۳ھ) میں ملاقات کی تھی۔[1] قاضی احمد گوا کے قاضی تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے یہ معاصر تھے، اور ان سے خط وکتابت ہوتی تھی

قاضی احمد کے دو فرزند تھے، مولانا محمود اور ملا خلیل اللہ۔ مولانا محمود باپ کی جگہ گووا کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ ۹۹۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

ملا خلیل اللہ کے فرزند ملا احمد اپنے وقت کے ایک جید عالم تھے، ہندوستان میں تحصیل علم کے بعد مکۂ معظمہ میں اقامت کی، اور وہاں ابن حجر مکی سے علم حدیث اور فقہ کا درس لیا۔ سلوک اور باطن میں شیخ علی متقی سے فیضیاب ہوئے۔ ان ہی ملا احمد کے فرزند مولانا شاہ حبیب اللہ ہیں۔ آپ کی ولادت ۹۷۰ھ میں ہوئی خود آپ نے اپنی تاریخ ولادت زمانۂ ما بعد میں کہی ہے، جو حسب ذیل ہے :-

شدم توام سعادت با ولادت   تاریخ ولادت با سعادت

شاہ حبیب اللہ نے اس زمانہ کے مشاہیر علماء بیجاپور سے علوم متعارفہ کی تکمیل فرمائی تھی چنانچہ قاضی مخدوم علی، حبیب اللہ شہ استاد، مولانا شیخ علی نجفی قاضی محمد کلیانی وغیرہ سے استفادہ فرمایا۔ علوم باطنی کا اکتساب اولاً شاہ محمد مرزا المشہور میراں صاحب باہاگری سے کیا اس کے بعد سید شاہ صبغۃ اللہ سے فیض یاب ہوئے، شاہ صبغۃ اللہ نے آپ کو اپنی خلافت بھی دی تھی۔

مولانا حبیب اللہ اپنے وقت کے نہ صرف ایک جید عالم اور فاضل تھے، بلکہ سلوک

[1] عجائب الاسفار ص ۲۷۹

باطن میں بھی اعلیٰ مدارج طے کئے تھے۔ ایک طرف علوم دینی اور تقدس کے لحاظ سے سرآمد روزگار تھے، تو دوسری طرف تدبر اور فراست کے لحاظ سے بھی شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ عادل شاہی دربار کی جانب سے احمد نگر اور دہلی کو سفارت پر بھیجے گئے تھے۔ سلاطین عادل شاہی آپ کا تقدس کے باعث بہت احترام کرتے تھے۔ عربی اور فارسی شاعری سے بھی دلچسپی تھی، دونوں زبانوں میں کلام موزون کرتے تھے، درس اور تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

آپ کے زمانہ میں عادل شاہی حکومت کے تین بادشاہ مسندِ حکومت پر جلوہ گر ہوئے، ان میں سے علی عادل شاہ اول کا زمانہ تو آپ کے بچپن کا زمانہ ہے۔ ابراہیم عادل شاہ اور محمد عادل شاہ آپ کے زمانہ میں سریر آرائے حکومت رہے۔ مولانا شاہ حبیب اللہ دربار شاہی میں باریاب تھے۔ آپ کے ذمّہ حکومت کی جانب سے یہ خدمت تھی کہ جو اصحاب علم و فضل بیجاپور میں مہمان کی حیثیت سے آئیں اُن کی مہمانداری سلطنت کی جانب سے کی جائے؛ اور ان کے حسب مراتب انھیں بامراد واپس کیا جائے۔

۱۰۴۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا، بیجاپور میں مدفون ہیں، آپ کی درگاہ اب بھی زیارت گاہِ عام و خاص ہے، "کلمات کفر" آپ کی تصنیف ہے، آپ کے حالات مختلف کتابوں میں درج ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:۔

(۱) سبحۃ المرجان تصنیف مولانا غلام علی آزاد بلگرامی،

(۲) گلستان نسب، تالیف نواب قادر عظیم خاں۔

(۳) تاریخ احمدی، تالیف مولوی احمد مرحوم

(۴) تاریخ النوائط، تالیف شمس العلما نواب عزیز جنگ مرحوم۔

(۵) ترجمہ روضۃ الاولیا، از شاہ سیف اللہ قادری،

(۶) روضۃ الاولیاء

(۷) تذکرہ اولیاء دکن، از عبدالجبار صاحب ملکاپوری،

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے شاہ حبیب اللہ کو سید شاہ صبغت اللہ نے ۱۰۰۵ھ میں ہی اپنی خلافت دیدی تھی، مگر عرصہ تک آپ نے بجز ایک دو اصحاب کے کسی کو اپنا مُرید نہیں کیا۔ ۱۰۳۰ھ سے آپ کا فیضِ عام جاری ہوا۔ گیارہ سال تک صدہا اشخاص مرید ہوئے، اور سلوک باطن کا استفادہ کیا آپ کے ایک مرید عبدالقادر نے مناقب شاہ حبیب اللہ کے نام سے، اور دوسرے مُرید عبدالفتاح

نے "راحت القلوب" کے نام سے آپ کے ملفوظات مرتب کئے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اگرچہ طبع نہیں ہوئی ہیں، لیکن ان کے مخطوطات کتب خانۂ سعیدیہ (عام باغ) وغیرہ میں موجود ہیں۔ بانی کتب خانہ سعیدیہ مفتی محمد سعید خاں مرحوم مولانا شاہ حبیب اللہ کے دادا ملا خلیل اللہ کے بڑے بھائی قاضی محمود کی اولاد میں تھے۔

قاضی محمود اور ملا خلیل اللہ دونوں کی آل و اولاد حیدر آباد میں موجود ہے۔ اس تفصیل کے بعد اب ہم اولاً شاہ عبدالقادر کی کتاب "مناقب شاہ حبیب اللہ" سے اپنے عنوان کا مواد فراہم کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب سے خود شاہ حبیب اللہ کے حالات کی بھی کچھ صراحت کی جائے دونوں کتابیں فارسی میں ہیں۔ اردو میں اس کا اقتباس پیش کیا جائے گا۔

مصنف مناقب لکھتے ہیں پیر دستگیر (شاہ حبیب اللہ) کے والد حضرت مولانا احمد بن خلیل اللہ بھی صاحب ولایت و کشف و کرامات تھے۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد زیارت حرمین شریفین سے مستفید ہوئے۔ بلکہ معظمہ میں قیام کیا، وہاں علوم حقائق اور معارف کی تحصیل کی۔ علی عادل شاہ (اول) صوفی آپ کی نہایت عزت اور توقیر اس طرح کیا کرتا تھا کہ گویا آپ اس کے پیر ہیں اور وہ مرید۔ اس زمانہ میں آپ نے بہت سارے اہل حاجت کی مرادیں پوری کیں۔ جب بادشاہ جزیرہ گوا کے محاصرہ سے واپس ہوا تو آپ بھی بادشاہ کے ہمراہ تھے، جب مصطفیٰ آباد عرف بلگانوں کے حصار کے قریب پہونچے تو آپ کو پیام اجل آپہونچا۔ بادشاہ تین دن یہاں مقیم رہا اور سہ روزہ زیارت کے بعد بیجاپور روانہ ہوا۔ ملا احمد بلگانوں میں مدفون ہیں۔ تاریخ رحلت، ملک خلد بریں ہے۔ اور پیر دستگیر نے "والد ماجد فرشتہ" (۹۸۳ھ) سے تاریخ نکالی۔ آپ نے اپنی والدہ کی رحلت کی تاریخ فرشتہ دوم سے نکالی (۱۰۳۵ھ) آپ کے فرزند کا نام محمد صبغت اللہ تھا اور ان کو شاہ صاحب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ ۱۰۳۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔

شاہ حبیب اللہ نے اولاً مخدوم قاضی علی سے استفادہ علم کیا۔ اس کے بعد شیخ محسن کنجی سے جو حکمیات میں بوعلی سینائے وقت تھے، شرح حکمت العین پڑھی۔ ان کے بعد شہر استاد حبیب اللہ سے مطول تک درس لیا۔ آپ سے شہر استاد نے فرمایا کہ اب کسی استاد کی ضرورت نہیں ہے اور کوئی استاد تمہیں تعلیم دینے کی قابلیت نہیں رکھتا۔ اس کے بعد سید شاہ صبغت اللہ حسنی مدینہ منورہ سے تشریف لائے۔ پیر دستگیر نے پانچ سال تک اپنے مرشد سے فیض باطن حاصل کیا۔ ۱۰۸۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ "قطب آخرالزماں" تاریخ ہے۔ (صفحہ)

اب ہم ان واقعات کو لکھتے ہیں جن سے سلاطین بیجاپور کے عہد پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) عبدالقادر آپ کے مرید بیان کرتے ہیں، شاہ حبیب اللہ کی شان ظاہری اس سے واضح
ہو سکتی ہے کہ آپ کو ابراہیم عادل شاہ کا ایسا تقرب اور اعزاز حاصل تھا، جو نہ اخلاص خاں پیشوا کو میسّر
تھا اور نہ شہنواز خاں کو۔ بادشاہ آپ کے حکم کا مطیع اور معتقد تھا۔ جو کوئی عالم و فاضل ممالک غیر سے آتا تو آپ
ہی اس کی مہمانی فرماتے، اور اس کے علم و فضل کے متعلق جو رائے بادشاہ کو سنائی جاتی وہ دروغ گوئی
سے پاک و صاف ہوتی۔ بارہا ملا عبدالرحمن، شیخ علیم اللہ اور قاضی نصیر وغیرہ سے مناظرہ عقلی اور نقلی
ہوا کرتا۔ (ص۵)

(۲) عبدالقادر بیان کرتے ہیں کہ شاہ حبیب اللہ نے فرمایا کہ جب ان کا شہرہ ہوا تو بعض لوگ
حاسد ہو گئے۔ خصوصاً شہنواز خاں جس نے بادشاہ کو امتحان لینے پر آمادہ کیا۔ بادشاہ نے آپ کو طلب
کیا اور دودھ کا گرم گرم پیالہ جو اسی وقت چولھے سے اتارا گیا تھا آپ کو پینے کو دیا گیا۔ آپ فوراً اس کو پینے
لگے۔ کچھ اثر نہیں ہوا، اس کے بعد مفسدوں نے پان میں بہت زیادہ چونا لگا کر دیا۔ آپ اس
کو بھی چبانے لگے، اس سے بھی کچھ اثر نہیں ہوا۔ اب حاسد منفعل ہو گئے۔ (ص۶)

(۳) آپ نے فرمایا کہ ملا عبدالرحمن معہ اپنے شاگردوں کے بیجاپور آئے، آپ اپنی قابلیت
اور جامعیت کے باعث مشہور تھے، ابراہیم عادل شاہ نے ان کا بہت اعزاز کیا، اور ایک بڑی رقم
معہ دیگر تحائف کے ارسال کئے، اور مجھے فرمایا کہ ان سے بطور تبرک کچھ پڑھوں، میں نے کہا کہ سید
شاہ صبغت اللہ سے جو کچھ میں پڑھ چکا ہوں وہ کافی ہے۔ اب کسی دوسرے استاد کی ضرورت نہیں
بادشاہ رنجیدہ ہو گیا۔ اس لئے میں نے بادشاہ کی خاطر اس کو قبول کر لیا۔ اب ابراہیم عادل شاہ نے کئی
کشتیاں میوہ اور شیرینی شال وغیرہ تحفہ کے طور پر میرے ہمراہ ملا عبدالرحمن کو ارسال فرمائیں۔ صحیح
بخاری کا درس شروع ہوا۔ ملا صاحب میرے سوالات کا جواب نہ دے سکے، اُلٹے مجھ ہی کو تفہیم
کرنی ہوئی۔ اس مجلس میں دیوان بخر خاں اور میاں تودرو وغیرہ موجود تھے۔ (ان اشخاص کو شاگردوں
کے لقب سے لکھا گیا ہے، اور حاشیہ میں صراحت کی گئی ہے کہ ابراہیم عادل شاہ کے وقت میں
اہل سرود بادشاہ کو "استاد" کہا کرتے اور بادشاہ ان کو شاگرد کہا کرتا۔ اس سے یہ بھی واضح
ہوتا ہے کہ اس وقت کے اہل موسیقی جو نغمہ اور سرود سے واقف ہوتے تھے، وہ علما کی مجلس میں بھی
شریک ہو کر استفادہ کرتے اور یہ امر علماء کو ناگوار نہیں ہوتا تھا کہ اہل طرب و موسیقی علمی مجلس میں
ان سے استفادہ کریں) اُنھوں نے بادشاہ کو کہا کہ آپ نے تو حبیب اللہ کو درس لینے کے لئے روانہ
فرمایا تھا، وہاں معاملہ برعکس ہوا کہ خود ملا عبدالرحمن پڑھنے لگے۔ خیر چند مرتبہ میں اُن کے درس میں

شریک ہوا، جو سوالات کرتا اُلٹا مجھ کو اس کا جواب بھی دینا ہوتا۔ ایک مرتبہ جب درس ہو رہا تھا، اور میں نے سوال کیا تو ملا صاحب نے درس موقوف کر دیا، اور فرمایا، کل تحقیق کر کے جواب دُونگا، اس کی وجہ سے ان کے بعض تلامذہ بھی برداشتہ ہو گئے، بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی اور مَیں نے ملا صاحب سے درس لینا بند کر دیا۔ ص۱۶

(۳) آپ نے فرمایا کہ ملا شکر اللہ جو افضل خاں سے ملقب تھے اور ہندوستان کے فاضل یگانہ تھے، جہانگیر بادشاہ کی جانب سے وکالت پر ابراہیم عادل شاہ کے پاس آئے۔ بادشاہ نے ان کی مہمان داری اور معاملات کے طے کرنے کے لئے مجھے ان کے پاس روانہ کیا۔ جب تک وہ بیجاپور میں رہے، مَیں اُن کے پاس جاتا رہا، ہر وقت مذاکرہ اور مباحثہ علمی ہوتا، سوال و جواب ہوتے۔ ایک مرتبہ تفسیر بیضاوی کے متعلق مباحثہ طویل ہوا، جو کچھ وہ کہتے میں اس پر اعتراض کرتا، یا اضافہ کرتا۔ آخر کار اُنھوں نے کہا جب میں یہ کتاب پڑھا کرتا تھا تو اُستاد کے فرمان کے بموجب ایک یادداشت تیار کی ہے، اس کو دیکھوں گا، شاید اس میں یہ نکل آئے چنانچہ انھوں نے اپنا جُزدان طلب کر کے چند اجزا نکالے اور زیر بحث مسئلہ دیکھا۔ اس کے حاشیہ میں وہی لکھا تھا جو میں بیان کر رہا تھا۔ صرف ایک کلمہ زیادہ تھا۔ میں نے کہا یہی حاشیہ گویا میری تقریر اور بحث تھی بجز اس ایک کلمہ کے جو بے معنی اور زیادہ ہے، اس کے بعد اس کلمہ پر بحث ہوئی مباحثہ ہوا، آخر میری رائے صحیح ہونے کا اقرار کیا گیا۔ ص۱۷

(۴) آپ نے فرمایا، میرے اور شیخ علیم اللہ کے درمیان حدیث "واللہ ما طلعت ولا غربت علی احد بعد النبیین افضل من ابی بکر الصدیق" پر مناظرہ ہوا، میں نے کہا کہ حدیث صحیح ہے، اور شیخ کا کہنا تھا کہ موضوع ہے، بعد مباحثہ مکاشفہ کے بعد ثابت ہوا کہ حدیث صحیح ہے۔......... ابراہیم عادل شاہ نے حاکم شہر کو حکم دیا کہ قلمرو بیجاپور کے تمام جامع مسجدوں کے خطبات میں منقبت صدیق اکبر میں اس حدیث کو شامل کر لیں۔ ص۱۹

(۵) آپ نے فرمایا کہ ملا صالح بلحاظ حسابات ہیئت اور نجوم کہتے تھے کہ تمام مساجد بیجاپور کی سمت قبلہ درست نہیں ہے۔ حتی کہ مسجد جامع، مسجد نیاز منہ خاں کے قبلہ کی جہت بھی منحرف ہے۔ چونکہ مسجدوں کو منہدم کر کے دوبارہ تعمیر کرنا دشوار ہے، اس لئے مسجد کے اندر پتھر سے ایک زینہ بنا دیا جائے تاکہ لوگ اس سمت کے موافق نماز ادا کریں۔ میرا اور دوسرے فضلاء کا خیال تھا کہ قبلہ کی سمت درست ہے، لیکن وہ قبول نہیں کرتے تھے، میں نے خواب دیکھا.........

اس خواب کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ سمتِ قبلہ صحیح ہے، اور ملا صاحب کو بھی یقین ہوگیا۔ ص۱۹، ۲۰

(۶) آپ نے فرمایا ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں آیت کریمہ " ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراہیم حنیفا " کے متعلق علماء میں بحث اور اختلاف واقع ہوا، کہ لفظ تابع حضرت رسالت پناہ صلعم پر جو اشرف المخلوقات ہیں، جائز ہے یا نہیں۔ بعض کا خیال تھا کہ تابع نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ اس سے نقص لازم آتا ہے، اور بعض کا خیال تھا کہ چونکہ لفظ اتبع صریحاً واقع ہے، اس لئے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں گروہ اپنے اپنے عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتے تھے، میں (شاہ حبیب اللہ) اور شاہ محمد مکی خطیب آخر الذکر خیالات والے گروہ میں تھے۔ عام لوگوں کے خیالات شاہ محمد مکی کے خلاف تھے اور ان پر کفر کا فتویٰ دیا جا رہا تھا۔ آخر کار شاہ محمد مکی کو خدمت سے الگ کر دیا گیا۔ جب سلطان محمد عادل شاہ کا زمانہ آیا تو میں (شاہ حبیب اللہ) نے مباحثہ تازہ کیا، اور مخالفین کے جوابات دیئے، اور شاہ محمد مکی کے کفر کے فتوی کی تردید کی۔ محمد عادل شاہ نے جب یہ بحث سنی تو اپنی شال اتار کر مجھے دی، اور کہا کہ آپ کا مباحثہ دوسرے لوگوں کے مقابل ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مست ہاتھی کے سامنے چوپائے ہیں۔ اس کے بعد شاہ محمد مکی اپنی خدمت پر مامور کیئے گئے۔ یہ واقعہ ۱۰۳۷ھ کا ہے " محمد شاہ داد خطیب داد " سے اس کی تاریخ نکلتی ہے۔ ص۲۱

(۷) آپ نے فرمایا، جس وقت میں ملک عنبر کے پاس بھیجا گیا تھا، تو ایک دن ایک درویش فرید نام نے مجھ سے کہا کہ ایک ہُن جو مجھے آج دے، اس کے بدلے میں سو ہن اس کو ملیں گے۔ میں نے ان کو پانچ ہن دیئے مگر کچھ عرصہ بعد میں نے ایک ہن واپس لے لیا۔ انھوں نے اس کو واپس کرتے ہوئے فرمایا اس کے معاوضہ میں سو ہن کم ہوگئے۔ رات کو ملک عنبر نے چار سو ہن روانہ کئے۔ لانے والے نے کہا کہ ملک عنبر نے پانچ سو ہن کا حکم دیا تھا۔ مگر خزانچی نے ایک سو ہُن خارج کر دیے۔ ص۲۴

(۸) آپ نے فرمایا جبکہ میں ہندوستان کو مغلوں کے پاس سفارت کو گیا ہوا تھا، تو راجہ مان سنگھ میری بیحد عزت اور توقیر کرتا تھا، اور ہر گز اپنی مسند پر نہیں بیٹھا کرتا۔ میرے آنے کے وقت قصداً مکان میں چلا جاتا اور ایسے وقت باہر آتا جبکہ میں داخل ہونے لگتا۔ جاتے وقت بھی اندر جانے کا قصد کرتا اور مجھے ایک دروازہ سے رخصت کر کے خود دوسرے دروازے سے اندر چلا جاتا۔ اور کہا کرتا کہ یہ سب رعایت خاصکر آپ کی ذات کے لئے ہے۔ اگر عادل شاہ خود آئے تو اس کے لئے اس قدر توقیر نہیں کی جاتی۔ ص۳۰

(۹) آپ نے فرمایا، اس زمانہ میں عبد الرحیم خانخاناں سے بھی اکثر ملاقات ہوا کرتی، وہ مجھے

اپنے اشعار سنایا کرتا۔ چنانچہ اس کی ایک رباعی یہ ہے:-

اے دوست نہ دشمنی دل آزاری چیست | خوی تو نہ دہر است ستمگاری چیست
چشم تو نہ بخت ماست درخواب چرا ست | بخت تو نہ چشم ماست بیداری چیست

میں نے کہا بخت کو تو ممدوح کی بیداری اچھی ہوتی ہے نہ کہ نا ستودہ اور مذموم۔ خانخاناں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ص۳۰

(۱۰) آپ نے فرمایا کہ ابراہیم عادل شاہ کو بعض مصاحبوں کی وجہ سے نشہ کرنے کی عادت ہوگئی تھی، ملا اسمٰعیل اس کی وجہ سے بادشاہ کو قتل کردینے پر آمادہ ہوگئے۔ اتفاقاً یہ راز فاش ہوگیا، ملا اسمٰعیل گرفتار کرکے لائے گئے، چونکہ بادشاہ ان کو بہت دوست رکھتا تھا، اس لئے کہا کہ اگر تم اپنے ارادہ سے باز آجاؤ، تو تمہیں معاف کردیا جائے گا؛ مگر ملا اسمٰعیل نے انکار کیا اور آخر کار وہ قتل کردیئے گئے ص۳۱

(۱۱) آپ نے فرمایا: بیجاپور میں ایک مرتبہ سخت قحط ہوا، لوگوں نے دعائیں مانگی اور نماز استسقا پڑھی میاں ہنسا سے شیخ حامد نے جو ایک خدا رسیدہ مجذوب تھے کہا آپ دعا فرمائیں، انھوں نے کہا کہ اگر بادشاہ تین ہزار ہُن نقد مجھے دینا قبول کرے تو میں بارش کے لئے دعا کروں گا۔ یہ خبر ابراہیم عادل شاہ کو معلوم ہوئی۔ چونکہ بادشاہ فقیروں سے اعتقاد رکھتا تھا، اس مہر دستہ کو قبول کرلیا۔ قضارا بارش ہوئی اور کھیت لہرانے لگے۔ میاں ہنسا نے اپنی رقم کی یاد دہی کی، بادشاہ دینے کے لئے آمادہ ہوگیا، مگر شہنواز خاں مانع ہوا، اور کہا کہ اس قدر رقم ایک فقیر کو دینا اسراف ہے۔ یہ خبر میاں ہنسا کو معلوم ہوئی، انھوں نے کہا مال تلف ہوجائیگا۔ قضارا ٹڈی دل نمودار ہوئے اور کھیت تلف ہوگئے۔ ص۴۲

(۱۲) ایک مرتبہ سلطان محمد عادل شاہ کے محل خاص میں آسیب شیطانی کی وجہ سے سنگ باری ہونے لگی۔ اس زمانہ کے تمام مشائخ اور عامل فلیتے جلاتے اور عملیات کرتے۔ مگر کچھ اثر نہیں ہوا۔ ابراہیم خاں اور بچہ خاں (ماہرین موسیقی) نے شاہ حبیب اللہ کا نام لیا اور کہا وہ اس کو دفع کرسکتے ہیں۔ بادشاہ نے انھیں کے زبانی آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ کچھ علاج فرمائیں ورنہ مجھے محل چھوڑ دینا پڑیگا آپ نے فرمایا اگر آج سے آیندہ سنگ باری ہو تو مجھے اطلاع دی جائے۔ مگر اس کے بعد سنگ باری موقوف ہوگئی۔ ص۵۲

شاہ عبدالقادر کی کتاب مختصر صرف (۷۵) صفحہ کی ہے، البتہ شاہ عبدالفتاح کی راحت القلوب کسی قدر ضخیم ہے، آئندہ اس کا اقتباس پیش کیا جائے گا۔

اودگیر کی جنگ

از جناب قاسم علی سجن لال صاحب ام۔ اے آنرز (بمبئی)

نواب میر نظام علی خاں کی فوج کو اودگیر کے معرکہ میں کامیابی جو حاصل نہیں ہوئی اس کو دوسری جانب کے بعض تاریخ نگار غیر ضروری تفاخر کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اس مضمون کا مقصد یہ نہیں ہے کہ نواب میر نظام علی خاں کی پاسداری میں کوئی بحث کی جائے، یا پیشوا کی جانب سے جو حالات پیدا کیے گئے اس کے متعلق کوئی کھری تنقید کی جائے۔ یہاں مقصد صرف یہ ہے کہ جو واقعات پیش آئے، ان کو اس طور سے بیان کر دیا جائے کہ ناظرین خود اپنی آزاد رائے قائم کر سکیں۔

اس وقت واقعات کا جو سلسلہ قائم ہوا تھا، اور جو حالات پیدا ہو گئے تھے، ان کا نواب میر نظام علی خاں سے قطع نظر دنیا کا کوئی اور بڑے سے بڑا قائد بھی کامیابی سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ سات آٹھ ہزار سوار ڈیڑھ لاکھ کی منظم اور پرجوش فوج کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں۔

جس زمانہ میں حیدر آباد میں باہمی نزاعوں کا دور دورہ تھا، موقع سے فائدہ اٹھا کر بالاجی راو پیشوا نے سلطنت نظام شاہیہ کے قدیم دار الحکومت احمد نگر پر قبضہ کر لیا۔ اس کا اصلی سبب قوی جنگ قلعہ دار کی غداری تھی۔ قوی جنگ کو ری ساجی کرشنا بم وال کے توسط سے چالیس ہزار روپیے نقد اور ایک بڑی جاگیر کا لالچ دلایا گیا۔[۵۱] غرض ۹۔ نومبر ۱۷۵۹ء کو احمد نگر کے قلعہ کی فوج نے اطاعت قبول کر لی۔ پیشوا کے کارندے قلعہ اعظم گڈھ کے قلعدار کو بھی اسی طرح سے جاگیر اور نقد رقم کا لالچ دلا رہے تھے۔[۵۲]

اس وقت نواب صلابت جنگ مسند آصفی پر متمکن تھے، اور نواب میر نظام علی خاں دیوان۔ اندرونی خلفشار اور لینے کی بے طرفی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر پیشوا نے ان قلعوں پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اور اس طرح اپنی قوت بڑھانے میں کامیابی حاصل کی۔ پیشوا کا ارادہ تو صاف صاف یہ تھا کہ نواب صلابت جنگ کو خود

---

[۵۱] گوبند انت مودک کی کتاب "Mulanch Maharashtra." ص ۳۳۰۔ بعض مورخین نے رقم کو پچاس ہزار روپیے ظاہر کیا ہے۔ [۵۲] سردیسائی کی کتاب مرہٹی ریاست ص ۴۲

اپنے اثر میں رکھے۔ نواب میر نظام علی خاں کی غیرت یہ امر گوارا نہیں کرسکتی تھی کہ ان کے بھائی پیشوا کے تابع بنے رہیں۔ نواب میر نظام علی خاں برافروختہ تو تھے ہی۔ اُنھوں نے صاف طور سے واضح کردیا کہ وہ سندکھیڑ کے معاہدہ کی تکمیل سے قاصر ہیں۔ چنانچہ سداسیو بھاو نے گوبند بالال کو لکھا تھا کہ نواب میر نظام علی خاں نے وعدہ کیا تھا کہ دس لاکھ روپے محاصل کی جاگیر عطا کریں گے، نیز پرینڈہ اور ناگور کے قلعے بھی تفویض کردیں گے۔ لیکن اب ان کا عندیہ اس کے برخلاف ہے، اسی لئے ہم فوج جمع کررہے ہیں تاکہ ان سے جنگ کی جائے[۱]۔

پیشوا کے اس خیال کا تذکرہ کرتے ہوئے سردیسائی نے یہ بات ظاہر کی ہے کہ نواب صلابت جنگ مرہٹوں کی جانب مائل تھے، لیکن ان کے بھائی نواب میر نظام علی خاں، جو مکروحیلہ کے زیادہ خوگر تھے، اپنے بڑے بھائی کے عنشاء کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ تو فرانسیسی لوگوں اور انگریزوں کی دوستی پر راغب تھے۔ انگریزوں کی جانب تو وہ خاص طور سے مائل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انگریز مسلسل ترقی حاصل کرتے جارہے تھے۔ پیشوا کو نواب میر نظام علیخاں کا یہ رُجحان ناپسند تھا، اور نواب صاحب موصوف کو مغلوب کرنے کی نیت سے فوجیں آگے بڑھائیں اور پہلی اکتوبر کو گھاری پور تک پہونچ کر کیمپ قائم کرلیا۔ ان تمام واقعات کے سلسلہ کی آخری کڑی اودگیر کی جنگ تھی۔

سردیسائی نے نواب صلابت جنگ کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے وہ مبنی برحقیقت ہے۔ اس سلسلہ میں ذیل کے دو امور ذہن میں رکھنا چاہیئے[۲]

۱۔ نواب صلابت جنگ اپنی کمزور طبیعت اور ذاتی خصائل کی بناء پر ہر اُس اثر سے متاثر ہوجاتے تھے، جو وقتیہ حالات میں قوی نظر آتا تھا۔ یہ تو محض بسیے کا اثر تھا کہ نواب صلابت جنگ کو بعض اوقات کچھ کامیابی حاصل ہوئی۔ بسیے کا دور دورہ ختم ہوگیا تو نواب صلابت جنگ، پیشوا کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنے ہوئے تھے۔ یہ تو یہ نواب صلابت جنگ کو نواب میر نظام علی خاں کی اس رائے سے بھی اتفاق نہیں تھا کہ پیشوا سے سندکھیڑ پر مقابلہ کیا جائے۔ نواب صلابت جنگ سندکھیڑ پر مقابلہ کے لئے بہت مشکل سے رضامند ہوئے تھے۔

۲۔ یہ محض نواب صلابت جنگ کی کمزور طبیعت کا نتیجہ تھا کہ پیشوا کی اُمیدوں کا میدان وسیع ہوتا گیا۔ لیکن یہ ناانصافی ہے کہ اس بارے میں نواب میر نظام علی خاں کو مکروحیلہ کا خوگر ظاہر کیا جائے۔ اگر وہ اپنے کمزور بھائی کو پیشوا کی آرزوؤں کا شکار ہوجانے کو پسند نہیں کرتے تھے تو اس میں آخر بُرائی کیا ہے؟

[۱] سردیسائی کی کتاب مرہٹی ریاست صفحہ ۱ [۲] سردیسائی کی کتاب مرہٹی ریاست صفحہ ۳۹

یوں تمام واقعات پر بغور نظر ڈالی جائے تو نواب میر نظام علی خاں کی ہی ستائیش کرنی پڑتی ہے۔ پیشوا کا طرزِ عمل نفرین کا مستحق ہے۔

پیشوا پر یہ حقیقت ظاہر تھی کہ مسندِ دکن پر کوئی قوی ہستی متمکن نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ایک ایسے فرد پر فتح پانے کا خیال کرنا جو خود پہلے سے کمزور ہو کوئی دلاوری نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی کس طرح پیشوا کی تعریف و توصیف کر سکتا ہے۔ آگے اودگیر کی شکست کے وجوہ کی توضیح کرتے ہوئے اس مسئلہ پر پھر کچھ روشنی ڈالی جائے گی۔

اور مواقع پر کسی عمل کے متعلق نواب میر نظام علی خاں کی نسبت کوئی چاہے کچھ کیوں نہ کہے کوئی شبہ نہیں کہ اس موقع پر اُنھوں نے عزمِ صمیم کے ساتھ واقعات کے مقابلہ کی ٹھان لی، اور اپنے بھائی نواب صلابت جنگ کی صحیح رہبری کی۔ یہ علٰحدہ بات ہے کہ نتیجہ موافق مرام برآمد نہیں ہوا۔ اس موقع پر نواب میر نظام علی خاں نے بیرونی اقوام سے جو اعانت حاصل کی اس کے متعلق کوئی مخالفانہ تنقید کرنا گویا ناسمجھی کی بات ہوگی۔ نواب میر نظام علی خاں کا یہ عمل توازنِ قوت برقرار رکھنے کے لئے تھا اور برمحل تھا۔

پیشوا کی مبارزت طلبی کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے دونوں بھائی عزمِ مصمم کے ساتھ آمادہ ہو گئے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی حقیقی تیاری کے بغیر مقابلہ کا ارادہ کر لیا گیا فوج میں شورش پیدا تھی، فوج میں وہ جذبہ بھی مفقود تھا جو مقابلہ کے لئے اُبھارتا۔ اور اپنے قائدوں کا گرویدہ کر دیتا ہے۔ یہ فوج زیادہ تر ایسے افراد پر مشتمل تھی جو بہ جبر اپنے دوسرے کاروبار سے چھڑا دیئے گئے تھے۔ علاوہ بریں نرمل کا دیس پانڈیہ سوریا راؤ نے بھی بغاوت کر دی تھی، نیز سلطنت کے مالیات بھی ابتر حالت میں پہونچ چکے تھے، خود فوج کی تنخواہ بھی ادا نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح مرہٹوں کے مقابلہ میں نواب صلابت جنگ کچھ زیادہ قوی نہیں تھے۔ مرہٹوں کی فوج میں زیادہ تر ایسے ہی افراد شامل تھے جو اصلی معنی میں سپاہی کہلائے جاتے ہیں۔ ان میں کافی جوش موجود تھا۔ اور بے غرتی کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دیتے تھے۔ سپاہیانہ خصائل ان کی طبیعت ثانیہ ہو چکے تھے۔ انھوں نے میدانِ جنگ میں پھُرتی، اپنے افسروں کے احکام کی فوری اطاعت اور بلا تاخیر حمل و نقل کا بہت اچھا مظاہرہ کیا۔

آصف جاہی سلطنت کے قابل افسر فوج، ابراہیم خاں گارڈی کو مرہٹوں نے پھسلا کر اپنی جانب کر لیا[۱]۔ اب ایسے کی خدمات بھی حاصل نہیں تھیں۔ اس طرح حکومت آصفیہ کے لئے ایک

---

[۱] Letters and Dispatches relating to the Battle of Udgir. [illegible]

محاصرہ کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ صورتِ حال یہ تھی کہ اگر مقابلہ کیا جائے تو کامیابی کی اُمید کم تھی۔ اس کے برخلاف اگر قلعۂ احمد نگر کا نقصان گوارا کرلیا جائے تو شمالی ہند کے معاصر حکمرانوں میں سُبکی ہوتی تھی۔ نواب صلابت جنگ اور نواب میر نظام علی خاں کی خودداری اس نقصان کو برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ اس پر خاموش بیٹھ رہنا وقار کے منافی تھا۔ غرض ان موانعات کے باوجود مقابلہ کی ٹھان لی گئی۔

اس موقع پر یہ تصریح بے محل نہیں کہ نواب میر نظام علی خاں کو اس وقت خود نواب صلابت جنگ پر بھی اقتدار حاصل تھا۔ اور کوئی شخص نواب میر نظام علی خاں سے اختلاف کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، وہی درحقیقت مقتدرِ اعلیٰ تھے۔ ان سے نواب صلابت جنگ کے روابط بھی نہایت مخلصانہ تھے۔ بہرحال دونوں بھائی پہلے بیدر کی جانب رہ سپار ہوئے۔ وہاں سے دھارور کی جانب روانگی عمل میں آئی۔ فوج کی تعداد صرف سات آٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ راج واڈے کا خیال ہے کہ دس یا بارہ ہزار کی فوج ساتھ تھی۔ اس کے مقابل حریف نے بے شمار سپاہی فراہم کئے تھے۔ پیدل، سوار اور توپخانہ وغیرہ سب جمع تھے۔[لہ] اس فوج میں مشہور لڑنے والے شریک تھے۔ کیا سپاہی اور کیا افسر سب جنگ و جدل کے ماہر اور تجربہ کار تھے۔ صرف بھونسلہ کے راجہ نے شرکت نہیں کی اور کسی خاندانی تنازعہ کو حیلہ قرار دے لیا۔[سہ]

پیشوا نے خود احمد نگر کی راہ لی، اور سداشیو راؤ نے جانب مشرق روانہ ہوکر بہادر گڈھ کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ نواب صلابت جنگ اور نواب میر نظام علی خاں کی آمد آمد کی خبر سداشیو راؤ کو ۱۷ دسمبر ۱۷۵۹ء کو معلوم ہوئی۔ اُس نے چند ہراولی دستے اس غرض سے روانہ کئے کہ نم بال کر کا مقابلہ کریں، اور اُس کے لشکر کو نواب میر نظام علی خاں کی فوج میں شامل ہوجانے سے روکیں۔ اِسی مقصد کے تحت سداشیو راؤ نے اپنی فوج کے چند دستے دن چور کرکے ہمراہ بھیجے۔ ان دستوں نے سرکارِ آصفیہ کی فوج کے سردار چندر سین جادھو کا مقابلہ کیا۔ اسی طرح انتاجی مانکسوار نے بھی آویزش پیدا کی جس میں مرہٹوں کے صرف دس آدمی ضائع ہوئے۔[سہ]

لہ راج واڈے کی تالیف بہ زبان مرہٹی Maratha Chaiti haschi Sadanay جلد اول صفحہ ۲۴۰

سہ Letters and Despatches relating to the Battle of Udgir صفحہ ۲۳

سہ سردیسائی کی تالیف بہ سلسلہ دفتر پیشوا نمبر ۲۵ صفحہ ۹

غرض ان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں آصف جاہی فوج کو مصروف کرکے ایک طرف اس کا وقت ضائع کیا گیا اور دوسری طرف سداشیو راؤ کو تیاری کے لئے مزید مہلت مل گئی اب وسواس راؤ کی فوج بھی آگئی۔ یہ فوج چالیس ہزار سواروں اور پانچ ہزار پیدل پر مشتمل تھی اب آصفیہ لشکر اوسہ سے چل کر اودگیر پہونچ گیا۔ مرہٹہ فوج میں لڑائی کے تمام انتظامات سداشیو راؤ کے احکام کے تابع تھے۔ ہر سردار فوج کو بلاکر نقشۂ جنگ سمجھایا جاتا۔ داماجی گیکواڑ اور ملہار راؤ نایک کو حکم دیا گیا کہ آصفیہ لشکر پر پیچھے سے حملہ کیا جائے[1] بابوجی نایک اور رگھوناتھ راؤ کو حکم ملا کہ سیدھے بازو پر حملہ کریں۔ یہی لوگ حملہ کی ابتدا کرنے پر مقرر ہوئے۔ حملہ کا وقت بتایا نہیں گیا البتہ یہ بات قطعی تھی کہ حملہ کسی چہارشنبہ کو شروع نہیں ہوگا۔ رگھوناتھ راؤ کے خیال میں چہارشنبہ کا دن مرہٹوں کے لئے مبارک نہیں تھا۔

بہرحال حملہ شروع ہوا تو اس طور پر کہ مرہٹہ فوج کی جانب سے تمام رات تیراندازی جاری رہی[2] توپ خانہ کی گولہ باری سے لشکر آصفیہ میں افراتفری پیدا ہوئی اور آدمیوں اور جانوروں کا نقصان ہوتا رہا[3]۔ اس موقع پر نواب میر نظام علی خاں نے روانگی کا قصد کیا۔ اس وقت ابراہیم گارڈی نے حملہ کردیا۔ ابراہیم گارڈی کو مرہٹہ فوج میں توپ خانہ کی افسری تفویض تھی۔ خوں ریز معرکہ جاری رہا، اور لشکر آصفیہ میں تقریباً ۱۵۰ گارڈی زخمی ہوئے، اور سات اعیان تصدق ہوگئے۔ نم بال کرکی مدد آنے سے نواب میر نظام علی خاں کی فوج ضغطہ میں پھنس گئی، اور خود ممدوح قلعہ اودگیر میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ حملہ آوروں نے قلعہ پر گولہ باری شروع کردی، جس کی وجہ سے قلعہ میں جگہ جگہ آگ لگ گئی۔ قلعہ نشین فوج نے حملہ کی شدت محسوس کرلی۔ مایہ کی بہتات اور لاشوں کی تعفن نے ہولناک سماں پیدا کردیا۔ غذا اور چارہ کا باہر سے اندر آنا مشکل ہوگیا۔ بہرحال نواب میر نظام علی خاں نے قلعہ نشین ہوکر مرہٹوں سے گفت وشنید شروع کردی، اور درویش خاں کو مرہٹہ کیمپ میں روانہ کیا۔ درویش خاں مھی پت رام کے ساتھ واپس آئے، اور دو گھنٹے گفتگو ہوئی۔ یہ گفت وشنید منقطع ہوگئی[4]۔

واضح ہو کہ مرہٹہ توپ خانہ سے بوقتِ واحد ۴۰ باڑھیں ماری جاتی تھیں، اس سے فوج کے بائیں بازو اور عقب کو بہت نقصان گوارا کرنا پڑا۔ رسد بھی بند ہوچکی تھی، بریں ہمہ نواب میر نظام علی خاں نے ایک آخری کوشش کرنے کا ارادہ کرلیا۔ صلح کی گفت وشنید منقطع جو ہوئی اس سے اس کوشش

[1] سردیسائی کی تالیف بہ سلسلہ دفتر پیشوا نمبر ۳ صفحہ ۹۔ [2] کتاب محولۂ سابق صـ ۵۳
[3] کتاب محولۂ صدر صـ ۶۱ [4] کتاب محولۂ صدر صـ ۳۶

میں بہت تقویت پیدا ہوئی۔ نواب نظام علی خاں کی فوج میں خطرہ جھیلنے، اور مرنے یا مارنے کی جو روح پیدا ہوئی وہ اس قدر قوی ثابت ہوئی کہ اس نے جارحانہ اقدام شروع کر دیا۔ فوج کی مکرر صف بندی ہوئی، سہراب جنگ اور تیغ جنگ کو سیدھے جانب مقرر کیا گیا، اور انھوں نے یک بیک مرہٹہ فوج پر حملہ کر دیا۔ مرہٹہ فوج کے سیدھے جانب، رگھوناتھ راؤ اور عقب پر گیکواڑ وغیرہ متعین تھے۔ توپ خانہ ان کی امداد کو موجود تھا۔ آصفیہ لشکر نے یک بیک ابراہیم گارڈی پر ہلہ جو بول دیا، اس سے گارڈی کے پیر اکھڑ گئے، گارڈی کے سات جھنڈے چھین لئے گئے، اور کافی آدمی مارے گئے۔ یہ دستے شکست کھا کر بھاگنے ہی کو تھے کہ مرہٹوں کے ایک نئے دستہ نے شوکت جنگ کی ماتحت فوج پر حملہ کر دیا، شوکت جنگ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ رگھوناتھ راؤ نواب میر نظام علی خاں کے قریب آدھمکا، زبردست معرکہ ہوا، اور آصفیہ لشکر کو سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ گیارہ ہاتھی اور ۱۵ توپوں پر مرہٹوں نے قبضہ کر لیا۔ غروب آفتاب تک لڑائی جاری رہی اور رات ہوئی تو لشکر آصفیہ واپس ہو گیا۔ یہ واقعہ ۲۱۔ جنوری کو پیش آیا۔

اب پھر نواب میر نظام علی خاں نے راجہ پرتاپ ونت اور سہراب جنگ کے توسط سے صلح کی گفت و شنید شروع کی[۵] مختصر الفاظ میں یہ کہ نواب میر نظام علی خاں نے مرہٹوں کے مطالبات منظور کر لئے۔ مرہٹوں نے عہد نامہ کی تکمیل اس طرح کی کہ اس کو بمشکل پر عظمت کہا جاسکتا ہے۔ قلعہ دولت آباد نیز اسیر گڈھ، برہان پور، مول اور بیجاپور مرہٹوں کے سپرد کر دئے گئے۔ نیز ۴۵ لاکھ اور ۱۵ لاکھ کی دو جاگیریں چوتھ کے مطالبہ میں دی گئیں۔ احمد نگر پر قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔

ملک کی سپردگی جو عمل میں آئی اس کے لئے سداشیو راؤ نے چار علحدہ علحدہ سندیں مرتب کیں[۵۲]۔

۱۔ خود اپنے نام سے	۱۹۰۴۹۹	روپے
۲۔ پیشوا کے دوسرے فرزند کے نام سے	۲۰۴۴۱۲۵	"
۳۔ پیشوا کے چوتھے فرزند کے نام سے	۳۵۲۴۷۱	"
۴۔ نام معلوم نہ ہو سکا	۴۹۲۲۹۴	"

کوئی شبہ نہیں کہ اس ملک کو پیشوا کے سپرد کر دینے کا وعدہ کیا گیا، لیکن شیورام اندرام

[۵] Letters and Despatches relating to the Battle of Udgir ۵۵ و ۵۶ اور ۵۷

[۵۲] گرانٹ ڈف

نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۶- فروری ۱۷۶۰ء موسومہ بھاؤ میں لکھا ہے کہ وہ نظام علی خاں کے کیمپ میں گیا تھا، وہاں مرہٹہ مخبر کہانداجی نارائن سے ملاقات ہوئی۔ کہانداجی نے کاتب (شیو رام) سے دریافت کیا کہ آیا نواب میر نظام علی خاں اپنے حالیہ قول و قرار کو پورا کریں گے یا نہیں؟ جواب یہ تھا کہ نواب ممدوح مکر و حیلہ کے عادی ہیں، کوئی مشکل آپڑے تو جو کچھ مطالبہ کیا جائے اس کے مطابق وہ لکھ دیں گے لیکن شاذ و نادر ہی وہ اپنے قول و قرار کو پورا کرتے ہیں۔ اس مکتوب میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ نواب میر نظام علی خاں نے ملک تفویض کرنے کا وعدہ محض اس لئے کیا کہ اس وقت جو مشکل آپڑی تھی، اُس سے خلاصی مل جائے۔ لیکن بالآخر وہ کچھ دینگے دلائیں گے نہیں۔ ان تمام وعدوں کے باوجود نواب میر نظام علی خاں بسالت جنگ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ تاکہ مرہٹوں کو جو ملک دیا گیا تھا، اور جس ملک کا وعدہ کیا گیا تھا وہ سب واپس حاصل کر لیں۔ انھوں نے جمنا ونکیٹ راؤ اور کان گلا جیسے مرہٹہ سرداروں کو استمالت بھی دلایا۔ بسالت جنگ نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ الند اور گنجوٹی کو تباہ کر دیں۔ نواب میر نظام علی خاں نے جادھو چندرا کو ایک ہاتھی بھی تحفہ کے طور پر ارسال کیا۔

بہر حال اودگیر کے معرکہ میں حکومت آصفیہ کو کامیابی جو حاصل نہیں ہوئی اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) مرہٹہ فوج ساز و سامان سے اچھی طرح لیس تھی، اسلحہ اور دوسرے کارآمد ذخائر وافر مقدار میں موجود تھے

(۲) مرہٹہ فوج میں جو لوگ شامل تھے وہ بہت زیادہ تربیت یافتہ تھے اور اس کی رہبری ایسے افراد کر رہے تھے، جو تجربہ اور فوجی مہارت میں ممتاز اور سربلند تھے۔ مثلاً ابراہیم گارڈی، رگھوناتھ راؤ وسواس راؤ، بلونت راؤ، پٹ وردھن۔ داماجی گیکواڑ۔ نانا فرنویس وغیرہ۔ سداشیو بھاؤ کے ذمہ کمانڈر ان چیف کے فرائض تھے۔ اس کے مقابل سرکار آصفیہ کی فوج کے پاس ساز و سامان قلیل تھا اس کے افسر معمولی قابلیت کے تھے اور اسکا کوئی خاص اور قطعی پروگرام نہیں تھا۔

(۳) سرکار آصفیہ کی فوج کو تنخواہیں بھی کم دی جاتی تھیں۔ عموماً سرکش جاگیرداروں نے یہ حالت پیدا کر دی تھی حالات اس وجہ سے اور زیادہ ابتر ہو گئے تھے کہ اس زمانہ میں قحط سالی بھی ملک میں رونما ہوئی تھی علاوہ ازیں ابراہیم گارڈی نے حق نمک فراموش کر کے مخالفوں سے ساجھا کر لیا۔ فقط

Letters and Dispatches relating to the Bottle of Udgir ص ۵۷ و ۵۸

سائنسی تحقیقات کے طریقے

از جناب مولوی محمد عبدالرحمن خاں صاحب صدر وظیفہ یاب کلیہ جامعہ عثمانیہ

سائنس کے مختلف شعبوں کے لئے تحقیقات کے طریقے بھی مناسبت حالات کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ سائنس زیادہ تر ایک عملی علم ہے لیکن اس میں نظریہ اور جدت تصور کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ تحقیق عملی ہو کہ نظری، محقق کو اپنے فن سے متعلق نہ صرف اپنے پیش رووں کے اکتشافات سے پوری پوری واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ بلکہ اپنے جدید تصورات و تخیلات کی تشکیل و ترتیب میں اس کو محویت کی حد تک انہماک کے ساتھ کام کرنا ناگزیر ہے۔ یہ انہماک محقق کی طبیعت میں ازخود پیدا ہوتا ہے۔ اٹھتے، بیٹھتے، بظاہر بیکار ہو کہ مصروف کار حتیٰ کہ نیند میں بھی اس کو منصوبوں اور مفروضوں کی فکر رہتی ہے۔ اسی انہماک کی وجہ سے بعض اوقات نیند میں بھی اس کا دماغ کام کئے جاتا ہے۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مفکر کسی مسئلہ کے حل میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ اس کا دماغ عالم خواب میں عالم بیداری کے نامکمل کام کی ازخود تکمیل کر دیتا ہے۔ ریاضی کے بعض پیچیدہ مسائل محققین نے عالم خواب میں حل کئے ہیں۔ المامون اور المتوکل کے موسیقی رفیق اسحق ابن ابراہیم الموصلی خود ابراہیم اور اُن کے تلمیذ زریاب کی نسبت مشہور ہے کہ جب کبھی وہ کوئی غیر معمولی سُریلی راگنی تیار کرتے تو ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نیند میں ان کو کسی جن نے یہ راگنی سکھائی۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ان کا بے قرار دماغ حالتِ خواب میں بھی غیر محسوس طریقہ پہ کام کئے جاتا تھا۔ جو نکات بیداری کے عالم میں بیرونی مخل اثرات کے تحت ان کے دماغ کی گرفت میں نہ آسکتے تھے نیند کی پُرسکون فضا میں وضاحت کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے تھے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو واقعات ایک معمولی انسان کو حقیر یا ناقابل توجہ معلوم ہوتے ہیں، سائنس کا شیدائی ان کو دلچسپی سے مملو اور انتہائی اہمیت کے حامل تصور کرتا ہے۔ ہزاروں آدمیوں نے درخت سے سیبوں کو ٹوٹ کر گرتے دیکھا ہوگا۔ لیکن ایک سیب کو گرتا دیکھ کر نیوٹن نے کلیۂ تجاذب کا راز دریافت کر لیا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ایک زمانہ میں نیوٹن کلیاتِ حرکت کی تلاش میں شب و روز مصروف تھا۔ سکون سے حرکت اور حرکت سے سکون کی پیدائش کا اصلی سبب معلوم کرنے کے لئے اس کا دماغ خود بخود گویا کہ

غیر ارادی طور پر برسرِ عمل رہتا تھا۔ جب اپنے باغ میں درخت کے نیچے بیٹھ کر سیب کو گرتے دیکھا تو فوراً اسکو غیب سے اشارہ ہوا کہ سیب کے گرنے کا باعث زمین کی کشش ہے اور بس۔

سائنس کی تحقیقات میں محنت اور ریاضت کو بھی بہت دخل ہے لیکن اس محنت کا محرک مجبوری نہیں بلکہ شوق اور وارفتگی ہے۔ سر ولیم ہرشل نے اپنے اسی شوق کی بدولت بغیر کسی بیرونی اثر کے ایک شیدائی کی طرح اپنی عمر کے آخری دور میں ستاروں کے خوشوں اور لمبی سحابیوں کا تقریباً ہر شب مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ کے بغیر اس کو سکونِ قلب نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اگر کبھی سونا بھی چاہتا تو نیند نہیں آتی تھی تاوقتیکہ آسمان کے کسی باقی ماندہ رقبہ کا اپنی خود ساختہ دوربین سے جائزہ نہ لے لیتا۔ اس کا یہ دعویٰ کہ کائنات کی گہرائیوں میں اس سے قبل کسی شخص کی آنکھ نے اتنی دور تک پتہ نہ چلایا بالکلیہ صحیح تھا۔ چنانچہ جب وہ مرگیا تو انہی واقعات کو پیش نظر رکھ کر قدردان قوم اور حکومت نے اس کے مزار پر لاطینی زبان میں یہ کتبہ نصب کرایا کہ "اس نے فضائے سماوی کے حدود توڑ دیئے"۔

کچھ ہی عرصہ ہوتا ہے کہ امریکہ کی مشہور ہیئت دان مس اینی کینن نے جس کا حال میں انتقال ہوا، پچیس لاکھ سے زیادہ کوکبی طیوف کے فوٹو گراف معائنہ کرکے ان کی درجہ بندی کی جس کی وجہ سے ستاروں کی اندرونی حالت کے متعلق حیرت انگیز انکشافات قلمبند کئے جا سکے جو آگے چلکر اجرام سماوی کے ارتقا کی سراغ رسانی میں نہایت مفید و کارآمد ثابت ہوئے۔

ابتدائً سائنسی تحقیقات کے لئے محض علمی مشاہدہ کافی تھا۔ روزمرّہ زندگی کے مظاہر کو تحقیق کی نظر سے دیکھکر اور ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ کے ساتھ مربوط کرکے متقدمین نے بے شمار نئی باتیں دریافت کیں۔ مشاہدہ دراصل فطرت کے طبعی تجربوں کا مطالعہ اور معقول استدلال کے ذریعہ ان کے نتائج کی دریافت ہے۔ مبادیات کے محقق کے لئے کافی ہے کہ مظاہر فطرت کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور ان کے متعلقہ جملہ واقعات کو ترتیب وار قلمبند کیا جائے۔ جب یہ ابتدائی دور گزر گیا تو مظاہر فطرت کے باہمی تعلقات اور پوشیدہ اسباب کے سمجھنے کی غرض سے بعد کو آنے والے محققین کے لئے ضروری ہوا کہ اپنی طرف سے قدرتی واقعات کے مماثل حالات پیدا کرکے (اور جہاں تک ممکن ہو ان میں کسی قدر تغیر و تبدل کرکے) نئے اور پیچیدہ تر امور کا پتہ چلانے کی کوشش کی جائے۔ واضح ہے کہ انسان کے دستِ قدرت میں جو چیزیں آسکتی ہیں، ان پر ہی تجربہ کیا جا سکتا ہے۔ طبیعیات و کیمیا کے بیشتر مسائل اسی طرح ایسے ہی تجربوں کے ذریعہ حل ہو سکے۔ جو چیزیں انسان کی پہونچ سے باہر ہیں ان کے راز دریافت کرنے کے لئے محقق کو دوسرے طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ سائنس دان نہ کسی

ستارے کو اپنی جگہ سے ہٹا سکتا ہے اور نہ کسی جرم فلک کی حرکت میں رمق برابر تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں اس کو اپنی کمزور آنکھ کی بے بساطی اور محدود رسائی کا احساس زیادہ سے زیادہ طاقتور دوربینوں اور دیگر مناظری ساز وسامان مثلاً نئے قسم کی فوٹو گرافی کی تختیاں، باریک سے باریک تر پیمائشوں کے آلات وغیرہ ایجاد کرنے پر مجبور کرتا ہے

سورج گرہن کے وقت جہاں کہیں کسوف کامل رونما ہوتا ہے، وہاں ہیئت وطبیعیات کے محققین اپنے ساتھ آلاتِ مشاہدہ وپیمائش لیکر پہنچ جاتے ہیں۔ اور جونہی کسوف کامل کا وقت آجاتا ہے اور چند دقیقوں تک یہ کیفیت جاری رہتی ہے (جو کسی حالت میں خطِ استوا پر بھی سات منٹ ۴۰ سکنڈ سے تجاوز نہیں ہو سکتی) دوربینوں، طیف نگاروں اور فوٹو گرافی کے ساز وسامان کے ذریعہ متعلقہ مظاہر مثلاً آفتاب کے قرن اس کی پیٹوں اور قرب وجوار کے ستاروں کی ظاہری وضعوں وغیرہ کا ریکارڈ حاصل کر لیتے ہیں۔ ان مظاہر فطرت سے متعلق اب تک جو بھی تحقیقات ہوئی ہے انہی چند دقیقوں کی مجموعی اور شاید نصف ساعت سے کچھ ہی زیادہ مدت کے محصلہ مطالعات کا نتیجہ ہیں۔

انہی ریکارڈوں کی دقیقہ رس پیمائشوں سے پتہ چلایا گیا کہ آفتاب کے ضیائی کرہ کے آس پاس کونسی گیسیں کس حالت میں ہیں۔ عرصہ دراز تک سمجھا گیا تھا کہ بعض خطوط جو شمسی قرنوں کے طیوف میں دکھائی دیتے ہیں کسی غیر معلوم یا نئے عنصر سے متعلق ہیں۔ مگر مسلسل اور ان تھک کوششوں کے بعد بالآخر پتہ چلایا گیا کہ یہ خطوط کسی نئے عنصر سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ آکسیجن وغیرہ جیسی عالمگیر گیسوں کی غیر معمولی حالت کا نتیجہ ہیں۔

مائیکل فیراڈے نے جب طبیعیات اور کیمیا کے پوشیدہ اسرار کو بے نقاب کرنے کا تہیہ کیا تو اس کو کچھ تو خود اس کے محدود سائنٹفک معلومات اور ریاضی وانجینیری سے ناواقفیت کی وجہ سے نہایت ہی سادہ آلات اور آسان طریقوں سے مدد لینا پڑا۔ رائل انسٹی ٹیوشن لندن کے مشہور تجربہ خانہ میں اس نے اپنے حیرت انگیز انکشافات سے متعلق جو آلات استعمال کئے تھے میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ان کا بغور مطالعہ کیا۔ ان میں کوئی بھی ایسا سامان نہ تھا جو ایک معمولی صناع ایک چھوٹی سی رقم صرف کر کے نہ بنا سکتا۔ مگر حیرت کا مقام ہے کہ انہی آلات سے فیراڈے نے برقی انجینیری اور مصنوعی مقناطیس وغیرہ کے حالیہ مشہور علوم وفنون کی فلک بوس عمارتوں کا سنگ بنیاد قائم کیا۔

ادبیات کے ایک انگریز پروفیسر نے ایک علمی صحبت میں مجھ سے سوال کیا کہ کیوں ان دنوں سائنٹفک تحقیقات کے لئے لاکھوں روپیہ کی ضرورت بتائی جاتی ہے، حالانکہ فیراڈے نے بہت ہی کم دام خرچ کر کے

حیرت انگیز انکشافات شائع کئے۔ میں نے انھیں جو جواب دیا ایسے تمام سوالوں کا جواب ہو سکتا ہے وہ یہ کہ زر و جواہر کے متلاشی جب پہلی مرتبہ کسی نئے معدن کے منہ پر پہنچتے ہیں تو انھیں ان کے قابل قدر اشیا سطح زمین پر ہی بلکہ ان کی ٹھوکروں میں مل جاتی ہیں۔ اس لئے کہ ان سے پہلے کسی نے وہاں قدم نہ رکھا تھا۔ جب یہ اشیاء اٹھا لی جاتی ہیں تو بعد میں آنے والوں کو زمین کے اندر چھپے ہوئے طبقات کی خبر لینی پڑتی ہے۔ ان کو کھود کر دیکھنے کے بعد ہی کوئی قیمتی شئے مل سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دنوں ہٹی میسور وغیرہ کے معادن سے سونا نکالنے کے لئے ہزاروں فٹ سطح زمین کے نیچے پہنچ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ یہی حالت کمبولی جنوبی افریقہ وغیرہ کے ہیرے کے کانوں کی ہے۔ مشہور شعر

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

نہ صرف شاعرانہ تصورات و صنائع و بدائع کے لئے صحیح آتا ہے، بلکہ متمدن دنیا کی ہر جدید تحقیق کے لئے صادق ہے، خواہ وہ سائنس و ریاضی سے متعلق ہو یا معدنیات و جغرافیات سے۔

اس زمانہ میں بڑی سے بڑی طاقت کی دوربین بغیر ہیئت میں کوئی انقلاب انگیز انکشاف سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ماؤنٹ ولسن کی ایک سو انچ سوراخ والی دوربین سے اب تک بہت کام لیا گیا اس کی پہنچ فضا کی جس گہرائی تک ممکن تھی وہاں تک مشاہدات کئے گئے۔ یونہی سحابیہ اسمر دوربین میں حساس فوٹوگرافی کے ذریعہ منفرد ستاروں میں تحلیل کر دئے گئے۔ حتی کہ مرکز کی گنجان فضا میں بھی بالائی سرخ فوٹوگرافی کی مدد سے ایک ستارہ دوسرے سے جدا کیا گیا۔ گزشتہ چند سال میں علم کے شیدائیوں، آلات سائنس کے موجدوں اور ان کے مددگار معاون علم دوست دولتمندوں نے ماؤنٹ پالومر پر دو سو انچ سوراخ والی دوربین کھڑی کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ بعد از جنگ جب اس دیوہیکل آلہ سے کام لیا جائے گا تو کیسے نہ جیسے راز کائنات کی ساخت اور ارتقاء کی نسبت بے نقاب کئے جائیں گے۔

دور حاضر کے طبیعیات کے تجربی آلات کی تیاری اس قدر پیچیدہ ہو گئی ہے، اور ایسے طاقتور برقی مورچے، ڈائنامو اور مقناطیسی میدان وغیرہ استعمال کئے جا رہے ہیں کہ ان کا لوہا تانبا اور دیگر سامان ایک چھوٹے جنگی جہاز کے وزن کے برابر پہنچ جاتا ہے۔ ملین وولٹ الکٹرون کے ذریعہ جوہر کی شکست و تعمیر کے لئے جو سائکلوٹرون بنائے جا رہے ہیں ان پر ایک چھوٹے شہر کی سالانہ آمدنی سے کم روپیہ نہیں صرف ہوتا ہے۔

لیکن یہ سمجھنا انتہا درجہ غلطی ہو گی کہ ان دنوں لاکھوں روپیہ خرچ کئے بغیر یا شاندار عمارتوں

اور بیش قیمت آلات کے بغیر کوئی بلند پایہ تحقیقاتی کام ہو نہیں سکتا۔ بے شمار چیزیں اب بھی معمولی انسان کی نظر سے اوجھل پڑی ہیں جن کو چشم بینا والا مبصر خالی آنکھ ہی سے دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ ان میں کیا ندرت ہے۔ شوقِ عمل اور جذبۂ تحقیق ماہرِ فن کو کسی نہ کسی ذریعہ سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب کرا دیتا ہے۔

متعدد ممالک کے تجربہ خانے آجکل قبرستانوں کی طرح سنسان پڑے ہیں۔ محض عالی شان عمارات اور قیمتی آلات سے کام نہیں ہو سکتا۔ ان کے پیچھے ایسی اولوالعزم ہستی کی بھی ضرورت ہے جس کی جادو اثر تعلیم و تربیت ایک مبتدی کو بھی تحقیق و تجسس کا دلدادہ بنا دے۔ ۱۹۲۷ء میں جبکہ میں نے جامعۂ عثمانیہ کی طرف سے لندن کے ایک علمی جلسہ میں نمایندگی کی، مجھے کیمبرج کی کیونڈش لیبوریٹری دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس دن کسی وجہ سے صدر لیبوریٹری لارڈ رورفرڈ وہاں موجود نہ تھے۔ ان کے مددگار ڈاکٹر شیڈوک نے جو بعد کو نیوٹروں کا پتہ چلا کر نوبل لاریٹ منتخب ہوئے لیبوریٹری بتاتے ہوئے مجھ سے کہا کہ ان کا معمل اس وقت دنیا کے بعض تجربہ خانوں سے وسعت اور شان و شوکت میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر لارڈ ردرفرڈ کا وجود دنیا کے مشہور اساتذہ کو وہاں کسی نہ کسی مدت کے لئے کھینچ لاتا ہے۔ یہ ایک امر واقعی تھا اس سے کس کو انکار ہو سکتا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگرچہ مجھے لارڈ ردرفرڈ کی شاگردی کا اعزاز حاصل نہ تھا۔ تاہم میں نے دُور ہی سے ان میں ایک ایسی خوبی دریافت کی جو تمام محققین کے لئے سبق آموز ہو سکتی ہے وہ ان کی منکسر المزاجی اور ان کے ہم پیشہ اساتذہ بلکہ طلبہ کے ساتھ دلی ہمدردی تھی۔ جس کی وجہ سے ہر شخص ان کی طرف کھنچا چلا آتا تھا۔

تحقیقات خواہ خالص سائنس سے متعلق ہوں یا اطلاقی سائنس سے۔ ان کا تعلق صنعت و حرفت سے ہو یا زراعت و فلاحت سے۔ ہمارے پیش کردہ خیالات ان سبھوں کے لئے صادق ثابت ہوتے ہیں۔

(یہ تقریر نشرگاہ حیدرآباد سے ۲۵ خورداد ۱۳۵۴ف کو نشر کی گئی تھی)

وقت کا تقاضا اور حیدرآبادی نوجوان

از جناب مولوی محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب صدر وظیفہ یاب کلیۂ جامعہ عثمانیہ

اس تقریر کا عنوان وقت کا تقاضا اور حیدرآبادی نوجوان ہے۔ ہم پہلے ہی سے یہ ظاہر کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ تقاضا وقت کے یہ معنی نہیں کہ مجبوری خواہ کیسی ہی ہو راستے سے ذرا بھی انحراف کیا جائے حکمت عملی مصلحت وغیرہ الفاظ ابتداء بہت اچھے معنوں میں استعمال ہوتے تھے۔ ان کی غلط تاویل کرکے بعض انشاپردازوں نے ان کا برا مفہوم پیش کیا۔ اگر برائی کی قوتیں زبردست ہوں تو کبھی یہ طریقہ سود مند نہیں ہوسکتا کہ تھوڑی دیر کے لئے بھی ان کا ساتھ دیا جائے برائی کی رفاقت بالآخر برائی ہی پیدا کرتی ہے۔ معدودے چند کوتاہ نظر اشخاص کا عارضی مفاد ایک بڑی جماعت کو مستقل نقصان پہنچاتا ہے۔

دنیا کا کوئی نظام دیانت و راست بازی بغیر زیادہ مدت تک قائم نہیں رہ سکتا۔ بنی نوع انسان کا فریضہ ہے کہ اس عالمگیر سچائی کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر کسی بھی کام کے لئے قدم اٹھائیں۔ اکثر برائیاں نادانستہ غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہر چیز کے حسن و قبح پر کافی غور کرنے سے غلط فہمی کا ازالہ ہوسکتا ہے اور اس طرح برائی کا سدباب ہوجاتا ہے۔

حیدرآبادی نوجوان سے ہمارا مفہوم ملک کا ہر وہ نوجوان ہے جو اس ملک میں پیدا ہوا یا پرورش پارہا ہے ہمارا روئے سخن زیادہ تر تعلیم یافتہ یا تعلیم پانے والے نوجوانوں کی طرف ہوگا اس لئے کہ ملک کی خدمت دراصل انھیں کے ہاتھ میں ہے یا آئندہ ہوگی اس جماعت میں ہر مذہب و ملت کے نوجوان مرد و زن۔ خواہ دولتمند طبقہ کے ہوں یا متوسط یا غریب شامل ہیں۔ ان سب کا یہ نصب العین ہونا چاہیے کہ راست بازی اور دیانت داری کے اصول پر کاربند رہ کر دنیا کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کریں مخالف قوائے فطرت اور آفات سماوی کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کریں تاکہ سب لوگ حتی الامکان امن اور خوشحالی کی زندگی بسر کرسکیں۔

اس نصب العین کے بموجب کامیابی کے ساتھ عمل کرنے کے لئے سب سے پہلے پاکیزہ ذہنیت کی ضرورت ہے اور پھر باہمی اتحاد کی۔ پاکیزہ ذہنیت ہی سے ہر متنفس کو اس بات کا احساس ہوسکتا ہے کہ ملک کی فلاح و بہبود اس کا اولین فریضہ ہے ملک و مالک کی وفاداری کے بغیر یہ فریضہ ادا نہیں ہوسکتا۔ مذہب و ملت اور معاشرتی اختلافات خواہ کچھ ہی ہوں وفاشعاری ناگزیر ہے۔

دنیا کی تاریخ سے واضح ہے کہ کوئی ملک ایک ہی مذہب و ملت کا ہو نہیں سکتا۔ ملک و مالک

کے ساتھ وفاداری کا احساس صحیح قومیت کا سچا ترجمان ہے یوں تو ہر متمدن ملک قومیت کے اس تصور کی
بدولت قائم و برقرار ہے اور روما کی شہنشاہی جب تک قائم رہی اسی تصور پر قائم رہی۔ ہمارے لئے تاریخ
کی روشنی میں فرانسیسی قومیت کے ارتقا کا مطالعہ نہایت سبق آموز ثابت ہوگا قرون وسطی سے لیکر سترھویں
صدی تک کے فرانس کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح مختلف اقوام ایک ملک کے حدود میں جمع ہو کر ایک
بادشاہ یا بادشاہی خاندان کے زیر سایہ ایک ذہنیت پیدا کر سکے اور بتدریج ایک زبردست اسٹیٹ اور قومیت
کی غیر متزلزل بنیاد قائم ہو سکی۔

شارلمین کے مرنے کے بعد جب کارولنجین حکومت ٹوٹ گئی اور بالآخر پیرس کا کاونٹ ہوکیپٹ
۹۸۷ء میں بادشاہ منتخب ہوا تو اس کی تاج پوشی کی رسم جیسا کہ تاریخ کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے۔
کال، برٹین، اوین اکوسٹی۔ گوتھ، جیلس اور کیلٹن قوموں کے بادشاہ کی حیثیت سے منائی گئی۔ مفاد باشندگان
کے احساس اور شوق اتحاد نے ان تمام مختلف اور زمانہ ماسبق کے باہم دیگر برسر پیکار اقوام کو ایک اسٹیٹ
اور فرانسیسی قومیت کے رشتہ میں منسلک کر دیا۔ لوئی ششم ۱۱۰۸ء تا ۱۱۳۷ء اور اس کے بعد فلپ
دوم اگسٹس کی بادشاہت (۱۱۸۰-۱۲۲۳) اور پھر لوئی نہم (۱۲۲۶-۱۲۷۰) کے زمانہ میں فرانس اس قدر
متحد اور یکدل و یکزبان ہو گیا کہ چودہویں صدی کی صد سالہ جنگ کی شکست و ریخت کے باوجود اس کی
وحدت برقرار رہی اور لوئی چہاردہم کے عہد حکومت (سنہ ۱۶۴۳-۱۷۱۵) میں اس کی بعض ہنگامہ خیز کمزوریوں کے
ہوتے ہوئے فرانسیسی بادشاہت کے ساتھ ساتھ فرانسیسی قومیت بھی معراج کمال کو پہنچ گئی۔ لوئی چہاردہم کے
عہد کی نسبت والٹیر کی طرح مورخ نقادان تاریخ کی رائے میں انتہا واقعات متصور ہے۔
سبا مبالغہ نہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ فرانس کا رقبہ بھی تقریباً حیدرآباد و برار کے رقبہ کے برابر ہے۔

نوجوانان حیدرآباد کو چاہیے کہ تاریخ عالم کے ساتھ فرانس کے روشن عہد کا بغور مطالعہ کریں اور کوشش کریں کہ
حیدرآباد اور سلطنت آصفیہ دنیا کے بہترین ممالک کی طرح متحد و متمدن مرفہ الحال و علمبردار امن و انصاف بن
جائے جب اتحاد دلی قائم ہوتا ہے تو علم و ہنر کا اکتساب نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ مخالفت کی جگہ مسابقت رونما
ہوتی ہے تحقیق و تجسس کے راستے کھل جاتے ہیں اور صنعت و حرفت، تجارت و زراعت و فلاحت کو دن دونی رات
چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ قومیت کے تصور نے پہلے دنیائے اسلام کے ابتدائی درخشاں دور کی طرح عیسائی یورپ کا دور
پاپائیت بھی اتحاد بنی نوع انسان کا باعث ثابت ہوا تھا لیکن بعض ممالک میں صنعت و حرفت کی اچانک ترقی اور
مال و دولت کی زیاد از قیاس افراط کی وجہ سے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خود مذہب کے بعض
بعد کو آنے والے خدمت گزاروں کی ناعاقبت اندیشی اور تنگ نظری کی وجہ سے دنیا ایک مذہبی رشتہ میں زیادہ وحدت

تک منسلک نہ رہ سکی۔ اور قومیت کے اثرات قوت پکڑنے لگے۔ جدید یورپ اور ایشیا کی حالیہ تمدنی و سیاسی تشکیل انہیں اثرات پر مبنی ہے۔

ہمیں اب اس دنیا کے اندر رہ کر عدل و انصاف اور امن و راحت پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے اگر نوجوان نیک نیتی کے ساتھ کمر ہمت چست باندھ لیں اور میدان عمل کے بوڑھے سورماؤں کے تجربات و انکشافات کو پیش نظر رکھ کر کام کریں تو یقین کامل ہے کہ ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔ شعر۔ ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد۔ اگر خارے بود گلدستہ گردد۔

جب تعلیم عام ہو کر ہر شخص نیک و بد میں صحیح امتیاز کریگا۔ تو خدمت خلق کا جذبہ بھی اس کے دل میں موجزن ہوگا اس کو بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ زندگی کا حقیقی مقصد محض ذاتی یا خاندانی دولت یا چند روزہ فرضی حکومت حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ کمزوروں اور بدنصیبوں کی امداد و معاونت بھی اسکا لازمی فریضہ ہے۔ قانون فطرت کا مشاہدہ چشم بینا کو صاف بتاتا ہے کہ انسان کے اندر دل و دماغ کی قابلیت یا جسمانی صحت و قوت جو وہلہ اول میں وہ فطرت ہی کا عطیہ ہے۔ خوش نصیبوں کو پیدائش کے وقت زیادہ مل جاتا ہے۔ بدنصیبوں کو کم اس نامساوی تقسیم کے اسباب بے شمار ہیں لیکن بڑی حد تک سمجھ میں آسکتے ہیں بعض اہل الرائے کا تو یہ خیال ہے کہ انسان کی تخلیق اس غیر مساوی تقسیم عطیات فطرت کے اثرات کو آزمانے کے لئے عمل میں آئی۔ شعر

مقصود زندگی عمل صالح است و بس ۔ شادی و غم سیاست نفس است و امتحان

نوجوانوں کو ایک ایسی عمر میں تعلیم گاہوں کی بابرکت فضا کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر قدرت کے خزانوں سے علم و ہنر کا مال و متاع حاصل کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ جو دوسری عمر والوں کو نصیب نہیں ہو سکتا اس لئے ہر زمانہ اور ہر ملک میں عمل کے علمبردار اور تعلیم یافتہ نوجوان ہی رہے ہیں۔ اور سابق نوجوانوں اور حالیہ بوڑھوں کے سبق آموز تجربوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ہمیں توقع ہے کہ متذکرہ بالا حالات و تاثرات کے تحت حیدرآباد کے جملہ نوجوان ملک کے دیرینہ روایات عدل و انصاف کو مزید رونق بخشیں گے۔ اور مدارس اور جامعہ عثمانیہ سے علم و ہنر کے دریا بہا کر ساری دنیا کے لئے ہمارا ملک امن و راحت صداقت و دیانت کی ایک بہترین مثال قائم کر لیگا۔ فقط

(یہ تقریر اورنگ آباد کی نشرگاہ سے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے موقع پر نشر کی گئی تھی۔)

دارالعلوم قدیم و جدید

(از جناب مولوی فاضل منشی فاضل ابوطیب محمد یحییٰ صاحب منصف وظیفہ یاب)

(یہ نظم بتاریخ ۱۲ ذی حجہ سنہ ۱۳۶۲ھ جشن نود سالہ دارالعلوم کے اجلاس سوم میں جو بصدارت نواب ناظر یار جنگ بہادر منعقد ہوا تھا اور جشن مذکور کے فارسی مشاعرہ میں جو بتاریخ ۱۷ ذی حجہ سنہ ۱۳۶۲ھ بصدارت نواب ظہیر یار جنگ بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا۔ پڑھی گئی۔)

صد ہزاراں لالہ و گل ہر چمن پیدا کند
ایں چنیں دارالعلومے کے دکن پیدا کند

صاحبانِ علم و فضل و خادمانِ ملک و قوم
آں چناں افراد کے دیگر وطن پیدا کند

نے مواجب بیشتر بود و نہ موٹر نے مکاں
کیں چنیں اسبابِ کبرِ خویشتن پیدا کند

مزدِ شاں اخلاص بود و خلقِ شاں خلقِ عظیم
حاصلِ علم آنکہ اخلاقِ حسن پیدا کند

شفقت از استاد و از شاگرد ادب آں کیمیاست
قطرۂ خوں نافۂ مشکِ ختن پیدا کند

میدہد خورشید آب و خاک را آں تربیت
پرتوش در از عدن لعل از یمن پیدا کند

شانِ استاد است مثلِ شمع اندر انجمن
شمع بگدازد ضیا در انجمن پیدا کند

از پئے تاثیر باید گرمیِ سوز دردل
تا زبانِ شعلہ بار اندر دہن پیدا کند

تا نباشد سوزِ الفت نغمہ باشد بے اثر
نغمۂ بلبل کجا زاغ و زغن پیدا کند

مدرسہ بگذاشتہ بگذشت سی و ہشت سال
یادِ استادانِ ما در دل حزن پیدا کند

گرچہ نامش ہست لیکن نیست آں دارالعلوم
در علومِ مشرقی ارباب فن پیدا کند

ہست یک فوقانیہ اکنوں بجائے کلّیہ
ایں تنزّل کے ترقّی در وطن پیدا کند

گرچہ شد بیشی بہ اسٹاف و گراں شد ماہوار
لیکن ارزانی کجا در علم و فن پیدا کند

گرچہ می جوشد بہ یونیورسٹی صہبائے علم
ایں شرابِ نو کجا کیفِ کہن پیدا کند

گرچہ ڈگری ہا ہمی یابند طلّابِ علوم
عزِ دستارِ فضیلت کے گُوَن پیدا کند

دست و پا سیمیں و نازک چشمہا بر چشم ہا
از کجا فولاد بازو صف شکن پیدا کند

فطرتِ ہر دو جدا و کارِ ہر دو ہم جدا
کے مساواتے میانِ مرد و زن پیدا کند

پس ہمیں باید جدا تعلیمِ نسوان و ذکور
اختلاطِ نفت و آتش سوختن پیدا کند

کاروانِ علم اگر مخلوط باشد خطرہ است
در طریقِ رہنمائی راہزن پیدا کند

مذہبی تعلیم لازم باید اندر مدرسہ
تا تمیز اندر خدا و اہرمن پیدا کند

درمیانِ سُبحہ و زُنّار باید رشتۂ
ارتباطے تا بہ شیخ و برہمن پیدا کند

حاصلِ تعلیمِ مشرق ہست جانِ زندگی
حاصلِ تعلیمِ مغرب قوتِ تن پیدا کند

پُر کند آجر ازاں قعرِ جحیمِ بطنِ خویش
آنچہ مزدورِ گرسنہ از محن پیدا کند

کارگاہاں را بسوزد آتشِ جوعِ اجیر
ایں چنیں سرمایہ داری صد فتن پیدا کند

شیوۂ مشرق بود تعدیلِ آجر با اجیر
اعتمادِ ہر دو باہم حسنِ ظن پیدا کند

اہلِ مشرق را نہ زیبد طرزِ مغرب زینہار
کاں رُباید خلقِ نیک و مکر و فن پیدا کند

جادۂ مغرب کجا بر منزلِ مشرق برد
حُبِّ ملکِ غیر کے حبِّ وطن پیدا کند

تا قیامت مطلعِ خورشید مشرق بودہ است
چوں ز مغرب سر زند حشر آں زمن پیدا کند

شاہِ عثماں زندہ باد و ملکِ شاں آزاد باد
اُسوہ ہائے مشرقی از ہر سخن پیدا کند

حرزِ جاں باید نمود اندر زنیکِ شاہ را
کو ز فیضِ خویش گلہا از دمن پیدا کند

گوشمال آخر شود دستِ نوازش ساز را
نغمۂ از مضرابِ تار و ایلن پیدا کند

خوش اثر فرہود پندِ خسروِ شیریں مقال
جوئبارِ شیر ضربِ کوہکن پیدا کند

سالہا بگذشت طیّب شاعری بگذاشتہ
پس چساں در شعرِ خود لطفِ سخن پیدا کند

ایک مولوی فاضل کی سرگزشت

(از جناب مولوی فاضل منشی فاضل ابو طیب محمد یحییٰ صاحب)

(یہ نظم آج سے ۴۰ سال قبل صحیفہ ماہواری کے شمارہ ۶ جلد ۳ بابت مارچ ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی تھی)۔ اس کو مجلہ کے صفحات میں اس لئے نقل کیا جارہا ہے کہ اس امر کا اندازہ ہوسکے کہ باوجود چالیس سال کی مدت گزر جانے کے ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ کی مشکلیں حل نہیں ہوئیں۔ آج بھی تقریباً ہم اسی جگہ ہیں جہاں چالیس برس پہلے تھے۔ فرق یہ ہے کہ ہمارے نوجوان آج مولوی فاضل کے بجائے بی۔ اے اور ایم۔ اے کہلائے جاتے ہیں)

میں ہوا اک مولوی فاضل سے رستے میں دوچار
جو کہ ہمدرس تھے ہم مدرسہ تھے ہم شعار

میں نے پوچھا آپ آتے ہیں کہاں سے دھوپ میں
اور جاتے ہیں کدھر آسیمہ سر دیوانہ وار

ہنس کے فرمایا کہ اب دفتر سے گھر جاتا ہوں میں
ہوگیا ہوں میں فلاں دفتر کا اب اک اہلکار

پھر یہ پوچھا آپ نوکر ہوگئے کیونکر وہاں ؟
اور ملتی کس قدر ہے آپ کو اب ماہوار؟

آبدیدہ ہوکے فرمایا کہ کچھ پوچھو نہیں
سرگذشت غم ہے میری پر الم اندوہ بار

ایک مدت سے پریشاں حال و سرگرداں تھا میں
دربدر لے کے پھرتی تھی تلاش روزگار

ایک دن اک دوست نے مجھکو دیا یہ مشورہ
جو مرا ہمراز تھا ہمدرد و مونس غمگسار

جاؤ اس ... کی خدمت میں کہ ہے وہ قدرداں
رحم دل فیاض، عادل علم پرور عہدہ دار

اس کے دفتر کی ہوئی منظور اسکیم جدید
آرہے ہیں ہر طرف سے لوگ بے حد بے شمار

آجکل اس کو ہے لائق آدمی کی جستجو
جو دیانت دار ہو، ذی علم، قابل، ہوشیار

سوچکر کچھ اپنے دل میں ان کی پیشی میں گیا
دست بستہ باادب جیسے کوئی عرضی گذار

جب توجہ حضرت ممدوح کی مجھ پہ ہوئی
ابتدا سے انتہا تک سب سنایا حال زار

یہ ہوا ارشاد کوئی امتحاں بھی پاس ہو؟
شکل و صورت سے تو ظاہر ہے کہ ہو تم ہونہار

اُن کی ان دلجوئیوں سے میری ہمت بڑھ گئی
دل کو چین آیا طبیعت کا مٹا سب انتشار

پنشن کی پنجاب یونیورسٹی کی اک سند
اور گشتی وہ بھی دکھلائی کرتا ہے جس سے ہے
یہ بھی ثابت کر دیا ملکی ہوں میں بے اشتباہ
سن کے ساری داستاں حضرت نے فرمایا مجھے
چونکہ تھا یہ فی الحقیقت لاجواب ان کا سوال
دیکھ کر مجھ کو تحمل ارشاد فرمانے لگے
چاہیئے خدمت تو اس دفتر کا دے دو امتحاں
چھ مہینے کار آموزی بھی کرنی چاہیئے
پھر اگر دفتر میں خالی ہو گی کوئی جائداد
سلسلے میں آخری دوں گا میں تم کو جائداد
میں نے سب شرطوں کو حضرت کی کیا دل سے قبول
چھ مہینے کار آموزی بھی اس دفتر میں کی
بعد ازاں میں حضرت عالی کی خدمت میں گیا
سن کے اک یہ کیا ارشاد، مجھ کو یاد ہے
میں یہ سن کر پیشی اقدس سے واپس آ گیا
بارگاہ ایزدی میں یہ دعا کرنے لگا
یا خدا مجھ کو دلا دے کوئی خالی جائداد
اتفاقاً یا دعائے صبح کی تاثیر سے
یہ خبر سنتے ہی پیشی میں گیا دوڑا ہوا
ہے فلاں شاخ اور فلاں صیغے میں خالی جائداد
سن کے میری گفتگو، حضرت نے فرمایا مجھے
تختۂ امیدواراں سامنے موجود ہے
جب تمہاری آئے گی باری تو کر دوں گا تمہیں
دم بخود ہو کر میں چپکے چپکے واپس آ گیا
اہل دفتر نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں

تھی حقیقت مولوی فاضل کی جس سے آشکار
مولوی فاضل کا بی۔اے کے برابر اعتبار
اور تمغہ بھی بتایا جو ہے علمی یادگار
انگریزی کی بھی ہے کوئی سند کامل عیار
سر جھکا کر فرط ندامت سے مرا بے اختیار
فائدہ تم کو نہ ہو گا اس سند سے زینہار
کامیابی کے نتیجے پر رہو امیدوار
تاکہ آ جائے تمہیں دفتر کا سارا کاروبار
ہے گریڈ و سینیارٹی ترقی کا مدار
پاؤ گے تنخواہ جس کی ہے بتیس مبلغ ماہوار
امتحاں میں پاس بھی نکلا بفضل کردگار
جس میں دیکھیں اور لکھیں میں نے مسلیں بے شمار
عرض کی، وعدہ وفا فرمایئے عالی تبار
جائدادوں کے خلو کا ہے مگر اب انتظار
مردہ دل، افسردہ خاطر، یاس و حسرت در کنار
روز و شب، شام و سحر، صبح و مسا لیل و نہار
میں پھروں کب تک پریشاں دربدر بے روزگار
مر گیا دفتر کا ان کے ایک ادنیٰ اہلکار
ڈرتے ڈرتے عرض کی یہ با طریق انکسار
آپ کو جس کے تقرر کا ہے حاصل اقتدار
میری پیشی میں نہ آؤ دوڑ کے بار بار
میں انہیں مامور کرنا چاہوں گا ترتیب وار
کیوں ابھی سے ہو رہے ہو اس قدر تم بے قرار
شدت اندوہ سے تھا دو قدم چلنا بھی بار
صبر کر لو اور چند سے جب کیا ہے انتظار

محکمے میں آمد و شد ایک مدت تک رہی
اپنی قسمت پر رہا کرتا تھا اکثر اشکبار

چھوڑ دی تھی میں نے جب سے جائدادوں کی تلاش
اور سکوت و صبر میں نے کر لیا تھا اختیار

ایک دن صیغے میں بیٹھا تھا کچھ لکھتا ہوا
مجھ سے چپراسی نے پوچھا آپ ہیں اُمیدوار

میں نے اُس سے یہ کہا "ہاں" پھر تجھے کیا کام ہے
بولا بیٹھی میں تمہارا ہو رہا ہے انتظار

میں یہ سُنکر خدمتِ ممدوح میں حاضر ہوا
آپ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ اے محنت شعار

ہے فلاں صیغے میں اک تنقیح کی خالی جگہ
ہو گیا پچپن ۵۵ برس کا، جو ہے اس جا اہلکار

بیس ۲۰ ہے تنخواہ اس کی، تم ہو راضی گر تو میں
نام لکھتا ہوں تمہارا اس جگہ بے انتظار

دست بستہ یہ کہا میں نے کہ مجھکو آپ سے
ہیں اُمیدیں اس سے زائد بے حساب و بے شمار

بعض بی۔ اے پاس ایسے ہیں کہ اُنکا آپ نے
ایک سو دس کے تقرر سے بڑھایا اعتبار

گرچہ دفتر کی زبان اُردو سے وہ واقف نہیں
لکھ نہیں سکتے ہیں وہ اُردو کی سطریں تین چار

آپ نے اُن کو دیا ہے ڈیڑھ سو تک بھی گریڈ
کوئی ان میں منتظم ہے کوئی ان میں صیغہ دار

مولوی فاضل کے درجے کی میں رکھتا ہوں سند
اور آتا ہے مجھے دفتر کا سارا کاروبار

ہے مسلّم میری تحریر اور تقریر آج کل
سب نے مانا ہے مجھے مضموں نگار و لکچرار

آپ کو اس قول کی تصدیق گر منظور ہے
مجھ سے لکھوا لیجئے اس وقت کوئی روبکار

بیس ۲۰ کی خدمت پہ میں کس طرح راضی ہو رہوں
اس سے ہم چشموں میں ہو جاؤنگا میں کم اعتبار

ہنسکے فرمایا کہ بالفعل اس کو تم کر لو قبول
میں تمہیں دونگا ترقی عنقریب اے ہونہار

عرض کی میں نے کہ جو کچھ آپ کا ارشاد ہے
میرے سر آنکھوں پہ ہے اس میں نہیں کچھ اعتذار

الغرض میں نے کیا منظور اس تنخواہ کو
جب اضافے کا کیا مجھ سے یہ وعدہ بار بار

چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ وہ بدلی ہوئے
چل دیئے اک دوسرے دفتر پہ با عزّ و وقار

اب ہماری ساری امیدوں پہ پانی پھر گیا
خاک میں سب مل گئے جتنے کہ تھے امیدوار

گرچہ طولانی ہے افسانہ مرا اور دل گداز
وقت کم ہے اس لئے میں نے کیا ہے اختصار

مارے مارے یوں پھریں اہلِ کمال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

تنقید و تبصرہ

(۱) انشاء: از مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی،

مکتبۂ جامعہ دہلی۔ قیمت بارہ آنے۔ ۷۶ صفحات

مرزا صاحب اپنی مزاحیہ تحریروں کے لئے ملک میں کافی مشہور ہیں۔ ادھر کچھ دنوں سے مرزا صاحب شاید بہ تقاضاء عمر کچھ علمی کچھ نیم علمی کام بھی کرنے لگے ہیں۔ اس سلسلہ کا یہ مقالہ ہے جس کا موضوع انشاء اللہ خاں انشاء کی شاعری ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے خاص انداز ہی میں یہ مقالہ لکھنے کی کوشش کی ہے۔ علمی تحریروں میں مزاحیہ اندازِ بیان بالکل بے جوڑ ہو جاتا ہے۔ انشاء پر کچھ لکھتے ہوئے آزاد کا ذکر کئے بغیر چارہ نہیں، لیکن چونکہ آزاد نے غالب و مومن کی اُن کے خیال کے مطابق مدح سرائی نہیں کی، اور یہ اپنا تعلق اِن دونوں سے بتاتے ہیں، اس لئے موقع ہو یا نہ ہو آزاد کا خاکہ اُڑانا مرزا صاحب کی خصوصیت ہے۔ مرزا صاحب نے واقعات کی جو تحقیق کی ہے وہ بہت ہی سطحی ہے انشاء کی شاعری پر جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ تفصیل کا محتاج تھا۔ انشاء کا سب سے پائدار کارنامہ "دریائے لطافت" ہے، لیکن مرزا صاحب نے اس کا ذکر بہت ہی سرسری طور پر بالکل آخر میں دو تین سطروں میں کیا ہے۔ حالانکہ صرف اس کتاب پر ایک اچھا خاصہ مقالہ لکھا جا سکتا ہے اس کے لئے محنت اور وسعتِ مطالعہ دونوں کی ضرورت ہے۔ مشورہ و مباحثہ سے ہی معلومات میں وسعت پیدا ہوتی ہے اگر اس نوعیت کے مقالے اہلِ فن کی رائے اور مشورت کے بعد شائع ہوا کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اب زمانہ ایک ایسے دور میں داخل ہو رہا ہے جہاں زیادہ عمق، زیادہ وسعتِ نظر، اور زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ جو لوگ اب ان صفات پر پورے نہ اتر سکتے ہوں اُن کو چاہیئے کہ اپنے ذہن و فکر کو آرام دیں بہر طور جو حضرات تفریحاً کچھ تنقیدی اور کچھ معلوماتی کتابیں بھی پڑھنا چاہتے ہیں، اُن کے لئے یہ رسالہ مفید ہے۔

ا۔ ن۔ خ

(۲) بند لفافے

از ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی۔ قیمت ۴ر۔ مکتبۂ جامعہ دہلی

یہ ایک مختصر سا ڈرامہ ہے، جس میں ہماری سوسائٹی کی ایک دکھتی رگ پر مزاحیہ انداز

میں اُنگلی رکھی گئی ہے۔ قصہ کا پلاٹ ذرا بعید از قیاس ہے، لیکن بہت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔ اس میں ایسے اشخاص کے لئے جو اپنی بیویوں سے ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں، اور اُن کی ذرا ذرا سی باتوں پر شک و شبہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں بڑی اچھی نصیحت اور عبرت موجود ہے۔

ضرورت ہے کہ ہمارے افسانوں، ناولوں اور ڈراموں میں اس طرح کے واقعات پیش کئے جائیں جن سے تفریح طبع کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کی اصلاح کا مقصد بھی پورا ہو، اور قارئین غیر شعوری طور پر ان سے کوئی اچھا سبق حاصل کریں۔ خصوصاً ڈرامے چونکہ اسٹیج کئے جا سکتے ہیں، اس لئے وہ اصلاح حال کا نہایت مؤثر ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ مسرت کا مقام ہے کہ ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب کے اکثر ڈراموں میں یہ خوبی پائی جاتی ہے، اور زیر نظر تمثیل بھی اس لحاظ سے ایک قابل قدر کوشش ہے۔

(م - ا)

(۳) ملاء اعلیٰ

از ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

قیمت ۴ر ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی۔

یہ ایک مختصر سا ڈرامہ ہے لیکن جتنا مختصر ہے اتنا ہی دلچسپ ہے۔ اس میں انسان کی جسمانی اور روحانی بھوک کا مقابلہ نہایت پُر لطف طریقہ پر ڈرامہ کے انداز میں کیا گیا ہے۔ ایک ماہر فن نقاش ہمیشہ اپنی تصاویر کی دُھن میں رہتا ہے، اور زندگی کی مادّی ضروریات کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ اس کی بیوی (جو اس فن کا ذرہ برابر شوق نہیں رکھتی) مالی مشکلات اور خانہ داری کے افکار سے تنگ آجاتی ہے، اور اپنے شوہر کو اس کی غفلت پر ملامت کرتی ہے۔ لیکن اس پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یہ حالت دیکھ کر وہ دل میں خودکشی کی ٹھان لیتی ہے۔ اس کا شوہر بھی مالی مشکلات کی وجہ سے اپنے مشاغل جاری نہیں رکھ سکتا، اور آخر بددل ہو کر خودکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا وفادار اور ہوشیار ملازم اپنی حکمت عملی سے ان دونوں کو اس اندوہناک انجام سے بچا لیتا ہے۔

یہ مختصر سا ڈرامہ نہ صرف زبان، پلاٹ اور ظرافت کے لحاظ سے دلچسپ اور پڑھنے کے قابل ہے، بلکہ اس میں ظرافت کے پردے میں زندگی کی بعض تلخ حقیقتیں بھی پیش کی گئی ہیں اور انسان کی مادّی اور روحانی کشمکش کو بڑی خوبی سے دکھایا گیا ہے۔

(م - ا)

(۴) کٹھ پتلیاں

از ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

قیمت ۸ ر ملنے کا پتہ: مکتبۂ جامعۂ ملّیہ دہلی۔

ہمارے قدیم تہذیب و تمدن کا مغربی تہذیب سے جو تصادم ہو رہا ہے، اُس نے ہمارے افکار و خیالات اور اقدار زندگی میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اور قدیم و جدید کی یہ کشمکش ابھی تک جاری ہے۔ زیر نظر کتاب کو جو ایک دلچسپ اور پر اثر طربیۂ تمثیل ہے اسی کشمکش کا ایک عبرت خیز مرقع سمجھنا چاہئیے۔

اس کی دو ہیروئنیں (شیلا اور رمیلا) قدیم و جدید تہذیبوں کی گویا دو علمبردار ہیں۔ جن کی زبان سے مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ شوہر پرستی و وفا شعاری کے مشرقی تصورات اور مساوات و آزادی کے مغربی تخیلات کی ترجمانی کی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اشخاص قصہ کی زبان سے جا بجا ایسے پُر لطف جملے ادا کئے ہیں جنھیں پڑھ کر بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ مثلاً وشنو نام ایک شخص اپنی معشوقہ شیلا سے (جس نے ایک دوسرے شخص سے شادی کر لی تھی) کہتا ہے "جو عورت اپنی روح دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتی ہے وہ پھر زندہ نہیں مردہ ہو جاتی ہے" یا مثلاً وہ ایک اور جگہ کہتا ہے "تم نے سب ج کی پوجا کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے، اور چونکہ سماج اُن عورتوں کی تعریف کرتا ہے جو اس کے غیر فطری قوانین پر اپنی جان اور اپنی خوشی کو قربان کر دیں، اس لئے تم اس کے خلاف کیونکر کہہ سکتی ہو؟ سماج نے ہر شوہر کو ظلم کا حق دیا ہے اور ہر عورت کا فرض ہے کہ وہ اس پر بھی شوہر کی تعریف کرے، اس لئے تم بھی یہی کرو۔"

اس تمثیل کا پلاٹ بھی کسی قدر خلاف قیاس ہے لیکن قصہ کا انجام بڑا ہی اندوہناک اور پُر اثر ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قسمت کس طرح انسان کا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتی ہے، اور کس طرح ہم سب اس کے ہاتھوں میں محض کٹھ پتلیاں ہیں۔

(م - ا)

مجلۂ طیلسانین

حصۂ معاشیات

(مدیر)

محمد غوث ام۔ اے۔ ال ال۔ بی (عثمانیہ)

نائب مدیر

محمد اکبر الدین صدیقی ام۔ اے (عثمانیہ)

(مہتمم)

محمد نور اللہ بی۔ ایس۔ سی (عثمانیہ)

قیمت سالانہ تین روپے علاوہ محصولڈاک

قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد

مجلہ طیلسانین حصہ معاشیات

جلد ۹	فہرست	اردی بہشت و امرداد ۱۳۵۴ف
شمارہ ۲ و ۳		اپریل و جولائی ۱۹۴۵ء

فہرست

حرفِ آغاز

اب جبکہ تاریخ کی ایک عدیم النظیر کشمکش کے بعد متحدین نے فتح و کامرانی کا نقارہ بجا دیا ہے، اور امن و سلامتی اور امیدوں اور ارمانوں کی ایک نئی صبحِ امید افق پر نمایاں ہے۔ سال حال کے سرکاری موازنہ کے ذریعہ یہ نوید پُر امید مسرت بخش رعایا دبرایا ہوئی ہے کہ ڈھائی ارب روپے کا ایک لایحہ مرتب ہو چکا، اور سراپا برکت مملکتِ آصفیہ کے چپہ چپہ پر خوشحالی اور آسودگی کا ایک عہدِ نو آغاز ہوگا۔

جنگ کے ختم ہو جانے سے ملک میں بہت سارے نئے اور نازک مسائل پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کے حل کرنے میں گویا اہلِ ملک کی فراست کا امتحان ہے۔

سب سے اول فراہمی اغذیہ کا مسئلہ ہے، اس جنگ کی وجہ سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو گئی ہے کہ ہمارا ملک زرعی ملک ہونے کے باوجود اہلِ ملک کی ضرورت کے مطابق یہاں اشیائے غذا کی پیداوار نہیں ہوتی، خصوصاً چاول کی حد تک تو ملک کی پیداوار بالکلیہ غیر مکتفی ثابت ہو چکی ہے۔

زراعت میں ایسی ترقی کہ یہ مملکت غذا کے لئے خود مکتفی ہو جائے بہت ہی ضروری ہے زراعت کے ساتھ مویشی کی افزائش بھی کسی طرح نظر انداز نہیں ہو سکتی۔ ملک بھر میں دودھ کی قلت بہت پریشان کن ہے۔

غذا کے ساتھ لباس کا مسئلہ بھی توجہ کا محتاج ہو چکا ہے۔ اس ملک میں کپاس کی معتدبہ پیداوار کے مدنظر خود ملک میں اہلِ ملک کی ضروریات کے لئے پارچہ کی تیاری میں کوئی امر مانع نہ ہونا چاہیئے۔

اسکے ساتھ خود بخود ملک کے قدرتی وسائل سے ممکنہ فائدہ اُٹھانے کے مسائل بھی سامنے آجاتے ہیں۔ ان وسائل کا ایسا استعمال جن سے اہلِ ملک کی ثروت میں اضافہ ہو مملکت کا قدرتی حق ہے۔ مثلاً ملک کو ارنڈی کی کاشت کے لئے دنیا بھر میں فوقیت حاصل ہے

ب

اس سے مصنوعات تیار کرنے کے لئے اہل ملک کو کسی رکاوٹ کا سامنا نہ ہونا چاہیئے
مصنوعات کی ترقی کے لئے مشنری کی فراہمی اور وقت پر اس کے حاصل کرنے کا
انتظام بھی لامحالہ ضروری ہے۔ وسائل تجارت وصنعت وحرفت کو ترقی دینے کے لئے
نہ صرف ہندوستان کے صوبجات اور مرکز میں بلکہ خود انگلستان و دیگر ممالک میں ٹریڈ
کمشنروں کے تقرر کی ضرورت اب پیدا ہو گئی ہے۔ ان مسائل کے ساتھ ساتھ تعلیم کے
مسائل بھی سامنے ہیں۔ ایسی تعلیم جس سے اس ملک میں تاج آصفی کے ساتھ عقیدت اور وفاداری
کے جذبات پیدا ہوں جس سے انسان میں حقیقی اخلاق اور نیکی کا مادہ پیدا ہو وقت کی
اہم ضرورت ہے۔ نیز تعلیم کے بعد تعلیم یافتہ لوگوں میں اپنے لئے روزگار پیدا کرنے کا سلیقہ پیدا
کرنا بھی تعلیم کا منشاء ہونا چاہیئے۔ ملک کے طول وعرض میں صنعتی اور زرعی مدارس اور کلیات
کا بقدر ضرورت قیام جلد از جلد ہونا لازم ہے۔

ان امور کے علاوہ ہندوستان کے آئندہ دستور میں مملکت آصفیہ کی وحدت کا برقرار
رہنا اور اس کے حقوق اور امتیازات کے کامل طور سے تحفظ کے لئے وفادار رعایا کا فرد
خواہاں ہے۔ سیاسی، معاشی اور تمدنی مشترکہ مسائل میں بلاشبہ حیدرآباد کو کشادہ دلی کے
ساتھ پورا تعاون کرنا ضروری ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہو سکتے کہ مملکت آصفیہ کی وحدت
اس کے حقوق اور امتیازات متاثر ہو جائیں۔

ساتویں معاشی کانفرنس کی روداد

از جناب خادم حسین صاحب قریشی بی ایس سی (عثمانیہ) معتمد معاشی کانفرنس

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے معاشی کانفرنس میں سلطنت آصفیہ کے معاشی مسائل پر غور کیا جاتا ہے۔ سال حال کانفرنس کی افادیت کو بڑھانے کے لیے آذر ہی سے انتظامات شروع کر دیئے گئے ماہ دے میں کانفرنس کے انتظامات کے لیے ایک انتظامی کمیٹی مقرر کی گئی اور حسب روایات سابقہ ساتویں معاشی کانفرنس بتاریخ ۱۰ اور ۱۱ بہمن ۱۳۵۴ف باغ عامہ میں بہ دوران نمائش مصنوعات ملکی نہایت کامیابی کے ساتھ منعقد کی گئی۔

اس کانفرنس کے اجلاس نہایت کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہوئے چنانچہ ہر اجلاس میں پنڈال ملک کے ترقی خواہوں سے بھرا رہتا تھا۔ مقالات اور تقاریر کے لیے مندرجہ ذیل مباحث منتخب کیے گئے تھے نیز یہ طے پایا تھا کہ پہلے اور تیسرے موضوع پر آنریبل صدر المہام ڈل اور آنریبل صدر المہام فینانس سے علی الترتیب خطبہ پڑھنے کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ ہر دو صاحبان ممدوح نے استدعا قبول فرما کر ممنون کیا اور کانفرنس کی رہبری فرمائی۔ ذیل میں بطور جدول کانفرنس کے اجلاسوں کے موضوع وغیرہ کی صراحت کی جاتی ہے۔

اجلاس	تاریخ	موضوع	صدر
(۱) اجلاس اول — ۵ تا ۷ ساعت شام	۱۰ بہمن ۱۳۵۴ف	حیدرآباد کا مسئلہ اغذیہ	آنریبل مسٹر ڈبلیو. وی گرگسن صدر المہام ڈل
(۲) اجلاس دوم — ۷ تا ۹ ساعت شب	” ”	حیدرآباد کا نظام مالگزاری	مولوی مرزا محمد بیگ صاحب سابق اول تعلقدار
(۳) اجلاس سوم — ۵ تا ۷ ساعت شام	۱۱ بہمن ۱۳۵۴ف	حیدرآباد کے لیے معاشی منصوبہ (منصوبہ بندی)	آنریبل مسٹر غلام محمد صدر المہام فینانس
(۴) اجلاس چہارم — ۷ تا ۹ ساعت شب	” ”	حیدرآباد کے مزدوروں کے مسائل	دیوان بہادر آراموداو آینگار

پہلے اجلاس میں کانفرنس کی کارروائی کا آغاز قرأت سے کیا گیا۔ مولوی سید عارف الدین صاحب سابق ہیئت انجنیئر وصدر مجلس استقبالیہ نے اپنا خطبہ سنایا۔ اس کانفرنس کی مزید ایک خصوصیت یہ بھی کہ عالیجناب صدر اعظم بہادر نے کانفرنس کا افتتاح فرماتے ہوئے حاضرین کو مخاطب فرمایا۔ جس کے بعد حسب ذیل قرارداد عقیدت باتفاق آرا استادہ ہو کر منظور کی گئی۔

” یہ کانفرنس نہایت ادب و احترام کے ساتھ پیشگاہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مد ظلہ العالی

اپنی کامل اور غیر متزلزل عقیدت مندی اور وفا شعاری کا اظہار کرتی ہے۔ مملکت آصفیہ کی ہر جہتی فیروز فلاح اور بالخصوص معاشی ترقی کے لیے بندگان والا کو جو عمیق اور لازوال دلچسپی ہے اس کی احسانمندی سے ملک کی موجودہ اور آئندہ نسلیں کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتیں۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی مدظلہ العالی ہی کے ناخن تدبیر سے ملک کے معاشی گتھیوں کی گرہ کشائی ہو رہی ہے۔

اجلاس اول کی صدارت آنریبل مسٹر ڈبلیو۔ وی۔ گرگسن صدر المہام مال کے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر تشریف نہ لانے کی وجہ آنریبل نواب زین یار جنگ بہادر نے فرمائی۔ مولوی سید فضل اللہ صاحب صدر ناظم رسد نے مسٹر گرگسن کا روانہ کردہ خطبہ پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد مولوی ابو الحسن صاحب سید علی ایڈوکیٹ، غضنفر علی صاحب مدیر مجلہ چادرگھاٹ کالج، مولوی عطا الرحمن صاحب بی۔ اے عثمانیہ کی تقاریر ہوئیں۔

اجلاس دوم مولوی مرزا محمد بیگ صاحب معتمد اسٹیٹ بینکاری کی صدارت میں ۷ ½ ساعت شام سے شروع ہوا جس میں مولوی صاحب موصوف نے اپنا خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ نیز محمد فاروق صاحب ایچ۔ سی۔ ایس، مولوی مؤید الدین حسن صاحب، سابق دوم تعلقدار، آیت اللہ بیگ صاحب ایم۔ اے (فائنل) نے تقاریر کیں۔

اجلاس سوم کی صدارت آنریبل مسٹر غلام محمد صدر المہام فینانس نے کی جس میں آنریبل موصوف نے اپنا خطبہ انگریزی میں فی البدیہہ ارشاد فرمایا۔ ازاں بعد مولوی محمد عزیز صاحب ایم۔ اے لکچرار معاشیات، مولوی خواجہ حمید احمد صاحب مددگار ناظم اعداد شمار، مسٹر کیشو آئنگار پروفیسر نظام کالج نے مباحث کے متعلقہ عنوانات پر تقاریر کیں۔

چوتھے اور آخری اجلاس کی صدارت کے لیے یوں تو طے کیا گیا تھا کہ بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو کو تکلیف دی جائے مگر اپنی عدیم الفرصتی کے باعث موصوفہ تشریف نہ لا سکیں اس لیے دیوان بہادر آرمودو آئنگار ایڈوکیٹ نے صدارت فرمائی جس میں دیوان بہادر نے اپنا خطبہ صدارت سنایا۔ خطبہ صدارت کے بعد مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی، حامد محی الدین صاحب مدیر بزم معاشیات جامعہ عثمانیہ، مخدوم محی الدین صاحب ایم۔ اے نے تقاریر کیں۔

مولوی سید عارف الدین صاحب کی اختتامی تقریر اور معتمد کانفرنس کے شکریہ کے بعد کانفرنس کی کارروائی ختم ہوئی۔

خطبۂ استقبالیہ

از جناب مولوی سید عارف الدین صاحب طیلسانین چیف انجینیر و معتمد آب پاشی سرکار عالی و صدر معاشی کمیٹی

عالی جناب فضیلت مآب سر صدر اعظم بہادر و معزز خواتین و حضرات!

مین ان سب کرم فرماؤں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے اس کانفرنس کا صدر استقبالیہ منتخب فرمایا تینتیس برس پہلے کے حالات کا موجودہ حالات سے مقابلہ کیا جائے تو دیکھنے والوں کو ایک عظیم تغیر نظر آئے گا۔ مقابلتاً اس وقت علم کی کمی اور تاریکی کا دور دورہ تھا۔ حیات اجتماعی بڑی گہری نیند سو رہی تھی۔ زوال پذیر قوم اور بھی آمادۂ زوال تھی۔ اس ہمت شکن ماحول میں ۴ رجب المرجب ۱۳۳۵ھ کا وہ کیمیا اثر فرمان شرف صدور لایا جو مستقبل کی تاریخ کا ایک بہت درخشاں باب ہے۔ اس فرمان نے جامعہ عثمانیہ کو قایم کرکے نوجوانان حیدرآباد کے دلوں میں ایک نیا جذبہ پیدا کر دیا۔ زمانہ دراز کا جمود ٹوٹا اور حیدرآباد میں نئی روح حلول کر گئی۔ اب جمود و سکون کی بجائے ہر طرف اضطراب و عمل ہے۔ قومی فلاح و بہبود کے لیے اُن کی تڑپ کتابوں کے پر لطف مطالعہ پر ان کو قانع نہیں رکھ سکتی بلکہ میدان عمل میں ان کو دوڑا رہی ہے اور ان میں ذہانت اور صلاحیت عمل کو بیک وقت استعمال کرنے کی قابلیت پیدا ہو گئی ہے۔

احیاء علوم و فنون کا اثر صرف جامعہ عثمانیہ کی چار دیواری تک کیسے محدود رہتا ذکاوت کی بالیدگی اور عمل کا جوش ہمیشہ قید و بند سے آزاد ہوا کرتا ہے! ڈگریٹ کے یہ نیل پوش دیوانے اپنی مادر علمیہ سے مشعل عمل لے کر اٹھے اور دیکھتے دیکھتے سارے حیدرآباد پر چھا گئے۔ کیا یہ تعجب خیز واقعہ نہیں ہے کہ ان میں کے چند وارفتہ نوجوان آج سے سات سال قبل اپنی جیب میں صرف ڈھائی روپیہ کی قلیل رقم لے کر نکلے اور ان کے پاس سوائے جذبۂ رضا کاری اور خلوص کے کوئی معین و مددگار۔ تھا آخر پندرہ روز کے اندر ہی اس نمایش کی بنیاد ڈالی جو آج ہندوستان کے لیے قابل تقلید ہو گئی ہے۔ یہ ممکن تھا کہ حضرت ظل سبحانی کی نظر دور بین ان کی پُر خلوص کوششوں پر نہ پڑتی۔ درحقیقت نمایش اور معاشی کمیٹی کی ساری کامیابیاں عنایات شاہانہ کی منت کش ہیں اور اس پر بانیان نمایش اور رعایائے آصفی جس قدر بھی ناز کریں کم ہے۔

اعلیٰ حضرت بندگان اقدس کی توجہات شاہانہ اور خانوادۂ آصفی کی سرپرستی کے ساتھ ارباب اقتدار کی دلچسپیاں اور حکومت کے مساعی بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

آج پھر ہم ایک دفعہ نونہالان حیدرآباد کی دعوت قبول کرکے معاشی سدھار کی تدبیر پر غور کرنے کے لیے یہاں جمع ہوے ہیں۔ میں آپ سب حضرات کا ان نوجوانوں کی طرف سے خیر مقدم کرتا ہوں۔ ہم بطور خاص سر صدر اعظم بہادر بالقابہ کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں کہ جناب والا باوجود اہم مصروفیتوں کے معاشی کانفرنس کی افتتاح کی دعوت کو قبول فرماکر آج یہاں تشریف لے آئے۔

معاشی کمیٹی کی طرف سے میں مسٹر گرگسن صدرالمہام مال، جناب غلام محمد صدرالمہام فینانس دیوان بہادر آرمودا آئنگار اور مولوی محمد بیگ صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر معاشی کانفرنس کے مختلف اجلاسوں کی رہنمائی قبول فرمائی۔ یقین ہے کہ آپ کے خطبات ملک کے لیے باعث رہنمائی ہوں گے۔

صحیح فکر اور وسعت نظر کا یہ اقتضا ہے کہ حال پر قانع نہ رہیں بلکہ مستقبل کے آثار ٹٹولیں۔ آنے والی دنیا کے معاشی نظام میں اپنا حصہ حاصل کریں اور غربت اور ناداری سے نجات پائیں ہمیں ان رکاوٹوں پر قابو پانا ہے جو آج ہم کو ترقی سے روک رہی ہیں۔ ہمہ گیر جنگ جس نے تمام دنیا کو مصیبت و آلام میں ڈال رکھا ہے انشاء اللہ جلد متحدین کی کامیابی پر ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد ہی معاشی نظام کا دور شروع ہوگا جس کے لیے ہم کو ابھی سے تیار رہنا چاہیئے۔ ہمارے سامنے مسائل کی بڑی کثرت ہے اور بے شمار میدان عمل کھلے ہوے ہیں۔ سب سے اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ارباب فکر و نظر مستعدی اور پکے ارادے کے ساتھ آگے بڑھیں۔ حکومت مابعد جنگ معاشی تنظیم کے جو خاکے تیار کروا رہی ہے وہ یقیناً استحسان کی نظر سے دیکھے جانے چاہیئں مگر اس کے ساتھ ساتھ دو اہم تنظیموں کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ جو کام کرنا ہو وہ صحیح طریقہ پر کیا جائے اور پبلک اور حکومت میں پوری ہم خیالی اور سچا تعاون حاصل ہو۔

کمیٹیاں چاہے کتنا ہی غور و فکر کرکے اس وقت اپنا اپنا منصوبہ تیار کریں۔ تفصیل میں جاتے وقت اور جب ان پر عمل کرنے کا زمانہ آئیگا ان میں بڑی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی جدید تحقیقات کی ان میں اتنی ضرورت ہے کہ جو کچھ کوشش اس وقت تک کی گئی اور جو کچھ عمل اس وقت

تک مقرر کیا گیا وہ بالکل ناکافی ہے میری دانست میں اس کی سخت ضرورت ہے کہ ایک بڑے پیمانہ پر ڈولپمنٹ ڈپارٹمنٹ قایم کیا جائے اس کے چار شعبے ہوں۔

شعبۂ اول کتب خانہ۔ اس میں مختلف صنعتوں کے متعلق صرف مواد از قسم کتب متعلقہ اور پرچہ جات اور رپورٹیں وغیرہ جمع کی جائیں۔ اس کے لائبریرین حضرات کو خود مختلف مضامین سے جو ان کے سپرد ہوں گے ایک حد تک واقف رہنا چاہیئے مثلاً زراعت سے متعلق جو کتب ہوں وہ فن زراعت کے تعلیم یافتہ شخص کے سپرد ہونی چاہئیں انجنیرنگ کے متعلق جو کتب ہوں ان پر انجنیرنگ کے تعلیم یافتہ شخص کا تقرر ہونا چاہیئے۔ ان کا یہ فرض ہوگا کہ جو کتب اور پرچہ جات وغیرہ ان کے سپرد ہوں گے ان سے اس حد تک واقف رہیں کہ اگر ان سے کہا جائے کہ فلاں مسئلہ پر مواد پیش کیا جائے تو جلد مواد نکال کر پیش کر سکیں۔

شعبۂ دوم تحقیقات۔ یہ شعبہ بہت بڑا ہو۔ ان دنوں صرف کیمیائی مسائل پر سب سے زیادہ زور دیا جارہا ہے درآنحالیکہ اور بہت سے مختلف تحقیقات طلب مسائل ہیں جن کے بغیر کوئی صنعت قایم نہیں ہوسکتی اور نہ موجودہ صنعتیں مقابلہ میں باقی رہ سکتی ہیں مثلاً ایک صنعت کاغذ سازی ہی کو لے لیجیئے۔ اس کے متعلق ہمیں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ کیا ایسے بھی درخت ہیں جن کو ہم آبپاشی کی مدد سے یا بغیر آبپاشی کے کارخانے کے قریب اگا سکتے ہوں جو کاغذ سازی کے کام میں جلد استعمال کیے جاسکتے ہوں اگر یہ ممکن ہے تو کونسے ایسے حالات ہیں جن کے پیدا کیے جانے پر کفایت کے ساتھ باہر کے کاغذ کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ہر اہم صنعت کے لیے نہ صرف فنی تحقیقات کی ضرورت ہے بلکہ تجارتی اور مالی تحقیقات بھی لازمی ہے۔ اور یہ تحقیقات مستقل طور پر جاری رہنی چاہیئے۔ اس شعبہ میں بڑی تعداد ہمہ وقتی انجنیروں اور دیگر سائنس دانوں کی ہوگی۔ علاوہ اس کے دوسرے مقامات پر بھی تحقیقات جاری رکھی جاسکتی ہیں۔ دوسرے محکمہ جات مثلاً محکمہ زراعت اور کالج وغیرہ اس کام میں مدد دے سکتے ہیں۔ اس محکمہ کو بہت وسیع ہونے کی ضرورت ہے۔

تیسرے شعبہ میں تحقیقات کے نتائج کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر مرتب کی جائیں۔ جو تجاویز یہاں سے مرتب ہوں گی وہ ڈولپمنٹ بورڈ میں غور کے لیے پیش ہوں گی جہاں مختلف صناع اور تجار اور مختلف محکمہ جات کے صدور وغیرہ رہیں گے۔

اگر کسی اسکیم کو یہ بورڈ پسند کرلے تو پھر کوئی رکاوٹ اس پر عمل کرنے کی باقی نہ رہنی چاہیئے۔

اس ڈویلپمنٹ ڈپارٹمنٹ کا صدر محکمہ ایک قابل انجنیر ہو جس کے بغیر یہ کام عمدگی سے نہیں چل سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی ضرورت ہے کہ ڈویلپمنٹ ڈپارٹمنٹ بھی انجنیر صدر المہام ہی کے سپرد ہو۔

اگر ایک دفعہ ایسا محکمہ قایم ہو جائے اور پورے اقتدار کے ساتھ صحیح کام کرنے لگ جائے تو آپ دیکھیں گے کہ چند ہی سال میں کیا نتیجہ برآمد ہو گا۔

حضرات! ایسے بڑے کام حکومت ہی کر سکتی ہے مگر جب تک حکومت کی تجاویز کو پبلک کے سنجیدہ غور و فکر کرنے والے حضرات پوری طور پر نہ سمجھیں اور سمجھ کر تعاون نہ کریں حکومت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی اس لیے اس کی بھی سخت ضرورت ہے کہ پبلک کے ہر نقطۂ خیال کے اصحاب غور و فکر ملیں اور ملک کے معاشی مسائل پر غور و فکر کرنے کے لیے ایک ادارہ قایم کریں۔

یہ ادارہ ہر معاشی اسکیم پر غور کرے گا اور اگر ضرورت ہو تو دوسروں کی رائے بھی حاصل کرے گا حکومت کی کوششوں اور ارادوں کو سمجھے گا۔ اس کے بعد ہی حکومت اور پبلک میں صحیح تعاون پیدا ہو سکتا ہے اور صحیح پبلک رائے قایم ہو سکتی ہے۔ کبھی کبھی چند منتخبہ حضرات کا عہدہ داران سرکاری کے ساتھ کمیٹی میں بیٹھ کر تجاویز پر رائے دے دینا کافی نہیں۔ اگر حکومت اس تجویز کو شرف قبولیت بخشے اور ملک کے مختلف نقطہ ہائے خیال کے اصحاب فکر معاشی مسائل پر غور کرنے کے لیے متفق ہو جائیں تو وہ وقت ملک کی ترقی کے لیے نئے دور کا آغاز ہو گا اور ہم ہندوستان میں ایک اور عظیم مثال قایم کریں گے۔ اس کے بعد انشاء اللہ وہ زمانہ دور نہ ہو گا جب کہ ملک سے افلاس، فاقہ کشی، تنگ دستی دور ہو جائیں۔ جاڑے میں چھوٹے چھوٹے بچے برہنہ حالت میں اکڑتے ہوئے نظر نہ آئیں گے۔ بغیر بستر کے مٹی پر سونے والوں کو بستر اور چارپائیاں نصیب ہو جائیں گی۔ تمام بے چراغ گھر روشن ہو جائیں گے۔

نمائش مصنوعات ملکی کے انعقاد سے ملک کے معاشی وسائل منظر عام پر لائے جا رہے ہیں۔ سال بسال اس کی ترقی سے ملک کی معاشی جد و جہد میں جو اضافہ ہو رہا ہے وہ آپ حضرات کے سامنے ہے اس مرتبہ مصنوعات کے ساتھ ترقیات سررشتہ جات کا مظاہرہ بہت کامیاب ثابت ہوا اور یہ ملک کے شاندار مستقبل کا ضامن ہے۔

معاشی کانفرنس میں سال حال یہ مباحث منظور ہوئے ۔

(۱) حیدرآباد کا مسئلہ اغذیہ ۔

(۲) حیدرآباد کا نظام مالگزاری ۔

(۳) حیدرآباد کے لیے معاشی منصوبہ بندی ۔

(۴) حیدرآباد کے مزدوروں کے مسائل ۔

ان اجلاسوں کے صدر صاحبان اپنے پُر ازمعلومات خیالات کا اظہار فرمائیں گے ۔ اس موقعہ پر ان کی اہمیت و افادیت بطور خاص واضح ہے ۔

معاشی کمیٹی کی طرف سے آپ سب خواتین و حضرات کا ایک مرتبہ اور دلی خیرمقدم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ملک اور قوم کی خدمت کا یہ جذبہ جو کشاں کشاں آپ کو یہاں تک لایا ہے ۔ دیر تک آپ کے دلوں میں زندہ اور فروزاں رہے ۔

عالی جناب سر صدر اعظم بہادر سے اس کانفرنس کے افتتاح کی درخواست کرتے ہوئے یہ دعا کرتا ہوں کہ اے خالق حقیقی ہماری قومی زندگی کی روح اور قومی اقتدار کے مظہر اعلیٰ حضرت سلطان العلوم شہنشاہ سخن جلالت الملک نواب میر عثمان علی خاں بہادر تاجدار دکن و برار خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کا سایۂ ہمایوں کو تا دیر ہمارے سروں پر باصحت و عافیت جلوہ فگن رکھ اور ملک کی مزید خدمت کے لیے آنے والے کٹھن زمانہ میں ان کی رہنمائی فرما اور خانوادۂ آصفی کو صحت و سکون قلب کے ساتھ بلند و سرفراز شادکام اور بامراد اور نیکنام رکھ آمین یا رب العالمین ۔

تقریر خیر مقدمی از جناب میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر

حضرات :- مجلس استقبالیہ کے خطبہ کے بعد پھر تقریر خیر مقدم کچھ غیر ضروری ہے لیکن پروگرام کے لحاظ سے مجھ پر یہ فرض عاید کیا گیا ہے۔ اس لیے میں صرف دو ایک امور کے متعلق آپ حضرات کو متوجہ کروں گا۔

معاشی کمیٹی جس کے اہتمام سے یہ کانفرنس بھی منعقد ہوتی ہے اس لیے قایم کی گئی کہ ملک کی خوش حالی کے لیے اجتماعی طور سے متحدہ سعی و کوشش عمل میں لائی جا سکے۔ اور اس مقدس مقصد کی پیش رفت میں ملک کے سب طبقات اور سب مفادات کسی فرق کے بغیر جد و جہد کا حق ادا کریں۔ معاشی کمیٹی اور اس کانفرنس کا نصب العین یہ ہے کہ ملک کے تمام معاشی حالات کا جائزہ لے دولت کی پیدایش تقسیم اور صرف پر نظر رکھے پیچیدہ مسائل کو سلجھانے کی کوشش کرے اور اس طرح ایسے خوش آئند وسائل دریافت کرے جس سے ہمارے عزیز ملک کو معاشی اطمینان فارغ البالی اور خوش حالی کی نعمت میسر ہو سکے۔ اور جس طرح نمایش مصنوعات ملکی کے عملی اقدام سے اہل ملک کو اپنے ملک کی صنعت سے روشناس کیا جا رہا ہے معاشی کانفرنس کے ذریعہ علمی اور تحقیقی مسائل ملک کے سامنے پیش کرنا مقصود ہے۔ عالمگیر جنگ نے جہاں مختلف مصائب لائے ہیں وہاں یہ امر بہت زیادہ واضح ہو گیا ہے کہ جب تک کسی ملک کی معاشی حالت اور بالخصوص صنعتی ترقی اطمینان بخش نہ ہو کوئی ملک جنگ ہو یا امن اپنی حفاظت نہیں کر سکتا بلکہ اس کی بقا بھی معرض خطر میں پڑ جاتی ہے مثلاً ضروریات زندگی اہم اشیا کی فراہمی کے مسئلہ پر آپ غور کریں تو یہ واضح ہوگا کہ زمین ماضیہ میں ہماری غفلت کس درجہ خطرناک ثابت ہوئی۔ یہ ایک عجب افسوس ناک حقیقت ہے کہ ہندوستان باوجود اپنے قدرتی وسائل کے غذائی اجناس کی حد تک بھی خود مکتفی نہیں ہے مجھ کو یقین ہے کہ عالیجناب صدر اعظم بہادر اور قابل صدر کی رہنمائی میں ہم معاشی ترقی کے مختلف مسائل پر نہایت سنجیدگی سے غور کریں گے اور آئندہ کے لیے لائحہ عمل مرتب کریں گے۔

بہر حال ہماری اس کوشش میں ملک کے مختلف مفادات کے سر برآوردہ افراد جو تعاون فرما رہے ہیں میں ان کا نہایت مخلصانہ خیر مقدم کرتا ہوں اور یہ توقع رکھتا ہوں کہ اس باہمی تعاون اور اخلاص مندی کے نہایت خوش آئند نتایج پیدا ہوں گے۔

تقریر ہز اکسلنسی صدر اعظم بہادر

خواتین و حضرات!

میں معاشی کمیٹی کے اراکین اور ان کے صدر مولوی سید عارف الدین صاحب کا مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھے امسال معاشی کانفرنس کو مخاطب کرکے حیدرآباد کی صنعتی تنظیم سے متعلق اظہار خیال کی دعوت دی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ جنگ کے پانچ ہولناک سال گذر گئے اور اب جنگ کا پانسہ پلٹ چکا ہے گذشتہ دو سال میں متحدین جنھیں جنگ کی ابتدا میں کثیر نقصانات اٹھانے پڑ رہے تھے نہ صرف رفتہ رفتہ سنبھل گئے بلکہ سنبھل کر انھوں نے دشمنوں کو پے در پے شکستیں دینی بھی شروع کر دی ہیں بالخصوص ۱۹۴۴ء کو اس وجہ سے اہمیت حاصل ہے کہ اس سنہ میں متحدین نے نہ صرف دشمن کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا بلکہ اس کو پسپا کرتے ہوئے خود اس کی سرحدوں تک پہنچا دیا اور آج وہ ممالک جو کچھ عرصہ قبل دشمن کے پنجوں میں گرفتار تھے آزاد ہوکر متحدین کے دوش بدوش دشمن کی قلعہ بندیوں میں داخل ہونے میں کامیاب ہوچکے ہیں۔ انشاءاللہ اب وہ دن دور نہیں ہے کہ دنیا نازی اور فاشستی چنگل سے نجات پاکر ایک مرتبہ پھر امن اور سکون کا سانس لے سکیگی۔

جس طرح ہر جزر کے بعد مد لازمی ہے اسی طرح یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر تخریب کے بعد تعمیر ہوتی ہے۔ ان ممالک نے جن میں موجودہ جنگ کی ہلاکت آفرینیوں سے تباہی بربادی پھیل گئی ہے اور جو اس جنگ سے کسی نہ کسی طرح متاثر ہوئے ہیں ابھی سے سوچنا شروع کر دیا ہے کہ جنگ کے بعد عالمی معاشی نظام میں ان کا کیا مقام اور کیا درجہ ہوگا اور انھیں کون سے وسائل اختیار کرنے چاہئیں جن کے ذریعہ وہ اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہوکر اہل ملک کی زندگی بہتر بنا سکیں اور بین الاقوامی معاملات میں اپنی اہمیت کو منوا کر اپنے حقوق کی حفاظت کر سکیں گے۔ یہی سبب ہے کہ ہر جانب سے تنظیم و تشکیل جدید کی صدائیں آرہی ہیں۔ کہیں صنعت و حرفت کی ترقی کے خاکے بنائے جارہے ہیں، کہیں سڑکوں کی رہایش مکانات اور ریلوں کی تعمیر پر غور کیا جارہا ہے اور کہیں زراعت کی ترقی اور قومی مالیہ کی استواری کے منصوبے

سوچے جا رہے ہیں تاکہ جنگ کے ختم ہونے پر جو نئے حالات پیدا ہوں گے ان کے اچانک سامنے آ جانے سے ملک میں پریشانی، خلفشار، ابتری اور بد نظمی پیدا نہ ہو اور جنگ کی آفت سے بچنے کے بعد نئی مصیبتوں میں اہل ملک گرفتار نہ ہونے پائیں۔

جس طرح افراد کی زندگی میں مخصوص حالات انھیں نئے نئے اسکیم سوچ کر حالات بدلنے اور بہتر بنانے پر آمادہ کرتے ہیں اسی طرح قوموں کی زندگی میں بھی ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب حالات انھیں مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ موجودہ سیاسی، سماجی اور معاشی نظام پر غور کریں قومی زندگی کی نئی تنظیم کریں اور نئے نئے منصوبے بنا کر ان پر عمل پیرا ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نئے حالات سے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے نئی تدبیریں سوچنی پڑتی ہیں جن پر کافی غور و خوض اور دور اندیشی سے عمل کیا جائے تو قوم اور وطن کی کشتی اقتصادی منجدھار سے صحیح و سلامت نکل کر خوشحالی کے ساحل تک جا پہنچتی ہے۔ اقتصادی ترقی اور اقتصادی آزادی سیاسی ترقی سے بھی کہیں زیادہ ضروری ہے۔ کوئی قوم اور ملک اس وقت تک صحیح معنی میں آزاد نہیں جب تک کہ اسے اقتصادی آزادی حاصل نہ ہو۔ اگر تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ صاف ظاہر ہو جائیگا کہ اکثر سیاسی کش مکش محض اقتصادی برتری کے حصول کے واسطے ہوتی ہے۔

لہذا بجز اس کے چارہ نہیں ہے کہ ایک نئے نظام کی داغ بیل ڈالی جائے اور ایک نئی عمارت تعمیر کی جائے۔ اس نئی عمارت کو نئے اصولوں پر بنانا ہوگا تاکہ خود ہمارے ملک کا وہ طبقہ جو اقتصادی طور پر درماندہ ہے ترقی کر سکے اور اس میں بے چینی جو درماندگی کا نتیجہ ہے پیدا نہ ہو۔ سوال یہ نہیں ہے کہ نئی تنظیم اور نئی تشکیل ہو یا نہ ہو بلکہ سوال صرف یہ ہے کہ یہ تنظیم اور تشکیل کیونکر ہو اور اس پر عمل کیونکر کیا جائے۔ تنظیم جدید سے در اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملک کی ترقی کے لیے وسیع پیمانہ پر لائحات عمل تیار کیے جائیں اور پوری جد و جہد کے ساتھ انھیں روبہ عمل لایا جائے۔ اس مقصد میں کامیابی کے لیے جرأت، دور اندیشی اور عمل کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے بڑے بڑے صنعتی مراکز کا قیام، وسائل حمل و نقل کی تعمیر اور مفاد عامہ کے بڑے بڑے منصوبوں کی تشکیل ضروری ہے۔ معاشی تنظیم جیسے اس دور جدید میں ایک خصوصی اہمیت حاصل ہو گئی ہے وہ در اصل قوم کی حقیقی تنظیم ہے۔ یہ تنظیم تین حصوں پر تقسیم کی جا سکتی ہے۔ خیالات، ادارے اور عمل۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں چند مخصوص خیالات نشو و نما پا کر ہر دوسری چیز سے زیادہ اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اس زمانہ کے ادارے ان خیالات کے

آئینہ دار ہوتے ہیں اور اس کے بعد یہ خیالات ان اداروں کے ذریعہ عملی شکل اختیار کر کے قوم کی نئی زندگی کی تعمیر کرتے ہیں۔ نئے حالات سے نئے خیالات پیدا ہوتے ہیں نئے خیالات سے نئے ادارے معرض ظہور میں آتے ہیں اور نئے اداروں سے نئی زندگی کی تخلیق ہوتی ہے۔

چونکہ اس دور میں قومی زندگی میں معاشی پہلو کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے ایک دور اندیش اور مدبر حکومت کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اس طرف خاص توجہ کرے اور جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی ایسے اسکیم بنائے اور قومی معاشیات کی اس طرح تنظیم و تشکیل کرے کہ جنگ کے اختتام پر اہل ملک کی زندگی میں خلفشار اور بدنظمی پیدا نہ ہونے پائے۔

کسی ملک اور خاص کر پسماندہ ممالک میں عام معاشی تنظیم پر توجہ کرنے سے پہلے ان کی صنعتی تنظیم پر توجہ نہایت ضروری ہے۔ جنگ کے بعد اگر دنیا کو اس خوفناک بلا سے آزاد کرنا ہے کہ جو پچھلے ۳۰ سال میں دو بار جنگ کی صورت میں رونما ہو چکی ہے تو پسماندہ اقوام و ممالک کو معاشی اور اقتصادی دنیا میں ایک مناسب جگہ ملنا لازمی ہے۔ اس لیے پسماندہ ممالک اگر موجودہ جنگ سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو سنبھال نہ لیں گے تو جنگ کے ختم ہونے پر انھیں چند در چند مشکلات سے دوچار ہونا پڑیگا اور کوئی تعجب نہیں کہ معاشی اور صنعتی میدان میں وہ پھر بہت پیچھے رہ جائیں۔

تنظیم جدید کے سلسلہ میں میں اس امر کی جانب آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت دنیا کے ہر نظام میں عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کی کوششوں کو خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے اور ہر مکتب خیال خواہ وہ نازی ہو یا اشتراکی، عمومیت پسند ہو یا آمریت پسند اس خیال کا حامی ہے کہ ایسی صحت مند اور قوی نسل پیدا کی جائے جو نئے تصورات کی بناء پر نہ صرف نشو و نما پائے بلکہ آئندہ بھی ان خیالات کو فروغ دے۔ بہتر معیار زندگی پیدا کرنیکی خواہش موجودہ زمانہ کے ہر صنعتی اور تعلیمی منصوبہ کی بنیاد ہے اور موجودہ دور کا سائنٹیفک اور حرفتی اقدام اس منصوبے کو زیادہ مضبوط اور منضبط کرتا ہے۔ ایک اور خاص امر جو قابل توجہ ہے یہ ہے کہ جنگ کے بعد یہ آسان نہ ہوگا کہ انفرادی مساعی، اقتصادی اور معاشی مسائل کو کامیابی سے حل کر سکیں۔ بلکہ حکومت اور افراد کی مشترکہ کوشش سے کامیابی حاصل ہو سکے گی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرمایہ داروں کی انفرادی کوششیں منظم معیشت کی پالیسی کے خلاف تصور کی جائیں گی یا یہ کہ ایسی کوششوں کے لیے اس تنظیم جدید میں گنجائش نہ ہوگی۔

حضرات ! حکومت حیدرآباد ان پیش آنے والے مسائل سے غافل نہیں ہے حیدرآباد کی جدید صنعتی زندگی کا سنگ بنیاد ۱۹۲۹ء میں رکھا گیا جب ایک کروڑ روپیہ کی خطیر رقم سے ایک انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ قایم کیا گیا تاکہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی چھوٹی اور بڑی صنعتوں کو مضبوط بنیادوں پر قایم کرنے میں مدد دی جائے۔ اس فنڈ میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا اور موجودہ جنگ شروع ہونے تک جو نئی صنعتیں قایم ہوتی گئیں حکومت سرکار عالی کی جانب سے ان کی حمایت اور امداد میں دریغ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ پارچہ بافی اور شیشہ سازی وغیرہ کے کارخانوں کو حسب ضرورت مدد دی گئی۔ ساتھ ہی گھریلو صنعتوں کی ترقی پر بھی توجہ اور انھیں مختلف اقسام کی مالی اور فنی امداد دے کر مضبوط بنیادوں پر قایم کرنے کی کوشش کی گئی۔

موجودہ جنگ کے ابتدائی دور ہی میں یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ہم صنعتی میدان میں دوسروں سے بہت پیچھے اور اپنی ضروریات حاصل کرنے میں ان کے دست نگر ہیں۔ حکومت سرکار عالی نے اس طرف فوری توجہ کی چنانچہ ایک انڈسٹریل کارپوریشن قایم کیا گیا جس کے خطیر سرمایہ کے ایک بڑے حصہ کی ذمہ داری خود حکومت سرکار عالی کی جانب سے لی گئی۔ اس کارپوریشن کے ذریعہ بھاری کیمیاوی اشیاء۔ شیٹ گلاس۔ شیشہ۔ گلوکوس۔ اسٹارچ۔ کیسین پلاسٹکس وغیرہ بڑے پیمانہ پر بنانے کا انتظام کیا گیا اور اس سلسلہ میں آلون مٹل ورکس، حیدرآباد اسٹارچ پروڈکٹس کیمیکل اینڈ فارماسیوٹیکل ورکس، پاور الکحل فیکٹری، حیدرآباد کیمیکل اینڈ فرٹی لائزرس اور متعدد کارخانے حکومت کی امداد اور حمایت سے قایم کیے گئے۔ ان کے علاوہ اسی عرصہ میں بعض دوسرے شترکہ سرمایہ کے کارخانہ جات مثلاً تاج کلے ورکس، تاج گلاس ورکس، نیشنل نوڈ پراڈکٹس، حیدرآباد کنٹینرز، کاسمٹیکس اینڈ پرفیومری، انامل ورکس، وڈ پراڈکٹس، واٹر پراڈکٹس، ونز فلور ملز، دکن فلور ملز، نیشنل انڈسٹریز آئیل اینڈ پینٹس اور پنسل ورکس وغیرہ کا قیام بھی عمل میں آیا۔ ان میں سے اکثر نے اپنا کام شروع کر دیا ہے اور مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ان میں سے بعض نے اپنا کاروبار حسن و خوبی انجام دیا ہے اور اس نمایش میں جو مجلس مصنوعات مملکت آصفیہ کی جانب سے ترتیب دی گئی ہے ان کارخانوں کے منجملہ اکثر کارخانوں کے مثال موجود ہیں یہ امر ہم سب کے لیے مسرت کا باعث ہے کہ حیدرآباد صنعتی میدان میں آگے بڑھ رہا ہے اور ہماری موجودہ کامیابی مستقبل کی عظیم تر اور درخشاں تر کامیابیوں کی تمہید ہے۔ حکومت سرکار عالی موجودہ صنعتوں میں توسیع دینے کے علاوہ جدید

صنعتوں مثلاً خزامی (?) - روغن سازی - کیمیاوی کھاد اور مصنوعی ریشم آلات سازی وغیرہ کے
مزید بڑے بڑے کارخانے قایم کرنے کی اسکیموں پر غور کر رہی ہے ۔ مگر جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کسی
ملک میں محض کارخانوں کا قیام ہی کافی نہیں بلکہ کارخانوں کے قیام سے بھی زیادہ ضروری امر
یہ ہے کہ ان کی ساختہ اشیا کے لیے نہ صرف اندرون ملک ایک اچھا بازار پیدا کیا جائے بلکہ بیرون
ملک بھی ان کی نکاسی کا انتظام کیا جائے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان صنعتوں کو اس قابل
بنا دیا جائے کہ جنگ کے ختم ہونے پر عالمگیر کساد بازاری اور صنعتی و تجارتی مسابقت کے باوجود
یہ صنعتیں اپنی جگہ قایم رہ کر ملک کی دولت اور خوشحالی میں اضافہ کریں ۔ حکومت سرکار عالی ان
جملہ تدابیر پر غور کر رہی ہے اور ملک کے صاحب الرائے اور بالغ نظر طبقہ سے متوقع ہے کہ وہ بھی
اپنی توجہ اور تعاون سے ملک کے مستقبل کو درخشاں تر بنانے میں حکومت کا ہاتھ بٹائیگا ۔

حکومت سرکار عالی نے مابعد جنگ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انتظامات شروع
کر دیے ہیں اور سال رواں کے موازنہ میں بعض ایسے کاموں کے لیے گنجایش رکھی گئی ہے جو
مملکت حیدرآباد کی معاشی و حرفتی ترقی میں ممد و معاون ہو سکیں گے ۔ چنانچہ ایک مرکزی صنعتی
تحقیقاتی تجربہ خانہ کے قیام کے لیے ۱۷ لاکھ روپیہ فراہم کیا گیا ہے ۔ اسی ضمن میں صنعتی معملوں کا
قیام بھی عمل میں آئیگا ۔ کیونکہ بڑے بڑے معملوں کے بغیر صنعتی زندگی مکمل نہیں سمجھی جا سکتی ۔ یہ
معمل مختلف اشیا پر تجربے کر کے اپنے تجربوں سے صنعتوں کو فروغ دینے کی کوشش کریں گے اور ملک
میں جو ادارے پہلے ہی سے صنعتی تحقیقات میں مصروف ہیں ان سے ربط و تعاون پیدا کر کے اپنی
تحقیقات سے انھیں بھی فائدہ پہنچائیں گے ۔

اس وقت تک حکومت حیدرآباد تعلیمی وظیفے دیکر صنعتی تعلیم کے لیے قابل اور ہونہار
طلبہ کو ممالک غیر بھیجا کرتی تھی کیونکہ ملک میں صنعتی کالج نہیں تھے لیکن اب وسیع پیمانے پر
ایک بڑے ٹکنالوجیکل انسٹیٹیوٹ کا قیام زیر غور ہے ۔ اس کالج کے علاوہ ملک کے طول و
عرض میں متعدد صنعتی مدارس کے قیام کی تجاویز زیر غور ہیں ۔ اس کے علاوہ یہ بھی طے کیا
جا چکا ہے کہ برطانوی ہند اور بیرون ہند بھی خاص خاص صنعتوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے
حکومتی وظایف دیکر موزوں طلبہ کو بھیجا جائے ۔

میں نے انجمن طیلسانین عثمانیہ کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ۱۳۵۲ف (?) میں
عثمانیہ ٹکنیکل کالج کے قیام اور اورنگ آباد کے صنعتی مدارس کی مزید تنظیم مرکزی مدرسہ فنون لطیفہ

حیدرآباد گلبرگہ عادل آباد اور نظام آباد میں جدید صنعتی ہائی اسکولوں اور حیدرآباد گلبرگہ اور نظام آباد میں صنعتی مدارس کے قیام کا ذکر کیا تھا۔ توقع ہے کہ ۱۳۵۴ف کے ختم ہونے سے قبل یہ سارے مدارس قایم ہو جائیں گے اور ان میں درس کا سلسلہ جاری ہو جائیگا۔

صنعتی ترقی میں معدنی کوئلہ کو جو خاص اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ حیدرآباد میں خوش قسمتی سے کثیر مقدار میں کوئلہ موجود ہے لیکن چونکہ معادن زغال ایک بیرونی کمپنی کے قبضہ میں تھیں حیدرآباد اس معدن سے خاطر خواہ مستفید نہیں ہو سکتا تھا۔ اس مسئلہ کو پیش نظر رکھ کر حکومت سرکار عالی نے مختلف تدابیر پر غور کیا اور بالآخر "حیدرآباد دکن کمپنی" کا جملہ اثاثہ جو سنگاریتی کولریز کمپنی کے ۸۰ فیصد حصص اور ڈبنچرز پر مشتمل ہے حاصل کرلیا گیا ہے۔ کمپنی مذکور کی املاک کے علاوہ اس کمپنی کے وہ سارے اجارہ دارانہ حقوق جو دیگر معادن کی کان کنی سے متعلق تھے موزوں معاوضہ دیکر خرید لیے گئے ہیں جس کی وضاحت اخباروں اور سرکار عالی کی ایک مختص اشاعت میں کی جا چکی ہے۔ یہ ایک ایسا اقدام ہے جس کی بدولت ہر قسم کی بھاری اور دیگر صنعتوں کو فروغ دینے کے لیے ایک بڑا میدان کھل گیا ہے۔ اس سلسلہ میں میرے رفیق کار معز زرکن فینانس کے مساعی خاص طور پر قابل تحسین و لائق تشکر ہیں۔ اگرچہ کیمیکل وفرٹی لائزرس اور آئرن مٹل ورکس وغیرہ کے قیام سے ہم نے ایک قدم بھاری صنعتوں کی طرف بڑھایا ہے لیکن ہمیں اس میدان میں ابھی بہت کچھ کرنا ہے کیونکہ بڑے بڑے کارخانوں کو چلانے کے لیے ایندھن کی فراہمی نہایت ضروری ہے۔ اور ایندھن ایسا ہونا چاہیئے جس کے استعمال سے صرفہ کم عاید ہو تاکہ ارزاں صرفہ سے سامان بناکر تجارتی نرخوں پر فروخت کیا جاسکے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے سستی برقی قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ بحمد اللہ ملک سرکار عالی میں سستی برقی قوت کے پیدا کرنے کے لیے نہایت کافی وسائل موجود ہیں جن پر اس وقت سرکار عالی کی گہری دلچسپی اور توجہ مرکوز ہے۔

حضرات! آپ کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ نظام ساگر ہائیڈرو الکٹرک اسکیم اور ڈنڈی پراجکٹ تکمیل کے تقریباً جملہ مراحل طے کر چکے ہیں۔ چنانچہ مشنری کا آرڈر بھی دیدیا گیا ہے تنگبھدرا کے بارے میں حکومت سرکار عالی اور صوبہ مدراس کے مابین معاہدہ کی رو سے ممالک محروسہ سرکار عالی کے ایک کثیر رقبہ کو پانی مل سکیگا اور ارزاں قیمت پر برقابی قوت بھی میسر آسکے گی۔ تنگبھدرا کی برقابی اسکیم تقریباً مکمل ہو چکی ہے اور مشنری کی ضرورتوں کا اندازہ لگایا جارہا ہے

ان اسکیموں کے علاوہ حکومت سرکار عالی گوداوری اور دیولانور کی برقابی اسکیموں پر بھی غور کر رہی ہے جن کا تعلق زمانہ مابعد جنگ کے مسائل سے ہے۔ صنعتی اعتبار سے گوداوری کی اسکیم کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس اسکیم کے روبہ عمل آجانے کے بعد ملک سرکار عالی کے ایک بڑے حصہ میں سستی بجلی بافراط فراہم کی جاسکے گی جس سے توقع کی جاتی ہے کہ نہ صرف بڑے کارخانوں کو بلکہ گھریلو صنعتوں کو بھی کثیر فائدہ پہنچے گا۔

ان بڑی اسکیموں کے ساتھ ساتھ ضلع آصف آباد میں ایک چھوٹا اسکیم پیداواگوندی کا بھی ہے جہاں سرپور پیپر ملز قایم ہیں۔ کوشش کی جارہی ہے کہ اس اسکیم کو جتنا جلد ممکن ہوسکے مکمل کرکے مشنری حاصل کرنیکا انتظام کیا جائے۔ اسی ضمن میں چونکہ برقابی اسکیموں کے ساتھ برقی سامان کی ضرورت بھی ہوگی حکومت سرکار عالی نے ایک ایسے کارخانے کے قیام پر غور کرنا شروع کردیا ہے جس میں برقی سامان بنایا جائیگا۔

حضرات! موجودہ اور گذشتہ جنگ کے درمیانی زمانہ میں ہندوستان میں کافی صنعتی ترقی ہونے کے باوجود مشنری کی ساخت کے اعتبار سے ہندوستان ابھی دنیا کے دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہے۔ ہم ابھی تک دوسرے ملکوں کے محتاج ہیں اور جس وقت تک ملک میں مشنری بننا شروع نہ ہو ہم دوسرے ملکوں کے حسب حال دست نگر رہیں گے۔ جدید کارخانوں کے قیام میں سب سے بڑی جو دقت پیش آتی ہے وہ مشنری کی عدم دستیابی ہے۔ اس دقت کو دور کرنے کے لیے حکومت سرکار عالی اس امر کا انتظام کر رہی ہے کہ ممالک متحدہ امریکہ اور سلطنت متحدہ کے مشین ساز کارخانوں سے کوئی سمجھوتہ کرے اور انھیں بشرط ضرورت رائلٹی دیکر ممالک محروسہ میں پلانٹ اور آلات و اوزار بنانے کے کارخانے قایم کرائے تاکہ آئندہ حیدرآباد اپنی صنعتی ترقی میں دیگر ممالک کے محتاج نہ رہے۔

حضرات! صنعتی ترقی کے منصوبوں پر زور دینے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ زراعت کی ترقی کو نظر انداز کیا جائے یا اس کو صنعتی ترقی کے بعد کا درجہ دیا جائے۔ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے جہاں کی آبادی کا ۸۲ فیصدی حصہ زراعت پیشہ ہے ہندوستان کی آئندہ صلاح و فلاح کا دارومدار زراعت کی وسعت اور اس کے فروغ پر ہے۔ خود صنعتی ترقی کا امکان اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جبکہ زراعت کو ترقی دیکر خام اشیا اعلیٰ قسم کی اور زیادہ مقدار میں پیدا کی جائیں۔ تاوقتیکہ زراعتی اور صنعتی ترقی میں قریبی ربط اور توازن نہ پیدا کیا جائے

یہ ممکن نہیں ہے کہ بحیثیت مجموعی ملک کی خوشحالی اور ابنائے ملک کی قوت خرید میں اضافہ ہو۔ ان جملہ حالات کے مدنظر حکومت سرکار عالی نے ایک بڑے زرعی کالج کے قیام کی غرض سے موازنہ سال حال میں پندرہ لاکھ روپیہ کی گنجایش رکھی ہے۔ نیز تنصیب صحرا علم طبقات الارض اور معدنیاتی انجنیری کی تعلیم اور پیمایش طبقات الارض کے لیے گیارہ لاکھ روپیہ کی گنجایش فراہم کی گئی ہے۔ تنظیم بعد جنگ کی متعلقہ کمیٹی زراعت کو فروغ دینے کے عام مسائل مثلاً بہتر تخم اور آلات کی فراہمی۔ کاشت کے بہتر طریقوں کی ترویج۔ ذرائع آبپاشی کی تعمیر وغیرہ جیسے اہم مسائل پر غور کر رہی ہے جس کی سفارشات ضرور سرکار عالی کی توجہ کے مستحق ہوں گے۔

حاضرین! یہاں اس امر کا اظہار دلچسپی کا باعث ہوگا کہ حیدرآباد کی زرعی صنعتی اور معاشی ترقی کے منصوبے سوچنے اور وسائل پر غور کرنے کے لیے حکومت سرکار عالی نے متعدد کمیٹیاں بنائی ہیں جو سرکاری اور غیر سرکاری اراکین پر مشتمل ہیں۔ ان کمیٹیوں میں سے بعض نے ایک بڑی حد تک مفوضہ کام ختم کر کے اپنی سفارشات پیش کر دی ہیں جن پر غور کیا جا رہا ہے۔ لیکن میں اس سلسلہ میں آپ کو اس امر سے مطلع کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم ساری دنیا سے الگ ہو کر اپنی ترقی اور بہبودی کی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ریل، تار اور بحری و ہوائی حمل و نقل کے تیز رو ذریعوں نے زمین کی طنابیں کھینچکر طویل فاصلوں کو مختصر کر دیا ہے۔ اس وقت مختلف ہمسایہ ممالک کی حیثیت ہمسایہ اشخاص کی سی ہوگئی ہے جن سے ہمسایہ داری، ہمدردی اور اتحاد عمل کے بغیر ہم چین اور راحت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ یہ خیال کہ ہم خود مکتفی ہو سکتے ہیں میری دانست میں صحیح نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مختلف علاقے مقامی خصوصیات اور وسائل کو کام میں لا کر ایسی صنعتوں کو ترقی دیں جن میں مقامی خام پیداوار کام میں لائی جا سکتی ہے۔ غیر ضروری مسابقت اکثر اوقات فریقین کے لیے مضر ہوتی ہے۔ ہندوستان ایک عظیم الشان ملک ہے اور حیدرآباد اپنی خصوصی وحدت کے باوجود اس کل کا ایک جزو ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ جزو اپنے کل کی اقتصادی مساعی میں شریک ہو کر مجموعی فلاح میں ممد ہو۔ اقتصادی علٰحدگی نہ صرف ملک کے لیے مضر ہوگی بلکہ ناممکن العمل بھی۔ معاشی تنظیم و ترقی کے پُرپیچ راستے پر جو ممالک یا اقوام گامزن ہیں وہ جب تک وسیع النظری اور دوراندیشی کی صفات سے متصف نہ ہوں منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتیں۔

مابعد جنگ کے اسکیموں کو روبہ عمل لانے کے لیے ایک خطیر رقم کی ضرورت ہوگی معدنی وسائل کو کام میں لانے۔ زراعتی اصلاح وترقی آبپاشی اور برقی بجلی پیدا کرنے کی بڑے بڑے اسکیموں، گھریلو صنعتوں کے قیام صحت عامہ۔ ریلوں سڑکوں اور رہائشی امکنہ کی تعمیر۔ ڈاک اور ٹیلیفون کی توسیع فنی و زراعتی تعلیم۔ تھرمل اسٹیشنوں کے قیام اور علمی و صنعتی تحقیقات پر بیدریغ روپیہ صرف کرنا ہوگا جس سے اہل ملک کی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوگا ان اسکیموں پر مصارف کے اندازے کو دیکھ کر سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ روپیہ کہاں سے آئیگا۔ حکومت سرکار عالی نے مقاصد تعمیر و ترقی کے لیے ایک مد محفوظ قایم کیا ہے لیکن یہ محفوظ رقم اس عظیم الشان لائحہ عمل کے لیے جو پیش نظر ہے کسی طرح کافی نہیں ہوسکتی۔ اور یقیناً دیگر ذرایع سے اس کی سبیل کرنی ہوگی۔ جس کے لیے ایک جانب حکومت اور ملک کے اہل الرائے اصحاب کی بالغ نظری۔ جرأت استقلال محتاط پالیسی کی اور دوسری جانب اہل ملک کے ایثار اور تعاون کی ضرورت ہے۔

اگر آپ کے سامنے معاشی لحاظ سے خوشحال حیدرآباد کا نصب العین ہے۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی معاشرتی زندگی کا معیار بلند تر ہو اور اگر آپ اپنے ملک میں خوشحالی کا دور دورہ دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کرلیں۔ آپ کا کوئی ایثار اور آپ کی کوئی قربانی رائیگاں نہ جائیگی اور آپ خود اپنی آنکھوں اپنی کوششوں کو بار آور ہوتے ہوئے دیکھیں گے اور اس سے مستفید ہوں گے۔

حضرات! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ حیدرآباد کے صنعتی مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ آپ حضرات جو نوجوان حیدرآباد کے نمائندے ہیں ملک کی نشاۃ اور ترقی کے لیے بے چین ہیں لیکن میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ گو آپ کی موجودہ کامیابی قابل قدر اور آپ کے مساعی قابل عزت ہیں لیکن کامیابی خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو بجائے خود منزل المقصود نہیں ہے۔ سعی پیہم آپ کی زندگی کا نصب العین ہونا چاہیے آپ کا مستقل عزم اور آپ کی انتھک کوششیں جن میں حضرت بندگان اقدس و اعلیٰ کی حکومت کی عملی ہمدردی اور مدد شامل ہوگی آپ کی کامیابی کی ضامن ہوں گی اور انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب کہ حضرت اقدس و اعلیٰ کی دلی تمنا کہ مملکت آصفیہ کی رعایا خوشحال اور خورسند رہے پوری ہوکر رہیگی۔ خدا بندگان عالی کے سایہ میں حیدرآباد کو دن دونی ترقی عطا فرمائے۔

اجلاس اول

خطبۂ صدارت کا ترجمہ

از آنریبل مسٹر ڈبلیو، وی گرگسن، سی ایس آئی، آئی سی ایس عہدالمہام رسد سرکار عالی

حیدرآباد کا غذائی مسئلہ

جناب صدر و اراکین حیدرآباد معاشی کانفرنس!

مجھے آپ سے اس بات کی معافی مانگنی ہے کہ میں یہ خطبہ ذاتی طور پر نہیں پڑھ سکا کیونکہ بعض اہم اور ناگزیر وجوہات کی بنا پر میری موجودگی دوسری جگہ لازمی تھی۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کریں گے اگر یہ خطبہ جو حیدرآباد کے غذائی مسئلہ کے بارے میں ہے، میری جانب سے میرے دوست اور شریک کار مسٹر فضل اللہ صدر ناظم محکمہ رسد آپ کو سنائیں۔ آپ نے یہ موقع عطا کر کے مجھے عزت بخشی ہے کہ میں ایسے باثر سامعین کے آگے غذائی مسئلہ کی کچھ تفصیل پیش کر سکوں اور یہ بتا سکوں کہ اس مسئلہ کے حل کرنے کے لیے ہم نے اب تک کیا کیا ہے۔ اور اب کیا کر رہے ہیں۔ اس موقعہ کے عطا کیے جانے پر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پچھلے دو سال میں میں نے سارے ممالک محروسہ سرکار عالی میں غذائی مسئلہ کی بابت اس قدر زیادہ اور اتنے مختلف موقعوں پر اظہار خیال کیا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ میں وہ باتیں دہرانے سے نہیں بچ سکتا ہوں جو میں نے کہیں اور پہلے کہی ہیں۔ لیکن درحقیقت اس سلسلے میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جنھیں بہت زیادہ دہرایا نہیں جا سکتا ہے۔ ہم نے اپنی موجودہ غذائی تنظیم کے ذریعہ کاشتکار کے روایاتی کاموں و درمیانی کارندوں۔ ٹھوک اور چلر فروش بیوپاریوں۔ حمل و نقل کے انتظامات اور صارفین تک کے معاملات میں بہت زیادہ دخل دیا ہے۔ اس تنظیم کے اثرات ملک کے ہر ہر فرد کی روزمرہ زندگی پر نمایاں ہیں اور ہر ایک کو اپنے روزمرہ کے کاموں میں اس تنظیم کے مطابق عمل کرنا پڑتا اس طرح ناگزیر ہے کہ اس اندیشہ کے باوجود کہ ہمارا بیان ان لوگوں کے لیے جواب تک اس مسئلہ کے اہم تر پہلوؤں سے واقف ہو چکے ہیں بالکل غیر دلچسپ ہوگا۔ ہم ایک عامی خصوصاً کم تعلیم یافتہ اشخاص کو یہ پوری طرح نہیں سمجھا سکتے ہیں کہ اس تنظیم کے تحت عام زندگی میں اس تمام دخل دینے کے مختلف اسباب جو کیا

پچھلے مہینے جنگی نمایش کے سلسلہ میں زیادہ غلہ اگانے کی مہم کے یوم کا افتتاح کرتے ہوئے ہز نے جو تقریر کی تھی اس میں غذائی مسئلہ کے چند اہم پہلوؤں کا ذکر کیا گیا تھا ہندوستان بحیثیت مجموعی ایک ایسا ملک ہے جہاں اتنا غلہ پیدا نہیں ہوتا جو اس کی آبادی کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ برما اور سیام پر دشمن کے قبضہ سے ہندوستان سالانہ بیس لاکھ ٹن چاول کی درآمد سے محروم ہو گیا ہے۔ ہماری موجودہ غذائی مشکلات کا یہی بڑا سبب ہے لیکن ہندوستان میں غذا کی صحیح معنوں میں جو مستقل کمی ہے وہ اس سے زیادہ ہے۔ ہندوستان کے باشندوں کی خوراک اپنی نوعیت کے لحاظ سے امن کے زمانہ میں بھی ناکافی تھی۔ یہ کمی مقدار کے اعتبار سے ملک کی اکثریت اور غذائیت کے لحاظ سے سب کے لیے برابر تھی کیونکہ تمام امیر غریب عمر بھر عموماً ایک ہی قسم کی غذا استعمال کرتے ہیں اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ انسان کی صحت کو قایم رکھنے والی غذائیں مثلاً دودھ۔ پھل ترکاریوں انڈے اور مچھلی کا مناسب مقدار میں استعمال نہیں ہوتا۔ پچھلے کچھ عرصے میں اس سوال پر خاصی بحث و گفتگو رہی اور غور کیا جاتا رہا زرعی تحقیقات کی امپیریل کونسل نے اپنی ایک یادداشت میں بتایا ہے کہ ہندوستان اپنی موجودہ چالیس کروڑ آبادی کے لیے مناسب طور پر انسانی جسم کی تمام ضروریات کو پورا کرنے والی جو کم سے کم غذا درکار رہے اس کی فراہمی کے لیے غلہ کی پیداوار میں دس فیصد۔ دالوں کی پیداوار میں ۲۰ فیصد چربی اور تیلوں کی مقدار میں ۲۵۔ فیصد پھلوں کی پیداوار میں پچاس فیصد۔ سبزیوں اور ترکاریوں کی پیداوار میں سو (۱۰۰) فیصد اور دودھ مچھلی اور انڈے کی مقدار میں (۳۰۰) فیصد کا اضافہ کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ مویشیوں کی تعداد میں جو ان مزیدہ ضروریات کی سربراہی کے حمل و نقل اور کاشت کے نئے کام انجام دیں گے۔ بڑا اضافہ کرنا ہوگا اس طرح ان مویشیوں کے لیے زیادہ چارہ فراہم کرنے کی ضرورت ہوگی چنانچہ مذکورہ یادداشت میں بتایا گیا ہے کہ اندازاً ہمیں مویشیوں کی تعداد میں پچیس فیصد اور ان کے چارہ کی پیداوار میں چار سو فیصد کا اضافہ کرنا ہوگا۔

لیکن اس یادداشت میں صرف ایسے مسائل سے بحث کی گئی تھی جو نسبتاً عارضی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں یہ سوالات شامل ہیں کہ (الف) ہندوستان کو جنگ کے زمانے میں باہر کا غلہ نہ ملنے سے جو کمی موجودہ آبادی کی ضروریات کے لیے پڑ رہی ہے اسے کس طرح پورا کیا جائے اور (ب) ہندوستان کی فوجوں کے لیے غذا فراہم کرنے کی کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔

ہندوستان یا حیدرآباد کے غذائی مسئلہ کے متعلق سوچ بچار درحقیقت اس سے آگے بڑھ کر ہونا چاہیئے جیسا کہ میں نے جنگی نمایش کے جلسہ کے موقعہ پر کہا اس میں یہ سوال بھی شامل ہونا چاہیئے کہ کھانے پینے کی چیزوں اور چارہ کی پیداوار میں اس قدر اضافہ کیا جائے جس سے ہندوستان کی موجودہ آبادی کی ضروریات کی مناسب طور پر تکمیل ہوسکے۔ اور اس سے بھی ہمارے پیش نظر وہ طویل تر لائحہ عمل ہونا چاہیئے جس کے تحت اگلے تیس یا چالیس سال میں ہندوستان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے غذا فراہم کیجائیگی ہمیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا ہے کہ غذا کا سوال جو اب تک حیدرآباد یا کل ہند کا سوال تھا اب ایک عالمی مسئلہ بن گیا ہے پچھلے دنوں امریکہ میں بین الاقوامی کانفرنسیں ہوئی ہیں جن میں اغذیہ کی نئی مقداروں کی فراہمی اور غذائی سہولت بہم پہنچانے کے لیے بین الاقوامی ادارہ نے کچھ تجاویز اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے ان عالمگیر تدابیر میں ہندوستان کو بھی حصہ لینا لازم ہے۔

تاہم اس وقت ہم سب کے ذہنوں میں سب سے زیادہ اہمیت عام طور پر ہندوستان اور خاص طور پر حیدرآباد کی موجودہ غذائی صورت حال کی ہے ۔ اس لیے میں اس خطبہ کا بیشتر حصہ یہ بیان کرنے میں صرف کروں گا کہ ہم نے اس سلسلہ میں اب تک کیا کیا ہے اور مستقبل قریب میں کیا کرنے والے ہیں سال رواں یعنی ۱۳۵۳ف ۱۹۴۴-۴۵ء میں غذائی پیداوار کے کچھ اعداد وشمار بھی پیش کیے جائیں گے ۔

لڑائی کے شروع ہونے کے بعد جلد ہی دنیا کے تقریباً دوسرے تمام ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی غذا کے سوال نے ایک اہم مسئلہ کی شکل اختیار کرلی ہے یہاں ہماری ابتدائی مشکلات قیمتوں کے بڑھنے سے شروع ہوئیں۔ لیکن یہ سوال تکلیف دہ اس وقت ہوا جب برما اور سیام سے چاول کی برآمد جو بیس لاکھ ٹن سالانہ تھی بند ہوگئی اس صورت حال میں مزید ابتری بنگال میں اکتوبر ۱۹۴۲ء کے ہوائی طوفان اور اس روزافزوں خطرہ سے پیدا ہوئی کہ ہندوستان پر شاید دشمن حملہ کردے ان سوالات اور ایسے ذخیروں کی غیر موجودگی کی وجہ سے جنھیں صارفین ایسی قیمتوں پر خرید سکیں جن میں کاشتکار کا منافع بھی شامل ہو۔ اور زر کاغذی کے بے اعتباری کی بنا پر غلہ کا ذخیرہ کرنے کے رجحانات پیدا ہوئے تمام ہندوستان کے کاشتکاروں پر یہ واضح ہوگیا کہ غلہ کی نئی بڑھی ہوئی قیمتوں کی بنا پر وہ پہلے کی بہ نسبت کم غلہ فروخت کرکے اس قدر نقد رقم حاصل کرسکتے ہیں جو ان کی مختلف ضروریات

کے لیے کافی ہو۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ذخیرے روک لیے اور اپنی ضروریات سے زیادہ جو غلہ وہ عموماً شہری بازاروں میں بھیج دیتے تھے اس کی مقدار کو کم کر دیا بعض صورتوں میں کاشتکاروں نے اپنے گھریلو استعمال کے غلہ کی مقدار کو بھی بڑھا دیا غلہ کی قانونی قیمتوں میں مزید اضافے یا چور بازار کی قیمتوں کے اور بڑھنے کی امید میں اجناس کو باقاعدہ بازاروں میں بھیجنے سے روک لینے کے رجحان افراط زر۔ اور حمل و نقل کی مشکلات نے غذائی صورت حال میں زیادہ ابتری پیدا کر دی۔ یہ حالات قدرتاً دیہی علاقوں کی بہ نسبت شہروں میں زیادہ سخت تھے۔ کیونکہ سارے ہندوستان کے شہروں میں غلہ کی فراہمی اس مقدار سے ہوتی ہے جو کاشتکار کے اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات کے پورا کرنے کے بعد بچ رہتا ہے۔

حیدرآباد برطانوی ہند کے بعض صوبوں سے یوں زیادہ خوش قسمت ہے کہ یہاں سے بحیثیت مجموعی غلہ برآمد کیا جاتا ہے ۱۳۴۷ف سے ۱۳۵۱ف تک (۱۹۳۷-۳۸ء تا ۱۹۴۱-۴۲ء) کے پانچ سالوں میں ملک سرکار عالی سے دو لاکھ چونسٹھ ہزار پچانوے ٹن جوار اور باجرا برآمد کیا گیا جس کے مقابلہ میں دو لاکھ اڑتالیس ہزار سات سو بائیس ٹن چاولوں کی درآمد ہوئی اس عرصہ میں دوسرے اجناس اور دالوں کی برآمد کو جس کی مقدار دو لاکھ اسی ہزار چار سو پانچ ٹن تھی اور اکیس ہزار آٹھ سو چھبیس ٹن گیہوں کی درآمد کو بھی شامل کر لیا جائے تو مذکورہ پانچ سالوں میں حیدرآباد سے بحیثیت مجموعی دو لاکھ تر سٹھ ہزار نو سو باون ٹن غلہ برآمد ہوا جس کا اوسط باون ہزار سات سو نوے ٹن سالانہ پڑتا ہے

چونکہ غذا کا سوال ایک کل ہند مسئلہ ہے اس لیے ملک کا کوئی علاقہ اپنی غذائی پالیسی دوسرے علاقوں سے الگ تھلگ رہ کر نہیں بنا سکتا ہے۔ اگر ہندوستان کے کسی علاقہ میں لوگ بھوکوں مر رہے ہوں تو یہ تکلیف سارے ملک کی ہوتی ہے افواہیں ایک جگہ سے دوسری پہنچتے پہنچتے بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں ان علاقوں میں بھی جہاں مقامی ضروریات کے لیے غلہ کی کمی نہ ہو خوف پیدا ہو جاتا ہے اور غلہ کی خود ساختہ کمی کی وجہ سے قحط کی سی حالت کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں ۱۹۴۳ء میں بنگال کے قحط اور کلکتہ کی سڑکوں پر مردوں عورتوں اور بچوں کے مرنے کی یاد ہمارے ذہنوں میں ابھی تازہ ہے یہ اب عام طور پر مانا جاتا ہے کہ یہ قحط کم سے کم ایک حد تک خود انسان کا پیدا کردہ تھا غیر ذمہ دارانہ گفتگو اور افواہوں نے

صوبہ بنگال اور آس پاس کے باشندوں کے خوف کو اس قدر بڑھایا کہ وہ قحط کو ناگزیر سمجھنے لگے چنانچہ کاشتکاروں اور بنیوں نے وہ ذخیرے روک لیے یا چھپا دیے جو صورت حال کی سختی کو کم ضرور کرسکتے تھے ہندوستان نے اب یہ صاف طور پر محسوس کر لیا ہے کہ اس کے مختلف علاقوں کو اپنی اپنی غذائی پالیسیاں سارے ملک کے غذائی سوال کو حل کرنے کے نقطہ نظر اور اس کے ایک جزو کی حیثیت سے بنانی چاہئیں اس لیے غلہ کی قیمتوں پر نگرانی فراہمی حمل ونقل تقسیم اور صرف کے مسائل کا انحصار نہ صرف مقامی حالات بلکہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے حالات پر بھی ہونا چاہیئے ۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کے غذائی سوال کے دو خاص اور فوری پہلو ہیں سب سے پہلے تو یہ کہ غلہ کی قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے آبادی کے اس غریب طبقہ کو جو اجرت یا مزدوری کا کوئی کام نہیں کرتا ہے تکلیف ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ ہمارے اضلاع کرناٹک کے بعض علاقوں میں فصلوں کے خراب ہو جانے کی وجہ سے مقامی طور پر تکالیف کا سامنا ہوتا ہے ان علاقوں میں فصلوں کی خرابی پچھلے کئی سالوں سے ایک خصوصیت سی ہوگئی ہے ۔ اس سوال کا تیسرا پہلو ان دیہی علاقوں میں اجناس کی تقسیم ہے جہاں بڑے بڑے رقبوں پر غلہ کی بجائے مونگ پھلی ارنڈی اور دوسری نفع بخش فصلوں کے اگائے جانے سے غلہ کی پیداوار میں کمی ہوگئی ہے ان حالات کی بنا پر ہمارے مقامی مسئلہ کا حل قیمتوں پر قابو رکھنے اور اس کے متعلقہ احکام کی سختی کے ساتھ پابندی کرانے دیہاتوں سے غلہ کی فراہمی اور شہروں اور دیہی آبادیوں میں اس کی صحیح تقسیم پر منحصر ہے لیکن چونکہ غذائی مسئلہ کو کل ہند نقطۂ نظر سے دیکھنا ہے اس لیے ہمیں صرف اپنی ضروریات کا خیال نہ کرنا چاہیئے اور نہ ہم ایسا کرسکتے ہیں دوسرے علاقوں کی طرح اس کام میں ہمیں بھی حصہ لینا چاہیئے بشرطیکہ ہم ایسا اس بات کا یقین کر لینے کے بعد کرسکتے ہوں کہ حیدرآباد کے ہر باشندے کو اس کی مناسب ضروریات مل رہی ہیں ۔

قیمتوں پر نگرانی کے عام مفہوم میں ہر وہ تدبیر شامل ہے جس کا مقصد غلہ کی ان قیمتوں پر اثر ڈالنا ہے جن پر اجناس درحقیقت خریدی یا بیچی جاتی ہیں ۔ اگر حکومت غلہ کے حمل ونقل کے لئے کوئی ترجیح مقرر کر دے حمل ونقل کے ذرائع مہیا کرے یا غلہ کے صرف کی راشن بندی کر دی جائے تو اس سے حکومت قیمتوں پر اثر ڈالتی ہے اور گویا قیمتوں پر قابو پانے کا عمل کیا جا رہا ہے ۔ موجودہ حالات میں حکومت کو قیمتوں پر ایسی نگرانی عملاً ہر درجہ پہ کرنی پڑتی ہے

غلہ کی تجارت کو طلب و رسد کے قوانین کے تحت آزاد نہیں چھوڑا جا رہا ہے ۔ اور نہ درحقیقت ان حالات میں اسے اس طرح چھوڑا جا سکتا ہے ۔ حکومت کو اس سلسلے میں قیمتوں پر نہ صرف ایسی بالواسطہ نگرانی کرنا پڑتی ہے بلکہ غلہ کی فروخت کی زیادہ سے زیادہ قیمتیں مقرر کر کے قانونی طور پر بھی قابو پیدا کرنا ہوتا ہے ۔ غلہ کی عام طور پر استعمال ہونے والی تمام جنسیں انہی مقرر کردہ قیمتوں کے اندر فروخت ہوتی ہیں ممالک محروسہ سرکار عالی کے ابتدائی بازاروں میں جوار اور باجرہ کی زیادہ سے زیادہ مقرر کردہ قیمتیں علی الترتیب اکیس اور بائیس روپیہ حالی ہیں برطانوی ہند کے اُن علاقوں میں جو ممالک محروسہ کے پڑوسی ہیں ۔ یہی قیمتیں سکہ کلدار میں ہیں ۔ چاول کے مختلف ابتدائی بازاروں میں موٹے چاول کی زیادہ سے زیادہ قیمتیں انتیس روپیے حالی سے بتیس روپیہ آٹھ آنے حالی تک اور کھچڑی کے چاول کی قیمتیں بتیس روپیے آٹھ آنے سے اڑتیس روپیہ آٹھ آنے تک ہیں ۔

قیمتوں پر نگرانی کی کوئی پالیسی اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اجناس کے بڑے بڑے ذخیرے قبضہ میں نہ رکھے جائیں ۔ ہم نے یہ دیکھ لیا کہ جونہی کسی سرکاری حکم کے ذریعہ کسی جنس کی زیادہ سے زیادہ قیمت مقرر کی جاتی ہے اس جنس کے ذخیرے بازار سے غائب ہوتے جاتے ہیں اور وہ جنس یا تو چھپا لیجاتی ہے یا چور بازار کے ذریعہ فروخت ہوتی ہے ۔ ایسی صورت میں عوام یہ جنس اس آسانی سے حاصل نہیں کرسکتے جس آسانی سے پہلے حاصل کیا کرتے تھے ۔ اور یہ بات ان کی تکلیف کا باعث ہوتی ہے ۔ لہذا اجناس کا حاصل کرنا غلہ کے انتظام کے سلسلہ کی ایک نہایت اہم کڑی ہے ۔ یہ لازم ہے کہ عوام کے کسی طبقہ کو بھی غلہ کا ذخیرہ کرنے سے روکنے کی ہر ممکنہ کوشش کیجائے ۔ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے کہ ایک معقول مدت کے اندر اسے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات کے لیے غلہ کی جس مناسب مقدار کی ضرورت ہو اس سے زیادہ وہ ذخیرہ کرے ۔

بہ الفاظ دیگر موجودہ حالات کے تحت یہ ناممکن ہے کہ غلہ کو سرمایہ کی طرح جمع کرنے یا زیادہ قیمتیں حاصل کرنے کی امید میں اُسے سٹہ بازی کے طور پر روک رکھنے کی اجازت دیجائے اس کے علاوہ غلہ کی فراہمی کا کام صرف اس قدر نہیں ہے کہ اسے ان علاقوں سے حاصل کرکے جہاں اس کی مقدار مقامی ضروریات سے زیادہ ہے قلت زدہ علاقوں کو بھیجا جائے ۔ بہت کم اضلاع ایسے ہیں جہاں عام طور پر استعمال ہونے والے تمام غلہ کی پیداوار مقامی ضروریات سے

زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے اضلاع میں ممکن ہے کہ کسی ایک جنس کی پیداوار مقامی ضروریات سے زیادہ ہو لیکن دوسری اجناس کی وہاں کمی ہوتی ہے۔ یا کسی ایک جنس کی کمی ہوتی ہے اور دوسری اجناس مقامی ضروریات سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لیے غلہ کا حصول ایک عام مسئلہ ہے جس کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ کاشتکار سے غلہ کی زیادہ سے زیادہ مقدار راست حاصل کرلیجائے۔ یہاں قدرتاً سوال حکماً مطالبے اور کاشتکار کے لیے وہ ترغیب اور آسانیاں بہم پہنچانے کا پیدا ہوتا ہے۔ جن کے تحت اُسے اپنی پیداوار کی زیادہ سے زیادہ مقدار کے فروخت کردینے کی طرف مائل کیا جائے غلہ کے حصول کے مختلف قاعدوں میں سے بہترین یہ ہے کہ حکومت راست یا اپنے کارندوں کے ذریعہ اغذیہ کی ٹھوک خریدار بن جائے اور یہ خریداری ایسی قیمتوں پر ہو جن سے کاشتکار کو غلہ کی فصلیں پیدا کرنے کا خاصہ مناسب معاوضہ مل جائے ٹھوک بیوپاریں اس عمل سے حکومت کو غذائی صورت حال پر قابو حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ قابو لڑائی کے زمانے یا سارے ملک میں غلہ کی کمی کی صورت میں ایک ضروری چیز ہے۔ اغذیہ کے ٹھوک بیوپار پر حکومت کا پوری طرح اجارہ قایم کرنا یا اس تجارت کو قومی ملک بنانا نظری طور پر اغذیہ کی نگرانی کی سب سے زیادہ کامیاب صورت ہوگی۔ کیونکہ اس طرح حکومت نفع اندوزی کو پوری طرح ختم کرسکے گی۔ اور غلہ کی منصفانہ طور پر تقسیم کا ذمہ لیا جاسکے گا۔ لیکن دوسرے علاقوں کی طرح حیدرآباد میں بھی ایسی مکمل نگرانی میں بھی مختلف مشکلات پیش آتی ہیں۔ جس میں سب سے بڑی دقتیں یہ ہیں کہ عوام اور خصوصاً دیہاتی اس کے لیے تیار نہیں ہیں اور یہ کہ ہمارے پاس اتنا کافی تربیت یافتہ عملہ نہیں ہے جس کے ذریعہ اغذیہ کے انتظامات کو ایک قومی ملک کی شکل دیجا سکے تاہم اس سلسلے میں ہم نے خاصا کام کیا ہے۔ حیدرآباد کے مشترکہ ادائی حصہ پیداوار کے حکم کے تحت یہ ضروری ہے کہ ہر وہ کاشتکار جو غلہ کی کاشت کرے اپنی پیداوار کا ایک حصہ لازماً حکومت کے ہاتھ فروخت کرے۔ باجرے اور دوسری مماثل اجناس کے لیے ادائی حصہ پیداوار کی شرح مرہٹواڑہ اور کرناٹک کے علاقوں کے لیے ایک من فی ایکر اور تلنگانہ کے لیے (۱/۲) من فی ایکر مقرر کی گئی ہے یہ مقدار ان کاشتکاروں کے لیے جنھوں نے دس ایکر سے زیادہ زمین پر کاشت کی ہو دونی ہو جاتی ہے۔ فصل آبی میں دھان کی کاشت پر ادائی حصہ پیداوار کی شرح تمام ممالک محروسہ سرکار عالی کے لیے تین من فی ایکر رکھی گئی ہے۔ یہ مقدار کُل پیداوار کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوتی ہے۔

مشترکہ ادائی حصہ پیداوار کے قاعدے کے تحت حاصل ہونے والے غلہ کے متعلق ضروری انتظامات کے لیے حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن کا ادارہ قایم کیا گیا۔ کھلے بازاروں میں غلہ کی مزید خریداری کے لیے اس ادارے کو حکومت کا نمائندہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔

مجھے یہ کہتے ہوئے خاص طور پر خوشی ہوتی ہے کہ حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن (یعنی حکومت سرکار عالی) کی جانب سے غلہ حاصل کرنے کے لیے ممالک محروسہ کی انجمن ہائے امداد باہمی سے روز بروز زیادہ کام لیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں رہنمائی ضلع نلگنڈہ نے کی ہے جس کے مطابق دوسرے اضلاع بھی عمل کر رہے ہیں۔ خرید اور فروخت کی انجمن ہائے امداد باہمی کا ایک جال سا ہر جگہ پھیلایا جا رہا ہے۔ ان انجمنوں نے اتنا حصہ داری سرمایہ فراہم کر لیا ہے جس کی مدد سے ضلع کے تمام گاؤں میں مقامی ضروریات سے زیادہ غلہ خرید لیا جا سکے۔ ضلع نلگنڈہ میں چاول کے سوا دوسرا تمام غلہ ضلع کی ضروریات سے کم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہاں دوسری اجناس کی نہ صرف مقامی پیداوار صرف ہو جاتی ہے بلکہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دوسرے علاقوں سے بھی اجناس کی درآمد کرنا پڑتی ہے۔ ایسی درآمدات اور ان کی تقسیم وغیرہ کے انتظامات بھی یہی انجمن ہائے امداد باہمی کر رہی ہیں۔ اس طرح غذائی صورت حال کی مشکلات سے ہم امداد باہمی کی تحریک کی اچھی طرح ترقی کرنے کا ایک زبردست موقعہ پیدا کر رہے ہیں جس میں عوام کے اس احساس سے مدد ملے گی کہ کاشتکار کو اس کی پیداوار کے فروخت کرنے کے قابل اطمینان انتظامات کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ نقصان پہنچا ہے۔ ہندوستان کی زراعت کے متعلق شاہی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ کاشتکاروں کی مرفہ الحالی اور زراعتی ترقی کی ہر پالیسی کی کامیابی کا دارومدار بہت بڑی حد تک زراعت پیشہ طبقہ کو یہ سہولت بہم پہنچانے پر منحصر ہے کہ کاشتکار اپنی ضروریات سے زیادہ غلہ کی مقدار کو زیادہ سے زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر سکے چونکہ کاشتکار پیداوار کی فروخت کا کوئی اپنا انتظام نہیں رکھتے اس لیے وہ خاصے نقصان میں رہتے ہیں اور نفع کا بڑا حصہ درمیانی کارندوں اور دلالوں کے جیبوں میں چلا جاتا ہے۔ ممالک محروسہ میں اس سلسلہ میں کوئی تفصیلی معاشی تحقیق نہیں کی گئی ہے۔ لیکن بعض ابتدائی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ جوار اور باجرہ کی فروخت میں کاشتکار کو اس قیمت کا جو صارف ادا کرتا ہے (۷۵ تا ۸۰) فیصد حصہ ملتا ہے۔ مدراس میں امداد باہمی کی کمیٹی کی رپورٹ بابت ۱۹۳۹ء-۴۰ء سے معلوم ہوتا ہے کہ چاول کی فروخت میں

کاشتکار کو اس قیمت کا جو صارف ادا کرتا ہے تقریباً صرف (۶۵) فیصد حصہ ملتا ہے۔ ملک سرکار عالی میں چاول کی فروخت کی عام صورت حال وہی ہے جو صوبہ مدراس میں ہے۔ اس سے اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب غلہ اور غلہ کے علاوہ دوسری پیداوار کی خرید و فروخت ہر سال کروڑوں روپیہ تک پہنچتی ہو، کاشتکار درمیانی کارندوں کی وجہ سے کس قدر نقصان میں رہتے ہیں۔ جنگ اور قیمتوں پر نگرانی کی مختلف تدابیر کی وجہ سے کم سے کم امداد باہمی کی تحریک کو ایک زبردست موقعہ مل گیا ہے اس تحریک کے ذریعہ اس بات کی ہر ممکنہ کوشش کیجانی چاہیئے کہ کاشتکار اپنے آپ کو منظم کریں۔ پیداوار کو جمع کرنے کا کام خود سنبھالیں۔ اس کے ذخیرہ کرنے کا مالی بار برداشت کریں۔ پیداوار کی درجہ بندی کریں اور اسے راست صارفین تک پہنچادیں۔ امداد باہمی کے اصول پر پیداوار کی فروخت کی اچھی بنیادوں پر تنظیم ریاست کے لیے نہ صرف آج کل بلکہ جنگ کے بعد بھی دیہی آبادکاری کا ایک نہایت مفید پہلو ہوگی۔ لہذا ہم میں سے بعض کو امید ہے کہ کمرشیل کارپوریشن مستقل طور پر سارے ممالک محروسہ سرکار عالی کے لیے ایک بہترین فروشندہ ادارے کی شکل اختیار کریگا جو امداد باہمی کے اصول پر کام کریگا۔

جبری حصول کا طریقہ چور بازار کے سوداگروں اور ذخیرہ کرنے والوں کے خلاف جو زیادہ قیمتیں ملنے کی امید پر پیداوار کے ذخیرے روک رکھتے ہیں، اختیار کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بتانا غالباً بیجا نہیں ہے کہ یہ تصور کرنا حقیقت پسندی سے دور ہوگا کہ (پیداوار کے) کسی فرد سے کسی قیمت پر خریدنے اور کسی کے ہاتھ کسی قیمت پر فروخت کرنے کے غیر محدود حق کے دوبارہ بحال کردیے جانے سے اطمینان بخش نتائج حاصل ہوں گے۔ جبتک ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ریاستوں میں غلہ کی کمی ہے۔ اس وقت تک آزاد تجارت کی اجازت دینے کا یہ صاف مطلب ہوگا کہ ناجائز طور پر درآمد و برآمد کرنے والوں کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے، سوداگروں کو چور بازار چلانے، ذخیرہ کرنے والوں کو ذخیرہ کرنے سٹہ بازوں کو غلہ میں روپیہ لگانے اور پیسہ والوں کو وہ طریقہ کار جو اسے سب سے زیادہ نفع بخش معلوم ہو اختیار کرنے کی دعوت دیجائے، چاہے یہ کام عوام اور معاشرہ کے لیے کتنے ہی مضر ہوں۔ چنانچہ سب کی بہتری اس میں ہے کہ قیمتوں پر نگرانی کی مختلف تدابیر نہ صرف دوران جنگ میں بلکہ لڑائی کے ختم ہو جانے کے بعد بھی چند سال تک باقی رکھی جائیں۔

تقسیم کے سوال پر بحث کرنے سے پہلے میں حمل و نقل کی بعض مشکلات کا ذکر کروں گا۔ سارے ہندوستان کی طرح حیدرآباد میں بھی جو ریلوے واگین اس کام کے لیے ہیں مل سکتی ہیں انکی

مقدار محدود ہے۔ اس کے علاوہ پٹرول، ٹائروں، بیٹریوں اور فاضل پرزوں کی کمی کی وجہ سے ایسی موٹر لاریوں کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے جن سے بہ صورت دیگر کام لیا جاسکتا تھا۔

تشکر ہے کہ قرضہ و پٹہ کے تحت محکمۂ ریلوے سرکار عالی کو سڑکوں پر حمل و نقل کے لئے گیس پلانٹ کے ذریعہ چلنے والی جو لاریاں مل گئی ہیں ان کی مدد سے ہم ملک کے اندر غلہ کی تیزی کے ساتھ نقل و حرکت کے سوال کو حل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوسکے ہیں۔ تاہم یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ پیداوار کے علاقوں سے صرف کے علاقوں تک غلہ پہنچانے کے لیئے بنڈیوں اور حمل و نقل کے دوسرے تمام مقامی وسائل سے پوری طرح کام لیا جائے۔

بعض علاقوں میں ہم نے حمل و نقل کا کام اونٹوں سے بھی لیا ہے اور بعض اضلاع میں بنجاروں کے بیلوں والے انتظامات حمل و نقل سے پھر کام لیا جانے لگا ہے۔ ان سے اس زمانے کی یاد تازہ ہوتی ہے جب ولزلی اور کارن والس کے ذرائع حمل و نقل بھی یہی تھے یا اس سے بھی پہلے جب بنجارہ نائیکوں، جھنگی اور بھنگی کے ایک لاکھ اسی ہزار بیل حضرت آصفجاہ کی فوجوں کو رسد پہنچایا کرتے تھے اور نائیکوں کو رواجی طور پر تانبے کی وہ تختیاں ملی تھیں جن پر طلائی حروف میں یہ الفاظ کندہ تھے۔

"رنجن کا پانی۔ چھپر کا گاس۔ ان کے تین خون معاف۔ اور جہاں آصفجاہ کے گھوڑے۔ وہاں بھنگی جھنگی کے بیل۔"

غلہ کے ذخیرہ کرنے کا سوال بھی کچھ کم مشکل نہیں ہے۔ تمام اضلاع میں مناسب گوداموں کی بہت کمی ہے۔ حیدرآباد کمرشیل کارپوریشن اپنے گودام آپ بنانے کا ایک پروگرام رکھتا ہے جب لڑائی کے موجودہ حالات ختم ہو جائیں گے۔ اور قومی اساس پر غلہ کو خریدنے اور اس کا ذخیرہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اس وقت انجمن ہائے امداد باہمی محکمہ زراعت ان گوداموں کو کاشتکاروں کے فائدے کے لیے استعمال کرسکے گا۔ بلدہ حیدرآباد میں تقریباً پندرہ ہزار ٹن غلہ کا ذخیرہ کرنے کے گودام اب تک تیار کیے جاچکے ہیں۔

اب میں غذائی مسئلہ کے ایک اور اہم پہلو، راتب بندی کا ذکر کروں گا۔ میرے خیال میں یہ بات اب ہر شخص مانتا ہے کہ جب کسی قوم کے لیے غذا کی رسد مجموعی طلب سے کم ہو تو منصفانہ تقسیم کا واحد ذریعہ راتب بندی ہے۔ غلہ کی پالیسی کی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق راتب بندی (۱) ہمیں اپنے دوسرے ہم وطنوں کے دکھ کا احساس کرنے کی تعلیم دیتی ہے۔ (۲) شہروں میں

اس چیز کو روکنے کا واحد ذریعہ ہے کہ دولتمند تو اپنے خرچ میں کوئی یا تقریباً کوئی کمی نہ کریں اور غریب طبقہ بھوکوں مرے (۳) غلہ کی دوکانوں پر اس مجمع بھیڑ بھاڑ کو ختم کرنیکا ایک ہی ذریعہ ہے جہاں دہشت اور سماجی بے چینی کے جراثیم پلتے ہیں (۴) نفع بازوں اور ذخیرہ کرنے والوں کے خلاف رائے عامہ کو ابھار رکھنے کا بہترین طریقہ ہے اور (۵) راتب بندی کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ ہندوستان جہازوں اور حمل ونقل کی دوسری مشکلات کی باوجود دوسرے ملکوں سے غذا طلب کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ ایسے دوسرے ملک یہ سوال کرسکتے ہیں۔ "کیا تم یہ امید کرتے ہو کہ ہم اپنا غلہ اور اپنے ذرائع حمل ونقل خود اپنے لئے استعمال نہ کر کے ان میں تمہارے لیے گنجایش فراہم کرینگے، جب کہ تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ راتب بندی کے ذریعہ خود اپنے ملک کی پیداوار کو سارے ملک میں برابری کیساتھ تقسیم کرو"۔ راتب بندی ہی وہ واحد قابل اعتماد اساس ہے جس کی مدد سے غذائی ضروریات کا صحیح طور پر حساب لگایا جا سکتا ہے۔ اور حیدر آباد و ہندوستان نے ایک طویل پروگرام کے ناگزیر جز کی حیثیت سے اسے قبول کرلیا ہے۔

بلدہ حیدر آباد میں راتب بندی گذشتہ موسم گرما میں نافذ کی گئی اور اجناس کی نوعیت کے متعلق بعض شکایات کے باوجود یہ تجربہ کامیاب ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ اب دوسرے علاقوں میں اسی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ بلدہ حیدر آباد سکندر آباد، ورنگل اور نارائن پیٹھ میں تو راتب بندی پوری طرح نافذ ہو چکی ہے۔ اور جلد ہی اسے ممالک محروسہ کے کئی دوسرے چھوٹے شہروں اور اضلاع نلگنڈہ و محبوب نگر کے تقریباً پانچ تعلقوں کے گانوؤں میں نافذ کیا جائیگا۔ راتب کی معیاری مقدار، سوا اسکے کہ رسد میں کوئی عارضی رکاوٹ پڑ جائے، بڑے آدمیوں کو ایک پونڈ روزانہ سے کم نہیں ملنی چاہئیے۔

غلہ کی راتب بندی کا مسئلہ اپنے تحت مختلف سوالات رکھتا ہے۔ جب راتب بندی نافذ کیجاتی ہے تو ذی استطاعت لوگوں میں، راتب بندی کے تحت نہ تقسیم ہونیوالی اغذیہ کے زیادہ سے زیادہ استعمال کرنیکا قدرتی طور پر رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے عوام کے استعمال کے لیے اس خاص چیز کی رسد کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ہر غذائی نظم ونسق کو ایسی چیزوں کے بھی راتب بندی میں شریک کر دینے کے لیے تیار رہنا چاہئیے۔ شکر کی تقسیم راتب بندی کے تحت ہو رہی ہے اور ہر شخص اسے اپنے کارڈ کے ذریعہ خرید سکتا ہے۔ دودھ کی قیمت میں

اضافہ سے کم آمدنی والے ایسے خاندانوں کو جسمیں چھوٹے بچے ہوں مشکلات پیش آرہی ہیں اس لیے اب دودھ کی بھی راتب بندی کا سوال زیر غور ہے اگر اس کی قیمتیں کمی کی طرف مائل نہ ہوں اور فراہم ہونیوالی مقداروں کی نوعیت بہتر نہ ہو تو شہر میں دودھ کی راتب بندی کرنا پڑیگی۔

زیادہ غلہ اگانیکی مہم

ہمیں یہ بات ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ بحیثیت مجموعی غذائی صورت حال کا انحصار بڑی حد تک موسمی حالات اور بارش پر ہے۔ ہندوستان اور خصوصاً دکن میں بارش پر جس حد تک بھروسہ کیا جاسکتا ہے اس سے سب واقف ہیں۔ اس کے علاوہ ملک کی آبادی میں تیزی سے جو اضافہ ہو رہا ہے اس کے مدنظر غلہ زیادہ اگانے کی کوششوں میں مزید طاقت پیدا کرنا اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے ایک ایسے ملک میں جہاں روزانہ کے خرچ میں فی کس ایک آدھ اونس کے قلیل اضافہ سے سال بھر میں لاکھوں ٹن مزید غلہ کی سربراہی لازمی ہو جائیگی، کوئی غذائی پالیسی، جسمیں مسئلہ کے اس اہم ترین پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا ہو، مکمل نہیں کیجاسکتی ہے۔ زراعتی پیداوار کو کسی نئے طریقہ سے فوری طور پر نہیں بڑھایا جاسکتا ہے۔ عام طور پر غلہ کی پیداوار کو بڑھانیکی صورتیں یہ ہیں۔

(۱) موجودہ قابل کاشت رقبوں پر زیادہ سے زیادہ کاشت کیجائے (۲) نفع بخش فصلوں کی بجائے غلہ کی فصلیں اگائی جائیں اور (۳) نئی زمینوں پر غلہ بویا جائے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے لیے کھاد کی بہت زیادہ مقداریں ضرورت ہوتی ہے حیدرآباد میں کھاد کی تیاری کے بہت سے ذرائع ہیں بدقسمتی سے ان سے ابتک پوری طرح کام نہیں لیا گیا ہے ایک نہایت اہم ذریعہ جس سے حال تک کسی بڑے پیمانہ پر کام نہیں لیا گیا تھا آبادیوں کا کچرا اور فضلہ ہے۔ اس کے علاوہ مونگ پھلی ارنڈی اور کسم کے پھول کی کھلی کی کھاد ہے جو کثیر مقدار میں حاصل ہوسکتی ہے لیکن اب تک اس سے بہت کم کام لیا گیا ہے۔ محکمہ زراعت پچھلے کئی سالوں سے ایسی کھاد کے زیادہ استعمال کے لیے پروپگنڈہ کر رہا ہے اور اس سلسلے میں تقاوی کے طور پر خاصی رقمیں بھی دی گئی ہیں اگر ہم مونگ پھلی کی کھلی کی اس تمام مقدار کو جو ممالک محروسہ میں تیار ہوتی ہے اور جس کی مقدار سالانہ اوسطاً تقریباً ایک لاکھ ٹن ہوتی ہے کھاد کے طور پر استعمال کرسکیں تو اس سے پانچ لاکھ ایکر زمین یا آبی فصل کے کل رقبہ کا تقریباً نصف حصہ کھاد حاصل کرسکتا ہے۔

اس طرح دھان کی پیداوار میں زبردست اضافہ ہوگا۔ امداد باہمی کے اصولوں پر خارج کھاتہ اراضیات یا ایسی قابل کاشت زمینوں کو جو بیکار پڑی ہوتی ہیں زیر کاشت لانے کے لیے تعلقہ آرمور ضلع نظام آباد میں بعض دلچسپ تجربات کیے گئے ہیں کئی قطعات اراضی پر ایسے مزدوروں نے جو اپنی ذاتی زمین نہیں رکھتے تھے اور چھوٹے آسامیوں نے کاشت کی۔ یہ کاشت زیادہ تر غلہ کی کیگئی۔ ان سب لوگوں نے مل جل کر اپنے ہلوں اور بیلوں سے کام لیا اور باہمی سمجھوتہ یہ ہوا کہ پہلے تو اراضی کا لگان پیداوار سے جنس کی شکل میں ادا کیا جائے اور باقی مقدار کو آپس میں تقسیم کرلیا جائے۔ اس تقسیم میں ایک ہل ایک اکائی شمار ہو۔ امید ہے کہ ایسے تجربات دوسرے اضلاع میں بھی ہوں گے۔ اس طرح رفتہ رفتہ کاشتکار عام طور پر اجتماعی کاشتکاری کے فوائد محسوس کرینگے۔

غلہ کی پیداوار کو بارش کی بے قاعدگیوں اور مختلف بیماریوں اور کیڑوں سے بچانیکا سوال کھاد کے سوال سے کچھ کم اہم نہیں ہے۔ وسیع تر رقبوں کو زیادہ سے زیادہ کاشت کے تحت لانے کے لیے آبپاشی لازمی ہے اس کے علاوہ ملک میں ہل جوتنے والے جانوروں ذرایع حمل ونقل میں کام دینے والے بیلوں اور دودھ دینے والے جانوروں کی حفاظت اور ان کو بہتر بنانا بھی نہایت ضروری امر ہے حکومت نے جونہی یہ محسوس کیا کہ جانور بڑی تعداد میں ذبح کیے جارہے ہیں یہ حکم دیدیا گیا کہ حاملہ یا دودھ پلانے والی گائیں اور دس سال سے کم عمر کے ایسے تمام جانوروں کو جن سے ہل جوتنے یا حمل ونقل کے کام لیے جاسکتے ہوں ذبح کرنا ممنوع ہے۔ غلہ کی فصلوں کی بیماریوں سے نمٹنے اور آبپاشی کھیتوں کی منڈیر بندی اور دوسرے ذرایع سے دیہی زمینات کو لازمی طور پر بہتر بنانے کے لیے مختلف قوانین تیار کیے جارہے ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں آبپاشی طویل زمانے سے حکومت سرکار عالی کی پالیسی کی ایک نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ برطانوی ہند کے بہت سے صوبوں سے ہم یوں زیادہ خوش قسمت ہیں کہ گاوٴں کے تالابوں اور نہروں وغیرہ کی نگہداشت اور انکی ضروری ترمیم ہماری حکومت کی ہمیشہ سے پالیسی رہی ہے، کیونکہ تمام دیہی ذرایع آبپاشی ریاست کی ملک ہیں ایک طویل عرصہ سے ہمارے موازنہ میں ہر سال بڑی رقمیں پرانے اور ٹوٹے ہوئے تالابوں کو دوبارہ ٹھیک کرنیکے لیے ایک باقاعدہ نظام العمل کے تحت مختص کیجاتی ہیں پچھلے پندرہ بیس سالوں میں نظام ساگر کا بڑا پراجکٹ اور دیرا۔ پالیر اور ڈنڈی جیسی چھوٹی اسکیمیں تکمیل کیگئیں۔ یہ تینوں بڑی چھوٹی اسکیمیں

اسی نوعیت کے کئی کاموں میں سے ہیں جنھیں اس زمانہ میں تکمیل کو پہنچایا گیا ہے۔ اب ملیر پراجکٹ کا کام ضلع کریم نگر اور جیندر ساگر پراجکٹ کا کام ضلع محبوب نگر میں شروع ہو رہا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے۔ ہماری طویل تر پالیسی میں تنگبھدرا گوداوری پراجکٹس جیسی زبردست اسکیمیں بھی شامل ہیں۔ ان اسکیموں کے مکمل ہو جانے کے چند سال بعد ممالک محروسہ میں چاول کی اسقدر پیداوار ہونے لگے گی جو کم سے کم اندرون ملک کی ضروریات کو کافی ہو۔ تنگبھدرا کے علاقہ میں ہلکی آبپاشی کے تحت باجرے اور دوسری خشک فصلوں کی پیداوار میں بھی زبردست نتائج کی توقع کیجاتی ہے۔ جنگلی نمایش کے موقع پر اپنی تقریر میں میں نے بتایا تھا کہ غلہ زیادہ اگانے کے کاموں پر ہم نے کس قدر روپیہ صرف کیا اور کیا انتظامات کیے ہیں۔ ان باتوں کو میں یہاں نہیں دُہراؤں گا۔ البتہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پچھلے سال کپاس اور مونگ پھلی کی بڑھی ہوئی کاشت کو روکنے کی جو کوششیں ہم نے کیں ان میں خاص حد تک ناکامی ان چیزوں کی سارے ہندوستان میں بڑھی ہوئی اور سرکاری طور پر غیر مقررہ قیمتوں کی وجہ سے ہوئی۔ اسی وجہ سے ہمیں نفع بخش فصلوں پر پابندی عائد کرنے کا دستور العمل فوری طور پر نافذ کرنا پڑا۔ یہ دستور العمل خریف کی اس فصل کے بوئے جانے سے پہلے جو اب کاٹی جارہی ہے۔ نافذ کیا گیا۔ جس کے تحت حکومت کو یہ اختیار دیا گیا کہ ان تمام صورتوں میں جب کسی اراضی کے ایک تہائی سے زیادہ رقبہ پر کپاس یا مونگ پھلی کی کاشت کی جائے، جرمانہ کے طور پر مزید محصول یا لگان عائد کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے محض قانون بنا دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام اضلاع میں تعلقداروں نے پٹیلوں پٹواریوں اور دیہی مجالس اغذیہ کے ارکان کے جلسے کیے تاکہ دیہاتیوں پر یہ اچھی طرح واضح کردیا جائے کہ ہندوستان کے تمام علاقوں میں فاقہ کشی کو روکنے کے لیے ہر ممکنہ کوشش کرنا ان کا مذہبی فرض ہے۔ یہ کام وہ اجناس خوردنی کے زیر کاشت رقبہ کو وسیع کرکے اور کپاس اور مونگ پھلی کی کاشت کے رقبوں کو گھٹا کر کرسکتے ہیں۔

غلہ زیادہ اگانے کی اس مہم کے نتائج اچھے رہے۔ غلے کی فصلوں کا زیر کاشت رقبہ جس میں خریف کی فصل کا باجرا اور دالیں اور آبی دھان شامل ہے سنہ ۱۳۵۳ف کے ایک کروڑ چار لاکھ ایکر کے مقابلے میں سنہ ۱۳۵۴ف ایک کروڑ نو لاکھ ایکر ہوگیا۔ گو اس سال آبی اور خریف کی فصلوں کے موسمی حالات کو پوری طرح قابل اطمینان نہیں کہا جاسکتا ہے۔ تاہم کاشت میں

پانچ لاکھ ایکڑ کے اس اضافہ سے ہمیں زیادہ غلہ حاصل ہوا۔ کُل پیداوار کے قطعی اعداد و شمار معلوم کرنے کی کوشش کرنا ابھی قبل از وقت ہوگا۔ کیونکہ آبی اور خریف کی فصلوں کی زردمیں وسیع پیمانہ پر تجربات کیے جانے ہیں۔ پوری پیداوار کا اندازہ زیادہ صحیح طور پر اس وقت کیا جا سکتا ہے جب ان تجربات کے نتائج معلوم ہو جائیں۔ ربیع کی فصل بہتر حالات کے تحت بوئی جا چکی ہے۔ اور تابی فصل سے اچھی امیدیں وابستہ ہیں۔ کیونکہ سمت تلنگانہ کے کئی اضلاع کے تالابوں میں اس وقت پانی پچھلے سال کے اسی زمانہ کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

غذائی صورت حال کو بہتر بنانے کے سلسلے میں سب سے زیادہ نمایاں اور بڑی کامیابی خریف کی اس فصل میں کپاس کے زیر کاشت رقبہ کو کم کر دینا ہے۔ ۱۳۵۲ف میں کپاس کی کاشت بتیس ۳۲ لاکھ ستر ہزار ایکر اراضی پر ہوئی تھی۔ جس کے بالمقابل ۱۳۵۴ف میں کپاس کا زیر کاشت رقبہ تیرہ لاکھ بیس ہزار ایکڑ ہے۔ اسی طرح مونگ پھلی کے زیر کاشت رقبہ میں بھی چار لاکھ نوے ہزار ایکڑ کی کمی کی گئی۔ لیکن جن رقبوں کو اس طرح نفع بخش فصلوں کی بجائے غذائی فصلیں پیدا کرنے کے لیے حاصل کیا گیا تھا ان کے صرف ایک حصہ پر خریف کے فصلوں کی کاشت ہوئی۔ یہ کاشت زیادہ تر دالوں کی ہے۔

ربیع کی فصل میں امید ہے کہ غلہ کے زیر کاشت رقبہ میں بڑا اضافہ ظاہر ہوگا۔ تاہم ابھی غلہ کی زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی پالیسی کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بتانے کی ضرورت ہے۔ کاشتکار پر زیادہ غلہ اگانے کے لیے زور دیا جا رہا ہے۔ لیکن وہ ابھی بہ واضح طور پر نہیں جانتا ہے کہ اسے کونسا غلہ اگانا ہے۔

طویل تر مدت کے ایک لائحہ عمل کی حیثیت سے غذائی اور غیر غذائی فصلوں کی پیداوار کے غالباً پہلے ہی سے نقشے بنا لینے کی ضرورت ہوگی۔ زراعت اور صنعت میں زیادہ قریبی میل جول ہونا چاہیئے۔ غیر غذائی فصلوں کی کاشت کی صرف اس حد تک اجازت ہونی چاہیئے جس سے مندریار کے لیے اس پیداوار کی ایک مناسب مقدار کی برآمد ہو سکے اور ہندستان کی صنعتوں کے لیے ضروری خام اشیاء حاصل ہو سکیں۔ اس طرح غیر غذائی فصلوں کے ایسے پیمانے پر اگائے جانے کا موقع نہیں دیا جانا چاہیئے جس سے پھر غذا اور چارہ کی مقامی ضروریات کا پورا ہونا خطرہ میں پڑ جائے۔ مزید برآں اس مسئلہ میں واضح طور پر رہنمائی کی جانی چاہیئے کہ قوم کی غذا میں وہ کیا تبدیلیاں کیجائیں جن سے ہماری غذا زیادہ قوت بخش ہو جائے یہ صحیح

ہے کہ لوگ وہی غذائیں استعمال کرتے رہنے کا رجحان رکھتے ہیں جن کے وہ عادی رہے ہیں۔ لیکن قیمتوں میں کمی بیشی اور پروپیگنڈے کی ملی جلی کوششوں سے غذائی عادتوں میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ ہمارا مقصد نہ صرف زیادہ غذا پیدا کرنا ہونا چاہیئے، بلکہ ہمیں اپنی غذا کو زیادہ قوت بخش اور غذائیت والی بنانے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کوشش درحقیقت یہ ہونی چاہیئے کہ صحت بخش اور اچھی غذا ایسی مقدار میں پیدا کی جائے جسے ساری قوم آسانی سے خرید سکے۔ ہمیں اپنے پیش نظر صرف دالوں اور اجناس کی پیداوار نہیں رکھنی چاہیئے بلکہ ہمارا مقصد صحت قائم رکھنے والی غذاؤں کی زیادہ پیداوار اور اُن کا استعمال ہونا چاہیئے اُن غذاؤں میں دودھ انڈے۔ پھل اور ترکاریاں شامل ہیں۔ اگر ہمیں قوم کی عام جسمانی حالت اور صحت کے معیار کو بڑھانا ہے تو ہمیں ایسی غذاؤں کی ضرورت ہوگی۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کی موجودہ مفروضہ آبادی کے لئے جو ایک کروڑ اکھتر لاکھ ہے، سالانہ بائیس لاکھ ستّر ہزار ٹن غذا کی ضرورت ہے۔ یہ مقدار ہر بڑے شخص کے لئے آدھ سیر روزانہ' اور دو سال سے بارہ سال تک کی عمر والے بچوں کے لئے پاؤ بھر روزانہ کے حساب سے نکالی گئی ہے (حساب لگایا گیا ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی آبادی جو سنہ ۱۹۴۱ء میں ایک کروڑ تر سٹھ لاکھ تھی، ختم ڈسمبر ۱۹۴۴ء تک ایک کروڑ اکھتر لاکھ ہوگئی ہے۔ دو سال سے کم عمر کے بچوں کی تعداد اب نو لاکھ اٹھاسی ہزار چار سو بیس دو سال سے بارہ سال تک کی عمر والے بچوں کی تعداد پینتالیس لاکھ بہتّر ہزار ایک سو پچاس اور بڑے اشخاص کی تعداد ایک کروڑ سترہ لاکھ چالیس ہزار پینتالیس ہے) سنہ ۱۳۵۳ف میں غلہ کی زیر کاشت اراضی کا مجموعی رقبہ (جس میں غذائی اجناس اور چاول کے علاوہ دالیں شامل ہیں) ایک کروڑ چونتیس لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ تھا ڈاکٹر ایچ مین کے حساب کے مطابق اس رقبہ کی پیداوار معمولی حالات میں تقریباً بینتیس لاکھ دس ہزار ٹن ہوگی روپیہ میں بارہ آنے یعنی پچھتر فیصد پیداوار کے لئے بہتر یعنی موسمی حالات کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسے حالات ہمیشہ نہیں رہتے ہیں۔ تقریباً ہر سال کسی نہ کسی علاقہ میں کوئی نہ کوئی فصل جزوی طور پر خراب ہوجاتی ہے۔ اس قسم کا سب سے زیادہ نقصان ملک سرکار عالی کے اضلاع کرناٹک کو پہنچتا ہے چنانچہ رسد کی تمام صورتِ حال بدل جاتی ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا سنہ ۱۳۵۴ف میں خریف کی فصل کے تحت غلہ جس میں دالیں بھی شامل ہیں' اور آبی دھان کے زیر کاشت رقبوں میں تقریباً پانچ لاکھ ایکڑ کا اضافہ ہوا ہے۔ اگر تابی اور ربیع کی فصلوں سے معمولی پیداوار حاصل ہو تو پچھلے سال کی بہ نسبت اس سال ہماری عام غذائی صورتِ حال خاصی زیادہ بہتر ہو جائیگی' تاہم مجھے ڈر ہے کہ چاول کی قلت ویسی ہی سختی کے ساتھ باقی رہیگی جیسی اب ہے۔ آبی دھان کا زیر کاشت رقبہ تقریباً اتنا ہی ہے جتنا پچھلے سال تھا، یہ رقبہ کم و بیش نو لاکھ

نوے ہزار ایکڑ ہے۔ لیکن چاول کی جس قدر مقدار درآمد کا اب تک وعدہ حکومت ہند نے کیا ہے وہ صرف
پانچ ہزار ٹن ہے۔ اسکے مقابلے میں لڑائی سے پہلے معمولی طور پر ہم تقریباً ساٹھ ہزار ٹن سالانہ چاول درآمد کرتے
تھے۔ اس سال چاول کی ہندوستان میں اس قدر کمی ہے کہ پانچ ہزار ٹن حاصل کر لینا بھی ہماری خوش قسمتی ہے
چاول کی حد تک حیدرآباد کے خود مکتفی ہو جانے یا کم سے کم اسکی قلت کو ایک حد تک دور کرنے کیلئے زیادہ آبپاشی کا
اور زمین کو زیادہ کھاد دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں گیہوں کی بھی کمی ہے لیکن یہ کمی کنٹرول سے پہلے کی
معمولی درآمدات کے حساب سے صرف چھ ہزار تین سو ٹن کی ہے۔ حکومت ہند ہمیں چھ ہزار ٹن گیہوں دینے کا وعدہ
ابتک کر چکی ہے۔ یہ مقدار ہماری معمولی درآمد کے تقریباً مساوی ہے۔ لیکن چاول کی خراب صورت حال سے
خصوصاً شہروں میں گیہوں زیادہ صرف ہونے لگا ہے۔

یہ فرض بھی ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہا ہے کہ ہم ہندوستان کے اُن علاقوں کی مدد کے لئے جہاں غذا کی
مقدار مقامی ضروریات سے کم ہوتی ہے جوار باجرہ اور دالیں وغیرہ کی زیادہ سے زیادہ مقداریں روانہ کر سکیں
اس سال جس قدر برآمد ممکن ہے اسکی صحیح مقدار کا تعین ابھی نہیں کیا جا سکتا ہے گو نئی زرعی اعداد شماری کی
مدد سے ہم پچھلے کسی سال کی خریف کی پیداوار کی بہ نسبت اس سال خریف کی فصل کی پیداوار کا زیادہ صحت کے
ساتھ اندازہ لگا سکیں گے۔ لیکن ہماری ربیع کی فصل جو ابتک ہمت افزا ہے ابھی اپنے ابتدائی زمانہ میں ہے اور
اب سے فصل کاٹے جانے تک ہمیں فکر اور توجہ کے کئی ہفتے گذارنا ہیں۔ زرعی اعداد شماری کے متعلق آپ کو یہ
بتادوں کہ اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہمارے موروثی پٹواریوں کی عام غیر کارکردگی کی وجہ سے پڑی ہم اب انھیں اس
بات کی تربیت دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ زیر کاشت رقبوں اور انکی پیداوار کا زیادہ صحیح طور پر اندازہ لگا سکیں اس
سلسلہ میں اعداد و شمار فراہم کرنے والے عملہ سے یہ کام لیا جا رہا ہے کہ وہ پوری طرح معائنہ کر کے اس مواد کے ایک بڑے
حصہ کی جانچ کریں، جو عمال دیہی نے ابتدا میں روانہ کیا تھا۔ اس سارے انتظام پر برابر نظر رکھی جاتی ہے تاکہ اعداد
شمار جمع کرنیکے طریقوں کو برابر بہتر بنایا جاتا رہے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے، گو ہمارے موجودہ اعداد و شمار پچھلے تمام اعداد و
شمار کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہیں۔ لیکن ان اعداد و شمار کو صحیح معنوں میں قابل بھروسہ ہونے کیلئے ابھی اور وقت لگے گا۔ آنہ واری
حساب اور پیداوار کی مفروضہ مقدار جسکی بنیاد اکثر و بیشتر محض اندازوں پر ہوا کرتی تھی، اس کا حساب اب فصل کے
کاٹنے کے اُن تجربات پر ہوگا جو تمام ممالک محروسہ میں ایک وسیع پیمانہ پر کئے جا رہے ہیں۔ اس سال کے فصل کاٹنے کے تجربات
ابتک صرف آبی دھان پر ہو رہے ہیں۔ خریف کی فصل پر لئے ہوئے تجربات کے نتائج ہنوز زیر تیاری ہیں اور اُنکی
اچھی طرح جانچ کیجا رہی ہے۔ ربیع کی فصل کے زیر کاشت رقبے کے اعداد و شمار ابھی وصول طلب ہیں لہذا ۱۳۵۴ف فصلی
کی فصلوں کی پیداوار کے متعلق ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا لیکن جو ذخیرے ہمیں حاصل ہیں اُن کی بنیاد پر اور

خریف و ربیع کی فصلوں میں زیر کاشت اراضی کے رقبوں اور پچھلے سال کی برآمدات کے اعداد شمار پر نظر کرتے ہوئے حیدرآباد نے فی الحال حکومت ہند کو تیرہ ہزار ٹن غلہ (جو زیادہ تر باجرہ اور دوسری گول دانہ دار جنسوں پر مشتمل ہے) دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اسکے عوض میں ہم پانچ ہزار ٹن چاول چھ ہزار ٹن گیہوں سے بننے والی غذائی اشیاء حاصل کریں گے رتابی اور ربیع کے فصلوں کے زیر کاشت رقبے اور مختلف اجناس کے آنہ واری حسابات کا علم ہو جانے کے بعد درآمد و برآمد کے سوال پر دوبارہ غور کیا جائیگا۔ ان آنہ واری حسابات کی بنیاد فصل کی درو کے ان تجربات پر ہوگی جواب ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اُس وقت ہم باجرہ وغیرہ کی برآمد میں کچھ اضافہ کرسکیں گے۔ کیونکہ ہندوستان کے دوسرے ایسے علاقوں کی ضروریات جہاں ان اجناس کا صرف ہے، اس سال بہت زیادہ ہیں اسکے علاوہ حیدرآباد نے ستر ہزار ٹن دالوں۔ تور۔ مونگ۔ اُڑد کے بھی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ان دالوں کی پیداوار ممالک سرکار عالی میں بکثرت سے ہوتی ہے اور اس چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ دالوں کے زیر کاشت رقبہ میں تقریباً پانچ لاکھ ایکر کا اضافہ ہوا ہے انکی برآمد آسانی سے کیجا سکتی ہے۔ کنٹرول سے پہلے معمولی طور پر دالوں کی کل برآمد سالانہ تقریباً چھپن ہزار ٹن ہوتی تھی۔ اب میں آپ کو مزید اعداد و شمار سے پریشان کرنا نہیں چاہتا ہوں، ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اعداد و شمار کو اگر باقاعدہ طور پر اکٹھا نہ کیا جائے تو یہ ہمیں کس طرح خطرناک طور پر دھوکا دے سکتے ہیں ہم اعداد و شمار کو زیادہ بہتر طور پر یکجا کرنے کے انتظام کی سخت کوشش کر رہے ہیں۔ اور ان حقیقی تجربات کی روشنی میں جو ہمیں حاصل ہوں ہم اپنی غذائی پالیسی میں وقتاً فوقتاً ضروری ترمیم کرتے رہتے ہیں۔

خواتین و حضرات! یہ ایک طویل خطبہ رہا ہے میں اور زیادہ طویل نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اب بھی یہ خوف ہے کہ ان تمام جزئیات کو پیش نظر رکھنے کی صورت میں اصل مقصد پر نظر رکھنا آپ کیلئے مشکل ہو جائیگا۔ اب بھی بہت سی تفصیلات بتانے کے باوجود میں نے غذائی پالیسی کے بعض اہم پہلوؤں کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے جن میں انتظامات تشہیر مرکزی ضلعواری اور دیہی مجالس اغذیہ، خلاف قانون کارروائیوں کی روک تھام کے انتظامات اور ناجائز طور پر برآمد و درآمد کے خلاف اختیار کی جانے والی تدابیر شامل ہیں۔ ان میں سے آخری انتظام کے متعلق میں مختصر طور پر یہ کہونگا کہ میرے نزدیک اس بارے میں سب سے زیادہ مؤثر تدبیر یہ ہوسکتی تھی کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں مختلف اجناس کی زیادہ سے زیادہ ایسی قیمتیں مقرر کردیجائیں جو حالی سکہ میں ان زیادہ سے زیادہ کلدار قیمتوں کے مساوی ہوں جو انھیں اجناس کی برطانوی ہند میں مقرر کی گئی ہیں۔ اس طرح ناجائز برآمد کی تحریک کا سب سے زیادہ باعث جو چیز (یعنی بیرون ملک سرکار عالی اجناس کی زیادہ قیمتیں حاصل کرنیکی امید) ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی اور ناجائز برآمد کا مقصد صرف برطانوی ہند کے چور بازاروں میں اجناس کی فروخت رہ جاتی۔ اس مقصد کیلئے ناجائز طور پر برآمد کرنیوالوں کو نہ صرف ہمارے روک تھام کے انتظامات سے سابقہ پڑتا ہے

بلکہ انھیں برطانوی ہند کی پولیس سے بھی بچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ میں (اپنے خطبہ میں) ان خرابیوں کا بھی ذکر نہیں کرسکا ہوں جو دیانت کے نقطۂ نظر سے ہمارے عمال ان تحت اور عوام میں پھیل گئی ہیں۔ میں نے یہاں عوام کا لفظ قصداً کہا ہے، کیونکہ کوئی شخص اُس وقت تک رشوت حاصل نہیں کرسکتا جبتک کوئی دوسرا اسے دینے پر تیار نہ ہو۔ اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ اغذیہ پر نگرانی کے انتظامات نے رشوت لینے اور رشوت دینے والوں کے لئے بے انتہا مواقع پیدا کردئیے ہیں۔ اسمیں بھی شبہ نہیں ہے کہ دیہی عمال اور دیہی مجالس غذائی تک نے جان بوجھ کر اغذیہ کی صحیح پیداوار کو چھپانے کی کوشش کی ہے اور بلا شبہ بعض دیہی عمال ایسے ہیں جو ذی اثر کاشتکاروں کی اراضی کی پیداوار کو کم بتانے کی خاطر رشوت دئیے جانے پر نارضامند نہیں رہے ہیں اس صورت میں ہمارے بچاؤ کا واحد ذریعہ روشن خیال رائے عامہ ہوسکتی ہے، اور اسے ایسا ذریعہ ہونا چاہیئے۔ اسی وجہ سے ہم نے اپنی مرکزی غذائی مجلس اور ضلعواری اور دیہی مجالس اغذیہ کے ذریعہ غیر سرکاری عہدہ داروں سے اشتراک عمل پر زور دینے کی کوشش کی۔ ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ غلہ کی فراہمی اور تقسیم کرنیوالے اداروں سے جو اشتراک عمل رفتہ رفتہ ہم کر رہے ہیں اس سے ان خرابیوں کے دور کرنے میں بڑی مدد ملیگی۔ ہم نے محکمہ رسد میں ایک خصوصی شعبۂ تشہیر قائم کیا ہے جو صحافت اور عوام کو ہماری تدابیر کے اُصول و مقاصد سے پوری طرح باخبر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ محکمہ رسد کے ایک ایسے علاوہ شعبہ کا قیام بھی اب ہمارے پیش نظر ہے جو دیانت کی شکایتوں کے فیصلے کریگا۔ تاہم میں آپ حضرات سے اور اُن تمام لوگوں سے جن پر آپ اثر ڈال سکتے ہیں ایک مرتبہ پھر یہ اپیل کرونگا کہ وہ گزشتہ کی طرح ہماری مدد کرتے رہیں تاکہ غلط افواہوں کو پھیلنے سے روکا جائے اور اسبات کا یقین حاصل کیا جائے کہ غذائی مسائل کے بارے میں عوام تک صحیح اطلاعات پہنچتی ہیں۔ ہم زیادہ تر اُن غیر سرکاری عہدہ داروں کے شکر گزار ہیں جنھوں نے کئی اضلاع میں ہمیں قیمتی مدد دی ہے۔ ہم تعمیری تنقید کا بھی خیر مقدم کرتے ہیں جسکی توقع ہمیں یقین ہے کہ ہم آپکے ادارہ جیسی جماعت (معاشی کانفرنس) سے رکھ سکتے ہیں۔ آخر میں میں اپنے خطبہ کو تمام متعلقہ محکموں کے ملازمین سرکار کی اُس بڑی اور دیانتدار اکثریت کا شکریہ ادا کئے بغیر ختم نہیں کرسکتا جنھوں نے اغذیہ کی اس مشکل تنظیم کو وجود میں لانے اور اُسے کامیاب بنانے کیلئے نہایت محنت کے ساتھ کام کیا۔ اسطرح ممالک محروسہ کے تمام علاقوں سے ہم سب کے تعلقات روز بروز زیادہ قریبی ہوتے گئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس کا ایک آخری نتیجہ سرکاری ملازمین کی ایک ایسی پود کی شکل میں ظاہر ہوگا جن کا ہماری شہری دیہاتی زندگی کی حقیقتوں سے بہت قریبی اور عملی تعلق ہوگا۔

حیدرآباد کا مسئلہ اغذیہ

از جناب میر غضنفر علی صاحب متعلم جادرگھاٹ کالج

آج کل زمانہ جنگ کے معاشی مسائل میں فراہمی اور تقسیم اجناس خوردنی کا مسئلہ ریاست حیدرآباد میں بیحد اہمیت حاصل کرتا جارہا ہے حکومت سرکارعالی نے محکمہ رسد اور کمرشیل کارپوریشن کو اسی مسئلہ کے حل کے لیے قایم کیا ہے۔ یہ دونوں ادارے اپنے فرایض کو ممکنہ حد تک خوش اسلوبی سے انجام دینے کی سعی میں مصروف ہیں مگر یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ اجناس خوردنی کی فراہمی اور تقسیم کے انتظامات ابھی وہ اطمینان بخش صورت اختیار نہ کرسکے جن کی بنا پر رعایا سرکارعالی سکون کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو۔ مہذب اور متمدن ممالک ہیں جو جنگ کی آگ کی لپیٹ میں آچکے ہیں ایسی موثر تدابیر فراہمی و تقسیم غلہ کے متعلق اختیار کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ہر امیر و غریب شخص کچھ نہ کچھ قوت لایموت حاصل کرہی لیتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مساعی جنگ میں مناسب حصہ لینا حکومت سرکارعالی نے اپنا مسلک قرار دیا ہے تو مساعی جنگ کو صحت بخش اصول پر جاری رکھنے کے لیے سب سے زیادہ موثر تدبیر کونسی ہوسکتی ہے ہمارے خیال میں بحالت موجودہ سب سے زیادہ موثر تدبیر غلہ کی فراہمی اور اس کی مناسب تقسیم ہے آج کل حکومت سرکارعالی نگرانی نرخ اشیاء کی حکمت عملی پر عمل کررہی ہے لیکن حالات جنگ اس سے زیادہ آگے قدم بڑھانے کے مقتضی ہیں عام طور سے نگرانی نرخ اشیاء کا یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے کہ صرف اشیاخوردنی کی نگرانی کیجائے اور اس سے زیادہ تجارتی معاملات میں مداخلت نہ کیجائے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ خیال بالکل مضحکہ خیز ہے کیونکہ محض نگرانی نرخ سے وہ اصلی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا جس کو حکومت رعایا میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے قایم کرنا چاہتی ہے ضروریات زندگی کی فراہمی کے علاوہ انکی مناسب تقسیم اور پھر مقررہ قیمت انکی فروخت بھی دقت کا سب سے زیادہ قابل توجہ مسئلہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک مرکزی نظام کے قیام کی سخت ضرورت ہے جس کو عام طور سے محکمہ اغذیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حکومت سرکارعالی نے ان مسائل کو حل کرنے کے لیے محکمہ رسد اور کمرشیل کارپوریشن قایم کیا ہے جو اپنے فرایض کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینے کی کوشش کررہا ہے۔ واضح رہے کہ مسائل اغذیہ کو حل کرنے کے لیے باقاعدہ محکمہ اغذیہ کا قیام ہی نہایت

مناسب ہوگا ابتک مسائل اشیاء قوتی کو حل کرنے کی جو منتشر کوشش کیگئی وہ ضروریات ملک کے لحاظ سے ناکافی ثابت ہوئی کیونکہ ان تمام تدابیر کو بیک وقت اختیار نہیں کیا گیا جو فراہمی تقسیم غلہ کے لیے ضروری تھیں - اب ذیل میں وہ تمام تدابیر تفصیل سے بیان کی جاتی ہیں جو فراہمی وتقسیم غلہ کے مسائل کے حل کے لیے ضروری ہیں -

اول فراہمی غلہ کا جہاں تک تعلق ہے کاشتکاروں کو بجائے صنعتی پیداواروں کے قوتی پیداوار کی کاشت کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دیجائے اور سائنٹفک اصول پر کاشت کے لیے مناسب کھاد کے استعمال کے طریقے منجانب محکمہ زراعت ہمدردانہ اصول پر سکھائے جائیں - مجھے یہ معلوم کرکے نہایت ہی حیرت ہوئی کہ حیدرآباد میں ایک لاکھ ٹن ولایتی مونگ کی کھلی کی رسد ہے لیکن اس کی طلب بینتیس ہزار ٹن سے زیادہ نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پینسٹھ ہزار ٹن ولایتی مونگ پھلی کی کھلی مدراس اور میسور بھیجی جاتی ہے اگر اس کھلی سے استفادہ کیا جائے تو ہماری پیداوار میں پچیس تیس فیصد اضافہ ہوگا - آج کل امونیم سلفیٹ کی کھاد کے استعمال کے لیے حکومت ہند باقاعدہ کوشش کر رہی ہے اس لیے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ حکومت سرکار عالی مناسب دام پر کاشتکاروں کو فروخت کرنے کا نہ صرف انتظام کرے بلکہ اس کے صحیح استعمال کا طریقہ بھی بتائے - اس طریقہ پر عمل پیرا ہوکر حکومت "زیادہ غلہ اگاؤ کی مہم" کو کامیاب بنا سکتی ہے - حال ہی میں حکومت سرکار عالی نے صنعتی تجربہ خانہ کے قیام کا جو اعلان کیا ہے کیا ہی اچھا ہوگا کہ ہمارے ملک میں امونیم سلفیٹ اور اس کا بدل دریافت کرنے کی اس تجربہ خانہ میں سب سے پہلے کوشش عمل میں آئے - علاوہ ازیں بہتر فصلوں کی تیاری کے لیے بہتر تخم کی سربراہی محکمہ زراعت کی جانب سے عمل میں لائی جائے - کاشتکاروں کو مالی امداد اس طریقہ پر دیجائے کہ امداد کا مقصد فوت نہ ہونے پائے مثلاً یہ کہ محکمہ زراعت کے ناظروں کی نگرانی میں تقاوی قرضوں کی تقسیم عمل میں آئے اور ایسے کھیتوں کی کافی نگرانی کیجائے جن کو سرکاری امداد حاصل ہے - اس خصوص میں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ جب سے کہ سرکار عالی کی جانب سے لیوی سسٹم کے تحت غلہ کارپوریشن کو فروخت کرنے کے احکام جاری ہوئے ہیں اور اب تو حالیہ احکام کے تحت غلہ کی تمام تر خریدی کا اجارہ کارپوریشن کو دیدیا گیا ہے -

کاشتکاروں کی مالی امداد کا مسئلہ ان قواعد کے نفاذ کے بعد بہت زیادہ نازک ہوگیا ہے -

کیونکہ عام طور پر ساہو کار کاشتکاروں کو قرضہ دینے سے اس لیے انکار کر رہے ہیں کہ وہ کاشتکاروں کی غذائی فصلوں کو قرضہ کی ضمانت کے طور پر حاصل نہیں کر سکتے دیہات میں یہ صورت حال حد درجہ پریشان کن ہو گئی ہے۔ کیونکہ کارپوریشن کے قیام کے بعد سے ساہوکار کاشتکار کو قرضہ نہیں دے رہے ہیں۔ اسلیے کاشتکار کی مالی امداد کا مسئلہ حد درجہ نازک ہو گیا ہے۔ حکومت سرکار عالی کو کاشتکار کی فوری امداد کے مسئلہ پر نہ صرف سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے بلکہ ایک زرعی کمیشن کے ذریعہ امداد کے مسائل پر ماہرانہ مشورہ حاصل کرنا ہوگا ورنہ اس امر کا خطرہ لاحق ہو جائے گا کہ کہیں کاشتکار گرانی کی تاب نہ لا کر اور قرضوں کے حصول کی دقتوں سے پریشان ہو کر تباہی و بربادی کے منزل میں نہ پہنچ جائیں۔ آبپاشی کے سہولتوں کی فراہمی بھی اس سلسلہ میں ضرور قابل ذکر ہے جہاں باولیوں کے ذریعہ آبپاشی ہوتی ہے وہاں حیوانات زرعی کے چارہ کی فراہمی اور ان کے امراض متعدی کے بر وقت علاج و انسداد کی جانب بطور خاص توجہ کیجائے۔ مخفی مباد کہ علاج حیوانات کا عملہ ریاست حیدرآباد میں بہت ہی مختصر رکھا گیا ہے۔ زرعی مویشیوں کی قیمتوں میں جو گنا اضافہ ہو گیا ہے جس سے نہ صرف زراعت کو نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ غلہ کے حمل و نقل میں بھی رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں۔ محکمہ رسد کے عہدہ دار خوب واقف ہیں کہ غلہ کے حمل و نقل میں بنڈیوں کی عدم دستیابی صرف بیلوں کی گرانی ہے۔ جہاں تک علاج حیوانات کا تعلق ہے موجودہ عملہ میں اضافہ کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ زرعی مویشیوں کی موت سے کاشتکاروں کی پریشانیاں دوبالا ہو جاتی ہیں جیسا کہ صحت عامہ کی ترقی کی خاطر حکومت سرکار عالی نے چار سو ہلت انسپکٹروں کے تقرر کا اعلان کیا ہے اگر ہر پچاس زرعی مواضعات میں ایک ڈپٹی ازری سب انسپکٹر کا تقرر عمل میں آئے تو شاید مویشیوں کی طبی امداد سے ان کی شرح اموات میں خاطر خواہ کمی واقع ہوگی۔ زیادہ غلہ اگاؤ کی مہم صرف ایسی ہی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ کاشتکاروں کے ساتھ مذکورہ بالا قسم کا مخلصانہ اشتراک عمل کیا جائے۔ اس کے بعد پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فصل تیار ہونے کے بعد کیا کاشتکار کو ساہوکار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ یا حکومت خود فصل خرید لے۔ ہمارے خیال میں اگر حکومت سرکار عالی مثل ممالک متحدہ امریکہ کی حکومت کے مقررہ قیمت پر راست کاشتکار سے

غلہ خریدنے کی مستحسن کوشش کرے تو فراہمی غلہ کا مسئلہ صحت بخش اصولوں پر حل ہوسکیگا اور غریب کاشتکار ساہوکار اور درمیانی تاجروں کی نفع اندوزی کا بری طرح شکار نہ ہوگا۔ خدائے تعالی کا شکر ہے کہ حکومت سرکار عالی نے فروخت ہونے والے مختلف اجناس کی قیمتیں مقرر کردی ہیں جس کی وجہ سے زاید نفع اندوزی کا حکمنہ حدتک سد باب ہوگیا ہے۔

حیدرآباد میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ کمرشیل کارپوریشن خود نفع اندوزی کی طرف مائل نظر آتی ہے ۱۲ر ستمبر ۱۹۴۴ء کو شاہ منزل میں جو مرکزی غذائی مشاورتی کمیٹی منعقد ہوئی تھی اس میں سیٹھ پنا لال پٹی نے دعوی کیا کہ کارپوریشن نے ۱۳۵۳ف میں ایک کروڑ روپیہ کا نفع کمایا۔ اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اس الزام کی تحقیقات کرکے عوام کو مطمئن کیا جائے ممکن ہے کہ تاجروں کا مفسدانہ پروپگنڈا ہو۔

دوم غلہ کی فراہمی کے سلسلہ میں سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ملک کے قوتی اشیاد کے صحیح اعداد شمار حاصل کیے جائیں محکمہ اعداد و شمار کی جانب سے حیدرآباد میں ہر کام بہ حسن خوبی انجام دیا جارہا ہے اس میں شک نہیں کہ حکومت نے ذخیرہ اندوزوں کے خلاف قوانین نافذ کیے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ان قوانین کو زیادہ سے زیادہ سخت بنادیا جائے میں تو اس مسئلہ میں سزائے موت کو بھی جائز سمجھوں گا کیونکہ وہ اشخاص جو سماج کے سینہ پر ایک بھاری بوجھ بن جائیں اور جو ہزاروں اشخاص کو بھوک سے تڑپ کر جان دیتے ہوئے بھی دیکھ سکتے ہیں ان کا اپنے کیفرِ کردار کا مزہ چکھانا سب سے بڑی انسانیت ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو ملک کا امن و امان خطرہ میں پڑجاتا ہے اور بھوکے لوگ مجبور ہوکر لوٹ مار اور ڈکیتی کے جرایم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ حکومت سرکار عالی نے پوشیدہ ذخائر کا پتہ چلانے کی زبردست مہم شروع کردی ہے اور غلہ ذخیرہ کرنے والوں کو ممکنہ سزائیں دیجارہی ہیں۔

سوم ذرایع رسل و رسائل میں سہولت پیدا کرنے کا غلہ کی فراہمی سے بہت ہی گہرا تعلق ہے اس خصوص میں محکمہ ریلوے کے تعاون عمل کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ دوسری مشکل جو اس مسئلہ میں ہے وہ واگنوں کا بروقت دستیاب نہ ہونا ہے غلہ کا چھوٹے چھوٹے گوداموں میں پڑا رہنا اور مرکزی گودام میں نہ پہنچ سکنا غلہ کے ایک جز کو خراب کردیتا ہے مویشیوں کی گرانی کی وجہ بنڈیوں کا دستیاب نہ ہوسکنا اور لیوی کے غلہ کا ایک عرصہ تک

گاؤں میں پڑا رہنا بڑا پیچیدہ مسئلہ بن گیا ہے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ غلہ منتقل کرنے کے قبل ریلوے حکام کو واگینوں کی فراہمی کے متعلق منجانب عہدہ داران محکمہ اغذیہ مطلع کردیا جائے تاکہ ہر کام سہولت اور اطمینان سے انجام پا جائے۔

چہارم　غلہ کی فراہمی کے سلسلہ میں یہ بات بھی زیادہ غور طلب ہے کہ جب ملک کے قوتی ذخائر کے اعداد شمار کی روشنی میں ملک کے باشندوں کی سالانہ قوتی پیداوار کی مقدار کے صرفہ کا صحیح اندازہ معلوم کرلیا جائے تو اُس وقت زاید غلہ بیرون ملک روانہ کرنے کے مسئلہ پر غور کیا جاسکتا ہے کیونکہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں جملہ قوتی پیداواروں کے صحیح ضروریات کا پورا پتہ نہ چل سکا اور بہت ممکن ہے کہ پورا پتہ ملنے تک کافی عرصہ درکار ہو اس لیے ہمارے خیال میں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک لخت بحالت موجودہ بیرون ملک غلہ کی برآمد کو روک دیا جائے یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض حکام ضلع کی ناعاقبت اندیشی کی بدولت کثیر مقدار میں غلہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں باعتبار ضرورت نہ صرف منتقل ہوا بلکہ ساہوکاروں کی چالاکی کی وجہ سے غلہ کی بڑی مقدار سرحدی جاگیراتی علاقوں کے ذریعہ بیرون ریاست سرکار عالی کثیر مقدار میں منتقل ہوئی اور اس طرح حکومت سرکار عالی کے اکثر اضلاع میں قحط غلہ کی صورت پیدا ہوگئی جس کا نتیجہ غلہ فروش دوکانوں کی لوٹ مار کی صورت میں ظاہر ہوا اگر ہمسایہ صوبوں کی امداد بوجہہ قحط غلہ ضروری سمجھی جائے تو بطور انسانی ہمدردی ایسا ہی غلہ برآمد کیا جائے جس کی مقدار علاقہ سرکار عالی میں ضرورت سے زاید ہو اور جس کے برآمد کرنے سے رعایا سرکار عالی کو فاقہ کشی کی زندگی بسر کرنا نہ پڑے اور اس کے معاوضہ میں ضروریات کی چیزیں برطانوی ہند کے انہی صوبوں سے حاصل کی جائیں جنکی وہاں فراط ہو نہایت مسرت کی بات ہے کہ حال میں حکومت سرکار عالی نے اسی اصول پر عمل پیرا ہوکر محکمہ رسد کے توسط سے صوبہ جات متوسط سے ضرورت کی چیزیں حاصل کی ہیں۔

پنجم　خرابی غلہ کے سلسلہ میں مقررہ قیمتوں پر نگرانی بھی نہایت ضروری ہے اگر مناسب قیمت پر غلہ خریدنے کی نگرانی کی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر شخص مقررہ قیمت پر اپنی ضرورت کے لحاظ سے غلہ خرید سکیگا اور خود حکومت کو فراہم شدہ غلہ کے فروخت کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئیگی۔ مستقر تعلقہ مستقر ضلع مستقر صوبہ پر اس علاقہ میں پیدا ہونے والے غلہ کے گودام قایم کیے جائیں۔ اس سلسلہ میں ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ۹ اضلاع و تعلقات کے

گودام جہاں تک تحفظ غلہ کا تعلق ہے بالکل غیر سائنٹیفک طریقہ پر قایم کیے گئے ہیں اگر غلہ جمع کرنا ضروری ہے تو اس سے زیادہ جمع شدہ غلہ کی حفاظت ہے کارپوریشن کی طرف سے دیہات میں جو گودام قایم کیے گئے ہیں ان کے متعلق عام شکایت یہ ہے کہ وہاں غلہ کی حفاظت کا معقول انتظام نہیں اور غلہ کی کثیر مقدار بوجہہ کرم خوردہ ہونے کے بیکار ہو کر تلف ہو جاتی ہے لہذا شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ جمع شدہ غلہ کی عاجلانہ منتقلی عمل میں لائی جائے ۔ دوسرے یہ کہ غلہ کو رطوبت اور نمی سے بچانے کے لیے باقاعدہ پختہ سمنٹ یا چونہ کے تہ خانے بنوائے جائیں اور اس طرح فراہمی غلہ کا مقصد حاصل ہو۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ کارپوریشن کے قیام سے غلہ کی فراہمی اور تقسیم کے مسائل میں بہت بڑی حد تک سہولت حاصل ہو چکی ہے ۔ اس معاملہ میں ابھی کچھ حسن انتظام کی گنجایش باقی ہے اگر اس سلسلہ میں سیٹھ ساہوکاروں کے ذریعہ غلہ فراہم کرنے کا طریقہ مسدود کر دیا جائے اور بطور اجارہ کے کل غلہ کارپوریشن ہی خرید لے تو دوسرے سیٹھ ساہوکاروں کو جن کو غلہ کی فراہمی کی اجازت نہیں دی گئی ہے انھیں کبھی شکایت کا موقع نہ ملیگا ۔ سنا جا رہا ہے کہ حکومت فراہمی غلہ کی پوری پوری ذمہ داری کارپوریشن پر عاید کرنے والی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو بڑی مسرت و خوشی کی بات ہے جہاں تک غلہ کی مناسب تقسیم کا تعلق ہے اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ سب سے پہلے اس خصوص میں ذرائع حمل ونقل کی امکانی سہولتیں پیدا کیجائیں اس لئے سب سے زیادہ محکمہ ریلوے کے تعاون عمل کی ضرورت ہے بھوکی پبلک امداد جنگ کے کاروبار کی انجام دہی میں کوئی مناسب اور ضمانت آفریں حصہ نہیں لے سکتی اس لیے کم از کم مساعی جنگ کو کامیاب منزل تک پہنچانے کی خاطر نہ صرف فوجی ضروریات کے تحت غذائی منتقلی محاذ جنگ پر جتنی ضروری اور اہم ہے اتنا ہی ضروری دیہات کے کاشتکار اور شہروں میں فوجی کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی شکم پُری ہے یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے کہ دشمن سے کہیں زیادہ بھوکی رعایا جنگ کی کامیابی کے معاملہ میں خطرناک ہوتی ہے لہذا جنگ کو کامیابی سے ختم کرنے کی ضرورت کے مدنظر فراہمی اشیائے قوتی سے کہیں زیادہ تقسیم اشیائے قوتی کا مسئلہ ہے اب وقت آگیا ہے کہ غلہ کی مناسب تقسیم کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور اجناس خوردنی پر صد فی صد نگرانی قایم کیجائے۔ تقسیم غلہ کی موجودہ مشکلات کے مناسب حل اور خاطر خواہ انسداد کے لیے ذیل میں تین تدابیر بیان کیجاتی ہیں جن پر اگر پُر خلوص طریقہ سے عمل کیا جائے تو تقسیم کی مشکلات بڑی حد تک رفع ہو جائینگی۔

اولؔ کُل ہند نظام تقسیم غلہ کے اصول پر کل حیدرآباد نظام تقسیم غلہ کی سخت ضرورت ہے اس میں شک نہیں کہ محکمہ کارپوریشن ایک حد تک اس ضرورت کی تکمیل کر رہا ہے اس نظام کے قیام سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نہ صرف شہری ضروریات بلکہ دیہی ضروریات اشیائے قوتی کا بھی کافی لحاظ رکھا جاسکے گا۔ اب تک ایسا

ہوتا آیا ہے کہ حکومت سرکارِ عالی نے زیادہ تر بلدہ حیدرآباد اور مستقرہائے صوبہ جات سرکارِ عالی کی حد تک فراہمی و تقسیم
غلہ کے انتظامات کی جانب اپنی توجہ مبذول کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ دیہات جو غلہ کی پیداوار کا مرکز
سمجھے جاتے تھے اب غلہ کی مقدار کی کمی کو بری طرح محسوس کر رہے ہیں اور پریشان حال بھوکی آبادی بتدریج شہروں
کی جانب منتقل ہوتی جارہی ہے حالانکہ شہری آبادی دیہی آبادی کے مقابلہ میں دسواں حصہ بھی نہیں ہے
پس یہ کسی طرح قرین انصاف نہیں تصور کیا جاسکتا کہ قلیل شہری آبادی کے خاطر کثیر دیہی آبادی کے اجناس خوردنی
کی سربراہی میں لیت و لعل سے کام لیا جائے بلکہ پوری ذمہ داری کے ساتھ نہ صرف شہری بلکہ دیہی آبادی کی ضروریات
غلہ کی فراہمی کی جانب توجہ کیجائے۔

دوم

کسی مخصوص قوتی پیداوار کی فراہمی و تقسیم کے جملہ مدارج کی سہولت بخش تنظیم کافی تصور نہیں کیجاسکتی بلکہ ضرورت
اس امر کی ہے کہ ایسے تمام اجناس خوردنی کی فراہمی پر مؤثر نگرانی اور تقسیم کے انتظامات کی موجودگی ضروری ہے جس کے استعمال کے مختلف اضلاع
سرکارِ عالی میں بسنے والے عوام سالہا سال سے عادی ہو چکے ہیں۔ اس خصوص میں اس امر کا اظہار بھی نامناسب ہوگا کہ عوام کو ترغیب
دیجائے کہ وہ اشیاء قوتی کی مناسب پیداوار کے حصول کی دقتوں کے مدنظر بطور بدل بجائے شکر کے گڑ کا اور بجائے جوار کے
باجرہ کا استعمال شروع کردیں اور اسی طرح بجائے گرنی میں صاف کیے ہوئے چاولوں کے ہاتھ سے کٹے ہوئے چاول کو ترجیح
دیں۔ بڑی مسرت کی بات ہے کہ اس خصوص میں حکومت حیدرآباد پوری توجہ سے کام لے رہی ہے چنانچہ محکمہ رسد کی جانب سے
جوار کے ساتھ باجرہ کے استعمال کے فواید کی کافی تشہیر کیجا رہی ہے

سوم

طلب رسد کے مسائل کے حل کرنے والے افراد میں
کامل ہم آہنگی اور تعاون عمل کی شدید ضرورت ہے اب یہ بات محض کانفرنسوں کے انعقاد سے حاصل نہیں ہوسکتی اسلئے
ہمدردی ایثار اور جوش عمل کی فراوانی کی سخت ضرورت ہے تقسیم اشیا خوردنی کا مسئلہ ایک مؤثر نگرانی کا طالب ہے
اسلئے محکمہ اغذیہ کے تحت ایک مرکزی تقسیم غلہ کی مجلس کے قیام کی سخت ضرورت ہے۔ اسکے اراکین میں نہ صرف محکمہ اغذیہ کے
ذمہ دار ارکان ہوں بلکہ جاگیرات سمستان اور پائیگاہوں کے بھی نمائندے ہوں۔ اس مرکزی مجلس تقسیم غلہ کے اراکین میں
معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین ایوان تجارت حیدرآباد کے نمائندے اور محکمہ ریلوے کے ماہر حمل و نقل عہدہ دار ہوں۔ اس
مرکزی مجلس تقسیم اغذیہ کا یہ فرض ہوگا کہ وہ روزانہ جنگ کی وجہ سے تغیر پذیر حالات کا بغور مطالعہ کرتی رہے اور
تقسیم اغذیہ کی پیچیدگیوں کو رفع کرنے کے لیے کم از کم ہر ماہ دو مرتبہ اپنا اجلاس منعقد کرتی رہے۔ اور واضح رہے کہ
صدر مجلس اغذیہ کا ہر وہ رکن جو اپنے اپنے صوبہ یا ضلع کی نمایندگی کرنے کے قابل ہو اور دیگر یہ کہ ہر وہ رکن جو سمستانات
مجلس جاگیرداران اور پائیگاہوں کی طرف سے نمائندگی کرتا ہو اسکا بھی یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے
متعلقہ علاقہ کی ذیلی مجلس تقسیم اغذیہ سے باقاعدہ ربط قایم رکھے اور اپنے اپنے علاقہ کے مسائل تقسیم اغذیہ کی
دقتوں یا سہولتوں سے بخوبی واقف ہو کر اپنے سنجیدہ خیالات کو بطور مشورہ مرکزی مجلس اغذیہ بلدہ کے
اجلاس میں وقتاً فوقتاً پیش کرتا رہے اسی طرح ہر تعلقہ میں تعلقہ واری مجالس فراہمی و تقسیم اغذیہ و اشیائے خوردنی

قایم کیجائیں حتی کہ یہی عمل ہر تعلقہ کے دیہاتی مواضعات میں وسیع کیا جاسکتا ہے۔ ہر مجلس اغذیہ تعلقہ کا نمائندہ ہر متعلقہ ضلع کی مجلس اغذیہ میں اپنے اپنے تعلقہ کے مسائل اغذیہ کو وضاحت کے ساتھ پیش کرے اور مجلس ضلع میں کل ضلع بھر کے تعلقہ جات کے مسائل پر کافی غور و خوض کیا جائے۔ اسیطرح ہر مستقر صوبہ پر اس صوبہ کے جملہ اضلاع کے مجالس اغذیہ کے نمائندے کم از کم مہینہ میں دو مرتبہ زیر صدارت صوبہ دار وقت مجلس اغذیہ صوبہ کے اجلاسوں میں شرکت کریں اور اپنے اپنے ضلع کی مشکلات فراہمی غلہ کی وضاحت کے ساتھ پیش کریں۔ ہر مستقل صوبہ کا ایک ذمہ دار نمائندہ صوبہ بھر کی مشکلات فراہمی و تقسیم غلہ کو صدر مجلس اغذیہ مستقر بلدہ میں بوقت انعقاد اجلاس پیش کرے۔ الغرض اس طرح ایک مربوط اور مستحکم نظام اغذیہ کے قیام سے حکومت سرکار عالی کو ملک بھر کے مسائل اغذیہ سے بہترین طریقہ سے واقف ہونے کا موقع ملتا رہیگا۔ جب تک ایسا مکمل نظام تقسیم اشیائے خوردنی کی تنظیم کے لیے قایم نہ ہوگا اس وقت تک محض دہلی یا حیدرآباد میں بیٹھکر کوئی وزارت اغذیہ اپنے فرایض کو صحت بخش طریقہ پر انجام نہیں دسکیگی بہر حال یہ امر مسلمہ ہے کہ جنگ کی وجہ عوام کے جذبات ہر وقت مشتعل رہتے ہیں اسلیے گرانی کے مسائل کو حل کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ مسئلہ اغذیہ صرف جنگ ہی کی پیداوار نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے بلکہ ملک کا ایک مستقل اور قابل حل مسئلہ ہے۔ بعض مفسد سیاسی پلاٹ فارم پر کھڑے ہوکر عوام کے جذبات میں ہیجان و اضطراب پیدا کرنے کی مستقل کوشش کیا کرتے ہیں کیونکہ جذبات فرانس کے مشہور افسانہ نگار وکٹر ہیگو کے لفظوں میں "آگ کی طرح بھڑکتے اور راکھ کی طرح ڈھیر ہوجاتے ہیں" اس لیے ضرورت ہے کہ حکومت اور ہمدردانِ قوم جو صاحب فکر و عمل ہوں کامل حزم و احتیاط سے کام لیں دل و زباں دونوں کی لگام کھینچی رکھیں۔ فوری تاثیر ہیجانی جذبات اور بدحواسانہ جلد بازی کی جگہ تدبر و دانشمندی ضبط و فکر اور اعتدال رائے کا سنجیدہ مظاہرہ ہو نہ کہ محض عملی مشکلات بتلا کر رہنمایانِ قوم جس آسودہ خاطری کا اظہار کرتے ہیں وہ بہت افسوسناک اور دکھ پہنچانے والی بات ہے۔ ملک کی فلاح اور اس کے غذائی موقف کو بہتر بنانے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک مستحکم معاشیات زراعت کا اقتصادی پھیلاؤ جو معقول بنیادوں اور وسیع ماہرانہ تجربوں پر مبنی ہو تجویز کیا جائے جس میں پیداوار زرعی کے عصری فنی اور صنعتی طریقے شامل ہوں اور ساتھ ساتھ صحیح تعلیم اور صحت عامہ کے ایسے تدابیر اختیار کی جائیں جو ملک اور ملکی حالات کے لیے مناسب و موزوں ہوں جن سے ان آلودہ مصائب طبقے یعنے کاشتکار کو حقیقی امداد پہنچ سکتی ہے اور ان کی ناتوانی توانائی و قوت میں مبدل ہوکر ان میں تازہ روح پیدا کرسکتی ہے۔ ہماری رائے میں اس چیز کو تنظیم مابعد جنگ کے ان تمام تجاویز و منصوبہ بندیوں پر جن پر غور کیا جارہا ہے خاص طور پر ترجیح حاصل ہونی چاہیئے۔ فقط

اجلاس دوم
۱۰ بہمن ۱۳۵۴ف

خطبۂ صدارت

از جناب لوی مرزا محمد بیگ صاحب وظیفہ یاب اول تعلقدار ناظم اسٹیٹ پیشکاری

مملکت آصفیہ کا نظام مالگزاری

حضرات! معاشی کمیٹی نے آج کے جلسہ کی صدارت کا مجھے جو اعزاز عطا کیا ہے میں اس کے لیے اپنے دلی تشکر و امتنان کا اظہار کرتا ہوں۔ مجھے جس مضمون پر اظہار خیال کرنا ہے وہ ایک اہم مضمون ہے اور بہت ہی دلچسپ بھی ہے۔ میں کسی انکساری کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ یہ مضمون کسی قابل فرد کے تفویض کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ میں ارشاد کی تعمیل میں حاضر ہوا ہوں اور اپنی محدود معلومات اور مختصر تجربوں کی بنا پر کچھ عرض کروں گا مجھے توقع ہے کہ میری فرد گذاشتوں کو معاف فرمایا جائے گا۔

معاشی کمیٹی نے اس سال "نظام مالگزاری" کے عنوان پر مختلف خیالات کو فراہم کرنے کا جو ارادہ کیا ہے یہ ایک مستحسن عمل ہے اور وقت کے اقتضاء کے مطابق ہے۔ کیونکہ موجودہ عالمگیر جنگ نے حالات کو بالکل بدل دیا ہے اور اختتام جنگ کے بعد جن تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل سے سابقہ پڑیگا اور ان کو جس طرح حل کرنا ہوگا اس پر ابھی سے غور و فکر کرکے بعض تجاویز کو مرتب کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا مآل اندیشی کے مطابق ہوگا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس عظیم ترین ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے بڑی بڑی رقموں کی ضرورت ہوگی جن کو بہت سارے اقتصادی پہلوؤں سے فراہم کرنا ہوگا اور عوام کے خیالات میں وسعت و بلندی پیدا کرنی ہوگی۔ اس کے لیے اگرچہ نظم و نسق کے ہر شعبہ کے لیے سرگرمی درکار ہوگی لیکن خصوصیت کے ساتھ نظام مالگزاری کو زیادہ بہتر اور مفید خلائق بنانا از بس ضروری ہوگا کیونکہ اسی پر ملک کی بہت سی ترقیوں کا انحصار ہے اور اس کے بغیر ہماری مشکلات دور نہ ہو سکیں گی۔

۲۔ ہندوستان صدیوں سے زرعی و حرفتی ملک رہا ہے جیسا کہ عراق، شام، مصر، ترکی، ایران اور چین رہے ہیں۔ سلطنت کی سب سے بڑی آمدنی کا انحصار زر مالگزاری پر رہا۔ اگرچہ دوسری قسم کی آمدنیاں بھی تھیں لیکن زراعت سے بیش از بیش فائدہ اٹھانے کی ہر عہد حکومت میں کوشش کی گئی۔ تاریخ سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر اچھی حکومت کے زمانہ میں نظام مالگزاری کو سدھارنے کی جانب توجہ کیجاتی رہی اور یہ نصب العین بھی رہا کہ محاصل حد برداشت سے نہ بڑھنے پائیں تمام ملازمین سرکاری، زمینداروں اور مستاجروں وغیرہ کو اس بارہ میں ہدایات دیئے جاتے اور ان کی فریادوں کو سننے کی تاکید بلیغ کی جاتی تھی۔ عہد اکبری میں یہ فریضہ بہتر طریقہ پر انجام پایا جو آئین بندیاں ہوئیں ان میں نظم مالگزاری بھی شامل رہا اور یہ اس زمانہ کے حالات کے تحت اتنا مکمل تھا کہ حکومت مغلیہ کے خاتمہ کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی ایک عرصہ تک انہیں آئین کے مطابق مالگزاری کے انتظامات کو چلاتی رہی برطانوی حکومت قایم ہوئی تو انتظامات مالگزاری کا ایک جدید دور آغاز ہوا۔ بنگال اور صوبہ متحدہ میں علی الترتیب دوامی بندوبست اور زمینداری کے نظام کو پسند کیا گیا لیکن دوسرے صوبوں میں رعیت واری نظام کو ترجیح دی گئی اور یہی کامیاب ثابت ہوا۔

۳۔ جس زمانہ میں کہ ہندوستان میں اصلاحات کی ابتدا ہو رہی تھی مملکت آصفیہ میں بھی اس کا احساس ہونے لگا۔ یہاں کا نظام مالگزاری قدیم طریقوں کا پابند تھا زیادہ تر تعہدات پر مشتمل رہا کرتا تھا۔ ملک کو مختلف موزوں حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر ایک حصہ کو کسی مشہور مقام کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ مثلاً سرکار میدک، سرکار محمد آباد بیدر وغیرہ پھر ہر سرکار میں محال ہوتے اور ہر محال کے تحت مواضع کی تعداد مقرر کی جاتی اور ہر سرکار کو کسی مقررہ رقم پر کسی تعہد دار کے تفویض کیا جاتا۔ یہ تعہد دار ملک کے معتبر اور ذی اثر اشخاص ہوا کرتے تھے اور مقررہ رقموں کو داخل کرنے کے ذمہ دار رہتے اس کے علاوہ زمینداری کا طریقہ بھی رائج تھا۔ دیسمکھ اور دیسپانڈے انتظام مالگزاری کے لیے مقرر کیے جاتے اور ان کی خدمات کے معاوضہ میں نقد رسوم اور اراضی بھی بمعافی دی جاتی تھی۔ یہ زمیندار اراضیات کو مزروعہ کراتے ازدیاد آبادی اور توفیر محال میں کوشش کرتے اور کاشتکاروں سے من مانے محاصل وصول کرتے نیز ذرایع آبپاشی کی درستی اور ان کی تعمیر بھی بعض شروط کے تحت ان کے فرائض میں داخل تھی نقدی محصول کا رواج نہ تھا بلکہ بٹائی یعنی پیداوار کا ایک مناسب حصہ وصول کیا جاتا تھا۔ یہ اوس زمانہ کا ایک بدترین نظام تھا

جس میں درمیانی اشخاص رعایا کو لوٹتے اور دولت فراہم کرتے تھے اور حکومت کے خزانہ میں ایک مختصر رقم پیش کر دیا کرتے تھے چنانچہ تقریباً ۱۲۶۳ھ میں سارے ملک کے محاصل مالگزاری کی مقدار تقریباً (۸۱ ۵) لاکھ روپے سے زیادہ نہ تھی اور حکومت کو ہمیشہ قرض لے کر کام چلانا پڑتا تھا۔

۴۔ سر سالار جنگ اول کا عہد حیدر آباد کی تاریخ میں ایک ممتاز عہد گزرا ہے انھوں نے اپنے ملک کے کمزور نظام مال کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا لیکن انکی راہ میں بڑی مشکلات حائل تھیں سب سے زیادہ انھیں قابل اشخاص کی ضرورت تھی خصوصاً ایسے اشخاص کی جو برطانوی نظم حکومت کا تجربہ رکھتے ہوں آخر کار انھوں نے بعض لائق افراد کو فراہم کر لیا اور ان کی وساطت سے اصلاحی جدوجہد آغاز کی سلطنت کے جدید نظم ونسق کے لیے متعدد محکمے مثلاً مال و عدالت وکوتوالی و تعمیرات وغیرہ قایم کیے اور ۱۲۸۲ھ میں ضلع بندی کا انتظام عمل میں آیا (۵) صدر تعلقداریاں قایم کی گئیں۔ یہ خدمات صوبہ داریوں کے مماثل تھیں۔ صدر تعلقداروں کے ماتحت اول تعلقدار مقرر کیے گئے اور دوم وسوم تعلقداروں نیز تحصیلداروں کے تقررات بھی عمل میں لائے گئے۔ ۱۲۸۷ف میں ایک مجلس مالگزاری قایم کی گئی جو صدر تعلقداروں اور معتمد مال کے مابین واسطۂ کار تھی یہ مجلس سنہ مذکور سے ۱۳۱۱ف تک تین مرتبہ قایم اور پھر شکست ہوئی اور آخر کار اس مجلس کو برقرار رکھنے کی بجائے صوبہ داریوں کو قایم رکھنا ہی سررشتہ مال کے نظم ونسق کے لئے زیادہ مفید سمجھا گیا۔

۵۔ نظم ونسق کے ذمہ دار محکموں کے قایم ہو جانے کے بعد ایک جدید دور کا آغاز ہوا جس میں حکومت کے ہر صیغہ نے ترقی کی راہیں اختیار کیں سر سالار جنگ اول نے برٹش انڈیا کے اصول پر نظم مملکت کو چلانے کے لیے متعدد قابل افراد کی خدمات حاصل کیں ان میں سے بعض عہدہ داروں نے سررشتہ مال کی خدمات کو بڑی قابلیت اور خوش اسلوبی سے انجام دیا ان میں سے خاص طور پر مولوی مہدی علی خاں (محسن الملک) مولوی مشتاق حسین (وقار الملک) مولوی چراغ علی (اعظم یار جنگ) اور مولوی سید علی حسن قابل ذکر ہیں، ان کے بعد کے عہدہ داروں میں مقتدر جنگ بشیر نواز جنگ، رائے مرلی دھر (فتح نواز ونت) مسٹر فریدوں جی (فریدوں ملک) مسٹر ڈنلاپ اور مولوی یوسف الدین کے نام بھی نہیں بھلائے جا سکتے، ان میں سے ہر ایک کے عہد کارفرمائی میں نظام مالگزاری میں قابل قدر ترقی ہوتی رہی، سارے ملک کا بندوبست کرانا منظور ہوا۔ بٹائی کا طریقہ مسدود ہوا نقدی کا قرارداد کیا گیا زمینداری کا قدیم طریقہ برخاست ہوا۔

رعیت واری انتظام قایم کیا گیا۔ کاشتکاروں کی مرفہ الحالی اور فارغ البالی کی تجاویز اختیار کی گئیں قواعد وضوابط کی ترتیب عمل میں آئی فصل خصومات کے طریقے مقرر کیے گئے غرض کہ ہر آنے والا زمانہ نقائص کو دور کرتا اور اصلاحات کو پیدا کرتا رہا۔ اس کا ثبوت ان احکام وگشتیات اور دستور العملوں سے مل سکتا ہے جو ابتک محفوظ ہیں اور جن میں سے اکثر و بیشتر اب بھی نافذ ہیں۔ ایک بہتر نظم کے نتائج ہمیشہ بہتر ہوتے ہیں سر سالار جنگ اول کے ابتدائی عہد میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے محاصل مالگزاری (۵۸) لاکھ روپیہ سے زیادہ نہ تھا لیکن ان کے آخری عہد میں پونے دو کروڑ سے کسی قدر زیادہ ہو گیا تھا۔ یہ اضافہ تعہدات کو مسدود کرنے، بندوبست اراضی کو عمل میں لانے، جدید رقبوں کے مزروع ہونے اور بعض عطیات شاہی کے داخل خالصہ کیے جانے کی وجہ سے ہوا تھا۔

۶۔ حضرات! یہاں تک مالگزاری کے پہلے اور دوسرے دور کا ایک مختصر تذکرہ اس لیے کیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ کس طرح اور کتنے عرصہ میں تدریجی ترقی وقوع میں آتی رہی اور توفیر محاصل نیز رعایا زراعت پیشہ کی خوشحالی کے لیے کیا کیا تدابیر اختیار کی گئیں اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ نظام جس حالت میں ہے کہ وہ ہے کس حد تک تشفی بخش ہے اور ملک کی احتیاج کے مطابق ہے اور اس میں کس کس قسم کے تغیرات و اصلاحات کی ضرورت ہے۔

۷۔ یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے کہ گذشتہ پندرہ بیس برس کے عرصہ میں سارے ہندوستان میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا ہے اس کا سبب تعلیمی و صنعتی ترقی، سائنس کے اکتشافات برقی و بخار کی قوتوں کی تخلیق قدیم طریقہ کاشتکاری میں تبدیلی اور اقتصادی کش مکش وغیرہ ہے ان کا غیر معمولی اثر کاشتکارانہ زندگی پر بھی پڑنے لگا اور کاشتکار متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ان کو سنبھالنے کی تدابیر کی جانب حکومت ہند کی توجہ مبذول ہوئی اور یکے بعد دیگر مفید ترین تجاویز عمل میں آنے لگیں اور حکومت آصفیہ نے بھی ان تجاویز پر عمل پیرائی اپنی مملکت کی صلاح و فلاح کے لیے ضروری خیال کی چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ایسے متعدد جدید محکمے قایم کر دیے گئے جس سے ملک کی عام ترقی کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ نظام مالگزاری کی اصلاح و ترقی بھی مرکوز تھی مثلاً محکمہ زراعت۔ انجمن ہائے اتحاد باہمی، صنعت و حرفت، اعداد و شمار وغیرہ ان محکموں نے اپنے قیام کے بعد اپنے جن فرایض کو انجام دیا ہے اگرچہ وہ بہمہ وجوہ مکمل نہ ہوں لیکن بحیثیت مجموعی تشفی بخش ثابت ہوئے ہیں اور ان کے وجود سے سارے ملک میں اصلاح و ترقی کی

نئی راہیں کھلتی گئی ہیں، اہل ملک کے خیالات میں وسعت اور اہم ترین مسائل کو حل کرنے کی استعداد ترقی پذیر ہے۔ رکارڈ آف رائٹس کے طریقہ کو بھی جاری کردیا گیا ہے جس سے رعایا کے حقوق کی کما حقہ حفاظت مدنظر ہے۔ صیغہ لوکل فنڈ کی بہتر تنظیم ہوئی ہے اور اضلاع میں بمصارف کثیر رفاہ عامہ کے بے شمار کام انجام دلائے گئے ہیں ضلع واری سالانہ کانفرنسوں کو جاری کرکے اظہار خیالات کے مواقع دیے جارہے ہیں۔

۸۔ ہر ایک ملک کے مداخل کا تعلق وہاں کی زراعت، پیداوار صحرا، معدنیات اور صنعت و حرفت سے ہوا کرتا ہے باقی اقسام کی آمدنیاں درحقیقت ابواب مذکورۂ بالا کی تابع ہوتی ہیں اور بالواسطہ سلطنت کی معاونت کرتی ہیں۔ جس ملک کی معیشت اور وہاں کے مداخل کا بڑا انحصار زراعت پر ہو وہاں یہ نہایت ضروری ہے کہ قدرتی فیاضی کا جو بارش کی صورت میں ہوتی ہے وافر حصہ محفوظ کیا جائے کیونکہ بارش کسی معینہ مقدار کے تابع نہیں ہوا کرتی۔ قلت باراں کے وقت ذخیرہ آب کیمیا کا اثر رکھتے ہیں۔ آب نوشی کے لیے بھی اس کی احتیاج ہوا کرتی ہے۔ ان ضرورتوں کا احساس تھا کہ صدیوں قبل پاکھال، رامپا، حسین ساگر اور میر عالم جیسے تالاب تعمیر کیے گئے۔ اورنگ آباد کی نہر بھی عہد گزشتہ کے کارہائے رفاہ عامہ اور فن انجنیری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے تقریباً ایک صدی قبل حکومت ہند نے وسیع ترین ذرائع آبپاشی کے انتظامات شروع کیے۔ صوبہ جات پنجاب و بمبئی و مدراس اور آخر میں سندھ اس کے لیے مشہور ہیں۔ اگرچہ مملکت آصفیہ میں بھی سرسالار جنگ اول کے عہد میں اب سے تقریباً (۸۰، ۹۰) سال قبل سررشتہ آبپاشی و تعمیرات کا قیام عمل میں آیا تھا لیکن اس کی عملیت بالکل محدود رہی اور کوئی بڑا کام انجام نہ پاسکا۔

۹۔ عہد عثمانی اپنی بے شمار ترقیوں کے باعث حیدرآباد کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ مملکت کے ہر سررشتہ نے ترقی کی اُن میں سے سررشتہ آبپاشی کی پیش روی بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ توفیر محاصل کی تجاویز کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ ۱۳۲۲ف سے اب تک (۱۱) بڑے بڑے مخازن آب مختلف اضلاع سرکار عالی میں تعمیر کیے گئے جن کی تعمیر پر (۷) کروڑ سے زیادہ مصارف برداشت کیے گئے ان میں سے (۲) عثمان ساگر و حمایت ساگر تو شہری آبنوشی کے لیے مختص ہیں بقیہ مخازن آب کے تحت وسیع ترین رقبوں پر آبپاشی ہو رہی ہے اور ملک و رعایا کی خوشحالی کو بڑھاتے جارہے ہیں ان مخازن میں سب سے بڑا مخزن نظام ساگر ہے۔

جو ضلع نظام آباد میں واقع ہے اور اپنی گوناگوں ترقیوں کے باعث اتنی شہرت حاصل کرچکا ہے کہ یہاں کسی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ بقیہ مخازن آب بھی معاشی اور اقتصادی ترقی کے علاوہ توفیر محاصل کے اعتبار سے بھی نہایت مفید ثابت ہوچکے ہیں۔

۱۰۔ کاشتکاروں کو ان کی مشکلات و مصائب سے بچانے کے لیے بعض ضروری تجاویز کو عمل میں لایا گیا قانون انسداد سوداگران کے ذریعہ سے گراں تر سود سے بچانے کی کوشش کی گئی۔ قانون مصالحت قرضہ، قانون انسداد انتقال زرعی اراضی، قانون قرض دہندگان، قانون زمین گروی بنک کو منظور اور نافذ کیا گیا۔ قولداروں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا جس نے تمام اضلاع کا دورہ کرکے اپنی تجاویز کو مرتب کیا جو فی الحال ارباب صدر کے زیر غور ہیں، غرض کہ ہر وہ صورت جس سے کاشت کاروں کی حالت سدھر سکے اختیار کی جارہی ہے۔

۱۱۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کاشت کاروں کے مفاد میں جن قوانین کو نافذ کیا گیا ہے وہ کس حد تک موثر ہوئے اور کاشتکاروں کو کس قدر فائدہ پہنچا میں اس سوال کا جواب ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ میں نتائج سے ناواقف ہوں اور غالباً تاحال نتائج کو اخذ کرنے کے مواقع بھی نہ ملے ہوں گے کیونکہ یہ قوانین ۱۳۴۹ف میں نافذ ہوئے ہیں۔ اتنے قلیل عرصہ میں ظاہر ہے کہ ان قوانین کے فوائد کا صحیح اندازہ کرنا ممکن نہ ہوگا لیکن قوانین کے ذریعہ سے جن قسم کی پابندیاں عائد کی گئی ہیں ان کی وجہ سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کاشتکاروں میں سنبھلنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی اور وہ اپنی حالت کو بہتر بنا سکیں گے۔

۱۲۔ کسی قانون کا بہتر ہونا اس کی عمل پذیری پر موقوف ہے، ورنہ قانون کے نفاذ سے اصلی مقصد پورا نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ کوئی قانون بوہلۂ اول بحیثیت مجموعی مکمل نہیں ہوسکتا وہ ایک نقش اول ہوتا ہے اس میں آئندہ جو نقایص پائے جائیں انھیں آہستہ آہستہ دور کیا جاسکتا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا قوانین میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت محسوس کی جائے، لیکن بحالت موجودہ ان قوانین کے مفید ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۱۳۔ سلسلہ بیان میں مجھے اپنا ایک خیال قانون انسداد انتقال زرعی اراضی کے متعلق ظاہر کرنا ہے، یہ مسلم ہے کہ کاشتکاری سرمایہ کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی، خود ہمارے ملک میں اور باہر بھی بعض سرمایہ داروں نے بڑے پیمانہ پر جو زراعتی کام انجام دیے ہیں، ان سے ملک کی

خوش حالی میں ضرور اضافہ ہوا ہے، لیکن قانون مذکور کی وجہ سے اب کسی سرمایہ دار کے لئے گروبندی کے تحت اراضی کو حاصل کرنا ناممکن ہو گیا ہے اگر زراعتی ترقی صرف کمزور کاشتکاروں پر منحصر کر دی جائے گی تو وہ کبھی زمانہ حال کی ضرورتوں کے مطابق ترقی نہیں کر سکتے، ظاہر ہے کہ اس سے ملک کا مفاد متاثر ہوتا ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ اس قسم کے تردکات پر نظر ڈالی جائے اور ایسی اصلاحیں عمل میں لائی جائیں جن سے ایک طرف عام کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور دوسری طرف سرمایہ دار بھی اپنا وافر سرمایہ خرچ کر کے ملک کی خوشحالی کو بڑھانے میں معاونت کر سکیں۔

۱۴۔ کاشتکاروں کی سب سے بڑی مصیبت ان کا کثیر التعداد قرضہ ہے، قرضوں سے بچانے کے لیے امداد باہمی کی انجمنیں قائم کی گئیں، ہزاروں اور لاکھوں روپیہ بطور تقاوی تقسیم کیا گیا، اقتصادی پستی کے زمانے میں زر مالگزاری میں بقدر مناسب کمی کر کے لاکھوں روپے معاف کیے گئے، اراضی زیر باؤلی کے دھاروں میں بقدر دو ثلث رعایت عمل میں لائی گئی، سلور جوبلی کی مسرت میں لاکھوں روپیہ کا بقایا مطالبہ سے خارج کیا گیا، لیکن اس سے کاشتکاروں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، ان کا قرضہ جیسا تھا ویسا ہی ہے، حکومت نے کاشتکاروں کی مقروضیت کا اندازہ کرنے کے لیے ایک تفصیلی تحقیقات کا انتظام کیا اور ثابت ہوا کہ تقریباً (۶۴) کروڑ کا قرضہ کاشتکاروں کے ذمہ ہے۔ اس قرضہ کو ادا کرا کے کاشتکاروں کو مہاجنوں کی گرفت سے نجات دلانا کوئی آسان کام نہیں ہے اور پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ ایک مرتبہ قرضہ ادا ہو جانے کے بعد کاشتکار ساہوکاروں سے کوئی تعلق پیدا نہ کرے گا اور پھر کبھی مقروض نہ ہوگا، بظاہر یہ مسئلہ ناقابل حل معلوم ہوتا ہے، تاہم عہدہ داران مال کے غور و فکر کا محتاج ہے، قانون مصالحت قرضہ کے زیر اثر انجمن ہائے اتحاد باہمی اور زمین گروی بنک کے اشتراک عمل سے پہلے ایک تعلقہ میں قرضوں کو ادا کرنے کا کام ہمدرد اور تجربہ کار عہدہ داروں کے ذریعہ سے آغاز کرا کے تجربہ کرنا چاہیئے اگر اس میں کچھ کامیابی ہو جائے تو پھر یہ کام دوسرے تعلقات میں بھی شروع کیا جا سکتا ہے۔

۱۵۔ مملکت آصفیہ کے نظام مال گزاری کے متعلق اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ اگرچہ مختصر بیان ہے لیکن اس سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ نظام مختلف اعتبارات سے ترقی کرتا جا رہا ہے مملکت کا اولین موازنہ جو ۱۲۸۵ف میں مرتب ہوا تھا تو مالگزاری کی آمدنی ایک کروڑ،

۸۴ لاکھ سے کچھ زیادہ نہ تھی لیکن بعد ازاں جو ترقیاں ہوئیں ان کے نتائج کے طور پر اب زر مالگزاری کی مقدار تین کروڑ پندرہ لاکھ ہوگئی ہے، اگرچہ اضافہ شدہ رقم خالص زراعتی ترقیوں پر مشتمل نہیں ہے، کیونکہ اس میں جاگیرات و انعامات خالصہ شدہ اور دیگر متفرق رقوم بھی شامل ہیں ان کو علحدہ کرنے کے بعد بھی خالص زر مالگزاری کا اضافہ بہت ہی تشفی بخش ثابت ہوسکتا ہے اور اس میں مزید اضافہ کے بہت سے امکانات ہیں اس کی توقع ہے کہ تعمیر شدہ ذرایع آبپاشی کی مکمل ترقی کے بعد زر مالگزاری میں مزید بیشی ہو جائے گی۔

۱۰۱ - کچھ عرصہ سے بعض حلقوں میں مروجہ شرح دھارہ کو سنگین تصور کرتے ہوئے اس میں کمی کیجانے کی خواہش کی جا رہی ہے، یہ خیال زیادہ تر گزشتہ اقتصادی پستی کے زمانہ میں پیدا ہوا جب کہ اجناس کی قیمتیں گر گئی تھیں اور موسمی نامساعدت کی وجہ سے پیداواروں کی مقدار گھٹ گئی تھی، یہ کیفیت کچھ ہماری ریاست ہی سے متعلق نہ تھی بلکہ عموماً برطانوی ہند کے ہر صوبہ میں رونما ہوئی تھی اور پھر یہ تھوڑے عرصہ کے بعد دور ہوگئی، ایک معتدل اور قابل برداشت دھارہ بندی کا مسئلہ بہتر نظام حکومت سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس موقع پر کچھ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا۔

مین کسی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کہ یہ بتاؤں کہ فی بگہ کیا خرچ ہوتا اور کتنی پیداوار نکلتی اور اس میں سے وضع مصارف اور ادائی پن کے بعد کیا بچت ہے اور اس اعتبار سے دھارہ کی جو قرار داد ہوئی ہے وہ واجبی ہے کہ نہیں۔ مین برٹش انڈیا کی دھارہ بندی کو بھی بحث میں لانا نہیں چاہتا وہ ایک عظیم الشان حکومت ہے جو سارے براعظم ہند پر پھیلی ہوئی ہے اور نہ مین آج کل کے اُن تخیلات پر جو بعض اجنبی اصولوں کے موضوع کیے جانے سے متعلق پیدا ہوے ہیں کوئی پیشین گوئی کر سکتا ہوں، کیونکہ یہ مسئلہ بجائے خود ایک مستقل بحث و تمحیص کا خواستگار ہے اور اس پر غور کرنا ان افراد کا کام ہے جو مالی مسائل میں مسلمہ مہارت رکھتے اور ملک کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہیں، مین صرف اپنے ملک کے حالات و خواص طبعی کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف سادہ اور عام واقعات کے تحت بتاؤں گا کہ موجودہ دھارہ بندی واجبی ہے کہ نہیں؟

مملکت آصفیہ باعتبار رمز و بوم تلنگانہ، مرہٹواڑی اور کرناٹک پر مشتمل ہے اول الذکر میں تری اور خشکی دونوں اقسام کی کاشت ہوتی ہے اور موخر الذکر ہر دو علاقوں میں خشکی کی کاشت

ہوا کرتی ہے، تری نا قابل شمار ہے، ان میں سے ہر ایک علاقہ کے دھاروں کی شرح حسب ذیل ہے۔

نام علاقہ	اوسط دھارہ تری یک فصلہ	اوسط دھارہ تری دو فصلہ	اوسط خشکی دھارہ
۱۔ تلنگانہ	لعہ ۸/	ے۵	عہ
۲۔ مرہٹواڑی	.	.	عہ ۵/
۳۔ کرناٹک	.	.	عہ ۲/

بندوبست کے مقررہ اصول کے تحت نمبرواری درجہ بندیوں کے لحاظ سے کہیں اوسط سے بڑھ کر اور کہیں اوسط سے گھٹ کر دھارہ کا قرارداد ہوتا ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ دھاروں کی مندرجہ بالا شرح بندوبست اولی کے اعادہ کے بعد کی ہے، بندوبست اولی کے مقرر کردہ دھاروں کے مقابلہ میں اعادہ کے وقت بہت ہی ہلکا اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ اضافہ ان بے شمار ترقیات مثلاً ذرائع حمل و نقل ذرائع آبپاشی، سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر تجارتی مراکز وغیرہ کے وجوہ کے تحت ہوا ہے جو سارے ملک میں دیکھے جاسکتے ہیں اعادہ کے قبل بندوبست اولی جو دھارے مقرر ہوئے تھے باوجود اس کے کہ ملک گوناگوں ترقیوں سے محروم تھا، مگر دھارے کی سنگینی کی کوئی شکایت نہ تھی، کاشتکار بہ طیب خاطر زرمالگزاری ادا کرتے رہے لیکن بے شمار ترقیات کے بعد اعادہ کے اثناء میں حکومتوں کے مقررہ اصولوں کے تحت خفیف سی بیشی جو انصافانہ اصولوں کے تحت کی گئی ہے باعتبار ان منافع کے جو کاشتکار اراضی سے ان تمام سہولتوں کے ساتھ جو ان کے لیے فراہم کردی گئی ہیں حاصل کر رہے ہیں کسی طرح سنگین متصور نہیں ہوسکتی، یہ خیال یکسر غلط ہے کہ کاشتکاروں کی زبوں حالی میں سنگینی دھارہ کو بھی دخل ہے، ان کی بدحالی زیادہ تر تمدنی، معاشرتی کیفیت، تکلف پسندی اور نادانی پر مبنی ہے جس کا نتیجہ اُن کی بے انتہا مقروضیت ہے دھارہ کی تخفیف کاشتکاروں کو ان کے موجودہ مصائب سے ہرگز نہیں بچا سکتی، بلکہ اس اعتبار سے مضرت رساں ہوگی، کہ وہ محنت و مشقت اور تکثیر پیداوار کے ارادوں کو ضعیف کردیں گے اور اراضی کی قدر و قیمت گھٹ جائے گی اور کاشتکار کبھی قرضوں سے نجات نہ پاسکیں گے، بالفاظ دیگر دھارہ کی تخفیف کاشتکاروں کی نہیں بلکہ ساہوکاروں کے تمول کا باعث ہوگی، لہذا سنگینی دھارہ کا جو خیال پیدا ہوا ہے وہ قابل التفات نہیں معلوم ہوتا۔

موجودہ شرح دھارہ پر میں نے اپنا جو خیال اوپر ظاہر کیا ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ

ہمارے ملک کا بندوبست کسی نقد و بحث کی گنجایش نہیں رکھتا، اگرچہ راقم سطور ہذا کا بندوبست کے مسائل سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رہا ہے لیکن جس حد تک ایک عہدہ دار مال کو بندوبست کے بعض امور سے سابقہ پڑتا ہے اور جن باتوں پر وہ نظر ڈال سکتا ہے اس کی بنا پر اس کو اپنی رائے کے ظاہر کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا بندوبست کے بعض اصول بہت پرانے ہوگئے ہیں، یہ تصور کہ وہ ناقابل تبدیل ہیں درست نہیں ہے، یقیناً اس کی ضرورت ہے کہ ان پر پھر نظر ڈالی جائے اور جدید اصولوں کو موضوع کیا جائے ایک یہ امر بھی توجہ دلانے کے قابل ہے کہ بندوبست کے بعض مسلمہ اصول بھی ایسے ہیں کہ وہ ہر حصۂ ملک میں یکساں اثر انداز ہو سکے اس کی وجہ کچھ تو بے غوری ہے اور کچھ ہر حصہ ملک کے خواص طبعی اور وہاں کے کاشتکاروں کی سکت کو ملحوظ نہ رکھنا ہے اس کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بعض حصص میں نہارہ بندی منصفانہ طریقہ پر عمل میں نہیں آئی یا یہ کہ تری کے رقبوں کو مزروعہ کرنے والی رعایا برداشت سے زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوگئیں ایسی اور اس قسم کی اور چند فروگزاشتیں اگرچہ وہ محدود ہوں تاہم ان کی وجہ سے عام طور پر بندوبست کے خلاف مبالغہ آمیز خیالات کو پھیلانے کا موقع مل گیا ہے کاشتکاروں کی ذہنیت بڑی کمزور ہوتی ہے، اگر کسی ایک کاشتکار کے حق میں کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا ہمسایہ بھی اپنے حق میں وہی تصور پیدا کر لیتا ہے، اگرچہ اس کی اراضی کے متعلق کوئی غلطی واقع نہ ہوئی ہو بہر حال یہ امور بلاشبہ سررشتہ مال اور محکمۂ بندوبست کی توجہ فرمائی کے مستحق ہیں۔

۱۷۔ حضرات! ہمارے ملک کا نظم مال گزاری جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے بحیثیت مجموعی تشفی بخش ہے، تاہم اصلاحات کی گنجایش باقی ہے میں یہاں ایک دلچسپ واقعہ کا مختصر ذکر کروں گا۔

سترہ اٹھارہ سال قبل کی بات ہے فصیح جنگ مرحوم سابق معتمد مال کی (۵۵) سالہ عمر ختم ہونے کے بعد مزید دو سال کی توسیع منظور ہوئی اس وقت میں ان کی خدمت میں حاضر تھا دو تین اور عہدہ دار بھی موجود تھے، میں نے عرض کیا کہ یہ توسیع شدہ میعاد سررشتہ مال کی اصلاح میں صرف ہو جائے تو بڑی یادگار زمانہ ہوگا، انہوں نے پوچھا کہ کس قسم کی اصلاحیں درکار ہیں، میں نے چند باتیں بیان کیں انہوں نے فرمایا کہ لگزاری کا انتظام اپنی جگہ مکمل ہے

تمام ضروری احکام وضوابط موجود ہیں صرف عمل پیرائی کی ضرورت ہے اور عمل آپ لوگوں کا کام ہے۔
میں اس جواب سے مطمئن نہ ہو سکا، کیونکہ وہ میرے اندرونی جذبہ کے لحاظ سے مطابق نہ تھا
لیکن اپنی آنے والی زندگی میں محسوس کرتا رہا کہ انہوں نے سچ کہا تھا، سب کچھ انسان کے اپنے
عمل پر منحصر ہے اس لیے ساری اہمیت عمل کو حاصل ہے اور پھر وہ عمل جو کسی نصب العین کے
ساتھ ہو ہماری مشکلات کو دور کر دیتا اور ایک نئی روح اور ایک نئی زندگی پیدا کر دیتا ہے اگر
ہم اپنے قلوب اور اپنے ضمیر کا جائزہ لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ہماری زندگیاں عمل سے کس قدر
محروم ہیں، اپنے ملک کے کسی نظم کو سدھارنا ہے تو انفرادی طور پر عملی زندگی کو عائد کر لینا چاہیئے
عملی زندگی کی ایک متفقہ ہل چل اصلاحات کا دروازہ کھول دیتی اور مرکزی قوتوں کو برسر عمل لاتی
ہے، بہر حال ہمیں مزید اصلاحات کی جانب قدم بڑھانا چاہیئے۔

۱۸ - توجہ طلب مسائل بکثرت ہیں ان کو فی الحال معرض بحث میں لانا چنداں ضروری نہیں ہے، البتہ
چند بنیادی مسئلوں کا ذکر کیا جائے گا جو سررشتہ مال کے نظم کو زیادہ بہتر بنانے میں معاون ہو سکتے
ہیں، اور اگر یہ وقوع میں آجائیں تو پھر ضمنی و تبعی مسائل قدرتی طور پر رو براہ ہوتے جائیں گے۔

(الف) ہندوستان میں جب کمپنی کی حکومت ختم ہوئی اور گورنر جنرل کا عہدہ قایم ہوا
تو یہی ساری حکومت کا مرکز بنا صوبوں کے اختیارات محدود تھے بے شمار انتظامی اور مفاد عامہ
کے امور بہ عجلت تمام انجام نہ پا سکتے تھے پیش رو ہی میں رکاوٹیں تھیں آخر کار اس نظم کی خرابی
محسوس ہوئی اور گورنر جنرل کے اختیارات کی تقسیم عمل میں آئی ہر ایک صوبہ کو کافی اختیارات کے
ساتھ ایک مرکزی حکومت کا درجہ دیا گیا اس کے بعد ہندوستان کی ترقی کا دور آغاز ہوا اور
ہم آج دیکھتے ہیں کہ برطانوی حکومت کے ہر ایک صوبہ کی کیا حالت ہے اور کتنی عظمت ہے،

ہمارے ملک کی صوبہ داریاں زیادہ تر اول تعلقداروں اور محکمہ مال کے درمیان
واسطہ کار بنی ہوئی ہیں ان کے اختیارات بہت ہی محدود ہیں جس زمانہ میں صدر تعلقداریاں
قایم تھیں تو انھیں وسیع اختیارات دیے گئے تھے بعد کے زمانہ میں صوبہ داریاں قایم ہوئیں تو
اختیارات گھٹا دیے گئے اب ضرورت ہے کہ صوبہ داروں کے اختیارات میں اتنا اضافہ
کیا جائے کہ ہر صوبہ کو فی الجملہ مرکزیت حاصل ہو جائے یہ امر اضلاع و تعلقات کی ترقیوں کا
باعث ہوگا اور رعایا کے حق میں بھی بے شمار سہولتوں کا موجب ہوگا اعلیٰ محکمہ مال کی غیر معمولی
مصروفیت کم ہو جائے گی بڑے بڑے مسائل پر کافی غور و فکر کرنے اور ان کو بہ عجلت ممکنہ عمل میں،

لانے کے مواقع حاصل رہیں گے۔

توسیع اختیارات کا مسئلہ اگرچہ بار بار زیر غور آیا ہے لیکن مختلف وجوہ کی بنا پر اب تک طے نہ ہوسکا ایک یہ وجہ بھی مانع رہی کہ زائد اختیارات کا صحیح استعمال نہ ہوگا یہ اندیشہ اب سے چند سال قبل محسوس ہوا ہوگا لیکن اس اثنا میں حالات بدل گئے ہیں اور لایق و قابل اعتماد عہدہ دار مامور ہو رہے ہیں تو پھر کوئی پس و پیش بے محل ہوگا تاہم صوبہ داروں کے لیے انکی ماموری کے وقت حلف اٹھانے کے طریقہ کو رائج کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہائیکورٹ کے ججوں کے لیے حلف اٹھانے کا دستور رکھا گیا ہے اس کی وجہ سے اختیارات کی توسیع میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔

(ب) حسن انتظام کے لیے اول و دوم تعلقداروں اور تحصیلداروں کے اختیارات میں بھی توسیع کی ضرورت ہے یہ کسی سے مخفی نہیں ہے کہ مختلف النوع کاروبار کی روز بروز وسعت ہوتی جارہی ہے اور رعایا برایا سے انفرادی سابقے زیادہ ہونے لگے ہیں معاملات کو عاجلانہ طریقہ پر طے کرنے میں عوام کی سہولت ہے ورنہ التوا و تاخیر نہ صرف تکلیف و زیر باری کا موجب ہوتی ہے بلکہ اس سے طریقہ حکومت بدنام ہوجاتا ہے یہ امر سب کے لیے طمانیت کا موجب ہے کہ سیولیینوں کے علاوہ لایق و تربیت یافتہ عہدہ دار مامور ہونے لگے ہیں یہاں تک کہ دفتری خدمات بھی معیار قابلیت کے بغیر مامور نہیں ہوسکتے ایسے بلند معیار کے پیدا ہوجانے کے بعد مذکورۂ بالا عہدہ داروں کے اختیارات میں توسیع کسی قباحت کا موجب نہیں ہوسکتی البتہ کچھ عرصہ تک نگرانی درکار ہوگی اور غیر صحیح استعمال اختیارات پر خفیہ ہدایات اور بازپرس ضروری ہوگی اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں ہر ایک عہدہ دار میں اپنے اعتماد خودداری کو قایم رکھنے کا جذبہ مستحکم ہوجائے گا۔

(ج)۔ دفتر تحصیل ایک بنیادی دفتر ہے جس کا تعلق نظم و نسق کے ہر شعبہ سے رہتا ہے نہ صرف اسی قدر بلکہ انفرادی طور پر ہر طبقہ کی رعایا سے معاملت کرنی پڑتی ہے دفاتر تحصیل کی کارکردگی اچھی ہو تو وہ ایک اچھے نظم کی تخلیق کرسکتے ورنہ نیچے سے اوپر تک نقایص پیدا ہوجاتے ہیں اگر سررشتہ کے نظم کو قابل تعریف بنانا ہو تو تحصیل کی اصلاح کی جانب سب سے پہلے توجہ کرنی چاہئے تحصیل کا موجودہ طریقہ کار قابل اصلاح ہے انتظامی اور انفصالی کاموں میں نقایص ہیں التوا و تاخیر کی عام شکایت ہے ایک کاشتکار جو اپنے کاروبار کو چھوڑ کر کوسوں کی مسافت طے کرکے تحصیل میں پہنچتا ہے تو وہ ایسی ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کا کام

حتی الامکان جلد نکل جائے مگر وہ دفتری چکر میں پڑ جاتا ہے تحصیلداروں پر روزمرہ کاروبار کا ناقابل برداشت بوجھ پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے وہ رعایا کی کماحقہ خدمت نہیں کرسکتے لہٰذا اس کی ضرورت ہے کہ چند دفاتر تحصیل کے کاموں کا تفصیلی معاینہ کرکے کاموں کو گھٹانے اور خوش اسلوبی کو پیدا کرنے کی ایسی تجاویز بروے عمل لائی جائیں جو افسر و عملہ کے وقت اور محنت کو بچا سکیں اور صحت عمل و کارکردگی کی طرف مائل کرسکیں۔

(د) ایک مکمل قانون مال کی تدوین کی ضرورت کو محسوس کرکے ایک طویل زمانہ گزر گیا اور اس کی ترتیب پر کافی رقم بھی صرف کی گئی مگر اب تک تدوین مکمل نہیں ہوئی مجموعہ مالگزاری کی موٹی موٹی (۵) جلدیں جو عزیز جنگ مرحوم کی یادگار ہیں عہدہ داروں و اہلکاران مال اور عوام کے لیے بھی بھول بھلیاں ہیں احکام کی تلاش میں ورق گردانی دردسر کا باعث ہوجاتی ہے اور پھر قدیم وجدید و موافق و مخالف احکام میں سے مطلب کی بات کو تشفی بخش طریقہ پر معلوم کرلینا ایک معرکہ آرائی سے کم نہیں ہوتا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکمل تدوین میں دیر ہوگی ایسی صورت میں یہ مناسب ہوگا کہ سر دست دفاتر تحصیل کے فرایض کو بخوش اسلوبی انجام دلانے کے لیے تحصیل سے متعلق احکام و ضوابط کی ایک جداگانہ کتاب چھپوادی جائے جس میں ایسی ترتیب قایم ہو کہ ہر ایک روزمرہ فریضہ کو اس کتاب کی رہنمائی سے بغیر کسی دشواری کے انجام دیا جاسکے اس کتاب کے مرتب کرانے اور چھپوانے میں کچھ زیادہ مصارف نہ ہوں گے اور جو کچھ ہوں گے وہ دفاتر تحصیل کی اصلاح کی خاطر منظور کرلیے جاسکتے ہیں۔

(ھ) علاقہ تلنگانہ کی سالانہ جمعبندی بڑی پیچیدہ اور تکلیف دہ ہوا کرتی ہے اس کی تفصیل طویل ہے۔ مختصراً اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ اس کے متعلقہ جملہ قواعد و ضوابط پر اور بعض غیر منصفانہ عملدرآمد پر از سر نو نظر ڈالنی چاہیئے اور اس تنگ نظری کو دور کردینا چاہیئے جو رعایا کاشتکار پر بعض صورتوں میں رقموں کے قایم کردینے میں برتی جاتی ہے اور ایک مکمل و واضح ضابطہ جمعبندی کو مرتب کرنا چاہیئے جو نہ صرف منصفانہ اصولوں پر ہو بلکہ عمل کے اعتبار سے بھی اتنا صاف اور واضح ہو کہ کسی طرح تاویل و تفسیر کی گنجایش نہ رہے جمعبندی کی رپورٹ کے قدیم نمونہ کو بھی یکسر بدل دینا اور زمانہ حال کی ضرورتوں کے مطابق ایک ایسا نمونہ بنانا چاہیئے جو مختصر اور نتیجہ خیز ہو یہ کام درحقیقت بہت ہی اہم اور ضروری ہے اس کی جانب جس قدر عاجلانہ توجہ ہو مستحسن ہوگی۔

(۹) پہلی ضلع بندی جو کہ ۱۲۸۲ھ میں ہوئی تھی اس پر ۱۳۱۲ف میں نظر ثانی کی گئی بعد ازاں جو ممتد زمانہ اب تک منقضی ہوا ہے وہ بے شمار ترقیات پر مشتمل رہا ہے متبدلہ حالات و واقعات اور ایک جدید حیدرآباد کی منصوبہ بندی کے تحت موجودہ ضلع بندی پر نظر ڈالنے اور اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک دو اضلاع، تعلقات اور ڈویژن کے اضافوں کا کس قدر امکان ہے۔

(۱۰) اصلاح دفاتر دیہی کی ضرورت کو کون محسوس نہیں کرتا عمال دیہی کا طبقہ ہمیشہ قابل شکایت رہا ہے لیکن وہ قابل رحم بھی ہے قابل شکایت ہونے کی صراحت غیر ضروری ہے کہ ہر ایک اس سے واقف ہے۔ البتہ قابل رحم ہونے کی کچھ توضیح ضروری ہے عمال دیہی کا تعلق صرف تحصیلدار سے نہیں ہوتا بلکہ اول و دوم تعلقدار کو بھی ان سے سابقہ پڑتا ہے ان کے علاوہ عہدہ داران جنگلات وتعمیرات و آبیاشی وزراعت و انجمن ہائے اتحاد باہمی وغیرہ میں سے ہر ایک کی ضرورت عمال دیہی سے وابستہ رہتی ہے لہذا عمال دیہی ہمیشہ کشمکش میں رہتے ہیں اور پھر بارہا مختلف دفاتر میں انکی طلبی ہوتی ہے ان کو اپنے صرفہ سے طے مسافت کرنی پڑتی ہے یہ لوگ محض وطنداری کی خاطر مختصر بدل خدمت پر اپنے فرائض کو انجام دیتے آرہے ہیں وطنداری کو برخاست کرنے کی ایک آواز چند سال قبل اسی اسٹیج سے بلند ہوئی تھی اور مجھے یاد ہے کہ مجھے اس سے اختلاف کرنا پڑا تھا اور اب بھی میں یہی کہنا چاہتا ہوں کہ

"باہمیں مردماں بباید ساخت" لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ اس طبقہ کی کچھ اصلاح کی جاسکتی ہے ان کی کشمکش میں کمی اور ان کے روزمرہ فرائض میں ایسی تنظیم پیدا کی جاسکتی ہے جو ان کے بوجھل کاموں کو ہلکا کرنے والی ہو اور میں اس کی بھی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ ان کے لیے ایک جدید دستور العمل بنایا جائے جس میں ترتیباً ہر فرض کو انجام دینے کا طریقہ بتایا جائے مثلاً اقساط مالگزاری کا زمانہ آتا ہے تو علی الترتیب کس کام کو کس طرح کرنا چاہیئے وقس علی ہذا۔ ایک ایسا دستور العمل بلاشبہ دفاتر دیہی کی اصلاح کا موجب بن سکتا ہے، اس کے علاوہ اس طبقہ پر ہمیشہ اخلاقی اثر ڈالتے رہنے کی ضرورت ہے اور یہ میرا تجربہ ہے اور میرا اعتقاد بھی ہے کہ اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اخلاقی اثر ڈالنے کا ایک تبلیغی طریقہ ہے اس کو خود عہدہ داران مقامی اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں دوسرا طریقہ چھوٹے چھوٹے اخلاقی مضامین کو ان تک پہنچاتے رہنے کا ہے جس سے انسانیت کا اور عزت نفس کا احساس پیدا ہوسکے یہ تجویز تھوڑی مالی امداد کے تحت کسی ادارہ کے ذریعہ سے عمل میں لائی جاسکتی ہے اور تجربہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۹ - حضرات ! اختصار کی کوشش کے باوجود یہ مضمون طویل ہوگیا ہے اور میں نے آپ کا قیمتی وقت لیا ہے اب آخر میں ایک ضروری امر کی جانب توجہ دلانا باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ مملکت آصفیہ کے نظام مالگزاری پر اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اس کے لیے محکمہ جات مال و بندوبست وصوبہ داریوں نیز دفتر دیوانی مال میں کافی مواد موجود ہے یا تو حکومت اس ضروری کام کو انجام دلاسکتی ہے یا ملک کے بعض لائق و تجربہ کار اصحاب اس کا ارادہ کرسکتے ہیں یہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اس پر ایک نہیں بلکہ متعدد کتابیں مرتب ہوسکتی ہیں امید ہے کہ کسی قریب تر زمانہ میں یہ کمی پوری ہوجائے گی۔

میری دلی تمنا ہے کہ زیر سایہ حضرت ظل سبحانی مدظلہ العالی مملکت آصفیہ کا نظام مالگزاری ایسی عظمت و برتری کا حامل ہو جو اس کے شایان شان ہے۔ فقط

دکن کا نظامِ مال گزاری

از جناب مولوی موید الدین حسن صاحب طیلسانین بی اے دوم تعلقدار

محترم صدر و معزز حضرات!

میں مشکور ہوں کہ معاشی کمیٹی کے ذی علم اصحاب نے جن کے دل میں مملکت دکن کی اصلاح و ترقی کی لگن ہے مجھے اس کا موقع دیا کہ میں حیدرآباد کے نظام مالگزاری کی کیفیت قلم بند کروں۔ مگر موضوع اتنا وسیع ہے کہ نہ تو آج کی ایک صحبت اس کے لیے کافی ہے اور نہ معاشی کمیٹی کی اس پابندی کے بعد کہ مقالہ ۱۲ فلسکیپ صفحات سے زاید نہ ہو پورے پورے حالات و خیالات آپ کے سامنے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اپنی طویل سروس میں اس وسیع سلطنت کے جو بعون اللہ تعالے اس وقت بھی ۸۲،۶۹۸ مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے۔ جو معلومات سررشتہ مال کی میں نے حاصل کی ہیں اور جو ظاہری حالات دیکھے اور جن اندرونی کیفیتوں کا مطالعہ کیا اس کے اظہار کے لیے تو ایسی بہت سی نشستیں اور سیکڑوں صفحات پر قلم فرسائی کرنی پڑیگی مگر عاید کردہ پابندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ حالات بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ نظام مالگزاری دکن کا ایک خاکہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ گذشتہ صدی کے نصف دوم کے اوایل تک سارا ملک یا تو عربوں اور پٹھانوں کے قرضہ میں گرو تھا یا ان ٹھیکہ داروں کے قبضہ میں تھا جنھوں نے گورنمنٹ کو زر پیشگی دیدیا تھا۔ اور انہی عربوں اور پٹھانوں نے اس رقم کی ضمانت دیکر کہ جب تک یہ روپیہ ادا نہ ہو جائے یہ لوگ ان اضلاع سے بیدخل نہ ہوں گے۔ ان مکفولہ اقطاع ملک کو اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ اس طرح سارے ملک پر انہی کا تسلط تھا۔ اور یہ بھی اس وقت کی ایک عام عادت تھی کہ ایک شخص کے ہاتھ ایک ضلع کی آمدنی فروخت کر دی جاتی اور پھر تھوڑے دنوں بعد دوسرے کے ہاتھ فروخت ہوتی ۱۸۵۰ء میں یہ اندازہ کیا گیا کہ ایک کروڑ سے زیادہ کی آمدنی کا ملک عربوں اور پٹھانوں کے قبضہ میں ہے۔

مالگزاری کا انتظام تعلقدار اور ٹھیکہ دار کرتے جو اپنے نائبوں کے ذریعہ دیسکھ اور دیسپانڈیوں سے ملکر کاشتکاروں سے سالانہ لگان کا قول لیتے اور خود اپنا حق بھی رکھتے نائبوں کو عام اجازت تھی کہ رعایا سے جو چاہیں وصول کریں۔ کاشتکاروں کی حفاظت کا کوئی موثر قانون قاعدہ نہ تھا۔

وہ غریب ان چھوٹے چھوٹے ملازمین کے دست تظلم میں پھنسے ہوئے تھے تشخیص مالگزاری کبھی بہ اندازہ تخم کیجاتی یعنی جتنا تخم کسی زمین پر بویا جا سکتا تھا اتنا ہی اس کا رقبہ قرار دیا جاتا گو چونکہ ملک میں چھوٹے اور بڑے مختلف پیمانے رائج تھے۔ اس لیے رقبہ کہیں بھی مساوی نہ ہوتا تھا اس عہد میں رقبہ اراضی چادر بیگہ اور بام میں بتایا جاتا تھا۔ بام مساوی تھا۔ ۱۸۰ مربع گز کے اور بیگہ = ۲۰ بام کے اور چادر = ۲۰ ا بیگہ کے اس زمانہ میں تشخیص مالگزاری کا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ کاشت کار کے فصل خریف پر اس کے بیل اور ہل کے موافق ایک جوڑی کے ہل پر صمہ سے ۷ تک اور دو جوڑی کے ہل پر ۵ سے ۱۰ تک محاصل لگایا جاتا اس طریقہ تشخیص میں مقدار اراضی کا کچھ لحاظ نہ ہوتا تھا کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ قوت پیداوار پر بہ مشورہ رعایائے مقامی پٹیل و پٹواری محاصل لگا دیتے تھے۔

اور جب بٹائی لی جاتی جس کا رواج زیادہ تر ملک تلنگانہ میں قابل سیرابی اراضی کے لیے تھا تو کوئی کاشت کار اپنی فصل کے درو کا مجاز نہ تھا جب تک کہ تعلقدار کا کارندہ اس کی مقدار کا تخمینہ نہ کرے جب یہ تخمینہ ہو جاتا تو رعیت سے ایک قبولیت پر دستخط کرا لی جاتی اور کبیر کارندے اور سپاہی کے سامنے فصل کاٹی جاتی اور وہ صاف ہونے اور نپنے تک قرق رہتی اس موازنہ اور تقسیم غلہ میں ان چھوٹے چھوٹے ملازمین کو رقوم ناجائز کی تحصیل کا خوب خوب موقع ملتا۔

جہاں نقد لگان لیا جاتا وہاں بھی کچھ کم ظلم نہ ہوتا — رعایا کو مجبور کیا جاتا کہ فصل اچھی ہو یا خراب بہر حال پوری مشخصہ جمع اور دیگر معمولات ناجائز ادا کردے اگر وہ نقد روپیہ یا کسی ساہوکار کی ضمانت نہ دیتا تو اس کا تمام مال و اسباب اور مویشی قرق کر لے جاتے اور اس پر اور اس کے بال بچوں پر بے انتہا ظلم کیا جاتا اس کے سر پر پتھر دے کے دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا۔ اس کو بھوکا محبوس رکھا جاتا تاکہ اگر اس نے کچھ روپیہ یا مال کہیں پوشیدہ رکھا ہے تو بتا دے۔ اور جو روپیہ اس طرح تعلقدار وصول کرتے تھے وہ بھی پورا داخل سرکار نہ ہوتا تھا ۱۸۵۳ء میں یہ معلوم ہوا کہ ایک ضلع کی حقیقی آمدنی ایک لاکھ نود ہزار ہوئی تھی۔ مگر سرکار میں صرف ایک لاکھ پندرہ ہزار داخل کیا گیا۔ اسی طرح اراضی مزروعہ کا رقبہ بھی چھپایا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک حصہ ملک میں جہاں کا رقبہ مزروعہ صرف چار لاکھ پچیس ہزار بیگہ ظاہر کیا گیا تھا۔ سترہ لاکھ بیگہ سے زاید برآمد ہوا۔

۱۸۵۳ء اعلیحضرت بندگان عالی حضرت ناصر الدولہ غفران منزل نے بتاریخ ۳۰ ذی الحجہ م ۱۲ شعبان ۱۲۶۹ھ نواب مختار الملک سر سالار جنگ اول کو خلعت وزارت سے سرفراز فرمایا

اس دانشمند وزیر باتدبیر نے جن کو اللہ نے غیر معمولی دل و دماغ کی قوتیں عطا کی تھیں اور جن میں انتظامی اصلاحی۔ اور سیاسی قابلیتیں کوٹ کوٹ کے بھری گئی تھیں ملک کے ہر شعبہ کی اصلاح و ترقی کی طرف توجہ مبذول کی قرض خواہوں کے دعوں کی تحقیقات اور رقم کا انتظام کر کے جو علاقہ گرو رکھے گئے تھے بتدریج واگذاشت کرائے اور ٹھیکہ داری کا طریقہ موقوف کر کے ۱۲۸۱ھ م ۱۸۶۴ء میں تمام ملک کی ضلع بندی کی اور ۵ صوبے یا سمت سترہ ضلع اور ۱۱۴ تعلقے مقرر کئے ضلع اطراف بلدہ جس میں ۵ تعلقے تھے اس کے علاوہ تھا۔ ہر سمت پر ایک صدر تعلقدار ہر ضلع میں ایک تعلقدار معہ دو ماتحت تعلقداروں کے اور ہر تعلقہ میں ایک تحصیلدار مقرر کیا گیا اور مالی انتظام کی نگرانی کے لیے مجلس مال قایم کی۔ مگر اس کو چند سال بعد توڑ کے ۱۲۸۶ھ م ۱۸۶۹ء میں محکمہ صدر المہام مال قایم کیا گیا اس کے بعد بھی اس انتظام میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اب جو ضلع بندی ہے اس کی رو سے ۴ صوبے ۱۶ ضلع ۴۳ مستقر ہائے ڈیویزن اور ۱۰۴ تعلقے ہیں اور اعلیٰ محکمہ مالگزاری، صدر ناظم و معتمد سرکار عالی کا دفتر ہے جس پر ایک وزیر صیغہ نگرانی فرماتے ہیں۔

پھر ۱۲۸۴ف م ۱۸۷۵ء میں محکمہ پیمایش و بندوبست قایم فرمایا۔ جس نے اصول و قواعد کے ساتھ قابل کاشت اراضی کی پیمایش کی اور اراضی غیر گٹ و پرمیوک کے اندازے لگانے گاؤں ڈھان یعنی آبادی کے لیے رقبہ کیا اور اکثر دیہات میں بنچرائی یعنی جانوروں کے چرانے کیلئے اراضی مختص کی اور رقبہ کے سابقہ چھوٹے پیمانے بیگہ اور بام کو بدل کر ایکر اور گنٹہ میں رقبہ معین کیا۔ یعنی ۱۲۱ مربع گز کا ایک گنٹہ اور ۴۰ کا ایک ایکر قرار دیا جو مساوی ہے ۴۸۴۰ مربع گز کے پیمایش کے ساتھ ہی حیثیت اراضی کی تشخیص کی اور پھر دھارہ یعنی محاصل لگایا اب اٹکل سے نہیں بلکہ ملک کے جس حصہ میں یہ اراضی واقع ہے وہاں کے حالات قدر و قیمت اراضی کی قوت پیداوار مال کے برآمد کرنے کی سہولتیں اور دشواریاں۔ سڑک اور ریل کا قرب و بعد ہفتہ واری اور تھوک فروش کے بازار اور منڈیوں کا فاصلہ حتی کہ اعراس و جاترا کی شرکت و قلت غرض ہر پہلو پر نظر رکھ کے محاصل متشخص کیا۔

خشکی کی یعنی اس فصل کی جو بلا امداد مصنوعی ذرایع آب کاشت ہوتی ہے دو قسمیں ہیں خریف اور ربیع اسی طرح تری یعنی اس فصل کی بھی جس کو آب پاشی کی ضرورت ہے بہ اعتبار فصل دو تقسیم میں آبی و تابی مگر بہ اعتبار ذرایع آب اس کی ذیلی اقسام متعدد ہیں جیسے تحت تالاب تحت کنٹہ تحت نالہ تحت نہر۔ تحت جال۔ تحت باؤلی۔ تحت بھڑکی۔

ذریعہ آب اور قوت اراضی کے لحاظ سے بعض تری نمبرات تو دو فصلہ ہیں یعنی ان میں آبی و تابی دونوں کی کاشت کرنی لازمی ہے۔ اور بعض ایک فصلہ ہیں۔

غرض ان سارے اقسام اور ان سارے حالات کو پیش نظر رکھ کر بندوبست کے ہر قطعہ اراضی کا محاصل مقرر کیا۔ چنانچہ اب ملک کا اوسط لگان مرہٹواڑی میں خشکی کے لیے [illegible] فی ایکر اور تری کے لیے [illegible] ہے۔ اور تلنگانہ میں خشکی کے لیے ۱۳/۱۰ فی ایکر اور تری کے لیے [illegible] ہے اور کرناٹک میں خشکی کے لیے [illegible] فی ایکر اور تری کے لیے [illegible] ہے۔ اس موقع پر میں یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ملک کے حصہ شمالی و مغربی میں سبزی مائل سیاہ پتھروں کے ٹیلے ہیں اور جنوب و مشرق میں سرخی مائل چونے کے پتھروں کی زمین ہے۔ اسی طرح ملک کی صورت ارضی و قومی کی تقسیم میں بھی ایک مطابقت ہے یعنی دریائے گوداوری و مانجرا نے ملک کو اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ قوم مرہٹہ جنوب کی قوم کنڑا اور تلنگوں سے جدا ہوگئی ہے۔ اور سرخی مائل چونے کے پتھروں کا ملک تلنگانہ جہاں آبی و تابی میں بہ کثرت دھان کی کاشت ہوتی ہے اور چاول کی پیداوار کا ملک ہے وہ شمالی مغربی حصہ مرہٹواڑی سے جو روئی اور جوار کی پیداوار کی سرزمین ہے علیحدہ ہو جاتا ہے مرہٹواڑی میں تالابوں کا پتہ نہیں اِلّا ماشاءاللہ کیونکہ وہاں کی زمین اس قدر مسامدار ہے کہ یہاں جو بند بندھا جاتا ہے وہ گرمیوں میں جابجا شق ہو جاتا ہے۔ اور برسات میں ٹوٹ جاتا ہے برخلاف تلنگانہ کے کہ یہاں ہر موضع میں چھوٹے بڑے متعدد تالاب اور کنٹے موجود ہیں اسی لیے مرہٹواڑی کی زمین اجناس خشکی کے لیے بڑی زرخیز ہے۔ اور تلنگانہ تری کی فصول کے لیے موزوں ہے۔ اسی لیے خشکی کے دھارے مرہٹواڑی میں زاید اور تری کے محاصل تلنگانہ میں بڑھے ہوئے ہیں۔

قیام محاصل میں جو فیاضانہ رعایت کی جاتی ہے اس کا کچھ حال اس رپورٹ جمعبندی سے واضح ہوگا جو ۲ امرداد ۱۳۱۱ف کو سرکار سے بٹی امرآباد کے لیے منظور ہوئی وہاں اگرچہ کافی رعایتوں کے بعد بہ اعتبار گروپ بندی خشکی کے لیے [illegible] اور [illegible] تری کے لیے [illegible] فی ایکر انتہائی دھارہ تجویز ہو سکتا تھا مگر طریقہ زراعت سائنٹیفک اصول سے بہت دور اور رعایا پرانے خیالات میں غرق اور جہالت میں پھنسی ہوئی ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے دھاروں میں کمی کرکے بجائے [illegible] کے [illegible] اور [illegible] کے [illegible] خشکی میں اور تری کے ہر ایک گروپ میں [illegible] کی کمی کرکے گذشتہ سے کمی محاصل پر رپورٹ کو منظور کیا گیا۔

غرض متذکرہ بالا پیمائش۔ پڑت بندی و دھارہ بندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سابقہ رقبہ جات کا

کہیں تو دوچند سہ چند یا اس سے بھی زائد برآمد ہوئی اور کہیں کم اسی طرح کسی قطعہ کا محاصل بہت بڑھ گیا اور کہیں گھٹ گیا۔ غرض ایک اعتدال کے ساتھ ایک اصول کے تحت ہر گاؤں میں ہر قطعہ کا نقد محاصل معین اور غلہ بٹائی قطعاً موقوف کیا گیا۔ اور پھر بھی تری کاشت کے لیے بیسوں رعایتیں ملحوظ رکھیں چنانچہ قواعد بندوبست کا بیشتر حصہ اور دفتر سرکار رسمت و ضلع کے گشتیات کے ہر سال سیکڑوں صفحے انہی اشکال کے بتانے اور نظام جمعبندی پر ان کے مطالب و طریقہ عمل کو واضح کرنے کے لیے خرچ ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ گو اس اراضی میں جو ذرایع مصنوعی سے آبپاشی کرنے کے بغیر (خشکی) کاشت کے لیے مختص کی گئی ہے اور جس کا دھارہ بہ مقابلہ تری بہت کم رکھا ہے۔ افتادگی کی صورت میں کوئی کمی نہیں دی جاتی مگر ایک فصل کے عوض دو فصل کاشت کرے یا اپنے ذاتی سرمایہ سے باولی کھود کر وہاں ترکاری میوہ وغیرہ کاشت کرے جس کو اصطلاح مال میں باغات کی کاشت کہتے ہیں تو کوئی زاید محاصل بھی نہیں لیا جاتا مگر برسات کی قلت و کثرت ذرائع آب کی درستی و نادرستی موسم کاشت میں ذرائع آب میں مقدار پانی قطعات تری کا تالاب یا کنٹہ سے قرب و بعد قطعات کی غرق آبی، تابی یعنی دھوپوں کی فصل کے لیے بہ لحاظ موجودگی آب تہ بندی یعنی قطعات کاشت شدنی کا تعین اور اس تہ بندی کے مرتب کرنے کے قواعد فصل کے حاصل ہونے تک کھیت کی سیرابی یا اس سے پہلے پانی کی قلت کمی آب سے فصل تلف ہو جائے تو اس نقصان کے اندازے کی ترتیب جس کو اصطلاح مال میں پنچنامہ تلف مال کہا جاتا ہے یہ سب محاصل تری کے معافی ۔ کمی یا وصول پر اثر انداز ہیں۔ ان کے علاوہ مختص المقام قواعد میں جس میں حالات مقامی کے مدنظر بڑی بڑی رعایتیں دی گئی ہیں جیسے کہ تالاب لکنارم و رامپا تعلقہ ملک ضلع ورنگل اور نظام ساگر کے تحت کی اراضی کے خاص قواعد جس کے رو سے کہیں تو فصل کی کمی کر دی گئی ہے۔ یعنی بجائے دو فصلہ کے صرف ایک فصلہ کاشت کی اجازت ہے۔ اور کہیں کئی کئی سال کے لیے محاصل میں رعایت مرعی رکھی ہے۔

ان بھاری بھاری رعایتوں کے علاوہ وہ مراحم خسروانہ اور مکارم شاہانہ ہیں جنکی بارش سقامت ہنگام کے زمانہ میں رعایا پر ہوتی رہتی ہے۔ اور اس سے ملک کے وہ سارے کاشتکار جو چاہے تری کی فصل کرتے ہوں یا خشکی کی سب ہی یکساں مستفید ہوتے ہیں۔

میں آپ کے سامنے چند مختلف سنین کے اعداد معافی پیش کرتا ہوں جب سے شاہ ذی جاہ خلد اللہ ملکہ اور سابق حکمران دکن کے رعایا پروری کا آپ اندازہ کر لیں گے اور معلوم کر لیں گے کہ

اس خطہ دکن کی خوش نصیب رعایا کیسے شفیق اور مہربان حکمران کے ظل عاطفت میں پرورش پا رہی ہے۔

۱۳۰۴ف میں [illegible] بالمقابلہ جملہ مالگزاری ۱۱٫۶۷ فیصد کی معافیاں دیگئی ہیں۔

سنہ	رقم		فیصد	
۱۳۰۵ف	[illegible]	”	۱۰٫۹۸	”
۱۳۰۶ف	[illegible]	”	۱۹٫۵۷	”
۱۳۰۷ف	[illegible]	”	۱۴٫۵۳	”

۱۳۴۴ف موسمی معافی [illegible]
” اور حالات اقتصادی کے گرنے کی وجہ سے [illegible] } [illegible] ” ۱۶٫۱۶ ”

۱۳۵۰ف موسمی معافی [illegible]
” اور حالات اقتصادی کے گرنے کی وجہ سے [illegible] } [illegible] ”

اور ۱۳۵۲ف میں موسمی معافی [illegible]
اور بلحاظ حالات اقتصادی مقامی عطا ہوئی [illegible] } [illegible]

یعنی بمقابلہ مالگزاری ۱۵٫۹۰ رعایا کے حق میں چھوڑ دیے گئے۔

مجھے عرض کرنے دیجئے کہ تشخیص محاصل کا یہ اصول قرارداد محاصل کا یہ اعتدال معافیات کا یہ بار ملک کی صرف اس خوش نصیب رعایا کے لیے ہے جو علاقہ دیوانی میں رہتی ہے اور جو ملک کے (۲۰٬۷۲٬۶۲۹٬۲۹٫۵) یکر بقیہ کے منجملہ (۳۶۹٬۳۷٬۱۳٬۳) یکر یعنی مملکت کے جملہ رقبہ کے صرف ۵۹٫۲۴ فیصد پر بستی ہے ملک کا ۳۵۱٬۸۹٬۱۵٬۲ یکر یا ۴۰٫۷۶ فیصد پائیگاہ جاگیرات سمستان وغیرہ میں ہے وہ ان رعایتوں سے مستفید نہیں اور نہ فی الوقت ان کے

کوئی حالات آپ کی سماعت میں لا رہا ہوں۔

مختصر یہ کہ اس فیاضی سے معافیات دینے کے بعد بھی ۱۳۰۵ھ ف میں قابل وصول دو کروڑ للعہ تھے اس سے ۵۰ سال بعد ۱۳۵۵ھ ف میں اس کی مقدار ۲ کروڑ ۔۔ رہی اور ۱۳۶۲ھ ف کی رپورٹ نظم ونسق سے واضح رہے کہ معافیات کی منہائی کے بعد مطالبہ ۳ کروڑ تھا اگر اس میں پائیگاہ و جاگیرات کے آمدنی کو ہم اسی تناسب سے شامل کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ملک کی آمدنی زراعت بحمد اللہ ۶ کروڑ سے اونچی ہے۔

جن رعایتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کے حاصل کرنے کا استحقاق اسی صورت میں ہے کہ اراضی پر قبضہ جائز طرح کیا گیا ہو۔ کسی کا غیر قانونی قبضہ ہے تو پھر اس کے لیے تاوانی بھی ہے اور حکماً بے دخلی بھی تاوان اراضی کی نوعیت اور قبضہ کی علت کے اعتبار سے مشخص ہوتا ہے جہاں تمرد ظاہر ہو یا بے دخلی کے احکام کی تعمیل نہ کی گئی ہو تو وہاں تاوان محاصل کے دوگونہ تک عاید کیا جا سکتا ہے۔ جو اراضی خاص اغراض کے لیے مختص ہو جیسے گاوٹھان یعنی وہ اراضی جو آبادی کے لیے خاص کی گئی ہو یا کاہچرائی جو چرائی کے لیے مختص ہو وہاں کاشت کی قطعاً اجازت نہیں جائز قبضہ وہی ہے جو باجازت محکمہ مجاز حاصل کیا گیا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ جن نمبرات کی خواہش ہو اس کی صراحت کرتے ہوئے تحصیل سے درخواست کی جائے ایسی درخواست کے پیش ہونے پر تحصیلدار خود اپنے دفتر یا دفتر دیہی سے ضروری کیفیت معلوم کر کے اشتہار دیتا ہے کہ فلاں نمبر کے لیے فلاں شخص نے خواہش کی ہے کسی کو منظوری درخواست میں عذر ہے تو وہ اندرون (۱۵) یوم رجوع ہو یہ اشتہار موضع متعلقہ میں مشتہر کیا جاتا ہے اور مدت کے گذرنے کے بعد پٹواری کیفیت لکھ کے واپس کرتا ہے کہ فلاں نے یہ عذرداری کی ہم نے اس کو تحصیل میں حاضر ہونے کی اطلاع کر دی ہے یا یہ کہ کسی کی عذرداری نہیں۔ تحصیلدار عذرداری کی سماعت کر کے فیصلہ کرتے یا عدم عذرداری کی صورت میں قبضہ اراضی کا حکم دیتے ہیں۔ مگر ایسی تجاویز کے لیے بھی تحصیلدار کے اختیارات محدود ہیں لیس جو کارروائی ان کے اختیار سے خارج ہے اس کے لیے وہ بالادست دفاتر پر کارروائی بھیج دیتے ہیں۔ اس قسم کی کارروائی کو اصطلاح مال میں کارروائی لازمی کہتے ہیں۔ غرض جب ایک مرتبہ ایسی منظوری حاصل ہو جاتی ہے تو یہ زمین درخواست گذار کے قبضہ میں

دیدی جاتی ہے ۔ اس کے بعد درخواست گزار پٹہ دار کہلاتا ہے اور اس کے حقوق دوامی ہوجاتے ہیں ۔ جب تک وہ محاصل اراضی ادا کرتے رہے سرکار اس کو اس سے بیدخل نہیں کرتی اراضی پٹہ قابل توریث ہے ۔ وہ جائداد غیر منقولہ کی طرح بیع ہوسکتی ہے ۔ ہبہ کی جاسکتی ہے ۔ رہن ہوسکتی ہے ۔ اور جس قسم کی کاشت چاہے اس میں کی جاسکتی ہے ۔ اور جب خود پٹہ دار کسی وجہ سے زمین چھوڑنا چاہے تو وہ گذاشت اراضی کی درخواست کرسکتا ہے جس کو اصطلاح مال میں راضی نامہ کہتے ہیں ۔ تحصیلدار ایسے راضی نامہ کے منظور کرنے کے مجاز ہیں ۔ حکومت کی ایک رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ "زمانہ سابق میں راضی نامہ جات عموماً نامنظور کیے جاتے تھے ۔ اور یہ ایک معمولی بات تھی کہ رعایا دیہات کی جاوڑیوں میں کئی دن تک مقید رکھی جاتی اور اکثر اوقات اس سے بھی زیادہ سختی کی جاتی تھی کہ اپنی زراعت کاشت کرے ۔" مگر اب راضی نامے بلا تامل منظور کر لیے جاتے ہیں ۔ اور اگر ماہ خورداد میں راضی نامہ پیش ہو جو تری اور خشکی کے فصل کے ختم کا زمانہ ہے تو دوسری فصل کے محاصل سے راضی نامہ گزار سبکدوش رہتا ہے ۔ ایسی واگزاشتہ زمین خارج کھاتہ کہلاتی ہے ۔ اور دوسرا شخص اس کو درخواست دیکر حاصل کرسکتا ہے ۔

وراثت پٹہ میں بھی بڑی سہولت رکھی گئی ہے ۔ متوفی پٹہ دار کا بیٹا یا وارث قریب پٹہ دار تسلیم کرلیا جاتا ہے ۔ اور جب ایسے ورثاء ایک سے زائد ہوں تو ایک پٹہ دار اور دوسرے علی قدر حصص شکمیدار قرار دیے جاتے ہیں ۔ اور اس کارروائی کے لیے محض پٹیل و پٹواری کی دارانہ رپورٹ ورثاء کے نام اور قرابت کی صراحت کے ساتھ کافی ہے ۔ تحصیلدار اسی رپورٹ کی بناء پر یہ تجویز کردیتے ہیں کہ کس کے نام پٹہ اور کس کے نام شکمی میں درج ہو ۔ اور حسبہ اسماء کا تبادلہ ہوجاتا ہے ۔ جس کی جانچ کرکے ناظم جمعبندی بوقت جمعبندی منظوری دیتا ہے ۔ اس عمل کا نام اصطلاح مال میں ورگ مبادلہ کمی بوجہ وراثت اور ورگ مبادلہ اضافہ بوجہ وراثت ہے ۔ یعنی کمی اول کے پٹہ دار کے نام کی اور اضافہ جدید پٹہ دار کے نام کا ۔

کاشت یا عدم کاشت کی وجہ ذرائع آب کی حالت موقع کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے ہر سال ضروری رجسٹرات مرتب اور ان کا اندراج کرنا ہوتا ہے ۔ ان سب میں حالات کاشت کے معلوم کرنے کے لیے وہ رجسٹر اہم ہے جس کو پہانی ہنترک کہتے ہیں ۔ اس میں بندوبست کے مقرر کردہ سلسلہ نمبرات کے ساتھ کھاتہ دار یعنی پٹہ دار کا نام جس کے زمین پر کاشت کی ہو اس کا نام نوعیت کاشت اگر نمبر افتادہ رہا تو وجہ افتادگی

کسی ذریعہ آب سے آبپاشی ہو تو اس کی صراحت اور موقع پر جو کیفیت پٹواری نے دیکھی وہ لکھی ہوتی ہے۔ ایک ایک تعلقہ کئی حلقوں میں تقسیم ہے اور ہر حلقہ پر ایک گرداور متعین ہیں ان کو لازم ہے کہ اپنے پورے حلقہ کے ہر موضع کے تمام نمبرات کا معائنہ کر کے اپنا نوٹ لکھیں۔ اور تحصیلدار کا فرض ہے کہ اپنے تعلقہ کے ۲۰ فیصد مواضع کی تنقیح کریں۔ اور معائنہ کی کیفیت بھی اسی پہانی پیترک پر لکھیں۔ پھر دوم تعلقدار کو اپنے حدود اراضی کے ہر تعلقہ کے ۱۰ فیصد مواضع کی تنقیح ضروری ہے یہ بھی اپنے معائنہ کا نوٹ اسی پہانی پر لکھتے ہیں۔

تلنگانہ میں ذرائع آب کی بہتات اور اس کی وجہ سے کمی و معافی اور اضافہ کی مختلف النوع و کثیر الوقوع کیفیتوں کے باعث تنقیح سرزمین بڑی اہم ہے۔ سال میں دو مرتبہ یہ تنقیح ہوتی ہے۔ تنقیح اول کو چارہانی کہا جاتا ہے اور تنقیح دوم کو ہنت ہانی پہلی مرتبہ آبی کی کاشت کی کیفیت اور دوسری مرتبہ تابی کی فصل کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں۔ اگر ملازمین ماموره ذرا بھی تن آسانی کریں تو وہ سرکار کا نقصان کر دیتے ہیں یا رعایا کا جب تنقیح کا کام ختم ہوتا ہے۔ جس کے پورا کرنے کے لئے گرداور تحصیلدار اور دوم تعلقدار میں سے ہر ایک کو تقریباً چھ ماہ تک ایک ایک گاؤں میں ایک ایک تالاب اور ایک ایک نمبر پر کہیں تو پہاڑوں کی بلندی پر اور کہیں چٹیل میدان میں کہیں درختوں کے جھنڈ میں کیچڑ و پانی میں اونچی اونچی گھانس میں کبھی گھوڑے یا بابو پر تو کبھی کھاچر اور بنڈی میں اور کبھی پیدل دن کے کئی کئی گھنٹے پھرنا پڑا تھا تو اس کے ختم کے ساتھ ہی ساتھ سررشتہ مال کا وہ اہم ذمہ دارانہ اور کٹھن کام شروع ہو جاتا ہے جس کو جمعبندی کہتے ہیں۔ اس میں تنقیح سرزمینی کے طرح جسمانی مشقت تو نہیں مگر کچھ اس سے بڑھ کر ہی دماغی محنت ہے۔ اور غضب یہ کہ اس کام کا زمانہ عین موسم تابستان میں ہے۔ جبکہ مدارس کو موسم گرما کی تعطیل ہو جاتی ہے۔ شدت تپش کی وجہ مدارس بند کر دیے جاتے ہیں اور شہروں کے رہنے والے خس کی چلمن اور برقی پنکھوں کے نیچے بھی گرمی سے بے چین رہتے ہیں۔ تحصیلدار اور ناظم جمعبندی اپنے عملہ کے ساتھ اس فرض کو پورا کرنے کے لیے دیہات پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ آم کے درختوں کے تلے ان کے سفید ڈیرے دور سے نظر آتے ہیں۔ اور یہ درختوں کی چھاؤں میں چھپروں کے سایہ میں بیٹھے دن بھر قلم گھستے رہتے ہیں پھر بھی کمبخت کام ہے کہ ختم نہیں ہوتا۔ اور رات کے ۱۰۔۱۰۔۱۱۔۱ بجے تک قلم اور کاغذ ہی ان کا مشغلہ رہتا ہے۔

اصطلاح مال میں جمعبندی ان تجاویز کا نام ہے۔ جو ہر موضع کے ہر ایک نمبر کے لیے محاصل کی معافی وکمی، ادراضافہ اور پٹہ داروں کے اسماء کی شرکت و اخراج اور تبدیلی کیلئے کیجاتی ہیں۔ اس معافی وکمی واضافہ کے بھی کئی اقسام ہیں۔ جیسے کمی یکسالہ معافی یکسالہ عین کمی سوائے جمعبندی اضافہ عین اضافہ بندوبست کمی۔ بندوبست اضافہ جنس مبادلہ کمی جنس مبادلہ اضافہ درگ مبادلہ کمی ورگ مبادلہ اضافہ۔

اس کام کے لیے سب سے پہلے تو مختلف تختے (رجسٹر) پٹواری کے دفتر میں مرتب ہوتے ہیں جن کے ترتیب میں سیت وار وپہانی پیترک سے مدد لیجاتی ہے۔ اور تنقیحات ہشت ماہی وچار ماہی میں جو کچھ نوٹ کیا گیا تھا۔ یا تحصیل نے دوران سال میں جو کچھ احکام دیے تھے۔ اس کی بنا پر پٹواری اپنی کیفیت لکھتا ہے۔ اور پھر یہ کاغذات تحصیلدار کے پاس پیش ہوتے ہیں۔ وہ ان کاغذات کی تنقیح کر کے اپنی رائے لکھتے ہیں کہ کیا محاصل لیا جائے کیا کم کیا جائے۔ کونسا نمبر کس کے نام پٹہ ہو۔ یا کس نمبر سے کس کا نام حذف کیا جائے۔ اور کس کا نام اضافہ کیا جائے۔ اس کے بعد ان رجسٹرات کا تودہ ناظم جمعبندی کے سامنے ہوتا ہے جو پھر ان کاغذات کی تنقیح کر کے اپنی تجویز صادر کرتے ہیں۔ ناظم جمعبندی کی تجویز اس بارہ میں سرکار اور رعایا دونوں کے لیے قطعی ہے۔ اور وہ اس وقت تک نہیں ٹوٹتی جب تک کہ مرافعہ کر کے اس کے خلاف کوئی اور فیصلہ نہ کیا جائے۔ یہ کام جتنا پیچیدہ ہے اور اس میں دیانت امانت اور تجربہ کی جتنی ضرورت ہے۔ اس کا حال سرکاری زبان سے سنئے جس کا اقتباس ہم نے ایک ایسی رپورٹ سے کیا ہے جو آج سے تقریباً (۵۰) سال قبل کی مرتبہ ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ ضلاع تلنگانہ میں ان مقامات پر بھی جہاں پیمائش بندوبست ختم ہوچکی ہے جمعبندی سالانہ ایک زیادہ پیچیدہ امر ہے۔ اور سبب اس کا یہ ہے کہ وہاں دو بڑی فصلیں ہوتی ہیں۔ اور دوہرے دھارے مقرر ہیں۔ اور نیز یہ سبب ہے کہ وہاں قطعات افتادہ یا فصل ہائے نقصان رسیدہ کی بابت معافی دیے جانیکا رواج ہے۔ رواج آخر الذکر ایک تکلیف دہ طریقہ ہے جس کی وجہ بار بار فصل کا معائنہ لازم آتا ہے۔ اور اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ رپورٹ ماتحتین پر زیادہ بھروسہ کیا جائے یہ بات خود سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو لوگ اس خدمت پر متعین ہیں ان کے تجربہ اور ذہانت پر کس درجہ اغراض سرکاری منحصر ہیں۔ جو قواعد کہ بنا بر تکمل جمعبندی منضبط کیے گئے ہیں ان میں کافی طریقہ گرفت فریب کے رکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد یہ صراحت کرتے ہوئے کہ تعلقدار اور ان کے

ماتحتین کس طرح دورہ اور نگرانی کرتے ہیں لکھا ہے۔" مگر یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ عمل نقائص سے خالی نہیں۔"

گو یہ تجویز ۵۰ سال قبل کی ہے مگر آج بھی کوئی تنقید کرنے بیٹھے تو وہ اس سے کچھ کم نہ لکھے گا۔

ابھی میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ ناظم جمعبندی کی تجویز قطعی ہے جب کسی موضع کی جمعبندی ختم ہو جاتی ہے تو ناظم جمعبندی کی تجاویز کے اعتبار سے وصول طلب اور معافی و کمی کی جمع و تفریق کرکے موضع کی قابل وصول رقم کا ٹھہراؤ بدستخط ناظم جمعبندی کر دیا جاتا ہے۔ ٹھہراؤ کے بعد ہر آسامی سے جتنا کچھ وصول کرنا ہے اس کی مقدار معین ہو جاتی ہے۔ اور اسی کی بنا پر پٹواری آخری قسط کا تختہ مرتب کرکے تحصیل کو بھیج دیتا ہے اور ہر آسامی اپنے ذمگی مطالبہ سے واقف ہو جاتا ہے جس کو اس مطالبہ سے کلاً یا جزاً عذر ہو وہ اس کا مرافعہ اول تعلقدار کے اجلاس پر پیش کرتا ہے جس میں مرافعہ علیہ یعنی سرکار کی طرف سے کوئی پیروکار نہیں اسی طرح معافی یا کمی رقم کی صورتوں میں سرکار کی طرف سے بھی کوئی مرافعہ دائر کرنے والا نہیں ہے یہ بھی رعایا کے حق میں ایک بڑی رعایت ہے کہ سرکار محاصل مالگزاری کے قرارداد کے لئے نہ تو محکمہ اپیل میں بحیثیت مدعی پیش ہوتی ہے اور نہ رقم کی عدم معافی کے لیے بحیثیت مدعی علیہ جواب دہی کرنا چاہتی ہے بلکہ محاصل کے منصفانہ وصول کو عہدہ داران مال کی صوابدید پر چھوڑ رکھا ہے۔ مرافعہ کی درخواست پیش کی جائے تو ساتھ ہی التوا مطالبہ کی درخواست بھی کی جاتی ہے جو عموماً صد فیصد منظور رہ جاتی ہے اور درخواست رافعہ کے تصفیہ تک مطالبہ سرکار زیر باقی رہ جاتا ہے۔ ان قانونی رعایت سے بالعموم زمینداران ہی دیکھے۔ دیسپانڈیہ اور سربرآوردہ زمیندار ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس ترکیب سے ہزاروں روپیہ بروقت ادائی سے بچا لیا جاتا ہے تاکہ سود کا فائدہ حاصل کیا جائے یا اس رقم کو کسی اور فائدہ بخش کام میں لگایا جائے عام پٹہ دار اپنا ذمگی مطالبہ بروقت ادا کر دیتا ہے۔ یہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ ساہوکار بھی خوب نفع کماتا ہے۔ اس کے کاروبار زمانہ اقساط مالگزاری ہی میں چمکتے ہیں۔ غریب کاشتکار سابقہ باقی میں اپنا غلہ سستے داموں ساہوکار کے حوالہ کرا دیتے اور قسط کی ادائی کے لیے پھر سے قرض لیتے ہیں۔ یا جو قدرے محتاط ہیں وہ محاصل مالگزاری ادا کرنے کے لئے اپنا غلہ سستے داموں ساہوکار کو بیچ دیتے ہیں۔ مگر وطندار نہ صرف اپنا غلہ بلکہ

اپنے ذیلی کاشتکار (آسامیان شکمی) کا غلہ بھی اپنے گھر میں بھر لیتا ہے اور محاصل سرکار بچانے کے خاطر مرافعہ کرکے احکام التوا حاصل کر لیتا ہے۔

مرافعہ جمعبندی ایک شاطرانہ چال ہے اس کا منشا حصول انصاف سے زاید محاصل مالگزاری کو التوا میں ڈال کر اس رقم کو کسی اور منفعت بخش کام میں لگانا ہوتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس سے انتظام مالگزاری کا ایک واضح خاکہ آپ کے پیش نظر ہو گیا ہوگا اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ یہ بڑا سیدھا سادہ سہل و آسان نظم ہے سرکار نے حصول زر سے زیادہ رعایا کی پرورش کو ملحوظ رکھا ہے ایکطرف تو ملک کا ۲۰۶ ، ۴۰ پاؤ حصہ امرائے عظام سمستانوں اور جاگیروں میں دیکر بذل و عطا کی بے نظیر مثال قایم فرمائی ہے۔ اور دوسری طرف علاقہ دیوانی کے صرف ۴ ، ۲۴ ، ۹ ۵ حصہ میں بندوبست کی دھارہ بندی کے وقت اور ہر سال کی جمعبندی میں بڑی بڑی رعایتیں مرعی رکھی ہیں کوئی شخص جس کو اللہ نے چشم بصیرت دی ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ دولت آصفیہ کے شفیق حکمرانوں نے اور خدا سلامت رکھے ہمارے بادشاہ ذیجاہ اعلی حضرت ظل سبحانی کو کہ جہاں بانی ہمیشہ رعایا پروری پر رکھی ہے۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پیشتر مجھے یہ کہنا ہے کہ گذشتہ نصف صدی میں انتظامات سررشتہ مال نے کچھ تھوڑی سی ترقی ضرور کی ہے مگر یہ رفتار تیز گامی کی محتاج ہے اور اس سررشتہ کے انتظامات میں جو اصلاح و ترقی ہوئی ہے۔ اس کا ابھی عشر عشیر بھی نہیں ہوا ہے اور ایسے امور پر ابھی کوئی توجہ نہیں ہوئی ہے جن پر آج سے پہلے توجہ کرنی چاہیئے تھی۔ میں نے آپکا کافی وقت لیا اور معاشی کمیٹی نے جو اس مضمون کے لیے ۱۲ صفحے تجویز کیے تھے اس کے منجملہ ۱۱ صفحے لے لیے ہیں اور سخت دشوار ہے کہ باقی صرف ایک صفحہ پر اصلاح و ترقی سررشتہ پر میں اپنے ناچیز خیالات کو پیش کر سکوں اس لئے اجمالاً صرف ان امور کا ذکر کر دیتا ہوں جن پر سررشتہ کے بہی خواہ اور رعایا کے ہر خیر خواہ کی توجہ عاجلانہ مبذول ہونی چاہیئے ضرورت ہے کہ ایک مکمل قانون مالگزاری کی تدوین کیجائے یکم آذر ۱۳۱۵ف کو جو قانون مالگزاری نافذ ہوا ہے وہ اتنا مختصر اور غیر مفید ہے کہ سالہائے سال کی پرانی گشتیوں۔ دستور العمل اور رزولیوشن سے مدد لینی پڑتی ہے دفتر سرکار ہمت اور ضلع کی گشتیوں کی اتنی کثرت ہے کہ ایکطرف ان کا حفظ رکھنا مشکل اور دوسری طرف انکی بھتانت تعبیر قانون اور قوت عمل کے لیے پریشان کن ہے۔

یہ گشتیات وغیرہ چالاک عمال دفتر کے ہاتھ میں بڑے خطرناک ہتیار ہیں کبھی کسی اہل غرض نے
انکی خوشنودی حاصل نہ کی تو یہ اپنے نوٹ بک سے کسی ایسی گشتی کا حوالہ بتا کر اور محافظ خانہ کے
کسی پرانے چکٹ بک (رجسٹر گشتیات) سے اس کو نکال لاکر کام کو الجھن میں ڈالدیتے ہیں اسکا
سلجھانا اب اس عہدہ دار کا کام ہے جو سررشتہ مال کے کام پر پوری طرح حاوی ہو بالغ نظر
ہو غور و فکر کا عادی ہو احکام و گشتیات کا منشاء و معنی سمجھنے میں اجتہادی درجہ رکھتا ہو ورنہ
کیفیت پیش کردہ درست ہے حسبہٗ عمل ہو کا چلتا ہوا فقرہ معاملہ اور صاحب معاملہ کو برسوں
الجھاؤ اور پریشانی میں ڈال دیتا ہے ایک علم دوست مولف شمس العلماء نواب عزیز جنگ مرحوم
نے قوانین مالگزاری کی تالیف کرکے سررشتہ مال کی بڑی خدمت کی اس سے نہ صرف آج سے
چالیس سال قبل بلکہ آج بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ اب زمانہ نہیں رہا کہ اس قسم کا کام غیر سرکاری
اشخاص یا ادارہ پر چھوڑ دیے جائیں اس لئے قانون مالگزاری کی تدوین اور تمام قوانین مال
کی نظر ثانی اور ترتیب ہونی چاہیئے۔ تحصیل و پٹواری کے دفاتر سررشتہ مال کے بنیادی دفتر ہیں
اگر یہاں کام درست ہوا تو انتہا تک درست رہتا ہے ورنہ بڑی خرابی اور بڑا الجھاؤ پڑتا ہے
اس لئے بہت جلد ان دفاتر اور ان میں کام کرنے والوں کی اصلاح ہونی چاہئے عہدہ داران
مال کے اختیارات پر نظر ثانی۔ اور ان سررشتہ جات کے تعاون کے حصول کی صورتیں پیدا
کرنی چاہیئے، جنکا انتظامات کاشت سے قریبی تعلق ہے اس سے میری مراد زیادہ تر سررشتہ
جنگلات، اور سررشتہ آبپاشی و امداد باہمی ہے۔ پھر سررشتہ علاج حیوانات اور زراعت وغیرہ
تقررات عمال۔ عہدہ داران مال کی تجربہ کاری رعایا اور ان کے مواشی کی صحت ان کے پیداوار
کی نکاسی ان کی ضروریات کی فراہمی اور بہ آسانی دستیابی۔ زمینداروں اور وطنداروں کے
ان خفیہ مظالم سے جو اس روشن عہد میں بھی جاری ہیں رعایا کی حمایت غرض یہ چند ایسے
ضروری عنوان ہیں جنکی تفصیل کے لیے بہت وقت درکار ہے۔ فقط

ہمارا طریقۂ مال گزاری

از جناب مولوی محمد فاروق صاحب بی۔اے (عثمانیہ) ایچ۔سی۔یس

ایک مبتدی کے لیے جس نے صرف ۴ سال محکمہ مال میں بسر کئے ہیں یہ اقدام ایک بڑی جسارت ہے کہ عملیات جمعبندی پر کچھ گفتگو ایک ایسی محفل میں کیجائے کہ جس کی صدارت ایک نہایت ہی واقف کار عہدہ دار سررشتہ مال سے متعلق ہے اور جہاں سررشتہ مال کے دیرینہ تجربہ رکھنے والے عہدہ دار جمع ہیں۔ بہرطور چند امور اس ارادے کے ساتھ گوشگزار کیے جاتے ہیں کہ عام لوگوں کو جمعبندی کی ماہیت کا علم ہو نیز اس مضمون پر دوسرے واقف کار احباب کا تبصرہ اور رہنمائی حاصل ہو در اصل ان کو آج سے ڈیڑھ سال پہلے اس ارادے سے قلمبند کیا گیا تھا کہ ان پر مختلف معلومات رکھنے والے احباب سے تبادلۂ خیالات کیا جائے۔

ڈیویژن پربھنی میں ۳ سال خطہ مرہٹواڑی کے تعلقات و مواضعات کی جمعبندی کرنیکے بعد جب خورداد ۵۲ ف مجھے خطہ تلنگانہ کے تعلقہ بانسواڑہ ضلع نظام آباد کی جمعبندی کا موقع ملا تو جس امر نے جمعبندی کے دوران میں مجھے پوری طرح متوجہ رکھا وہ اضلاع تلنگانہ و مرہٹواڑی کی جمعبندی کے عملیات کا اختلاف تھا یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ وہ اہلکاران ڈویژن و تحصیل جو مرہٹواڑی کی ڈویژن پر بھی مامور تھے تلنگانہ کی کسی ڈویژن یا تحصیل کا تجربہ نہ رکھتے تھے اور اسی طرح ڈویژن بودھن یا اس کی تحصیلات میں کسی اہلکار کو مرہٹواڑی کی جمعبندی کے طریق کار کا علم نہ تھا الّا اس کے کہ پیشکار تحصیل بودھن کو اس کی کتابی معلومات پوری طرح حاصل تھیں کہا جاتا ہے کہ تلنگانہ کی جمعبندی کے عملیات کے احکام ایسے منتشر ہیں کہ اس کو عام اہلکاران تلنگانہ خود انجام نہیں دے سکتے جبکہ اہلکاران مرہٹواڑی اسے انجام دے سکیں۔

تحصیل بانسواڑہ کے حلقہ پٹلم سے تعلقہ دگلور کی حدود بالکل ملی ہوئی ہیں جمعبندی کے دوران میں ایک روز کے لیے میں دگلور گیا تھا۔ واضح ہو کہ ڈویژن و گور کے تعلقات بلولی دگلور کے تین مواضعات تلنگانہ سے متعلق ہیں مجھے وہاں یہ معلوم ہوا کہ دوم تعلقدار صاحب دگلور

(مولوی محمد مکرم صاحب) نے دفتر ضلع ناندیڑ پر ایک مرتبہ یہ تحریک کی تھی کہ چونکہ مرہٹواڑی کے تعلقات و مواضعات کی جمعبندی کی تکمیل ماہ اردی بہشت تک کردینی لازم ہے اور تلنگانہ کے تعلقات و مواضعات کی جمعبندی کی تکمیل خورداد و تیر میں ہوتی ہے اس بنا پر دوم تعلقدار دگلور کی جمعبندی کے ضمن میں مصروفیت کو دوہری طوالت ہوتی ہے اس لیے ایک ایسا پروگرام مرتب کرنیکی اجازت دیجائے کہ ایک ساتھ سب مواضعات کی جمعبندی مسلسل ہو سکے۔ مولوی محمد مکرم صاحب نے بعد میں اپنے ایک مکتوب میں اس امر کی کچھ اور صراحت فرمائی تھی اور اسے میں یہاں درج کردونگا۔ "ڈیژن دگلور میں تین تعلقے دیگلور و بلولی و قندھار شریف ہیں۔ تعلقہ دگلور و بلولی میں کچھ مواضعات تری کے بھی ہیں۔

یہاں جمعبندی کے متعلق عمل یہ ہے کہ خشکی مواضعات کی جمعبندی ماہ اردی بہشت کے ختم کے پیشتر تکمیل ہونی چاہیئے اور تری مواضعات کی جمعبندی آخر ماہ تیر تک۔

نتیجہ جمعبندی و رپورٹ جمعبندی دونوں مشترکہ ختم تیر تک یا اوائل امرداد تک روانہ ہونی چاہیئے۔ خاص تلنگانہ تعلقوں میں شرح نویسی کی تحصیلات کی ہر سال آخر اردی بہشت تک ختم ہو جاتی ہے اور خورداد تیر میں ڈویژن کی جمعبندی ختم ہو جاتی ہے۔

میری تحریک یہ تھی کہ خشکی و تری مواضعات کی جمعبندی علحدہ علحدہ اوقات میں کرنے کی بجائے ایک ہی وقت میں ہو جایا کرے تو بہتر ہوگا اور سہولت بھی۔ دورہ کے اخراجات بھی کم ہونگے۔

چنانچہ اردی بہشت کا مہینہ دونوں کے لیے مشترکہ بھی ہے۔"

مرہٹواڑی اور تلنگانے میں آغاز و اختتام جمعبندی کے اس اختلاف سے قطع نظر یہ امر بھی بہت بدیہی تھا کہ جہاں مرہٹواڑی کے تعلقات کی جمعبندی کے موقع پر تکمیل سے مثلیں جمعبندی کے کیمپ پر پہنچی رہتی ہیں۔ مواضعات کے عمال وہی کیمپ پر نہیں بلائے جاتے اور بوقت جمعبندی پٹواری موضع بھی حاضر نہیں رہتا۔ وہاں تلنگانہ کی جمعبندی کے ضمن میں مواضعات کے پٹواری کیمپ میں حاضر رہتے ہیں اور بوقت جمعبندی ناظم جمعبندی کے اجلاس پر موجود رہ کر ضروری استفسارات کا جواب دیتے ہیں بلکہ متروکات اور حذف شدہ اندراجات کی تکمیل کراتے ہیں۔

اس کے سوا مرہٹواڑی کے تعلقات کی جمعبندی کے ضمن میں قابل جمعبندی میں متعدد

تختے پٹواری پیش کرتا ہے اور ان کی تحصیلدار صاحب تنقیح کرتے ہیں۔ دفتر تحصیل سے بعض تختہ جات کے ساتھ امثلہ تحصیل شامل مثل جمعبندی کی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ سارے امثلہ جنمیں پٹہ داروں کے فوت ہونے پران کے ورثا کے نام تحصیل سے حسب رائے عمال وراثت پٹہ داری منظور ہوئی ہو تختہ متعلقہ کے ساتھ پیش ہوتی ہیں ناظم جمعبندی ان امثلہ کی تنقیح کرتا ہے کہ کیا احکام تحصیل درست ہیں اور اس کے بعد وہ تجویز کرتا ہے کہ بلحاظ احکام تحصیل ورثا منظور شدہ کے نام پٹے قایم ہوں۔ چنانچہ اس تجویز کے بعد یہ نئے نام دفتر دیہی میں درج ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ سارے امثلہ جن میں تحصیل سے بربنائے ڈگریات عدالت یا راضی نامجات وغیرہ اراضیات پٹہ داروں کے نام منتقل ہوے ہوں تختہ متعلقہ کے ساتھ شامل ہوکر ناظم جمعبندی کے ملاحظہ میں بغرض تنقیح واطمینان آتی ہیں اور بہ حکم ناظم جمعبندی منتقلی کا عمل درج رجسٹرات دیہی ہوتا ہے اس طرح کے امثلہ کی پیشکشی کے سوا ایک اور تختے میں جس میں جملہ انعامات موضع شمار کیے جاتے ہیں عمال دیہی گرداور نیز تحصیلدار صاحب کی رائے پیش ہوتی ہے کہ کیا انعامات کی شرایط کی تکمیل ہورہی ہے۔ انعامات کی حالت اچھی ہے وغیرہ ناظم جمعبندی مجاز ہے کہ بہ تکمیل جمعبندی معائنہ موقع کے بعد یا دوسری اطلاعات کی بناپر انعامات سرکاری نگرانی میں لے لینے جانیکی تجویز اس منشاء سے کرے کہ انعامات کی حالت درست ہوسکے۔ اس قسم کے اختیارات وہ اور دنوں میں بھی استعمال کرسکتا ہے۔

ان سب تختوں کے منجملہ ایک اور تختہ بھی ہوتا ہے جس میں موضع کے (پٹہ داروں) سے مالگزاری کی رقوم قابل وصول کا اندراج ہوتا ہے۔ اور اسی بناپر موضع کے زرمالگزاری وصول شدنی کا تعین ہوتا ہے جسے عرف عام میں ٹھیراؤ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تحصیلدار صاحب اپنے قلم سے اس تختے کے اندراجات کی بناپر تحریک کرتے ہیں کہ اتنے روپیہ کا ٹھیراؤ قابل منظوری ہے اور ناظم جمعبندی اپنے قلم سے وہی عدد ہندسوں اور الفاظ میں لکھ کر اسے منظور کرتا ہے۔

مرہٹواڑی کی مثل جمعبندی ایک کتابی شکل رکھتی ہے اور اس کے مختلف تختوں کے کالموں کے عنوان اردو و مرہٹی میں طبع شدہ رہتے ہیں اس کے مقابل تلنگانہ میں بوقت جمعبندی جو کاغذات پیش ہوتے ہیں کہنے کو وہ بھی مثل جمعبندی سے مخاطب ہوتے ہیں اور نہیں کیے ہوے رہتے ہیں نیز بعد ختم شرح نویسی بشکل مثل جوڑے جاتے ہیں لیکن ان میں

صرف موضع کے مختلف نمبرات اور اراضیات کے ایسے عملیات پٹواری شمار کرتا ہے جنکی وجہ سے زر مالگزاری میں کمی یا زیادتی ہو رہی ہے مثلاً خارج کھاتہ اراضیات پر کاشت ہو جائے تو چونکہ سوائے جمعبندی کی وصولی ضرور ہے اس لیے پٹواری ایسے نمبرات کو فرداً فرداً شمار کرکے گویا تحصیلدار صاحب اور ناظم جمعبندی کو اطلاع کرتا ہے کہ سوائے جمعبندی کی رقم قابل وصولی ہے اس تختے پر گرداور صاحب نے بحین دورہ جو شرح بعد معائنہ لکھی ہو اس کی نقل کیجاتی ہے اور صیغہ دار جمعبندی اس کا خلاصہ لکھ کر رائے تحصیلدار صاحب کے لیے جگہ چھوڑ دیتا ہے۔ تحصیلدار صاحب اپنی رائے کے ساتھ سفارش کرتے ہیں کہ اتنی رقم قابل وصول ہے۔ ناظم ان اندراجات کو دیکھکر اس رائے کو منظور کرتے ہیں یا کچھ تبدل و تغیر فرماتے ہیں۔ یہہ بھی ہوتا ہے کہ کسی ذریعہ سیرابی کی شکستگی کی وجہ پٹواری رپورٹ کرتا ہے کہ بوجہ شکست ذریعہ سیرابی اتنی رقم محصول مالگزاری کی یکسالہ کمی اور معافی منظور ہونی چاہیئے۔ گرداور اس ذریعہ کے شکست ہونیکی تصدیق کرتے ہیں تحصیلدار صاحب بھی اپنے معائنہ کی بنا پر یا اس تصدیق عمال دیہی و گرداور کے لحاظ سے سفارش کرتے ہیں اور ناظم جمعبندی اس کو منظور کرتے ہیں کہ اتنی رقم مالگزاری کی کمی و معافی یکسالہ دی جائے۔

اسی طرح اگر فصل تلف ہوئی ہے تو پٹواری درخواست تلف مال کی منظوری کے حوالے سے کہ جس پر علحدہ کارروائی ہوتی ہے متعلقہ نمبر کی اراضی کے متعلق رقم کی واگذاشت اور معافی کی رپورٹ کرتا ہے اس گرداور کی تصدیق کی نقل کیا جاتا ہے اور تحصیلدار صاحب تلف مال کی درخواست کا حوالہ دیتے ہوے معافی کی سفارش کرتے ہیں اور ایسے ناظم جمعبندی منظور کرتا ہے۔

بلحاظ فوتی پٹہ داران ایک تکراری عمل یہ بھی دیکھا گیا کہ ہر اس نمبر کے متعلق جس کا پٹہ دار فوت ہوا ہے کمی کی منظوری لیجاتی ہے اور یہ فوتی کمی کہلاتی ہے اس نمبر کے متعلق ان کے وارث کے نام سے فوتی اضافہ بھی دوسری جگہ منظور ہوتا ہے مجھ سے کہا گیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو پٹیل پٹواری کو جعل سازی کا موقع ملتا ہے۔

اسی طرح سے عملیات ورگ مبادلہ (انتقال اراضیات) کے متعلق بھی منتقل کرنیوالے کے لحاظ سے ورگ مبادلہ کمی منظور کرکے ورگ مبادلہ اضافہ اس شخص کے ساتھ منظور ہوتا ہے کہ جس کے نام اراضیات منتقل ہوتی ہیں۔ لاونیات کی منظوری بھی ہوتی ہے یعنی بعض افتادہ

اور خارج کھاتہ اراضیات کمی اگر بیٹہ ہوئی ہیں تو اس کے لحاظ سے زر مالگزاری کی قرارداد کیلئے لاونی اضافہ کی منظوری ہوتی ہے اور اسی لاونی اضافہ کی منظوری کو بضمن جمعبندی بیٹہ کا بحتہ عمل ہو رہنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ ان عملیات کے مدنظر ان تختوں کو جو ناظم جمعبندی کے ہاں پیش ہوتے ہیں فیصل پٹی بھی کہا جاتا ہے۔

فی الجملہ تلنگانہ کی جمعبندی انہی چند عملیات پر مشتمل ہے اور اس کے بعد ناظم جمعبندی کا کیمپ برخاست ہو جاتا ہے۔ پٹواری اس کمی بیشی کا حساب کر کے جس کی منظوری ہوئی گوشوارہ مختتم ٹھیراؤ کے لیے پیش کرتا ہے اور اس پر تحصیلدار بالکل اسی طرح کہ جس طرح مرہٹواڑی میں ہوتا ہے سفارش کرتے ہیں کہ اتنی رقم کا ٹھیراؤ قابل منظوری ہے اور ناظم جمعبندی اپنے قلم سے اس رقم کا مکرر اندراج کرتے ہوے اسے منظور کرتا ہے۔

لیکن اس ساری جمعبندی کے دوران میں کسی تلنگانہ کے موضع کی فائل کے ساتھ تحصیل سے تعلقات مرہٹواڑی کی طرح وہ امثلہ پیش نہیں ہوئیں جن میں فوت شدہ پٹہ داروں کی وراثت منظور ہوئی ہو یا جن میں اراضیات کی منتقلی منظور ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ ایک اچھا موقع ان عملیات کی تنقیح کا ہے اسی طرح انتقال اراضیات کے متعلق بھی کوئی امثلہ پیش نہیں ہوتی ہیں حالانکہ بلحاظ احکام تمام تختہ جات کا پیش ہو کر مصدق ہونا ضروری ہے مجھے بتایا گیا کہ یہہ سب تفصیلات فیصل پٹی کی طوالت کی وجہ پیش نہیں ہوتیں ورنہ قطعی احکام موجود ہیں کہ بضمن جمعبندی کئی اور تختہ جات تحصیل میں داخل ہوں مگر سلسلہ یہ پڑا ہوا ہے کہ ختم سال تک بعد تشدد بسیار انہیں داخل کیا جاتا ہے اور وہ بجنسہ داخل محافظی ہو جاتے ہیں اگر یہہ تختے بوقت جمعبندی پیش ہو سکیں تو ان کی ناظم جمعبندی تنقیح کر سکیگا تحصیلدار صاحب کے روبرو بھی وہ پیش ہو سکیں گے۔ تقابلی نقطہ نظر سے تلنگانہ اور مرہٹواڑی کے عمال دیہی کے ہاں سے تحصیل میں داخل ہونے والے تختہ جات کے کالموں کے اندراجات کی جانچ کرنے پر واضح ہوا کہ یہہ عملاً ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور ان میں چنداں اختلاف نہیں ہے۔

ایسی صورت میں یہہ سوال ضرور قابل لحاظ ہے کہ کیوں نہ اس ملک سرکار عالی کے جملہ اضلاع میں بلا تفریق تلنگانہ مرہٹواڑی یکساں عمل کیا جائے۔ اول تو تواریخ یکساں کی جائیں یہہ کہا جاتا ہے کہ تلنگانہ کے لیے مرہٹواڑی کا اتباع ناممکن ہے کیونکہ وہاں

چار ماہ کی تنقیح کی ضرورت ہے۔ مگر مرہٹواڑی کے لیے تلنگانہ کا اتباع ممکن ہے۔
البتہ اس کے لیے قسط مالگزاری کی وصولی کی تواریخ بدلنی ہوگی یہ امر جداگانہ ہے کہ کیا وہاں کی خشک فصلوں کے جملہ درد ہو جانے کے مدنظر تاریخ میں تبدیلی درست ہوگی اس کے ساتھ فیصل پٹی کے سوا بقیہ تختوں کی پیشکش پر تحصیل و نظامت جمعبندی میں انکی تنقیح کی حدتک بھی یکساں عمل ہو سکتا ہے خواہ مواضعات جمعبندی کے ہوں کہ تلنگانہ کے۔ دوسرے الفاظ میں وہ عمل جو مرہٹواڑی کے مواضعات میں ان تختوں پر ہوتا ہے تلنگانہ کے ان مواضعات میں بھی ہونا چاہیئے۔
تختہ ٹھیراؤ کی حدتک ظاہر ہے کہ یہ مرہٹواڑی میں لازماً مجمل اور مختصر ہوگا کیونکہ وہاں خریف ربیع کی کاشت میں خشکی دھارہ مقررہ اور معین ہے جو بھی تبدیلی ہوتی ہے وہ باغات کی کاشت کے لحاظ سے ہوتی ہے اور یہ ہر موضع میں نہیں ہوتی تلنگانہ کا تختہ ٹھیراؤ ناگزیر طور پر تفصیلی اور ایک ایک ایسے نمبر سے متعلق رہنا ضرور ہے کہ جہاں کی کاشت میں بوجہ تغیرات نہ بھی کوئی تبدل و تغیر ہوا ہے۔ لیکن یہاں یہ امر بہر حال قابل غور ہے کہ کیا تلنگانہ کے موجودہ تختہ ٹھیراؤ کا نمونہ بدلا نہیں جا سکتا۔ سردست یہ تختہ ٹھیراؤ بڑی سائز کے کئی اوراق پر مشتمل ہوتا ہے جس کا حجم موضع کے لحاظ سے کم زیادہ ہوتا ہے۔
عام طور پر اس کے اندراجات کی یہ تبویب ہوتی ہے۔ گو کالم بہت زیادہ ہوتے ہیں۔
رپورٹ شمال دیہی تنقیح گرداور کیفیت صیغہ دار جمعبندی و رائے تحصیلدار
شرح منظوری نظامت جمعبندی
میں نے اس کی آزمایش کی ہے کہ اگر یہ اندراجات ایک تختہ کے علیحدہ علیحدہ کالموں میں قلمبند ہونے کی جگہ مسلسل عبارت میں تحریر ہوں تو بہت کم جگہ میں سارا مدعا ظاہر ہو رہیگا اور احکام دیے جا سکیں گے ساتھ ہی تکراری عملیات مثلاً ایک مقام پر فوتی کمی دوسری جگہ فوتی اضافہ ایک جگہ کمی بکسالہ دوسری جگہ سوائے جمعبندی کم کیے جانے کی بھی ضرورت قابل غور ہے۔ نیز چونکہ فی زمانہ خواندگی اور اردو دانی کا معیار بہت کچھ بڑھ گیا ہے اس لیے یہ ممکن ہونا چاہیئے کہ یہ تختے پٹواڑی سرکاری زبان میں تحریر کریں۔
حضرات! جو امور میں نے ابھی عرض کیے ہیں اس سے قطع نظر اب اس پر بھی

غور مناسب ہوگا کہ ہمسایہ برطانوی ہند کے اضلاع میں جمعبندی کا کیا طریقہ ہے۔ میرے سابقہ دورہ میں وہاں جمعبندی کے موقع پر مستقر تحصیل پر ہی ناظم جمعبندی نے قیام کیا تھا بوقت مقررہ جمعبندی کی گئی پروگرام میں مواضعات کا ایک سلسلہ قایم ہوا تھا جس کی پوری نگہداشت کیگئی۔ جمعبندی کے وقت تحصیلدار اور گرداور حلقہ کے سوا عمال دیہی بھی موضع کے دفتر دیہی نیز ایک یادداشت تنقیح جمعبندی کے ساتھ اپنی اپنی باری پر حاضر رہے تھے۔

حضرات! یہہ یادداشت دراصل ایک طرح کا سوال بند ہے اور اس مجموعہ سوالات کے جوابات سرکاری زبان میں اہلکاران دفتر ناظم جمعبندی دفتر دیہی کی مدد سے تنقیح اور عمال دیہی بالمشافہہ دریافت کے بعد تحریر کرتے ہیں ناظم جمعبندی اس سوال بند کے ہر سوال اور اس کے جواب پر نظر ڈالتے ہوئے موقتی طور پر زبانی مزید دریافت اور تنقیح کرتا ہے اس موقع پر عمال دیہی کا بھی اس سے سامنا ہوجاتا ہے اور ان کی بابت اس کو ذاتی معلومات بھی ہوجاتی ہیں ضمناً گرداور اور تحصیلدارصاحبان نے موضع کی جس طرح تنقیح کی ہو یا اس سے تغافل برتا ہو یا اور کوئی کوتاہی ہوتی ہو وہ بھی ظاہر ہوجاتی ہے۔

ان ضمنی اطلاعات و معلومات کے سوا اس سوال بند کے مندرجہ سوالات اتنے جامع اور کئی رخی رہتے ہیں کہ ان کے جوابات کا ناظم جمعبندی کے علم میں آجانا ایک بڑی افادیت کا موجب ہوتا ہے۔

ٹھیراؤ کی حد تک ضلع بلاری میں ہمارے ہاں مرہٹواڑی کے اضلاع کی طرح چونکہ صرف خریف و ربیع کی خشکی کاشت ہوتی ہے۔ لہذا وہاں بھی یہ عمل صرف ایک فقرے میں ختم ہوتا تھا اور تحت سے تختے تیار شکل میں پیش ہوکر صرف منظوری کی دستخط کے لیے سامنے آتے تھے۔ بہتر طور میں یہہ محسوس کرتا ہوں کہ وہاں کی جمعبندی کی تکمیل کے بعد ناظم جمعبندی تعلقے کے حالات سے بدرجہا زیادہ باخبر ہوتا تھا۔

وہاں جو یادداشت تنقیح جمعبندی مروج ہے اس کے متعلق جناب مولوی عبدالباسط صاحب مددگار معتمد مال سے معلوم ہوا کہ سمت ورنگل میں بھی مولوی سید بدرالدین صاحب صوبہ دار وقت کی رائج کی ہوئی ایک یادداشت تنقیح جمعبندی نافذ ہے۔ چنانچہ دوم تعلقدار صاحب ورنگل سے اسے حاصل کیا گیا چنانچہ وہ منسلک ہے۔

مجھے اس کے اندراجات بھی کافی محیط اور جامع معلوم ہوے اس یادداشت کے بعض

سوالات دفتر دیہی کی عام حالت سے متعلق ہیں تو بعض سیتوارکی بابت ہیں۔ چند سوالات دفتر دیہی کے بعض رجسٹرات کے اندراجات کی تکمیل عدم تکمیل کے متعلق ہیں۔ کچھ سوالات وصولی اقساط زرمالگزاری کی بابت ہیں اس لحاظ سے اس یادداشت تنقیح جمعبندی کا بالعموم ملک سرکارعالی میں رائج کرنیکا امر بھی قابل غور ہے۔

مجھے رپورٹ جمعبندی کی حدتک یہا عرض کرنا ہے کہ بجائے خود مختلف تعلقات کی رپورٹوں کی ترتیب الگ الگ پائی گئی۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر چند فقرات قایم ہوں اور رپورٹ جمعبندی دراصل انہی فقرات کے جواب پر مشتمل رہے تو ان جوابات میں ایسا تسلسل اور ربط رہیگا کہ محکمہ صوبہ داری کو نتائج اخذ کرنے میں بڑی سہولت رہیگی۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح جناب صدر نے فرمایا ہے ہمارے ہاں کی جمعبندی کا طریقہ قابل نظر ثانی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے ہاں کے مختلف اضلاع کی جمعبندی کی عملیات کے اختلافات دور کیے جانے کی بھی ضرورت ہے ان امور کی تکمیل کے سوا اگر برطانوی ہند کی عملیات کو ملحوظ رکھا جاسکے یا سمت ورنگل میں جو یادداشت تنقیح جمعبندی رائج ہے اس کو عام طور پر نافذ کردیا جائے تو سالانہ جمعبندی کا افادہ حقیقی معنوں میں حاصل ہوگا اس کے لیے ایک مختصر اور مکمل مجموعہ احکام کے مرتب ہونے کی بھی ضرورت ہے جس میں علاوہ اس رہنمائی کے کہ مختلف صورتوں میں کن کن احکام پر عمل کرنا چاہیئے جمعبندی کی حدتک ایک دستورالعمل بھی دیا ہوا ہو۔

امور توجہ طلب

الف متعلقہ اہلکاران جمعبندی کی ایک ٹریننگ کلاس قایم ہو تا کہ ان کو جمعبندی کی کافی معلومات حاصل ہوں۔ تلنگانے اور مرہٹواڑی کے تعلقات کے اہلکاروں کا اس ضمن میں تغیر و تبدل بھی مناسب ہوگا۔

ب ایک دستورالعمل جمعبندی مدون و نافذ ہو۔

ج رپورٹ جمعبندی کی ترتیب کے ضمن میں مختلف فقرات کا ایک سوال بند مرتب ہو جس کا جواب ناظم جمعبندی تسلسل و ترتیب کے ساتھ ادا کردے گا۔

د جمعبندی کے لیے ہر تعلقے میں جو تین مقامات میں کیمپ قایم ہو وہاں متعلقہ مواضعات کے

مقدمان دیہی اپنے دفاتر کے ساتھ حاضر رہیں۔ گرداور بھی موجود رہے تاکہ جمعبندی کی ان کے مواجہ میں تکمیل ہو اور ضمناً ان کے دفاتر کی بھی تنقیح ہو اور دیگر رفاہی امور میں مقدمان دیہی کی تفہیم بھی ہو سکے۔

ھ | مرہٹواڑی کی طرح تلنگانہ میں بھی فائیل جمعبندی کے ساتھ امشلہ وراثت پڑہ منتقلی اراضیات۔ فہرست انعامات تصفیہ طلب پیش ہوا کریں۔

و | تلنگانے کے تختہ ٹھیراؤ کا نمونہ کچھ بدلا جائے مثلاً یہ کہ ہر عمل کمی بیشی کو پٹواری جس روبکاری صفحے پر نوٹ کرے اس پر گرداور کی تنقیح درج ہو اور تحصیلدار صاحب کی رائے بھی درج رہے اور اسی صفحے پر ناظم جمعبندی اپنی تجویز کردے۔

ز | ایسی ایک یادداشت تنقیح جمعبندی کے رائج کرنے پر غور فرمایا جائے کہ جو سمت ورنگل میں جاری ہونا بتایا جاتا ہے یا احاطہ مدراس میں مروج ہے۔

یادداشت تنقیح جمعبندی

بابتہ ۱۳۵۱ ف

نام تعلقہ　　　　نام حلقہ گرداور　　　　نام گرداور

نام مقدم پٹواری

نام موضع بصراحت نشان سلسلہ رجسٹر مواضعات
مرتبہ تحصیل

ہدایات

(۱) عام

(۱) کیا دفتر تحصیل نے نمونہ جات دیہی کی تنقیح کرکے صحت حسابات کی تصدیق قابل اطمینان طریقہ پر کی ہے؟

الف۔ کیا سالگزشتہ کے نمونہ جات دیہی دفتر میں مکمل داخل کردیے ہیں؟

(۲) سیتوار

(۲) کیا رجسٹر پٹوار مصدقہ بندوبست تحصیل میں موجود ہے۔
(۳) کیا تغیرات مابعد کا اندراج وقتاً فوقتاً کرایا جاکر رجسٹر مکمل رکھا گیا ہے۔
(۴) کیا دفتر دیہی میں رجسٹر پٹوار کی نقل مصدقہ موجود ہے۔

(۳) نمونہ جات دیہی نمبر ۱ - ۲

(۵) کیا نمونہ جات نمبر (۲) مکمل ہیں اور حسب ہدایات وقتاً فوقتاً رجوع ہونیکے ساتھ ہی کھتاونی عمل میں لائی گئی ہے۔
(۶) اندراجات نمبر ۱ و ۲ کی مطابقت کیا ان عملیات سے ہوتی ہے جو بوقت جمعبندی فیصل پٹیات نمونہ نمبر ۵ - ۶ کے ذریعہ ناظم جمعبندی کے لیے پیش کیے گئے ہیں۔

(۴) نمونہ نمبر ۳ پہانی

(۷) کیا نمونہ نمبر (۳) اوقات مقررہ پر مرتب اور دفتر دیہی سے تواریخ مقررہ پر داخل تحصیل ہوا ہے۔
(۸) گرداور کی تنقیح ہشت ماہی و چہار ماہی کن کن تواریخ میں ہوئی ہے۔
(۹) کیا خانہ کاشتکاری (۱۴) تک کی خانہ پری کی گئی ہے۔
(۱۰) کیا خانہ (۱۸) تا (۲۲) میں اجناس کاشت کی صراحت رقبہ کی گئی ہے۔
(۱۱) کیا پہانی کے آخر پر فصل کی بابتہ گوشوارہ جنسواری کیوٹر (ضمیمہ) حسب نمونہ مقررہ درج کیا گیا ہے اور جملہ میزانیں صحیح کی گئی ہیں۔
(۱۲) کیا گوشوارہ تنقیحات دفتر دیہی و گرداور درج ہے۔
(۱۳) کیا پہانی پر جھڑتی پٹوار کی تفصیل حسب قاعدہ درج کی گئی ہے۔

(۵) نمونہ نمبر ۴

(۱۴) کیا شرح پٹواری کی حد تک نمونہ نمبر (۴) کی تکمیل کی جاکر فیصل پٹی کے ساتھ بوقت شرح نویسی پیش ہوئی ہے۔
(۱۵) ختم جمعبندی کے ساتھ ہی کیا فیصلہ ناظم جمعبندی کے بموجب اس کے بقیہ قانون کی تکمیل کی گئی ہے اور گوشوارہ جمعبندی کے نمبر (۹) کے ساتھ نمونہ نمبر (۴) پیش ہوکر بعد تطبیق بغرض دستخط ناظم پیش کیے گئے ہیں۔
(۱۶) کیا ان نمونہ جات کے مندرجہ اعداد کی باہمی مطابقت کا اطمینان اور صحت اندراجات

آسامیوار کا اطمینان کرلیا گیا ہے۔

(۶) نمونہ جات نمبر ۵-۶-۷ (الف تا ب)

(۱۷) کیا ختم شروح نویسی کے بعد شرح ناظم جمعبندی کا بابوار گوشوارہ ان نمونہ جات کے آخر پر معہ نمونہ مقررہ درج کیا گیا۔ اور اس کی مطابقت اندراجات نمبر (۹) گوشوارہ جمعبندی کے ساتھ ہوتی ہے

(۷) نمونہ نمبر ۱ تا ۱۴۔

(۱۸) کیا نمونہ نمبر ۱۰ تا ۱۴ کی تکمیل ختم جمعبندی کے ساتھ کی گئی اور کیا اس کی تنقیح کی گئی۔

(۸) نمونہ نمبر ۲۰ قسط بندی گذشتہ

(۱۹) کیا قسط چہارم پر اس نمونہ میں مطالبہ آسامیوار صحیح طریقہ پر قایم کیا گیا ہے۔ یعنی جملہ مطالبہ قابل وصول بموجب فیصلہ ناظم جمعبندی مندرجہ نمونہ میں سے وصول ہر سہ اقساط گذشتہ کو منہا کیا جا کر مطالبہ قسط چہارم قایم کیا گیا ہے۔

(۱۰) کیا اس نمونہ کے آسامیوار اندراجات کی مطابقت اندراجات آسامیوار نمبر (۴) سے ہوتی ہے۔

(۹) نمونہ نمبر ۲۱ وصولباقی گذشتہ

(۲۱) کیا نمونہ (۲۱) حسب نمونہ مقررہ مکمل مرتب کیا جا کر اس میں آسامیوار سنوار بقایا کے اعداد بتلائے گئے ہیں۔ اور کیا حسب نمونہ ہذا موضع کا جملہ بقایا جو برآمد ہوتا ہے اس کی بابقہ صیغہ نقدی کے داخلہ موضع وار سے کرالی جا کر تحصیل نے صحت نقدی اہل عور پر کی۔

(۲۲) تحصیل کی آسامیوار وصولباقی کا رجسٹر کیا حسب ہدایت اس نمونہ نمبر ۲۱ پر سے مرتب کیا گیا ہے اور اس رجسٹر تحصیل کے اندراجات کی مطابقت نمونہ نمبر (۲۱) سے کرالی گئی ہے۔

(۱۰) اقساط بندی و وصول مطالبہ سرکار عالی

(۲۳) دفعہ کے لیے قسط بندی کے تواریخ کیا مقرر تھے تواریخ مقررہ پر وصول شدہ رقم کن تواریخ پر ارسال خزانہ ہوئی۔

(۲۴) کیا قسط بندی چہارم بموجب نمونہ (نمبر ۲۰۔ بہ داخلہ فیصلہ جات ناظم جمعبندی مرتب

ہو کر آغاز قسط سے پہلے تحصیل میں بالالتزام داخل ہوئی ہے ۔

متفرق

(۲۵) کیا تحصیلدار نے یا ڈویژن افسر نے اس موضع کی تنقیح کی ہے اور کیا تنقیح حسب منشاء گشتی (۲۸) سنہ ۱۳۱۵ف مکمل متصور ہو سکتی ہے ۔

(۲۶) کیا اہل دہ و گرداور کی کوئی چھاؤنی یا فرد گذاشت کسی عہدہ دار تنقیح کنندہ نے برآمد کی ہے ۔

(۲۷) کیا گرداور بندوبست کا تعلیم یافتہ ہے ۔

(۲۸) کیا مقدم پٹواری کارگذار امتحان دادہ ہیں ۔

(۲۹) شرح نویسی تحصیل و ناظم جمعبندی کن کن مقامات اور کن تواریخ میں عمل میں آئی ۔ تاریخ شرح نویسی ڈویژن ۔

(۳۰) کیا شرح نویسی اجلاس عام میں بالمواجہ اہل دہ و رعایاء مقامات تواریخ مقررہ پر بموجب پروگرام عمل میں آئی ہے ۔

(۳۱) کیا شرح حات غیر مجرائی وسوائے جمع و دیگر شرح حات وظایف رعایا کی اطلاع رعایاء متعلقہ کو بروقت کر دی گئی تھی ۔



اجلاس سوم
۱۱ بہمن ۱۳۵۳ف

حیدرآباد کی تنظیم مابعد جنگ کے مسایل

جناب غلام محمد صاحب سابق صدر المہام فینانس کے خطبہ کا خلاصہ

حیدرآباد کی تنظیم مابعد جنگ کے مسایل پر ساتویں کل حیدرآباد معاشی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ ۱۲ بہمن میں تقریر کرتے ہوئے آنربیل مسٹر غلام محمد صدر المہام فینانس حکومت سرکار عالی نے سب سے پہلے اس کی وضاحت فرمائی کہ وہ جس قسم کے بھی خیالات کا اظہار کریں گے ان کے شخصی ہوں گے اور ان کا حکومت کے خیالات سے ترجمان ہونا لازمی نہیں ہے۔

آنربیل مسٹر غلام محمد نے فرمایا کہ بالخصوص ایسی اقوام میں جو ایشیا سے تعلق رکھتی ہیں اور جنھیں غیر ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے کسی خاص منصوبے کے تحت اقتصادی نظام کی ترتیب پر خیالات کو مرکوز کرنے کی کوشش انتہائی فائدہ مند اور خاص مقاصد کی حامل معلوم ہوتی ہے۔ انسانی دماغ میں جو مختلف قسم کی تبدیلیاں ارتقائی منازل کے لحاظ سے ہوتی رہتی ہیں ان میں عوام کے معیار زندگی کو معین کرنے کی کوششوں کو بھی دنیا کی تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل ہے اور اسے بھی دنیا کے اہم واقعات کے ساتھ ساتھ ایک ایسی اہم تبدیلی کی خواہش کے متوازن جگہ حاصل ہوتی ہے جو کسی قسم کا فائدہ اٹھانے یا نفع کمانے کی غرض سے کی جائے۔ آج جو مسائل ہمارے پیش نظر ہیں وہ غریب عوام کے لیے ایسی آزادی کا حصول ہے جو خواہشات اور تخویف کی روزمرہ جدوجہد سے بلند و بالا ہو اور اس طرح انھیں عام معیاری شہری زندگی کی ضروریات مہیا کرنا ہے جس کہ انھیں بھی بہتر زندگی بسر کرنے کے مواقع حاصل ہوں۔

وہ لوگ جنھیں دن میں دو مرتبہ برابر غذا میسر نہیں آتی اور جنھیں پیٹ بھر کھانا بھی نہیں ملتا۔ جن کے پاس اتنی رقم نہیں کہ اپنے لیے کپڑے مہیا کرسکیں جو ایک اچھا ہوادار مکان بھی نہیں لے سکتے۔ ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ صاف پاک رہیں اپنی اطراف واکناف کی چیزوں میں حفظان صحت کا خیال رکھیں، بیماریوں سے بچے رہیں ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان نصائح پر عمل کریں گے۔ کسی شخص کی غربت یا امارت کا معیار اس کا معیار زندگی ہے

اسی معیار کے لحاظ سے اگر اندازہ لگایا جائے تو آپ اس کا دعویٰ نہیں کریں گے کہ آپ امیر ہیں۔
بعض لوگوں کی نام نہاد دولت درحقیقت ہماری غربت کا کلنگ کا ٹیکا ہے اور امارت کا مظہر نہیں
منصوبہ بندی درا صل ہر شعبہ زندگی میں مداخلت کے مرادف ہے اس کے ہر پہلو کو منظم
کرنے کے لیے حکومت کا ایک خاص مطمح نظر اور پالیسی کے ساتھ ان چیزوں پر عمل کرنا ضروری ہے
ایک اور ضروری امر یہ بھی ہے کہ عمومی تائید اور عمومی ضرورت منصوبہ بندی کی ظاہر کی جائے صحیح عوامی
طرز تفکر کی عدم موجودگی میں عمومی تائید کا فقدان ہوتا ہے۔ پبلک لیڈروں کو چاہیئے کہ عوام کو اس
صحیح طرز تفکر کی تعلیم دیں اور پبلک خیالات کو کچھ اس طرح تشکیل دیں کہ وہ صحیح زاویہ نظر قایم کرسکیں
اعلیٰ حضرت حضور پرنور شہریار دکن دبرار نے تنظیم مابعد جنگ کی اہمیت کو محسوس فرماتے ہوے اس کے لیے
ایک علیحدہ محکمہ کے قیام کی منظوری صادر فرمائی اور جہاں تک اراکین حکومت حضرات اقدس و اعلیٰ
کی شاہانہ رہنمائی میں کام انجام دیتے رہیں عوام کی تائید کا ہونا ضروری ہے اور وہ اس کے حقدار بھی ہیں
عدل و انصاف کے قیام کے طریق کار ہیں۔ ایک ایسے نظم و نسق کے اختیار کرنے کی یقیناً ضرورت
ہوگی جو بالکلیہ خدمت کے اصول پر منحصر ہوگا اور جس میں سرکاری کارکن یہ خیال کریں گے کہ وہ عوام
کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور ان کے خادم ہی ہیں۔ خود آپکا کردار اور آپ کی صلاحیت کار
اور معاملہ فہمی اور بے لوث خدمت کا جذبہ ہی تنظیم مابعد جنگ کے منصوبوں کی کامیابی کا
ذمہ دار ہوگا۔

کوئی بھی ایسا مفاد جو بظاہر عوام کی بھلائی کے لیے نہ ہو یقیناً اپنے لیے تبدیل شدہ
راہوں کا متلاشی ہوگا اس سلسلہ میں آپ نے حضرت اقدس و اعلیٰ کے فرامین کی جانب توجہ
دلائی جو مختلف اوقات میں شرف صدور لائے تھے اور جن کے متعلق حال ہی میں ہزاکسلنسی
وائسرائے نے بھی اپنی تقریر میں ذکر فرمایا تھا۔ جو لوگ اپنی زیست کے لیے دوسروں سے
کچھ حاصل کرتے ہیں اس کے لیے انہیں ان لوگوں کی خدمت کرکے اپنے کو حق بجانب بتلانا چاہیے
مستقبل کی اقتصادیات میں خدمت اور افادیت ہی سب سے اعلیٰ و ارفع اصول ہونا چاہیئے۔
آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ حضرت اقدس و اعلیٰ کی رہنمائی کے باعث حکومت کی نگرانی میں صنعتوں
نے فروغ حاصل کیا اور انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ کا قیام عمل میں آیا تھا جس کے باعث حکومت نے
حیدرآباد کی صنعتی ترقی میں خود بھی حصہ لیا ہے۔
تنظیم مابعد جنگ کی کمیٹیوں میں غیر سرکاری نمائندگی کا ذکر کرتے ہوے، آنریبل مسٹر غلام محمد نے

کہا کہ آپ اس الزام کی پوری پوری تردید کرتے ہیں کہ غیر سرکاری اظہار رائے کو پوری طرح یا مناسب طریق پر روبہ کار نہیں لایا جاتا اور اشتراک عمل نہیں کیا جاتا۔ آپ نے کہا کہ اعداد و شمار کا لحاظ کرتے ہوئے ۳۵ سرکاری اصحاب اور ۴۹ غیر سرکاری اصحاب مختلف کمیٹیوں میں موجود ہیں۔

تقریر جاری رکھتے ہوئے آنریبل صدر المہام فینانس نے بتایا کہ معاشی منصوبہ بندی کی کامیابی کم از کم صنعتی طور پر سیاسی دائرہ میں محدود نہیں کیجا سکتی۔ منطقہ واری اساس پر مختلف وحدتوں میں تعاون عمل نہ صرف ضروری ہے بلکہ شاید بعض مقاصد کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔

آپ نے اس ضرورت کی جانب بھی توجہ دلائی کہ کس طرح پورے ملک کی منصوبہ بندی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ حکومت ہند کے ساتھ پورا تعاون عمل کیا جائے آپ نے اس پر اظہار افسوس کیا کہ کامل معلومات حاصل کیے بغیر جو تبصرہ کیا جاتا ہے وہ بعض اغراض پر منحصر ہے اور غیر حقیقی طور پر دخل اندازی بعض مواقع پر اس مقصد کے منافی ہو جاتی ہے۔ دستوری حیثیت کے حدود میں رہ کر ہمیں کسی سے تعاون عمل کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرنی چاہئے جبکہ یہ ہمارے مقصد کے حصول میں ممد و معاون ہو صدر المہام بہادر فینانس نے اس حقیقت کا بھی اظہار کیا کہ حکومت اس سلسلہ میں اپنی پہلی رپورٹ شایع کرے گی کہ تنظیم مابعد جنگ کے سلسلہ میں اس نے کیا منصوبے بنائے ہیں اس سلسلہ میں آپ نے شعبہ معدنیات کی توسیع معدنیات کے بہتر استعمال، تنگبھدرا اور گوداوری پر اجکٹس اور نظام ساگر کی برقابی اسکیم برقی قوت سے صنعتوں کے فروغ کے لیے اور پہلے موقع پر ہی زرعی کارروائیوں کی توسیع اور ایک زرعی کالج کے قیام کا ذکر کیا۔

آنریبل صدر المہام فینانس نے ایک بیرونی کمپنی سے تمام معدنی وسائل کے استعمال کے حقوق کے حاصل کیے جانے کی کارروائی کا ذکر کیا اور کہا کہ اس کے بغیر ہمارے مابعد جنگ منصوبے حقایق کی شکل اختیار نہ کرتے۔ آنریبل صدر المہام بہادر فینانس نے اعداد و شمار پیش کیے جن سے صحت عامہ، زرعی پیداوار اور تعلیم کا اس ریاست میں بہت پست معیار ظاہر ہوا آپ نے اس پر زور دیا کہ اس کمی کو دور کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کی جانی چاہیے۔

آنریبل صدر المہام بہادر نے اس ضرورت کی جانب بھی توجہ دلائی کہ مزدوروں کو ترقی یافتہ

صحت بخش ماحول میں اچھے مکانات مہیا کیے جائیں اور ان کو ضروریات زندگی بھی فراہم کیے جائیں۔ آپ نے کہا کہ یہ سب کچھ حکومت کے زیر غور ہے آپ نے کہا کہ ان ۸۰ فیصد عوام کے لیے سہولتیں فراہم کرنا ہمارا فرض ہے جو طبقہ زراعت اور عمال سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لیے یہ سب کچھ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب کہ ان میں احساس پیدا کیا جائے اور انھیں تعلیم دی جائے ۔ اگر یہ ہو جائے تو پھر تنظیم مابعد جنگ کا مستقبل درخشاں ہے ۔ ورنہ مجھے خوف ہے کہ اس کا مطلب کچھ اور عہدہ داروں کا اضافہ ہوگا ایک بے روح جماعت

جہاں تک عوام کی صحت کا تعلق ہے آپ نے فرمایا کہ صرف حکومت ہی اس کام کو انجام دے سکتی ہے اس کے لیے عوامی تعاون خصوصاً امیر طبقہ کا تعاون دوسرے متمدن ممالک کی طرح ضروری ہے اور آپ کا بھی کام یہ ہے کہ جو لوگ کچھ دیتے ہیں ان کی زیادہ سے زیادہ تحسین کیجائے۔

مابعد جنگ منصوبوں کے مالیاتی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے آنریبل غلام محمد نے کہا کہ ان منصوبوں پر ماہرین اقتصادیات و معاشیات پوری طرح غور کر رہے ہیں یہ آسمان پر سے برس نہیں پڑے گا اس کی سخت ضرورت ہے کہ عوام ایثار کے جذبہ کا اظہار کریں اور ان تبدیلیوں سے جو بار پڑے گا اس کو برداشت کرنے کی صلاحیت کا بھی اظہار کریں۔

آخر میں آنریبل مسٹر غلام محمد نے ان دشواریوں کا ذکر کیا جو ان منصوبوں کی تکمیل میں پیش آرہی ہیں آپ نے کہا کہ تربیت یافتہ اشخاص کی کمی ہے، بیرونی ماہرین کو بلانے میں اس وقت جو دشواریاں ہیں ۔اس کا بھی آپ نے اظہار فرمایا ۔اس کے علاوہ کارخانوں کے قیام مشنری کی درآمد مفادات کے ٹکراؤ سے رکاوٹیں، سماجی عادات اور رواج جن پر اس کا اثر انداز ہونا لازمی ہے اور عوامی تائید کی ضرورت اور نظم ونسق کے حالات کو عصری ضروریات کے مطابق تبدیل کرنے اور سب سے آخر میں عوام کے کردار کا خیال رکھنے میں جو دشواریاں ہو رہی ہیں ان کا آپ نے اظہار فرمایا۔

اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے آنریبل مسٹر غلام محمد صدرالمہام فینانس نے جامعہ عثمانیہ کے طیلسانیین سے اپیل کی کہ وہ اس موقع پر آگے بڑھیں اور دوسروں کی رہنمائی کریں اس لیے کہ بہت سی چیزوں کا انحصار تعلیم یافتہ طبقہ پر ہی ہے ۔ آپ نے کہا کہ انھیں دوسرے امور کی انجام دہی کے علاوہ دیہاتوں کا دورہ کرنا پڑے گا اور گھریلو صنعتوں کے فروغ کے لیے انجمنیں قایم کرنی پڑیں گی۔

صدرالمہام بہادر نے فرمایا "آپ اپنے ملک کے لیے اس کی کوشش کیجیے کہ اپنے

خیالات کا جائزہ لیا جائے۔ آپ کا پیشہ آپ کی خانگی کارروائیوں کے مطابق ہو۔ بیجا بناوٹ یا شوق کی بجائے سنجیدگی اور حقایق پر غور معاملات اور خانگی زندگی میں ہر دو جگہ آپ کا مسلک ہو۔ اپنی کمزوریوں کو دور کیجیے اپنی بہتر صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے آگے بڑھئے اور ترقی کیجیے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی۔ میری دعا یہی ہے کہ آپ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔

حیدرآباد کی معاشی منصوبہ بندی

از جناب احمد عبدالعزیز صاحب ایم اے لکچرار معاشیات چادرگھاٹ کالج

آجکل حیدرآباد میں معاشی منصوبہ بندی کا سوال حکومت سرکار عالی کا مرکز توجہ بنا ہوا ہے اور حکومت ہند بھی اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سنجیدگی سے غور کر رہی ہے قبل اس کے کہ معاشی منصوبہ بندی کی تفصیلات پر غور کیا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے اہمیت اختیار کرنے کی وجوہ بھی مختصر طور پر بیان کر دی جائیں مخفی مبادکہ انیسویں صدی کے نصف اول میں عام طور پر تمام دنیا میں تجارت آزاد کے مسلک پر عمل کیا جاتا تھا اور اصول عدم مداخلت کی تجارت وصنعت و حرفت کی دنیا میں سختی سے پابندی کی جاتی رہی یہ معاشی حکمت عملی کم و بیش انیسویں صدی کے نصف آخر تک جاری رہی مشرقی ممالک کی معاشی افتادہ حالت نے مغربی ممالک کو ممالک ایشیا پر معاشی تسلط قایم کرنے کا موقع دیدیا لیکن جب یہ معاشی تسلط اپنی انتہا کو پہنچ گیا تو مشرقی ممالک کو اپنی معاشی پسماندہ حالت کا احساس ہوا اور اکثر ایشیائی ممالک میں بیسویں صدی کی ابتدا میں قومی بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی اور معاشی اعتبار سے خودکفیل زندگی بسر کرنے کا احساس قوی سے قوی تر ہوتا گیا اس صورت حالات کے ظہور پذیر ہونے کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ خود انگلستان جو تجارت آزاد کا علمبردار تھا بتدریج تجارت مامون کا حامی بنتا گیا اور برطانوی شہنشاہی کے مقبوضات میں اپنے معاشی تسلط کے انحطاط کی ممکنہ روک تھام کے لیے شاہی ترجیح کے اصول تجارت کی شدت سے تبلیغ شروع کردی حکومت ریاستہائے متحدہ امریکہ نے بھی غیر ممالک کے حوصلہ مند اشخاص کی درآمد اور توطن پذیری پر پابندیاں عاید کر دیں جس کا منشا یہ تھا کہ اپنے ملک کی بے روزگاری کے مسئلہ کو ممکنہ حد تک حل کرنے کی کوشش کی جائے بہرحال ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کے بعد ہر ملک میں معاشی قومیت اور معاشی خودمکتفیت کے حصول کا مسئلہ معاشی اور سیاسی حکمت عملی کا سنگ بنیاد قرار دیا گیا اصول عدم مداخلت کی حکمت عملی کو ترک کر دیا جا کر رعایا کی معاشی خوشحالی کے وسایل کو ترقی دینے کی شدید ضرورت کے مدنظر معاشی معاملات میں حکومت کی مداخلت ضروری تصور کی گئی چنانچہ سوویٹ روس کے پندرہ سالہ معاشی لائحہ عمل کی کامیابی نے

تمام دنیا کو حیران کر دیا اور اس امر کے تسلیم کرنے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی کہ اگر ہر ملک کی حکومت بیروزگاری کے انسداد کے لیے ایک خاص معاشی لائحہ عمل زراعت و صنعت و حرفت کی ترقی کے لیے مرتب کر کے اپنے ملک کے وسائل معیشت کو امکانی حد تک ترقی دینے کا عزم مصمم کر کے عملی اقدام کرے تو یقیناً مسائل بیروزگاری کی اہمیت کو ممکنہ حد تک گھٹا دیا جا سکتا ہے اور اس طرح محنت کی طلب و رسد میں توازن قایم کر کے عوام کی خوشحالی میں اضافہ عمل میں لایا جا سکتا ہے موجودہ جنگ اعظم کے تجربات بھی اس امر کا ثبوت پہنچا رہے ہیں کہ اگر ملک کے جملہ وسایل معیشت کو بہتر طریقہ پر منظم کیا جائے تو بیروزگاری کے مسئلہ کا حل خاطر خواہ طریقہ پر عمل میں آسکتا ہے چنانچہ آجکل انگلستان امریکہ اور خود ہندوستان میں ہر قابل کار فرد صاحب روزگار نظر آرہا ہے موجودہ جنگ نے ایک اور حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے وہ یہ کہ زر یا مالیہ کسی ملک کی معیشت کا آقا نہیں بلکہ خادم اور آلہ کار ہے کسی ملک کا حقیقی اصل دسائل قدرت کی فراوانی اور انسانی قوت کی ارزانی ہے زمانہ جنگ کی معیشت کو منظم کرنے کی جس قدر آج کوشش کیجا رہی ہے اگر زمانہ امن کی معیشت کو اسی طرح منظم کرنے کی مستحسن کوشش عمل میں لائی گئی تو یقیناً اس دنیا کو جنت بنایا جا سکتا ہے ایک عرصہ دراز تک ہندوستان اس غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ وہ تجارت آزاد کے دور کے اصول تقسیم عمل کے تحت صرف زراعت کے لیے موزونیت رکھتا ہے اور صنعتی ترقی کی آسانیاں بوجہ عدم قربت معدن زغال و معدن خام دھات لوہا اس کو حاصل نہیں ہیں جو انگلستان کو حاصل ہیں مگر جب سے کہ برقابی قوت کو ارزاں طریقہ پر مختلف دریاؤں پر بند باندھ کے حاصل کیا جانے لگا اور قدرتی و مصنوعی آبشاروں کے رقبہ کے قرب و جوار میں کبیر اور صغیر پیمانہ کی صنعتیں قایم ہونے لگیں، یہ معاشی مغالطہ بھی ختم ہو گیا اب یہ تسلیم کیا جا رہا ہے کہ مشرقی ممالک کی صنعتی ترقی مغربی ممالک کے حق میں مضرت رساں ثابت نہ ہوگی بلکہ مشرقی دنیا کے معیار زندگی میں اضافہ ہونے کی صورت میں قوت خرید بڑھ جائیگی اور اس طرح مغربی ممالک کی مصنوعات کی کھپت کے لیے بہتر مواقع فراہم ہو سکیں گے ہندوستان میں تنظیم مابعد جنگ کی جد و جہد کی غرض و غایت محض عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنا ہے اور ایک ایسی منظم معیشت کو عالم وجود میں لانا ہے جس کی بنا پر عوام خوشحال زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکیں ہندوستان کی غربت ناقابل بیان اور افلاس کی حالت ناگفتہ بہ ہے جب تک ایک مخصوص معاشی لائحہ عمل کو مرتب نہ کیا جائے اور اس پر سختی کے ساتھ عمل نہ کیا جائے ملک کا نہ معیار زندگی

بلند ہوسکتا ہے اور نہ عوام کی قوت خرید میں اضافہ عمل میں آسکتا ہے ہندوستان کے چند محبان وطن
اور ماہرین معاشیات نے دس ہزار کروڑ کے صرفہ سے ایک معاشی لائحہ عمل کی تکمیل کا خاکہ پیش
کیا ہے جس کو عام طور سے "بمبئی پلان" اور "ہندوستان کی معاشی ترقی کیلئے لائحہ عمل" کے نام سے
موسوم کیا جاتا ہے اس معاشی لائحہ عمل نے ہندوستان کی تجارت وصنعت وحرفت کی دنیا
میں ایک ہیجان پیدا کر دیا ہے حکومت سرکار عالی ہندوستان کے ان واقعات سے بے خبر
نہیں ہے اور برابر حالات حاضرہ سے مطابقت پیدا کرنے کی پیہم کوشش میں مصروف ہے
چنانچہ تنظیم مابعد جنگ کے نام سے ایک مستقل محکمہ قایم کرنے کیلئے بذریعہ فرمان مبارک مجریہ ۲۰؍
جمادی الاول ۱۳۶۲ھ منظوری حاصل کی جا چکی ہے ریاست حیدر آباد کو بھی مثل حکومت ہند
اختتام جنگ کے بعد مسایل بے روزگاری کا مقابلہ کرنا پڑیگا اس لیے زمانہ جنگ کی معیشت
کو زمانہ امن کی معیشت میں تبدیل کرنے کے لیے نہ صرف میدان جنگ سے واپس شدہ
سپاہیوں کو روزگار فراہم کرنا پڑیگا اور زمانہ جنگ کی ترقی یافتہ صنعتوں کو خارجی مسابقت
سے بچانے کی کوشش کرنی پڑیگی بلکہ ایک منظم معیشت کی تخلیق اور اس کی برقراری کے لیے
ریاست حیدر آباد کو ایک مناسب حال معاشی ترقی کے لائحہ عمل کو مرتب کرکے اس کی تکمیل
کے لیے اپنی پوری توانائی کو صرف کرنا پڑیگا حیدر آباد کی معاشی منصوبہ بندی کا مقصد امکانی
حد تک خود کفیل زندگی بسر کرنے کے جملہ مواقع اور وسائل سے استفادہ کرنا ہے اس لیے
زراعت اور صنعت وحرفت کی ترقی امکانی حد تک عمل میں آنی چاہیئے خوشحال زندگی بسر
کرنے کے جملہ وسایل سے عوام کو مستفید ہونے کا موقع دستیاب ہونا چاہیئے تاکہ ان کی قوت
خرید میں اضافہ ہو اور اس طرح ان کا معیار زندگی بلند ہوسکے سماجی اور معاشی اعتبار سے
ریاست حیدر آباد کے عوام کی حالت ہندوستان کے حالات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے
آبادی کی موجودہ صورت حال تو یہ ہے کہ صحت بخش متوازن غذا کا استعمال بوجہ محدود ذرایع
آمدنی عوام نہیں کرسکتے ۔جہالت اور لاعلمی کا دور دورہ ہے امراض وبائی کی کثرت نقصان
جان ومال کا باعث بنی ہوئی ہے ملک میں بہت ہی کم اعلیٰ پیمانہ کی صنعتیں ہیں جو ترقی پذیر آبادی
کی ضروریات روزگار کی تکمیل نہیں کرسکتیں اسی لیے زرعی زمین پر روز افزوں جو دباؤ بڑھتا
جا رہا ہے اس میں کسی طرح کی کمی واقع نہ ہوسکی خود پیشہ زراعت عوام کے لیے ابھی تک
منفعت بخش ثابت نہ ہوسکا کیونکہ مقدار پیداوار فی ایکر کا اوسط بہت گرا ہوا ہے اب تک

ملک کی جنگلاتی، معدنی، حیوانی اور زرعی پیداوار خام سے خاطر خواہ پیمانہ پر استفادہ کرنے کی کوئی منظم کوشش نہیں کی گئی الغرض یہ وہ معاشی امراض ہیں جن کے ازالہ کے لیے حکومت اور رعایا دونوں کو عزم مصمم کے ساتھ حیدرآباد کی معاشی منصوبہ بندی کے لائحہ عمل کو کامیاب بنانے کی پُرجوش سعی کرنی پڑیگی زراعت کی ترقی کے لیے قابل عمل آبپاشی کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانا پڑیگا علاوہ ازیں زراعت کے ترقی یافتہ طریقوں کو زرعی آبادی میں رائج کرنے کی کوشش کرنی پڑیگی زرعی بازاروں کی تنظیم کرنی پڑیگی اور مشترکہ کاشت اور امداد باہمی کے اصول پر کاشت کے طریق کا تجربہ ضروری ہوگا ریاست کی جملہ قابل حصول برقابی قوتوں سے استفادہ کی شدید ضرورت کے مدنظر موزوں دریاؤں تالابوں اور ندیوں پر بند باندھنا پڑیگا تاکہ ارزاں برقی قوت کی بہم رسانی نہ صرف گھریلو صنعتوں کی ترقی کا باعث ہوسکے بلکہ مواضعات کی برقی روشنی کے ذریعہ آرائش عمل میں آکر صنعتی نقصانات عالم وجود میں آسکیں پیداوار خام کی افراط کے اعتبار سے حیدرآباد پارچہ بافی روغنیات سازی اور چینی مٹی کے برتن سازی کی صنعت میں خودکفیل ہونے کا بجا طور پر مدعی ہوسکتا ہے حیدرآباد میں کھاد سازی کی صنعت کو بھی ترقی دینے کی سخت ضرورت ہے تاکہ مقدار پیداوار فی ایکر میں خاطر خواہ پیمانہ پر اضافہ عمل میں آسکے اسی طرح زرعی اور صنعتی آلات سازی کی صنعت کو بھی ترقی دینا پڑیگا تاکہ معاشی اعتبار سے خودکفیل ہونے کے ممکنہ منازل کو بہ آسانی طے کیا جاسکے اس کے لیے ملک میں صنعت فولاد سازی کے امکانات پر کافی غور و خوض کرنا پڑیگا اگر یہ ملک کی کلیدی صنعت فولاد سازی ریاست حیدرآباد کے کسی موزوں مقام پر قایم ہونے میں کامیاب ہو تو ملک کی زرعی اور صنعتی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو جائیگی ہمارے خیال میں دریائے گوداوری کی وادی کا کوئی مناسب مقام اس صنعت کے قیام کے لیے نہایت موزوں ہوگا اس سلسلہ میں دریائے گوداوری کی وادی کے مناسب مقامات کی معاشی مساحت کی عاجلانہ تکمیل نہایت ضروری ہے میجر سلاٹر نے جو تحقیق کی ہے اس کے نتائج سے عوام ابتک لاعلم ہیں حکمیاتی اصول پر زرعی، معدنی، جنگلاتی اور حیوانی پیداواروں کی تحقیقات کے لیے اعلیٰ پیمانہ پر معمل اور تجربہ خانے قایم کرنا بیحد ضروری ہے خصوصاً معدنی پیداواروں کی مساحت صنعتی اعتبار سے بیحد اہمیت رکھتی ہے علاوہ ازیں ذرایع حمل و نقل کو بھی امکانی حد تک وسیع کرنا پڑیگا تاکہ مختلف قسم کی خام پیداواریں اور تیار مصنوعات بہ آسانی کارخانوں اور صارفین تک پہنچ جائیں زرعی اور صنعتی ترقی کے لیے فن داں اور کارگذار عملہ کو تیار کرنا پڑیگا

کیونکہ بغیر کاردان عملہ کی موجودگی کے معاشی تنظیم کا کوئی بھی لائحہ عمل حسن اختتام کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا اسی سلسلہ میں اس امر کی بھی ضرورت ہوگی کہ میدان جنگ سے واپس شدہ سپاہیوں اور جنگی کارخانوں کے مزدوروں کو ملک کی معاشی ترقی میں حسب قابلیت حصہ لینے اور قابل کار بنانے کے لئے مخصوص تربیت گاہیں قایم کی جائیں تاکہ وہ بہ آسانی فنی مہارت حاصل کرکے اپنے وجود کو معاشی ترقی کی راہ میں مفید ثابت کرسکیں سب سے آخر میں اس امر کا اظہار کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان معاشی ترقی کے لائحہ عمل کو ترقی دیکر تکمیل کی منزل تک پہنچانے کے لئے کثیر رقم کی ضرورت ہوگی بلاشبہ یہ ایک مشکل کام ہوگا کیونکہ ابھی تک حیدرآباد نظام جاگیریت کی گرفت میں جکڑا ہوا ہے بہرحال یہ ایک امر مسلمہ ہے کہ اگر حیدرآباد کو جدید حالات سے مطابقت پیدا کرنا منظور ہے تو ریاست کی آمدنی میں اضافہ کی خاطر اور عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی خاطر رقومات کو فراہم کرنا ہی پڑیگا ابھی تک نہ صرف حکومت ہند بلکہ ہندوستان کی مختلف دیسی ریاستیں معاشی منصوبہ سازی اور تنظیم مابعد جنگ کی تجاویز پر غور مکرر کرنے میں ہی مصروف ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ ہماری حکومت سرکار عالی کے قابل احترام وزیر مالیات عالیجناب مولوی غلام محمد صاحب نے اس خصوص میں عملی اقدام شروع کردیا ہے چنانچہ سنہ ۱۳۵۴ ف کے موازنہ مملکت آصفیہ میں اس امر کی واضح طور پر صراحت کردی گئی ہے کہ معاشی منصوبہ بندی اور تنظیم مابعد جنگ کے مسائل کے مالی پہلو کو حل کرنے کی مستحسن کوشش کو جاری رکھتے ہوئے اب تک تین کرور روپیے کی رقم محفوظ کردی گئی ہے یہ ایک فال نیک ہے۔

ہماری جامعہ عثمانیہ کے صدر شعبہ معاشیات پروفیسر انور اقبال صاحب قریشی نے ریاست حیدرآباد کی آبادی کو ایک کرور چھہ لاکھ قرار دیتے ہوئے فی کس سالانہ آمدنی کا اندازہ ساٹھ روپیہ کیا ہے گویا ماہانہ فی کس آمدنی کا اوسط پانچ روپے ہے اگر اس فی کس آمدنی کو پانچ سال میں دوگنا کرنا منظور ہو تو سالانہ (۴۲) کرور کے حساب سے پانچ سال میں (۲۱۰) کرور کے صرفہ کی ضرورت ہوگی اس رقم کے حاصل کرنے کے لیے نہ صرف حکومت کو حصول قرضہ اور اضافہ ٹیکس کی تدابیر اختیار کرنی پڑینگی بلکہ عوام کو بھی حکومت کے ساتھ مخلصانہ اشتراک عمل کرنا پڑیگا لازمی پس اندازی کی اسکیمات کو جاری کرنے کے علاوہ بہت ممکن ہے شغل اصل کے لیے طلائی نقرئی زیورات سے بھی دست بردار ہونے کی نوبت آئے حکومت سرکار عالی نے ملک کی تنظیم مابعد جنگ اور معاشی منصوبہ بندی کے لیے ایک مجلس قایم کی ہے اور حسب ذیل چودہ کمیٹیاں

اپنے فرائض مفوضہ کو انجام دینے کی کوشش میں برابر مصروف ہیں اس سلسلہ میں اندرون ملک اور بیرون ملک سرکار عالی کے ماہرین فن کی خدمات سے بھی استفادہ کیا جارہا ہے۔

(۱) آبپاشی اور برقابی قوت کی تجاویز تیار کرنے والی کمیٹی
(۲) عام مصنوعات کو ترقی دینے کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۳) گھریلو صنعتوں اور صغیر پیمانہ کی صنعتوں کو ترقی دینے کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۴) سوتی اور اونی مصنوعات کی تیاری برتن سازی اور برقی سامان کی تیاری اور معدنی دولت کی مساحت کرکے تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۵) سوائے ریلوں کے ذرائع حمل ونقل کو توسیع دینے کی تجاویز کی کمیٹی
(۶) حکمیاتی اصول پر صنعتی تحقیقات کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۷) تعلیم بالخصوص زرعی وصنعتی تربیت حاصل کرنے کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۸) معاشی ترقیات کی تجاویز کی تکمیل کے لیے فن داں اور کارگذار عملہ کی تربیت کی کمیٹی
(۹) دیہی تنظیم کے مسائل اور ان کا حل دریافت کرنے کے لیے تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۱۰) جنگ کے بعد بیروزگار ہونے والے سپاہیوں اور جنگی کارخانوں کے لیے روزگار فراہم کرنے کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۱۱) صحت عامہ میں ترقی وتوسیع کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۱۲) مالیات زر بینکاری مبادلہ اور تجارتی مسایل کے حل کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۱۳) مسایل مزدوران اور ان کے حل کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی
(۱۴) صحت بخش مکانات کی تعمیر کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی

مذکورۂ بالا چودہ کمیٹیوں کے قیام کی غرض وغایت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ حیدرآباد کے کاشتکار کی زرعی پیداوار کی مقدار فی ایکڑ کو امکانی ترقی دی جائے، اور مناسب حال زرعی آلات جدیدہ کی ترویج عمل میں آئے، بہتر کھاد کے استعمال کی تربیت دی جائے، آبپاشی کی سہولتیں مہیا کی جائیں، کاشتکار کو فن زراعت کی تعلیم دی جائے، کسان کی موروثی قرضداری کے بوجھ کو ہلکا کیا جائے، صحت بخش مکان صحت بخش غذا اور صحت بخش لباس سے لطف اندوز ہونے کے لیے کاشتکار کی آمدنی میں اضافہ کرکے اس کے معیار زندگی کو بڑھایا جائے۔ بہم صنعتوں کی تنظیم جدید عمل میں لائی جائے اور ان کو اعلیٰ پیمانہ کی صنعتوں کی مسابقت سے

نجات دلانے کی قابل عمل تجاویز کو مرتب کرکے کاشتکار کے وسایل معیشت میں اضافہ کیا جائے
گھریلو صنعتوں کی ترقی کے لیے برقابی قوت پیدا کی جائے اور اس طرح ارزاں قوت محرکہ کی
فراہمی عمل میں آئے موجودہ اعلیٰ پیمانہ کی صنعتوں کی ترقی کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جا اور بالآخر ملک کی
کلیدی صنعت فولاد سازی اور بنیادی صنعت کیمیائی مرکبات سازی کو ملک کی زرعی اور صنعتی
ضروریات کی تکمیل کے لیے ممکنہ ترقی دی جائے ہندوستان کے بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی پھیلی
ہوئی ہے کہ اگر دیسی ریاستیں معاشی کنفیت کی حکمت عملی اختیار کریں تو ان میں علیحدگی پسندی
کا جذبہ کارفرما ہوگا جو بحیثیت مجموعی ملک کی معاشی ترقی کے حق میں مضرت رساں ثابت ہوگا
ہم عالیجناب صدرالمہام فینانس کے اس خصوص میں حد درجہ ممنون ہیں کہ صاحب موصوف نے
اس غلط فہمی کو بالکل رفع کردیا ہے صاحب معز کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان ایک فیڈ برّاعظم
کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے برطانوی ہند اور ہندوستانی ہند کے حکام مقتدر کا یہ فرض ہونا
چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں کی مقامی حالات کے مناسب حال معاشی تنظیم
کی سعی بلیغ کریں تاکہ بحیثیت مجموعی کل ہندوستان کی معاشی تنظیم کے لائحہ عمل کی تکمیل خوش اسلوبی
سے انجام پائے معاشی اعتبار سے تقسیم عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کا ہر صوبہ یا دیسی
ریاست ایک دوسرے کی رقیب بننے کی بجائے معین و مددگار ثابت ہوگی چنانچہ اسی تعاون
عمل کے جذبہ کے تحت حکومت سرکار عالی نے حکومت مدراس سے تنگبھدرا کی اسکیم میں اشتراک عمل
کرکے اپنی نیک نیتی کا ثبوت دیا ہے اور دریائے گوداوری کی آبپاشی کی اسکیم بھی غالباً یہی صورت
اختیار کریگی کیونکہ مستقبل قریب میں گوداوری کی وادی معدنیات کی قربت برقابی قوت کے
حصول کے قوی امکان اور آبپاشی کے ذریعہ زرعی ترقیات کی بدولت صنعت و حرفت کا
مرکز بن جائیگی حکومت سرکار عالی نے مذکورہ بالا چودہ کمیٹیوں کی تشکیل عمل میں لاکر جس مستحسن
کام کا آغاز کردیا ہے وہ ہر اعتبار سے لایق تحسین و آفرین ہے ابھی ان کمیٹیوں نے مطلوبہ
مواد پوری طرح فراہم نہیں کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مطلوبہ مواد پوری طرح فراہم ہوجانے
کے بعد بہت ممکن ہے کہ معاشی منصوبہ بندی کا ایک دس سالہ لائحہ عمل مرتب کرلیا جائے اور
اس طرح معاشی تنظیم کے عظیم الشان کام کا پورے جوش کے ساتھ آغاز کردیا جائے جہاں تک
زرعی اور صنعتی ترقی کے لوازمات کی فراہمی کا تعلق ہے شدید ضرورت اس امر کی ہے کہ سب سے
پہلے آبپاشی اور برقابی قوت کے حصول کی تجاویز پر فوراً عمل شروع کردیا جائے کیونکہ ان سے

استفادہ کی سہولت کے بغیر نہ ملک کو ممکنہ حد تک صنعتی بنایا جا سکتا ہے اور نہ زراعت خاطر خواہ پیمانہ پر ترقی کر سکتی ہے ذرائع آبپاشی کی توسیع اور برقابی قوت کے حصول کے ممالک محروسہ سرکار عالی میں بہترین امکانات موجود ہیں کیونکہ دکن کے مشہور دریا گوداوری اور کرشنا مملکت کے شاداب مقامات میں سے گذرتے ہیں ۱۹۳۵ء میں برقابی قوت کے حصول کی خاطر جو مساحت عمل میں آئی اس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ (۲۱۵۳۷۰) کیلواٹ برقی قوت نہ صرف گوداوری و کرشنا بلکہ ان کے معاونوں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ برقابی قوت کے حصول کے لیے تقریباً (۶۶) کروڑ کا صرفہ لاحق ہوگا لیکن فوری اجرائی کار کے لیے (۴۲) کروڑ کی رقم بھی کافی ہوگی جس کے صرفہ کے بعد (۹۲۸۵۰۰) ایکڑ اراضی سیراب ہوگی (۱۳۲۱۹۰) کیلواٹ کی برقی قوت حاصل ہوگی جو سینکڑوں صغیر پیمانہ کی صنعتوں کو وجود میں لانے کا باعث ہوگی صنعتی ترقی کی تجاویز پیش کرنے والی کمیٹی نے ابھی تک اپنا کام ختم نہیں کیا ہے لیکن کم از کم فراہمی مالیات کی ذیلی کمیٹی کے اندازہ کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی دس سال میں (۳۰) کروڑ کی رقم ضرور صرف ہوگی صنعتی ترقی کی ابتدا حکومت سرکار عالی ان صغیر یا کبیر پیمانہ کی صنعتوں کے قیام سے کرنا چاہتی ہے جن کا تعلق براہ راست زرعی ترقی سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ زراعت ملک کی تقریباً (۸۰) اسی فیصدی آبادی کا ذریعہ معاش ہے ملک کی صنعتی ترقی کے پہلو بہ پہلو زرعی ترقی عمل میں آنا بیروزگاری کے انسداد کے لیے نہایت ضروری ہے خدا کا شکر ہے کہ حکومت سرکار عالی کی فیاضانہ سرپرستی اور خیر سگالی کی بدولت کاغذ سازی کا کارخانہ موقوعہ سرپور اور شکر سازی کا کارخانہ موقوعہ بودھن مالی خوشحالی کے اعتبار سے کافی ترقی کر چکا ہے زرعی ترقی سے راست تعلق رکھنے والی صنعتوں میں کھاد سازی اور زرعی آلات سازی کی صنعت بیحد اہمیت رکھتی ہے آجکل سلفیٹ آف امونیا اور نائٹریٹ کھاد کی دھان اور گیہوں کے کھیتوں میں استعمال کی خوب تشہیر کی جا رہی ہے حکومت کے صنعتی محکموں میں اس امر کا ضرور تجربہ کرنا چاہیئے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی کی مختلف معدنی اور صنعتی خام پیداواروں سے کیا اس ضروری کھاد کے حصول کے امکانات موجود ہیں یا بیرون ملک سے اس کی درآمد ناگزیر ہے زرعی آلات سازی کے علاوہ بڑی بڑی صنعتی مشینوں کی تیاری کے لیے بھی صنعت فولاد سازی کو ترقی دینے کی شدید ضرورت ہے کیونکہ یہ صنعت آجکل ملک کی کلیدی صنعتوں میں شمار ہوتی ہے جس طرح ریاست

میسور نے بھدراوتی کے مقام پر لوہا اور فولاد سازی کا کارخانہ قایم کرکے اپنے علاقہ کی آلات سازی کی صنعت کو ترقی دینے کی مستحسن کوشش کی ہے بالکل اسی طرح مملکت حیدرآباد میں بھی مکمل معدنی مساحت کے بعد دریائے گوداوری یا اس کے معاون کے قریب کسی موزوں مقام پر لوہے اور فولاد سازی کا کارخانہ ضرور قایم ہونا چاہیئے تاکہ زرعی ترقی کی جملہ لوازمات کا حصول مملکت سرکار عالی کے حدود میں ہی ممکن ہو جائے اور اس طرح حیدرآباد زرعی معاملات میں خود مکتفی ہو جائے صنعتی ترقی کے سلسلہ میں صنعت پارچہ بافی کی اہمیت کسی صورت میں بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے قوی توقع ہے کہ صغیر پیمانہ کی صنعت سوتی اور اونی پارچہ بافی برقابی قوت کے حصول کے بعد خاطر خواہ پیمانہ پر ترقی کریگی کیونکہ مشینی پارچہ کی مصنوعات نے دستی پارچہ بافی کی صنعت کا گلا گھونٹ دیا ہے صغیر اور کبیر پیمانہ کی صنعتوں کی ترقی کا لائحۂ عمل مرتب کرنے سے بیشتر پورے ملک کی صنعتی مساحت کی شدید ضرورت ہے اس سلسلہ میں ہم حکومت سرکار عالی کی توجہ ایک ضروری مسئلہ کے حل کی جانب منعطف کرانا نہایت ہی مناسب خیال کرتے ہیں یہ ایک امر واقعہ ہے کہ کسی ملک کی زرعی اور صنعتی ترقی بالآخر تجارتی ترقی کا باعث ہوتی ہے گویا زرعی اور صنعتی ترقی تجارتی ترقی کے لوازمات ہیں نہایت ہی اہم اور ضروری سمجھی جاتی ہے لیکن جب سے کہ معاشی تنظیم کے مسائل منظر عام پر آگئے ہیں ہر مہذب ملک کی حکومت اپنی نوخیز صنعتوں کے تحفظ کے لیے تامینی مسلک پر گامزن ہونا نہایت ہی ضروری اور لابدی تصور کرتی ہے اس اعتبار سے جہاں تک حکومت سرکار عالی کی نوخیز صنعتوں کے تحفظ کا تعلق ہے ۱۸۰۲ء کے تجارتی معاہدہ پر نظر ثانی کی شدید ضرورت ہے اس معاہدہ کی بنا پر پانچ فیصدی سے زیادہ محصول درآمد بیرون ملک سے ریاست سرکار عالی میں آنے والی کسی بھی چیز پر عاید نہیں کیا جا سکتا اگر نوخیز صنعتوں کو خارجی مسابقت سے بچانا مقصود ہے تو حکومت سرکار عالی کو ضرور تامینی مسلک کو اختیار کرنا پڑیگا اس مسئلہ کے حل کرنے میں جس قدر بھی رکاوٹیں درپیش ہوں ان کو رفع کرنے کی حکومت کی جانب سے امکانی کوشش عمل میں آنی چاہیئے ہم اس مسئلہ میں عالیجناب صدر المہام بہادر فینانس کے بیحد ممنون ہیں کہ انھوں نے پرخلوص جد و جہد سے کام لیکر معدن زغال سنگ کارینی کے اجارہ کو جلد از جلد ختم کرنے کی کامیاب تجاویز پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے صنعت زغال ملک کی کلیدی بنیادی صنعت ہے اس صنعت پر حکومت سرکار عالی کا جس قدر جلد قبضہ ہو جائے

اتنا ہی ملک کو صنعتی بنانے کے حق میں مفید و مناسب ہوگا جس طرح سنگاریبی کی معدن زغال کا صحت بخش طریقہ پر تصفیہ عمل میں آرہا ہے اگر اسی طرح عالیجناب صدر المہام بہادر فینانس کی قوت تدبر اپنے ناخن فراست سے اس سیاسی گتھی کے سلجھانے میں کامیاب ہوگئی تو یہ نہ صرف حکومت بلکہ رعایائے سرکار عالی کے حق میں بھی احسان عظیم ہوگا کیونکہ اگر صنعتی و تجارتی ترقی کے لیے تامینی مسلک کے اختیار کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس مسلک کے اختیار کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہونا چاہیئے۔

اگر ہم عاجلانہ صنعتی ترقی کا عزم کر چکے ہیں تو حکمیاتی اصول پر صنعتی تحقیقات ازبس ضروری اور لازمی ہے مقام مسرت ہے کہ حکومت سرکار عالی کے دور اندیش صدر المہام بہادر فینانس نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے پندرہ لاکھ غیر متوالی اور دو لاکھ متوالی اخراجات سے ایک مرکزی معمل حکمیاتی اصول پر صنعتی تحقیقات کے لئے قایم کرنیکا ۱۳۵۲ف کے موازنہ سرکار عالی میں خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اس معمل میں زرعی، معدنی اور جنگلاتی خام پیداواروں کی تحقیقات صنعتی اور زرعی استفادہ کے لئے عمل میں آئیگی۔ ہم اس خصوص میں حکومت سرکار عالی کی خدمت میں یہ عرض کرنا ازبس ضروری تصور کرتے ہیں کہ اس مرکزی معمل میں سب سے پہلے جنگلاتی پیداوار گل موہہ سے الکحل اور پھر الکحل سے پٹرول نباتی حاصل کرنے کے متعلق سابقہ تحقیقات کی تکمیل کی جائے۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں ڈاکٹر فولر نے اس پیداوار کا پٹرول سازی کے سلسلہ میں کافی اغراض صنعتی کیلئے تجربہ کیا تھا اور فی گیالن سولہ میل کی رفتار سے موٹریں بھی چلائی گئی تھیں بحالت موجودہ اس پیداوار سے شراب سازی اور ٹنکچر سازی کا کام لیا جا رہا ہے مگر پٹرول سازی کے تجربہ کو تکمیل کی منزل تک پہنچانے کی ابھی تک مستحسن کوشش نہیں کی گئی جسکی سخت ضرورت ہے۔

جہاں تک ذرایع حمل و نقل کی توسیع و ترقی کا تعلق ہے اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف مستقر ہائے اضلاع و تعلقات کو ملانے کے لیے پختہ سڑکیں تعمیر کی جائیں بلکہ دیہی سڑکوں اور شوارع کی تعمیر پر بھی کافی توجہ مبذول کی جائے اور مہذب دنیا سے باخبر رہنے اور جدید ذرایع آمد و رفت سے مستفید ہونے کے لیے ریڈیو کی تنصیب کشوری ہوا بازی کے لیے طیران گاہوں کی تعمیر ٹپہ خانوں اور ٹیلیفونی پیامات کی ترسیل اور موصولی کیلئے ایکسچینج اسٹیشنوں کا قیام دیہاتی تہذیب و تمدن میں ایک انقلاب پیدا کردیگا صحت بخش مکانات کی تعمیر کا مسئلہ ہر گنجان آبادی والے شہر میں

حکام صفائی و آرائش کی توجہ کو برابر منعطف کرتا رہیگا آجکل خود بلدہ حیدرآباد میں مکانات رہائشی کی قلت عوام کے حق میں سخت پریشانی اور حیرانی کا موجب بنی ہوئی ہے اندازہ لگایا گیا ہے کہ حکومت سرکار عالی کے مختلف گنجان آبادی والے شہروں اور صنعتی اہمیت اختیار کرنے والے مقامات میں صحت بخش اصول پر مکانات کی تعمیر کے لیے (۶۰) کروڑ کی رقم درکار رہو گی ملک کی ہمہ گیر معاشی ترقی کے سلسلہ میں صحت بخش مکانات کی تعمیر کا مسئلہ توقع ہے کہ ضرور ختم جنگ کے بعد حکومت سرکار عالی کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کرنے میں کامیاب ہو گا جہاں تک تعلیماتی تجاویز کا علم کی توسیع و اشاعت کے لیے تعلق ہے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ فوقانی اور جامعاتی تعلیم کے لیے دس سالہ معاشی لائحہ عمل کے تحت (۲۵) کروڑ کا صرفہ لاحق ہو گا اس اسکیم کی تحت جبری تحتانی تعلیم کی تجاویز اور تعلیم بالغان کے علاوہ ثانوی تعلیم کی توسیع اساتذہ کی فنی تربیت اور حصول روزگار کی رہبری کے لیے ایک محکمہ کا قیام بھی عمل میں آئیگا اس طرح عام تعلیم کی توسیع و اشاعت کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی جائیگی لیکن معاشی منصوبہ بندی کے لائحہ عمل کی تکمیل کے لیے زرعی اور صنعتی فن داں ماہرین کی شدید ضرورت کے مدنظر ایک زرعی کالج اور ایک ٹکنیکل کالج کے قیام کی بھی شدت سے ضرورت محسوس کی جائیگی حکومت سرکار عالی عنقریب زراعتی کالج کا افتتاح غالباً حمایت ساگر کے صدر مزرعہ میں آئندہ سالِ تعلیمی کے اوایل میں کریگی جس میں مرغبانی اور باغبانی کے علاوہ علاج حیوانات کی تعلیم کا بھی انتظام ضروری ہونا چاہیے اسی طرح ٹکنیکل کالج کے معیار تعلیم کو بلند کر کے اس کی تحت ایک پالی ٹکنیک یعنی صدر ادارہ تعلیم صنعت و حرفت کا بھی قیام عمل میں لایا جائے جس میں دیہی صنعتوں اور گھریلو صنعتوں کی تعلیم کا بطور خاص انتظام عمل میں آئے تو اس کی بنا پر آئندہ دس سالہ معاشی منصوبہ بندی کے لائحہ عمل کی تکمیل کے لیے بامہارت اور کارگذار عملہ دستیاب ہو سکیگا۔

معاشی منصوبہ بندی کی تجاویز اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتیں جب تک کہ صحت عامہ کے معیار کو بلند کرنے کی پُر خلوص کوشش نہ کی جائے حکومت سرکار عالی کے محکمہ صحت عامہ نے ایک مکمل اسکیم تیار کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت سرکار عالی کے (۲۲۰۰۰) مواضعات کے منجملہ (۱۶۰۰۰) ایسے مواضعات ہیں جن کی آبادی فی موضع (۲۰۰) افراد سے زیادہ ہے دس مواضعات کا ایک حلقہ قایم کر کے (۱۶۰۰) حلقوں میں کل مملکت کے مواضعات کو

عام اسکیموں کے ساتھ اس طرح مل گئی ہیں کہ ہمیں علیحدہ طور اپنے معاشی مستقبل اور اپنی ایک مستقل معاشی منصوبہ بندی کے متعلق کچھ سوچنے کا موقع نہیں مل رہا ہے۔

کسی ملک کی معاشی منصوبہ بندی ایک طویل مستقبل کے خاکے پر قایم ہونی چاہیئے۔ جو نہ صرف ایک بلکہ کئی جنگوں کا بار سنبھال سکے۔ دنیا کی تاریخ امن اور جنگ کے مسلسل چکر کی ایک تاریخ ہے۔ یہہ فرض کرلینا کہ آئندہ کوئی اور جنگ نہ ہوگی اور آئندہ تمام تنازعات کا تصفیہ چند امن کانفرنسوں کے ذریعہ کیا جائیگا۔ ایک خوش خیالی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ آئندہ کے لیے قطعیت کے ساتھ یہہ نہیں کہا جاسکتا کہ اب کونسا نیا فتنہ کھڑا ہوجائیگا۔ اور کن بنیادوں یا کن حدود کے لیے ایک نئی جنگ وقوع پذیر ہوگی۔ اس لیے ہمیں جہاں اس جنگ کو بہ احسن طریق انجام کو پہنچانا ہے۔ ہمیں اس کیلئے بھی تیار رہنا چاہیئے کہ جب کبھی کوئی نئی جنگ ہو ہم کو وہ مشکلات پیش نہ آئیں جو اب آرہی ہیں۔ اس لیے ہمیں نہ صرف تنظیم مابعد جنگ کے موجودہ مسائل کو سلجھانا ہے بلکہ ایک نئی اصطلاح کے مطابق "تنظیم ماقبل جنگ" کے لیے بھی اپنے معاشی وسائل کو مستحکم بنیادوں پر قایم کرنے کی ضرورت ہے۔ مملکت آصفیہ اگرچیکہ "براعظم ہند" کا جزو ہے۔ لیکن اس کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ اور یہ اپنی ایک خودمختارانہ حیثیت کی حامل ہے۔

اصولی طور پر ہماری معاشی منصوبہ بندی کی اساس اس نظریہ پر رکھی جانی چاہیئے کہ "معاشی معاملہ میں پہلے حیدرآباد اور پھر دیگر قوموں کا مفاد پیش نظر ہو" جبتک خود حیدرآباد معاشی طور پر مستحکم نہ ہو وہ موجودہ جنگ یا آئندہ کسی معاملہ میں دوسروں کی وہ کوئی خاطر خواہ مدد نہیں کرسکتا۔

دوسرا اصول اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ حیدرآباد کے قدرتی وسائل سے کماحقہ استفادہ کیا جائے۔ اور حیدرآباد ہر معاشی اعتبار سے اس قابل ہو کہ وہ آئندہ کے تمام خطرات کا مقابلہ کرسکے۔

ہمارے اس بیان سے ہرگز یہ منشا نہیں لیا جاسکتا کہ فی الوقت جو اسکیمات روبعمل یا زیر منظوری ہیں وہ ان اصولوں کے خلاف مرتب ہورہی ہیں۔ لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں "جنگی ضروریات" کو سب مفادات پر مقدم رکھا گیا ہے۔ اور ان ہی حالات کے تحت اکثر چیزوں میں ہمیں کافی ایثار سے کام کرنا پڑا ہے۔

مثال کے طور ایک بدیہی صورت یہ ہے کہ ہندوستان کے موجودہ غلہ کی قلت کے معاملہ میں حیدرآباد نے اپنے زرآور فصلوں کے لاکھوں ایکڑ رقبہ کو غلہ کی اجناس میں متبدل کردیا ہے۔ اور ہندوستان کے غذائی مسئلہ کے حل کرنے کی مہم میں نتیجے کے طور پر اسے کڑوڑوں کی زرآور فصلوں کی آمدنی سے دست کش ہونا پڑا ہے۔ جس کی کماحقہ تلافی نہیں کیجارہی ہے۔

ہمارا ملک کپاس کا ملک ہے۔ لیکن ہم پارچہ کے لیے دوسروں کے محتاج بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس کوئلے کی کانیں ہیں۔ لیکن ہمارے کارخانوں میں کوئلے کی کمی محسوس کی جارہی ہے۔ اور ہماری صنعتی مہم کو کامیاب بنانے میں متعدد دشواریاں پیدا ہورہی ہیں۔

ہمارے ملک سے دکن کی تین بڑی ندیاں بہتی ہیں۔ لیکن ان کے پانی سے کماحقہ استفادہ نہیں ہو رہا ہے۔ ایک "تنگبھدرا پراجکٹ" کے تصفیہ کے لیے کئی سال درکار ہوئے۔ قدرت کے بے شمار معدنی خزانے زیر زمین مدفون ہیں۔ اور زرعی وسائل کی بہتات کے باوجود ان کے حصول کے لیے جہاں کچھ دستوری موانعامات ہیں وہاں مشنری کی کمی اور فن دانوں کا فقدان ہے۔

یہ سب ایسے مسائل ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر ہمارے معاشیین کو نئے نئے خاکوں اور اسکیمات کو ترتیب دینا ہے۔ بعض موقتی موانعات سے مایوس ہوکر کسی منصوبہ بندی کا خیال ہی ترک کردینا خودکشی کے مترادف ہے۔

ہمارے معاشیین کا یہ فرض ہے کہ وہ اہل ملک کو یہ بتادیں کہ اگر کسی وقت مملکت آصفیہ کو صرف اپنے ہی وسائل پر قناعت کرنا پڑے تو اس صورت میں انہیں کیا لائحہ عمل مقرر کرنا چاہیئے۔

اگر مملکت آصفیہ کو کسی بین الاقوامی معاشی نظام میں شرکت کرنی پڑے تو کن شرائط کے ساتھ اس کا کیا مفاد قایم رہ سکتا ہے۔

اگر مملکت آصفیہ کو اپنے ہم سایہ برطانوی صوبوں یا دیسی ریاستوں یا عام ہندوستان کی کسی معاشی تحریک کا ساتھ دینا پڑے یا کوئی معاشی وفاق یا معاشی سمجھوتہ میں شرکت کا سوال پیدا ہو تو اس وقت مملکت آصفیہ کو کن امور میں کس حد تک ایثار کرنا چاہیئے اور

اس وقت اس کا معاشی لائحۂ عمل کیا ہونا چاہیئے۔

ہمارے ملک کے سائنس دانوں اور انجنیروں کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ ملک کے معاشیین کے دوش بدوش ہر قسم کے لائحۂ عمل کو کامیاب بنانے کی تدابیر بتا سکیں۔

جیسا کہ دیگر ممالک میں وہاں کے سائنس دانوں اور انجنیروں نے متعدد قدرتی نواقصات کے باوجود اپنی ایجادات اور اختراعات کے ذریعہ وہ کام کر دکھائے جن سے قدرتی وسائل کی موجودگی کے باوجود دوسرے ممالک محروم رہے ہے۔

کسی ملک کی ترقی کے لیے سب سے پہلے ایک نصب العین کا تعین کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جب اس کا تعین ہو جائے تو پھر اس کے لیے تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ نصب العین کی عظمت کو قایم رکھنا اور اس کو بلند تر بنانا اس کے ابنائے ملک کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اگر خود نصب العین ہی مفقود ہو تو ظاہر ہے کہ نہ کوئی منصوبہ بندی ہوگی اور نہ اس کے حصول کے لیے کوئی تدبیر نکالی جائیگی۔

مختصر یہ کہ ہماری "معاشی منصوبہ بندی" کے لیے ہمیں صرف کسی ایک جنگ کے وقتی صورت حال کو پیش نظر رکھ کر کوئی تصفیہ نہیں کر لینا چاہیئے۔ بلکہ آئندہ کئی جنگوں کے خطرات اور مستقبل کے ممکنہ حالات اور امکانات پر کافی تحقیق اور غور خوض ہونا چاہیئے۔

چنانچہ یہ کام ہمارے معاشیین کا ہے کہ وہ ملک کے تمام موجودہ وسائل کا جائزہ لیں اور جن وسائل میں خامی دکھائی دے۔ ان کے لیے ملک کے سائنس دانوں سے ان کے بدل معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ جہاں دستکاری انجمنیں دکھائی دیں اپنے مدبرین اور قانون داں حضرات سے ان کے ارتفاع کی صورتیں معلوم کریں اور ملک کے سامنے ایسے لائحۂ عمل پیش کریں جو مملکت آصفیہ کے شایان شان ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ مقصد کسی کانفرنس میں چند تقاریر کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس غرض کے واسطے معاشیین کو مسلسل تفکر و تبادلۂ خیال کے مواقع بہم پہنچانے کی ضرورت ہے۔ خوش قسمتی سے معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین عثمانیہ کے قیام سے یہ ضرورت بھی پیدا ہوگئی ہے۔ اور معاشیین کے اجتماع کے لیے ایک مرکزی ادارہ قایم ہوگیا ہے۔ جہاں کانفرنسوں کے بعد عملی مسائل پر توجہ کی جا سکتی ہے۔ فقط

اجلاس چہارم

حیدرآباد کے مزدوروں کے حالات کا ارتقاء

از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی

میرا مضمون مزدوروں سے متعلق ہے سب سے پہلے ہمیں مزدوروں کی تعریف کرنی چاہیئے۔ مزدوروں کی تعریف یہ ہوسکتی ہے کہ جو شخص معاوضہ لے کر دوسرے شخص کی خدمت انجام دیا کرتا ہے وہ مزدور ہے۔ اس میں ہر وہ شخص شامل ہوسکتا ہے جو معاوضہ یعنی اجرت اور تنخواہ لے کر دوسروں کی خدمت انجام دیا کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہم اور آپ بھی مزدور ہیں۔

مزدوروں کی ابتدا کے متعلق غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے ان کا وجود پایا جاتا ہے۔ انسان جب حجری دور سے گزر کر مہذب اور متمدن بننے لگا تو اس کو اپنی خدمت کے لیے دوسروں کی ضرورت داعی ہوئی اور وہ اپنے ہم جنس انسانوں سے بھی کام لینے لگا اور رفتہ رفتہ کام لینے کے ان طریقوں میں اتنی ترقی ہوئی کہ ان سے اجرت اور مزدوری کے بیشمار مسائل پیدا ہوگئے۔ اس وقت ہم اعلیٰ مزدوروں کو نظر انداز کردیتے ہیں اور صرف ادنیٰ طبقہ سے بحث کریں گے۔

ادنیٰ طبقہ کے مزدوروں کو ہم چار اقسام پر تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) اولاً وہ مزدور یا ملازم ہیں جن کو سرکار اور متوسط اور اعلیٰ طبقہ اپنی خدمت گزاری کے لیے نوکر رکھتا ہے۔ اور ماہوار مقررہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ اور مختلف کام لیے جاتے ہیں۔

(۲) دوسرے وہ مزدور ہیں جو کارخانوں اور ملزمین کام کرتے ہیں۔

(۳) تیسرے وہ ہیں جو تعمیری وغیرہ کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔

(۴) چوتھے مزدور وہ ہیں جو بازاروں اور اسٹیشنوں پر سامان کے حمل و نقل میں مدد دیتے ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے متعلق کسی قدر تفصیلی صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

(الف) پہلی قسم کے مزدور سرکار کے ملازم بھی ہوتے ہیں اور ہمارے آپ کے بھی ان کی ابتدا کے متعلق صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ تمدن و تہذیب دولت و ثروت کے ساتھ ساتھ اس قسم کے مزدور کی بیشی بھی ہوتی ہے۔ ان کے کام کے کبھی تو اوقات مقرر ہوتے ہیں اور

تقسیم کیا گیا ہے ان حلقوں میں بسنے والی آبادی کے علاج کے لیے (۸۰۰) حلقوں میں ڈاکٹری علاج کے لیئے اور (۲۰۰) حلقوں میں ایورویدک علاج کے لیے امدادی دواخانے قایم کیے جائیں گے علاوہ ازیں مملکت کے اہم مقامات پر سرکاری طور پر (۴۰۰) دواخانے کھولے جائیں گے اور ہر دواخانے میں چار مریضوں کے قیام کا انتظام ہوگا ہر مستقر تعلقہ پر انگریزی دواخانہ میں (۳۰) فریش مریضوں اور ہر یونانی دواخانہ وایورویدک دواخانہ میں علی الترتیب دس دس فریش مریضوں کے علاج کا انتظام عمل میں آئیگا گویا ہر مستقر تعلقہ پر تین تین دواخانے رہیں گے اسی طرح صحت عامہ کے عمل حفظان صحت کی بھی خاطر خواہ توسیع عمل میں آئیگی ہر دس مواضعات پر مشتمل ایک نگرانی صحت عامہ کا حلقہ قایم کیا جائیگا اور اس طرح (۱۶۰۰) حلقے کل ممالک محروسہ سرکار عالی میں قایم کیے جائیں گے ہر (۴۰) مواضعات کے لیے صحت عامہ کا ایک مرکز قایم کیا جائیگا اس طرح مملکت آصفیہ میں (۴۰۰) صحت عامہ کی نشر و اشاعت کے لیے مرکز قایم کیے جائیں گے ممالک محروسہ میں صحت عامہ کی حالت بالکل قابل رحم حد تک پہنچ چکی ہے مذکورہ بالا تجاویز یقیناً ملک کی صحت عامہ کے معیار کو بلند رنے میں مدومعاون ثابت ہونگے اس سلسلہ میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ملکی جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کرنے کی جانب حکومت سرکار عالی بطور خاص توجہ فرمائے اس سے نہ صرف دواسازی کی صنعت کو ترقی ہوگی بلکہ غیر ملکی قیمتی ادویہ کی محتاجی سے نجات حاصل ہوگی اور اس طرح ملک کی مرفہ الحالی میں بھی اضافہ ہوگا دس سالہ معاشی منصوبہ بندی کے لائحہ عمل کی تکمیل کے لیے جن اخراجات کا اندازہ کیا گیا ہے نہ صرف اس کا اظہار ضروری ہے بلکہ وسائل آمدنی پر بھی ہم اپنے خیالات کو واضح طور پر پیش کرنا از حد ضروری سمجھتے ہیں اب تک جن قوم ساز تجاویز کے مالی پہلو پر غور کیا گیا ہے اس کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی دس سال میں جنگ کے ختم ہونے کے بعد حسب ذیل رقوم کا صرفہ قومی ترقی اور معاشی تنظیم کے مسائل کو حل کرنے کے لیے لاحق ہوگا۔

(۱) آبپاشی اور برقابی تجاویز کی تکمیل کے لیے	(۴۲) کروڑ (۳۴) لاکھ کا صرفہ
(۲) ترقی زراعت	(۳۰) کروڑ
(۳) ترقی صنعت و حرفت	(۳۰) کروڑ
(۴) توسیع ذرائع حمل ونقل	(۲۰) کروڑ
(۵) تعلیمات	(۲۵) کروڑ

(۶) صحت عامہ	(۱۵) کروڑ
(۷) آبرسانی اور تعمیر سنگ بستہ نالیاں	(۵) کروڑ
(۸) تعمیر مکانات صحت بخش	(۶۰) کروڑ
(۹) متفرقات	(۵) کروڑ

صدر میزان (۲۳۲) کروڑ (۴۴) لاکھ

اس صرفہ کی دوبارہ جانچ کی گئی تو کل صرفہ (۲۵۰) کروڑ دس سال میں لاحق ہونے کا امکان پایا گیا اس صرفہ میں زرعی قرضداری کی ادائی کے مصارف کو شامل نہیں کیا گیا مملکت حیدرآباد میں کاشتکاروں کی مقروضیت کے متعلق جو اعداد و شمار فراہم کیے گئے ہیں ان سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ کاشتکار طبقہ (۷۰) ستر کروڑ کے قرض کے بوجھ میں دبا ہوا ہے۔ اب سوال یہہ پیدا ہوتا ہے کہ (۲۵۰) کروڑ کی کثیر رقم کن ذرایع سے حاصل کی جائے۔ ان اخراجات کے برداشت کرنے کے لئے اندرون اور بیرون ملک حکومت سرکار عالی کو متعدد صورتیں حصول آمدنی کی اختیار کرنا پڑیگا اول عوام سے قرض حاصل کرنا دوم توفیر آمدنی کے لیے مختلف قسم کے محصولات رعایا پر عائد کرنا۔ سوم عطیات چہارم اندوختہ دولت پنجم تخلیق شدہ زر ششم موافق توازن تجارت جہانتک عوام سے قرض حاصل کرنیکا تعلق ہے حکومت سرکار عالی کی ساکھ بازار زر میں اچھی ہونے کی بنا پر مطلوبہ قرضہ حاصل ہوسکیگا لیکن جب مختلف قسم کے محصولات عاید کرنیکا سوال درپیش ہوگا تو بہت ممکن ہے طبقہ امرا اور طبقہ تجار اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں ہمیں توقع ہے کہ معقول دلایل کے آگے رعایائے سرکار عالی اپنا سر تسلیم خم کردیگی اب وقت آگیا ہے کہ نہ صرف محصول آمدنی کے قانون کو نافذ کردیا جائے بلکہ دولتمند زمینداروں سے زرعی محصول آمدنی وصول کرنے کے علاوہ اشیائے تعیشات پر بھی محصول تعیشات وصول کیا جائے جہانتک قومی تعمیر کی اسکیمات کا تعلق ہے زیادہ مناسب تو یہہ ہے کہ طبقہ جاگیر داران سے بھی محض ان کی جاگیر کی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے تعلیمات، طبابت اور تعمیرات کے شعبوں میں جاگیری آمدنی سے مناسب اخراجات برداشت کرنے کے لئے دوستانہ طریقہ پر ایک راضی نامہ طے کیا جائے اگر طبقہ جاگیرداران صرفخاص و پائیگاہوں کے والیان خوشی خوشی اخراجات کے برداشت کرنے میں حکومت کے ساتھ اشتراک عمل کریں تو اس سے یقیناً ان کے وقار میں اضافہ ہوگا اور وہ صحیح معنوں میں ملک و مالک کے بہی خواہ تصور کئے جائیں گے لازمی پس اندازی

• اور زائد نفع اندوزی کے قانون کی ترویج سے حکومت کو متعدد رفاہی امور کے انجام دینے کا موقع ہمدست ہوا ہے رعایائے سرکار عالی کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ معاشی منصوبہ بندی کے لائحہ عمل کو تکمیل کی منزل میں پہنچانے کی خاطر حکومت سے پُرخلوص تعاون عمل کا ثبوت دے اسی تعاون عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام کا معیار زندگی بلند ہوکر ان کی خوشحالی میں اضافہ ہوگا ہمیں قوی توقع ہے کہ حکومت سرکار عالی دس سالہ معاشی ترقی کے لائحہ عمل کی تکمیل کے لیے ان تمام مفید اور کارآمد تجاویز پر عمل کریگی جو زرعی اور صنعتی ترقی کے لیے ضروری ہیں اور جن کی تکمیل کی صورت ہی میں حیدرآباد معاشی خودکفیل زندگی بسر کرنے کے قابل ہوسکیگا۔

مملکت آصفیہ کی معاشی منصوبہ بندی

("مابعد جنگ" اور "ماقبل جنگ" نقطہ ہائے نظر سے)

از جناب خواجہ حمید احمد صاحب بی۔اے (عثمانیہ) معتمد معاشی کمیٹی

حیدرآباد کے معاشین کے اس منتخب اجتماع میں مملکت آصفیہ کی معاشی منصوبہ بندی کا معرکتہ الآرا مسئلہ زیر بحث ہے۔ معز زصدر المہام بہادر فینانس کے فاضلانہ خطبہ صدارت کے ذریعہ ہمیں حکومت کے ان مساعی سے واقف ہونے کا موقع ملا جو تنظیم مابعد جنگ کے سلسلہ میں اختیار کی جارہی ہیں اور یہ مسرت کا مقام ہے کہ حیدرآباد ان امور کی انجام دہی میں آج برطانوی ہند کے اکثر صوبوں سے بھی پیش پیش ہے۔

لیکن ایک مکمل معاشی منصوبہ بندی کے لیے جس پر مملکت آصفیہ کے مستقبل کا انحصار ہونا چاہئے۔ ہمیں کافی غور وخوض کی ضرورت ہے۔ یہ دور جنگ کا ہے اور ظاہر ہے کہ جنگ میں نقشے بنتے نہیں بلکہ بگڑتے ہیں۔ عمارتیں تعمیر نہیں کی جاتیں بلکہ ڈہائی جاتی ہے۔ درس گاہیں اور خانقاہیں کارخانوں اور شفاخانوں کی جگہ لیتی ہیں۔ اس دور میں کسی تنظیم کا نام لینا جرم ہے۔

نقشوں کے بنانے کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہیں۔ جب سب نقشے بگڑجاتے ہیں۔ عمارتوں کے بنانے کی ضرورت اس ہی وقت پیش آتی ہیں جب عمارتیں ڈھادی جاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ جنگ ہمیشہ نہیں رہیگی اور جنگ کے اختتام پر نئی صورتیں پیدا ہونگی۔ اور نئی نئی تحریکات اپنا رنگ لائینگی۔ اس کے لیے ابھی سے تیاری کرنی از بس ضروری ہے۔ چنانچہ ہماری حکومت کی جانب سے اس ضمن میں جو کارروائیاں ہورہی ہیں وہ اب آپ کے سامنے ہیں۔

لیکن اس وقت ہم اس جنگ سے اس قدر متاثر ہیں کہ ہمیں اس کے تمام خدوخال کی جانچ کرنیکا پورا موقع نہیں مل رہا۔ ہماری معاشی منصوبہ بندی کی تمام تدابیر کا تعلق موجودہ جنگ کے اثرات سے وابستہ ہوگیا ہے۔ اور ہماری تمام اسکیمیں مابعد جنگ کی

کبھی نہیں ہوتے اسی طرح ان کے کام بھی مقررہ نہیں ہوتے ۔ ان کو ماہوار کے ساتھ کہیں کھانا بھی ملتا ہے گو اب راتب کے سلسلہ میں اس قسم کے مزدور کا بہت نقصان ہو گیا ہے ۔

(ب) دوسرے وہ مزدور ہیں جو کارخانوں اور ملز میں کام کرتے ہیں ان کے متعلق اولاً مختصر طور پر اس امر کی صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حیدرآباد میں کب سے اس قسم کے مزدوروں کی ابتدا ہوئی ہے ۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد میں پہلے پہل سنہ ۱۲۷۵ھ سے کارخانوں میں مزدوروں کا آغاز ہوا ہے ۔ کیونکہ اسی سنہ میں نواب مختار الملک نے دارالضرب قایم فرمایا تھا اور چاندی مضروب ہونے لگا یہ دارالضرب تالاب میر جملہ پر واقع تھا اور نواب دولت یار جنگ مرحوم مہتمم دارالضرب تھے ۔ تقریباً تیس سال کے عرصہ میں ساڑھے گیارہ کروڑ روپیے مضروب ہوئے ۔
اس کے بعد دوسرا سرکاری کارخانہ نارائن گوڑہ کا ورکشاپ ہے جو سنہ ۱۲۸۰ف قایم ہوا ۔ اس ورکشاپ میں سرکاری سامان آہنی تعمیرات کے علاقہ کا اور ریلوے کا پہلا ورکشاپ بھی یہیں تھا ۔ اس کے بہت بعد لالہ گوڑہ کا ریلوے ورکشاپ قایم ہوا ۔
سرکاری تیسرا کارخانہ دارالضرب کی تجدید ہے جو سنہ ۱۹۰۳ء میں ہوئی اور محبوبیہ سکہ اور پھر عثمانیہ سکہ وغیرہ مضروب ہونے لگا ۔ ان سرکاری کارخانوں کے بعد پبلک کے کارخانوں کے متعلق جو معلومات ہیں ان کی صراحت حسب ذیل ہے ۔

(۱) اولاً سنہ ۱۸۷۵ء میں مولوی محمود صاحب ناظم نظم جمعیت نے قاضی پورہ میں بندوق سازی کا ایک کارخانہ قایم کیا تھا ۔ یہاں بندوق بنتے تھے ۔

(۲) سنہ ۱۲۸۱ھ میں راجہ بنسی پرشاد نے بارہ گلی میں ایک کارخانہ قایم کیا تھا محمد قاسم اس کے منیجر تھے جہاں بندوق اور اس کے پھول تیار ہوتے تھے ۔

(۳) اس کے کچھ عرصہ بعد نواب عبدالعلی خاں شمشیر جنگ نے بیرون یاقوت پورہ کارخانہ صنعت ہند کے نام سے ایک کارخانہ قایم کیا جس میں فولاد اور ربڑ کا کام ہوتا تھا ۔ اس کارخانہ نے بڑی ترقی کی تھی ...

(۴) سنہ ۱۸۷۷ء میں حیدرآباد ملز آٹھ لاکھ کے سرمایہ سے قایم ہوئی یہ وہی ملز ہے جو حسین ساگر کے بند کے ختم پر اب بھی موجود ہے ۔

(۵) سنہ ۱۸۸۱ء میں مسٹر سمسن نے حسین ساگر کے بند کے نیچے برف بنانے کے لئے قایم کیا

جو کچھ عرصہ کے بعد بند ہوگیا۔

(۶) ۱۸۸۶ء میں بارہ لاکھ کے سرمایہ سے گلبرگہ ملز قایم ہوئی جس کا سنگ بنیاد حضرت غفران مکان نے بنفس نفیس رکھا تھا۔

(۷) ۱۸۸۹ء میں اورنگ آباد ملز بارہ لاکھ کے سرمایہ سے قایم ہوئی۔ یہ دونوں ملز بھی آج تک قایم ہیں اور ترقی کر رہے ہیں۔

(۸) ۱۸۹۲ء میں بازار سدی عنبر میں کریم بھائی سبحن لال صاحب نے فلور مل قایم کی کچھ عرصہ تک یہ مل کام کرتی رہی مگر اسکے بعد یہ کارخانہ ٹوٹ گیا اور عمارت فروخت ہوگئی آج کل سرکاری مدرسہ گوشہ محل اس عمارت میں قایم ہے۔

(۹) ۱۳۱۶ھ میں سید عبدالرزاق کمپنی نے شکر سازی کے لیے نارائن گوڑہ میں ایک کارخانہ قایم کیا مگر کچھ عرصہ کے بعد شکر کی بجائے شراب بننے لگی۔

یہ ہیں حیدرآباد کے ابتدائی کارخانے جن میں مشنری اور اسٹیم کے ذریعہ کام لیا جاتا تھا۔ گوداوری ریلوے قایم ہونے کے بعد اضلاع اورنگ آباد میں چونکہ روئی زیادہ مقدار میں پیدا ہوتی تھی اس لیے بیسوں کارخانے قایم ہو گئے۔

بہرحال حیدرآباد کے یہ ابتدائی کارخانے ہیں افسوس ہے کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ ان کارخانوں میں کام کرنے والے کتنے مزدور ہوتے تھے۔ البتہ حیدرآباد۔ گلبرگہ۔ اور اورنگ آباد کے ملز میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے چنانچہ ان تینوں کارخانوں میں ۱۸۸۱ء میں (۵۸۳) مزدور کام کرتے تھے اور ۱۸۹۱ء میں (۲۲۳۶) اور ۱۹۰۱ء میں (۲۴۹۰) تھے۔

گزشتہ پندرہ بیس سال میں حیدرآباد میں سگریٹ گنڈیوں وغیرہ کے جو کارخانے قایم ہوے ہیں ان کی صراحت طوالت کا موجب ہے بہرحال اس وقت کافی مزدور کارخانوں میں کام کر رہے ہیں جن میں مرد، عورت اور بچے سب شامل ہیں۔

(ج) تیسری قسم کے مزدور وہ ہیں جو تعمیراتی کاموں میں مصروف ہیں اس قسم کے مزدوروں کی ابتدا کے متعلق کسی صراحت کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج سے تیس چالیس سال پہلے اس قسم کے مزدوروں کی وہ کثرت نہیں تھی جو آج کل ہے۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ حیدرآباد میں مزدور دستیاب نہ ہونے سے باہر سے ان کو لایا جاتا تھا۔

چنانچہ ۱۳۲۶ھ میں طغیانی رود موسی کے بعد جب نئے پل افضل گنج کی تعمیر ہونے لگی تو اس کے گتہ دار نے علاقہ بجواڑہ سے وڈر قوم کی ایک خاص تعداد کو طلب کیا تھا جو اس کے بعد حیدرآباد میں بس گئی ۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وڈر اس وقت سے زیادہ تعداد میں حیدرآباد میں پائے جاتے ہیں ۔

(د) چوتھی قسم مزدوروں کی وہ ہے جو بازاروں یا اسٹیشنوں پر حمل ونقل کا کام انجام دیتے ہیں ۔ اضلاع اور دیہات کے بیگار بھی اس میں شامل ہیں ۔ یہ عموماً عہدہ داروں کا سامان سروں اور پیٹھ پر لادے ایک مقام سے دوسرے مقام پر بلا معاوضہ اور بعض وقت بغیر خوراک منتقل کرتے رہتے ہیں ۔

مزدوروں کی اس صراحت کے بعد اب اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے کہ ان کی موجودہ حالت کیا ہے اور کیا اصلاح ہونی چاہیئے اگر ہم ان کی حالت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گو ان لوگوں کو آج کل کافی اجرت اور ماہوار مل رہی ہے لیکن پھر بھی ان کی معاشی حالت محتاج توجہ ہے ۔ معاشی حالت کا اندازہ ان کے رہنے سہنے پہننے اوڑھنے ۔ کھانے پینے سے کیا جا سکتا ہے ۔ ان امور کے مدنظر اگر مزدوروں کی حالت دیکھی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان کے رہنے کا انتظام ناگفتہ بہ ہے انکے لیے جو مکانات میسر ہیں وہ اچھی حالت میں نہیں ہیں ان کے مکانوں کی چھتیں اکثر گھانس اور بانس کی ہوتی ہیں ۔ ان میں نہ روشنی کا انتظام ہوتا ہے اور نہ صفائی کی حالت اچھی ہوتی ہے ان میں آب وہوا کا لحاظ ہوتا ہے اور نہ صحت و تندرستی کا ایک ایک کمرہ یا جھونپڑی میں کئی کئی آدمی رہا کرتے ہیں ۔ رہنے سہنے کی طرح ان کے کھانے پینے کی حالت ہے ۔ مزدور عموماً ایک ہی وقت پکاتے ہیں اور اس کو تین وقت یا دو وقت کھاتے ہیں اور پھر یہ اس وقت پکایا جاتا ہے جب کہ وہ کام سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو اس کے بعد بازار سے ضروری سودا سلف خرید کر پکانے لگتے ہیں اس طرح دس گیارہ بجے تک وہ کھانے سے فارغ ہوتے ہیں یہ طبقہ نشہ کا بھی عادی ہے روزانہ سیندھی شراب ان کے لئے ضروری ہے اس کے بغیر وہ دوسرے دن محنت کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے بیماری کے زمانے میں ان کے قوت بسری کے لیے کوئی انتظام نہیں ہوتا ۔

کھانے پینے اور رہنے سہنے کی طرح ان کے پہننے اوڑھنے کی بھی حالت ہے ان کو ایک دو

کپڑوں سے زیادہ کچھ اور میسر نہیں نہ ان کو اچھا بستر ہوتا ہے اور سردی کے زمانہ میں گرم لباس یا گرم بستر ملتا ہے سردی کے زمانہ میں آگ جلا کر وہ گرمی حاصل کرتے ہیں۔

ان کی معاشی لپستی کے ساتھ ساتھ جہالت اور بداخلاقی کا بھی دور دورہ ہے نہ وہ عمل سے واقف ہیں اور نہ اخلاق سے نہ وہ تہذیب کو جانتے ہیں اور نہ تمدن سے سروکار ہے۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم مختصر طور پر ان کی اصلاح کے متعلق جن امور کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اس کا تذکرہ کریں گے۔

سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ مزدوروں کے لیے مکانات ان کی ضروریات کے مطابق بنائے جائیں جس میں روشنی ہوا اور صفائی کا لحاظ رکھا جائے۔

مکانات کی تعمیر کے لیے جہاں بلدیہ اور آرائش بلدہ کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے کارخانوں کے ڈائرکٹروں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے کارخانہ کے مزدوروں کے لیے کارخانہ کے قرب وجوار میں ان کے لیے مکانات تعمیر کریں کیونکہ دور دراز سے کارخانے میں آنے کے لیے بھی ان کا بڑا وقت صرف ہوتا ہے۔ اور ان کو بہت جلد اپنے اپنے مکانوں سے نکل آنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اصحاب ثروت کے لئے بھی یہ اچھا موقع ہے کہ وہ مزدوروں کے لیے سرکار کے مقررہ نمونہ پر مکانات تعمیر کریں اور ان کو کرایہ پر دیں۔ مگر سرکار کو اس پر بھی توجہ کرنا چاہئے کہ ایسے اصحاب جو مکانات کرایہ پر دیں اس کا کرایہ ایسا رکھا جائے جن کو مزدور آسانی سے ادا کرسکیں۔

مزدوروں کے ان مختص محلوں میں دواخانوں کھیل کے میدان ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسوں وغیرہ کی تعمیر بھی ضروری ہے۔

چنانچہ بلدیہ اور آرائش بلدہ کے لئے مکانات تعمیر کرنے اور تعمیر مکانات کے لیے وسیع جگہ مختص کرنے کی ضرورت ہے وہاں سررشتہ انجمن امداد باہمی کی توجہ کی بھی ضرورت ہے کیونکہ مزدوروں کے لیے امداد باہمی کی انجمن کا قیام اور اسکی شرکت بھی آئندہ ترقی اور بہتری کے لئے نہایت کارآمد ہوگی۔

انجمنوں سے ان کو رقم نہایت کم شرح سود پر دی جائے تو ان کی ضروریات پوری ہوسکتی ہیں بلکہ ہر موسم کے مطابق لباس اور بستر وغیرہ بھی بہ توسط انجمن امداد باہمی خرید سکتے ہیں

اور ماہوار یا روزانہ آمدنی سے ایک قلیل حصہ اس قرضہ کی ادائی میں ادا کر سکتے ہیں۔ آپ میں سے اکثر اصحاب اس سے واقف ہوں گے کہ مزدور طبقہ عربوں، افغانوں، سکھوں کا مقروض ہوتا ہے اور سود کی گرانی اس قدر ہوتی ہے کہ سالہا سال کے دوران میں اصل سے دس گونہ زیادہ ادا ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اصل قرضہ بدستور باقی رہا کرتا ہے۔

اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ ارباب انجمن امداد باہمی خاص طور پر توجہ کریں اور مزدور طبقہ کے لئے ایسی انجمنیں بنائی جائیں جس میں ماہوار کی بجائے روزانہ یا ہفتہ وار چند آنے جمع کئے جا سکتے ہوں۔

امداد باہمی کی انجمنوں کے ساتھ ساتھ بعض ایسی انجمنوں کی بھی ضرورت ہے کہ بوقت ضرورت یعنی بیماری وغیرہ کے زمانے میں انکی دستگیری ہو سکے۔ ایسی انجمنوں کا فریضہ ہوگا کہ وہ فنڈ جمع کریں اور اس کے منافع سے اس قسم کی دستگیری کا سلسلہ قائم کریں۔ انگلستان میں ایسی انجمنیں بکثرت ہیں جو بے روزگاری کے زمانے میں مدد کرتی ہیں۔

ایسی انجمنوں کا یہ بھی فریضہ ہوگا کہ مزدوروں کے حقوق اور ان کے کام اور اجرت وغیرہ کے متعلق بھی توجہ کرتی رہیں۔

سررشتہ تعلیمات کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم بالغان کے سلسلہ میں اس کی جانب توجہ کرے اور جبری تعلیم کے لیے غور و خوض کرے تاکہ مزدور اور ان کی اولاد جہالت کی قعر مذلت سے باہر ہو سکیں۔

یہ چند امور ہیں جن پر سرکار اور اصحاب ثروت کو توجہ کرنی چاہیئے تاکہ مزدور طبقہ کی حالت درست ہو سکے۔ فقط

"مزدوروں کے مسائل اور حیدرآباد میں قوانین مزدوران"

از جناب محمد حامد محی الدین صاحب صدر بزم معاشیات جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد کے قوانین مزدوران پر تبصرہ کرنے سے قبل یہ افادیت کا باعث ہوگا کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں مزدوروں کی حیثیت، مسائل اور قانون سازی کی ضرورت پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے کیونکہ مزدوروں کے سارے مطالبات اور ضرورت قانون سازی ان ہی مسائل کا نتیجہ ہے۔

پیدائش دولت میں محنت ایک اہم درجہ رکھتی ہے۔ اشتراکین کی رائے ہے کہ محنت ہی تحصیل افادہ کی بنا ہے۔ محنت کی نہ صرف پیدائش دولت میں فوقیت ہے بلکہ مبادلہ دولت میں بھی محنت قدر کا معیار خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسکارڈو اس عقیدہ کا قائل تھا کہ کسی شئے کی قدر کا انحصار اس محنت پر ہے جو اس شئے کی پیدائش میں صرف کی جاتی ہے۔ "قدر کا نظریہ محنت" اسی کا پیش کردہ ہے۔

غرض دنیا کی معیشت میں محنت کو بڑی عظمت حاصل ہے۔

سنہ ۱۷۶۰ء کے صنعتی انقلاب سے دنیا کی ہر جہتی زندگی میں ہمہ گیر تغیر اور تبدل رونما ہوا۔ صنعتی پیدائش میں نظام کارخانہ جات کا ظہور، مشینوں کا استعمال اور تعداد پیداوار میں پیدائش بر پیمانہ کبیر اور تقسیم عمل کے رواج نے ایک نئے معاشی نظام کی طرح ڈالی۔ جو بعد میں چلکر اصل دارانہ نظام کے نام سے موسوم ہوا جس کو عام طور پر سرمایہ دارانہ نظام کہا جاتا ہے۔

نظام کارخانہ جات کی ترویج نے پیدائش دولت کے ذمہ دار طبقہ کے موقف میں انقلابی تبدیلی رونما کی۔ یہ طبقہ آجر اور مزدور، دو گرہوں میں تقسیم ہو گیا۔ ذرائع پیدائش پر پہلے گروہ آجر کا قبضہ ہو گیا۔ دوسرا گروہ مزدور اس امر پر مجبور ہوا کہ کارخانوں میں مزدوری کرکے اپنی معاش حاصل کرے۔ یہ گروہ اپنی محنت کو "جنس" کی طرح بازار میں فروخت کرکے روزی کماتا ہے جس کی اجرت کا مدار بھی قیمتوں کی طرح بازار کے طلب و رسد پر منحصر ہو گیا۔ مزدوروں کا گروہ پیدائش دولت میں اپنی محنت سے حد درجہ مدد دیتے ہوے بھی ضروریات زندگی کے لیے محتاج رہتا ہے۔ کیونکہ کارخانوں میں جو

اجرت دی جاتی ہے وہ عام طور پر ناکافی ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا انحصار سرمایہ دارانہ نظام کی تعریف انگلستانی ممتاز معاشی کول کے الفاظ میں یوں کی جاسکتی ہے۔ "سرمایہ دارانہ نظام وہ ترقی یافتہ نظام پیدایش دولت ہے جو منافع اندوزی کے لئے ذرایع پیدایش کی خانگی ملکیت پر مبنی ہوتا ہے" چونکہ معدودے چند افراد ذرایع پیدایش پر قابض ہوتے ہیں اور ایک کثیر تعداد مزدوروں کی حیثیت سے اپنا گذارہ کرتی ہے اس لئے ملک کی مادی خوشحالی میں نشیب و فراز اور ضروریات زندگی میں عدم توازن کا پایا جانا ضروری ہے۔

مزدور اپنی اجرت میں اضافہ کی خاطر اپنی عورتوں اور کم سن بچوں کو کارخانوں میں نوکر رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ملک کے ایک بڑے حصہ کی خاندانی اور معاشری زندگی میں کئی نقائص پیدا ہو چکے ہیں برنڈرسل کا خیال ہے کہ صنعتی ترقی کے ساتھ مذہب اور خاندان جو سماجی زندگی کے سہارے ہیں انسانی دماغوں سے اپنا تسلط کھو بیٹھے ہیں۔ ایک کا معیار رہایش بلند ترین دوسرے کا اسی نسبت سے پست ترین منافع پر ہے اور منافع اجرتی محنت کا آوردہ ہوتا ہے۔ ہر صنعتی ملک کی آبادی دو گرہوں میں تقسیم ہوگئی ایک سرمایہ دار دوسرا مزدور معاشی زندگی میں سرمایہ اور محنت کا تصادم جاری ہے صنعتی ترقی کے ابتدائی عہد میں مغربی ممالک میں آجروں نے زیادہ سے زیادہ منافع کی حرص میں مزدوروں سے ہر طرح استحصال کیا۔ آجروں کو مزدوروں کے آرام و آسایش کا چنداں خیال نہ تھا کم سے کم اجرت دی جاتی اور زیادہ سے زیادہ کام لیا جاتا۔ کارخانوں میں خطرناک مشینوں کی احاطہ بندی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اور نہ روشنی کا کافی اہتمام۔ ڈرینج اور صفائی کی طرف کوئی توجہ نہ دی گئی مزدوران تحدیدات کو مجبوراً برداشت کر رہے تھے کیونکہ صنعتی انقلاب نے انکے ذرایع پیدایش کو تباہ کر دیا تھا۔ حکومت آجروں اور مزدوروں کے مسائل میں مداخلت سے احتراز کر رہی تھی۔ آجر اپنے مفاد کو واجبی منوانے کے لئے کئی جدید فلسفے پیش کر رہے تھے چنانچہ عدم مداخلت، حقوق فطری، اور آزاد معاملت جیسے نظریے پیش کئے گئے۔ اس زمانہ کے ممتاز معاشیین ریکارڈو مل، اور سیج وک، ان فلسفوں کی حمایت میں اپنے دماغ اور قلم وقف کر چکے تھے۔ لیکن یہ حالات زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکے۔

نظام کارخانہ جات نے جہاں مزدوروں کی محنت کو 'جنس' کی حیثیت میں بدل دیا وہاں اس نظام نے مزدوروں میں، آجروں کی دراز دستیوں کے خلاف مزاحمت کے لئے

اجماعیت کا ایک مستقل نظام پیدا کیا۔ مزدور انجمنوں اور ٹریڈ یونینوں میں متحد ہونے لگے۔ اور انھوں نے اجتماعی معاملت کے طریقہ پر اپنے مطالبات کو منوانے کی مہم شروع کی۔ چنانچہ انہوں نے کم تر اوقات کار، بیشتر اجرت، اور دیگر سہولتوں کا مطالبہ شروع کیا۔ اب ان کے اتحادات نے کافی ترقی کرلی ہے اب یہ منافع میں شریک ہونے کے بھی دعویدار ہو رہے ہیں۔ اشتراکی معاشعین، سنٹ سمین، فوریر، لوئی بلانک اور رابرٹ روون نے فلسفہ عدم مداخلت کی شدید مخالفت کی، کارل مارکس کو مزدوروں کے حمایتی کی حیثیت سے قبول عام کی سند مل چکی ہے۔ اب مزدوروں نے سیاسیات میں بھی حصہ لینا شروع کیا ہے چنانچہ ہر ملک کی سیاسی جماعتوں میں مزدوروں کی جماعت کو موثر فوقیت حاصل ہو چکی ہے۔ مزدوروں کے اتحادات قومی اور ملکی حدود سے ہٹ کر بین قومی اور عالمی حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں چنانچہ ۱۸۴۸ء کی پہلی انٹرنیشنل اور حال ہی میں جو بین الاقوامی مزدوروں کی کانفرنس فلاڈلفیا میں منعقد ہوئی اسکا عملی مظاہرہ ہے۔ مزدور اپنے مطالبات بین الاقوامی اثرات سے کام لے رہے ہیں۔ اب یہ اپنی حکومت کے قیام کے خواب بھی دیکھ رہے ہیں ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب روس نے دنیا کے مزدوروں کے لئے نقش پا، کا کام کیا ہے۔

غرض مزدوروں کے مسائل صنعتی نظام اور نظام کارخانہ جات کی پیداوار ہیں اور یہ مسائل اس سے بڑھکر کچھ نہیں ہیں کہ مزدوروں کو پیٹ بھر کھانا، تن بھر کپڑا، رہنے کے لئے مکان بڑھاپے میں روزگار کا یقین، اور بچوں کے لیے صحت اور تعلیم کا انتظام ان ہی مطالبات کے حصول کے لئے ہڑتالیں ہوتی ہیں، دربندیاں کی جاتی ہیں۔ صنعتی نظام میں آجروں اور مزدوروں کے تعلقات نہایت کشیدہ ہوتے جارہے ہیں ان ہی تعلقات کی ہمواری اور مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کے لئے قانون سازی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور حکومت کی مداخلت ضروری ہو جاتی ہے۔

معاشی نظاموں اور تحصیلات کی تبدیلی کے ساتھ معاشی معاملات میں حکومت کی مداخلت کے فلسفے بھی بدلتے رہے ہے۔ نظام کارخانہ جات کی ابتدا میں مزدوروں سے اٹھارہ، اٹھارہ گھنٹے کام لیا جاتا تھا اور کم سے کم اجرت دی جاتی ان سختیوں کے جواز میں فلسفہ عدم مداخلت کو عام بنانے کی سعی کی گئی لیکن مزدوروں کے اتحادات کے

دباؤ کے ماتحت حکومتی فرایض میں تبدیلی ہوتی گئی اور حکومت قانون سازی کے ذریعہ مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کرنے لگی۔ موجودہ صدی میں جبکہ سرمایہ دارانہ نظام اپنے شباب کے دن پورے کر چکا ہے، اور جس کو پارلیمانی جمہوریت پناہ دے سکی نہ قومی اشتراکیت کے روپ میں اسکی حفاظت ہوسکی یہ اپنے پرانے استحصال کو جاری نہیں رکھ سکتا، اشتراکی روس نے جبکہ دنیا کے مزدوروں کے لئے سود و بہبود کا قابل عمل نمونہ پیش کردیا ہے مزدوروں کے مسائل سے کوئی حکومت روگردانی نہیں کرسکتی۔ چنانچہ ہر ملک میں قانون سازی کے ذریعہ مزدوروں کے حقوق اور مطالبات کو محفوظ کیا جارہا ہے۔

جہاں تک ہندوستان اور حیدرآباد کا تعلق ہے صنعتی ترقی کی حالت ایک نحیف نومولود کی سی ہے اس لیے یہاں مزدوروں کے مسائل وہ اہمیت اختیار نہ کرسکے جو مغربی ممالک میں ہے۔ ہندوستان میں بھی صنعتی ترقی کے ساتھ مزدوروں کے مسائل کی طرف بھی توجہ کی جارہی ہے۔ ۱۹۲۹ء میں وائٹلے کمیشن کا تقرر اسکی شہادت ہے۔ ۱۹۳۷ء میں جب کانگرسی وزارتیں برسر اقتدار آئیں تو ان مسائل کی طرف انہماک کے ساتھ توجہ دی گئی۔ حیدرآباد میں صنعتی ترقی جو گذشتہ دو تین دہ سالوں میں ہوئی اس کے ساتھ مزدوروں کے مسائل بھی اہمیت حاصل کرتے گئے۔ یہاں کے مزدور بھی متحد ہورہے ہیں۔ انکی انجمنوں میں "حیدرآباد ٹکسائل ورکرس یونین"، گرنی کامگار یونین اور نظام اسٹیٹ ریلوے وسپلائز یونین قابل ذکر ہیں۔ جوں جوں حیدرآباد میں صنعتانے کے مسلک کو عملی صورت دیجائیگی اسی کے ساتھ مزدوروں کے مسائل بھی اپنی اہمیت تسلیم کرواتے جائینگے۔

حیدرآباد کی حکومت بھی مزدوروں کے مسائل کی اہمیت سے ناواقف نہیں ہے چنانچہ گذشتہ چند سالوں میں، مزدوروں کے متعلق کئی قوانین نافذ کئے گئے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ برطانوی ہند کے مقابلہ میں حیدرآباد میں قانون سازی بہت پیچھے ہے۔ اب حیدرآباد کے مزدوروں کے متعلق جو قوانین نافذ ہوے اس کا جائزہ لیا جائیگا۔

حیدرآباد بائلر اینڈ مشنری ایکٹ:— کارخانوں میں مشنری اور دیگر ناموزوں حالات کے سدھار کے لئے اس قانون کو نافذ کیا گیا۔ اس قانون کی رو سے معائنہ کرنے والے انسپکٹروں کا تقرر عمل میں آیا۔ انسپکٹروں کو اختیار دیا گیا کہ وہ اس امر کی نگرانی رکھیں کہ

کارخانوں میں تربیت یافتہ انجنیران کی سرکردگی میں کام کیا جاتا ہے۔ بغیر اجازت عنتری یا بائلر نصب نہیں کیا جا سکتا۔ ضرور رساں مشنیری کی احاطہ بندی ناگزیر تھی۔ اس قانون کے دفعات کی عدم پابندی کی صورت میں جرمانے عائد کئے جاتے تھے۔

اس قانون کے نفاذ کے ایک عرصہ تک کوئی دوسرا قانون نافذ نہ ہوا۔ ۱۹۲۲ء میں حیدرآباد فیکٹری کمیٹی، کا تقرر عمل میں آیا تاکہ قوانین کارخانہ جات کی ضرورت، اور طریقہ عمل کی نسبت راہ عمل متعین کرے۔ کمیشن نے رائے ظاہر کی کہ باوجود صنعتی ترقی کے مزدوروں کی تعداد (۲۹۰۰) سے زیادہ نہ بڑھ سکی لیکن علاوہ ازیں بائیلر انسپکٹروں کی ۱۹۲۷ء کی سالانہ رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۳۶ و ۳۷ء کے دوران میں (۵۵۷) کارخانے تھے۔ اور کئی سگریٹ، سمنٹ اور دیا سلائی کے کارخانے بھی قایم ہوئے اسی صنعتی ترقی سے مزدوروں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ان کارخانوں میں، اجرت، اوقات کار اور بچوں و عورتوں کی محنت پر پابندیاں عائد نہ تھیں۔ اوقات کار زیادہ سے زیادہ تھے عورتوں اور بچوں سے خطرناک مقامات پر کام لیا جاتا تھا۔ اس لیے ان سختیوں پر نگرانی ضروری تھی۔

حیدرآباد مائنس ایکٹ ۱۳۲۰ف :- عورتوں کے کاروبار میں مذکورہ بالا نقائص پر نگرانی کی غرض سے اس قانون کا نفاذ عمل میں آیا۔ اس قانون کے ذریعہ حکومت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ معدنوں میں، عورتوں اور بچوں کے اوقات کار کا تعین کرے، روشنی اور ہوا کے انتظام پر نگرانی رکھے اور حادثات کی صورت میں معاوضہ دلائے۔ عورتوں اور بچوں کو بعض خطرناک مشینوں میں کام کرنے کی ممانعت کرے۔

قانون کارخانہ جات حیدرآباد ۱۳۳۷ف :- مملکت حیدرآباد کے کارخانوں میں عورتوں اور بچوں کے اوقات کار پر پابندیاں عائد کرنے کیلئے اس قانون کا نفاذ عمل میں آیا۔ یہ قانون ۱۹۱۱ء کے قانون کارخانہ جات ہند۔ کی دفعات کو پیش نظر رکھکر ترتیب دیا گیا۔ اس قانون کی رو سے حیدرآباد میں پہلی مرتبہ لفظ "کارخانہ" کی تشریح کی گئی۔ اس قانون کے ذریعہ مزدوروں کے مختلف طبقات، مرد، عورت، اور بچوں کے لئے علیحدہ اوقات کار کا تعین کیا گیا۔ اوقات کار، زائد کام، وقفہ اور تعطیلات کو قانونا

صورت دی گئی۔

اس قانون کی رو سے مرد کے لئے اوقات کار روزانہ ۱۱ گھنٹے اور ہفتہ میں ۶۰ گھنٹے عورتوں کے لئے اوقات کار روزانہ ۱۰ گھنٹہ اور ہفتہ میں ۶۰ گھنٹے، عورت اور مرد کے لئے ہر چھ گھنٹے کے کام کے بعد ایک گھنٹہ کا وقفہ ضروری ہوا۔ ۱۲ سے ۱۵ سال کی عمر کے بچوں کے لئے اوقات کار روزانہ چھ گھنٹہ طے پائے اور ہر چار گھنٹے کے کام کے بعد آدھ گھنٹہ کا وقفہ ضروری تھا۔ ۱۲ سال سے کم عمر بچوں کو کارخانہ میں مزدور نہیں بنایا جا سکتا۔ عورتوں اور بچوں کو صبح ½ ۵ سے قبل اور شام میں ½ ۷ کے بعد کام پر نہیں رکھا جا سکتا۔ سیسہ اور خطرناک اشیاء کی تیاری کی جگہ عورتوں اور بچوں کو مامور کرنا ممنوع ہوا۔

اگر مرد ہفتہ میں ۶۰ گھنٹے سے زائد کام کرے تو زائد وقت پر روزانہ اجرت کا سوا گنا دیا جانا طے پایا۔ قانون میں کارخانوں میں روشنی کے انتظام، پانی کے انتظام اور مزدوروں کی صحت کی نسبت دفعات بھی منظور کئے گئے۔ اس قانون کا اطلاق ایسے مقامات پر ہوا جہاں قوتی مشین استعمال کیے جاتے ہوں اور ۲۰ اشخاص سے زیادہ کام کرتے ہوں، لیکن اس قانون کی رو سے بعض ایسے کارخانے جہاں قوتی مشین استعمال کی جاتی ہے اور ۲۰ سے کم مزدور کام کرتے ہیں اور ایسے کارخانے جہاں قوتی مشین استعمال نہیں کئے جاتے اور ۲۰ سے زائد مزدور کام کرتے ہیں پابندیاں عائد نہ ہونے کا امکان تھا اس لیے روئی رکھنے کے مقامات اور چاول کی گرنیوں میں مطلوبہ تعداد کو (۱۰) کر دیا گیا۔

حیدرآباد بائیلر اینڈ مشنری ایکٹ ۱۳۴۵ف :۔ اس قانون کے ذریعہ بائیلر اور کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے حقوق کا مزید تحفظ عمل میں آیا۔

قانون معاوضہ مزدوران حیدرآباد ۱۳۴۹ف :۔ اس قانون کے ذریعہ کارخانوں میں دوران کار حادثات کی صورت میں معاوضہ کا انتظام کیا گیا۔ اس قانون کی رو سے اگر دوران کار حادثات سرزد ہوں تو آجر دن کو اس کا معاوضہ دینا ضروری ہو گیا۔ معاوضہ کا مدار اجرتوں کی شرح پر رکھا گیا۔ اگر دس روپیہ سے زیادہ ماہانہ اوسط اجرت

ہو تو مزدور کی موت کی صورت میں ۷۰۰ روپیہ اور اگر عارضی طور پر ناقابل کار ہو جائے تو ماہانہ اجرت کا نصف اگر اجرت ۵۰ اور ۶۰ روپیہ کے درمیان ہو تو پہلی صورت میں ۴۰۰ ہزار روپیہ اور دوسری صورت میں ۳۰ روپیہ ماہانہ دیا جانا ضروری ہے۔

قانون امداد زچگان :- اس قانون کے ذریعہ آجروں پر پابندی عائد کی گئی کہ زچگی کی صورت میں عورتوں سے کام نہ لیا جائے اور ایک معینہ امداد دینا ضروری ہے۔

اس قانون کی رو سے کوئی آجر اس عورت کو جسکی زچگی ہو کر ۱۴ دن ہوئے ہوں کارخانہ میں کام پر نہیں لگا سکتا۔ ایسا آجر جس کو امداد زچگان دینا لازمی ہوتا ہو کسی عورت کو زچگی ہونے کے چار ہفتوں تک کام پر نہیں لگا سکتا۔ اس قانون کی رو سے جو عورت مستحق امداد ہوگی اس کو روزانہ ۸/ کے حساب سے اجرت دی جائیگی جس کی مدت تین ہفتہ ہوگی بشرطیکہ عورت کارخانہ میں ۹ ماہ سے کم کام نہ کی ہو۔ زچگی کے قریبی ایام میں عورت کو برطرفی کا نوٹس نہیں دیا جا سکتا۔

اس کے علاوہ ایک قانون زرعی مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے منظور کیا گیا۔ تاکہ جبری محنت کو روکا جائے۔

قانون بھگیلہ گان ۱۳۴۵ف :- جبری محنت میں معاہدوں کے ذریعہ زمیندار مزدوروں کو پابند کر لیتے ہیں اسکو روکنے کے لئے یہ قانون منظور کیا گیا۔ مزدوروں کو قرضہ کے سلسلہ میں قرض خواہ کے زمینوں یا مکانوں پر مزدوری کرنا پڑتا تھا مزدوری اتنی قلیل ہوتی تھی کہ قرض کی ادائی میں مزدوروں کو کئی مہینوں تک نوکر رہنا پڑتا تھا۔ اس کے روکنے کے لئے ضابطہ بھگیلہ گان نافذ ہوا۔ اس قانون کی رو سے وہ تمام معاہدے جو اس قانون کے منظور ہونے کے قبل تکمیل پا چکے ہیں ۱۲ ماہ کے اندر منسوخ متصور کئے گئے۔ آئندہ کے معاہدہ پر بھی پابندیاں عاید کی گئیں۔ ایک سال سے زائد کا معاہدہ ممنوع تھا۔ تمام شرائط اقرارنامہ کا تحریری شکل میں ہونا ضروری ہو گیا۔ مزدور کی مدت کے بعد ورثاء پر مزید ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی تھی اور قرض کی رقم پر ۶ فیصد سے زائد سود لینا منع ہو گیا۔

غرض یہ وہ قوانین ہیں جن پر اسوقت حیدرآباد میں عمل ہو رہا ہے اس کے علاوہ بعض مسودات مجلس وضع قوانین میں پیش ہیں مسودہ ٹریڈ یونین، مسودہ قانون جمعیت

ہم پیشگان قابل ذکر ہیں۔

حیدرآباد میں جو قوانین اسوقت تک منظور ہوچکے ہیں وہ مزدوروں کے حقوق کی حفاظت کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اب جبکہ حیدرآباد میں صنعتی ترقی بڑھ رہی ہے۔ اور حیدرآباد کنسٹرکشن کمپنی کے قیام سے صنعتی شعور میں اضافہ ہورہا اور کئی جدید کارخانے قایم ہورہے ہیں۔ ان مسائل کی طرف توجہ لابدی ہے۔

موجودہ جنگ نے مزدوروں کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ اس جنگ کو صحیح طور پر وسائل اور کارخانوں کی جنگ کہا جاتا ہے۔ وہی ملک میدان جنگ میں سبقت لے جاتا ہے جسکے کارخانے میدان جنگ کیلئے زیادہ سے زیادہ، بمبار، دبابے اور گولہ بارود تیار کریں۔ جنگ کے آغاز کے ساتھ ہی ہر حکومت نے سارے کارخانوں کو مذکورہ بالا اشیا کی تیاری کے لئے ایک وزارت پیداوار کے تحت منظم کردیا۔ جنگ نے کارخانوں کی اہمیت کو ثابت کردیا ہے ہر ایک کارخانہ نے ایک قلعہ کی اور ہر ایک مزدور نے ایک سپاہی کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ چنانچہ ملکوں کی بیروزگاری عارضی طور پر ہی کیوں نہ ہو، بڑی حد تک کم ہوگی۔ مزدوروں کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آج محنت موٹر نشین بن گئی ہے۔ الغرض موجودہ جنگ کو اس کے کامیاب اختتام کو پہنچانے میں مزدور طبقہ کا زبردست حصہ ہے۔ اس لیے یہہ طبقہ اس جنگ کے خاتمہ پر اپنی مصیبتوں کا خاتمہ چاہتا ہے۔ مزدور طبقہ کے مطالبات اس سے بڑھکر کچھ نہیں " کہ پیٹ بھر کھانا، تن بھر کپڑا، رہنے کے لئے مکان بڑھاپے میں معاش کی فکر سے نجات اور بچوں کی تعلیم وصحت کا انتظام۔ ہر حکومت کو ان ہی مطالبات کی روشنی میں مزدوروں کے متعلق پالیسی کو معین کرنا ہوگا۔

چنانچہ مغربی ممالک میں جہاں صنعتی ترقی عروج پر ہے۔ مزدوروں کی اسی اہمیت کو پیش نظر رکھکر ابھی سے ان کے مسائل کو طے کیا جارہا ہے۔ انگلستان میں 'بیورج اسکیم' کی ترتیب کا باعث یہی خیال تھا۔ جنہیں مابعد جنگ کے عہد میں مزدوروں کے لئے سوسائٹی کے اور طبقوں کے ساتھ، سماجی تحفظ کی ضمانت حکومت نے قبول کرلی ہے۔ امریکہ میں بھی ایک 'امریکی بیورج پلان' کی ترتیب زیر غور ہے۔ ہندوستان میں بھی ان ہی مسائل کو سلجھانے کیلئے مسٹر ریگی کی صدارت میں ایک کمیٹی کا تقرر کیا گیا ہے

تاکہ وہ مزدوروں کی اجرت، اوقات کار قانون سازی اور دیگر مسائل کی نسبت رپورٹ پیش کرے توقع کی جاتی ہے کہ اس کمیٹی کی رپورٹ آئندہ ماہ جولائی تک منظر عام پر آجائیگی علاوہ ازیں ایک اور اہم مسئلہ کی نسبت رپورٹ پیش کرنے کے لیے مسٹر اوارکر کو مقرر کیا گیا تھا کہ وہ مزدوروں کے صحت کے بیمہ کی نسبت تدابیر پر غور کریں - انہوں نے اپنی اسکیم حکومت ہند کے پاس پیش کردی ہے۔

حیدرآباد کو بھی مزدوروں کے مسائل کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ مزدور ایک بین الاقوامی قوت بن چکے ہیں۔ حیدرآباد میں جو قوانین اس خصوص میں نافذ ہیں وہ مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے کافی نہیں ہیں۔ اوقات کار میں تبدیلیوں کی سخت ضرورت ہے۔ مزدوروں کی رہائش کا مسئلہ بھی اہم ہے اور ان کے لئے سماجی تحفظ حد درجہ ضروری ہے۔ اس لیے حکومت حیدرآباد کو اس جانب جلد توجہ کرنی چاہیئے۔ جو کمیٹی مسٹر نائک کی صدارت میں مقرر کی گئی ہے اس پر اکتفا کرنا کافی نہیں۔ ایک اچھے معیار رہائش کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ مزدوروں کی اجرت کافی ہو۔ اوقات کار کم ہوں، رہائش اور تعلیم کا انتظام ہو اور بڑھاپے اور حادثات کا تحفظ ہو۔

اب جبکہ حیدرآباد کو مابعد جنگ کے عہد میں صنعتانے کے مسالک کو عملی صورت دینے کی تجاویز زیر غور ہیں مغربی ممالک کے تجربات سے فائدہ اٹھاکر مزدوروں سے متعلق ایک سنجیدہ اور مبنی بر انصاف حکمت عملی پر کام کرنا ضروری ہے۔ حیدرآباد کی صنعتی ترقی اسوقت منظم طریق پر استوار نہیں کیجا سکیگی جب تک کہ مزدوروں کو ان کے حقیقی مطالبات کی بجا آوری کا یقین قانون سازی کے ذریعہ نہ دلایا جائے۔

حیدرآباد میں مزدوروں کے مسائل پیچیدہ ہیں۔ ہندوستان کی طرح یہاں کے کارخانوں کے مزدور دیہی زندگی سے وابستہ نہیں جو زرعی ضروریات کی تکمیل کے لیے کارخانوں میں مزدوری کرتے ہیں۔ حیدرآباد کے معاشی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ آبادی کے ایک قابل لحاظ حصہ کو زمینات سے ہٹاکر صنعتوں میں مشغول کردیا جائے۔ صنعتوں میں ان کے لئے گنجایش فراہم کرنا ہوگا۔

حیدرآباد میں مزدور نہ صرف پیدایش دولت کے عامل کی حیثیت سے اہم ہیں بلکہ صارف کے زاویہ نگاہ سے بھی ملک میں پیدا کردہ اشیا کی نکاسی کے سلسلہ میں

ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ مزدوروں کی قوت خرید میں کمی اور پست معیار رہایش صنعتی ترقی پر تحدید عاید کرائیگا۔ اس لیے مزدوروں کے مطالبات کو پورا کرنے کی سعی ضروری ہے۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ اس وقت حیدرآباد کے (۶۵۰) کارخانوں میں (۵۰۰۰) مزدور کام کر رہے ہیں ان کے مفاد کا تحفظ ضروری ہے۔ دیگر اصلاحی قوانین کے علاوہ ایک پراوڈنٹ فنڈ کا قیام ضروری ہے۔ آجروں کی طرف سے جو سہولتیں انکو فراہم کی گئی ہیں وہ ناکافی ہیں۔

مختصر یہ کہ ان سارے قوانین سے فائدہ اٹھانا چاہیئے جو مختلف ممالک میں مزدوروں کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھ کر منظور کیئے گئے ہیں۔ فقط

رپورٹ معاشی کمیٹی بابتہ سنہ ۱۳۵۳ف

معاشی کمیٹی انجمن طیلسانیین عثمانیہ کی مجلس عاملہ بابتہ ۱۳۵۴ف کے لیے حسب ذیل اصحاب کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔

صدر ۔ مولوی یوسف علی صاحب

نائب صدر ۔ مولوی مشتاق احمد خاں صاحب

معتمد ۔ مولوی خواجہ حمید احمد صاحب

شریک معتمد ۔ مولوی ریاض احمد صاحب

خازن ۔ مولوی عباس حسین صاحب رضوی

اراکین

(۱) نواب میر اکبر علی خاں صاحب

(۲) عارف الدین صاحب

(۳) میر احمد علیخاں صاحب

(۴) مولوی شرف الدین صاحب

(۵) جناب لچھمی نارائن صاحب گپتا (سابق صدر معاشی کمیٹی)

انجمن طیلسانین عثمانیہ کی جانب سے حسب ذیل اراکین کی نامزدگی عمل میں آئی۔

(۱) مولوی محمد غوث صاحب (۲) جناب شنکرجی صاحب (۳) مولوی عبدالروف صاحب (۴) خواجہ محمد واسع صاحب۔

محکمہ تعلیم صنعت و حرفت کی جانب سے مولوی صابر علی صاحب ہاشمی کو نامزد کیا گیا۔ مولوی یوسف علی صاحب نے بعض وجوہ کی بنا پر صدارت سے سبکدوشی کی خواہش ظاہر کی۔ بنا برآں راجہ گرداس صاحب بہ اتفاق آرا صدر معاشی کمیٹی مقرر ہوئے۔

جناب محمد غوث صاحب کلکتہ تشریف لیجانے کی وجہ سے ان کی جگہ جناب مولوی

فیاض حسین صاحب کو رکن عاملہ نامزد کیا گیا۔

معاشی کمیٹی کی جانب سے مجلس نمایش کی مجلس عاملہ کے لیے حسب ذیل اصحاب کی نمایندگی عمل میں آئی۔

(۱) مولوی عبدالرؤف صاحب

(۲) مولوی محمد مشتاق احمد خاں صاحب

(۳) مولوی خواجہ حمید احمد صاحب

چھٹی نمایش مصنوعات ملکی حسب عملدرآمد نمایش مصنوعات ملکی کے تمام انتظامات مجلس نمایش کی جانب سے عمل میں آئے۔ یہ چھٹی نمایش گذشتہ سنین کی نمایشوں کے مقابلے میں ہر لحاظ سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی۔ چار سو کے قریب اسٹال اس نمایش میں قایم ہوئے۔ حضرت جلالت الملک نے بہ نفس نفیس اس کا افتتاح فرمایا۔ نمایش کی تمام تفصیلات مجلس نمایش کی جانب سے تحفہ نمایش اور دنیائے نمایش میں شایع کیجا کر اہل ملک کی خدمت میں پیش ہو چکی ہیں۔

قیام دفتر اس نمایش کی سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت جلالت الملک نے باغ عامہ کا جنوبی حصہ مستقلاً نمایش گاہ کیلئے مرحمت فرما دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ معاشی کمیٹی اور انجمن طیلسانین عثمانیہ کے لئے دفاتر بھی ایک جگہ مستقل ہوگئے اور عثمانیین کے اس زبردست ادارہ کے مختلف شعبہ اور مشاغل کو بہ احسن وجوہ چلانے کے لئے کافی سہولت پیدا ہوگئی۔

انعقاد چھٹی معاشی کانفرنس بحمداللہ چھٹی معاشی کانفرنس ممالک محروسہ سرکار عالی سابقہ روایات کے مطابق معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین عثمانیہ کے زیر اہتمام بتاریخ ۱۳ر۱۴ر۱۵ ار بہمن ۱۳۵۳ ف باغ عام میں بدوران نمایش مصنوعات ملکی نہایت اہتمام و کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئی۔

سنین ماضیہ کے مقابل یہ کانفرنس کئی لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے کانفرنس کی قرارداد عقیدت کی پیشکش پر بہ دوران کانفرنس ہی پروانہ خوشنودی شاہانہ عطا ہوا اور حضرت والاشان ولیعہد بہادر پرنس آف برار دام اقبالہ کا جو افتتاحیہ پیام گرامی سرفراز ہوا۔ اس سے نے معاشی کمیٹی اور معاشی کانفرنس کو وہ درجہ عطا کیا جہاں سے

صحیح طور پر اہل ملک کی رہبری کی جاسکتی ہے اور اس عبوری دور میں ہر جہتی ترقی کے لئے معاشی جدوجہد کا زبردست اقدام کیا جاسکتا ہے۔ پیام گرامی کو اس جگہ زیب قرطاس کرنا ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے۔

پیام گرامی حضرت والا شان ولیعہد بہادر دام اقبالہ

"کسی ملک کی حقیقی ترقی معشیت کی صحیح تنظیم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور اس تعمیری کام میں معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین عثمانیہ کی مساعی قابل ستائش اور ممالک محروسہ کی خوشحالی اور عام ترقی کی ضامن ہیں نامساعد حالات حاضرہ کے باوجود معاشی کمیٹی کی کوشش استحکام واستقامت کا باعث ہیں اور میری دلی تمنا ہے کہ یہ کانفرنس کا آج افتتاح ہوا ہے شاہ جم جاہ کے سایہ عاطفت میں ہر طرح کامیاب ہو۔"

معاشی کانفرنس میں مقالات اور تقاریر کے لیے مندرجہ ذیل مباحث منتخب کئے گئے تھے۔

۱۔ تنظیم مابعد جنگ میں حیدرآباد کا معاشی موقف۔
۲۔ حیدرآباد میں فراہمی اغذیہ کا مسئلہ۔
۳۔ حیدرآباد میں بنک کاری کی ترقی کے مسائل۔
۴۔ صنعتی فروغ میں حکومت کی امداد۔
۵۔ حیدرآباد کی معاشی تعمیر میں امداد باہمی کا حصہ۔

کانفرنس کے اخراجات کے لیے مبلغ (۶۰۰) روپیہ سکہ عثمانیہ کی منظوری دی گئی۔

اجلاس اول کی صدارت عالیجناب رائے گرو داس صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی صدر معاشی کمیٹی نے فرمائی حمد باری تعالیٰ سے آغاز کیا گیا۔ جناب نواب میر اکبر علی خاں صاحب نے حضرت والا شان ولیعہد بہادر دام اقبالہ کے پیام گرامی کے پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ جناب راجہ رائے گرو داس صاحب نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا اور خواجہ حمید احمد صاحب معتمد معاشی کمیٹی نے معاشی کمیٹی کی سنہ ۱۳۵۲ف کی رپورٹ پڑھی۔

اجلاس دوم کی صدارت عالیجناب ڈاکٹر انور اقبال قریشی صاحب صدر شعبہ معاشیات کلیہ جامعہ عثمانیہ نے فرمائی۔ جس میں "تنظیم مابعد جنگ میں حیدرآباد کا معاشی موقف" کے مسائل پر تقاریر و مباحث ہوے اور آخر میں ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی نے اس موضوع پر اپنا بصیرت افروز خطبہ صدارت پڑھا۔

اجلاس سوم کی صدارت عالیجناب کیشو رآئنگا صاحب پروفیسر معاشیات نظام کالج نے فرمائی۔ جس میں "حیدرآباد میں بنک کاری کی ترقی" اور "حیدرآباد کی معاشی تعمیر میں امداد باہمی کا حصہ" کے مسائل کی بابت تقاریر و مباحث ہوئے اور جناب کیشو آئنگار صاحب نے ہر دو موضوعات کے متعلق اپنے خطبہ صدارت میں کافی روشنی ڈالی۔

اجلاس چہارم کی صدارت عالیجناب مولوی سید عارف الدین صاحب سابق معتمد تعمیرات نے فرمائی جس میں "حیدرآباد میں فراہمی اغذیہ کا مسئلہ" اور "صنعتی فروغ میں حکومت کی امداد" سے متعلق تقاریر و مباحث ہوئے۔ اور جناب مولوی سید عارف الدین صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں ان مسائل کی بابت اپنے بیش بہا خیالات کا اظہار کرتے ہوے بہت سی عملی تجاویز اہل ملک کے سامنے پیش کیں۔

اس کانفرنس میں دس تحریکات منظور ہوئیں۔ جو متعلقہ محکمہ جات اور ادارہ جات میں بغرض کارروائی روانہ کی گئیں۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ معاشی کانفرنس کی جانب سے مختلف اوقات میں جو تحریکات پیش ہوئیں وہ تعمیری نقطہ نظر سے ملک کے معاشی مسائل کو سلجھانے اور ملک کی معاشی ترقی کو آگے بڑھانے میں بہت ممد و معاون ثابت ہوسکیں گی۔ چنانچہ اکثر ایسی تحریکات کے نتائج اس وقت اہل ملک کے سامنے ہیں۔ جس میں اغذیہ محکمہ رسد راتب بندی تنظیم مابعد جنگ کی کمیٹیاں اور زرعی کالج کا قیام اور معدنی اجاروں کی واپسی کی تجاویز بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

نکاسی مصنوعات ملکی ملکی مصنوعات کی نکاسی کے سلسلہ میں جو ارشادات شاہانہ سرفراز ہوے ان کی تعمیل میں مجلس نمایش کی جانب سے دوران نمایش میں مظاہرین نمایش سے ضروری مواد کی فراہمی کا کام شروع کردیا گیا تھا۔ معاشی کمیٹی نے یہ بھی تصفیہ کیا کہ مجلس نمایش کے اشتراک عمل سے مصنوعات ملکی کی نکاسی کے لیے ایک

ایسی اسکیم مرتب کی جائے جس کے تحت ملک کی مصنوعات کو خاطر خواہ فروغ ہو۔ چنانچہ اس کام کے لئے جو ذیلی کمیٹی جناب مولوی محمد فاروق صاحب جناب مولوی محمد علی صاحب موسوی جناب مولوی شرف الدین صاحب جناب شنکرجی صاحب جناب پریم جی صاحب اور خواجہ حمید احمد صاحب پر مشتمل ہے مجلس نمایش کی جانب سے منعقد کی گئی تھی۔ اس نے ایک مشترکہ سرمایہ دار کمپنی کے قواعد مرتب کرکے پیش کردیے ہیں۔ اور اس ضمن میں بعض تفصیلی تجاویز عنقریب حکومت کے سامنے پیش کی جانے والی ہیں۔

گھریلو صنعتوں سے متعلق مولوی سید عارف الدین صاحب کی تجاویز

مولوی سید عارف الدین صاحب نے گھریلو صنعتوں کے فروغ کے سلسلہ میں اپنی چند تجاویز معاشی کمیٹی میں پیش فرمائی تھیں جن کے سلسلہ میں معاشی کمیٹی اور مجلس نمایش کے مشترکہ جلسے منعقد ہوے اور ان میں کامل غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تدابیر فوراً شروع کردی جائیں اور اولاً صنعت کھائی اور کتائی کی بابت فنی تحقیقات کی جائے۔ اس سلسلہ میں سررشتہ تجارت و حرفت نے جو مواد جمع کیا ہے اس سے بھی استفادہ کیا جائے نیز پارچہ بافوں کی معاشی اصلاح کی بابت بھی تجاویز پیش کی جائیں اس کام کے لیے حکومت سرکار عالی سے مبلغ دس ہزار روپیہ کی امداد کی درخواست کی جائے۔ اس ضمن میں یہ بھی طے پایا کہ معاشی کمیٹی کے اراکین کے علاوہ ملک کے دیگر اہل الرائے اور فنی حضرات سے بھی ضروری تجاویز حاصل کی جائیں۔

زرعی انجمن کے قواعد

۱۳۵۲ف میں زرعی انجمن کے جو قواعد مرتب کئے جاکر پیش ہوے تھے ان میں مزید ترمیمات ضروری سمجھی گئیں چنانچہ اس کام کے لئے ایک ذیلی کمیٹی۔ مولوی میر احمد علی خاں صاحب اور مولوی شرف الدین صاحب اور خواجہ حمید احمد صاحب پر مشتمل مقرر کی گئی اور یہ طے پایا کہ ایسے قواعد مرتب کئے جائیں جس کے تحت حسب ذیل دو علیحدہ اغراض کی تکمیل ہوسکے۔

(۱) کاشتکاروں اور اہل ملک کو زراعت سے متعلق صحیح مواد فراہم کیا جائے۔

(۲) امداد باہمی کے اصول پر زراعت کی جائے اور اس کے لیے بذریعہ حصص سرمایہ فراہم کیا جائے۔

ختم سال کے وقت یہ قواعد تقریباً مکمل ہو گئے تھے مگر نمایش کی مصروفیت کی وجہ سے تکمیل نہ ہو سکی توقع ہے کہ انشاءاللہ آئندہ ماہ تک یہ مجلس عاملہ میں پیش کر دیے جائیں گے۔

معاشی کتب خانہ معاشی کتب خانہ میں سال رواں کی اہم معاشی کتابوں کا اضافہ کیا گیا اور اس کے لیے مستقل عمارت اور فرنیچر کی تجاویز زیر غور ہیں۔

تنظیم دیہی کے مسائل پر تحقیقات اور سروے اسکیم کی تجاویز عالیجناب صدر المہام بہادر فینانس کے خطبہ صدارت کے ارشادات کی تعمیل میں تنظیم دیہی کے مسائل پر تحقیقات کے لیے ایک اسکیم حکومت کے ملاحظہ میں پیش کی گئی تھی لیکن متعلقہ سررشتہ جات سے اس میں خاطر خواہ تعاون حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہوئی اور اس کے لیے از سر نو مہم شروع کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

سرکاری امداد کا مسئلہ معاشی کمیٹی کو سررشتہ تعلیم صنعت و حرفت سے دو ہزار سالانہ کی امداد مل رہی تھی۔ لیکن اس کی تجدید کی کارروائی کارگر نہ ہو سکی اور ارباب حکومت کی خدمت میں ایک نئی تحریک کی ضرورت داعی ہوئی ہے۔

مرحوم اراکین کمیٹی دوران سال میں نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی اچانک موت جہاں اہل ملک کے لیے ایک زبردست سانحہ تھا معاشی کمیٹی کے لیے یہ واقعہ سانحہ اس وجہ سے بھی ناقابل تلافی ہے کہ موصوف کو معاشی کمیٹی کی سرگرمیوں سے گہری دلچسپی تھی۔

دوران سال میں مولوی خلیل اللہ صاحب کا انتقال اسی سال کے دوران میں مولوی خلیل اللہ صاحب مرحوم کا انتقال معاشی کمیٹی کے لیے ایک سانحہ ہے موصوف کو معاشی کمیٹی کے زرعی مسائل سے خاص تعلق تھا۔

جدید اراکین معاشی کمیٹی کے لئے جدید اراکین کی نامزدگی عمل میں آئی اور دوران سال میں تقریباً چالیس اراکین کا مزید اضافہ ہوا۔ جس میں عالیجناب نواب زین یار جنگ بہادر کا اسم گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہے موصوف نے نہ صرف معاشی کمیٹی کی رکنیت کو قبول فرمایا بلکہ مجلس نمایش کی رکنیت بھی قبول فرمائی اور سالانہ انتخابات میں

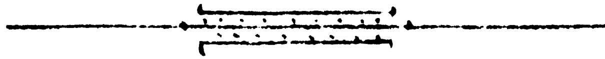
موصوف مجلس نمایش کے صدر مقرر ہوئے ۔

ساتویں معاشی کانفرنس	۱۳۵۳ ف میں ساتویں معاشی کانفرنس کے لیے ایک ذیلی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے سپرد اسی کانفرنس کو مزید کامیاب بنانے

کی تدابیر اختیار کرنے کا کام کیا گیا ۔

مجلس عاملہ کے اجلاس	مجلس عاملہ کے متعدد اجلاس منعقد ہوئے جن میں مختلف معاشی تجاویز کے علاوہ انتظامی امور پر غور کیا گیا ۔

یہ معاشی کمیٹی کی ایک سرسری کارگذاری ہے اہل ملک سے اس کے آئندہ کاموں میں بھی اسی طرح کامل تعاون عمل کی توقع ہے تاکہ ملک کی ہر جہتی ترقی تیز تر ہو جائے ۔



ساتویں نمائش مصنوعات مملکت آصفیہ میں وروو خسروی

از جناب شرف الدین صاحب بی۔اے (عثمانیہ) معتمد مجلس نمائش

افتتاح نمائش یکم ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ ۔ صبح دس بجے سواری شاہانہ کی رونق افروزی پر نواب زین یار جنگ بہادر صدر مجلس نمائش اور اراکین عاملہ و مجلس مشاورت نے استقبال کی عزت حاصل کی حضرت والاشان شہزادہ نواب اعظم جاہ بہادر پرنس آف برار نے بھی سلام عرض کیا فوجی بیانڈ نے قومی ترانہ سے سامعہ نوازی شروع کی باب الداخلہ پر حیدرآباد بائے اسکوٹس نے سلامی دی۔

اس کے بعد حضرت اقدس اعلیٰ آراستہ شامیانہ میں تشریف فرما ہوے۔ میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر نے سپاسنامہ پڑھے جانے کی اجازت حاصل کی اور نواب زین یار جنگ بہادر صدر مجلس نمائش نے سپاسنامہ پڑھنے اور پیش کرنے کا افتخار حاصل کیا نواب صاحب نے حضرت اقدس و اعلیٰ کے حضور میں نقرئی کاسکٹ گزرانا اسکو کلید صنعت و حرفت کے نام سے موسوم کیا گیا تھا اس کے بعد حضرت اقدس و اعلیٰ نے جواب شاہانہ ارشاد فرمایا۔ جس کو تمام حاضرین نے استادہ ہوکر بہ ادب تمام سماعت کیا۔ بعدازاں سرپور گیٹ کے پاس رائے گروداس صاحب نائب صدر اور شرف الدین اعزازی معتمد مجلس نمائش نے حضرت اقدس اعلیٰ کے حضور میں نقرئی قینچی گذراننے کی عزت حاصل کی۔ حضرت اقدس و اعلیٰ نے زردفیتہ کو قینچی سے قطع فرماتے ہوے نمائش کا افتتاح فرمایا۔ نوبت ورد شن چوکی نے افتتاح نمائش کا اعلان کیا۔

بعدازاں نمائش کلب میں چائے نوشی فرمائی گئی۔ مسز سروجنی نائیڈو کو اپنے قریب کے صوفہ پر تشریف رکھنے کا اشارہ فرمایا اور شرف تکلم بخشا۔ نمائش کے انتظامات اور اسکی ترقی کے متعلق اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

چائے نوشی کے بعد تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مراجعت شاہانہ عمل میں آئی۔

۲۹ ذی الحجہ کی تشریف آوری ۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ کو آخری یوم خواتین مقرر تھا۔ تقریباً ۲۵ ہزار خواتین جمع ہوئی تھیں ان کی واپسی اور دیگر انتظامات کے برخاست ہونے تک رات کے دو بج چکے تھے۔ اس لئے احاطہ نمائش میں برقی روشنی کھلی رکھی گئی تاکہ انتظامات ورود شاہانہ کے سلسلہ میں صفائی اور آرائش کا خاطر خواہ بندوبست ہوسکے چنانچہ صبح (۹) بجے تک ہر چیز مکمل حالت میں تھی۔

صبح ۹ بجے سے اراکین مجلس مشاورتی اور عہدہ داران سررشتہ جات سرکاری جمع ہونے لگے (۱۰) بجے سرپور گیٹ پر نواب زین یار جنگ بہادر صدر اراکین مجلس عاملہ، اراکین مجلس مشاورتی ایک جانب استادہ ہوگئے۔ دوسری طرف مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ نامپلی کے کشاف سلامی ادا کرنے کے لئے استادہ اور تیار تھے۔ (۱۰½) بجے والاشان حضرت ولیعہد شاہزادہ برار دام اقبالہٗ رونق افروز ہوئے۔ بہ صد ادب اس موقع پر یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ والاشان حضرت شاہزادہ برار دام اقبالہ چونکہ افواج آصفیہ سرکار عالی کے سپہ سالار اعظم بھی ہیں اور نمائش میں سررشتہ افواج سرکار عالی کا اسٹال بھی قایم رہتا ہے اس لئے گویا حضرت موصوف اس موقع پر کارکنان نمائش مالکان اسٹال اور دیگر سررشتوں کے نظماء وغیرہ کے ساتھ سررشتہ فوج کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے حضرت شہریار دکن مدظلہم العالی کے استقبال کے لئے تشریف فرما ہوئے تھے۔ سال حال حضرت والاشان نے نمائش کا مکمل معائنہ فرماکر صناعان دکن کو اپنا گرویدہ کرلیا۔ سرپور گیٹ کے منظر کو بہتر کرنیکے لئے بھی حضرت والاشان نے چند قیمتی مشوروں سے ممنون فرمایا۔ اور ہر وقت شفقت و ہمت افزائی اور نوازش سے کارکنان نمائش کو مرہون احسان بنایا۔

ٹھیک گیارہ بجے سیٹیوں کی گونج میں حضرت آقائے ولی نعمت تشریف فرما ہوے۔ حضار نے آداب بجالانے کی عزت حاصل کی۔ کشافوں کے بیانڈ نے سلامی دی۔ جسے قبول فرمایا گیا۔ اس کے بعد قدوم شاہانہ متوجہ نمائش ہوے۔ اولاً وار اسٹال ملاحظہ ہوا جہاں مولوی مرزا نجف علی خاں صاحب ناظم سررشتہ موجود تھے۔ پھر بائیں طرف کے اسٹال مثلاً سررشتہ آثار قدیمہ، تاراچند۔ جیون ٹکسٹائل ملز، یم یس ملز، بی۔ ڈبلیو ملز، بشیر سلک فیاکٹری، اورنگ آباد ہمرو فیاکٹری۔ اورنگ آباد سلک ملز، عبداللہ اینڈ برادرس اورنگ آباد، ہمرو گھر، بھادر انگ، ہوم انڈسٹریز ملاحظہ فرمانے کے بعد تجارت گاہ

مصنوعات دکن کا اسٹال ملاحظہ ہوا اور اس کے بعد مرکز مصنوعات ملکی میں قدم رنجہ فرمائی ہوئی کہ جسے مصنوعات ملکی کی نکاسی کے سوا ان غریب صناعوں کے مال کے فروخت کی خاطر قایم کیا گیا ہے جو اپنا ذاتی اسٹال قایم نہیں کرسکتے۔ آقائے ولی نعمت کو ہمیشہ سے اس قسم کے اسٹال سے دلچسپی رہی ہے چنانچہ اس مرتبہ بھی اسٹال کے اندر تشریف فرمائی ہوئی۔ مختلف مصنوعات کی بابتہ دریافت فرمایا گیا۔ نیز چند تصاویر جو نیک سنگھ صاحب کی تیار کردہ تھیں۔ غائر نظر سے ملاحظہ ہوئیں۔ اس اسٹال سے وایسی پر فائن ہوزیری ملز کا اسٹال ملاحظہ ہوا جسے نواب سالار جنگ بہادر کی صدارت میں ایک مشترکہ سرمائے کی کمپنی میں سال حال بدل دیا گیا ہے۔ اس کمپنی میں جو پائتابے اور سوئٹر وغیرہ تیار ہوتے ہیں اور جنگی اغراض کے لیے جو سامان تیار ہوتا ہے اس کو ملاحظہ فرمایا گیا اور از راہ نوازش اظہار مسرت بھی فرمایا۔ کہ یہ ساری مصنوعات اب ملک میں تیار ہونے لگی ہیں۔ اس سے آگے احاطۂ پارچہ بافی کے باب الداخلہ کے پاس احاطے کے اندرونی (۲۵) اسٹالوں کی بابتہ اجمالاً معروضہ کیا گیا۔ پھر متصلہ اسٹال تلجا بائی سنگا ریڈی سلک میوزیم دیکھے گئے۔ نیز مدارس اسلامیہ کی مصنوعات ملاحظہ ہوئیں۔ اس کے بعد سررشتہ ریلوے کے اسٹال کے متعلق گوشگذار کیا گیا کہ اس اسٹال میں ایک پارسل آفس قایم ہے کہ جس کے ذریعہ اضلاع کے سب صناعوں کے مال کی حمل و نقل عمل میں آتی ہے نیز ایک کلوک روم بھی ہے جہاں لوگ نمایش سے مال خریدنے کے بعد اس کو وہاں محفوظ کرا دیتے اور گھر واپس ہوتے وقت اسکو ساتھ لیجاتے ہیں اس اسٹال میں جو فلم دکھائے جا رہے تھے ان کی بابتہ بھی گذارش کیگئی۔ اس کے محاذی ڈبو نیر اسٹال کے فرنیچر کو ملاحظہ فرمایا گیا۔ جہاں جدید وضع کا بہترین فرنیچر تیار ہو رہا ہے۔ ایک ڈنر کا میز بھی ملاحظہ ہوا دوہرے پلنگ بھی ملاحظہ ہوے کام کی نفاست وغیرہ کو ملاحظہ فرمانے کے بعد یہ ارشاد ہوا کہ میرا رجحان قدیم نمونوں کی طرف زیادہ ہے اسلیئے یہ فرنیچر مجھے کچھ زیادہ دلکش نہیں معلوم ہوتا البتہ ڈنر کھانے کا میز اچھا ہے۔ اس سے آگے سررشتہ سکیات، سررشتہ جنگلات، سررشتہ اے آر پی اور سررشتہ راتب بندی کے اسٹال جس حلقہ میں قایم تھے اس پر نظر توجہ مبذول ہوئی سررشتہ سکیات کی بابتہ استفسار فرمایا گیا۔ سررشتہ اے آر پی کی امبولنس موٹر کے متعلق بھی

دریافت فرمایا گیا۔ اسی ضمن میں سررشتۂ راتب بندی کے جواز باجرا رسٹورنٹ کے کھانوں کے متعلق بھی عرض کیا گیا۔ یہاں سے سواری شاہانہ مدارس پست اقوام کے اسٹال پر متوجہ ہوئی جہاں پست اقوام کے طلبا مختلف ہنر سیکھنے میں اور اس کا مظاہرہ کرنے میں مصروف تھے۔ ان کی تیار کردہ مصنوعات بھی ملاحظہ ہوئیں مدرسۂ مشقی تعلیم المعلمین کے اسٹال پر بھی نظر توجہ مبذول رہی۔ مدرسہ عثمانیہ صنعت و حرفت نامپلی کے اسٹال کے پاس عرض کیا گیا کہ یہ دور عثمانی کا سب سے قدیمی مدرسۂ صنعت و حرفت ہے۔ بانی مدرسہ کے فرزندوں نے ڈیبونیر کا کارخانہ قایم کیا ہے۔ اس سے آگے انجمن خادم المسلمین کے یتیم خانے کی مصنوعات نیز اس انجمن کے قایم کردہ مدرسۂ زراعت نظام آباد کی پیداوار کے نمونے ملاحظہ ہوے اور فرنیچر کی وضع قطع پسند فرمائی گئی۔ مظاہرہ تعلیم اطفال کے اسٹال سے آگے تام چینی کے برتنوں کا اسٹال دکن پورسلین اینڈ انامل ورکس ملاحظہ ہوا۔ اور یہ امر گوش گذار کیا گیا کہ اس سال کی نمایش میں یہ نئی صنعت اہل ملک میں خوب مقبول رہی۔ اس سے آگے دکن ہیاٹ ورکس کی تیار کردہ ہیاٹ جو انگریزی کارخانوں کا بڑی عمدگی سے مقابلہ کر رہی ہے اور نمونے میں بھی اچھی ہے۔ نیز وہ دستاریں بھی ملاحظہ ہوئیں، جو بھینٹ سے بنتی ہے اور وزن میں بڑی ہلکی ہے۔ نیز اس کے اندرونی جانب استر اور چرمی پٹی بھی ہوتی ہے۔ بعد ملاحظہ ان کی بابتہ بہت خوب فرما کر مالک کارخانہ کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اس کے بعد یتیم خانۂ انیس الغربا کے نابینا لڑکوں کی خواندگی کا مظاہرہ ملاحظہ ہوا۔ بعض دوسرے نابینا لڑکوں نے بیت بازی کا مظاہرہ کیا۔ معتمد صاحب یتیم خانہ نے یہ واضح کیا کہ کس طرح انگلیوں سے ابھرے ہوئے حروف کو محسوس کرتے ہوے حروف شناسی کیجاتی ہے۔ اس طریقے کو حضرت سلطان العلوم مدظلہم العالی نے بہت ہی پسند فرمایا۔

اس سے متصل صدیق موٹر ورکس کے مالک غلام محمد صاحب کی بنائی ہوئی فولادی کلہاڑی۔ لیسٹن رنگ وغیرہ کا معائنہ ہوا اور یہ عرض کیا گیا کہ ہزاکسلنسی والسرائے بہادر کو بھی ایک فولادی کلہاڑی گذرانی گئی تھی اور اسے مقامی فیر برگیڈ کو فراہم کیا گیا تھا۔ سررشتہ صنعت و حرفت کے اسٹال پر مولوی حبیب الرحمن صاحب ناظم سررشتہ نے آداب بجالانے کی عزت حاصل کی مختلف مصنوعات ملاحظہ ہوئیں۔

نیز قالین بافی اور ہمرو بافی کے مظاہرات ملاحظہ ہوئے۔

اس کے بعد ذات شاہانہ سرکاری سررشتوں اور مقامی اداروں کے احاطہ کی جانب متوجہ ہوئے فائر برگیڈ کے اسٹال پر دالسرائے بہادر لارڈ ویول کا ایک مقولہ لکھا ہوا تھا اس کی عبارت حضور نے قرات فرمائی۔ مسٹر سعید انچارج اسٹال فائر برگیڈ کی بابت دریافت فرمایا کہ فائر برگیڈ میں کب سے ملازم ہوئے۔ اس سے آگے غوث یار جنگ بہادر اپنے سررشتہ طبابت یونانی کے اسٹال پر اپنے کارکنوں کے ساتھ استادہ تھے اور حضرت اقدس و اعلیٰ جب ان کے اسٹال پر متوجہ ہوئے تو ان سب نے آداب عرض کیا۔ غوث یار جنگ بہادر نے اس کے بعد اپنے اسٹال کی بابت عرض کیا کہ وہاں ایک طرف ادویات کے نمونے جمع ہیں تو دوسری طرف وہ جڑی بوٹیاں بھی ہیں جن کو ادویات کی تیاری کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ طب یونانی پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں خواہ قلمی ہوں یا مطبوعہ ان کو بھی اسٹال پر یکجا کیا گیا ہے۔ دواؤں کی تیاری کے آلات بھی شریک اسٹال ہیں۔ نیز سررشتہ طبابت یونانی کی ابتداء اور ترقی سے متعلقہ اعداد و شمار بھی یکجا کئے گئے ہیں۔ حضور اقدس و اعلیٰ نے اس کی سماعت فرمانے کے بعد سررشتہ طبابت و صحت عامہ کا اسٹال ملاحظہ فرمایا۔ کرنل واگھرے نے اس چارٹ کی جو گھومتے ہوئے چکر کی شکل میں بنایا گیا ہے توضیح کی کہ کس طرح اضلاع سرکار عالی کے اعداد کو اس طرح دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سے آگے انجمن امداد باہمی بلا سودی سررشتہ بندوبست ولینڈ ریکارڈ کے اسٹال کی بابت حضرت اقدس و اعلیٰ نے یہ سماعت فرمایا کہ یہ انجمن ۱۳۳۲ف سے قائم ہے اور اب ایک لاکھ ۱۹ ہزار کا سرمایہ استعمال کر رہی ہے اسکی بلا سودی نوعیت سارے ہندوستان و ایشیا میں عدیم المثال ہے۔ حتیٰ کہ عراق و مصر سے اس کے متعلق استفسارات ہو رہے ہیں اس سے آگے حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کا اسٹال تھا کہ جس نے دور عثمانی میں تعلیمی ترقی کے لئے یادگار خدمات انجام دی ہیں اور جس کے سرمایہ وظائف سے سینکڑوں ہونہار طلباء نے اپنی تحصیل علمی کی تکمیل کر کے سماج میں اپنے لئے جگہ پیدا کر لی۔ مجلس قیام امن اور بلدیہ حیدرآباد کے اسٹال اس کے بعد ملاحظہ ہوئے عامل بلدیہ رائے ہربنس چند صاحب نے آداب بجالانے کی عزت حاصل کی۔ سررشتہ علاج حیوانات کا اسٹال اس کے متصل تھا۔ انجمن ترک مسکرات کے اسٹال کے بعد سررشتہ آبکاری کا اسٹال تھا جہاں

میر موسی خانصاحب نائب ناظم آبکاری نے آداب بجالانے کی عزت حاصل کی ۔ آرائش اضلاع کے اسٹال کی بابتہ بھی تفصیلات عرض ہوئیں ۔ شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ کے اسٹال پر ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب ناظم موجود تھے اس کے بعد سررشتۂ بندوبست ولیانڈ ریکارڈ کا اسٹال تھا جہاں غوث محی الدین صاحب ناظم سررشتہ نے اپنے اسٹال کی تفصیلات گوش گزار کیں سررشتۂ تعمیرات کے اسٹال پر رائے لوکندر بہادر صاحب صدر مہتمم تعمیرات نے آداب بجالانے کی عزت حاصل کی ۔ سررشتۂ طباعت کے اسٹال پر جدید عثمانیہ ٹائپ کے نمونے ملاحظہ عالی میں مسٹر ہلے ناظم سررشتہ نے گذارنے اور یہ توضیح کی کہ اس سے اردو طباعت کے کام میں بے اندازہ سہولت ممکن ہو چکی ہے ۔ سررشتۂ معدنیات کے اسٹال پر بعض نمونے ملاحظہ ہوئے ۔

اس سے آگے سررشتۂ تعلیم صنعت و حرفت کے ماتحت مدارس صنعتی و مرکزی مدرسۂ فنون لطیفہ پر سید محمد جعفر صاحب پرنسپل مسعود احمد صاحب وائس پرنسپل اور مسز طیبہ باقر علی نے عزت استقبال حاصل کی ۔ ہر ہر مدرسے کی مختلف دستکاری کے نمونوں کو ملاحظے میں پیش کیا گیا ۔ اس کے بعد سررشتۂ نشریات لاسلکی کے اسٹال میں داخلہ پر جو گھنٹی بجتی ہے اور روشنی ہوتی ہے اس کے مظاہرے کو ملاحظہ فرمایا گیا کہ کس طرح فوراً سے اندر آنے والے کے متعلق اطلاع ہو جاتی ہے ۔ وہاں سے آگے عثمانین کے تالیفات و تراجم کے اسٹال پر جلوہ افروزی ہوئی ۔ شرف الدین صاحب اعزازی معتمد مجلس نمائش نے سال حال کی مطبوعاتِ مجلس نمائش یعنی تحفہ نمائش (وقائع تشریفات شاہانہ) دنیائے نمائش اور "عثمانین کے تالیف و تراجم" کو بطور نذر پیش کیا اور انہیں قبول فرمایا گیا ۔ اسٹال کے اندر بھی قدم رنجہ فرمائی ہوئی ۔ سیف بن سلطان صاحب القعیطی نے رباعیات عمر خیام کا عربی میں ترجمہ کیا ہے اسے ملاحظہ فرمایا گیا اس اسٹال میں ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ، ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زور ، ڈاکٹر میر سیادت علی خانصاحب ، ڈاکٹر سید حسین صاحب عبدالمجید صاحب صدیقی ضیاء الدین صاحب انصاری اور دیگر عثمانین کے قلمی کاوشوں کو بنظر استحسان ملاحظہ فرمایا گیا اس اسٹال میں (۲۶۸) عثمانین کے تالیف و تراجم جمع کئے گئے تھے جنکی تعداد (۵۷۴) تھی ۔

اس سے آگے سررشتۂ ٹیہ کا اسٹال تھا ۔ صمصام الدین حیدر صاحب نے اس کا معائنہ کرایا اور اس نقشے کا تذکرہ کیا جس میں ملک سرکارِ عالی کے ٹیہ خانوں کا محل وقوع دکھایا گیا

ہے نیز جو عارضی ٹیپہ خانہ قائم تھا اس کے کام اور اسکیم قومی وثاقی لیس اندازی کی توضیح کی۔ ادارۂ تربیت جنسی کے اسٹال کے بازو کلیہ تعلیم ورزش جسمانی کا اسٹال تفصیل سے ملاحظہ ہوا۔ پروفیسر ویبر نے اس اسٹال کے متعلق توضیح کی اور یہ عرض کیا کہ یہاں پر سینکڑوں مردوں عورتوں کا طبی معائنہ ہوتا ہے اور ان کو اپنی صحت برقرار رکھنے کے لئے مفید اور ضروری ورزشوں کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ پروفیسر ویبر نے اہل حیدرآباد کے وزن اٹھانے اور اچھے ششش کے جو ریکارڈ قائم کئے ہیں اس کی بھی توضیح کی نیز اپنے کالج کے معلمین کی ریاست میسور میں مانگ کا تذکرہ کیا۔ فوجی رجمنٹوں کی صحت مالش وغیرہ سے جس طرح عود کر سکی اس کو بھی واضح کیا حضرت اقدس واعلیٰ نے پروفیسر ویبر کے امریکی ہونے کو ان کے لب ولہجے کے مدنظر نوٹ فرمایا۔ ان کے دستار استعمال کرنیکی عقیدتمندی کو پسند فرمایا اور کارکنان نمائش کے اس معروضے کو قبول فرمایا کہ باغ عامہ کے احاطے ہی میں پروفیسر ویبر اور ان کے ساتھیوں کو اپنی نہج کی رفاہی خدمت کا موقع دیا جائے۔ نواب زین یار جنگ بہادر نے اسی ضمن میں یہ توضیح کی کہ پروفیسر ویبر کئی سال سے اپنے کالج کی بدولت سررشتہ تعلیمات سرکار عالی کے معلمین کو ورزش جسمانی کے فن کی تربیت دیتے رہے ہیں۔ البتہ اس طرح سے کسی عام مقام پر ان کا ادارہ قائم ہونے کی ضرورت ہے۔ اس پر حضرت اقدس واعلیٰ نے یہ صراحت فرمائی کہ خود بدولت کو بھی اس سے اتفاق ہے کہ ایسا مفید ادارہ باغ عامہ کی نمائش گاہ پر قائم رہے تاکہ تمام سال لوگ اس سے مستفید ہوتے رہیں۔

اس سے آگے مصنوعات مجلس، ایم۔ ایم۔ انصاری۔ آرٹسٹ۔ دکن پن ہولڈر فیکٹری۔ دکن فریٹ ورکس، اورنگ آباد ملز لمیٹڈ، محبوب شاہی ملز گلبرگہ، عثمان شاہی ملز ناندیڑ، اعظم جاہی ملز ورنگل۔ گولکنڈہ سگریٹ فیاکٹری، اور پھر ضلع اطراف بلدہ کا اسٹال ملاحظہ ہوا۔ یہاں مولوی ولی حسن صاحب اول تعلقدار نے آداب بجالانے کی عزت حاصل کی۔ اس سال صاحب موصوف کی دلچسپی کی بدولت پہلی مرتبہ اس ضلع کی نمائندگی ہوئی۔ حضرت اقدس واعلیٰ نے بکمال توجہ علاقہ صرف خاص مبارک کے اس اسٹال کا ملاحظہ فرمایا۔ ہمنا باد کی تجوریوں کو کھلوا کر اور بند کروا کر دیکھا گیا۔ اور یہ فرمایا گیا کہ یہ گو ہاتھ سے بنے ہوئے ہیں مگر کافی مضبوط ہیں۔ جیا گوڑہ میں جو چرمی کارخانہ دباغت ورنگوائی ہے اسکی مصنوعات بھی ملاحظہ ہوئیں۔ لنگم پلی کے کارخانہ گلاس کی چمنیاں بھی بہ نظر استحسان ملاحظہ ہوئیں۔ نیز حدید آباد کی شنکر پلی کیلئے جو نقشہ تیار ہوا ہے اسکا بھی تذکرہ رہا۔ قوربانی کیلئے جو

جدید آلہ ابراہیم علی قلی حال ساکن حیات نگر نے ایجاد کیا ہے اس کو چالو کرواکر ملاحظہ فرمایا گیا اور یہ امر سماعت فرمایا گیا کہ اس طرح سے چھ ماہ کا کام پندرہ دن میں مکمل ہو جائیگا۔ نقرئی فونٹن پن بھی ملاحظہ ہوا کہ جس کو مقامی سنار نے بنایا ہے۔

یہاں سے سواری شاہانہ اضلاع و جاگیرات کے احاطے کی طرف متوجہ ہوئی۔ سمستان گدوال بھوم جاگیر۔ جاگیر نواب حیدر علی خانصاحب کے بعد تانڈور جاگیر نواب مہدی جنگ کی مصنوعات..... دیاسلائی، صابن، کمبل وغیرہ ملاحظہ ہوئیں۔ سراکبر حیدر نواز جنگ کی تصویر کے متعلق دریافت فرمایا گیا اس کے بعد اورنگ آباد کے اسٹال پر طلائی چھاپہ کی مصنوعات ملاحظہ ہوئیں۔ اسٹال ضلع عثمان آباد پر جوماڈل اور مٹی کے ظروف تھے ملاحظہ ہوئے۔ اسٹال ضلع بیدر کی قدیم مصنوعات اور سید محمد صاحب صدر مدرس کے تاریخی نوادرات بھی ملاحظہ ہوئیں۔ ضلع گلبرگہ کے اسٹال پر رامائن کی رام چندر جی کی بن باس کو روانگی کی تصویر ملاحظہ فرماکر مختلف تفصیلات دریافت ہوئیں۔ ضلع رائچور کے کمبل جو شال کے سے ملائم ہیں جاذب توجہ رہے۔ ورنگل میں سپاہیوں کے لئے جو چرمی کوٹ اور کمبل تیار ہوتے ہیں ان کو ملاحظہ کیا گیا۔ قالینوں کو بھی دیکھا گیا۔ نیز وہ فوٹو ملاحظہ ہوئی جو حضرت ولی عہد شہزادہ برار کے افتتاح کارہائے آبرسانی ورنگل کے موقع پر کھینچی گئی تھی۔ اس سے آگے نرمل اور ضلع عادل آباد کا اسٹال ملاحظہ ہوا۔ سینگ کے سارس پسند فرمائے گئے۔ کھلونے کے پان اور میوے وغیرہ کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ بالکل اصلی معلوم ہوتے ہیں۔ حیدرآباد کیمیکل اینڈ فرٹیلائزرز کے نمونے بھی ملاحظے میں پیش ہوئے اس سے آگے ضلع کریم نگر کے عطردان ملاحظہ ہوئے ارشاد ہوا کہ اس کی تو دور دور شہرت ہے۔ اس اسٹال پر اتنیا زرگر جو کام کررہا تھا وہ بھی ملاحظہ ہوا۔ حضرت اقدس و اعلیٰ نے ازراہ ہنر پروری چند لمحات کیلئے خمیدہ ہوکر کام کی باریکی ملاحظہ فرمائی۔ ضلع کریم نگر کے اسٹال کے بعد مصنوعات صوبہ برار ملاحظہ ہوئیں۔ خواجہ محمد احمد صاحب صدر برار اسوسی ایشن نے اسٹال کی مختلف اشیاء کا معائنہ کرایا۔ نیز اسرار دتی کے مدرسہ صنعت و حرفت کے تیار کردہ خنجر اور دیگر آلات کو بطور نذر پیش فرمایا۔ سمستان دوم کنڈہ کے ارزاں قسم کے پارچے اور فرنیچر کو بھی ملاحظہ فرمایا گیا۔ اس کے بعد ضلع نلگنڈہ کا اسٹال حضرت شہریار دکن نے ملاحظہ کیا یہاں نبی الدین احمد صاحب رضوی صوبہ دار میدک اور محمد عبداللہ صاحب اول تعلقدار نلگنڈہ نے تسلیمات عرض کرنے کی عزت حاصل کی۔ نلگنڈہ کے اسٹال پر جو رنگین پتھر رکھا ہوا ہے اس کے متعلق زین یار جنگ بہادر کو حکم ہوا کہ کسی سرکاری عمارت کے ایک کمرے میں اس پتھر کا فرش کرایا جائے تاکہ اس کا عام

مواج ہو۔ پیبرتی کے چاندی کے ظروف بھی ملاحظہ ہوئے اور ان کی نذر قبول فرمائی گئی یہاں بھی ایک فاونٹن پن موضع چرپال میں تیار شدہ ملاحظے میں پیش کیا گیا۔ ثریا بیٹ کے میوے دیکھکر نواب رحمت یار جنگ سے فرمایا گیا کہ یہ نقلی نہیں اصلی میوے ہیں اور ناگپور کے سنتروں کے مقابل ہیں ثریا بیٹ میں جن ولیمکھ صاحب کے باغ ہیں ان کی کاشت ہوتی ہے اس کی تفصیلات بھی عبداللہ صاحب اول تعلقدار نے گوش گذار کیں اس سے آگے ضلع میدک اور ضلع محبوب نگر کے اسٹال میں پارچے کے نمونوں کو ملاحظہ فرماتے ہوئے حضرت اقدس واعلی ترقیات نظام ساگر کے اسٹال پر جلوہ فروز ہوئے دو سال پہلے صرف یہ اسٹال جسے محمد فاروق صاحب نے بحیثیت دوم تعلقدار بودھن قائم کیا تھا جملہ اضلاع کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اور اس وقت بھی اس کو شرف ملاحظہ عطا ہوا تھا۔ دو سال بعد تقریباً جملہ اضلاع کی شرکت نہایت ہی خوش آیند تھی۔ نو آباد کاروں کے لئے جو مواضعات آباد ہو رہے ہیں ان کے ماڈل ملاحظہ ہوئے آرمور کا پارچہ بھی ملاحظہ ہوا۔ نیز آبپاشی نظام ساگر کی بدولت وہاں جن میووں کی کاشت شروع ہوئی ان کو بھی ملاحظہ فرمایا گیا۔ اور زبان فیض ترجمان سے یہ ارشاد ہوا کہ ناگپوری سنتروں کی اب ملک کو محتاجی نہیں رہی اس اسٹال پر مظہر حسین صاحب اسپیشل افسر ترقیات نظام ساگر نگراں تھے اور ان کی دلچسپی سے سال حال یہ اسٹال ایک سال کے وقفے کے بعد پھر سے نمائش میں شرکت کر سکا۔

اس سے آگے مولوی میر الدین علی صاحب کے زیر اہتمام قائم شدہ کارخانہ شکر (بودھن شکر نگر) اور کارخانہ کاغذ (سرپور) کاغذ نگر کی مصنوعات ملاحظہ فرمائی گئیں اور یہ ارشاد ہوا کہ میں نے پہلے بھی ان کا معائنہ کیا ہے۔

اس کے بعد اسٹیٹ راجہ دھرم کرن بہادر کے اسٹال پر حضور والا نے شاہی تصویر ملاحظہ کی اس ملپ کا معائنہ کیا جو میٹھے تیل سے جلتا ہے اور بالکل کروسن آئیل کے چراغ کے مماثل ہے راجہ دھرم کرن بہادر کے صاحبزادہ نے اس اسٹال پر آداب بجالانے کی عزت حاصل کی۔ اس کے بعد اسٹال مصنوعات دستی پارچہ الہٰ اسٹیٹ نواب دوست محمد خاں صاحب اور لال گڑھی جاگیر پر نظر شاہانہ ڈالی گئی۔ اس کے بعد حضرت اقدس و اعلیٰ شعبۂ چرم سازی کی طرف متوجہ ہوئے۔ دکن شو اینڈ لیدر ورکس کے مصنوعات کا معائنہ کیا۔ حیدر براڈ ہاوز، قیصر اینڈ کمپنی، وی پلیس۔ لیدر آرٹ سینٹرل لیدر ورکس، بوٹ اینڈ شوز کمپنی۔ عبدالرزاق قادری شوز مرچنٹ پرل شوز مارٹ

دکن شوز فیاکٹری، سابر بوٹ ہوز، ماڈرن فٹ ویر، ساوتھ انڈیا لیدر ورکس، شیر گولہ چپل بھی ملاحظہ فرمائے۔ اس کے مقابل مسٹر ٹیچ کرکے برقی آلات کی توضیح کی گئی۔ بنفشی شعاعوں کا جو آلہ انھوں نے ایجاد کیا ہے اسکی نیز دیگر آلات کی افادیت کے متعلق کرنل واگھرے نے تصدیق کی۔ مسٹر وحید الائیڈ الکٹرک ورکس کے اسٹال پر جو لاسلکی آلہ بکر الصوت ہے اس کا مظاہرہ ملاحظہ ہوا۔ نواب زین یار جنگ بہادر اور خود مسٹر وحید کی گفتگو کا معاً دوسرے رخ سے اعادہ ہوا۔ متصلہ اسٹال انڈین ہوم پائپ۔ دکن سیف مینوفیکچرنگ کمپنی۔ حیدرآباد اسٹیل انڈسٹریز بھی ملاحظہ ہوئے۔ یہاں سے مراجعت فرماکر حضور اقدس واعلیٰ نے آلوین میٹل ورکس کے اسٹال کی طرف رخ فرمایا جہاں خان بہادر نواب احمد نواز جنگ نے استقبال کی عزت حاصل کی۔ جو خزانے کا کمرہ اس اسٹال میں بنایا گیا ہے اس کی خان بہادر نے توضیح فرمائی کہ کس طرح اس کمرے کے دروازوں میں لوگ اپنے زیورات وغیرہ محفوظ کرا سکتے ہیں۔ اس خزانے کے کمرے کی لاگت کے متعلق بھی حضرت اقدس واعلیٰ نے دریافت فرمایا اور اس کے دروازے کے بند کئے جانے اور کھلنے کے مظاہرے کو بھی معائنہ فرمایا۔ اس کارخانے کے دیگر آلات وغیرہ بھی ملاحظہ ہوئے وہاں جو قفل اور چابیاں تھیں ان کو دیکھکر حضرت اقدس واعلیٰ نے جیب خاص کی چھوٹی سی چابی دست مبارک سے خان بہادر کو دکھاتے ہوئے دریافت فرمایا کہ ان کے اندازے میں اس کی قیمت کیا ہوگی خان بہادر نے عرض کیا کہ اس چابی کی قیمت کا وہ اندازہ ہی نہیں کرسکتے خصوصاً اس لئے بھی کہ اب وہ کارخانہ ہی قائم نہیں رہا۔ جس میں یہ چابیاں تیار ہوتی تھیں۔

آلوین میٹل ورکس کے بعد حضرت اقدس واعلیٰ دکن بٹن فیاکٹری کے اسٹال پر رونق افروز ہوئے جہاں غوث الدین صاحب مالک فیاکٹری نے استقبال کی عزت حاصل کی اور اپنے یہاں کے تیار کردہ نفیس بٹن گذارنے۔ انھوں نے اس کی اجازت بھی چاہی کہ دستار مبارک کے نقش کو بٹن پر استعمال کرنے دیا جائے تاکہ متوسلین شاہی اس کو خرید سکیں اس کے لئے بواسطہ معمولی درخواست دینے کا حکم ہوا جنگ کے لئے جو سامان کارخانے نے تیار کیا ہے وہ بھی ملاحظہ ہوا۔ حضور اقدس واعلیٰ سے غوث الدین صاحب نے عرض کیا کہ شروع میں ان ہی کا کارخانہ قائم ہوا اب متعدد کارخانے قائم ہوچکے ہیں۔ سرکار نے اس پر ان سے دریافت کیا کہ اب تمہارا سرمایہ کیا ہوگا۔

جس پر انھوں نے یہ عرض کیا کہ بفضل خدا ۵ لاکھ کا سرمایہ ہوچکا ہے غوث الدین صاحب کے فرزند کی بابت بھی حضرت اقدس و اعلیٰ نے استفسار فرمایا۔

اس سے آگے بھارت بٹن فیاکٹری، محمدیہ بٹن فیاکٹری، اور خسرو بٹن فیاکٹری ملاحظہ ہوئے حیدرآباد سوپ اینڈ آئیل کمپنی کی تیار کردہ کمان میں داخل ہوکر حضور اقدس و اعلیٰ نے اسلامیہ اگربتی ورکس، کوہ نور گلاس فیاکٹری، پربھات بٹن فیاکٹری، طاہر بٹن فیاکٹری، بہادر بٹن فیاکٹری، نیشنل سوپ فیاکٹری، آصفیہ میاچ فیاکٹری، ٹائیگر سوپ فیاکٹری، دلفریب سوپ اینڈ ہیر آئیل کمپنی نلگنڈہ اور چوڑی سازی کے اسٹال ملاحظہ فرمائے۔

واپسی پر تاج کلے ورکس کی مصنوعات ملاحظہ ہوئیں پھر شعبہ فنون لطیفہ میں قدم رنجہ فرمائی ہوئی وہاں کی تصاویر ملاحظہ فرمائی گئیں اور ارشاد ہوا کہ ابھی ترقی کی گنجائش ہے شعبہ فنون لطیفہ سے واپس ہوکر دکن پاٹری ورکس کے مٹی کے برتن ملاحظہ ہوئے نیز لوٹی دار صراحیاں ملاحظہ ہوئیں۔ بیدری صنعت کے اسٹال تاج دکن و گلزار دکن ملاحظہ ہوئے۔ نیز ذوالفقار کمپنی کی بنائی ہوئی جوہر دار تلواریں بھی معائنہ ہوئیں۔ اسی مقام پر حیدرآباد پرفیومری اینڈ کاسمیٹکس کے مصنوعات عطریات و تیل ملاحظہ ہوئے اور پھر جے اینڈ جے ڈی شین کا اسٹال ملاحظہ ہوا جہاں کی سستی اور موثر ادویات ملک بھر میں استعمال ہو رہی ہیں نیز بایو کیمیکل کمپنی کا اسٹال بھی ملاحظہ ہوا جسے بہترین سجاوٹ کا انعام ملا ہے۔ مسرس عبدالرزاق اینڈ کمپنی کمسٹ خاص کی قائم کردہ حیدرآباد کیمیکل اینڈ فارماسیوٹیکل ورکس کا اسٹال بھی ملاحظہ ہوا۔ اس سے آگے روز بسکٹ ورکس، نیشنل فوڈ پراڈکٹس، نیز اس کے مقابل منجن شفیع، کارخانہ ادویات مسیح الملک اور ام۔ آرٹن کمپنی نیز ا کی لیبارٹیز (جن کی بوٹ پالش نمائش کی بدولت خوب مشہور رہی) کے اسٹال ملاحظہ فرماتے ہوئے حضرت اقدس و اعلیٰ نے کمپ رضاکاران کے روبرو ایک لمحہ توقف فرمایا جس سے رضاکاروں کی قدر افزائی ہوئی اس کے بعد حضرت شہریار دکن سررشتہ آرائش بلدہ کے اسٹال پر تشریف فرما ہوئے جہاں پر بڑی اچھی طرح بتایا گیا تھا کہ آرائش بلدہ نے کس طرح سے کہنہ سفالی مکانات کو گرا کر جدید نمونے کے سستے مکانات بنائے جو بیحد مقبول ہوچکے ہیں نیز یہ کہ ان آرائشی مکانات میں سکونت کا ناقص اور اچھا طریقہ کیا ہوسکتا ہے (۲۱) دن میں جن (۲۱) مکانات کی تعمیر ہوسکتی ہے اس کا نمونہ بھی ملاحظہ ہوا۔ اور پسند فرمایا گیا اس موقع پر سید محمد یونس صاحب ناظم آرائش

بلدہ نے آداب عرض کرنے کی عزت حاصل کی اور زین یار جنگ بہادر نے تعارف کرایا کہ مہرعلی فاضل مرحوم کے بعد ان کا تقرر ہوا ہے۔

اس طرح کامل ڈھائی گھنٹے نمائش کا معائنہ کرنیکے بعد بھی حضرت اقدس و اعلیٰ شعبہ زیورات، گیتی سازی، ادویہ سازی کھلونا سازی، اشیائے صابر وغیرہ کا معائنہ نہ فرما سکے۔ جب نمائش کلب پر رونق افروز ہوئے اور نواب زین یار جنگ بہادر نے اس کا تذکرہ کیا تو آقائے ولی نعمت نے اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ہی تو یہ موقع آتا ہے۔

اس کے بعد چائے نوشی سے جان نثار اراکین مجلس نمائش کو حضرت پیر و مرشد نے سرفراز فرمایا۔ اس دوران میں گذشتہ یوم خواتین میں جو کثیر مجمع ہوا تھا اس کا تذکرہ رہا کہ کس طرح چار دروازوں سے ہر طبقے کی خواتین پردے کے مکمل انتظام کے ساتھ نمائش میں آتی ہیں اور خرید و فروخت کرتی ہیں اور کس طرح ان کی واپسی کا انتظام عمل میں آتا ہے۔ حضرت اقدس و اعلیٰ نے یہ دریافت فرمایا کہ اس ہزاروں کے مجمع کے جمع ہونے پر انتظامات کی کیا نہج ہوتی ہے اس ضمن میں یہ گزارش کی گئی کہ کارکنان مجلس نمائش کی خواتین نیز گرل گائیڈز اور بعض اور رضاکار خواتین انتظامات کرتی ہیں باہر کوتوالی اور بوائے اسکاوٹس سے امداد ملتی ہے۔

اس ضمن میں محبوب شاہی ملز گلبرگہ نے روزانہ تین چار ہزار کے پارچہ کی جو فروخت کی اسکو بھی سمع ہمایونی میں عرض کیا گیا۔ اور یہ امر بھی گوشگذار کیا گیا کہ عام طور پر صناعوں اور مالکان اسٹال کے لئے نمائش ان کے مصنوعات کی نکاسی کا بہترین موقع ہے۔ حالانکہ بہت ہی معمولی کرایہ لیا جاتا ہے۔

کارکنانِ مجلس نمائش کی مساعی کے تذکرے کے ضمن میں میر اکبر علی خانصاحب نے شنکرجی صاحب خازن مجلس نمائش کی نمائش کے افتتاح سے پہلی رات جو ہمت دکھائی اور دو مزدورنیوں اور ایک مزدور کی جو برقی زد سے متاثر ہوگئے تھے جان بچائی اس کا تذکرہ کیا۔ سررشتہ زراعت بندی کے جوار باجرا رسٹورنٹ کے بنے ہوئے جوار و باجرے کے بسکٹ بھی ملاحظے میں پیش کئے گئے اور ارشاد ہوا کہ غربا وغیرہ کیلئے ان کو کارآمد ہونا چاہیئے۔

ہزاکسلنسی وائسرائے بہادر و لیڈی ویول کی نمائش مصنوعات ملکی میں تشریف آوری

از جناب شرف الدین صاحب بی اے (عثمانیہ) معتمد مجلس نمائش

ہزاکسلنسی وائسرائے بہادر نے لیڈی ویول کے ہمراہ بتاریخ ۱ بہمن ۱۳۵۴ف نمائش مصنوعات مملکت آصفیہ کا معائنہ فرمایا۔ نواب زین یار جنگ بہادر صدر مجلس نمائش نے سرپور گیٹ پر استقبال فرمایا۔ رائے گرودانس صاحب نائب صدر، شرف الدین معتمد اعزازی، خواجہ محمد واسع صاحب نائب معتمد، رائے شنکرجی صاحب خازن، اور محمد فاروق صاحب رکن شعبۂ تشہیر کا ممدوحین سے تعارف کرایا اور ممدوحین نے سب سے مصافحہ کیا۔

داخلہ پر روشن پولیس کی سلامی دی اسکو ایک لحظہ سماعت کیا گیا۔ نواب زین یار جنگ بہادر نے نمائش سے متعلق تفصیلات گوش گذار کیں۔ وار اسٹال جو سررشتہ اطلاعات کی جانب سے قایم ہوا ہے۔ اسکو میجر خواجہ محمد سعید صاحب نے معائنہ کرایا۔ میجر صاحب سے وائسرائے بہادر نے گفتگو بھی فرمائی اور ان کے فرائض سے متعلق استفسارات کئے۔ شعبہ پارچہ بافی ہیں بی۔ ڈبلیو ملس کے اسٹال کا معائنہ کیا گیا اس کے بعد اورنگ آبادی ہمرو کے مختلف اسٹال دیکھے گئے۔ ہمرو گھر پر ہمرو کو بہت ہی دل آویز فرمایا۔ اورنگ آباد سلک ملز میں چند ریشم کے پارچے پسند فرمائے گئے۔ تجارت گاہ مصنوعات دکن اور مرکز مصنوعات ملکی کا بھی معائنہ کیا گیا مرکز مصنوعات ملکی کے طریقہ کار کے متعلق بھی استفسار فرمایا۔ اس کے بعد فائن ہوزری ورکس کے اسٹال پر نظر توجہ مبذول کی۔ محترمہ لیڈی ویول نے سلک میوزیم اور تلجا بائی سنگا ریڈی کے پاس سے پارچہ کی خریدی فرمائی اسکے بعد ہزاکسلنسی نے سررشتہ ریلوے کے اسٹال کا معائنہ فرمایا۔ جہاں مولوی مشتاق احمد خانصاحب چیف کمرشیل منیجر اور مسٹر ھال کا ممدوح سے تعارف کرایا گیا۔ مشتاق احمد خاں صاحب نے جنگ کے لیے جو آلات ریلوے نے تیار کیے ہیں ان کی توضیح کی روزانہ جو سینما دکھایا جاتا ہے اس کا بھی تذکرہ کیا اور ریلوے کی چند مطبوعات بھی پیش کیں۔

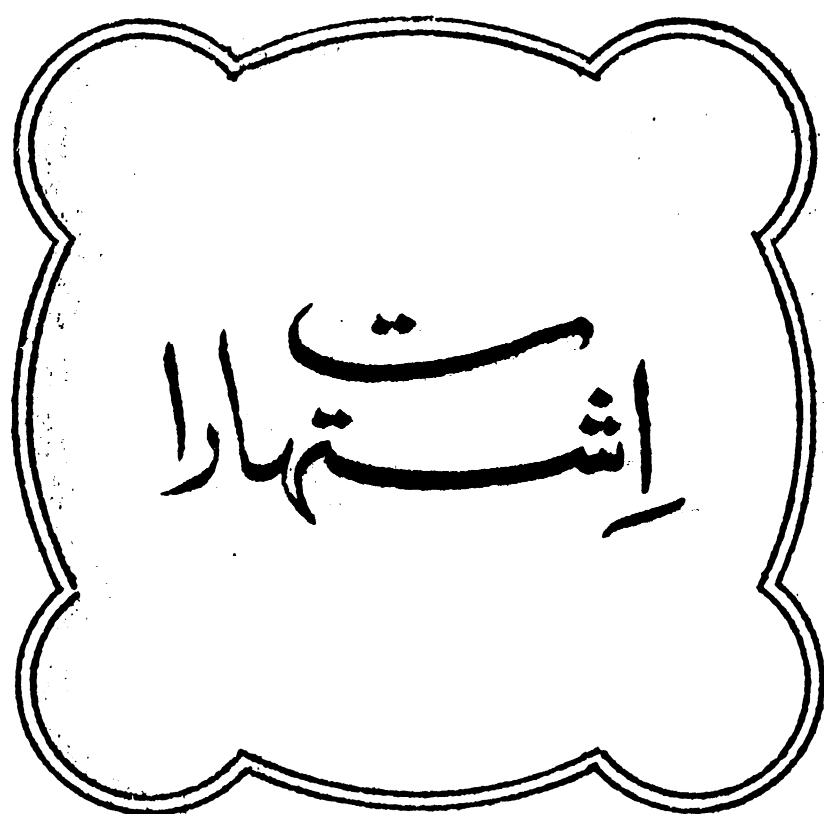
اسکے بعد ہز اکسلنسی کو ڈ بونیر کے جدید العصر فرنیچر کے نمونے دکھائے گئے ہز اکسلنسی نے پھر سرکاری سررشتوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ سررشتہ سمکیات کے اسٹال کے معائنہ پر نواب نواب زین یار جنگ بہادر نے وائسرائے بہادر کے استفسار پر اس سررشتہ کے عملی کام کی توضیح کی نظام ساگر میں ماہی گیر کے امکانات اور سمکیات کی پرورش کا تذکرہ کیا۔ وہاں سے بورڈ آف امپلائمنٹ اور ٹکنیکل ٹریننگ اسکیم، سررشتہ جنگلات کے اسٹال کا معائنہ کرنیکے بعد ہز اکسلنسی نے سررشتہ اے آر پی کے امبولنس کار کی طرف توجہ کی۔ اس امبولنس کار پر جو نرس اور ڈاکٹر متعین تھے ان سے گفتگو فرمائی اسکے بعد مدرسہ پست اقوام اور انیس الغربار کی مصنوعات کا معائنہ فرمایا۔ یہاں کے معذور لڑکوں کے کام کا مظاہرہ بھی دیکھا۔ نمائش کے اسٹالوں کی تعداد بھی دریافت فرمائی اور اسکی وسعت پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اس سے آگے صدیق موٹر ورکس کے مالک غلام محمد صاحب نے حضور وائسرائے کو فائر برگیڈ والوں کے استعمال کی فولادی کلہاڑی تحفتاً پیش کی۔ ہز اکسلنسی نے اسکی کاٹ اور دھار کا معائنہ کیا۔ غلام محمد صاحب نے جو دوسری اشیاء مثلاً پٹن رنگ وغیرہ تیار کی ہیں ان کو بھی دیکھا فروخت گاہ مصنوعات ملکی کے اسٹال پر مولوی حبیب الرحمٰن صاحب ناظم سررشتہ تجارت وحرفت کا تعارف کرایا گیا۔ ناظم صاحب نے مرکز تعلیم مصنوعات دیہی کی تیار کردہ اشیاء کا وائسرائے بہادر کو معائنہ کرایا۔ جنگ کے لئے تیار شدہ اشیاء بھی نظر سے گذریں یہاں کے شعبہ مظاہرات میں قالین کے نمونے بھی ملاحظہ ہوئے اسکے بعد سرکاری سررشتوں کے دوسرے احاطہ پر توجہ ہوئی فائر برگیڈ کے اسٹال پر وہاں کے فائر کنٹرولر صاحب نے سلامی دی اور حضور وائسرائے بہادر نے ان سے گفتگو فرمائی اور ان کے سابقہ ملازمت کا احوال دریافت فرمایا۔ سررشتہ آبکاری کے اسٹال پر میر موسیٰ خاں صاحب نائب ناظم کا ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر سے تعارف کرایا گیا۔ انہوں نے اس اسٹال کی ادویات اور عطر ملاحظہ میں پیش کئے۔ دوسرے سررشتوں اور قومی اداروں مثلاً ٹون پلاننگ اضلاع، علاج حیوانات، سررشتہ بلدیہ، سررشتہ بندوبست، تعمیرات عامہ مجلس قیام امن۔ سررشتہ طبابت وحفظان صحت، سررشتہ معدنیات، ایجوکیشنل کانفرنس اور انجمن امداد باہمی بلاسودی کے اسٹالوں پر نظر ڈالتے ہوئے سررشتہ طباعت پر توقف فرمایا گیا جہاں جدید عثمانیہ ٹائپ اور مسٹر پکتھال مرحوم کے مترجم قرآن مجید کا نسخہ دکھایا گیا یہاں سے آگے سررشتہ تعلیم صنعت وحرفت

سید محمد جعفر صاحب پرنسپل، مسز طیبہ باقر علیخاں اور مسعود احمد صاحب وائس پرنسپل کا تعارف کرایا گیا۔ لیڈی ویول یہاں رک گئیں تاکہ مرکزی مدرسہ فنون لطیفہ اور تعلیم صنعت و حرفت کے مصنوعات کا معائنہ کریں لارڈ ویول گورنمنٹ کالج آف فزیکل ایجوکیشن کے اسٹال کی طرف تشریف لائے۔ مسٹر ویبر نے اپنے تعارف کے بعد اپنے اسٹال کی بعض خصوصیات کی توضیح کی اور یہ بتایا کہ ان کے اسٹال پر کیا کام ہو رہا ہے اور لوگ کتنی کثرت سے استفادہ کر رہے ہیں اسکے بعد اعظم الدین صاحب انصاری آرٹسٹ کے اسٹال پر ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر نے قدرے توقف کیا تاکہ مختار الدین صاحب انصاری کی لاجواب انگریزی خطاطی اور نقاشی کا معائنہ کریں وائسرائے بہادر اور ان کے جملہ ساتھیوں نے بڑی تعریف کے ساتھ اسکا معائنہ کیا۔ ان کی نقاشی پر بھی ان کو استعجاب ہوا۔ ہز اکسلنسی لیڈی ویول نے بھی اسکو بڑی حیرت سے دیکھا۔ یہاں سے اعظم جاہی ملز ورنگل، عثمان شاہی ملز نانڈیڑ، محبوب شاہی ملز گلبرگہ گولکنڈہ سگریٹ، نیشنل انڈسٹریز لنگم پلی اور ضلع اطراف بلدہ کے اسٹال ملاحظہ فرماتے ہوئے وائسرائے بہادر اضلاع وجاگیرات کے احاطہ میں داخل ہوئے۔ اضلاع اورنگ آباد، عثمان آباد، بیدر، رائچور، گلبرگہ ورنگل، عادل آباد کریم نگر کے علاوہ ملک برار کے اسٹال پر نظر توجہ مبذول فرماتے ہوئے صوبہ میدک کے اسٹال پر تشریف آوری ہوئی جہاں مولوی محی الدین احمد صاحب صوبہ دار میدک کا تعارف کرایا گیا انھوں نے مصنوعات ضلع نلگنڈہ سمستان دوم کنڈہ اور نظام ساگر کی ترقیات کا معائنہ کرایا۔ ضلع نلگنڈہ میں جو نیا خزانۂ آب ڈنڈی پراجکٹ تعمیر ہوا ہے اسکا ماڈل ملاحظہ کیا گیا۔ نظام ساگر کی آبپاشی کی بدولت جو میوے کاشت ہو رہے ہیں ان کی جلی سازی کا مظاہرہ بھی ملاحظہ فرمایا لیڈی ویول نے اسی اثنا میں جاگیرات گدوال، بھوم، جاگیر حیدر علیخاں صاحب، اسٹیٹ مہدی جنگ، حسین خاں فرخ نگر، لال گڑھی جاگیر نواب بہادر یار جنگ اسٹیٹ نواب دوست محمد خاں صاحب اللہ شریف اور اسٹیٹ راجہ دھرم کرن بہادر آصف جاہی کے اسٹال تفصیل سے ملاحظہ فرمائے اسکے بعد سرپور پیپر ملز اور نظام شکر فیاکٹری بودھن کے اسٹال پر نظر ڈالی اور سررشتہ اعداد و شمار کے اسٹال سے گذرتے ہوئے جہاں دور عثمانی کی (۳۲) سالہ ترقیات کے اعداد و شمار جمع تھے، آلوین مٹل ورکس کا اسٹال ملاحظہ کیا۔ یہاں کے فرنیچر اور خزانے کے کمرے اور مریضوں کے لیے سامان پسند فرمایا گیا اسکے بعد دکن بٹن فیاکٹری کا اسٹال ملاحظہ ہوا۔ برطانوی افواج کے لیے جو بٹن وہاں

تیار ہو رہے ہیں ان کو ملاحظہ فرمایا غوث الدین صاحب پروپرائٹر دکن بٹن فیاکٹری کے پیش کردہ کف کے بٹن اور مانوگرام کے تحفے قبول فرمائے گئے۔ اور ان کی ماہیت دریافت فرمائی گئی۔ اسکے بعد محمدیہ بٹن فیاکٹری کا تحفہ قبول فرمایا گیا۔ تاج کلے ورکس اور تاج گلاس ورکس کے اسٹال بھی ملاحظہ ہوے۔ یہاں کے مٹی کے ظروف کا ہز اکسلنسی لیڈی ویول نے تفصیل سے معائنہ فرمایا۔ شعبہ فنون لطیفہ کے سامنے مجلس صناعان دکن کے صدر اور اراکین جمع تھے۔ صدر مجلس صناعان دکن نے مہمان شاہی اور ان کی خاتون کو زر کے ہار پہنائے اور ذوالفقار کمپنی کی تیار کردہ تلوار وائسرائے بہادر کی خدمت میں گذرانی۔ کمپنی کے مالک نے اس تلوار کے جوہر دکھلائے۔ کہ اس کو آسانی سے بل دیا جاسکتا ہے اس تلوار کے نیام کی ساخت بھی ملاحظہ فرمائی گئی جسپر زرد مخمل منڈھا ہوا تھا۔ یہاں سے آگے ہر دو معزز مہمانوں نے سررشتہ آرائش بلدہ کا رخ کیا جہاں مسٹر ڈین اور مسٹر چند دلال کا تعارف ہوا۔ سررشتہ کی ایک رپورٹ بھی گذرانی گئی۔ قدیم سفالی جھونپڑی کا نمونہ بھی دیکھا گیا۔ جدید مکانات۔ آرائش بلدہ کے نمونے دیکھے گئے۔ ان کے استعمال کے ناقص اور بہتر طریقہ کا مظاہرہ بھی دیکھا گیا۔ ناقص طریقہ کے مظاہرہ کے ضمن میں بکری کے بچہ نے بھی اپنی آواز سے اپنی موجودگی کا اظہار کیا۔ (۲۱) دن میں (۲۱) مکانات کی تعمیر ہوسکنے والے مکانات کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائے گئے جو گویا اوسطاً ایک دن میں تیار ہوتا ہے۔ اسکے اخراجات کو بھی دریافت فرمایا گیا۔

اسکے بعد نمائش کلب میں اراکین مجلس عاملہ نمائش نواب میر اکبر علیخاں صاحب، خان بہادر احمد محی الدین صاحب، مولوی میر محمود علی صاحب، مولوی محمد علی صاحب موسوی، مولوی خواجہ محمد احمد صاحب مولوی خواجہ حمید احمد صاحب کا تعارف ہوا۔ مہمانان شاہی کو نواب زین یار جنگ بہادر صدر مجلس نمائش نے زر کے ہار پہنائے۔ اور مختلف تحایف پیش کئے جن کے منجملہ اگنی ملما کی تیار کردہ بیاگ بہت پسند کیگئی۔ گیمبی اور امپائر اسٹک بیڑ سے بھی دلچسپی ظاہر کیگئی۔ کرمینگر کا عطرِ دان اور نرمل کی اشیا اور نگ آباد و پیٹن کے ہرد کو بھی غور سے ملاحظہ فرمایا اور ان کے متعلق تفصیلاً دریافت فرمایا۔

سرپور گیٹ پر نواب زین یار جنگ بہادر اور اراکین مجلس نمائش سے مخاطبت فرماتے ہوے ہز اکسلنسی لارڈ ویول نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔ کہ انھوں نے نمائش کو بہت ہی وسیع دلکش اور قابل دید پایا۔ ہر وافعہ سے اپنی دلچسپی کا اظہار فرمایا کہ نمائش نے سات سالہ قلیل مدت میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔


اشتہارات

تحفۂ نمایش

نمایش مصنوعات مملکت آصفیہ کے موقع پر حضرت جلالت مآب مدظلہم العالی خلد اللہ ملکہ کی رونق افروزی اراکین مجلس کی سرفرازی کی موجب رہی۔ عام رعایائے آصفی کے لئے بھی یہ رونق افروزی احسان عظیم کی مترادف ہے مجلس نمایش نے ہر سال ورودِ شاہانہ سے متعلق فوٹو تیار کرائے ہیں۔ اور ہر سال کے وقائع تشریفاتِ شاہانہ کو بڑی تفصیل سے قلمبند کیا ہے چنانچہ اس سال ایک مصور تحفۂ نمایش کی طباعت و اشاعت نمایش مصنوعات مملکتِ آصفیہ کے افتتاح کے موقع پر عمل میں آئی ہے۔

قیمت　　آٹھ آنے

ملنے کا پتہ

دفتر مجلس نمایش باغ عام

حیدرآباد دکن

پڑھنے کے قابل کتابیں

۱۔ عہد سلف

بیداری کے لئے ملک کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس کی تاریخ ہے۔ یہ کام تمام زندہ قوموں میں قومی زندگی کا سب سے اصلی اور مقدم عنصر ہے۔ اسکی بدولت سلطنت کی عظمت اور خاندان شاہی کے ساتھ ارادت اور عقیدت کا خیال مستحکم ہوتا جاتا ہے۔ اہل نظر کے پاس مسلم ہے کہ تاریخ سلطنت آصفیہ کو صحیح طریقہ سے لکھنے کی کوشش بہت کم ہوئی ہے۔ اس نقص کو دور کرنے کیلئے جناب مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم نے قلم اٹھایا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انکی تالیف کا پہلا حصہ "عہد سلف" ہے۔ یہ حضرت آصف جاہ کی سوانح عمری کا مقدمہ ہے۔ سلسلۂ بیان قائم کرنے اور صحیح نتائج حاصل کرنے کیلئے ناگزیر سلطنت اسلامی کے نشو و نما یعنی ہندوستان و دکن میں اسلامی سلطنت کے قیام پر ایک تبصرہ لکھنے کی ضرورت داعی ہوئی۔ چنانچہ "عہد سلف" میں مرحوم نے ۱۴ سو سال کی تاریخ سلطنت اسلامی پر نہایت دقت نظر سے ایک دلچسپ اسلوب بیان میں تبصرہ کیا ہے۔ تاریخ اسلام و ہند کے شائقین کو اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ قیمت ایکروپیہ

۲۔ فوائد بدریہ

یہ کتاب حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک میں نہایت مستند کتاب ہے۔ سیرت مبارک کی نہایت ضخیم عربی کتابوں کا یہ ایک بہترین اُردو خلاصہ ہے۔ علاوہ بریں تقریباً (۸۰) سال پہلے کی زبان اور انشا کا بہترین نمونہ ہے۔ رائل سائز عمدہ ڈبل کاغذ ۸۴ صفحات لکھائی چھپائی نہایت نفیس۔ قیمت تین روپیہ۔ مجلد چار روپے۔

۳۔ تفسیر فیض الکریم

تالیف قاضی عبد الدولہ و مفتی محمد سعید خاں بہ زبان اُردو جس میں تفسیر و شان نزول اور احکام وغیرہ نہایت مستند احادیث و تفاسیر و فقہ سے لکھے گئے ہیں۔ ۸ جز طبع ہوئے۔ قیمت چار روپے

۴۔ ریاض النسوان

قاضی عبد الدولہ کی تالیف فقہ شافعی کی مستند کتاب جس میں نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل صراحت سے لکھے گئے ہیں ہر شافعی کو اسکی ضرورت ناگزیر ہے۔ کاغذ چکنا رائل سائز ضخامت ۷۶ صفحات قیمت ایکروپیہ تین آنے۔

۵۔ تحفۃ الخلان

تالیف مولوی خلیل اللہ مرحوم فقۂ شافعی جس میں بیع وغیرہ معاملات اور فرائض وغیرہ کے مسائل معتبر کتب سے منتخب کرکے لکھے گئے ہیں۔ کاغذ چکنا رائل سائز ضخامت ۷۶ صفحات قیمت ایکروپیہ تین آنے۔

۶۔ طب قدیم کی تاریخ

تالیف حکیم محمد اسمٰعیل صاحب۔ اس تالیف میں طب قدیم کے اسلامی زمانہ کی تاریخ مرتب کیگئی ہے۔ اور طب جدید کی ابتدائی اساس کو واضح کیا گیا ہے۔ اس تالیف پر مؤلف کو انجمن اطبائے دکن سے انعام ملا تھا۔ قیمت بارہ آنے

۷۔ خواتین عہد عثمانی

تالیف مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی۔ اس تالیف میں حیدرآباد کے حالیہ دور میں خواتین نے جو ترقی کی ہے اس کو دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کیا گیا ہے۔ قیمت ایکروپیہ چار آنہ۔

۸۔ قرآنی دعائیں

تالیف مولوی محمد فاروق صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ سی ایس۔ قلب اور روح کی تسکین کا سامان۔ ہدیہ آٹھ آنہ

۹۔ نور علے نور

تالیف مولوی محمد فاروق صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ سی ایس۔ قرآن شریف کی اُن آیتوں کا انتخاب جو بڑی عظمت و حلاوت رکھتی ہیں۔ ہدیہ آٹھ آنہ ۸/

ملنے کا پتہ

دفتر مجلۂ طیلسانین

احاطۂ نمائش گاہ ۔ باغ عام ۔ حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانیین کے مقاصد اور قواعد

۱۔ مجلۂ طیلسانیین انجمن طیلسانیین عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ترجمان ہے۔

۲۔ اغراض و مقاصد کے لحاظ سے مجلہ میں

الف۔ جامعۂ عثمانیہ کے منظورہ مابعد طیلسان مقالے شائع کئے جائیں گے۔

ب۔ اردو مطبوعات پر تنقید و تبصرہ کیا جائے گا۔

ج۔ انجمن طیلسانیین عثمانیہ اور اس کے ملحقہ اداروں کی سرگرمیوں اور کاروبار کی تفصیلات شائع کی جائیں گی۔

د۔ علمی اور مرجعیتی ترقی کی معلومات و اطلاعات شائع کی جائیں گی۔

ھ۔ سیاسیات حاضرہ اور اختلافی مذہبی امور کے متعلق مضامین وغیرہ کسی صورت میں شائع نہ کئے جائیں گے۔

۳۔ حسب ضرورت مجلہ کے مختلف حصّے خاص خاص علم و فن سے مختص ہونگے۔ فی الوقت مجلہ کے دو حصّے ہوں گے۔ حصۂ عام اور حصۂ معاشیات۔

۴۔ مجلہ بہمن۔ اردی بہشت۔ امرداد۔ اور آبان مطابق جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوگا۔

۵۔ مجلہ کے ہر حصہ کی ضخامت کم از کم ۱۰۰ صفحے ہوگی۔

۶۔ مابعد طیلسان مقالے اس صورت میں شائع کئے جائیں گے جب کہ ان کا حق اشاعت و طباعت مجلہ کو دے دیا جائے۔ البتہ مؤلف کو دس نسخے ہدیۃً دیئے جائیں گے۔ اگر اس سے زائد نسخے درکار ہوں تو کاغذ کی قیمت قبل از قبل ادا کرنے پر انتظام کیا جائے گا۔

۷۔ اگر مضمون یا مقالہ نگار پہلے سے مجلہ کے خریدار نہ ہوں تو مجلہ کا وہ شمارہ جسمیں اُن کا مضمون شائع ہو بلا قیمت ارسال کیا جائیگا۔

۸۔ سال بھر میں کسی صاحب کے دو مضمون یا مقالے شائع ہونے کی صورت میں سال مابعد کے لئے اگر قواعد انجمن طیلسانیین عثمانیہ مانع نہ ہوں تو مجلہ بلا قیمت جاری کیا جائیگا۔

۹۔ اگر کسی مضمون یا مقالہ کے لئے مجلہ اپنے خرچ سے تصاویر کے بلاکس تیار کرے تو ان کو مناسب قیمت پر جس کا تصفیہ مہتمم مجلہ کرے گا فروخت کیا جا سکے گا۔

۱۰۔ اگر مجلہ کا کوئی شمارہ اشاعت کے مقررہ مہینے میں وصول نہ ہو تو اس کی اطلاع دوسرے مہینے میں کر دینی چاہیے۔

التماس

تبدیلی پتہ معزز خریدار اصحاب پتہ کی تبدیلی سے براہ کرم دفتر مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں

کتب برائے تبصرہ تنقید و تبصرہ کے لئے کتابیں جو بھیجی جاتی ہیں، اس کے دو دو نسخے روانہ فرمائے جائیں۔

اشتہارات یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور اردو معیاری رسالوں میں شمار کیا جاتا ہے اور دور و نزدیک جاتا ہے۔ اس رسالہ کے ذریعہ اشتہارات دینا کاروبار کی ترقی میں ممد و معاون ہوگا۔

مقالہ جات جامعۂ عثمانیہ ادارہ نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے کہ علمی ادبی اعلیٰ سے اعلیٰ مقالوں کے ذریعہ اردو زبان کی بطور خاص خدمت انجام دی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جامعۂ عثمانیہ کے مابعد طیلسان مقالہ جات اس وقت تک (۱۱) شائع ہوچکے ہیں۔ جو صاحب اپنے مقالوں کی طباعت کے خواہشمند ہوں وہ براہ کرم مدیر مجلہ ہذا سے مراسلت فرمائیں۔

مملکت آصفیہ کی

صنعتی ڈائرکٹری

مصنوعاتِ مملکت آصفیہ کی پہلی نمائش کے بعد ہی یہ امر پیش نظر رہا
کہ مملکتِ آصفیہ کی صنعتوں کے فروغ کے لیے ایک ڈائرکٹری کی ترتیب ناگزیر ہے
اور اسکے لئے سوال بند کی اجرائی سے مواد کی فراہمی کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔
چوتھی نمائش کے موقع پر مولوی خواجہ حمید احمد صاحب نے "رہبر نمائش" کے نام سے
اپنی تالیف طبع اور شائع کی۔ بعد میں پھر یہ کوشش کیگئی کہ مستقل طور پر ڈائرکٹری مرتب
کیجائے۔ سال گذشتہ دنیائے نمائش کے نام سے جو تالیف شائع ہوئی وہ گویا ڈائرکٹری
کی ترتیب کی ہی کوشش تھی۔ فی الجملہ اس کو عام طور پر پسند کیا گیا۔ گزشتہ نمائش کے
موقع پر بھی بہت کچھ جدید مواد فراہم کیا گیا اور اُسے ایک تالیف میں قلمبند کیا گیا ہے
اس تالیف میں مملکت آصفیہ کے کئی سو صناعوں اور صنعتی اداروں کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں
قیمت عام طور سے دو روپیہ عا۲ ۔ صناعوں سے ایکروپیہ عہ۱ ۔

معلوماتِ حیدرآباد

محکمہ اطلاعات سرکار عالی کی جانب سے ہر ماہ رسالہ

معلوماتِ حیدرآباد

پانچ زبانوں (انگریزی، اردو، تلنگی، مرہٹی اور کنڑی) میں شائع ہوتا ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ مستند مواد کی فراہمی کے روز افزوں مطالبے کی تکمیل کرے۔ اور باشندگان ممالک محروسہ سرکار عالی کی سماجی معاشی اور تعلیمی حالت نیز زندگی کے دوسرے شعبوں کو ترقی دینے کیلئے حکومت کی سرگرمیوں کو عام فہم طرز میں پیش کیا جاتے۔

موجودہ جرائد میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کلیتہ ان امور کے لئے وقف ہو۔ ان میں سے کچھ تو ادبیات کی خدمت کیلئے ہیں جنکا موضوع سیاست ہے اور بعض کا معاشیات۔ اور روزانہ سہ روزہ اور ہفتہ وار اخبارات کم و بیش پورے طور پر خبروں اور حالات حاضرہ سے جو صرف حیدرآباد تک محدود نہیں ہوتے تعلق رکھتے ہیں۔

معلوماتِ حیدرآباد کے پیش نظر ایک ایسا ہی خصوصی مقصد ہے جسکی تکمیل سے کسی موجودہ اخبار یا رسالے کے ساتھ خواہ وہ ممالک محروسہ میں شائع ہوتا ہو یا اس کے باہر کسی قسم کی رقابت کا امکان پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکے برعکس اس رسالے کے مضامین آزادی کے ساتھ اس رسالے کے حوالے سے یا بغیر حوالے کے کلی یا جزئی طور پر دوبارہ شائع کئے جاسکتے ہیں۔

یہ رسالہ نہ صرف پبلک کی دلچسپی کے امور فراہم کرکے روز افزوں مطالبے کی تکمیل کرتا ہے بلکہ وہ صحافتی تعاون کا بھی ایک وسیلہ ہے۔

ہر زبان کے رسالے کا سالانہ چندہ تین روپیہ ہے۔ اس رسالے میں اشتہارات بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ نرخنامہ اشتہارات محکمہ اطلاعات سرکار عالی حیدرآباد سے طلب کیا جاسکتا ہے۔

گولڈ میڈلسٹ

ربل کمپریس پیٹ ہیٹ

(و)

جدید وضع کی پیٹ دستار

دستیاب ہونے کا

اعلیٰ مرکز

دکن ہیٹ ورکس۔ عابد روڈ۔ حیدر آباد دکن

حیدرآباد کوآپریٹیو انشورنس سوسائٹی محدود بشیر باغ روڈ حیدرآباد دکن

روز افزوں ترقی

جملہ کاروبار تکمیل شدہ	لائف فنڈ	ادائیات بوجہ اموات
۱ کروڑ سے زائد	۱۲ لاکھ	ایک لاکھ سے زائد
تناسب اخراجات بہ تجدیدی اقساط	محفوظات	کاروبار چالو
صفر	۱۴ لاکھ سے زائد	۱ کروڑ ۱۵ لاکھ

یہ اعداد اس امر کے شاہد ہیں کہ انجمن ہذا کو

عوام کا اعتماد اور ہمدردی پوری طرح حاصل ہے

آپ اس ادارہ کی پالیسی حاصل فرمایئے۔ یا نمایندوں میں شریک ہو کر۔ پالیسی ہولڈروں کی اس انجمن کے منافع میں حصہ لیجئے۔

صدر دفتر:۔ بشیر باغ روڈ۔ حیدرآباد دکن

آپ کے غسل و ٹائیلٹ کیلئے بہترین صابن

صندل سوپ





فی ٹکی ۵/

نوعمر نوجوانوں کی نازک جلد کے طبعی حسن کو برقرار رکھنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ جلد کو باقاعدہ طور پر صندل سوپ سے صاف رکھا جائے۔ اسکی کثیر جھاگ جلد کی گہرائیوں میں نفوذ کر کے ہر قسم کی آلائشات کو قطعاً دور کر دیتی ہے۔ یہ صابن بالکل نباتاتی روغنیات سے تیار کیا گیا ہے جو نوجوانوں کی جلد کو ملائم اور چمکدار رکھتا ہے اور اس کا مقوی اثر میل مٹی داخل ہونے سے روکنے کے لئے مسامات کو کس دیتا ہے۔ ہمارے صندل سوپ سے نہانے کے بعد جسم میں اسکی بھینی بھینی خوشبو بہت دیر تک قائم رہتی ہے یہ خوشبو فرحت بخش بھی ہے اور مرغوب بھی۔



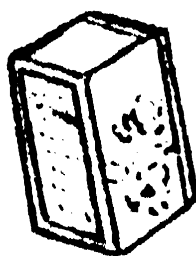
تیار کردہ دی حیدرآباد سوپ اینڈ آئیل ورکس لمیٹڈ (مشیرآباد)



میں نے اپنے چہرے کے لئے
ہیپکو اسنو اور پاوڈر
بہترین پایا ہے

ہیپکو اسنو آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے
بھینی بھینی خوشبو اسکی خصوصیت ہے۔ اسکے استعمال کے
بعد پاوڈر استعمال کیا جائے تو نہایت عمدہ اثر ظاہر ہوتا ہے









ہیپکو پوڈر بہت ہی احتیاط کے ساتھ
تیار کیا جاتا ہے۔ دن بھر اسکا اثر
رہتا ہے بھینی اور رنگ گلاب کی آمیزش

دوسرے اور اشیاء
خوشبودار تیل کا تیل و روغن آملہ عطریات





مردوں کیلئے برکاس بری لیاٹینس
بالوں کے جمانے کیلئے بہت ہی مفید
بھینی بھینی خوشبو

چہرے کو خوبصورت بنانے میں ہیپکو کے تیار کردہ سامان سے بہت مدد ملتی ہے

حیدرآباد پرفیومری کاسمٹکس لمیٹڈ

حیدرآباد۔ دکن

سہ ماہی علمی رسالہ

حیدرآباد دکن

انجمن طیلسانین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلہ طیلسانین

(حصہ عام)

(مدیر)

محمد غوث ایم ۔ اے ۔ ال ال ۔ بی' (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبر الدین صدیقی ایم ۔ اے'

(مہتمم)

محمد نور اللہ بی ۔ یس ۔ سی'

سالانہ چندہ پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک ۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

دفتر مجلہ طیلسانین ۔ نمائش گاہ ۔ باغ عام ۔ حیدرآباد دکن

ٹیلیفون نمبر ۲۵۵۳

مطبوعہ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانین

(حصۂ عام)

آبان ۱۳۵۴ ف اکتوبر ۱۹۴۵ء	فہرست مضامین	جلد ۹ شمارہ ۴

اداریہ

مجلۂ طیلسانیین کے پیشِ نظر جو کام ہے اُس کے سلسلہ میں بعض اُمور کی توضیح مناسب ہوگی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تا حال مملکت آصفیہ اور عام طور سے دکن کی سیاسی، مذہبی، علمی، ثقافتی، اور معاشی تاریخ، نیز جغرافیہ پر بہت کم کام ہوا ہے، اور بلند پایہ تصانیف موجود نہیں ہیں یا بہت کم موجود ہیں۔ علوم و فنون کی ترقی میں دکن نے جو حصّہ لیا اُس کا کوئی مستند رکارڈ شائع نہیں ہوا ہے۔

دکن کے مختلف تمدنوں، اور باشندوں کے معاشری، مذہبی اور سیاسی اعتقادات افکار اور نظریوں پر کام کرنے کی بہت ضرورت ہے۔

فنونِ لطیفہ، آثاریات، مسکوکیات، کتبات وغیرہ، سب تلاش و تحقیق کے وسیع میدانوں کے حامل ہیں۔

اسی طرح مختلف نظام ہائے قانون و معاشرت اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ سے ثقافتی یکجہتی میں ترقی ہو سکے گی۔

یہ بات ظاہر ہے کہ بہ وقت واحد ان سب موضوعات پر بلند پایہ ادب مہیا نہیں ہو سکتا۔ بڑی بڑی تصنیفوں سے قبل مضمونوں اور مقالوں سے ہی ابتدا ہو سکتی ہے۔

مجلۂ طیلسانیین کے پیش نظر یہ امر ہے کہ وہ اس نوعیت کے مضمونوں اور مقالوں کا مخزن قرار پائے، اور معقول معاوضہ دے کر مضامین و مقالات لکھوائے۔

اِسی طرح مجلہ کی یہ کوشش ہے کہ وہ ایسی خصوصیتیں پیدا کرے جو اُردو رسائل

ومجلات میں کم نظر آتی ہیں۔ حیدر آباد میں اسلامک کلچر نے انگریزی میں مضامین اور طباعت وغیرہ کی جو روایات قائم کی ہیں، اُن کا حامل حیدر آباد کے کسی نہ کسی اُردو مجلّہ کو بھی ہونا چاہیئے۔ کیا عجب ہے کہ یہ توقع مجلۂ طیلسانیین سے پوری ہو۔

اب بھی مجلّہ جن خصوصیتوں کا حامل رہا ہے، اُن کا تذکرہ نامناسب نہیں:-

(۱) مجلہ میں جامعۂ عثمانیہ کے مابعد طیلسان امتحانات کے لئے لکھے ہوئے مقالات کی طباعت عمل میں آتی ہے۔ توقع ہے کہ اس طرح اُردو زبان کی معیاری تالیفات کے ذخیرہ میں روز افزوں اضافہ ہوگا۔ نئے مقالے جو لکھے جاتے رہیں گے اُن کا کوئی شمار نہیں۔

(۲) ان مقالوں کے علاوہ مجلّہ نے یہ کوشش کی ہے کہ خاص خاص علوم و فنون اور ضروری موضوعات پر اہل علم سے معیاری مقالے لکھوائے۔ چنانچہ متقابلہ علم اصول قانون پر جناب مولوی فاضل ڈاکٹر میر سیادت علی خاں صاحب کے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اور یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ اس موضوع پر مجلّہ میں ہی پہلی مرتبہ اُردو میں قلم اُٹھایا گیا۔

(۳) حیدر آباد میں قلمی کتابوں کے جو عظیم الشان ذخائر محفوظ ہیں، وہ بیرونِ مملکتِ آصفیہ کم روشناس ہیں۔ حالانکہ ان کی اہمیت بے اندازہ ہے۔ ان بیش قیمت ذخائر کی ایسی تفصیلی فہرستیں جو طالبانِ علم کی رہبری کر سکیں، اور جو عصری نقطۂ ہائے نظر اور موجودہ ضروریات کے تحت لکھی گئی ہوں۔ گویا ناپید ہیں۔ ایک آدھ فہرست جو مرتب اور شائع ہوئی ہے، وہ آٹے میں نمک کے مصداق ہے۔ ملک کے ان نایاب ذخائر سے طالبانِ علم کو واقف کرانے کے لئے مجلہ میں خاص مضامین کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

(۴) علمی کتابوں کی طرح مملکت آصفیہ میں تاریخی اہمیت کے بے شمار کاغذات مہیّا ہیں ان سے اب تک کما حقہٗ استفادہ نہیں کیا گیا۔ بیرونِ ملک سے قطع نظر خود اندرونِ ملک

لوگ اپنے ملک کے قومی ذخائر کاغذات سے محض ناآشنا ہیں، مجلّہ کی یہ کوشش ہے کہ اس کے صفحات پر اصلی کاغذات تصاویر کے ساتھ بکثرت شائع ہوکر ملک کی تاریخ کو روشنی میں لائیں۔

(۵) معاشیات کے موضوع کے لئے مجلّہ کا ایک پورا حصّہ مختص ہے۔ اُردو رسائل و مجلّات کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ معاشیات جیسے اہم اور ضروری موضوع کے لیئے گویا ایک خاص مجلّہ مختص ہوا۔

اس طرح توقع ہے کہ مجلہ کے صفحات پر چاہے وہ عام حصہ میں ہوں یا حصۂ معاشیات میں، ایسے مقالے اور مضامین شائع ہوں گے جو مملکت آصفیہ کے صحیح اور حقیقی حالات کے آئینہ دار ہوں گے، جن سے حیدرآباد کے متعلق بیرونِ مملکت صحیح رائے قائم ہوسکے گی نیز قلمی کتابوں اور کاغذات تاریخی سے بھی بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی اہل علم آگاہ ہوکر استفادہ کے مواقع تلاش کریں گے. ان حالات میں مجلّہ اہل ملک کی ہمت افزائی کا بدرجۂ اتم مستحق ہے۔

یہاں یہ توضیح بے محل نہ ہوگی کہ اخبارات کے مقابلہ میں علمی مجلّات کے لئے سرکار عالی کی جانب سے کوئی اعانت نہیں ہوتی ہے، مثلاً:۔

۱۔ اخبارات کو کاغذ بازار کی مقررہ قیمت سے بہت کم قیمت میں دلایا جاتا ہے۔

۲۔ اخبارات کو خبر رساں اداروں سے بلامعاوضہ روزانہ خبریں فراہم کی جاتی ہیں اور اس کے معاوضہ میں سرکار عالی کئی ہزار روپیہ خبر رساں اداروں کو خود ادا فرماتی ہے۔

۳۔ اخبارات کو نقد امداد بھی مرحمت ہوتی ہے۔

۴۔ اخبارات کو اشتہارات بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔

اِن حالات میں اگر دفاتر سرکاری کو اخبارات کی خریدی سے سرکار نے منع کردیا ہے تو اس سے اخبارات کو کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف علمی مجلّات کو جو کسی

رعایت سے متمتع نہیں ہیں، سخت مشکل کا سامنا ہے۔

سررشتۂ تعلیمات سے بھی علمی رسائل کو کوئی ایسی امداد نہیں ہو رہی ہے جس سے کام چل سکے

کاغذ کی گرانی بلکہ نایابی کے اس عالم فشار میں مجلہ کو اپنے مستقبل کے متعلق ہر وقت تشویش رہتی ہے۔ سرکار عالی نے اخبارات کی امداد و تائید کے لئے جس فیاضی سے انتظام فرمایا ہے اُس کی کوئی مثال مملکت آصفیہ سے باہر نہیں مل سکتی۔ اس کے برخلاف علمی مجلات سرکار عالی کی کسی اعانت و تائید سے متمتع نہیں ہیں۔ سررشتۂ تعلیمات نے علمی مجلات اور رسائل کی تائید کا وہ سامان مہیا نہیں کیا جو سررشتہ اطلاعات عامہ نے اخبارات کی تائید واعانت کے لئے فراہم کیا ہے۔

جامعۂ عثمانیہ کے استحکام کے لئے خود حیدرآباد سے اچھے معیار کے پابندِ وقت اُردو رسائل و مجلات کی اشاعت بھی نہایت ہی ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی صاحب علم کے ابتدائی نتائج تحقیقات علمیہ کی اشاعت رسائل و مجلات کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ اسی ذریعہ سے دنیا کے ارباب علم میں باہمی ربط قائم رہتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت بہت دل شکن ہے کہ اُردو زبان کے اکثر رسائل و مجلات زیادہ تر ادبیات اور معمولی موضوعات کے گرداب میں سرگرداں ہیں۔ ان رسائل و مجلات سے یہ اُمید رکھنا کہ وہ کسی جامعہ کے استحکام اور تقویت کا باعث ہونگے فضول ہے۔

جب ہندوستان کے اُردو رسائل و مجلات کی یہ حالت ہے تو حیدرآباد کے رسائل و مجلات کب مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔

غرض حیدرآباد میں علمی رسائل و مجلات کے معیار کو بلند کرنا عامۃ النّاس اور زیادہ تر طیلسانی برادروں کی ہمت اور توجہ پر موقوف ہے۔ مجلۂ طیلسانیین اہل ملک اور طیلسانی برادروں کی روز افزوں توجہ کے لئے مخلصانہ طور پر ملتمس ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منشور اقوام متحدہ

مرتبہ سان فرانسسکو کانفرنس

از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون جامعہ عثمانیہ

نظام عالم کی سابقہ کوششیں | حریص و خودغرض انسان ڈر اور طمع کے دوگونہ عامل کے تحت اپنے ہم جنسوں سے تعاون پر آمادہ ہوتا اور اپنی آزادیٔ عمل میں ایثار گوارا کرتا ہے۔ تعاون نہ کرنے پر پیدا ہونے والے خطرے، اور تعاون کرنے پر حاصل ہونے والے مفاد جب زیادہ اہمیت رکھتے نظر نہیں آتے ہیں، تو من مانے کام کرنا اور اپنے ہم جنس غیروں کی ذات وجائداد کو اپنی خدمت کے لئے جبراً مسخّر کر لینا اس کی عادت رہی ہے۔

اولاً خاندان کی جگہ قبیلہ وار نظام میں شرکت اور اسی کی بستی میں سکونت، پھر قبائل کا شہری مملکت میں شرکت، پھر شہروں کا مملکتوں میں انضمام، پھر شہنشاہتوں اور دولت ہائے عامّہ کے تحت رہنے پر بخوشی آمادگی، اسی ڈر اور طمع کے تحت تھا۔

ایک طرف یہ تو دوسری طرف ہابیل وقین (یعنی قابیل) کا سگے بھائی ہونے کے باوجود لڑ پڑنا ایک ایسا واقعہ ہے جو دوسرے پہلو کی نمایندگی کرتا ہے اور محوریین اور متحدین کی دوسری عالمگیر جنگ اسی برادر کشتی کا بڑے پیمانہ پر اعادہ تھا اور کچھ نہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ اور باہمی کشمکش ہی تاریخ انسانی میں تمدنی ترقی کا سبب

بڑا باعث رہا ہے، صنعتی اور مادّی ترقیاں ہی نہیں، ذہنی تصورات اور نظریات کی "ایجاد" بھی اکثر جنگ کی "بدی" کا "نیک" نتیجہ رہے ہیں۔ علمی دنیا سے قطع نظر مذہبی شعبۂ حیات میں اگر پورا مواد حاصل ہو اور گہری تحلیل کی جائے تو خود پیغمبروں اور روحانی مصلحوں کی آمد و تبلیغ بھی ان کی قوموں کی خانہ جنگیوں اور بے لگام و مضر آزادیوں (بلکہ اباحیتوں) کا نتیجہ ثابت ہوگی۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ ہوں کہ گوتم بدھ و کنفوشس، حضرت پیغمبر اسلام ہوں کہ کوئی اور، سب کے دورِ تبلیغ و اصلاح کا پس منظر ان کے ملک کی طوائف الملوکی، اور اخلاقی بے راہ روی ہی نظر آئے گی۔

جب انتقام اور جوابی انتقام کے طویل اور ازدیاد رفتہ سلسلے نے یہ ناممکن بنا دیا ہو کہ کسی ایک فریق کو مکمل ظالم یا مکمل مظلوم قرار دیا جا سکے تو بھول جاؤ اور بھلا دو کی تعلیم دے کر ایک ہمہ گیر اور وسیع تر نظامِ معاشرت کی تحریک شروع ہوتی ہے۔ یا جب کوئی فاتح جیت جانے کے باوجود انتقام سے بے خوف نہ بن سکے، اور اپنی فتح کو مستحکم بنانے کا خواہشمند ہو تو حلیفوں و ہمنواؤں کے حصول کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ انسانی فطرت کی بعض کمزوریوں کے باعث دونوں ہی کوششیں زیادہ دن کامیاب نہیں رہتی رہی ہیں، پھر بھی اول الذکر کی اخلاقی اساس ہم سے خراجِ احترام وصول کرنے کی مستحق ہوتی ہے۔ تو آخر الذکر اپنی خود غرضی کے باعث اس سے بھی عاری ہوتی ہے۔

عالمگیر وحدانی حکومت اور عالمگیر وفاق

نظامِ عالم کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ تمام دنیا میں ایک ہی سلطنت قائم ہو جائے۔ اس کا خواب نمرودوں سے لے کر زمانۂ حال کے نمرودوں تک سب ہی دیکھتے رہے ہیں، مگر وہ آج تک پوری طرح شرمندۂ تعبیر کبھی نہیں ہو سکا کوئی قیصر دنیا کو "رومی کرہ" کہتا تھا تو کوئی مغل جہاندار کا لقب اختیار کرتا تھا، مگر سوائے اپنے آپ کو دھوکہ دینے والی لفاظی کے اس کے معنے کچھ اور نہ تھے۔ اسی لئے نظامِ عالم کی ان کوششوں کا یہاں ذکر غیر ضروری ہے۔

دوسری صورت آقائی و ماتحتی کی جگہ مساوات و اشتراک کے ذریعے سے نظامِ عالم کا قائم کرنا ہے جو ایک طرح سے مملکت ہائے عالم کا وفاق کہا جا سکتا ہے۔

مذہبی کوششیں | حضرت موسیٰ کی جو تعلیم موجودہ توریت میں ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ فلسطینی عمالقہ کی سات عرب قوموں کو زن و فرزند ہی نہیں مال و منال کے ساتھ دنیا سے نیست و نابود کر دیا جائے البتہ مابقی دنیا کو خراج گذار اور اطاعت شعار بننے پر زندہ رہنے اور ماتحتانہ گزر بسر کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ (توریت، کتاب تثنیہ ۱۰/۲۰ تا ۱۴) بظاہر یہ یک قومی فتح عالم کی تجویز ہے، اور یہودیت میں نسلی مذہب ہے، تبلیغ نہیں، اسی لئے ہم اسے نظر انداز کر دیتے۔ لیکن قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کی جو تعلیم ملتی ہے وہ فرعون اور مصریوں میں خدا پرستی کی تبلیغ ہی سے آغاز کار کرتی معلوم ہوتی ہے اور مذہب کو نسلی کی جگہ عالمگیر بنانا ایک قابلِ ذکر اقدام کہا جا سکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے متعلق متی کی اس روایت کی تاویل کر لیں جس میں انھوں نے ایک غیر یہودی عورت کو تبلیغ سے انکار کیا تھا، اور اس روایت کو صحیح باور کر لیں جس کے مطابق انھوں نے دنیا کے ہر حصے میں تبلیغ مسیحیت کے لئے بارہ حواری روانہ کئے تھے، تو بھی مسیحیت اور سیاسی نظام میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ ایک تو حضرت مسیحؑ کی محبت و ایثار کی مطلق تعلیم (انجیل متی ۲۹) اور دوسرے یہ تصریح کہ مسیحیت کا تعلق اس دنیا کی بادشاہت سے نہیں ہے۔ (انجیل یوحنا ۳۶/۱۸) یا سیاسی چیزیں بادشاہ پر اور مذہبی چیزیں کلیسا پر چھوڑ دو (انجیل متی ۲۱/۲۲) اسی بنا پر ہم مجبوراً اسے اپنی بحث سے خارج کر دیتے ہیں۔

پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے مساواتِ انسانی و فضیلت پرہیزگاراں کا اعلان فرمایا (قرآن مجید ۴۹/۱۳) اور اپنی دعوت کو عالمگیر رکھا (قرآن [illegible]) کے علاوہ چند بنیادی اعتقادات کی اساس پر مذاہب عالم کے دوستی کا اصول مقرر فرما دیا۔

"بے شک جو لوگ (تجھ پر) اسے محمدؐ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور صابی اور نصرانی، جو بھی خدا اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو ان کو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ملے گا۔ اور نہ ان کے لئے کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"[1] (قرآن ۲/۶۲، ۵/۶۹)

آنحضرت نے دنیا میں مسلمانوں کی نہیں بلکہ "خدا کی حکومت" (قرآن ۴/۶۹ وغیرہ) قائم کرنے اور خدائی قوانین نافذ کرنے کی مشن اختیار فرمائی اور اپنے متبعین کو سونپی۔ اور عہدِ نبوی کے نظامِ حکومت میں خدائی راج

---

[1] قرآن مجید (۳/۶۴) میں بھی اہل کتاب کو کلمۂ سواء یعنی مساوات کی اساس پر وفاق کی دعوت ہے۔

میں ہر ملت کو جو حفاظت و خود مختاری حاصل تھی وہ صرف ضمیر کی آزادی ہی پر مشتمل نہ تھی بلکہ معاشی، قانونی اور ثقافتی معاملات میں بھی کمل استقلالِ ذاتی پر مبنی تھی جس کی تفصیل سے قرآن (۴۸:۵ تا ۵۰) میں بھی صراحت ہے اور عہدِ نبوی و خلافتِ راشدہ میں قولی و فعلی توثیق و تعمیل ہوتی ہے، اور آیندہ کے لئے وہ غیر تبدیل پذیر اسلامی قانون بن جاتا ہے۔ حج اور خلافت کے ادارے بھی بین الاسلامی بین الممالک تنظیم پر مشتمل ہیں۔

دنیا داراَنہ کوششیں | ایسی کوششیں زمانۂ مابعد میں یورپ ہی میں اٹھتی رہی ہیں، ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ اتحاد عیسائیت کے لئے،

۲۔ اتحادِ یورپ کے لئے،

۳۔ اتحاد عالم کے لئے،

۱۔ اتحادِ عیسائیت

اس سلسلے میں سب سے قدیم کوشش کے طور پر غالباً مقدس رومی شہنشاہیت کا نام لیا جا سکتا ہے جس کا آغاز ۲۵ دسمبر ۸۰۰ء سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا اصول یہ تھا کہ شہنشاہ اور پوپ مشترکہ طور پر تمام دنیا کے آقا ہیں۔ شروع میں پوپ کی حیثیت محض اخلاقی طور پر شریک آقا کی تھی، لیکن بعد کی صدیوں میں اس نے بہت بڑا سیاسی اقتدار حاصل کر لیا، پھر پوپ اور شہنشاہ میں بھی جنگیں ہوئیں اور دیگر حکمرانوں سے بھی، اور اصلاحِ مذہب کی عیسائی کوششوں سے پوپ اور شہنشاہ سب ہی ختم ہو گئے۔ اب پوپ کی حیثیت محض رومن کیتھلک فرقے کے مذہبی پیشوا کی سمجھی جا سکتی ہے بہرحال اپنے عروج کے زمانے میں یورپ کا خاصا بڑا حصہ اس کے زیر اثر تھا۔

دو بوا نامی مؤلف نے سنہ ۱۳۰۵ء اور ۱۳۰۷ء میں بعض لاطینی کتابیں لکھیں جن کا مقصد ارض مقدس سے مسلمانوں کو نکالنا تھا۔ اس سلسلے میں اس کی تجویز تھی کہ جملہ عیسائی مملکتوں میں ربط و نظم پیدا کیا جائے تاکہ یورپ میں امن قائم رہے۔ اس وفاق میں صدر پادریوں اور مقتدر حکمرانوں کی مجلس کو ذمہ دار

قرار دیا گیا اور بین الممالک جھگڑوں کی یکسوئی کے لئے ایک عدالتِ تحکیم کی تجویز کی گئی۔ مگر یہ سب تجویز ہی رہی۔

مشہور شاعر دانتے ایک سیاست کار بھی تھا اور "بادشاہت" کے نام سے سیاسیات پر ایک کتاب بھی لکھی تھی، اس کی وفات ۱۳۲۱ء میں ہوئی۔ اس کی تجویز کو بھی اسی زمرے میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی رائے میں دنیا کی تمام قوموں کو مقدس رومی شہنشاہت، کے مرکز سے اپنے کو وابستہ کر لینا اور اپنے جھگڑوں میں اسی کو اعلیٰ ترین حکم مان لینا چاہیئے۔ شہنشاہ کا اولین مقصد عالمگیر امن کا قیام ہوگا۔ یہ بھی تجویز ہی رہ گئی۔

بوہیمیا کے بادشاہ پوڈےبارو کے جارج اور اس کے وزیر ماریني نے ترکوں سے لڑنے کے لئے پندرھویں صدی میں اتحادِ ممالک کی تجویز کی جس میں پوپ یا شہنشاہ کو کوئی خاص مقام نہیں دیا گیا تھا۔ اس تجویز میں ایک مجلس حکمرانان (Collegium) اور ایک مجلس عدالت (Consistorium) کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ ایک قاعدہ یہ رکھا گیا تھا کہ ایک فریق مقدمہ اس وفاق کا رکن ہو اور دوسرا نہ ہو تو تحکیم پر مجبور کیا جائے، اور جو فریق نہ مانے تو جملہ ارکانِ وفاق اس کے خلاف ہتیار اُٹھالیں۔ دونوں غیر رکن ہوں تو ارکانِ وفاق اولاً دوستانہ ذرائع سے اور اگر وہ ناکام ثابت ہوں تو ہتیار سے دخل ہی کر کے امن قائم کرائیں۔ اس تجویز میں صرف تین چار ملک شریک ہوئے۔

آخری کوشش غالباً تحالفِ مقدس ہے جو پدرکُش زار الگزانڈر نے کسی لمحۂ ملامتِ ضمیر میں سوچی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عیسائی بادشاہ اپنی سیاست میں عیسائی اُصول ملحوظ رکھیں۔ ۱۸۱۵ء میں چند یورپی حکمران اس میں شریک رہے۔ پھر اس جتھے نے خدائی فوجدار کا سا کام شروع کیا تو آپس کی رقابتیں پھوٹ پڑیں اور پندرہ ہی سال بعد یہ تحالف برخاست ہو گیا۔

۲- اتحادِ یورپ

اس سلسلے کی قدیم ترین کوشش غالباً فرانس کے بادشاہ چوتھے ہنری کی تھی، جو اس کے وزیر سیولی نے ۱۶۰۶ء میں مرتب کی اور "معاشیات شاہی" نامی کتاب میں شائع کی تھی۔ تجویز تھی کہ پورا یورپ

(بجز ترکی و ماسکو) پندرہ مساوی الحجم و مستوی المذاہب ریاستوں میں بانٹ دیا جائے۔ (ظاہر ہے کہ جس کو اپنے علاقے کے کچھ حصے سے دست بردار ہونا پڑتا، اُس سے منوانا ٹیڑھی کھیر تھی) اور تین مذہب مسلّمہ قرار دیے گئے: کیتھلک، پراٹسٹنٹ اور ریفرمسٹ۔ اسی طرح دستور میں شاہی، امرائی، عمومی یا مخلوط کی اجازت دی گئی تھی۔ ایک مشترکہ تحکیم اور مرکزیہ کی بھی تجویز تھی، پھر مرکزیہ کی جگہ تین سال بعد یہ ترمیم کی گئی کہ سات منطقہ دار مجالس یورپ کے سات اہم حصوں میں ہوں۔ پوپ سے بھی وابستگی پیدا کی جائے اور یہ وفاقِ یورپ ناقابلِ فسخ ہو۔

سولھویں صدی کی ہولناک اور لرزا دینے والی مذہبی جنگیں ختم ہوئیں تو امن نوازی کے لئے یہ خاکہ تیار کیا گیا اور اس پر شاہ فرانس بزورِ عمل کرانے کے لئے آمادہ بھی ہو گیا تھا کہ قدرت کو انسانوں پر رحم آگیا اور بادشاہ کو داعیِ اجل کے سامنے لبیک کہنی پڑی۔

اسپین کی جنگ جانشینی کے بعد پادری سین پیئر (فوت ۱۷۴۳ء) نے دو جلدوں میں "یورپ میں دوامی امن کی ایک تجویز" مرتب کی جس کا اہم امر یہ تھا کہ ایک طرح کا قانون بین الممالک بنا کر سب اس پر عمل کریں اور نزاعات کی اس سے یکسوئی ہو۔

امریکا کی جنگ آزادی ختم ہوئی تو انگلستان کے ایک مشہور عالم بنتھام نے جس کی وفات ۱۸۳۲ء میں ہوئی ۱۷۸۹ء میں ایک کتاب لکھی جو اس کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ مستقل و عالمگیر امن کے لئے اس کی رائے میں یہ ضروری تھا کہ انگلستان اور فرانس اپنی نو آبادیوں سے دست بردار ہو جائیں، اور اپنے بجریے میں بڑی تخفیف کر دیں۔ نیز ممالکِ یورپ کے اسلحہ کی تخفیف و تعین ہو۔ وزارتِ خارجہ کا ہر کام علانیہ ہو اور کوئی بات راز میں نہ رکھی جائے۔ ایک مجلسِ تحکیم یورپ بنے، مگر فیصلے کو نہ ماننے والے فریق کے خلاف اس نے بجز طرد اور جماعت باہر قرار دینے کے کوئی اور تہدید یا مدارک مہیا نہیں کیا۔ اس پر عمل تو کون کرتا لیکن نو آبادیوں کی آزادی واقعی اب زیادہ سنجیدہ غور کی مستحق ہو گئی ہے۔

انقلاب فرانس کے زمانے میں جرمن فلسفی کانت نے بھی ۱۷۹۵ء میں دوامی امن کی ایک تجویز پیش کی کہ یورپ میں صرف جمہوریتیں رہیں، اور ایک وفاق جماہیرِ یورپ قائم کیا جائے۔ یورپی سلطنتیں

اپنی افواجِ قائمہ برخاست کردیں۔ بیرونی قرضے مسدود کردیں، بیرونی ممالک کے معاملات میں دخل ہی بند کردیں، اور سرحدوں کی حد تک حالتِ موجودہ برقرار رکھی جائے۔ — مگر ایسی باتیں کہاں سُنی جاتی ہیں۔

۱۸۱۴ء میں برطانیہ، پروشیا، روس اور آسٹریا نے چار بڑوں کی نظارتِ یورپ قائم کی تاکہ ناپولیون سے نبٹا جائے اور یہ لوگ جو طے کریں وہ تمام یورپ کی طرف سے نافذ سمجھا جائے۔ یہ متعدد ممالک کی مساوات پر ایک ضرب تھی، اور بڑوں اور چھوٹوں میں تقسیم ظاہر ہے کہ چھوٹے ممالک کو پسند نہ تھی۔ اس لئے فوری ضرورتوں کے ختم ہونے پر یہ زیادہ دن چل بھی نہ سکی

ابھی چند سال قبل فرانس کے وزیر خارجہ برایاں نے مجلس اقوام کے اندر ایک اتحادِ یورپ کے قیام کی تجویز اُٹھائی تھی، مگر اہل یورپ میں اتنی سمجھ ابھی کہاں تھی کہ آپس کی خونریزیوں کی جگہ امن اور ملاپ کے لئے اتحاد کرسکیں۔

۳۔ اتحادِ عالم

دانتے کی تجویز کو (جسے ہم نے قسم اول میں رکھا ہے) بعض پرجوش مؤلف اس جگہ بھی بیان کرتے ہیں لیکن وہ اتحادِ عالم نہیں، بلکہ دنیا کو یورپ یا عیسائیت کے ماتحت بنانے کی تجویز تھی۔ اس لئے اس سے ہم یہاں بحث نہیں کرسکتے۔

بلا لحاظ مذہب و ملک اتحادِ عالم کی واقعی تجویز ۱۶۶۳ء میں ایک فرانسیسی مؤلف امے رک کروسے نے "نئے زمانے کا سینیا" نامی کتاب میں پیش کی تھی۔ پرانا سینیا ایک وزیر تھا جس نے یونان کی ایک ریاست کے فرماں روا پیروس کو مشورہ دیا تھا کہ صقلیہ، روما اور قرطاجنہ فتح کرلینے کے بعد آرام لے کہ باقی دنیا اس قابل نہیں ہے کہ اس کی فتح کی زحمت گوارا کی جائے۔ نیا سینیا بھی بادشاہوں کو اپنے موجودہ مقبوضات پر قناعت کا مشورہ دیتا ہے۔ اس کے مطابق ایک مجلس رؤسا و وزرا عالم شہر وینیس میں قائم ہو تاکہ بین الممالک نزاعات میں تحکیم کرے۔ یورپ کی مشہور تیس سالہ جنگ کے دوران میں ایک امن پسند کی یہ ایک خیالی آواز تھی جو بے تعصبی اور جدت پسندی کے باعث

حیرت انگیز کہی جا سکتی ہے، اور اس تجویز کے بہت سے خط و خال بعد میں زیر عمل بھی آ گئے۔

انقلاب فرانس کے بعد زار الگزانڈر نے اپنے وزیر آدم تسارتوروسکی کے ذریعے سے یہ کوشش کی کہ برطانیا و روس میں خارجہ سیاست کے متعلق اتحاد ہو جائے۔ امن عالم کے لئے اقوام کی جائز خواہشوں کی تکمیل کی جائے۔ (چنانچہ بعض یورپی اقوام کو دیگر یورپی اقوام کے تسلط سے نجات دلائی جائے۔) بیرونی امن محتاط تبادلۂ آبادی کے ذریعے سے حاصل کیا جائے۔ قانون بین الممالک کی تدوین ہو اور اس کی تعمیل کے لئے ایک مجلس اقوام قائم کی جائے جس میں برطانیا و روس دو بڑے سرگروہ ہوں نزاعات میں لازمی ثالثی ہو اور ثالثی کے بغیر جنگ نہ شروع کی جائے۔ رعایا کی رضا داخلی و خارجی دونوں قسم کے امن کے لئے ضروری ہے، اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مزید استحکام امن کے لئے سرحدوں کا نیا تعین فطری ضروریات کے مطابق کیا جائے۔ انگلستان کے عملیت پسند وزرا کی سرد مہری سے یہ تجویز داخل دفتر ہو گئی۔

اس کے تقریباً سو سال بعد ۱۹۱۹ء میں مجلس اقوام قائم ہوئی، اور چونکہ اس کا اہتمام اہل یورپ کے ہاتھ میں رہا اس لئے ان کی خودغرضیوں نے نااہلیوں سے بڑھکر اس اچھے ادارے کو بیس سال کی عمر میں جوانامرگ کر دیا۔

اب ۱۹۴۵ء میں "اقوامِ متحدہ" کے نام سے ایک نیا ادارہ مجلس اقوام ہی کے اصول پر قائم کرنا طے ہوا ہے، لیکن اب ان خدائی فوجداروں کے ہاتھ میں کھلونے کی جگہ ہتیار بھی دینے کی تجویز ہے، امریکا، روس اور برطانیا کی ناخدائی میں اس ناؤ کا کیا حشر ہوگا۔ اور فرانس کے قوت پکڑنے پر کیا مزید اثرات کام کریں گے۔ اس کے متعلق ابھی کچھ کہنا مناسب نہیں۔ البتہ مجوزہ "منشور" کی دفعہ ۱۰۷ میں یہ صراحت بدفالی پیدا کر رہی ہے کہ فاتحین اپنے مفتوحوں کے ساتھ جو بھی کریں وہ جائز اور منصفانہ سمجھا جائیگا اس سے اب نہیں تو آئندہ انتقام کی تیاری شروع ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

سچ تو یہ ہے کہ جب تک کوئی غیر ارضی دشمن (مثلاً مریخ کے باشندے) زمین پر حملہ آور ہو کر جملہ اہل زمین کیلئے مشترکہ دشمن نہ بن جائیں، بنی نوع انسان کا اتحاد چاہے قابل (یقین) کی بری نظیر کے باعث ممکن ہی نہیں معلوم

اقوامِ متحدہ کے منشور کا ترجمہ

ہم، اقوامِ متحدہ کے لوگ، یہ عزم کر چکے ہیں کہ آئندہ نسلوں کو جنگ کی مصیبت سے، جو ہمارے زمانۂ زندگی میں دو مرتبہ بنی نوع انسان کے لئے اَن گنت تکلیفیں لا چکی ہے محفوظ رکھیں، اور

بنیادی انسانی حقوق، انسانی شخصیت کی حرمت اور قدر و قیمت میں، عورتوں اور مردوں کے نیز قوموں کے (چاہے بڑی ہوں یا چھوٹی) مساوی حقوق رکھنے میں اپنے ایقان کی مکرر تصدیق کریں، اور

ایسے حالات قائم کریں جن کے تحت انصاف اور معاہدات نیز دیگر ماخذ ہائے قانونِ بین الممالک سے پیدا ہونے والے واجبات کا احترام برقرار رکھا جا سکے، اور

سماجی پیش روی اور بہتر معیار ہائے زندگی کو وسیع تر آزادی کے ساتھ ترقی دیں۔

اور ان غایات کے لئے

رواداری پر عمل کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ باہم پُرامن طور پر اچھے ہمسایوں کی طرح رہیں، اور

بین الممالک امن اور تحفظ کو برقرار رکھنے کیلئے اپنی قوت کو متحد کریں، اور

اُصولوں کو قبول کر کے اور طریقوں کو مقرر کر کے اس کا اطمینان حاصل کریں کہ مسلح طاقت کا استعمال نہیں کیا جائے گا، بجز مشترکہ مفاد کے، اور

جملہ لوگوں (قوموں) کی معاشی اور سماجی پیش روی کی ترقی کے لیے بین الممالک نظم کار قائم کر کے یہ قرار دے چکے ہیں کہ ہمارے مساعی کو ان اغراض کے حصول کے لئے یکجہت کریں۔

اسی لئے ہماری متعلقہ حکومتوں نے اپنے نمایندے کے ذریعے سے (جو شہر فرانسسکو میں جمع ہوئے تھے، اور جنھوں نے اپنے مکمل اختیارات رکھنے کی دستاویزیں بتائیں جو ٹھیک اور باقاعدہ

پائی گئیں) اقوام متحدہ کے منشورِ ہٰذا سے رضامندی ظاہر کی ہے، اور وہ بذریعہ ہٰذا ایک بین الممالک تنظیم قائم کرتی ہیں جس کا نام "اقوام متحدہ" ہوگا۔

پہلا باب

مقاصد اور اُصول

دفعہ (۱)

مقاصد | اقوامِ متحدہ کے مقاصد یہ ہیں:۔

۱۔ بین الممالک امن و تحفظ کو برقرار رکھنے اور اس غرض کے پیشِ نظر، امن کو دھمکانے والی چیزوں کا سدباب اور ازالہ کرنے اور اقدامی کارروائیوں یا دیگر امن شکنیوں کو دبا دینے کے لئے مؤثر اجتماعی تدبیریں اختیار کرنا، اور مسالمانہ ذرائع سے اور انصاف و قانونِ بین الممالک کے اُصول کے مطابق ان بین الممالک جھگڑوں یا صورت ہائے حال کی یکسوئی یا تسویہ کرنا جو امن شکنی کی طرف لے جاسکتی ہوں۔

۲۔ قوموں کے مابین ایسے دوستانہ تعلقات کو ترقی دینا جو مساوی حقوق اور اقوام کی خودتعینی کے اصول کے احترام پر مبنی ہوں، اور ایسی دیگر موزوں تدبیریں اختیار کرنا جن سے عالمگیر امن کو تقویت حاصل ہو۔

۳۔ کسی معاشی، سماجی، ثقافتی، یا رفاہی نوعیت کی بین الممالک گتھیوں کے سلجھانے میں نیز حقوقِ انسانی اور بلا امتیازِ نسل یا جنس یا زبان یا مذہب سبھی کی بنیادی آزادی اور انسانی حقوق کے احترام کو ترقی دینے اور حوصلہ افزائی کرنے میں بین الممالک تعاون حاصل کرنا؛ اور

۴۔ ان مشترکہ غایات تک پہونچنے کے لئے اقوام کی کارروائیوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا مرکز رہنا۔

دفعہ (۲)

یہ تنظیم اور اس کے ارکان، دفعہ (۱) میں بیان شدہ مقاصد کی پیروی میں مندرجۂ ذیل اصولوں کے

مطابق کارروائی کریں گے:-

۱۔ یہ تنظیم اس اُصول پر مبنی ہے کہ اس کے جملہ ارکان مقتدر مساوات رکھتے ہیں۔

۲۔ جملہ ارکان، اس غرض کے لئے کہ رکنیت سے جو حقوق و فوائد حاصل ہوتے ہیں، اُن کا سب کے لئے یقین حاصل ہو، نیک نیتی کے ساتھ ان واجبات کو پُورا کریں گے جو منشورِ ہذا کے مطابق اُنھوں نے اختیار کئے ہیں۔

۳۔ جملہ ارکان اپنے بین الممالک جھگڑوں کا مسالمانہ وسائل سے اس طور پر تسویہ کریں گے کہ بین الممالک امن و تحفظ اور انصاف کو خطرہ نہ لاحق ہو۔

۴۔ جملہ ارکان اپنے بین الممالک تعلقات میں اس امر سے باز رہیں گے کہ کسی مملکت کی ارضی کاملیت یا سیاسی خودمختاری کے خلاف دھمکی یا جبر کو کام میں لائیں یا کوئی بھی ایسا طریقہ (اختیار کریں) جو اقوام متحدہ کے مقاصد کے منافی ہو۔

۵۔ جملہ ارکان "اقوامِ متحدہ" کو ہر اس کارروائی میں جو وہ دستورِ ہذا کے مطابق کرے ہر طرح کی مدد دیں گے، اور اس بات سے باز رہیں گے کہ کسی ایسی مملکت کو مدد دیں جس کے خلاف اقوامِ متحدہ انسدادی یا اجباری کارروائی اختیار کر رہی ہو۔

۶۔ یہ تنظیم اس بات کا یقین حاصل کرے گی کہ جو مملکتیں اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہیں وہ انھیں اصولوں کے مطابق کارروائی کر رہی ہیں جہاں تک کہ بین الممالک امن و تحفظ کے برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔

۷۔ منشورِ ہذا میں درج کی ہوئی کوئی چیز بھی اقوام متحدہ کو اس کا مجاز نہیں کرتی کہ وہ ایسے معاملات میں دخل دہی کرے جو اساساً کسی مملکت کے گھریلو اختیارِ سماعت میں ہوں۔ یا ارکان سے مطالبہ کرے کہ منشورِ ہذا کے تحت تسویے کے لئے وہ ایسے معاملات کو پیش کریں؛ لیکن یہ اُصول ساتویں باب میں بیان شدہ اجباری تدبیروں کے اطلاق کو متاثر نہیں کرتا۔

دوسرا باب

رُکنیت

دفعہ (۳)

اقوامِ متحدہ کی ابتدائی رکن وہ مملکتیں ہوں گی جنھوں نے سان فرانسسکو میں بین الممالک تنظیم کے متعلق منعقد شدہ کانفرنس اقوامِ متحدہ میں حصہ لیا ہو، یا سابق ہی میں اقوامِ متحدہ کی طرف سے ۱۲ جنوری ۱۹۴۲ء کو کئے ہوئے اعلان پر دستخط کر دیے ہوں، اور منشورِ ہذا پر دستخط کر کے دفعہ (۱۱۰) کے مطابق اس کی توثیق کریں۔

دفعہ (۴)

۱۔ اقوامِ متحدہ کی رکنیت دیگر اُن تمام امن پسند مملکتوں کے لئے کھلی ہوئی ہے جو منشورِ ہذا میں درج شدہ واجبات کو قبول کریں، اور تنظیم کی رائے میں، وہ ان واجبات کی تکمیل کے قابل اور اس پر آمادہ ہیں۔

۲۔ کسی مملکت کا اقوامِ متحدہ میں داخلہ مجلس عام کے فیصلے سے مجلس تحفظ کے مشورے سے ہوگا۔

دفعہ (۵)

جس رکن اقوامِ متحدہ کے خلاف مجلس تحفظ نے انسدادی یا اجباری کارروائی کی ہو، اُسے مجلسِ تحفظ کی سفارش پر، مجلس عام رکنیت کے حقوق و امتیازات کے استعمال سے معطل کر سکے گی۔ ان حقوق و امتیازات کو مجلس تحفظ بحال بھی کر سکے گی۔

دفعہ (۶)

جس رکن اقوامِ متحدہ نے منشور ہذا میں درج شدہ اُصولوں کی مستقل طور پر خلاف ورزی کی ہو، اُسے مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام، تنظیم سے خارج کر سکتی ہے۔

تیسرا باب

آلہ ہائے کار

دفعہ (۷)

۱۔ اقوام متحدہ کے اصل آلہ ہائے کار کے طور پر حسب ذیل انتظامات قائم کئے جاتے ہیں:۔ ایک مجلس عام، ایک مجلس تحفظ، ایک معاشی و سماجی مجلس، ایک مجلس امینی، ایک بین الممالک عدالت انصاف، اور ایک معتمدی۔

۲۔ ایسے ذیلی آلہ ہائے کار جن کی ضرورت محسوس ہو، منشور ہذا کے مطابق قائم کئے جاسکیں گے۔

دفعہ (۸)

اقوام متحدہ اپنے اصلی و ذیلی آلہ ہائے کار میں کسی حیثیت سے حصہ لینے اور مساوات کی حالت میں ہونے کے متعلق مردوں اور عورتوں کی اہلیت پر کوئی پابندیاں نہیں عائد کرتی۔

چوتھا باب

مجلس عام

تشکیل

دفعہ (۹)

۱۔ مجلس عام، اقوام متحدہ کے جملہ ارکان پر مشتمل ہوگی

۲۔ کسی رکن کے مجلس عام میں پانچ سے زیادہ نمائندے نہیں ہونگے۔

وظائف واختیارات

دفعہ (۱۰)

مجلسِ عام کسی بھی مسئلے یا معاملے پر بحث کر سکے گی جو منشورِ ہذا کے دائرے کے اندر یا منشورِ ہذا میں مقرر کئے ہوئے آلہ ہائے کار کے وظائف و اختیارات سے متعلق ہو، اور بجز اس کے جس کا ذکر دفعہ (۱۲) میں ہے، ارکانِ اقوامِ متحدہ یا مجلسِ تحفظ یا دونوں کے پاس ایسے مسائل یا معاملات پر سفارشیں کر سکتی ہے،

دفعہ (۱۱)

(۱) مجلسِ عام بین الممالک امن و تحفظ کو برقرار رکھنے میں تعاون کے عام اصولوں پر بشمول اُن اُصولوں کے جو بے اسلحگی اور اسلحہ میں باقاعدگی پیدا کرنے پر مؤثر ہوں، غور کر سکتی ہے۔ اور ایسے اُصولوں کے متعلق ارکان یا مجلسِ تحفظ یا دونوں کے پاس سفارشیں کر سکتی ہے۔

(۲) مجلسِ عام ایسے کسی مسائل پر بحث کر سکتی ہے جو بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری سے متعلق ہوں اور اس کے سامنے اقوامِ متحدہ کا کوئی رکن یا مجلسِ تحفظ یا کوئی ایسی مملکت جو اقوامِ متحدہ کی رکن نہیں ہے، حسب دفعہ (۳۵) ضمن ۲ پیش کرے، اور بجز اس کے جس کا ذکر دفعہ (۱۲) میں ہے، ایسے مسائل کے متعلق، متعلقہ مملکت یا ممالک یا مجلسِ تحفظ یا دونوں کے پاس سفارشیں کر سکتی ہے۔ ایسا کوئی مسئلہ جس میں کارروائی کی ضرورت ہو مجلسِ عام بحث کے پہلے یا بعد مجلسِ تحفظ کے پاس روانہ کر دے گی۔

(۳) مجلسِ تحفظ کی توجہ مجلسِ عام ایسی صورت ہائے حال پر منعطف کرائیگی جن کا بین الممالک امن و تحفظ کو خطرے میں ڈالنا قرینِ قیاس ہو۔

(۴) مجلسِ عام کے جو اختیارات دفعۂ ہذا میں مقرر کئے گئے ہیں، اُن سے دفعہ (۱۰) کی عام وسعت محدود نہیں ہوگی

دفعہ (۱۲)

(۱) جس وقت مجلسِ تحفظ ان وظائف کو انجام دے رہی ہو جو کسی جھگڑے یا صورتِ حال کے متعلق منشورِ ہذا کے تحت اس کے سپرد کئے گئے ہیں تو مجلسِ عام کوئی سفارش اس جھگڑے یا صورتِ حال کے متعلق نہیں کرے گی، بجز اس کے کہ مجلسِ تحفظ ہی ایسی خواہش کرے،

(۲) مجلسِ تحفظ کی اجازت سے معتمدِ عمومی مجلسِ عام کو ہر اجلاس کے وقت ایسے معاملات کی اطلاع دیگا

جو بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری سے تعلق رکھتے تھے جن پر مجلس تحفظ توجہ کررہی ہو، اور وہ اسی طرح مجلس عام کو (اور اگر مجلس عام کا اجلاس نہ ہورہا ہو تو ارکان اقوام متحدہ کو) اطلاع دے گا جوں ہی کہ مجلس تحفظ نے ایسے معاملات پر توجہ بند کردی ہو۔

دفعہ (۱۳)

۱ مجلس عام امور ذیل کے متعلق مطالعہ آغاز کراسکتی اور سفارشیں کرسکتی ہے :-

(ا) سیاسی میدان میں بین الممالک تعاون کو ترقی دینا اور قانون بین الممالک کی ترقی پذیر نشو ونما اور تدوین کی حوصلہ افزائی کرنا؛

(ب) معاشی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی اور صحتی میدانوں میں بین الممالک تعاون کو ترقی دینا، اور بلا امتیاز نسل و جنس، و زبان و مذہب، سب کے لئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے واقعی حاصل ہونے میں مدد دینا

۲ مجلس عام کی دیگر ذمہ داریاں، وظائف اور اختیارات جو ضمن (ب) بالا کے متعلق ہیں، ان کی تفصیل نویں اور دسویں باب میں دی گئی ہے۔

دفعہ ۱۴

دفعہ (۱۲) کا لحاظ رکھتے ہوئے، مجلس عام کسی صورتِ حال کی (بلا لحاظ اس کے کہ اس کا آغاز کیا ہے) یکسوئی کے لئے تدبیروں کی سفارش کرسکتی ہے، جب کہ اس کی رائے میں اس (صورتِ حال) سے قوموں کی عام بہبودی یا دوستانہ تعلقات میں خلل پیدا ہونا قرین قیاس ہو۔ بشمول ان صورت ہائے حال کے جو منشور ہذا کے ان احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہوں جن میں اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کی تفصیل دیگئی ہو۔

دفعہ (۱۵)

۱ مجلس تحفظ کی سالانہ اور خصوصی رپورٹیں مجلس عام وصول اور ان پر غور کرے گی؛ ان رپورٹوں میں ان تدابیر کا بھی ایک تذکرہ شامل ہوگا جو مجلس تحفظ نے بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری کے لئے طے یا اختیار کی ہوں۔

(۲) اقوام متحدہ کے دیگر آلہائے کار کی رپورٹیں مجلس عام وصول اور اُن پر غور کرے گی۔

دفعہ (۱۶)

مجلس عام، بین الممالک نظام امینی کے متعلق ان وظائف کو انجام دے گی جو بارھویں اور تیرھویں باب میں اس کے سپرد کئے گئے ہیں؛ ان میں ان رقبوں کے متعلق جن کو حربیاتی اہمیت والا نہیں قرار دیا گیا ہے امینی کے راضی ناموں کو منظور کرنا بھی شامل ہے۔

دفعہ (۱۷)

(۱) مجلس عام، تنظیم کے موازنے پر غور اور اُسے منظور کرے گی۔

(۲) تنظیم کے مصارف ارکان اسی حساب سے برداشت کریں گے جو مجلس عام مقرر کرے۔

(۳) مجلس عام، اختصاصی کارندگیوں کے ساتھ جن کا ذکر دفعہ (۵۷) میں ہے، ہر مالی اور موازنہ جاتی انتظامات پر غور اور ان کو منظور کرے گی اور ایسی خصوصی کارندگیوں کے انتظامی موازنوں کی اس غرض سے جانچ کرے گی کہ متعلقہ کارندگیوں کو سفارشیں کرے

رائے دہی

دفعہ (۱۸)

(۱) مجلس عام کا ہر رکن ایک رائے کا حق رکھے گا۔

(۲) مجلس عام کے فیصلے اہم معاملات میں حاضر اور رائے دینے والے ارکان کی دو تہائی اکثریت سے ہوا کریں گے۔ ایسے مسائل میں امورِ ذیل شامل ہیں:۔ بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری کے متعلق سفارشیں، مجلس تحفظ کے غیر دوامی ارکان کا انتخاب، معاشی و سماجی مجلس کے ارکان کا انتخاب، دفعہ (۸۶) ضمن (۱) ج کے مطابق ارکانِ مجلس امینی کا انتخاب، اقوام متحدہ میں نئے ارکان کا داخلہ، رکنیت کے حقوق و امتیازات کو معطل کرنا، ارکان کا اخراج، نظامِ امینی کی کارکردگی سے تعلق رکھنے والے مسائل، اور موازنے کے مسائل۔

(۳) دیگر مسائل کے فیصلے بشمول اس کے کہ دو تہائی اکثریت سے فیصلہ کرنے کے لئے مزید اقسام کا تعین، حاضر اور رائے دہندہ ارکان کی اکثریت سے ہوگا۔

دفعہ (۱۹)

جو رکن اقوام متحدہ تنظیم کے متعلق اپنے مالی چندوں کی ادائی میں بقایا دار ہو مجلس عام میں رائے نہ دے سکے گا بشرطیکہ اسکے بقایا کی مقدار اس رقم کے برابر یا زائد ہو جو سابقہ دو پورے سالوں کے متعلق اس سے بطور چندہ وصول طلب ہوتی ہو۔ پھر بھی مجلس عام ایسے رکن کو رائے دینے کی اجازت دے سکتی ہے اگر وہ اطمینان دلائے کہ ادائی میں قصور ایسے حالات کے باعث ہو جو اس رکن کے قابو سے باہر تھے۔

دفعہ (۲۰)

مجلس عام کے سالانہ مقررہ اجلاس اور جب ضرورت داعی ہو، خصوصی اجلاس ہوا کریں گے۔ معتمد عمومی خصوصی اجلاس مجلس تحفظ یا اقوام متحدہ کے ارکان کی اکثریت کی خواہش پر طلب کرے گا۔

دفعہ (۲۱)

مجلس عام اپنی کارروائیوں کا ضابطہ خود بنائیگی۔ وہ ہر اجلاس کے لئے ایک صدر کا انتخاب کیا کرے گی۔

دفعہ (۲۲)

مجلس عام اپنے وظائف کی انجام دہی کے لئے ایسے ذیلی آلہ ہائے کار قائم کر سکتی ہے جو اس کی رائے میں ضروری ہوں۔

پانچواں باب

مجلسِ تحفظ

تشکیل

دفعہ (۲۳)

(۱) مجلس تحفظ، اقوام متحدہ کے گیارہ ارکان پر مشتمل ہوگی۔ جمہوریۂ چین، فرانس، اتحاد جماہیر شورائیہ (روس)، سلطنت متحدہ برطانیہ و شمالی آئرستان، اور ممالک متحدۂ امریکا، مجلس تحفظ کے دوامی رکن ہونگے

مجلس عام اقوامِ متحدہ کے چھے اور ارکان کا انتخاب مجلس تحفظ کے غیر دوامی ارکان کے طور پر کرے گی اور مناسب لحاظ خاص طور پر اولاً اس کا ہوگا کہ اقوامِ متحدہ کے ارکان نے بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری اور تنظیم کے دیگر مقاصد میں کیا حصہ لیا ہے۔ نیز منصفانہ جغرافی تقسیم کا بھی۔

۲ مجلس تحفظ کے غیر دوامی ارکان کا تقرر دو سال کی میقات کے لئے ہوگا۔ البتہ غیر دوامی ارکان کے پہلے انتخاب میں تین ارکان صرف ایک سال کی میقات کے لئے چنے جائیں گے۔ الگ ہونے والا رکن فوراً دوبارہ منتخب ہونے کا اہل نہ ہوگا۔

۳ مجلس تحفظ کے ہر رکن کا ایک ہی نمایندہ ہوا کرے گا۔

وظائف اور اختیارات

دفعہ (۲۴)

۱ اقوامِ متحدہ کی طرف سے برو قت اور مؤثر کارروائی کا اطمینان حاصل کرنے کے لئے، اس کے ارکان بین الممالک امن و تحفظ کی برقراری کی ابتدائی ذمہ داری مجلس تحفظ کو عطا کرتے ہیں، اور رضامندی ظاہر کرتے ہیں کہ اس ذمہ داری کے تحت اپنے فرائض کی انجام دہی میں جو بھی کام کرے وہ ان (سب) کی طرف سے سمجھا جائے۔

۲ ان فرائض کی تکمیل میں مجلس تحفظ، اقوامِ متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے مطابق کارروائی کرے گی۔ ان فرائض کی تکمیل کے لئے مجلس تحفظ کو جو معین اختیارات دیئے گئے ہیں وہ باب ۶، ۷، ۸ اور ۱۲ میں بیان کئے گئے ہیں۔

۳ مجلس تحفظ سالانہ، اور ضرورت ہو تو خصوصی رپورٹیں مجلس عام کے غور کے لئے پیش کرے گی۔

دفعہ (۲۵)

اقوامِ متحدہ کے ارکان اس امر پر رضامند ہیں کہ وہ مجلس تحفظ کے ان فیصلوں کو قبول اور نافذ کرتے ہیں جو منشور ہذا کے مطابق ہوں۔

دفعہ (۲۶)

بین الممالک امن و تحفظ کے قیام و بقا کو ترقی دینے میں دنیا کے انسانی اور معاشی ذرائع کے اسلحہ کو کم ترین حد تک استعمال کرنے کی غرض سے مجلس تحفظ اس بات کی ذمہ دار ہوگی کہ دفعہ (۴۷) میں بیان شدہ فوجی اسٹاف کمیٹی کی مدد سے منصوبے تیار کر کے اقوام متحدہ کے سامنے پیش کرے تاکہ اسلحہ میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ایک نظام قائم ہو۔

رائے دہی

دفعہ (۲۷)

۱۔ مجلس تحفظ کے ہر رکن کو ایک رائے حاصل ہوگی۔

۲۔ مجلس تحفظ کے فیصلے امور ضابطہ کے متعلق سات ارکان کی مثبت رایوں سے ہوا کریں گے۔

۳۔ دیگر تمام معاملات میں مجلس تحفظ کے فیصلے سات ارکان کی مثبت رایوں سے، جن میں دامی ارکان کی ہم آہنگ آرار داخل ہونگی، ہوا کریں گے؛ البتہ باب ۶ اور دفعہ (۵۲) کی ضمن ۳ کے تحت فیصلوں کے وقت فریق مقدمہ رائے دہی سے باز رہیگا۔

ضابطہ

دفعہ (۲۸)

۱۔ مجلس تحفظ کی تشکیل اس طور پر ہوگی کہ وہ مسلسل غیر منقطع طور پر اپنے وظائف انجام دینے کے قابل ہو۔ اس مقصد کے لئے مجلس تحفظ کے ہر رکن کا نمایندہ تنظیم کے مستقر پر ہر وقت موجود رہا کرے گا۔

۲۔ مجلس تحفظ کے جلسے میقاتی طور پر ہوا کریں گے جن میں اس کے ہر رکن کی نمایندگی، اس کی خواہش ہو تو، اس کی حکومت کا کوئی رکن یا کوئی خاص طور پر مامور شدہ نمایندہ کرے گا۔

۳۔ مجلس تحفظ کے اجلاس مستقر تنظیم کے علاوہ ایسے دوسرے مقاموں پر بھی ہو سکیں گے، جو اس کی رائے میں اس کے کام میں بہترین سہولت پیدا کریں۔

دفعہ (۲۹)

مجلس تحفظ اگر ضروری خیال کرے تو اپنے وظائف کی انجام دہی کے لئے ذیلی آلہ ہائے کار قائم کر سکیگی

دفعہ (۳۰)

مجلس تحفظ اپنے ضابطے کے قواعد، جن میں اپنے صدر کے انتخاب کا طریقہ بھی شامل ہوگا، خود معین کرے گی۔

دفعہ (۳۱)

اقوام متحدہ کا کوئی بھی رکن کسی ایسے مسئلے کی بحث میں، جو مجلس تحفظ کے سامنے لایا گیا ہو، حق رائے کے بغیر حصہ لے سکے گا جب کہ مجلس تحفظ کی رائے میں اس رکن کے مفادات خاص طور پر متاثر ہو رہے ہوں۔

دفعہ (۳۲)

اقوام متحدہ کا کوئی ایسا رکن جو مجلس تحفظ کا رکن نہ ہو، یا کوئی ایسی مملکت جو اقوام متحدہ کی رکن نہ ہو، اگر کسی ایسے جھگڑے کی فریق ہو جو مجلس تحفظ کے زیر غور ہو تو اس کو اس جھگڑے سے متعلق مباحث میں حق رائے کے بغیر حصہ لینے کی دعوت دی جائے گی۔

کسی ایسی مملکت کے، جو اقوام متحدہ کی رکن نہ ہو، حصہ لینے کے متعلق مجلس تحفظ ایسی شرائط مقرر کرے گی جو وہ منصفانہ خیال کرے۔

چھٹا باب

جھگڑے کا مسالمانہ تصفیہ

دفعہ (۳۳)

(۱) کسی جھگڑے کے جس کے جاری رہنے سے بین الممالک امن و تحفظ کو خطرہ لاحق ہونا اغلب ہو، فریقین سب سے پہلے گفت و شنید، دریافت، وساطت، صلح و صفائی، تحکیم، عدالتی تصفیے، منطقہ وار کارندگیوں یا انتظاموں سے رجوع کرنے، یا اپنی پسند کے دیگر مسالمانہ وسائل سے کوئی حل تلاش کرینگے۔

۲۔ مجلس تحفظ جب ضرورت خیال کرے، فریقین سے مطالبہ کرے گی کہ وہ اپنے جھگڑوں کا ایسے وسائل سے تسویہ کریں۔

دفعہ (۳۴)

مجلس تحفظ کسی ایسے جھگڑے یا صورت حال کی جو بین الممالک چپقلش کی طرف لے جاسکتی ہو یا کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہوسکتا ہو، تحقیقات کرسکے گی۔ تاکہ اس بات کا تعین کرے کہ آیا اس کے جاری رہنے سے بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کو خطرہ لاحق ہونا تو اغلب نہیں ہوجاتا۔

دفعہ (۳۵)

۱۔ اقوام متحدہ کا کوئی بھی رکن اس نوعیت کے جھگڑے یا صورت حال کو، جس کا ذکر دفعہ (۳۴) میں ہوا ہے، مجلس تحفظ یا مجلس عام کی توجہ میں لا سکتا ہے۔

۲۔ جو مملکت اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہے، وہ مجلس تحفظ یا مجلس عام کی توجہ میں ایسے جھگڑے کو لاسکتی ہے جس کی وہ ایک فریق ہو، بشرطیکہ وہ پیشگی ہی اس جھگڑے کے اغراض کی حد تک مسالمانہ تسویہ کے ان واجبات کو قبول کرتی ہو جن کا منشور ہذا میں ذکر ہے۔

۳۔ ان معاملات کے متعلق جو دفعہ ہذا کے تحت مجلس عام کی توجہ میں لائے گئے ہوں، کارروائی دفعہ (۱۱) و (۱۲) کے احکام کے تابع ہوگی۔

دفعہ (۳۶)

۱۔ مجلس تحفظ اس نوعیت کے جھگڑے کی جس کا ذکر دفعہ (۳۳) میں ہوا ہے: یا مماثل نوعیت کی صورت حال کی کسی بھی نوبت پر یکسوئی کے موزوں ضابطوں یا طریقوں کی سفارش کرسکے گی۔

۲۔ مجلس تحفظ جھگڑے کی یکسوئی کے ان ضابطوں کا لحاظ رکھے جو فریقین پہلے ہی اختیار کرچکے ہوں

۳۔ دفعۂ ہذا کے تحت سفارشیں کرتے وقت مجلس تحفظ اس کا بھی لحاظ رکھے کہ قانونی جھگڑوں کو فریقین بطور ایک عام قاعدے کے بین الممالک عدالت انصاف کے پاس، دستور عدالت کے احکام کے

مطابق رجوع کریں ۔

دفعہ (۳۷)

(۱) اس نوعیت کے جھگڑے کے جس کا ذکر دفعہ (۳۳) میں ہوا ہے، فریقین اگر اس بات میں ناکام رہیں کہ دفعۂ مذکور میں بیان کردہ وسائل سے تصفیہ کرلیں تو وہ اسے مجلس تحفظ کے پاس رجوع کرینگے۔

(۲) اگر مجلس تحفظ یہ رائے رکھتی ہو کہ جھگڑے کے جاری رہنے سے فی الواقع بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کو خطرہ لاحق ہونا اغلب ہے تو وہ فیصلہ کرے گی کہ آیا دفعہ (۳۶) کے تحت کارروائی کرے یا تصفیے کے لئے ایسی شرطوں کی سفارش کرے جو وہ موزوں خیال کرتی ہو۔

دفعہ (۳۸)

دفعات (۳۳ تا ۳۷) کے احکام کو متاثر کئے بغیر مجلس تحفظ کو اختیار ہوگا کہ جھگڑے کی مسالمانہ یکسوئی کی غرض سے فریقین سے سفارشیں کرے اگر کسی جھگڑے کے جملہ فریق ایسی خواہش کریں۔

ساتواں باب

امن کو دھمکی

امن شکنی اور جارحانہ اقدامات کے متعلق کارروائی

دفعہ (۳۹)

مجلس تحفظ اس بات کا تعین کرے گی کہ آیا امن کے لئے کسی دھمکی یا امن شکنی یا جارحانہ اقدام کا وجود پایا جاتا ہے اور اس بات کے متعلق سفارشیں یا فیصلے کریگی کہ دفعہ (۴۱) اور (۴۲) کے مطابق بین الممالک امن و تحفظ کی بقا یا بحالی کے لئے کیا تدبیریں اختیار کی جائیں۔

دفعہ (۴۰)

صورت حال میں ابتری پیدا ہونے کو روکنے کی غرض سے مجلس تحفظ دفعہ (۴۱) میں بیان کردہ تدبیروں

۲۔ مجلس تحفظ جب ضرورت خیال کرے، فریقین سے مطالبہ کرے گی کہ وہ اپنے جھگڑوں کا ایسے وسائل سے تسویہ کریں۔

دفعہ (۳۴)

مجلس تحفظ کسی ایسے جھگڑے یا صورت حال کی جو بین الممالک چپقلش کی طرف لے جا سکتی ہو یا کوئی جھگڑا اُٹھ کھڑا ہو سکتا ہو، تحقیقات کر سکے گی۔ تاکہ اس بات کا تعین کرے کہ آیا اس کے جاری رہنے سے بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کو خطرہ لاحق ہونا تو اغلب نہیں ہو جاتا۔

دفعہ (۳۵)

۱۔ اقوام متحدہ کا کوئی بھی رکن اس نوعیت کے جھگڑے یا صورت حال کو، جس کا ذکر دفعہ (۳۴) میں ہوا ہے، مجلس تحفظ یا مجلس عام کی توجہ میں لا سکتا ہے۔

۲۔ جو مملکت اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہے، وہ مجلس تحفظ یا مجلس عام کی توجہ میں ایسے جھگڑے کو لا سکتی ہے جس کی وہ ایک فریق ہو، بشرطیکہ وہ پیشگی ہی اس جھگڑے کے اغراض کی حد تک مصالحانہ تسویے کے ان واجبات کو قبول کرتی ہو جن کا منشور ہذا میں ذکر ہے۔

۳۔ ان معاملات کے متعلق جو دفعہ ہذا کے تحت مجلس عام کی توجہ میں لائے گئے ہوں، کارروائی دفعہ (۱۱) و (۱۲) کے احکام کے تابع ہو گی۔

دفعہ (۳۶)

۱۔ مجلس تحفظ اس نوعیت کے جھگڑے کی جس کا ذکر دفعہ (۳۳) میں ہوا ہے، یا مماثل نوعیت کی صورت حال کی کسی بھی نوبت پر یکسوئی کے موزوں ضابطوں یا طریقوں کی سفارش کر سکے گی۔

۲۔ مجلس تحفظ جھگڑے کی یکسوئی کے ان ضابطوں کا لحاظ رکھے جو فریقین پہلے ہی اختیار کر چکے ہوں۔

۳۔ دفعہ ہذا کے تحت سفارشیں کرتے وقت مجلس تحفظ اس کا بھی لحاظ رکھے کہ قانونی جھگڑوں کو فریقین بطور ایک عام قاعدے کے بین الممالک عدالت انصاف کے پاس، دستور عدالت کے احکام کے

یہ راضی نامے یا راضی ناموں کے لئے جتنا جلد ممکن ہو مجلس تحفظ کی طرف سے گفت و شنید کا آغاز کیا جائے گا۔ یہ مجلس تحفظ اور ارکان یا مجلس تحفظ اور گروہ ارکان کے مابین طے ہونگے اور وہ اس بات کے تابع ہونگے کہ دستخط کنندہ مملکتیں اپنے دستوری ضوابط کے مطابق اُن کی توثیق کریں۔

دفعہ (۴۴)

جب مجلس تحفظ نے یہ فیصلہ کر دیا ہو کہ قوت کا استعمال کیا جائے تو اس رکن سے جس کا کوئی نمائندہ مجلس تحفظ میں نہ ہو دفعہ (۴۳) کے تحت قبول کردہ واجبات کی تکمیل میں مسلح فوجیں مہیا کرنے کا مطالبہ کرنے سے پہلے اُس رکن کو دعوت دیگی (اگر رکن ایسی خواہش کرے) کہ اُس رکن کی مسلح فوجوں کے اجزاء کے استعمال کے متعلق مجلس تحفظ کے فیصلوں میں حصہ لے

دفعہ (۴۵)

اقوام متحدہ کو اس بات کے قابل بنانے کے لئے کہ فوری جنگی تدبیریں اختیار کی جاسکیں ارکان اپنی قومی ہوائی فوج کے حصۂ معینہ کو مشترکہ بین الممالک اجباری کارروائی کے لئے فوری طور پر تیار رکھا کریں۔ ایسی فوجوں کی قوت اور تیاری کے درجے اور اُن کی مشترکہ کارروائی کے منصوبوں کا تعین مجلس تحفظ فوجی اسٹاف کمیٹی کی مدد سے اُن حدود کے اندر ہی کیا کرے گی جو خصوصی راضی نامے یا راضی ناموں میں جن کا ذکر دفعہ (۴۳) میں ہے مقرر کئے گئے ہوں۔

دفعہ (۴۶)

مسلح فوجوں کے استعمال کے منصوبے فوجی اسٹاف کی مدد سے مجلس تحفظ تیار کرے گی۔

دفعہ (۴۷)

(۱) ایک فوجی اسٹاف کمیٹی قائم کی جائے گی تاکہ مجلس تحفظ کو ان تمام معاملات میں مشورہ اور مدد دے جو مجلس تحفظ کے لئے بین الممالک امن و تحفظ کی بقا اور مجلس کے تفویض کی ہوئی فوجوں کے استعمال اور کمان اور اسلحہ میں باقاعدگی پیدا کرنے اور امکانی بے اسلحگی کے متعلق ضروری ہوں۔

(۲) فوجی اسٹاف کمیٹی مجلس تحفظ کے مدامی ارکان کے چیف آف اسٹاف یا اُن کے نمائندوں

پر مشتمل ہوگی۔ اقوام متحدہ کا وہ رکن جو اس کمیٹی میں مستقل نمایندگی نہ رکھتا ہو اسے کمیٹی اپنے ساتھ شرکت کے لئے مدعو کرے گی جب کمیٹی کی ذمہ داریوں کی عمدہ تکمیل کے لئے اس رکن کے کمیٹی کے کام میں حصہ لینے کی ضرورت پائی جائے۔

(۳) فوجی اسٹاف کمیٹی مجلس تحفظ کے تحت مجلس تحفظ کے تفویض شدہ مسلح فوجوں کی حربیاتی رہنمائی کی ذمہ دار ہوگی۔ ایسی فوجوں کی کمان سے متعلق مسائل آئندہ طے کئے جائیں گے۔

(۴) فوجی اسٹاف کمیٹی مجلس تحفظ کی اجازت اور متعلقہ منطقہ وار کارندگیوں سے مشورہ کے بعد منطقہ وار ذیلی کمیٹیاں قائم کر سکے گی۔

دفعہ (۴۸)

(۱) بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کے متعلق مجلس تحفظ کے فیصلوں کو عمل میں لانے کے لئے جس کارروائی کی ضرورت ہوگی وہ مجلس تحفظ کے تعین سے اقوام متحدہ کے جملہ یا بعض ارکان اختیار کریں گے۔

(۲) اس قسم کے فیصلوں پر اقوام متحدہ کے ارکان عمل راست طور پر اور متعلقہ بین الممالک کارندگیوں میں جن کے وہ رکن ہوں اپنی کارروائی کے ذریعے سے کریں گے۔

دفعہ (۴۹)

اقوام متحدہ کے ارکان مجلس تحفظ کی طے کردہ تدبیروں پر عمل کرتے ہیں، باہم امداد کرنے میں شامل رہیں گے۔

دفعہ (۵۰)

اگر مجلس تحفظ کسی مملکت کے خلاف انسدادی یا اجباری تدبیریں اختیار کرے تو کوئی اور مملکت چاہے وہ اقوام متحدہ کی رکن ہو یا نہ ہو اگر ان تدبیروں پر عمل کرنے کے باعث اپنے آپ کو خصوصی معاشی مشکلات سے دوچار ہوتی محسوس کرے تو اسے حق ہوگا کہ ان مشکلات کے حل کے متعلق مجلس تحفظ سے مشورہ کرے۔

دفعہ (۵۱)

منشور ہٰذا کی کوئی چیز انفرادی یا اجتماعی حق مدافعت ذاتی کو متاثر نہیں کرتی، اگر اقوام متحدہ کے کسی رکن کے خلاف مسلح حملہ وقوع میں آئے، تا آنکہ مجلس تحفظ بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کے لئے ضروری تدبیریں اختیار کرے۔ اس حق مدافعت ذاتی کے استعمال میں ارکان جو تدبیریں اختیار کریں، اُن کی اطلاع فوراً مجلس تحفظ کو دی جائے گی۔ اور اُن سے مجلس تحفظ کے اُس اختیار یا ذمہ داری پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، جو منشور ہٰذا کے تحت کسی وقت کسی ایسی کارروائی کے اختیار کرنے کے متعلق ہے، جو وہ بین الممالک امن و تحفظ کی بقا یا بحالی کے لئے ضروری خیال کرے۔

آٹھواں باب

منطقہ وار انتظامات

دفعہ (۵۲)

۱۔ منشور ہٰذا کی کوئی چیز منطقہ وار انتظامات یا کارندگیوں کے وجود کو منع نہیں کرتی جو ایسے معاملات سے بحث کریں جو بین الممالک امن و تحفظ کی بقا سے متعلق ہوں۔ اور منطقہ وار کارروائی کے لئے موزوں ہوں۔ بشرطیکہ ایسے انتظامات یا کارروائیاں اور اُن کی کارکردگیاں اقوام متحدہ کے مقاصد اور اُصولوں کے موافق ہوں۔

۲۔ اقوام متحدہ کے وہ ارکان جو اس قسم کے انتظامات میں یا ایسی کارندگیوں کی تشکیل میں شریک ہوں، وہ اس بات کی ہر ایک کوشش عمل میں لائیں گے کہ مقامی جھگڑوں کا مسالمانہ تسویہ ایسے منطقہ وار انتظامات یا ایسی منطقہ وار کارندگیوں کے ذریعہ سے ہی عمل میں آجائے، قبل اس کے کہ اُن کو مجلس تحفظ میں رجوع کیا جائے۔

۳۔ مجلس تحفظ اس بات کی حوصلہ افزائی کرے گی کہ مقامی جھگڑوں کا مسالمانہ تسویہ ترقی پذیر ہو، خواہ یہ

ایسے منطقہ وار انتظامات یا ایسی منطقہ وار کارندگیوں ہی کے ذریعہ سے عمل میں آگے چاہے متعلقہ مملکتوں ہی نے ایسا کیا ہو یا مجلس تحفظ نے اُن انتظامات یا کارندگیوں سے رجوع کیا ہو۔

۴۔ یہ دفعہ کسی طرح بھی دفعات (۳۳) و (۳۴) کے اطلاق کو متاثر نہیں کرتی۔

دفعہ (۵۳)

۱۔ جہاں کہیں موزوں ہو مجلس تحفظ ایسے منطقہ وار انتظامات یا کارندگیوں سے اپنے اختیار کی اجباری کارروائی میں مدد لے گی لیکن منطقہ وار انتظامات کے تحت یا منطقہ وار کارندگیوں کی طرف سے کوئی اجباری کارروائی مجلس تحفظ کی اجازت کے بغیر نہیں کی جائے گی، بجز اُن تدبیروں کے جو کسی دشمن مملکت کے خلاف اختیار کی جائیں جس کا تعین دفعہ ہذا کی ضمن (۲) میں کیا گیا ہے، جو دفعہ (۱۰۷) کی پیش روی میں ہوں، یا منطقہ وار انتظامات میں مقرر کی گئی ہوں، اور ایسی کسی مملکت کی اقدامی سیاست کی تجدید کے خلاف ہوں۔ یہ اس وقت تک کے لئے ہوگا کہ حکومت ہائے متعلقہ کی خواہش پر ایسی کسی مملکت کے مزید اقدام کو روکنے کی ذمہ داری کا حامل خود "تنظیم" کو کردیا جائے۔

۲۔ "دشمن مملکت" کی اصطلاح کا جو دفعہ ہذا کی ضمن (۱) میں استعمال کی گئی ہے اطلاق ہر ایسی مملکت پر ہوگا جو دوسری عالمگیر جنگ میں منشور ہذا کے دستخط کنندوں میں سے کسی کی دشمن رہی ہو۔

دفعہ (۵۴)

مجلس تحفظ کو ہر وقت اُن کارروائیوں سے پوری طرح باخبر رکھا جائے گا جو بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کے لئے منطقہ وار انتظامات کے تحت یا منطقہ وار کارندگیوں کی طرف سے اختیار کی جائیں۔

نواں باب

بین الممالک معاشی و سماجی تعاون

دفعہ (۵۵)

استحکام اور بہبودی کے حالات، جو قوموں میں ہر قوم کے لئے مساوی حقوق اور خود تعینی کے احترام پر مبنی

آپس کے مسالمانہ اور دوستانہ تعلقات کے لئے ضروری ہیں، پیدا کرنے کے لئے "اقوام متحدہ" حسب ذیل اُمور کو ترقی دے گی۔

(ل) بلند تر معیار زندگی، روزگار کا مکمل حصول، اور معاشی و سماجی ترقی و پیش روی؛

(ب) بین الممالک معاشی، سماجی، صحتی اور متعلقہ گتھیوں کا حل؛ اور بین الممالک ثقافتی اور تعلیمی تعاون؛ اور

(ج) بلا امتیازِ نسل، زبان یا مذہب سب کے لئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا احترام ہونا، اور ملحوظ رکھا جانا۔

دفعہ (۵۶)

جملہ ارکان اس کی ضمانت دیتے ہیں کہ دفعہ (۵۵) میں بیان کردہ مقاصد کے حصول کے لئے تنظیم کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اجتماعی اور علیحدہ علیحدہ کارروائی اختیار کریں گے۔

دفعہ (۵۷)

(۱) وہ مختلف اختصاصی کارندگیاں جو بین الحکومات راضی نامے کے ذریعے سے قائم کی گئی ہیں اور اپنی اساسی دستاویزوں میں مقرر کئے ہوئے اُصول کے مطابق معاشی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی، صحتی اور متعلقہ میدان ہائے عمل میں وسیع بین الممالک ذمہ داریاں رکھتی ہیں، اُن کو دفعہ (۶۳) کے احکام کے مطابق اقوام متحدہ سے متعلق کرایا جائے گا۔

(۲) ایسی کارندگیوں کو جو اقوام متحدہ سے اس طور پر متعلق کیا جائے گا آئندہ "اختصاصی کارندگیوں" سے یاد کیا جائے گا۔

دفعہ (۵۸)

اختصاصی کارندگیوں کی پالیسیوں اور کارکردگیوں میں ہم آہنگی کے لئے تنظیم سفارشیں کرے گی۔

دفعہ (۵۹)

جہاں کہیں مناسب ہو "تنظیم" متعلقہ مملکتوں میں گفت و شنید آغاز کروائے گی کہ دفعہ (۵۵) میں بیان کردہ مقاصد کے حصول کے لئے درکار کسی نئی اختصاصی کارندگیوں کی تخلیق کی جائے۔

دفعہ (۶۰)

اس باب میں تنظیم کے جو وظائف بیان کئے گئے ہیں ان کی انجام دہی کی ذمہ داری مجلس عام کے سرپرستگی اور مجلس عام کے تحت اقتدار، معاشی و سماجی مجلس کو حاصل ہوگی، اور وہ اس مقصد کے لئے ان اختیارات کی حامل ہوگی جو باب ۱۰ میں بیان کئے گئے ہیں۔

دسواں باب

معاشی و سماجی مجلس

تشکیل

دفعہ (۶۱)

(۱) معاشی و سماجی مجلس اقوام متحدہ کے (۱۸) ارکان پر جن کا انتخاب مجلس عام کرے گی مشتمل ہوگی۔

(۲) ضمن (۳) (تحت) کے تابع معاشی و سماجی مجلس کے چھے ارکان کا انتخاب ہر سال سہ سالہ میقات کے لئے ہوا کرے گا، علحدہ ہونے والا رکن فوراً مکرر انتخاب کا اہل ہوگا۔

(۳) پہلے انتخاب میں معاشی و سماجی مجلس کے (۱۸) رکن چنے جائیں گے، اور اس طرح چنے ہوئے ارکان میں سے (۶) کی مدت مجلس عام کے مقرر کردہ انتظامات کے مطابق ایک سال کے پورے ہونے پر ختم ہوجائے گی، اور مزید چھے ارکان کی مدت دو سال کے پورے ہونے پر ختم ہوجائے گی۔

(۴) معاشی و سماجی مجلس کے ہر رکن کا ایک نمائندہ ہوا کرے گا۔

وظائف و اختیارات

دفعہ (۶۲)

(۱) معاشی و سماجی مجلس بین الممالک، معاشی، سماجی، ثقافتی، تعلیمی، صحتی اور متعلقہ معاملات کے متعلق مطالعہ شروع کرا اور رپورٹیں تیار کرا سکتی ہے، اور اس طرح کے معاملات کے متعلق مجلس عام، ارکان

اقوام متحدہ اور متعلقہ اختصاصی کارندگیوں کے پاس سفارشیں پیش کر سکتی ہے۔

(۲) وہ انسانی حقوق اور سب کے لئے بنیادی آزادیوں کا احترام ہونے اور محفوظ رکھے جانے کو ترقی دینے کی غرض سے سفارشیں کر سکتی ہے۔

(۳) وہ اپنے دائرۂ عمل میں آنے والے معاملات کے متعلق مجلس عام کے سامنے پیش کرنے کے لئے مسودۂ معاہدات تیار کر سکتی ہے

(۴) وہ اقوام متحدہ کی طرف سے مقرر کردہ قواعد کے مطابق اپنے دائرۂ عمل میں آنے والے مسائل کے متعلق بین الممالک کانفرنسیں طلب کر سکتی ہے۔

دفعہ (۶۳)

(۱) معاشی و سماجی مجلس دفعہ (۵۷) میں بیان کردہ کارندگیوں میں سے کسی کے ساتھ راضی نامے طے کر کے وہ شرائط معین کر سکتی ہے جن کے مطابق متعلقہ کارندگی کو اقوام متحدہ سے متعلق کیا جائے۔ ایسے راضی نامے مجلس عام کی منظوری کے تابع ہونگے۔

(۲) وہ اختصاصی کارندگیوں سے مشورہ کر کے، اور اُن کے پاس سفارشیں کر کے نیز مجلس عام اور ارکان اقوام متحدہ کے پاس سفارشیں پیش کر کے اختصاصی کارندگیوں کی سرگرمیوں میں ہم آہنگی پیدا کر سکے گی۔

دفعہ (۶۴)

(۱) معاشی و سماجی مجلس موزوں قدم اُٹھا سکے گی تاکہ اختصاصی کارندگیوں سے باقاعدہ رپورٹیں حاصل کیا کرے، وہ ارکان اقوام متحدہ اور اختصاصی کارندگیوں سے اس بات کے متعلق رپورٹیں حاصل کرنے کا انتظام کر سکے گی کہ اس کی سفارشوں کے متعلق نیز اس کے دائرۂ عمل میں آنے والے معاملات کے سلسلے میں مجلس عام کی کی ہوئی سفارشوں کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے اُنھوں نے کیا قدم اُٹھائے ہیں

(۲) وہ اس طرح کی رپورٹوں کے متعلق مجلس عام کو اپنے ملاحظات روانہ کر سکے گی۔

دفعہ (۶۵)

معاشی و سماجی مجلس، مجلسِ تحفظ کو معلومات مہیا کر سکے گی اور مجلسِ تحفظ کی خواہش پر اس کی اعانت کرے گی

دفعہ (۶۶)

(۱) مجلس عام کی کی ہوئی سفارشوں کو جامۂ عمل پہنانے کے متعلق معاشی و سماجی مجلس ایسے وظائف انجام دے گی جو اس کے دائرۂ عمل میں آتے ہوں۔

(۲) وہ مجلس عام کی منظوری سے اقوام متحدہ کے ارکان کی خواہش اور اختصاصی کارندگیوں کی خواہش پر خدمات انجام دے سکے گی۔

(۳) وہ ان دیگر وظائف کو بھی انجام دے گی جو اس منشور میں کسی اور جگہ مقرر کئے گئے ہوں یا مجلس عام اس کے تفویض کرے۔

رائے دہی

دفعہ (۶۷)

(۱) معاشی و سماجی مجلس کے ہر رکن کو ایک رائے کا حق حاصل ہوگا۔

(۲) معاشی و سماجی مجلس کے فیصلے حاضر و رائے دہندہ ارکان کی کثرت رائے سے عمل میں آیا کریں گے۔

ضابطہ

دفعہ (۶۸)

معاشی و سماجی مجلس معاشی و سماجی میدان ہائے عمل اور حقوق انسانی کو ترقی دینے کے متعلق کمیشن مقرر کرے گی، نیز ایسے کمیشن بھی جو اس کے وظائف کی انجام دہی کے لئے درکار ہوں۔

دفعہ (۶۹)

معاشی و سماجی مجلس، اقوام متحدہ کے کسی رکن کو ایسے معاملے پر جو اس رکن سے خاص طور پر متعلق ہو، بحث و مباحثے میں، بغیر حق رائے کے، حصہ لینے کے لئے مدعو کرے گی۔

دفعہ (۷۰)

معاشی و سماجی مجلس، اختصاصی کارندگیوں کے نمایندوں کے لئے اس کا انتظام کر سکے گی کہ وہ اپنے نیز اپنے قائم کردہ کمیشنوں کے بحث مباحثے میں بغیر حق رائے کے حصہ لیں، نیز اپنے نمایندوں کے

لئے اختصاصی کارندگیوں کے بحث و مباحثے میں (حصّہ لینے کا انتظام کر سکے گی)

دفعہ (۷۱)

معاشی و سماجی مجلس اس کے مناسب انتظامات کر سکتی ہے کہ ان غیر حکومتی تنظیموں سے مشاورت کرے جو اس (مجلس) کے دائرۂ عمل میں آنے والے معاملات سے تعلق رکھتی ہوں۔

ایسے انتظامات بین الممالک تنظیمات سے بھی کئے جا سکتے ہیں، اور جہاں موزوں ہو متعلقہ ارکان اقوام متحدہ سے مشاورت کے بعد قومی تنظیمات سے بھی

دفعہ (۷۲)

۱۔ معاشی و سماجی مجلس اپنے قواعدِ ضابطہ خود مقرر کرے گی جن میں اپنے صدر کے انتخاب کا طریقہ بھی شامل ہوگا۔

۲۔ معاشی و سماجی مجلس اپنے قواعد کے اقتضا کے مطابق منعقد ہوا کرے گی، اور ان قواعد میں یہ حکم بھی داخل ہو گا کہ اس کے ارکان کی اکثریت کی خواہش پر اس کے اجلاس طلب ہوں۔

گیارھواں باب

غیر خود اختیاری علاقوں کے متعلق اعلان

دفعہ (۷۳)

وہ ارکان اقوام متحدہ جو ایسے علاقوں کے نظم و نسق کے ذمہ دار ہیں یا بنیں جہاں کے لوگوں نے ابھی تک حکومت خود اختیاری کی مکمل مقدار حاصل نہ کی ہو، اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان علاقوں کے باشندوں کے مفادات کو برتری حاصل ہے، اور ایک مقدس امانت کے طور پر اس وجوب کو قبول کرتے ہیں کہ منشور ہذا کے تحت قائم کئے ہوئے بین الممالک نظام امن و تحفظ کے اندر انتہائی حد تک ان علاقوں کے باشندوں کی بہبودی کو ترقی دیں، اور اس غرض و غایت کے لئے:۔

(ا) متعلقہ لوگوں کی ثقافت کا پورا احترام کرتے ہوئے، ان کی سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی پیش روی، ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ اور بے راہ رویوں سے ان کی حفاظت کا تیقن حاصل کریں۔

(ب) حکومت خود اختیاری کو ترقی دیں، ان لوگوں کی سیاسی تمناؤں کا پورا لحاظ کریں، اور ہر علاقے اور وہاں کے لوگوں کے خصوصی حالات اور ان کی ترقی یافتگی کے مختلف مدارج کے مطابق ان کے آزاد سیاسی اداروں کی ترقی پذیر پیش روی میں اعانت کریں۔

(ج) بین الممالک امن و تحفظ کو آگے بڑھائیں۔

(د) پیش روی کی تعمیری تدبیروں کو ترقی دیں، اور باہم ایک دوسرے سے تعاون کریں، اور جب اور جہاں موزوں ہو، اختصاصی بین الممالک اجساد سے تعاون کریں تاکہ دفعۂ ہذا میں بیان کردہ سماجی، معاشی اور حکیماتی مقاصد کا عملی حصول ہو سکے؛ اور

(ھ) ایسی پابندیوں تابع تحت جو تحفظ اور دستوری ملحوظات کے تحت ضروری ہوں، باقاعدگی کے ساتھ معتمد عمومی کو اطلاع کے اغراض کے لئے ان علاقوں کے متعلق جن کے لئے وہ علی الخصوص ذمہ دار ہوں (بجز ان علاقوں کے جن پر باب ۱۲ اور ۱۳ کا اطلاق ہوتا ہے)، معاشی، سماجی اور تعلیمی حالات کے متعلق اعداد و شمار اور دیگر فنی نوعیت کے معلومات روانہ کریں۔

دفعہ (۷۴)

ارکان اقوام متحدہ اس پر بھی رضامند ہیں کہ ان علاقوں کے متعلق جن پر باب ہذا کا اطلاق ہوتا ہے ان کی پالیسی حسن ہمسائگی کے عام اصول پر ان کے صدر مقام کے رقبہ جات کے مقابلے میں کسی طرح کم مبنی نہیں ہونی چاہیئے، اور باقی دنیا کے سماجی، معاشی اور تجارتی معاملات میں مفادات اور بہبودی کا پورا لحاظ رکھا جانا چاہیئے۔

بارھواں باب

بین الممالک نظام امینی

دفعہ (۷۵)

اقوام متحدہ اپنے اقتدار کے تحت ایسے علاقوں کے جو آئندہ انفرادی راضی ناموں کے ذریعے سے

اس کے ماتحت بنا دیئے جائیں، نظم و نسق اور نگرانی کے لئے ایک بین الممالک نظام امینی قائم کرے گی۔ ایسے علاقوں کو آئندہ امانتی علاقوں سے موسوم کیا گیا ہے۔

دفعہ (۷۶)

نظام امینی کے بنیادی اغراض، اقوام متحدہ کے مقاصد مندرجہ منشور ہذا دفعہ (۱) کے مطابق حسب ذیل ہوں گے:-

(ا) بین الممالک امن و تحفظ کو آگے بڑھانا۔

(ب) امانتی علاقوں کے باشندوں کی سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی پیش روی اور حکومت خود اختیاری یا آزادی میں سے جو بھی ہر علاقے اور وہاں کے لوگوں کے خصوصی حالات کے لحاظ سے موزوں ہو، اور متعلقہ لوگوں کی آزادانہ ظاہر کردہ خواہشوں کے مطابق ہو۔ اور ان شرائط کے مطابق جو ہر راضی نامہ امانتی میں مقرر کئے جائیں، ان کی طرف ترقی پذیر پیش قدمی کو نشو و نما دے۔

(ج) انسانی حقوق اور ہر کسی کے لئے بلا امتیاز نسل و جنس، زبان یا مذہب بنیادی آزادیوں کے احترام کی حوصلہ افزائی کرنا۔ اور دنیا کے لوگوں کے باہمی احتیاج کو تسلیم کرنے کی حوصلہ افزائی کرنا؛ اور

(د) اقوام متحدہ کے جملہ ارکان اور ان کے ہم قوموں (رعایا) کے لئے سماجی، معاشی اور تجارتی معاملات میں مساوات کے برتاؤ کا تیقن حاصل کرنا، اور آخر الذکر کے لئے عدل گستری میں مساوات کے برتاؤ کا تیقن حاصل کرنا بغیر اس کے کہ مذکورۂ بالا اغراض کا حصول متاثر ہو لیکن یہ دفعہ (۸۰) کے احکام کے اتباع میں ہوگی۔

دفعہ (۷۷)

(۱) نظام امینی کا اطلاق مندرجہ ذیل اقسام کے ایسے علاقوں پر ہوگا جو امانتی راضی ناموں کے ذریعے سے اس (نظام) کے تحت کر دیئے جائیں:-

(ا) وہ علاقے جو اب انتداب کے تحت ہیں۔

(ب) وہ علاقے جو دوسری عالمگیر جنگ کے نتیجے کے طور پر دشمن ملکوں سے الگ کئے جائیں؛ اور

(ج) وہ علاقے جو رضاکارانہ طور پر ان مملکتوں کی طرف سے جو ان کے نظم ونسق کی ذمہ دار ہیں اس نظام کے تحت کر دئیے جائیں۔

۲؎ یہ امر متعاقب راضی نامے سے متعلق رہیگا کہ مذکورۂ بالا اقسام میں سے کن علاقوں کو نظام امینی کے تحت لایا جائے اور کن شرائط کے تحت۔

دفعہ (۷۸)

نظام امینی کا اطلاق ان علاقوں پر نہیں ہوگا جو اقوام متحدہ کی رکن ہو چکی ہوں۔ ان کے آپس کے تعلقات مقتدر مساوات کے اصول کے احترام پر مبنی ہونگے۔

دفعہ (۷۹)

ہر علاقے کے جو نظام امانتی کے تحت کیا جائے شرائط امانتی کے متعلق، بشمول ہر تبدیل وترمیم کے ان مملکتوں سے راضی نامہ ہوگا جو راست متعلق ہوں، بشمول انتدابی سلطنت کے جبکہ اقوام متحدہ کے کسی رکن کے تحت علاقے زیر انتداب ہوں، اور ان شرائط کو دفعات ۸۳ و ۸۵ کے احکام کے مطابق منظور کیا جائے گا۔

دفعہ (۸۰)

۱؎ بہ استثنار ان امور کے جن کے لئے رضامندی دفعات ۷۷، و ۷۹ و ۸۱ کے تحت ہر علاقے کو نظام امینی کے تحت کرنے کے لئے کئے ہوئے انفرادی راضی نامہ ہائے امانتی میں ظاہر کی گئی ہو، اور اس وقت تک جب تک کہ ایسے راضی نامے طے نہ ہو جائیں، اس باب کے کسی امر کے، یا خود بخود بھی یہ معنے نہیں لئے جائیں گے کہ کسی مملکتوں یا لوگوں کے کسی بھی حقوق کی یا ایسی موجود الوقت بین الممالک دستاویزوں کے (جن کے ارکان علی المخصوص فریق ہوں) شرائط کی کسی طور پر بھی تبدیلی ہو رہی ہے۔

۲؎ دفعہ ہذا کے ضمن ۱؎ کی تعبیر یہ نہیں کی جائے گی کہ انتدابی اور دیگر علاقوں کو دفعہ (۷۷) میں بیان کردہ طور پر نظام امینی میں دینے کے لئے گفت وشنید اور راضی ناموں کی تکمیل کے لئے تعویق

یا التوا کی بنیاد پیدا ہوتی ہو

دفعہ (۸۱)

امانتی راضی نامے میں ہر صورت میں وہ شرائط داخل ہونگے جن کے تحت امانتی علاقے کا نظم ونسق ہوگا۔ اور اس اقتدار (سلطنت) کا تعین کیا جائیگا جو امانتی علاقے کا نظم ونسق انجام دے۔ ایسی سلطنت، جسے آئندہ ناظم سلطنت کہا گیا ہے، ایک یا زیادہ مملکتیں بھی ہوسکتی ہیں، اور خود تنظیم ہذا بھی ہوسکتی ہے۔

دفعہ (۸۲)

کسی راضی نامہ امانتی میں ایسے حربیاتی رقبے یا رقبوں کا تعین ہوسکتا ہے جو راضی نامے کا اطلاق پانے والے امانتی علاقے کے جزو یا کل پر مشتمل ہوں، بغیر اس کے کہ دفعہ (۴۳) کے تحت کئے جانے والے خصوصی راضی نامے یا راضی ناموں پر اثر پڑے۔

دفعہ (۸۳)

۱۔ حربیاتی رقبوں کے متعلق اقوام متحدہ کے جملہ وظائف کو، بشمول راضی نامہ ہائے امانتی کے شرائط کی قبولی اور ان کی تبدیل یا ترمیم کے، مجلس تحفظ انجام دے گی۔

۲۔ دفعہ (۷۶) میں جو بنیادی اغراض بیان ہوئے ہیں اُن کا اطلاق ہر حربیاتی رقبے کے لوگوں پر ہوگا۔

۳۔ راضی نامہ ہائے امانتی کے احکام کے تابع اور تحفظی ملحوظات کو متاثر کئے بغیر، مجلس تحفظ، مجلس امینی کی اعانت سے استفادہ کر کے، نظام امینی کے تحت حربیاتی رقبوں کے سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی معاملات سے متعلق اقوام متحدہ کے وظائف کو انجام دے گی۔

دفعہ (۸۴)

اس بات کا تیقن حاصل کرنا ناظم سلطنت کا فریضہ ہوگا کہ امانتی علاقہ بین الممالک امن و تحفظ کی بقا میں اپنا حصہ ادا کرے۔ اس غرض و غایت کے لئے ناظم سلطنت امانتی علاقے کی رضاکار فوجوں، سہولتوں

اور اعانت سے استفادہ کرسکے گی تاکہ ان واجبات کو پورا کرے جو ناظم سلطنت نے اس بارے میں مجلس تحفظ کے بالمقابل اپنے سر لئے ہوں نیز امانتی علاقے میں مقامی مدافعت اور آئین و نظم کا تحفظ ہو سکے۔

دفعہ (۸۵)

۱۔ ان تمام علاقوں کے جن کو حربیاتی قرار دیا گیا ہو، راضی نامہ ہائے امانتی کے متعلق اقوام متحدہ کے فرائض کو جن میں راضی نامہ ہائے امانتی کے شرائط کی منظوری اور ان کی تبدیل و ترمیم بھی شامل ہوگی مجلس عام انجام دے گی۔

۲۔ مجلس عام کے تحت اقتدار کام کرتے ہوئے مجلس امینی، مجلس عام کی ان وظائف کی انجام دہی میں اعانت کرے گی

تیرھواں باب

مجلس امینی

تشکیل

دفعہ (۸۶)

۱۔ مجلس امینی، اقوام متحدہ کے حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہوگی:۔

(ا) وہ ارکان جو امانتی علاقوں کے ناظم ہوں۔

(ب) اِن ارکان میں سے جن کا نام دفعہ (۲۳) میں لیا گیا ہے، ایسے ارکان جو امانتی علاقوں کے ناظم نہ ہوں؛ اور

(ج) تین سالہ میقات کے لئے مجلس عام کی طرف سے اتنے دیگر ارکان کا انتخاب جو اس غرض کے لئے ضروری ہوں کہ مجلس امینی کے ارکان، امانتی علاقوں کا نظم و نسق انجام دینے اور انجام نہ دینے والے

ارکان اقوام متحدہ میں بتعداد مساوی منقسم ہوں۔

(۲) مجلس امینی کا ہر رکن ایسے ایک شخص کو اپنی نمایندگی کے لئے معین کریگا جو خصوصی طور پر اس کی قابلیت رکھتا ہو۔

وظائف اور اختیارات

دفعہ (۸۷)

(۱) مجلس عام اور اس کے تحت اقتدار مجلس امینی، اپنے وظائف کی انجام دہی کے لئے:

(ا) ناظم سلطنت کی جانب سے پیش شدہ رپورٹوں پر غور کرسکتی ہیں؛

(ب) درخواستیں قبول اور ناظم سلطنت کے ساتھ مشاورت کرتے ہوئے، اُن کی جانچ کرسکتی ہیں؛

(ج) ناظم سلطنت کے ساتھ طے کردہ اوقات پر متعلقہ امانتی علاقوں کے میقاتی معائنوں کا اہتمام کرسکتی ہیں؛ اور

(د) یہ اور دیگر کارروائیاں راضی نامہ ہائے اماتنی کے شرائط کے موافق اختیار کرسکتی ہیں۔

دفعہ (۸۸)

(۱) ہر اماتنی علاقے کے باشندوں کی سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی پیش روی کے متعلق مجلس امینی ایک سوال نامہ مرتب کرے گی، اور مجلس عام کے دائرۂ اقتدار میں آنے والے ہر اماتنی علاقے کی ناظم سلطنت اس طرح کے سوال نامہ کی اساس پر مجلس عام کے پاس ایک سالانہ رپورٹ پیش کیا کریگی۔

(۲) مجلس عام ان وظائف اور اختیارات کو خود بھی انجام دے سکے گی جب وہ اسے ضروری معلوم ہوں۔

رائے دہی

دفعہ (۸۹)

(۱) مجلس امینی کے ہر رکن کو ایک رائے کا حق ہوگا۔

(۲) مجلس امینی کے فیصلے حاضر اور رائے دہندہ ارکان کی کثرت رائے سے عمل میں آیا کرینگے۔

ضابطہ

دفعہ (۹۰)

(۱) مجلس امینی اپنے قواعدِ ضابطہ خود مقرر کرے گی، جن میں اس کے صدر کے انتخاب کا طریقہ بھی شامل ہوگا۔

(۲) مجلس امینی کا انعقاد اپنے قواعد کے اقتضا کے مطابق ہوا کرے گا، اور ان قواعد میں یہ حکم بھی داخل ہوگا کہ اس کے ارکان کی اکثریت کی خواہش پر اس کے اجلاس طلب ہوں۔

دفعہ (۹۱)

مجلس امینی، جب موزوں معلوم ہو، اختصاصی کارندگیوں کی معاشی و سماجی مجلس کی اعانت سے ان معاملات کے متعلق جو علی الخصوص ان سے متعلق ہوں، استفادہ کرے گی۔

چودھواں باب

بین الممالک عدالتِ انصاف

دفعہ (۹۲)

اقوامِ متحدہ کا اصل عدالتی آلۂ کار بین الممالک عدالت انصاف ہوگی۔ وہ اس منسلکہ دستور کے مطابق، جو مستقل عدالت انصاف بین الممالک کے دستور پر مبنی ہے، اور منشور ہذا کا ایک جزءِ لاینفک ہے، وظائف انجام دے گی۔

دفعہ (۹۳)

(۱) اقوامِ متحدہ کے جملہ ارکان خود بخود بین الممالک عدالت انصاف کے دستور کے فریق ہیں۔

(۲) جو مملکت اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہے، وہ بین الممالک عدالت انصاف کے دستور کی ان شرائط پر فریق بن سکتی ہے جو مجلسِ تحفظ کی سفارش پر ہر صورت کے متعلق مجلس عام معین کرے۔

دفعہ (۹۴)

(۱) اقوامِ متحدہ کا ہر رکن یہ اقرار کرتا ہے کہ کسی ایسے معاملے میں جس کا وہ فریق ہو، بین الممالک عدالت انصاف کے فیصلوں کی تعمیل کرے گا۔

(۲) اگر کوئی فریق کسی مقدمے میں ان واجبات کو پورا کرنے سے قاصر رہے جو عدالت کے صادر کردہ فیصلے کے تحت اس پر عائد ہوتے ہوں تو فریق ثانی مجلس تحفظ سے رجوع کر سکے گا۔ جو اگر ضروری سمجھے تو سفارشیں کر سکے گی، یا ان تدبیروں کو طے کرے گی جو اس فیصلے کے نفاذ کے لئے اختیار کی جائیں

دفعہ (۹۵)

منشور ہذا کی کوئی چیز ارکان اقوام متحدہ کو اس سے نہیں روکے گی کہ اپنے اختلاف کو موجود الوقت یا آئندہ طے کئے جانے والے راضی ناموں کے لحاظ سے، حل کے لئے دیگر عدالتوں کے حوالے کریں۔

دفعہ (۹۶)

(۱) مجلس عام یا مجلس تحفظ بین الممالک عدالت انصاف سے کسی قانونی مسئلے پر مشورتی رائے دینے کی خواہش کر سکے گی۔

(۲) اقوام متحدہ کے دیگر آلہ ہائے کار اور اختصاصی کارندگیاں بھی، جن کو مجلس عام کسی وقت مجاز کرے، اپنی کارکردگیوں کے حدود کے اندر پیدا ہونے والے قانونی مسائل میں اس عدالت کی مشورتی رائے مانگ سکیں گی۔

پندرھواں باب

معتمد

دفعہ (۹۷)

معتمدی میں ایک معتمد عمومی اور اتنا عملہ شامل ہونگے، جو تنظیم ہذا کی رائے میں درکار ہو۔ معتمد عمومی کا تقرر مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام کرے گی۔ وہ اس تنظیم کا صدر افسر نظم و نسق ہوگا۔

دفعہ (۹۸)

معتمد عمومی اسی حیثیت میں مجلس عام، مجلس تحفظ، معاشی و سماجی مجلس اور مجلس تحفظ کے جملہ اجلاسوں میں کارروائی انجام دے گا، اور ایسے دیگر وظائف انجام دے گا جو یہ آلہ ہائے کار اس کے حوالے کریں۔ معتمد عمومی، تنظیم ہذا کے کام کی سالانہ رپورٹ مجلس عام کے پاس پیش کیا کرے گا۔

دفعہ (۹۹)

معتمد عمومی، مجلس تحفظ کی توجہ میں کوئی ایسا امر لاسکے گا جو اس کی رائے میں بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کو دھمکی دے سکتا ہو۔

دفعہ (۱۰۰)

۱۔ اپنے فرائض کی انجام دہی میں معتمد عمومی اور عملہ کسی حکومت یا تنظیم کے باہر کے کسی اقتدار سے کوئی ہدایتیں طلب یا حاصل نہیں کریں گے۔ وہ ہر ایسی کارروائی سے باز رہیں گے جو ان کی پس حیثیت پر دھبہ لگا سکے کہ وہ بین الممالک افسر ہیں اور صرف تنظیم ہذا کے پاس جوابدہ ہیں

۲۔ اقوام متحدہ کا ہر ایک رکن اقرار کرتا ہے کہ معتمد عمومی اور عملے کی ذمہ داریوں کی کلیتہً بین الممالک نوعیت کا احترام کرے گا اور انھیں ان کی ذمہ داریوں کی ادائی میں متاثر کرنے کی کوشش نہیں کریگا۔

دفعہ (۱۰۱)

۱۔ عملے کا تقرر معتمد عمومی ان قواعد کے تحت کرے گا جو مجلس عام مقرر کرے۔

۲۔ معاشی و سماجی مجلس، مجلس امینی اور حسب ضرورت اقوام متحدہ کے دیگر آلہ ہائے کار کو موزوں عملہ مستقل طور سے سپرد کیا جائیگا۔ یہ عملے معتمدی کا ایک جزو ہونگے۔

۳۔ عملے کے مامور کرنے اور ان کے شرائط ملازمت کا تعین کرنے میں برترین لحاظ اس امر کا ہوگا کہ بہترین معیار کارکردگی، قابلیت اور دیانت کے حصول کی ضرورت ہے، اس بات کی اہمیت کا پورا لحاظ کیا جائے گا کہ عملے کی بھرتی جتنی وسیع جغرافی اساس پر ممکن ہو کی جائے۔

سولھواں باب

متفرق احکام

دفعہ (۱۰۲)

(۱) ہر معاہدہ اور ہر بین الممالک راضی نامہ جو اقوام متحدہ کا کوئی رکن منشور ہذا کے نفاذ کے بعد طے کرے اُن کو جتنا جلد ممکن ہو معتمدی میں رجسٹر کرایا اور اس (معتمدی) کی طرف سے شائع کیا جائیگا۔

(۲) جو معاہدہ یا بین الممالک راضی نامہ دفعہ ہذا کی ضمن (۱) کے احکام کے مطابق رجسٹر نہ کرایا گیا ہو اس کا کوئی فریق اقوام متحدہ کے کسی آلۂ کار کے پاس اس معاہدے یا راضی نامے کو استدلال میں پیش نہیں کرسکے گا۔

دفعہ (۱۰۳)

اقوام متحدہ کے ارکان کے ان واجبات میں جو منشور ہذا کے تحت ہیں، اور ان دیگر بین الممالک واجبات میں جن کے وہ تابع ہیں تصادم ہونے کی صورت میں ان کے ان واجبات کو ترجیح ہوگی جو منشور ہذا کے تحت ہوں۔

دفعہ (۱۰۴)

تنظیم ہذا کو اپنے ارکان میں سے ہر ایک کے علاقے میں وہ قانونی حیثیت، حاصل ہوگی جو اُسے اپنے وظائف کے انجام دینے اور اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو۔

دفعہ (۱۰۵)

(۱) تنظیم ہذا کو اپنے ارکان میں سے ہر ایک کے علاقے میں ایسے امتیازات اور حفاظتیں حاصل رہیں گی جو اس کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہوں۔

(۲) اقوام متحدہ کے ارکان کے نمائندوں اور تنظیم کے عہدہ داروں کو وہ امتیازات اور حفاظتیں حاصل رہیں گی جو تنظیم سے متعلق اپنے وظائف کی آزادانہ انجام دہی کے لئے ضروری ہوں۔

(۳) مجلس عام اس غرض کے لئے سفارشیں کرسکیگی کہ دفعۂ ہذا کی ضمن (۱) و (۲) کے اطلاق کی تفصیلیں معین کی جائیں۔ یا اس مقصد کے لئے اقوام متحدہ کے ارکان کے پاس معاہدوں کی تجویز پیش کرسکے گی۔

سترھواں باب

تحفظ کے عبوری انتظامات

دفعہ (۱۰۶)

دفعہ (۴۳) میں ذکر شدہ ان خصوصی راضی ناموں کے نفاذ تک جو مجلس تحفظ کی رائے میں اسے اس بات کے قابل کرتے ہوں کہ وہ دفعہ (۴۲) کے تحت اپنی ذمہ داریوں کا استعمال شروع کرسکے، چو قومی اعلان کے جس پر ماسکو میں ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو دستخط ہوئے، فریق اور فرانس، اعلان مذکور کی ضمن ۵ کے احکام کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے، اور جب موقع پیش آئے تو اقوام متحدہ کے دیگر ارکان سے مشاورت کریں گے تاکہ بین الممالک امن و تحفظ کی بقا کے لئے تنظیم کی جانب سے ایسی مشترکہ کارروائی اختیار کی جائے جو ضروری معلوم ہو۔

دفعہ (۱۰۷)

منشور ہذا کی کوئی چیز اس کارروائی کو ناجائز یا ممنوع نہیں قرار دیتی جو کسی ایسی مملکت کے خلاف ہو جو دوسری عالمگیر جنگ میں منشور ہذا کے کسی دستخط کنندہ کی دشمن رہی ہو، مذکورہ جنگ کے نتیجے کے طور پر اس حکومت کی طرف سے جو ایسی کارروائی کی ذمہ دار ہو، عمل میں لائی جائے یا اجازت دی جائے۔

اٹھارواں باب

ترمیمیں

دفعہ (۱۰۸)

منشور ہذا کی ترمیمیں اقوام متحدہ کے جملہ ارکان کے لئے اس وقت نافذ ہوں گی جبکہ انھیں مجلس عام کے ارکان کی دو تہائی اکثریت سے منظور کیا گیا ہو، اور مجلس تحفظ کے دوامی ارکان کو شامل کرتے

ہوئے اقوام متحدہ کے ارکان کی دو تہائی اکثریت نے اپنے اپنے دستوری ضوابط کے مطابق ان کی توثیق کی ہو۔

دفعہ (۱۰۹)

(۱) اقوام متحدہ کے ارکان کی ایک عام کانفرنس موجودہ منشور کی نظرثانی کی غرض سے اس تاریخ اور مقام پر منعقد ہوگی جو مجلس عام کے ارکان کے دو تہائی آرار اور مجلس تحفظ کے کوئی سات ارکان کی رائے سے مقرر ہوں۔ ہر رکن کو کانفرنس میں ایک رائے کا حق ہوگا۔

(۲) منشور ہذا کی کوئی تبدیلی جس کی سفارش کانفرنس مذکور کے دو تہائی آرا سے ہوئی ہو، اس وقت نافذ ہوگی جب اس کی توثیق جملہ مدامی ارکان مجلس تحفظ کو شامل کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے دو تہائی ارکان کی جانب سے ان کے ہاں کے اپنے دستوری ضوابط کے مطابق عمل میں آئے۔

(۳) اگر ایسی کوئی کانفرنس منشور ہذا کے نفاذ کے بعد کے دسویں سالانہ اجلاس مجلس عام سے قبل منعقد نہ ہوئی ہو تو ایسی کانفرنس طلب کرنے کی تجویز مجلس عام کے اس اجلاس کے پیش نامے میں داخل کردی جائے گی، اور کانفرنس منعقد ہوگی، اگر مجلس عام کے ارکان کی کثرت رائے اور مجلس تحفظ کے کوئی سات ارکان کی رائے سے ایسا فیصلہ ہو۔

انیسواں باب

توثیق اور دستخط

دفعہ (۱۱۰)

(۱) منشور ہذا کی دستخط کنندہ مملکتیں اپنے اپنے دستوری ضوابط کے مطابق توثیق کریں گی۔

(۲) توثیق نامے ممالک متحدہ امریکا کی حکومت کے پاس داخل کئے جائیں گے اور وہ جملہ دستخط کنندہ ممالک کو، نیز تنظیم کے معتمد عمومی کو جبکہ اس کا تقرر ہو جائے، ہر توثیق نامے کے داخلے کی اطلاع دیا کرے گی۔

(۳) منشور ہذا اس وقت نافذ ہوگا جب جمہوریہ چین، فرانس، اتحاد جماہیر شورائیہ اشتراکی (روس)

سلطنت متحدہ برطانیہ و شمالی آئرستان اور ممالک متحدہ امریکہ کے اور دستخط کنندہ ممالک کی اکثریت کے توثیق نامے داخل ہو جائیں۔ پھر ممالک متحدہ امریکا کی حکومت داخل شدہ توثیق ناموں کا ایک رسمی بیان نامہ مرتب کریگی جس کی نقلیں جملہ دستخط کنندہ مملکتوں کے پاس روانہ کی جائیں گی۔

۴۔ منشور ہذا کی وہ دستخط کنندہ مملکتیں جو اس کے نافذ ہوجانے کے بعد اس کی توثیق کریں اپنے توثیق ناموں کے داخلے کی تاریخ سے اقوام متحدہ کی ابتدائی رکن بن جائیں گی۔

دفعہ (۱۱۱)

منشور ہذا جس کے چینی، انگریزی، فرانسیسی، روسی اور اسپینی متن یکساں وقعت رکھتے ہیں، ممالک متحدہ امریکا کی حکومت کے محافظ خانے میں رہے گا۔ اس کی باضابطہ مصدقہ نقلیں اس حکومت کی طرف سے دیگر دستخط کنندہ حکومتوں کو ارسال کی جائیں گی۔

اس کے اقرار کے ساتھ اقوام متحدہ کے نمایندوں نے منشور ہذا پر دستخط کئے ہیں۔
شہر سان فرانسسکو میں چھبیس جولائی سنہ ایک ہزار نو سو پینتالیس کو عمل میں آیا۔

بین الممالک عدالت انصاف کا دستور العمل

دفعہ ۱ بین الممالک عدالت انصاف، جس کا قیام "اقوام متحدہ" کے منشور کے ذریعے سے، اقوام متحدہ کے اصلی عدالتی آلۂ کار کے طور پر عمل میں آیا ہے، دستور العمل ہذا کے احکام کے مطابق تشکیل پائے گی اور کام انجام دے گی۔

پہلا باب

تنظیم عدالت

دفعہ ۲ یہ عدالت خود مختار حکام عدالت کی ایک جماعت پر مشتمل ہوگی جن کا انتخاب، ان کی قومیت کا لحاظ کئے بغیر، بلند اخلاقی کردار والے اشخاص میں سے عمل میں آئیگا۔ اور یہ ان شرائط کے حامل ہوں گے جو ان کے ملکوں میں اعلیٰ ترین عدالتی خدمات پر ماموری کے لئے درکار ہوں، یا وہ قانون بین الممالک کے متعلق مسلمہ مہارت رکھنے والے مفتی ہوں۔

دفعہ ۳ (۱) یہ عدالت (۱۵) پندرہ ارکان پر مشتمل ہوگی جن میں سے کوئی دو بھی ایک ہی مملکت کی رعایا نہ ہونگے۔

(۲) وہ شخص جس کے متعلق اس عدالت کی رکنیت کے اغراض کے لئے یہ خیال کیا جا سکے کہ وہ ایک سے زیادہ مملکتوں کی رعایا ہے تو اسے اس مملکت کی رعایا خیال کیا جائیگا جہاں وہ عام طور پر اپنے کشوری اور سیاسی حقوق استعمال کرتا ہو۔

دفعہ ۴ (۱) ارکان عدالت کا انتخاب مجلس عام اور مجلس تحفظ (دونوں علاحدہ علاحدہ) احکام ذیل کے مطابق اس فہرست اشخاص میں سے کرینگے جن کو مستقل عدالت تحکیم کے قومی گروہ نامزد کریں۔

(۲) ایسی صورت میں جبکہ ارکان اقوام متحدہ کی نمایندگی مستقل عدالت تحکیم میں عمل میں نہ آئی ہو

توامیدواروں کی نامزدگی ان قومی گروہوں کی جانب سے ہوگی جو خاص اس غرض کے لئے ان کی حکومتیں انھیں شرائط کے تحت مقرر کریں، جو بین الممالک جھگڑوں کی مسالمانہ یکسوئی کے معاہدۂ ہیگ بابت سنہ ۱۹۰۷ئہ کی دفعہ ۴۴[1] میں مستقل عدالتِ تحکیم کے ارکان کے لئے مقرر ہیں۔

(۳) جو مملکت دستور العمل ہذا کی تو فریق ہو لیکن اقوام متحدہ کی رکن نہ ہو تو جن شرائط کے تحت وہ ارکان عدالت کے انتخاب میں حصہ لے سکے گی، ان کا تعین، کسی خصوصی راضی نامے کی غیر موجودگی میں، مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام کرے گی۔

۵ (۱) انتخاب سے کم از کم تین ماہ قبل اقوام متحدہ کا معتمد عمومی مستقل عدالت تحکیم کے ان ارکان سے جو دستور العمل ہذا کی فریق مملکتوں سے تعلق رکھتے ہوں، نیز ان قومی گروہوں کے ارکان سے جو دفعہ ۴ ضمن ۲ کے تحت مقرر ہوں، تحریری درخواست کریگا کہ ایک مقررہ وقت کے اندر ایسے اشخاص کی نامزدگی قومی گروہوں کے ذریعے سے عمل میں لانے کا انتظام کریں، جو اس عدالت کی رکنیت کے فرائض قبول کرنے کے موقف میں ہوں۔

(۲) کوئی گروہ چار سے زیادہ اشخاص کو نامزد نہ کرسکے گا، ان میں سے دو سے زیادہ ان کی اپنی قومیت کے نہ ہونگے۔ جو امیدوار کسی گروہ کی طرف سے نامزد کئے جائیں وہ کسی صورت میں

---

[1] وہ دفعہ یہ ہے: "ہر معاہدہ کنندہ سلطنت، زیادہ سے زیادہ ایسے چار اشخاص کو چُنے گی جو قانون بین الممالک کے مسائل میں مہارت رکھنے میں معروف ہوں، اعلیٰ ترین اخلاقی شہرت رکھتے ہوں، اور حَکم بننے کے فرائض کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔

"اس طرح سے چُنے ہوئے اشخاص کو بطور ارکان عدالت ایک فہرست میں درج کرلیا جائے گا اور دفتر کی جانب سے جملہ معاہدہ کنندہ سلطنتوں کو اس کی اطلاع دی جائے گی۔

"حکموں کی فہرست کی ہر تبدیلی کو دفتر جملہ معاہدہ کنندہ سلطنتوں کے علم میں لائیگا۔

"دو یا زیادہ سلطنتیں اس پر رضامند ہوسکتی ہیں کہ ایک یا زیادہ ارکان کو مشترکہ طور سے چُنیں۔

"ایک ہی شخص کو مختلف سلطنتیں چُن سکتی ہیں۔

"ارکان عدالت کا تقرر چھ سال کی مدت کے لئے ہوگا۔ ان تقررات کی تجدید بھی ہوسکے گی۔

"عدالت کا کوئی رکن فوت ہوجائے یا استعفا دیدے تو خالی جگہ کو پُر کرنے کیلئے وہی ضابطہ اختیار کیا جائیگا جو اسکے تقرر میں ملحوظ رہا تھا۔ ایسی صورت میں تقرر چھ سال کی تازہ مدت کے لئے ہوگا۔"

منقول از شہادت سن برگ انٹرنیشنل حصہ ۱۔ صفحہ ۵۷۶۔ مترجم

تقرر طلب نشستوں کی تعداد سے دگنے سے زیادہ نہ ہونگے۔

ف ۶ ہر قومی گروہ سے سفارش کی جاتی ہے کہ وہ ایسی نامزدگیاں عمل میں لانے سے قبل اپنی اعلیٰ ترین عدالت انصاف، اپنے شعبہ ہائے قانون (مدارسِ قانون) اور اپنی قومی اکاڈیمیوں یا بین الممالک اکاڈیمیوں کی قومی شاخوں سے جو مطالعۂ قانون سے مختص ہوں، مشورہ کرے۔

ف ۷ ۱؎ معتمد عمومی حروف تہجی پر ان تمام لوگوں کی فہرست تیار کرے گا جن کی اس طرح نامزدگی عمل میں آئی ہو بجز ان لوگوں کے جن کا ذکر دفعہ (۱۲) ضمن (۲) میں ہوا ہے۔ یہی قابل انتخاب اشخاص ہونگے۔

۲؎ معتمد عمومی یہ فہرست مجلس عام اور مجلس تحفظ کے پاس پیش کریگا

ف ۸ مجلس عام اور مجلس تحفظ ایک دوسرے سے الگ ارکان عدالت کے انتخاب کی کارروائی کرینگی۔

ف ۹ ہر انتخاب کے وقت، انتخاب کنندہ یہ امر ذہن میں ملحوظ رکھیں گے کہ جن اشخاص کا انتخاب کرنا ہے وہ نہ صرف انفرادی طور پر مطلوبہ صفات کے حامل ہیں بلکہ اس جماعت میں بہ حیثیت مجموعی دنیا کے بڑے تمدنی اشکال اور اہم نظامہائے قانون کی نمائندگی کی ضمانت بھی حاصل ہو۔

ف ۱۰ ۱؎ جن ارکان کو مجلس عام اور مجلس تحفظ میں اکثریت مطلقہ حاصل ہو انھیں کو منتخب تصور کیا جائیگا۔

۲؎ مجلس تحفظ کی رائے دہی، چاہے حکام عدالت کے انتخاب کے لئے ہو یا اس کانفرنس کے ارکان کے تقرر کے لئے ہو جس کا ذکر دفعہ (۱۲) میں ہے، مجلس تحفظ کے مستقل و غیر مستقل ارکان کے امتیاز کے بغیر عمل میں آسکے گی۔

۳؎ اگر ایک ہی سلطنت کی رعایا میں سے ایک سے زیادہ افراد کو مجلس عام اور مجلس تحفظ ہر دو میں اکثریتِ مطلقہ حاصل ہو تو ان میں سے معمر تر کو منتخب تصور کیا جائیگا۔

ف ۱۱ انتخاب کی غرض سے جو پہلا اجلاس ہو، اگر اس کے بعد بھی ایک یا زیادہ نشستیں پُر کرنے کے لئے باقی رہ جائیں تو ایک دوسرا، اور اگر ضرورت ہو تو ایک تیسرا اجلاس بھی منعقد ہو گا۔

ف ۱۲ ۱؎ اگر تیسرے اجلاس کے بعد بھی ایک یا زیادہ نشستیں پُر ہونے کے لئے باقی رہ جائیں تو ایک مشترکہ کانفرنس جو چھے ارکان پر مشتمل ہو گی جن میں سے تین کا تقرر مجلس عام کرے گی اور تین کا مجلس تحفظ،

کسی وقت بھی مجلس عام یا مجلس تحفظ کسی کی بھی خواہش پر تشکیل دی جاسکتی ہے۔ تاکہ اکثریت مطلقہ کی رائے کے ذریعے سے ہر خالی جگہ کے لئے ایک نام پسند کرکے مجلس عام اور مجلس تحفظ کے پاس ان میں سے ہر ایک کی قبولیت کے لئے پیش کرے۔

۲۔ اگر یہ مشترکہ کانفرنس کسی ایسے شخص کے متعلق متفقہ طور پر راضی ہو جائے جو مطلوبہ شرائط کو پورا کرتا ہو تو اس کو فہرست میں داخل کرلیا جائیگا، اگرچہ ان نامزدگیوں میں داخل نہ رہا ہو جن کا ذکر دفعہ (۷) میں ہے۔

۳۔ اگر مشترکہ کانفرنس کو اطمینان ہو جائے کہ وہ انتخاب عمل میں لانے میں کامیاب نہ رہیگی تو عدالت کے وہ ارکان جو پہلے ہی منتخب ہو چکے ہوں، اس مدت کے اندر جو مجلس تحفظ نے مقرر کی ہو خالی نشستوں کو ان امیدواروں سے پُر کرنے کے لئے جنھوں نے مجلس عام یا مجلس تحفظ میں رائیں حاصل کی ہوں، چناؤ کی کارروائی کریں گے۔

۴۔ اگر حکام عدالت کی رائیں برابر رہیں تو سب سے معمر حاکم عدالت کو ایک فیصلہ کُن رائے حاصل ہوگی

دفعہ ۱۳

۱۔ ارکان عدالت کا انتخاب نو سال کے لئے ہوگا اور دوبارہ انتخاب بھی ہو سکے گا۔ البتہ شرط یہ ہے کہ پہلے انتخاب کے وقت جو حکام عدالت منتخب ہوئے ہوں، اُن میں سے پانچ کی مدت تین سال کے اختتام پر ختم ہو جائیگی اور مزید پانچ حکام عدالت کی مدت چھے سال کے اختتام پر ختم ہو جائے گی۔

۲۔ جن حکام عدالت کی مدتیں مذکورۂ بالا تین اور چھے سال کی ابتدائی میعادوں کے اختتام پر ختم ہوجاتی ہیں، ان کا تعین قرعہ ڈال کر کیا جائیگا جو پہلے انتخاب کے مکمل ہونیکے فوراً ہی بعد معتمد عمومی عمل میں لائیگا

۳۔ ارکان عدالت اپنے فرائض کی انجام دہی اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک کہ ان کی جگہیں پُر نہ کردی جائیں۔ ان کے جانشین کے تقرر کے باوجود وہ کسی ایسے مقدمے کو ختم کریں گے جسے اُنھوں نے شروع کیا ہو۔

۴۔ کسی رکن عدالت کے استعفےٰ کی صورت میں استعفا صدر مجلس عدالت کے نام بھیجا جائیگا تاکہ معتمد عمومی کے پاس روانہ کردیا جائے۔ اس آخری اطلاع کے ساتھ جگہ خالی ہوجائیگی۔

ف ۱۴ خالی جگہوں کو بھی اسی طریقے سے پُر کیا جائے گا جو ابتدائی انتخاب کے لئے مقرر ہے لیکن شرط یہ ہوگی کہ معتمد عمومی، جگہ کے خالی ہونے کے ایک ماہ کے اندر ان دعوت ناموں کی اجرائی کی کارروائی کرے گا جن کا دفعہ (۵) میں ذکر ہے اور انتخاب کی تاریخ مجلس تحفظ معین کریگی۔

ف ۱۵ جس رکن عدالت کا انتخاب اس رکن کی جگہ ہوا ہو جس کی مدتِ عہدہ ختم نہ ہوئی ہو تو وہ اپنے پیشرو کی مابقی مدت تک برسر عہدہ رہے گا۔

ف ۱۶ ۱ کوئی رکن عدالت نہ تو کوئی سیاسی یا نظم ونسقی فرائض انجام دے گا اور نہ کسی ایسے دھندے میں مشغول ہوگا جو پیشہ ورانہ نوعیت کا ہو۔

۲ اس نکتے کے متعلق کسی شبہے کا تسویہ عدالت کے فیصلے سے ہوگا۔

ف ۱۷ ۱ عدالت کا کوئی رکن کسی مقدمے میں کارندے، مشیر قانون یا وکیل کی حیثیت سے کام نہیں کر سکے گا۔

۲ کوئی رکن کسی ایسے مقدمے کے فیصلے میں حصہ نہ لے سکے گا جس میں اس نے سابق میں فریقین میں سے کسی ایک کی طرف سے کارندے، مشیر قانونی یا وکیل کی حیثیت سے یا کسی قومی یا بین الاقوامی عدالت کے یا کسی کمیشن تحقیقات کے رکن کی حیثیت سے یا کسی اور حیثیت سے حصہ لیا ہو۔

۳ اس نکتے کے متعلق کسی شبہے کا تسویہ عدالت کے فیصلے سے ہوگا۔

ف ۱۸ ۱ کسی رکن عدالت کو برطرف نہیں کیا جا سکتا بجز اس کے کہ باقی ارکان کی متفقہ رائے میں وہ اب مطلوبہ صفات کی تکمیل نہ کرنے لگا ہو۔

۲ اس کی باضابطہ اطلاع معتمد عمومی کو رجسٹرار دے گا۔

۳ اس اطلاع کے ساتھ جگہ خالی ہو جائے گی۔

ف ۱۹ ارکانِ عدالت جب عدالتی کام میں مشغول ہوں تو انھیں سفارتی امتیازات اور تامینات حاصل ہونگے۔

ف ۲۰ ہر رکن عدالت اپنے فرائض منصبی شروع کرنے سے پہلے کھلی عدالت میں اس کا اقرار صالح کرے گا کہ

وہ اپنے اختیارات کا غیر جانبدارانہ اور دیانت دارانہ استعمال کرے گا۔

ف ۲۱ (۱) عدالت اپنے صدر اور نائب صدر کا انتخاب تین سال کے لئے خود کرے گی۔ ان کا دوبارہ بھی انتخاب ہو سکے گا۔

(۲) عدالت اپنا رجسٹرار خود مقرر کرے گی، اور ایسے دیگر عہدہ داروں کے تقرر کا انتظام کرے گی جو ضروری ہوں۔

ف ۲۲ (۱) عدالت کی نشست شہر ہیگ میں قائم کی جائے گی۔ لیکن اس سے عدالت کے لئے یہ ممنوع نہ ہوگا کہ کسی اور جگہ نشست کرکے اپنے وظائف انجام دے، جب کبھی کہ عدالت کی رائے میں یہ مناسب ہو۔

(۲) میر مجلس اور رجسٹرار مستقر عدالت میں سکونت رکھیں گے۔

ف ۲۳ (۱) عدالت ہمیشہ برسر کار رہے گی بجز عدالتی تعطیلوں کے جن کی تاریخوں اور مدت کا تعین خود عدالت کرے گی۔

(۲) ارکان عدالت کو میقاتی رخصت کا حق ہوگا جس کی تاریخوں اور مدت کا تعین عدالت کرے گی۔ اور شہر ہیگ اور ہر حاکم عدالت کے گھر کا فاصلہ ملحوظ رکھے گی۔

(۳) بجز اس کے کہ ارکان عدالت رخصت پر ہوں یا علالت کے باعث حاضر نہیں ہو سکتے، یا کوئی دیگر اہم وجوہ ہوں جن کی باقاعدہ میر مجلس پر وضاحت کی گئی ہو، ان کے لئے پابندی ہوگی کہ ہر وقت عدالت کے کام کے لئے اپنے کو تیار رکھیں گے۔

ف ۲۴ (۱) اگر کسی خاص وجہ سے کوئی رکن عدالت یہ خیال کرتا ہو کہ اسے کسی معین مقدمے کے فیصلے میں حصہ نہیں لینا چاہیئے تو وہ میر مجلس کو ایسی اطلاع دیدے گا۔

(۲) اگر میر مجلس خیال کرتا ہو کہ کسی خاص وجہ سے عدالت کا کوئی خاص رکن کسی معین مقدمے کی سماعت کے لئے نشست نہ کرے تو وہ اسے حسبہ اطلاع دے گا۔

(۳) اگر ایسے کسی مسئلے میں رکن عدالت اور میر مجلس میں اختلاف رائے ہو تو اس معاملے کا تصفیہ

عدالت کے فیصلے کے ذریعے سے عمل میں آئے گا۔

دفعہ ۲۵ (۱) بجز اس کے کہ دستور العمل ہذا میں اس کے خلاف حکم ہو، عدالت کا اجلاس کامل ہوا کرے گا۔

(۲) اس شرط کے تابع کہ عدالت کی تشکیل کے لئے جو حکام عدالت مل سکتے ہوں ان کی تعداد گیارہ سے کم نہ ہو جائے، احکام عدالت کے تحت حکم دیا جا سکتا ہے کہ ایک یا زیادہ حکام عدالت کو حالات کے لحاظ سے اور باری باری سے نشست کرنے سے چھٹی دیدی جا سکتی ہے۔

(۳) تشکیل عدالت کے لئے نو حکام عدالت کا نصاب کافی ہوگا۔

دفعہ ۲۶ (۱) عدالت وقتاً فوقتاً ایک یا زیادہ اجلاس (چیمبر) مقرر کر سکے گی جو عدالت کی صوابدید پر تین یا زیادہ حکام عدالت پر مشتمل ہوا کرے گا، تاکہ معین قسم کے مقدمات سے نبٹا جائے۔ مثلاً مقدمات محنت و مزدوری، مقدمات متعلقہ عبور و مرور و مواصلات۔

(۲) عدالت کسی وقت بھی ایک اجلاس (چیمبر) مقرر کر سکتی ہے تاکہ کسی خاص مقدمے سے نبٹا جائے۔ ان حکام عدالت کی تعداد جن پر ایسا اجلاس مشتمل ہو، فریقین کی رضامندی سے عدالت معین کرے گی۔

(۳) مقدمات کی سماعت اور فیصلہ دفعۂ ہذا میں بیان کردہ اجلاسوں کے ذریعے سے عمل میں آئیں گے، اگر فریقین ایسی خواہش کریں۔

دفعہ ۲۷ جو فیصلہ کسی ایسے اجلاس سے صادر ہو جس کا ذکر دفعہ ۲۶ اور دفعہ ۲۹ میں ہے تو وہ عدالت کا صادر کردہ تصور کیا جائے گا۔

دفعہ ۲۸ وہ اجلاس جن کا ذکر دفعہ ۲۶ اور دفعہ ۲۹ میں ہے، فریقین کی رضامندی سے شہر ہیگ کے بجائے کسی اور جگہ بھی نشست کر سکتے اور کام انجام دے سکتے ہیں۔

دفعہ ۲۹ کارروائی کو جلد طے کرانے کی غرض سے عدالت ہر سال ایک اجلاس (چیمبر) مقرر کرے گی جو پانچ حکام عدالت پر مشتمل ہوگا، اور وہ فریقین کی خواہش پر مقدمات کی سماعت اور فیصلہ بصیغۂ سرسری عمل میں لائے گا۔ دو مزید حکام عدالت اس غرض کے لئے چنے جائیں گے کہ جو حکام عدالت نشست کرنا (اپنے لئے) ناممکن پائیں

تو یہ ان کی جگہ لے سکیں۔

ف ۳۰ (۱) عدالت اپنے کام کی انجام دہی کے لئے قواعد وضع کرے گی اور خاصکر وہ قواعدِ ضابطہ مقرر کرے گی

(۲) قواعد عدالت کے تحت اس کا حکم دیا جا سکتا ہے کہ عدالت یا اس کے اجلاسوں میں سے کسی کے ساتھ جلیس (اسیسر) بھی کسی حق رائے دہی کے بغیر نشست کریں۔

ف ۳۱ (۱) فریقین میں سے ہر ایک کی قومیت والے حکّام عدالت کا یہ حق برقرار رہیگا کہ وہ عدالت میں پیش شدہ مقدمے میں نشست کر سکیں۔

(۲) اگر حکام عدالت کے زمرے میں فریقین میں سے ایک کی قومیت والا حاکم عدالت شامل ہو تو فریق دیگر کسی ایسے شخص کا انتخاب کر سکے گا جو بطور حاکم عدالت نشست کرے۔ ایسے شخص کا انتخاب مرجح طور پر ان لوگوں میں سے ہو گا جن کی ف ۴ و ف ۵ کے مطابق امیدوار کے طور پر نامزدگی عمل میں آئی ہو

(۳) اگر حکام عدالت میں فریقین کی قومیت کا کوئی شامل نہ ہو تو فریقین میں سے ہر ایک دفعۂ ہذا کی ضمن (۲) کے احکام کے مطابق ایک ایک حاکم عدالت کا انتخاب عمل میں لا سکتا ہے۔

(۴) دفعۂ ہذا کے احکام کا اطلاق ف ۲۶ و ف ۲۹ کے مقدمے پر بھی ہو گا۔ ایسی صورتوں میں میر مجلس فریقینِ متعلقہ کی قومیت والے ایک، یا اگر ضرورت ہو تو دو، حکامِ عدالت سے، اور اگر وہ موجود نہ ہوں یا اگر وہ حاضر نہ رہ سکتے ہوں تو ان حکام عدالت سے خواہش کرے گا جنھیں فریقین خاص طور پر منتخب کریں۔

(۵) اگر ایک ہی مفاد کے کئی فریق ہوں تو وہ احکام بالا کے اغراض کے لئے ایک ہی فریق شمار کئے جائیں گے، اس نکتے کے متعلق کسی شبہے کا تسویہ عدالت کے فیصلے سے ہو گا۔

(۶) دفعۂ ہذا کی ضمن (۲)، (۳)، اور (۴) کے مطابق جن حکام عدالت کا انتخاب ہو وہ دستور العمل ہذا کی ف ۲، ف ۱۷ (ضمن ۲)، ف ۲۰ اور ف ۲۴ کے مطلوبہ شرائط کی تکمیل کریں گے۔ وہ فیصلہ کرنے میں اپنے رفقاء کے ساتھ مکمل مساوات کی اساس پر حصہ لیں گے۔

ف ۳۲ (۱) ہر رکن عدالت کو سالانہ ایک تنخواہ ملا کرے گی۔

(۲) میر مجلس کو سالانہ ایک خصوصی علاوہ (الاونس) [بھی] ملا کرے گا۔

(۳) نائب میر مجلس کو ہر اس دن کی بابت خصوصی علاوہ ملا کرے گا جب اس نے میر مجلس کے نگران کار کی حیثیت سے کام کیا ہو۔

(۴) حکام عدالت کے سوا جن حکام کا دفعہ ۳۱ کے تحت انتخاب ہوا ہو انھیں ہر اُس دن کی بابت معاوضہ ملے گا، جب اُنھوں نے اپنے کام انجام دیے ہوں

(۵) یہ تنخواہیں، علاوے اور معاوضہ مجلس عام مقرر کرے گی۔ میقاتِ عہدہ میں ان کی تخفیف نہیں ہو سکے گی۔

(۶) معتمد (رجسٹرار) عدالت کی تنخواہ عدالت کی تجویز پر مجلس عام مقرر کرے گی۔

(۷) مجلس عام کے مقرر کردہ قواعد ان شرائط کا تعین کرینگے جن کے تحت ارکانِ عدالت اور معتمدِ عدالت کو وظیفۂ علاحدگی دیا جائے گا۔ اور ان شرائط کا جن کے تحت ارکان عدالت اور معتمد عدالت کو مصارفِ سفر واپس دلائے جائیں گے۔

(۸) مذکورہ تنخواہیں، علاوے اور معاوضہ ہر قسم کے ٹیکس سے بری ہونگے۔

دفعہ ۳۳ مصارفِ عدالت کو اقوام متحدہ اس طور پر برداشت کریگی جس کا فیصلہ مجلس عام کریگی۔

دوسرا باب

عدالت کا اختیار

دفعہ ۳۴ (۱) عدالت کے سامنے مقدمات کی فریق صرف مملکتیں ہو سکتی ہیں

(۲) عدالت اپنے قواعد کے تابع اور اُن کے مطابق عمومی (پبلک) بین الممالک تنظیموں سے ان مقدمات کے سلسلے میں جو اس کے سامنے ہوں متعلقہ معلومات کی خواہش کر سکے گی اور ایسے معلومات قبول کریگی جو اس طرح کی تنظیمیں خود ہو کر پیش کریں۔

(۳) جب کبھی عدالت کے سامنے کسی مقدمے میں کسی عمومی بین الممالک ادارے کے دستور کی یا اس کے تحت طے شدہ کسی بین الممالک معاہدے کی تعبیر زیر بحث ہو تو معتمد (رجسٹرار) متعلقہ عمومی بین الممالک تنظیم کو اس کی اطلاع دیگا اور جملہ تحریری روئدادوں کی نقلیں روانہ کرے گا۔

دفعہ ۳۵ (۱) عدالت ان مملکتوں کے لئے کھلی رہیگی جو موجودہ دستور العمل کی فریق ہوں

(۲) جن شرائط کے تحت عدالت دیگر مملکتوں کے لئے بھی کھلی رہیگی وہ نافذہ معاہدات کے خصوصی احکام کے تابع، مجلس تحفظ مقرر کرے گی لیکن کسی صورت میں بھی ایسی شرطیں فریقین کو عدالت کے سامنے عدم مساوات کی حالت میں نہیں ڈالیں گی۔

(۳) جب کوئی ایسی مملکت جو اقوام متحدہ کی رکن نہ ہو، کسی مقدمے کی فریق ہو تو عدالت اس رقم کا تعین کرے گی جو اس کو عدالت کے مصارف کی بابت ادا کرنی ہوگی۔ اس حکم کا اطلاق اس وقت نہ ہوگا جب ایسی مملکت عدالت کے مصارف کا کوئی حصہ برداشت کر رہی ہو۔

دفعہ ۳۶ (۱) عدالت کا اختیار سماعت ان تمام مقدمات پر حاوی ہے جو فریقین اس کے پاس رجوع کریں اور ان تمام معاملات پر جن کا اقوام متحدہ کے منشور میں یا نافذہ معاہدوں اور اقراروں میں خصوصی حکم ہے۔

(۲) جو مملکتیں موجودہ دستور العمل کی فریق ہیں وہ کسی وقت بھی اعلان کر سکتی ہیں کہ مسائل ذیل سے متعلق تمام قانونی جھگڑوں میں عدالت کے اختیار سماعت کو کسی اور ایسی مملکت کے متعلق خود بخود تسلیم کرتی ہیں جو خود بھی ایسے وجوب کو قبول کرتی ہو:-

ا۔ کسی معاہدے کی تعبیر؛

ب۔ قانون بین الممالک کا کوئی مسئلہ؛

ج۔ کسی ایسے واقعے کا وجود جس کے ثابت ہونے پر کسی بین الممالک وجوب کی خلاف ورزی عمل میں آتی ہو۔

د۔ اس تلافی کی نوعیت اور مقدار جو کسی بین الممالک وجوب کی خلاف ورزی پر کی جاتی ہو۔

(۳) مذکورۂ بالا اعلانات غیر مشروط طور پر بھی کئے جا سکتے ہیں، یا اس شرط پر بھی کہ متعدد یا معین

مملکتیں بھی ایسا ہی کریں، یا کسی معینہ مدت کے لئے بھی۔

(۴) ایسے اعلانات اقوام متحدہ کے معتمد عمومی کے پاس رکھوائے جائیں گے اور وہ دستور العمل کے فریقوں اور معتمد عدالت کے پاس ان کی نقلیں روانہ کرے گا

(۵) جو اعلانات "بین الممالک انصاف کی مستقل عدالت" کے دستور العمل کی ف ۳۶ کے تحت کئے گئے ہوں اور فی الوقت بھی نافذ ہوں ان کے متعلق تصور کر لیا جائے گا کہ وہ موجودہ دستور العمل کے فریقوں کے مابین بین الممالک عدالت انصاف کے لازمی اختیار سماعت کو اس مدت کے لئے قبول کرنا ہے جو ان (اعلانات) کے شرائط کے مطابق ابھی باقی ہو۔

(۶) اگر اس امر میں جھگڑا ہو کہ آیا عدالت کو اختیار سماعت ہے، تو ایسی صورت میں معاملے کا تسویہ فیصلۂ عدالت کے ذریعے سے عمل میں آئیگا۔

ف ۳۷ جب کبھی کسی نافذ الوقت معاہدے یا اقرار میں یہ حکم ہو کہ کوئی معاملہ مجلس اقوام کی قائم کردہ عدالت یا بین الممالک انصاف کی مستقل عدالت میں رجوع کیا جائے تو دستور العمل ہذا کے فریقوں کی حد تک

---

(۵) جو یہ ہو:۔ عدالت کا اختیار سماعت اُن تمام مقدمات پر حاوی ہے جو فریقین اس کے پاس رجوع کریں نیز ان تمام معاملات پر جن کے لئے معاہدوں اور اقرار ناموں میں خاص طور پر حکم دیا گیا ہو۔

ارکان مجلس اقوام اور وہ مملکتیں جن کا ذکر ضمیمۂ میثاق میں کیا گیا ہے یا تو اس قول و قرار پر جو دستور العمل ہذا کے ساتھ منسلک ہے دستخط کرتے وقت یا اس کی توثیق کرتے وقت یا کسی آئندہ تاریخ پر اعلان کر سکتی ہیں کہ وہ عدالت کے اختیار سماعت کو مندرجۂ ذیل امور سے متعلق جملہ یا کسی بھی قسم کے قانونی نزاعات میں ہر اس دیگر رکن یا مملکت کے متعلق خود بخود اور بغیر کسی خصوصی راضی نامے کے لازمی تسلیم کرتی ہیں جو خود بھی اس وجوب کو تسلیم کرے:۔

ا۔ کسی معاہدے کی تعبیر

ب۔ قانون بین الممالک کا کوئی مسئلہ

ج۔ کسی ایسے واقعے کا وجود جس کے ثابت ہونے پر کسی بین الممالک وجوب کی خلاف ورزی عمل میں آتی ہو۔

د۔ اس تلافی کی نوعیت اور مقدار جو کسی بین الممالک وجوب کی خلاف ورزی پر کی جاتی ہو۔

مذکورۂ بالا اعلان بلا شرط بھی کیا جا سکتا ہے یا اس شرط پر بھی کہ مختلف یا معین ارکان یا مملکتیں بھی ایسا ہی کریں یا کسی معین وقت کے لئے بھی۔

اگر اس امر میں نزاع ہو کہ عدالت کو اختیار سماعت حاصل ہے یا نہیں تو معاملے کا تسویہ فیصلۂ عدالت کے ذریعے سے عمل میں آئیگا۔ (مترجم)

وہ معاملہ بین الممالک عدالتِ انصاف میں رجوع کیا جائے گا۔

ف ۳۸ (۱) عدالت جس کا کام یہ ہے کہ اس کے سامنے پیش کیے جانے والے جھگڑوں میں قانونِ بین الممالک کے مطابق فیصلے کرے، حسب ذیل اطلاق کرے گی:۔

ا۔ بین الممالک اقرارات، خواہ عمومی ہوں یا خصوصی، جو ایسے قواعد مقرر کرتے ہوں جن کو متخاصم مملکتوں نے صراحت کے ساتھ تسلیم کر لیا ہو۔

ب ۔ بین الممالک رواج، اس بات کی شہادت کے طور پر کہ ایک عام عملدرآمد کی بنا پر اسے بطور قانون تسلیم کر لیا گیا ہے۔

ج ۔ قانون کے عام اُصول جن کو متمدن قوموں نے تسلیم کر لیا ہو۔

د ۔ ف ۵۹ کے احکام کے تابع، عدالتی فیصلے اور مختلف قوموں کے نہایت اعلیٰ قابلیتوں کے مؤلفوں کی تعلیمات، قانون کے قواعد کے تعین کے ذیلی ذرائع کے طور پر۔

(۲) اس حکم سے عدالت کے اس اقتدار پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کہ کسی مقدمے کا فیصلہ "عدل و احسان" کے مطابق کرے، اگر فریقین اس پر رضامند ہوں۔

تیسرا باب

ضابطہ

ف ۳۹ (۱) عدالت کی سرکاری زبانیں فرانسیسی اور انگریزی ہوں گی۔ اگر فریقین رضامند ہوں کہ مقدمہ فرانسیسی میں چلایا جائے تو فیصلہ فرانسیسی میں صادر کیا جائے گا، اگر فریقین رضامند ہوں کہ مقدمہ انگریزی میں چلایا جائے تو فیصلہ انگریزی میں صادر کیا جائے گا

(۲) کسی ایسی رضامندی کی غیر موجودگی میں کہ کونسی زبان استعمال کی جائے، ہر فریق بحث (پلیڈنگ) میں وہ زبان استعمال کر سکے گا جو وہ پسند کرے؛ عدالت کا فیصلہ فرانسیسی اور انگریزی میں صادر ہوگا۔ ایسی صورت میں عدالت ساتھ ہی یہ بھی طے کرے گی کہ دونوں متنوں میں سے کس کو مستند تصور کیا جائے

(۳) عدالت کسی فریق کی خواہش پر یہ اجازت دے گی کہ وہ فریق فرانسیسی یا انگریزی کے سوا کوئی اور زبان استعمال کرے۔

ف ۴۰ (۱) جیسی کہ صورت ہو، مقدمات عدالت کے سامنے یا تو معین راضی نامے کی اطلاع کے ذریعے سے لائے جائیں گے یا تحریری درخواست کے ذریعے سے معتمد عدالت کو مخاطب کرکے ہر ایک صورت میں نزاعی امر اور فریقین کی تفصیل دی جائے گی۔

(۲) معتمد عدالت درخواست کی اطلاع فوراً جملہ متعلقہ فریقوں کو روانہ کرے گا

(۳) وہ اقوام متحدہ کے ارکان کو بھی معتمد عمومی کے ذریعے سے اطلاع دے گا نیز کسی اور ایسی مملکت کو بھی جسے عدالت کے سامنے حاضر ہونے کا حق ہو

ف ۴۱ (۱) عدالت کو، اگر وہ خیال کرے کہ حالات اس کے متقاضی ہیں تو، یہ اقتدار ہوگا کہ ایسے عارضی تدابیر بتائے جن کا اختیار کیا جانا فریقین میں سے ہر ایک کے متعلقہ حقوق کے تحفظ کے لئے اختیار کئے جانے چاہئیں۔

(۲) آخری فیصلہ ہونے تک، مجوزہ تدبیروں کی اطلاع فوراً فریقین اور مجلس تحفظ کو دی جائے گی۔

ف ۴۲ (۱) فریقین کی نمایندگی کارندوں کے ذریعے سے عمل میں آئے گی۔

(۲) وہ عدالت کے سامنے مشیر قانونی یا وکیلوں سے مدد لے سکیں گے۔

(۳) عدالت کے سامنے آنے والے فریقوں کے کارندوں، مشیر قانونی اور وکیلوں کو وہ امتیازات اور تامینات حاصل رہیں گے جو اپنے فرائض کی آزادانہ انجام دہی کے لئے ضروری ہوں۔

ف ۴۳ (۱) روئداد دو حصوں پر مشتمل ہوگی؛ تحریری اور زبانی۔

(۲) تحریری روئداد عدالت اور فریقین کو بھیجی جانے والی یادداشتوں، جوابی یادداشتوں اور اگر ضرورت ہو تو جوابوں پر مشتمل ہوگی؛ نیز تمام تائیدی کاغذوں اور دستاویزوں پر۔

(۳) یہ ارسالات معتمدِ عدالت کے توسط سے اس ترتیب اور اس وقت کے اندر ہونگے جو عدالت مقرر کرے۔

۴ ہر دستاویز کی جو ایک فریق پیش کرے، مصدقہ نقل دوسرے فریق کو بھیجی جائے گی۔

۵ زبانی روئداد گواہوں، ماہروں، کارندوں، مشیر قانونی اور وکیلوں کی سماعتِ عدالت پر مشتمل ہوگی

ف ۴۴ ۱ کارندوں، مشیر قانونی، اور وکیلوں کو اطلاع دہی کے لئے عدالت راست اس حکومت سے درخواست کرے گی جس کی سرزمین پر اطلاع دہی عمل میں آنی ہو۔

۲ یہی حکم اس وقت بھی اطلاق پائے گا جب اس غرض کے لئے قدم اُٹھائے جانے ہوں کہ شہادت برموقع لی جائے۔

ف ۴۵ سماعت میر مجلس کی نگرانی میں ہوگی، یا اگر وہ صدارت کے نا قابل ہو تو نائب میر مجلس کی؛ اگر دونوں میں سے کوئی بھی صدارت کے قابل نہ ہو تو سینیر حاضر الوقت حاکم عدالت صدارت کرے گا۔

ف ۴۶ عدالتی سماعت کھُلی ہوگی، بجز اس کے کہ عدالت کوئی اور فیصلہ کرے، یا بجز اس کے کہ فریقین مطالبہ کریں کہ عوام کو داخلے کی اجازت نہ دی جائے۔

ف ۴۷ ۱ ہر سماعت کی روئداد قلمبند کی جائیگی اور اس پر معتمدِ عدالت اور میر مجلس کے دستخط ہونگے۔

۲ ایسی روئداد ہی مستند ہوگی۔

ف ۴۸ عدالت حکم دیگی کہ مقدمہ کس طور سے چلے، اور اس طریقے اور وقت کا فیصلہ کریگی جس میں ہر فریق کو اپنا استدلال ختم کرنا ہوگا۔ اور شہادت لینے سے متعلق تمام انتظامات کرے گی۔

ف ۴۹ سماعت شروع ہونے سے پہلے بھی عدالت کارندوں سے مطالبہ کر سکے گی کہ کوئی دستاویز پیش کریں یا کوئی وضاحتیں مہیا کریں۔ اگر کوئی انکار کیا جائے تو اس کی باضابطہ یادداشت لی جائیگی۔

ف ۵۰ عدالت کسی وقت بھی کسی فرد، جماعت، دفتر، کمیشن، یا کوئی اور تنظیم کے، جسے وہ منتخب کرے، سپرد کسی تحقیقات کے عمل میں لانے یا کسی ماہرانہ رائے کے دینے کا کام کر سکتی ہے۔

ف ۵۱ دورانِ سماعت میں سوالات متعلقہ گواہوں اور ماہروں سے ان شرائط کے تحت ہونگے جو ف ۳۰ میں بیان شدہ قواعد ضابطہ کے سلسلے میں عدالت مقرر کرے۔

ف ۵۲ اگر مقررکردہ وقت کے اندر عدالت کو ثبوت اور شہادت حاصل ہو جائیں تو وہ کسی مزید زبانی یا تحریری شہادت کو، جو کوئی فریق پیش کرنا چاہے، قبول کرنے سے انکار کر سکتی ہے بجز اس کے کہ طرفِ ثانی راضی ہو۔

ف ۵۳ ۱۔ جب کبھی فریقین میں سے ایک عدالت کے سامنے حاضر نہ ہو یا اپنے مقدمے کی جوابدہی سے قاصر رہے تو دوسرا فریق عدالت سے مطالبہ کر سکے گا کہ وہ اس کے حق میں دعوے کا فیصلہ کرے۔

۲۔ عدالت کو ایسا کرنے سے پہلے نہ صرف یہ اطمینان کر لینا چاہئیے کہ اُسے ف ۳۶ و ف ۳۷ کے مطابق اختیار سماعت حاصل ہے بلکہ یہ بھی کہ دعویٰ واقعیت اور قانون پر اچھی طرح مبنی ہے۔

ف ۵۴ ۱۔ عدالت کی نگرانی کے تابع جب کارندے، مشیر قانونی، اور وکیل مقدمے کے متعلق اپنی جوابدہی اور بحث مکمل کر چکیں تو میر مجلس اعلان کرے گا کہ سماعت ختم ہو چکی۔

۲۔ عدالت فیصلے پر غور کرنے کے لئے برخاست کرے گی۔

۳۔ عدالت کے مباحث تخلیے میں عمل میں آئیں گے اور راز رہیں گے۔

ف ۵۵ ۱۔ جملہ مسائل کا فیصلہ حاضر الوقت حکام عدالت کی اکثریت سے ہوگا۔

۲۔ آرار کے برابر ہونے کی صورت میں، میر مجلس یا اس کا نگران کار حاکم عدالت ایک فیصلہ کن (زائد) رائے دیگا۔

ف ۵۶ ۱۔ فیصلے میں ان وجوہ کا ذکر ہوگا جن پر وہ مبنی ہو۔

۲۔ اس میں ان حکام عدالت کے نام ہونگے جنھوں نے فیصلے میں حصہ لیا ہو۔

ف ۵۷ اگر فیصلہ کلاً یا جزءً حکامِ عدالت کی متفقہ رائے کی نمایندگی نہ کرتا ہو تو ہر حاکم عدالت کو حق ہوگا کہ اپنی علاحدہ رائے صادر کرے۔

ف ۵۸ فیصلے پر میر مجلس اور معتمد عدالت کے دستخط ہونگے۔ وہ کھلی عدالت میں پڑھا جائے گا جس کے لئے کارندوں کو مناسب اطلاع دی جائے گی

ف ۵۹ عدالت کا فیصلہ کسی کے لئے قابل پابندی نہ ہوگا بجز فریقین کے اور وہ بھی اس خاص مقدمے کی حد تک

ف ۶۰ فیصلہ مختتمہ اور ناقابلِ مرافعہ ہوگا، اگر کسی وقت فیصلے کے معنے یا وسعت کے متعلق اختلاف پیدا ہو تو عدالت کسی فریق کی خواہش پر اس کی تعبیر کرے گی۔

ف ۶۱ ۱) کسی فیصلے کی نظرثانی کی درخواست صرف اسی وقت پیش ہوسکے گی جب وہ کسی ایسی نوعیت کے واقعے کی دریافت پر مبنی ہو جو فیصلہ کن عامل ہو اور وہ واقعہ فیصلہ صادر ہوتے وقت عدالت کو معلوم نہ ہو اور اس فریق کو بھی جو نظرثانی کا مطالبہ کررہا ہے، اور بہر حال یہ شرط رہیگی کہ ایسی لاعلمی غفلت کی بنا پر نہ ہو۔

۲) نظرثانی کی کارروائی کا آغاز عدالت کے ایک فیصلے سے ہوگا جس میں صراحت سے اس کا ذکر کیا جائے گا کہ نیا واقعہ موجود ہے اور یہ تسلیم کیا جائیگا کہ وہ اس نوعیت کا ہے کہ مقدمے کی نظرثانی کا متقاضی ہے اور یہ اعلان کیا جائے گا کہ اس بنا پر درخواست قابل ادخال ہے۔

۳) عدالت یہ مطالبہ کرسکے گی کہ فیصلے کے احکام کی اولاً تعمیل کی جائے قبل اس کے کہ وہ نظرثانی کی کارروائی کی اجازت دے۔

۴) نظرثانی کی درخواست نئے واقعے کی دریافت کے کم از کم چھے ماہ کے اندر کی جانی چاہیئے۔

۵) نظرثانی کی کوئی درخواست تاریخ فیصلہ سے دس سال گزر چکنے کے بعد نہیں کی جاسکے گی۔

ف ۶۲ ۱) اگر کوئی مملکت یہ خیال کرے کہ اس کا قانونی نوعیت کا کوئی مفاد ایسا ہے جو مقدمے کے فیصلے سے متاثر ہوسکتا ہے تو وہ عدالت کو ایک درخواست دے سکے گی کہ اُسے دخل دینے کی اجازت دی جائے۔

۲) یہ عدالت کا کام ہوگا کہ اس درخواست کا فیصلہ کرے۔

ف ۶۳ ۱) جب کبھی کسی ایسے اقرارنامے کی تعبیر زیر بحث ہو جس میں فریقین مقدمہ کے سوا دوسری مملکتیں (بھی) فریق ہوں تو مہتمم عدالت ایسی مملکتوں کو فوراً اطلاع دیگا۔

۲) ہر مملکت کو جسے اس طرح اطلاع دی جائے یہ حق ہوگا کہ کارروائی میں دخل دے۔ لیکن اگر وہ اس حق کو کام میں لائی ہو تو فیصلہ عدالت سے جو تعبیر عمل میں آئے گی اس کیلئے بھی مساوی طور پر قابل پابندی ہوگی

د ۶۴ بجز اس کے کہ عدالت کوئی اور فیصلہ کرے ہر فریق اپنے مصارف خود برداشت کرے گا۔

چوتھا باب

مشاورتی رائیں

د ۶۵ (۱) عدالت کسی قانونی مسئلے پر مشاورتی رائے کسی ایسی مجلس کی خواہش پر دے سکیگی جسے منشور اقوام متحدہ کے ذریعے سے یا اس کے مطابق ایسی خواہش کرنے کا حق ہو۔

(۲) جن مسائل پر عدالت کی مشاورتی رائے طلب کی جائے وہ عدالت کے سامنے ایک تحریری خواہش کے ذریعے سے پیش کئے جائیں گے اور اس مسئلے کی مکمل وضاحت ہوگی جس پر رائے کی ضرورت ہو اور وہ تمام دستاویزیں منسلک کی جائیں گی جن سے اس مسئلے پر روشنی پڑنی ممکن ہو۔

د ۶۶ (۱) معتمدِ عدالت مشاورتی رائے کی خواہش کی اطلاع فوراً ان تمام مملکتوں کو دیگا جنھیں عدالت کے سامنے حاضری کا حق ہو۔

(۲) معتمد عدالت ایک خصوصی اور راست مراسلت کے ذریعے سے کسی ایسی مملکت کو جسے عدالت کے سامنے حاضری کا حق ہو، یا ایسی بین الممالک تنظیم کو جس کے متعلق عدالت (اور اس کو تعطیل ہونے کی صورت میں میر مجلس) یہ خیال کرے کہ اغلب ہے کہ وہ اس قابل ہو کہ اس مسئلے میں معلومات مہیا کر سکے، یہ اطلاع دے گا کہ عدالت اس کے لئے تیار رہیگی کہ میر مجلس کی مقرر کردہ مدت کے اندر تحریری بیانات قبول کرے یا کھلی نشست میں، جو خاص اس غرض کے لئے منعقد ہوگی، زبانی بیانات کی جو مسئلے سے متعلق ہوں سماعت کرے۔

(۳) ایسی کوئی مملکت جسے عدالت کے سامنے حاضری کا حق ہو، دفعۂ ہذا کی ضمن (۲) میں بیان شدہ خصوصی مراسلت کے وصول کرنے سے قاصر رہے تو ایسی مملکت یہ خواہش ظاہر کر سکتی ہے کہ ایک تحریری بیان پیش کرے یا اس کی سماعت کی جائے۔ اور عدالت فیصلہ کرے گی۔

(۴) جو مملکتیں اور تنظیمیں تحریری یا زبانی یا دونوں قسم کے بیانات پیش کریں، ان کو اجازت دیجائیگی کہ

دوسری مملکتوں یا تنظیموں کے بیانات پر اس طور پر، اس حد تک اور اس مدت کے اندر جو عدالت (یا اس کی تعطیل کے زمانے میں صدر مجلس) ہر مقدمے کے متعلق فیصلہ کرے، تنقید کریں۔ بنابر آں معتمد عدالت مناسب وقت میں اس طرح کے تحریری بیانات ان مملکتوں اور تنظیموں کو روانہ کرے گا جنھوں نے اسی طرح کے بیانات پیش کئے ہوں۔

ف ۶۷ عدالت معتمد عمومی، اقوام متحدہ کے ارکان کے اور ان دیگر مملکتوں اور بین الممالک تنظیموں کے جو راست تعلق رکھتے ہوں، نمایندوں کو اطلاع دیکر اپنی مشاورتی رائے کھلی عدالت میں صادر کرے گی۔

ف ۶۸ عدالت اپنے مشاورتی وظائف کے استعمال میں مزید برآں دستور العمل ہذا کے ان احکام سے بھی رہنمائی حاصل کرے گی جن کا نزاعی مقدمات میں اس حد تک اطلاق ہوتا ہو جس حد تک وہ اس کے نزدیک قابل اطلاق ہیں۔

پانچواں باب

ترمیمیں

ف ۶۹ دستور العمل ہذا میں ترمیمیں اسی ضابطے سے عمل میں آئیں گی جو منشور اقوام متحدہ میں منشور کی ترمیم کے لئے مقرر ہے۔ البتہ یہ ان احکام کے تابع ہوگا جو مجلس تحفظ کی سفارش پر مجلس عام ان مملکتوں کے حصہ لینے کے متعلق مقرر کرے جو دستور العمل ہذا کی تو فریق ہیں لیکن اقوام متحدہ کی رکن نہیں ہیں۔

ف ۷۰ عدالت کو اختیار ہوگا کہ معتمد عمومی کے نام تحریری مراسلت کے ذریعے سے دستور العمل ہذا میں ایسی ترمیموں کی تجویز کرے جو اس کے خیال میں ضروری ہوں تاکہ ف ۶۹ کے احکام کے مطابق ان پر غور کیا جائے

دستخط کنندہ ممالک

۱۔ چین ۳۔ سلطنت متحدہ برطانیہ عظمیٰ و شمالی آئرلینڈ ۵۔ فرانس۔

۲۔ اتحاد شورائیہ جماہیر اشتراکیہ ۴۔ ممالک متحدہ امریکہ ۶۔ ارجن ٹینا

۷۔ آسٹریلیا

۸۔ بادشاہت بلجیم

۹۔ بولیویا۔

۱۰۔ برازیل

۱۱۔ بیےلوروسی (سفید روسی) جمہوریت شورائیہ اشتراکیہ

۱۲۔ کینیڈا

۱۳۔ چلے

۱۴۔ کولمبیا

۱۵۔ کوسٹاریکا

۱۶۔ کوبا

۱۷۔ چکوسلواکیا

۱۸۔ ڈنمارک

۱۹۔ ڈومینیکی جمہوریت

۲۰۔ ایکواڈور

۲۱۔ مصر

۲۲۔ ال سالواڈور

۲۳۔ حبش

۲۴۔ یونان

۲۵۔ گواٹی مالا

۲۶۔ ہائیٹی

۲۷۔ ہونڈوراس

۲۸۔ ہندستان

۲۹۔ ایران

۳۰۔ عراق

۳۱۔ لبنان

۳۲۔ لائبیریا

۳۳۔ لگزمبورگ کی گرینڈڈچی

۳۴۔ مکسیکو

۳۵۔ نیدرلینڈ کی بادشاہت

۳۶۔ نیوزیلینڈ

۳۷۔ نکاراگوا

۳۸۔ ناروے کی بادشاہت

۳۹۔ پاناما

۴۰۔ پاراگاے

۴۱۔ پیرو

۴۲۔ دولت عامۂ فلپائین

۴۳۔ پولینڈ (دستخط آئندہ ہونگے)

۴۴۔ سعودی عرب

۴۵۔ شام

۴۶۔ ترکی۔

۴۷۔ یوکرینی جمہوریت شورائیہ اشتراکیہ

۴۸۔ اتحاد جنوبی افریقہ

۴۹۔ یوروگاے۔

۵۰۔ ونزویلا

۵۱۔ یوگوسلاویا

تنظیم اقوام متحدہ

مجلس تحفظ — مجلس عام — بین الممالک عدالت انصاف

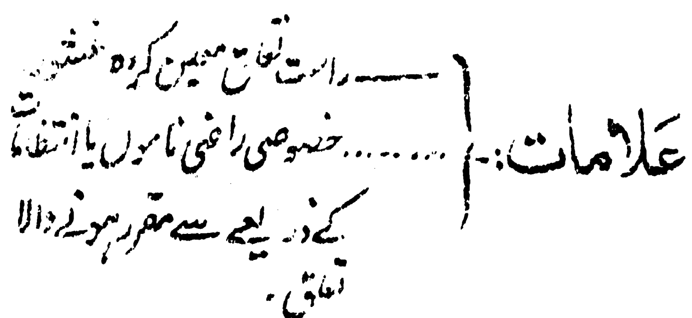
مجلس امینی — معتمدی — معاشی و سماجی مجلس

فوجی اسٹاف کمیٹی — دیگر کمیٹیاں — حقوق انسانی پر کمیشن — سماجی کمیشنیں — معاشی کمیشنیں

خصوصی کارندگیاں				
معاشی	سماجی	تعلیمی و ثقافتی	صنعتی	دیگر

منطقہ واری تحفظی انتظامات اور کارندگیاں

قوم وار مسلح فوجی دستے	
	ہوائی
	بحری
	برّی



موجودہ ہندوستانی تمدن میں بیرونی عناصر

از جناب سراج الدین احمد صاحب بی اے متعلم ال ال بی

کسی قوم کے عادات و اطوار، اخبار نویسی، ادب، تعلیم اور زندگی عامہ، مذہبی اور معاشرتی خیالات اور ان کا تغیر و تبدل، اقتصادیات، فنون لطیفہ اور تجارت و صنعت و حرفت، تمدن کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں۔ قوموں کے سیاسی عروج و زوال کو بھی اس سے تعلق ہے۔

عالمگیر کے بعد سے ہندوستانی قوم کو زوال ہونا شروع ہوا نہ صرف سیاسی بلکہ معاشی اعتبار سے بھی ملک کی حالت رو بہ زوال تھی، بے روزگاری پھیل گئی، زراعت، تجارت، اور صنعت و حرفت مسلسل جنگوں سے منتشر اور تباہ و برباد ہوگئی۔ ملک میں مرکزیت قائم نہ رہی اور اس سیاسی و معاشی ہلچل سے فرنگی سوداگروں کی جماعتوں نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مختصر یہ کہ خاندان مغلیہ کا زوال اٹھارویں صدی میں سب سے بڑی آفت تھی، اور اس دور میں ہر ایک کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہونچا۔

انگریزی سوداگروں کی کمپنی کی غرض و غایت یہ تھی کہ کمپنی کی حکومت ہندوستان میں قائم کی جائے کمپنی کے اکثر عہدہ دار اور ملازموں نے جب اپنے آپ کو سیاسی اقتدار و حکومت کے انتہائی درجہ پر پایا تو ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ہندوستان کی دولت و ثروت سے اپنے اور کمپنی کے خزانے پر کریں۔ اہل ہند کی صلاح و فلاح سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔ اس سیاسی انقلاب کا نتیجہ معاشی انقلاب اور عام تباہی کی صورت میں ہوا، یعنی ہندوستان سونے کی چڑیا سے مشت خاک میں تبدیل ہوگیا۔

فرانس کے ایک مشہور مفکر ٹارڈ کا نظریہ ہے کہ تقلید کا مادہ ہر انسان میں پایا جاتا ہے اور تقلید کی سماجی زندگی میں بہت بڑی اہمیت ہے۔ بچہ اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں قریب

قریب کل عادتیں دوسروں ہی سے سیکھتا ہے، اسی طرح غالب اور فاتح کی تقلید ہمیشہ مغلوب اور مفتوح کرتے ہیں، اور تھوڑے ہی دنوں میں فاتحوں کے رسوم و عادات کی تقلید مفتوحہ ممالک میں عام ہو جاتی ہے۔ غرض جب رفتہ رفتہ اپنے زور و طاقت سے انگریز سوداگروں نے اس ملک پر قبضہ جما لیا، اور جنگ پلاسی سے لیکر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ تک ان کو ہر جگہ فوجی اور سیاسی فتح ہوتی رہی اور اس کا نتیجہ ہندوستانی تمدن کے دیوالیہ کی صورت میں ظاہر ہوا تو اس زوال کے ساتھ ساتھ ماحول بھی بدلنے لگا، علم بھی قدامت کے طریقوں میں محدود ہو گیا، اور مغربی علوم و فنون کی رفتار کے ساتھ آگے نہ بڑھا۔ کمپنی نے اپنے دور حکومت کے اوائل میں مشرقی زبانوں کی درسگاہیں قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن عیسائی مشنریوں اور ان کے دوستوں نے حکومت پر اعتراض کیا کہ حکومت کی طرف سے سنسکرت اور عربی زبان اور غیر عیسائی مذہبی تعلیم کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی نہ ہونی چاہیئے بعض انگریز اور ہندوستانیوں نے مل کر مشرقی اور مغربی تعلیم اور علمی مطالعہ کے مرکز قائم کئے جنھوں نے ہندوستان کے تمدن پر گہرا اثر ڈالا، وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کو اعلیٰ مغربی تہذیب کے معیار تک پہنچائیں اور مغربی ادب کو ہندوستان کی تمام زبانوں میں سرایت کر دیں نیز ہندوستان کے مرکز سے اخلاقی، تمدنی اور حکمیاتی مغربی تحریکات اور علوم و فنون سے مشرق کو سیراب کریں۔ اس طرح مغربی تعلیم اکثر تمدنی تحریکات کا سرچشمہ بن گئی ہندوستانیوں کے قدیم مذہبی خیالات و احساسات میں خاص طور پر تغیر و تبدل ہونے لگا۔ اور بہت سی نئی تحریکات عالم وجود میں آئیں۔ جیسے جیسے کمپنی کی حکومت پھیلتی گئی، کمپنی کی ملازمت کے عملہ کے اعلیٰ درجوں میں انگریزی سے واقف ہونے کی بھی ضرورت لاحق ہوتی گئی، اس لیے انگریزی زبان کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی، اور وہ دفتری زبان بن گئی۔ چونکہ انگریزی داں اشخاص ہی کے لئے ملازمت کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس لئے اس کی تحصیل کی خواہش میں اضافہ ہوا، اور حکومت چاہتی بھی یہی تھی کہ اہلکاروں کی جماعت تیار کرے، کیونکہ ہندوستانی انگریزوں کی نسبت کم یافت پر کام کرنے کے لئے تیار تھے۔ لارڈ ولیم بینٹنک کو مشورہ دیا گیا کہ وہ انگریزی تعلیم عام کر دے، اور انگریزی تعلیم دینے والے مدرسوں کی سرپرستی اور امداد کرے

اس طرح ہندستانیوں پر یہ ظاہر ہوگیا کہ انگریزی سے واقف ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے
ہندوستانیوں نے اپنی تہذیب کی شکست کو پورے طور پر مان لیا۔ راجہ رام موہن رائے
اور سر سید احمد خاں چاہتے تھے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھیں اور ترقی کریں۔ ان کے پیرودں نے
انگریزی تہذیب کو قبول کرلیا اور ان کے نزدیک انگلستان ہی بہت اعلی اور عمدہ ملک تھا۔ یہ
لوگ مغربی قومیت کے نظریوں، اصول، تنظیم، علوم وفنون جدیدہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے

غرض نئی تعلیم نے سیاسی حیثیت کا احساس پیدا کردیا، اور سیاسی بیداری کے باعث
ہندوستان، معاشی، صنعتی، تعلیمی، معاشرتی، ادبی اور حکمیاتی میدانوں میں قدم بڑھا رہا ہے۔ اخبارں
کی اشاعت اور قانون دانوں اور وکلاء کی موجودگی، بلدیاتی مجالس، اور قانون ساز جماعتوں کے
قیام سے سیاسی تربیت اور بیداری شروع ہوئی ہے۔

حب الوطنی کے جذبات، انڈین نیشنل کانگریس اور دیگر قومی تحریکوں کی بنیاد، آزادی کے
منصوبے، جمہوری طرز حکومت کی ضرورت کا احساس، یہ سب اسی تعلیم کے اثرات ہیں اگرچہ کہ
ڈاکٹر ٹیگور اور علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کی تقلید اور نقل کے نقصانات کو ظاہر
کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال کا کلام تو سراسر مغربی تمدن کی برائیوں کی ہی گویا تفسیر ہے۔ چنانچہ
اقبال نے کہا ہے کہ

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی — یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائے دار ہوگا

بہرحال اس دور میں انگریزی ادب نے دیسی زبانوں خاصکر اُردو ادب کو تبدیلی کی راہ دکھائی ہے۔ اردو
نظم ونثر انگریزی ادب کے ذریعہ فرانسیسی اور دیگر مغربی زبانوں کے اسالیب، خیالات اور جملہ موجودہ ادبا
خصوصیات سے بہرہ مند ہوئی ہے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد سے بین قومی سیاسی نظریوں کے گہرے اثرا
سے اُردو ادب میں تبدیلی کی روح تیزی کے ساتھ کارفرما ہوتی گئی، اور انگریزی فرانسیسی ادب کے ترجمو

سے قدیم ادب کی اہمیت گھٹنے لگی، سرمایہ اور افلاس کی جنگ نے نئی قدریں قائم کیں جکنیاتی ترقی نے انسان کی آنکھیں کھول دیں۔ مغرب کی تہذیب نے مشرق کی تہذیب پر فتح حاصل کی تو ادب بھی نئے سانچے میں ڈھل گیا، اس وجہ سے کوئی لکھنے والا ایسا اسلوب اختیار کرنا پسند نہیں کرتا جو سننے اور بولنے والے کو بھلا نہ معلوم ہو اور سمجھ میں نہ آسکے۔ بات یہ ہے کہ ہر ملک کا ادب اپنے ماحول اور زمانہ کی پیداوار ہوتا اور موجودہ خیالات کی وجہ پروان چڑھتا ہے۔ موجودہ ادب میں ہم راجہ رانیوں اور شہزادہ شہزادیوں کے قصوں اور داستانوں کی جگہ کسانوں اور مزدوروں کی بپتاؤں، مفلسی اور غلامی کے ذکر اور جمہور کے احساسات کو پائیں گے، اس کی وجہ یہی ہے کہ مغربی تہذیب کے زیر اثر ملک کے ادیبوں اور شاعروں نے ادب برائے ادب کے نظریہ کو مہمل اور بے معنی قرار دے کر ادب برائے حیات کو جگہ دیدی ہے اور غور و فکر کے طریقوں اور نئے نئے خیالات، اسلوبوں اور مضامین کی شکل میں اپنے جذبات کو ظاہر کر رہے ہیں،

مغربی طرز زندگی کے اثرات بھی یہاں پڑے بغیر نہیں رہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں بے شمار اشیاء ایسی نظر آتی ہیں جن کا استعمال مغربی اثرات کی بناء پر ہوا ہے۔ مغربی لباس، آرائش و زیبائش کی اشیاء، فرنیچر، برقی قوت کا استعمال اور گھریلو استعمال کی اشیاء ہر مذہب و ملت کا شخص کر رہا ہے موجودہ تمدن میں چند دلچسپیاں محض مغربی میکانیت اور ایجادات کا نتیجہ ہیں، ہماری وضع قطع بھی مغربی ہوتی جا رہی ہے۔

عمارات اور مکانات اور اُن کی آرائش مغربی اُصولوں پر کی جاتی ہے، فنون لطیفہ اور مصوری وغیرہ میں بھی مغربی عناصر کا امتزاج ہو رہا ہے، موسیقی میں ایسے آلات استعمال ہو رہے ہیں جو مغربی ہیں حکومت اور سیاسیات نیز عام معاشری اور قومی ادارے سب مغربی نہج پر ترتیب دئیے گئے ہیں اور چونکہ برطانیہ سے ہمیں زیادہ واسطہ رہا ہے اس لئے ہم لوگ ارادی یا غیر ارادی طور پر انگلستان ہی کے سیاسی نظریوں اور دستوری نظام کی نقل اور تقلید کرتے ہیں۔

ملک کی صنعتی اور حرفتی ترقی بھی مغرب زدہ ہے، سائینس ہی کے کرشمے ہیں کہ اس سے ملک کی

صنعت وحرفت پر بہت اچھا اثر پڑا اور ملک میں ہزاروں کارخانے قائم ہو گئے۔ ملک کی تجارت نسبت پہلے کے بہت بڑھ گئی ہے۔ اندرونی تجارت کے علاوہ اہل ہند کروڑوں روپیہ کا لین دین دوسرے ملکوں سے کرتے ہیں۔ غرض اب ہندوستان، زمانۂ قدیم کا ہندوستان نہیں ہے کہ جس پر بیرونی دنیا کا کوئی اثر نہ پڑے بلکہ اب اس کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ آٹھ دس ہزار میل پر جو لڑائیاں ہوتی ہیں ان کا اثر اس پر پڑتا ہے۔

بنک کاری، نئی کمپنیوں کا قیام وغیرہ ملک اور قوم کی ترقیوں کا اہم ذریعہ بن گیا۔ ٹریڈ یونین مزدوروں کے مسائل اور ان کی انجمنیں اور ان کے مسائل سب یہاں صرف مغرب سے ارتباط کی وجہ سے ہماری تہذیب و تمدن میں جگہ پا چکے ہیں۔ غرض ہمارے تمدن اور معاشرت کا کوئی شعبہ ایسا باقی نہیں رہا ہے جو مغربی تمدن و تہذیب کے زیر اثر نہ آگیا ہو۔

یہ بحث کہ موجودہ تہذیب مضر ہے یا مفید علٰحدہ عنوان کی طالب ہے۔

ہندوستان میں مقامی حکومت خود اختیاری کا آغاز

از جناب منیر الدین احمد صاحب فاروقی ایم اے (عثمانیہ) مددگار سٹی کالج حیدر آباد دکن

لارڈ رپن کا زمانہ | ہندوستان میں مقامی حکومت خود اختیاری کا مسئلہ نہ صرف انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے مرکزِ نظر بنا ہوا تھا بلکہ غدر کے بعد تاج کی حکومت کے لئے بھی یہ کچھ کم اہم نہیں تھا۔ مدراس کلکتہ اور بمبئی کے احاطے جب سے انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آئے، اُس وقت سے لیکر اب تک حکومت ہند نے اپنی یہ کوشش جاری رکھی کہ جہاں تک ہو سکے ہندوستان میں اُس مقامی حکومت خود اختیاری کے طریقہ کو رائج کرے جو انگلستان میں کامیاب ہوا تھا، لیکن حکومت کی یہ کوشش کوئی زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ لارڈ رپن نے اپنے مراسلوں اور یاد داشتوں میں بار بار اس پر زور دیا کہ وہ ہندوستان میں انگلستان کی سی حکومت خود اختیاری کو جگہ نہیں دیگا بلکہ انھیں طریقوں کو برقرار رکھے گا جو ہندوستان کی مقامی زندگی میں سینکڑوں سال سے چلے آرہے تھے۔ اس قسم کا خیال حکومت ہند کو بہت دیر بعد ہوا۔ کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا بمبئی، مدراس اور کلکتہ پر تسلط قائم ہوئے سو سال سے زائد ہو چکے تھے اور اس عرصہ میں کمپنی نے حتی المقدور یہ کوشش کی کہ ہندوستان میں اسی قسم کی مقامی حکومت خود اختیاری کو رائج کرے جو انگلستان میں کامیاب طریقہ پر چل رہی تھی۔ لیکن کمپنی نے یہ خیال نہیں کیا کہ کسی ملک کے سیاسی ادارے اس ملک کے جغرافی ماحول اور تاریخی ارتقا کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سولھویں صدی عیسوی میں بودین اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں خود برک نے انقلاب فرانس کے دستور کی اسی تخیل پر کہ کسی ملک کے سیاسی اداروں کا مستقل قیام اس ملک کے تاریخی سلسلہ اور جغرافی ماحول پر منحصر ہوتا ہے، بہت ہی خدمت کی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا یہ طرز عمل کہ مغربی اداروں کو ہندوستان میں جگہ دی جائے صرف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جہاں تک ہو سکے ہندوستان میں انگلستان کی ہر چیز کو عام کرنا چاہتی تھی۔ تاکہ انگریزی تہذیب

کو لوگ سمجھیں اور اس کی تعریف کریں۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا کیونکہ بجائے اس کے کہ انگلستان کے سیاسی اداروں کے ہندوستان میں قائم کرنے کی جو کوشش کی گئی، اس کو ہندوستانی خوش آمدید کہتے انھوں نے مخالفت کی، اور انھوں نے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجبوراً لارڈ رپن کو مقامی حکومت خود اختیاری کے متعلق اپنی حکمت عملی بدلنی پڑی اور وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ انگلستان کا طریقہ ہندوستان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ چاہا تھا کہ نہ صرف اضلاع بلکہ دیہاتوں میں بھی حکومت کا براہ راست اثر قائم ہو جس کے لئے اُس نے یہ تحریک کی کہ دیہاتوں سے پنچائتی طریقہ کو ختم کر کے حکومت کے عہدہ داروں کو پنچایتی اختیارات دیدیے جائیں۔ علاوہ ازیں پٹیل جو بہ حیثیت ایک پولیس کے کارکن کے تھا اُس کی جگہ حکومتی پولیس کی تنظیم کی جائے۔

اس تحریک کی مخالفت ہندوستانی ہی نہیں بلکہ خود انگریز گورنروں نے کی جن میں مدراس کے گورنر منرو اور بمبئی کے گورنر الفنسٹن بہت ہی اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ مدراس کے گورنر منرو نے یہ کہا "کوئی طریقہ اس وقت تک دیہاتوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ قدیم زمانہ سے نہ چلا آرہا ہو" منرو نے یہ ۱۸۲۴ء میں دیہاتوں میں پولیس کی تنظیم کی مخالفت میں کہا تھا۔ الفنسٹن نے پنچایتی طریقہ کی تائید کرتے ہوئے ۱۸۲۱ء میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "ہمارا بنیادی آلۂ کار پنچایتی طریقہ کو جاری رکھنے کا ہونا چاہیے، اور وہ اس طرح جاری رکھا جائے کہ نئے طریقوں کو نکال دیا جائے اور ہم اپنی حد تک قواعد مرتب کر کے ان پر عائد نہ کریں۔ القصہ یہ کہ مقامی باشندوں کو سوائے اس کے کہ مالگزاری وصول کرنے کا اختیار دیا گیا، دیہات کے باقی تمام کاروبار براہ راست حکومت سے متعلق کر دیے گئے، اور اس طرح سے ایک قسم کی مرکزیت قائم کی گئی۔ دیہاتوں اور اضلاع کا (بجٹ) موازنہ پورا حکومت کے اختیار میں آگیا جو لوگ مقامی معاملات میں بڑی دلچسپی سے حصہ لیتے تھے وہ محروم کر دیے گئے۔ اس طرح سے انگریزی طرز کے اداروں کی داغ بیل ڈالی گئی۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے "غدر" کے بعد جب ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کے آہنی پنجہ سے نکل کر تاج کے تحت آگیا تو پھر ہندوستان میں انگریزی حکومت کی وہ انتہائی مرکزیت اور دفتر شاہی باقی نہیں رہی جو غدر سے قبل تک تھی۔ علاوہ ازیں تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ احساس

پیدا ہو چلا تھا کہ براہِ راست نہیں تو کم از کم بالواسطہ حکومتی معاملات میں حصہ لے۔ چنانچہ رپن نے صحیح بنیاد پر مقامی حکومت خود اختیاری قائم کرنے پر زور دیا، اور اُس وقت کے ہندوستان کی سماجی، معاشی اور سیاسی حالت کو پیش کرتے ہوئے اس بات کی ضرورت بتلائی کہ ہندوستانیوں کو حکومتی معاملات میں حصہ لینے سے روکا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ اُس نے ۱۸۸۲ء میں وزیر ہند کو جو یادداشت روانہ کی اُس میں تحریر کرتا ہے کہ:-

"خواہ کوئی شخص بھی ہو، اگر وہ عمیق نہیں تو کم از کم سرسری طور پر بھی اس ملک (ہندوستان) کے حالات کا مطالعہ کرے تو معلوم ہوگا کہ ہم ایک نئے دور میں داخل ہو گئے ہیں، تعلیم کی توسیع، آزادیِ مطابع، مدرسوں میں اضافہ، بہترین نظم و نسق، ریلوں اور ٹیلیگراف وغیرہ کی ترقی، یورپ تک آسان تر ذرائع نقل و حمل اور یورپی خیالات کا سیلاب، یہ سب نمایاں طور پر عوام پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ نئے خیالات، نئے جذبات، اور رائے عامّہ کی قوت میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے اور ایک ایسی تحریک کی ابتدا ہوئی ہے جو قوت و تیزی کے ساتھ ہر سال ترقی پر ہے۔ ایسے حالات میں حکومت بالخصوص ایسی حکومت جو عملاً مطلق العنان ہے۔ اس کے لئے حالات سے نمٹنا ایک دشوار گذار مسئلہ ہے، کیونکہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھنا تو خطرناک ہے ہی، لیکن مسئلہ کو پس پُشت ڈالنا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ .... لہٰذا اب حکومت کے سامنے دو راستے ہیں جن میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے خیالات پر عمل کرے جنھوں نے کہ مطابع کو آزادی دی؛ تعلیم کو عام کیا، اور ملک (ہندوستان) کے باشندوں کو کسی نہ کسی طرح عوام کی خدمت کرنے کا موقع دیا۔ دوسرے یہ ہو کہ حکومت اُن کا کہنا مانے جنھوں نے مطابع کی آزادی پر اظہار نفرت کیا، تعلیم کی ترقی میں روڑے اٹکائے اور ہندوستانیوں کو اپنے ہی معاملات کا انتظام کرنے میں حصّہ لینے کو بہت ہی مشتبہ اور خطرہ کی نظروں سے دیکھا۔ یہی وہ دو طریقے کار ہیں جن میں سے

کسی ایک پر عمل کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، ایک کا مطلب ترقی ہے، اور دوسرے کا مطلب اِن تحریکات کو دبانا ہے۔ لارڈ لٹن نے آخرالذکر کو اختیار کیا اور میں نے اول الذکر کو پسند کیا ہے، اور مجھے یقین ہے کہ اس کے نتائج اُمید افزا ثابت ہونگے۔"

رپن چونکہ انگلستان کی آزاد خیال جماعت (Libral Party) کی جانب سے ہندوستان کا وائسرائے بنایا گیا تھا، اُس لئے اُس نے یہ جان توڑ کوشش کی کہ ہندوستان میں دورِ اصلاحات کی ابتدا کرے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ہندوستان کے حالات سے بخوبی واقف تھا، جیسا کہ تذکرۂ بالا یادداشت میں اُس نے اِن حالات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ہندوستان کی اس سیاسی اصلاح کے علاوہ ورناکلر پریس ایکٹ کی منسوخی، اور البرٹ بل کے جو اہم چیز ہے مقامی حکومت خود اختیاری کی بالکل جدید طریقہ پر ترویج ہے۔

پہلے پہلے رپن کا یہ خیال تھا کہ مرکزی اور صوبہ واری مقننہ میں انتخابی عنصر کو جگہ دے لیکن جب اُس نے "صوبہ واری معاہدات (Provincial Contracts) کی پنج سالہ رپورٹ کا بغائر مطالعہ کیا تو اُس کو یہ خیال ترک کر دینا پڑا اور مقامی حکومتِ خود اختیاری میں اس انتخابی طریقہ کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ علاوہ اس کے دوسرا سبب ہندوستانیوں کو مرکزی اور صوبہ واری مقننہ میں شریک کرنے کا یہ تھا کہ رپن کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ابتدا ہی میں یہ تجربہ ناکام رہے اور اس کے نتائج خاطر خواہ نہ نکلیں تو پھر نہ صرف ہندوستان کی سیاسی ترقی پچاس سال کے لئے رک جائیگی بلکہ انگلستان کا قدامت پسند اور اینگلو انڈین طبقہ جو پہلے ہی سے اس کے (رپن) خلاف ہے، بہت زیادہ شور مچائے گا۔ اور اس طبقہ کو آئندہ ہر قسم کی ترقی پسند اصلاحات کی مخالفت کرنے کا ایک بہانہ مل جائیگا۔ رپن نے خود بھی اس پر اس لئے زور نہیں دیا کہ مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں کے جو نظم و نسق کے شعبے تھے وہ نہایت درجہ پیچیدہ اور اہم معاملات سے تعلق رکھتے تھے، جن کا تجربہ ظاہر ہے ہندوستانی تعلیم یافتہ نمایندوں کو حاصل نہیں تھا۔ اور اگر ان کو یہ ذمہ داریاں سپرد کر دیجاتیں تو اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں واقعی خرابی نہ پیدا ہو جائے۔ غرض رپن کے پیشِ نظر یہ دو اہم چیزیں تھیں۔ ایک تو انگلستان کے قدامت پسند

اور اینگلو انڈین طبقہ کا ردعمل اصلاحات کے خلاف، اور ہندوستانیوں کی ناکامی کا اندیشہ، جن کی بنا پر اس نے یہ مناسب خیال کیا کہ نیچے سے اصلاح کی جائے، اور مرکزی وصوبجاتی حکومتوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ بہ الفاظ دیگر ہندوستانیوں کے سپرد ایسے شعبے کئے جائیں جن کا اثر شاہی اور صوبجاتی مقننہ کے ماتحت شعبوں پر نہ پڑے۔

اس طرف رپن کی یہ کوشش تھی کہ ہندوستان میں مقامی حکومت خود اختیاری بہتر طریقہ پر قائم کرے اور اُس طرف انگلستان میں گلیڈ اسٹن کی آزاد خیال جماعت مقامی حکومت خود اختیاری کی اصلاح میں بڑے زور شور سے حصّہ لے رہی تھی۔ نتیجہ یہ کہ ۱۸۸۲ء میں رپن کی کونسل میں "قانون حکومت خود اختیاری" منظور بھی ہوا اور نافذ بھی ہو گیا۔

یہ ایک عام قسم کا قانون تھا جس کی رو سے صوبوں کو اس کا پورا اختیار دیدیا گیا تھا کہ اپنے مقامی حالات اور ضروریات کے لحاظ سے اس میں تغیر و تبدّل کر سکیں۔ اس قانون کی رُو سے یہ قرار پایا کہ ہر ضلع میں ایک ڈسٹرکٹ بورڈ قائم کیا جائیگا جس کے ارکان کی نصف تعداد منتخب شدہ ہوگی اور نصف کو ضلع کا ناظم (Collector) نامزد کرے گا، اور اس بورڈ کا ایک صدر بھی ہوگا۔ یہاں یہ چیز غور طلب ہے کہ رپن بورڈ کی صدارت انگریز کو نہیں بلکہ ہندوستانی کو دینا چاہتا تھا، چنانچہ وہ اپنے ایک مراسلہ میں کہتا ہے :-

"If the Boards are to be of any use for the purpose of training the natives to manage there own affairs, they must not be oner shadowed by the constant prevenee of the Burra Sahib (بڑا صاحب) which may be freely translated "bigsmell" of the District; they must be left gradually more and more to run alone, though watched from without by the Executive Authorities and checked if they run out of the right course.

(ترجمہ) اگر بورڈ کے قیام کا افادی مقصد یہ ہو کہ دیسی باشندے اپنے معاملات خود سلجھانے کی تربیت حاصل کریں تو پھر ان میں ضلع کے "بڑے صاحب" یا ضلع کے "اعلیٰ ٹھاٹھ کے آدمی کی مسلسل موجودگی ہرگز نہ رکھی جائے۔ بلکہ انھیں رفتہ رفتہ خود کام کرنے کی آزادی دی جائے۔ لیکن عاملانہ ارباب حل و عقد ان پر نگرانی رکھیں اور اگر یہ (بورڈ) غلط راستہ اختیار کر رہے ہوں تو انھیں اس سے باز رکھیں۔"

بہرحال رپن کے اس خیال کو قانون میں ملحوظ رکھا گیا۔ اس قانون کی رو سے قرار دیا گیا کہ صوبہ کے بڑے شہروں اور تمام اضلاع کے صدر مقاموں میں بلدیات قائم کی جائیں گی جن میں اسی طرح نصف منتخب شدہ اور نصف نامزد شدہ اراکین ہونگے، صدر منتخب شدہ ہوا کرے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اضلاع کے صدر مقامات میں ہندوستانی تعلیم یافتہ زیادہ تھے۔ جس طرح ضلع کے بورڈ کو بعض مقامی محاصل مثلاً سڑکوں، دواخانوں، روشنی وغیرہ پر عائد کرنے کا اختیار تھا اسی طرح بلدیات کو بھی یہ اختیار دیا گیا۔ ڈسٹرکٹ بورڈس کے عام نظم ونسق کی ذمہ داری ناظم ضلع پر بھی رکھی گئی۔ طریقۂ انتخاب کے سلسلہ میں رپن کا یہ خیال تھا کہ بجائے اس کے کہ فرقہ وارانہ یا پیشہ کے اعتبار سے لوگ منتخب کئے جائیں مناسب یہ ہو گا کہ براہ راست انتخاب عمل میں آئے، اور ہر شخص کو ایک رائے دینے کا اختیار دیا جائے۔ لیکن اس طریقہ کار میں خرابی یہ پیدا ہوئی کہ فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھنا شروع ہوئی، جس کا الزام بعض لوگوں نے جن میں ہیرلڈ کاکس (Harold Cox) بھی شامل ہیں، رپن پر عائد کیا، اور یہ خیال کیا گیا کہ رپن کا صدر کے انتخاب کی بابت یہ طریقۂ انتخاب سراسر فرقہ واری کشیدگی کو بڑھاتا تھا لیکن یہ الزام بے بنیاد ہے اس لئے کہ یہ رپن کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ صدر کے انتخاب کے سلسلہ میں فرقہ واریت کو تقویت ہوگی، بلکہ اس کا خیال (غالباً وہ انگلستان کے طریقۂ انتخاب کو اپنے پیش نظر رکھا تھا) یہ تھا کہ سب مل کر کسی کو منتخب کریں گے تو اس سے نہ صرف ایک ہر دلعزیز شخص بورڈ کا صدر بنے گا بلکہ یکسانیت اور قومیت کو ترقی ہوگی۔ لیکن مسلمانوں کے خیال کے مطابق اس خرابی کو ۱۹۰۹ء کے "منٹو مارلے اصلاحات" میں دور کیا گیا، اور جداگانہ انتخاب کو حکومت ہند

نے تسلیم کیا۔

الغرض یہ کہ بحیثیت مجموعی رپن کے اس قانون کے نتائج بہت ہی اُمید افزا نکلے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت یہ قانون زیرِ غور تھا، اس وقت اینگلو انڈینس نے اس کے خلاف بہت سے مضامین لکھنا شروع کر دیئے تھے، اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ انگریز جس خوش اسلوبی سے دیہی نظم و نسق کو ابتک کامیاب طریقے پر چلا رہے اس طرح ہندوستانی نہیں چلا سکیں گے۔ لیکن اُن کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ کیونکہ ہندوستانیوں نے بہت بہتر طریقہ پر ذمہ داریوں کو پُورا کر دکھایا، اور اپنے کو حکومت کا اہل ثابت کیا۔ جس کا ثبوت ہندوستان کی قومی کانگریس کی اس تحریک سے ملتا ہے کہ ہندوستانیوں کو مرکزی اور صوبجاتی نظم و نسق میں بھی حصہ لینے کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقہ اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ حکومتی معاملات میں حصہ لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رپن نے مقامی حکومت خود اختیاری کی ابتدا کر کے ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقہ پر ایک ایسا احسان کیا کہ بعد میں حکومت ہند اس بات پر مجبور ہو گئی کہ ہندوستانیوں کو کام کے اہل سمجھتے ہوئے مرکز اور صوبوں کے حکومتی اداروں میں جگہ دے۔ چنانچہ ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۵ء کے قوانین حکومتِ ہند میں مقامی حکومت خود اختیاری "حکومت خود اختیاری" کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اور ۱۹۳۵ء کے قانون حکومتِ ہند کے تو دو حصّے کر دیئے جاتے ہیں، ایک صوبجاتی حکومت خود اختیاری اور دوسرے وفاق۔

عادل شاہی عہد مناقب اور ملفوظات کی روشنی میں

از جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی

گزشتہ مضمون میں شاہ عبدالقادر کی تصنیف "مناقب" سے عادل شاہی عہد کے حالات پیش کئے گئے ہیں، آج ہم شاہ عبدالفتاح کی کتاب موسومہ "راحت القلوب" سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ شاہ عبدالفتاح بھی شاہ حبیب اللہ بیجاپوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے مرشد کے ملفوظات اور کلمات کو انھوں نے نہ صرف "حضرت شاہ فرمودند" کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے بلکہ "مکاشفہ" کے عنوان سے بھی واقعات لکھے ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے مضمون کو شاہ حبیب اللہ کے مکاشفات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے صرف عنوان صدر کے لحاظ سے جو واقعات ملتے ہیں اُن کی صراحت کی جاتی ہے۔

گزشتہ مضمون میں اس امر کا اظہار کردیا گیا ہے کہ یہ کتاب قلمی ہے اور کتب خانۂ سعیدیہ ترپ بازار میں موجود ہے۔

(۱) شاہ عبدالفتاح بیان کرتے ہیں کہ شاہ حبیب اللہ نے فرمایا، جس وقت شاہ صبغۃ اللہ مدینۂ منورہ سے ۱۰۰۰ھ میں بیجاپور تشریف لائے، ابراہیم عادل شاہ کی حکمرانی کا زمانہ تھا۔ سلطان کی خواہش تھی کہ آپ بیجاپور سے مدینہ منورہ تشریف نہ لے جائیں۔ اس لئے اُنھوں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ حضرت واپس ہونا چاہیں تو آپ کو جانے نہ دیں۔ جب اس امر کی اطلاع آپ کو (شاہ صبغۃ اللہ) ہوئی تو آپ نے فرمایا مجھے کوئی روک نہیں سکتا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ص۴

(۲) آپ نے (شاہ حبیب اللہ) فرمایا "شاہ صبغۃ اللہ نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد تشریف لے گئے اور پہلی صف میں نماز ادا کی، مگر آپ نے دیکھا کہ شراب کی دوکان وہاں سے نظر آتی ہے، تو اس کے بعد نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد جانا موقوف کردیا۔ ص۵

(۳) آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شاہ صاحب (شاہ صبغۃ اللہ) نے مجھ سے فرمایا کہ لوگ تمہیں کیا سمجھتے ہیں، میں نے کہا "طالب علم"۔ آپ نے ہندی میں کہا "اور" یعنی اور کچھ، میں نے کہا "صالح" فرمایا "کچھ اور"۔ عرض کیا "متدین"۔ فرمایا "اور"۔ میں نے کہا "عاقل" فرمایا "اور"۔ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم اس پر آپ نے ہندی زبان میں فرمایا، کچھ نہیں سمجھے، کچھ نہیں سمجھے[1]۔ یعنی ہیچ نہ فہمید۔ ص۱۹

(۴) آپ نے فرمایا، میں شہر استاد مولانا حبیب اللہ کے پاس شرح کافیہ پڑھ رہا تھا، ایک دن شہر استاد نے کہا میں آج تم کو بہت زیادہ سمجھدار اور عقلمند پا رہا ہوں، میں نے عرض کیا کہ گزشتہ بارہ تیرہ دن سے میں یہی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے "مطول" کا درس شروع کر دیا، اور پھر تفسیر بیضاوی۔ ص۳۲

(۵) آپ نے فرمایا، جب ابراہیم عادل شاہ نے احمد خاں خزانہ دار کے لئے ولایت منصور خاں (نام صوبہ) کا فرمان مرتب کیا تو شاہ صبغۃ اللہ نے فرمایا، میں نے یہ خدمت تم کو دی ہے، میں نے کہا کہ فرمان احمد خاں کے نام لکھا جا چکا ہے۔ آپ نے فرمایا فرمان لکھے جانے سے کیا ہوتا ہے۔ جب احمد خاں کو معلوم ہوا کہ حضرت نے اس طرح فرمایا ہے تو اُس نے اس خدمت سے انکار کر دیا۔ آخر کار عادل شاہ نے کسی کو بھی یہ خدمت نہیں دی۔ ص۵۴

(۶) آپ نے فرمایا جس وقت شاہ صبغۃ اللہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے، تو اُس وقت احمد خاں کے پاس زر نقد نہیں تھا، اور وہ حضرت کی خدمت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اُس نے میرے توسط سے کچھ جواہرات حضرت کے پاس روانہ کئے۔ آپ نے اس کو قبول کر لیا اور مدینہ منورہ کے سفر میں اس کو خرچ کیا ابراہیم عادل شاہ نے تین ہزار ہُن حضرت کو روانہ کئے۔ آپ نے اس کو شاہ پور کے متصل ہی تمام فقراء کو تقسیم کر دیا، خود کچھ نہیں لئے۔ ص۵۴

(۷) آپ نے فرمایا۔ عین الملک وزیر ایک بڑا لشکر اور ساٹھ مست ہاتھی رکھتا تھا، ابراہیم عادل شاہ سے باغی ہو گیا، اور ارادہ کیا کہ دوسرے شخص کو بادشاہ بنائے۔ عادل شاہ نے شاہ صبغۃ اللہ سے (جو

---

[1] یہ ہم کو معلوم ہے کہ بیجاپور میں اس وقت عام طور سے دکھنی (قدیم اردو) رائج تھی اور اسکو ہندی سے موسوم کرتے تھے۔ شاہ صبغۃ اللہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بیجاپور کے چند روزہ قیام میں اُردو سے بھی واقف ہو گئے تھے۔

اس زمانہ میں بیجاپور میں تھے) التماس کیا. آپ نے فرمایا عین الملک فلاں دن قتل ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ص ۴۸

(۸) شاہ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ شاہ حبیب اللہ مدینہ منورہ جانے کا قصد کر رہے تھے، کہ آصف خاں نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ہندوستان سے آکر بیجاپور کا محاصرہ کرلیا۔ ہر شخص کو مغلوں کے حملہ سے فکر ہو گئی، اور ان کی تباہی اور ظلم سے پریشانی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کو بخار آیا جو مرض الموت ثابت ہوا، ایک ماہ آپ علیل رہے۔ ایک دن آپ نے مجھے (شاہ عبدالفتاح) فرمایا۔ مغلوں سے کسی کو نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اس بلا کو دفع کرنے کے لئے میں نے اپنی جان نذر کردی ہے۔ اُسی دن آخر شب ۱۰۔ شعبان ۱۰۴۱ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور ۱۲۔ شعبان ۱۰۴۱ھ کو آصف خاں محاصرہ اُٹھا کر واپس چلا گیا۔ اُس وقت سے آج تک (۱۰۵۰ھ) مغلوں نے حملہ نہیں کیا ہے۔ ص ۵۴

(۹) آپ نے فرمایا شاہ نورالدین صفوی ایک صاحب باطن بزرگ تھے، ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں ان سے زیادہ اونچی جگہ کوئی نہیں بیٹھا کرتا۔ جب شاہ صبغۃ اللہ تشریف لائے تو ان کو یہ ناگوار تھا کہ شاہ صبغۃ اللہ اونچی جگہ نشست کریں۔ مگر جب شاہ صاحب کی عظمت اور بزرگی سے واقف ہوگئے تو اُنھوں نے عرض کیا کہ انھیں بھی طالبانِ صادق میں شامل کرلیا جائے۔ آپ نے فرمایا تمہارے بزرگوں سے جو کچھ تم کو ملا ہے میں بھی اس کی اجازت دیتا ہوں۔ ص ۶۲

(۱۰) آپ نے فرمایا جس وقت شاہ صبغۃ اللہ بیجاپور میں مقیم تھے، ایک مرتبہ مغلوں کے حملہ کا خوف ہوا۔ اہل شہر پریشان ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی اُن لوگوں میں شامل تھا شاہ صاحب نے مجھے دیکھکر فرمایا کیا تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو، حالانکہ اہل ہندوستان تو تمہاری عزت اور توقیر کرتے ہیں، اور تمہارے مرتبہ کو سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد جب میں ابراہیم عادل شاہ کی جانب سے سفیر ہوکر ہندوستان گیا تو شاہ صاحب کے فرمان کے بموجب پایا۔ شہزادہ۔ خانخاناں۔ اور مان سنگھ نے میری بڑی عزت کی۔ اور ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ یہ صرف تمہاری ذات کے لئے ہے۔ (ص ۶۲)

(۱۱) آپ نے فرمایا جس وقت ابراہیم عادل شاہ اور مغل، نظام شاہ سے برسرپیکار تھے تو ایک شخص نے مجھے خواب میں کہا، دونوں لشکروں کو خدا نے غرق کر دیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا دونوں لشکر کے غرق کرنے کی ظاہری صورت یہ تھی کہ ایک بڑا قحط پڑا اور ملک عنبر نظام شاہی امیر نے دونوں لشکروں کو پسپا کر دیا۔ صـ ۶۴

(۱۲) آپ نے فرمایا، ایک مرتبہ ابراہیم عادل شاہ نے مجھے خلوت میں طلب کر کے اپنے ہاتھ سے پان دیکر کہا کہ میں نے اخلاص خاں وزیر کو حکم دیا ہے کہ وہ تم سے مشورہ کر کے حکومت کا انصرام کرے، مجھ سے (عادل شاہ) کچھ حکم لینے کی ضرورت نہیں، میں حرم سرا میں بے فکر آرام سے رہنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد جب میں مکان واپس آیا تو خدا نے میرے دل سے یہ بات محو کر دی، میں بیس دن تک شاہی دفتر کو گیا ہی نہیں۔ اس کے بعد مجھے یاد آیا کہ ابراہیم عادل شاہ نے یہ حکم دیا تھا۔ بہرحال بات رفت وگذشت ہوگئی اور میں خدا کا شکر بجالایا کہ مجھے ایک آفت سے نجات ملی۔ صـ ۶۴

(۱۳) آپ نے فرمایا جس وقت عادل شاہ نے مجھے شمالی ہندوستان روانہ کیا تو بہت ساری سیاسی باتیں ذہن نشین کرا دیں، مگر خدا کا شکر ہے کہ مجھے وہاں کچھ دروغ گوئی کی باتیں نہیں کرنی پڑیں۔ صـ ۶۴

(۱۴) آپ نے فرمایا ایک مرتبہ ابراہیم عادل شاہ ایک امیر کی ضیافت میں شریک تھا، اور وہاں میں کچھ دیر سے پہونچا۔ میری یہ عادت نہیں تھی کہ دور سے شاہی تسلیمات بجالاؤں اور تعظیم و تکریم کروں۔ جب قریب پہنچا تو حسب عادت تسلیم بجالایا۔ عادل شاہ نے بھی حسب عادت میری تعظیم کی اسی وقت بادشاہ کا لڑکا سلطان محمد بھی موجود تھا۔ فضیلت خلفائے راشدین اور محبت اہل بیت کا سماں میری آنکھوں میں پھر گیا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ بادشاہ کے چہرہ پر نفرت کے آثار نمایاں ہیں۔ اور ناخوشی و بیزاری کے علامات پائے جاتے ہیں، مجھے اس پر تعجب ہوا، اور وجہ دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ دوسرے دن ایک مصاحب اور محرم راز بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ بادشاہ نے آپ کی زیادہ تعظیم و تکریم اس لئے کی تھی کہ اس نے ایک خواب دیکھا تھا کہ کسی بزرگ نے اس کو تخت سے

اُتار دیا ہے، اور آپ نے دوبارہ اس کو تخت نشین کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ابراہیم عادل شاہ کو حکومت سے علیحدہ کر دیا گیا ہے، چنانچہ چند روز کے بعد وہ بیمار ہو گیا اور ۱۱ محرم کو انتقال کیا۔ ص ۶۴ و ۶۵

(۱۵) آپ نے فرمایا ایک مرتبہ لوگوں نے جلال الدین اکبر کی تکفیر کی اور اُس کو کافر کہنے لگے کیونکہ وہ آفتاب کی پرستش کرتا ہے۔ آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ وہ شیخ محمد غوث گوالیری جیسے بزرگ کا مرید ہے، وہ کبھی اس کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ (ص ۷۱)

(۱۶) آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک راجپوت زادہ شاہ صبغۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اس کے باپ نے بادشاہ سے فریاد کی اور عرض کیا کہ ظلم و زیادتی سے اس کو مسلمان کیا گیا ہے، بادشاہ نے اس کو طلب کر کے دریافت کیا اور منصب کا لالچ دیا مگر اس نے یہی کہا کہ میں راضی اور خوشی سے مسلمان ہوا ہوں۔ راجپوت امیر خجل ہو گیا اور اس کی دروغ گوئی آشکار ہو گئی۔ ص ۷۷

(۱۷) آپ نے فرمایا کہ ابراہیم عادل شاہ کی طرف سے سفیر بن کر میں نظام شاہ کے پاس گیا۔ اس زمانہ میں ملک عنبر پیشوائی کی خدمت پر فائز تھا۔ دونوں (یا دشاہ اور پیشوا) نے میرا اعزاز و اکرام کیا۔ خاص بادشاہ کی سواری کا گھوڑا مجھے دیا گیا۔ اس زمانہ میں ایک صاحب باطن درویش میرے ساتھ ملازم کی حیثیت سے رہا کرتے تھے۔ اُنھوں نے مجھ سے ایک دن کہا کہ مجھے ۵ ہُن دیئے جائیں تو اس کے بدلہ میں پانچ سو ہُن ملیں گے۔ میں نے انھیں پانچ ہی دیئے، مگر اس کے بعد بطور آزمائش دو ہُن واپس لے لئے۔ اس پر اُنھوں نے کہا دو سو ہن کم ہو جائیں گے۔ نظام شاہ نے مجھے اولاً پانچ سو ہن مہمانی کے طور پر دینے کا حکم دیا، مگر اس کے بعد دو سو ہن کم کر کے صرف تین سو ہُن دیئے گئے۔ ص ۸۰

(۱۹) آپ نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ملک عنبر کے پاس تھا، ایک عالم شیخ محمد نام ملک عنبر کے پاس رہا کرتے تھے، اور تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھکر اس کو ساتھ رکھا کرتے، جو کوئی آتا اُس سے بحث مباحثہ کرتے اور اپنی فوقیت ظاہر کرتے۔ چند مرتبہ مجھ سے بھی مباحثہ کیا، میں نے فی البدیہہ اُن کے حواشی کو رد کر دیا۔ اور کہا کہ آپ اپنے کو ان حاشیوں پر ضائع نہ کریں۔ اُنھوں نے کہا جب دوسرے لوگ ان حاشیوں

کو دیکھا کرتے ہیں تو انھیں بحث کی طاقت نہیں ہوتی، اور نہ رد کر سکتے ہیں، صرف آپ ہی ہیں جو ان کا رد کیا ہے۔ ص ۸۱

(۲۰) آپ نے فرمایا، ابراہیم عادل شاہ کا چچا علی عادل شاہ ایک سنی مذہب اور عاشق صفت صاحب حال شخص تھا، خود کو صوفی اور قلندر رکھا کرتا، بہت زیادہ سخی اور عادل تھا میرے والد مرحوم سے محبت وہ اخلاص سے پیش آتا اور عزت و توقیر کرتا۔ میرے باپ اور چچا[1] کو چھ ہزار ہن تنخواہ دیا کرتا علی عادل شاہ کو روز فقیروں اور مستحقوں کی تلاش رہا کرتی۔ میرے باپ نے مجھے اس کام پر متعین کیا تھا کہ میں مستحقین کو تلاش کروں۔ والد کے انتقال کے بعد سلطان علی مجھے دیکھ کر کہا کرتا کہ ملّا احمد کے فرزندوں میں ان کی طرح دوسرا کوئی اور نہیں ہے۔ ص ۸۲

(۲۱) آپ نے فرمایا علی عادل شاہ مظلوم قتل ہوا، وہ شہید ہے، اندھیری راتوں میں وہ شاہی لباس ترک کرکے تنہا شہر میں گشت کرتا تھا، اور لوگوں سے دریافت کرتا یہاں کا بادشاہ کیسا شخص ہے۔ وہ فقیروں سے ملتا اور مخفی اُن کی امداد کرتا جس کی کسی کو خبر نہیں ہوتی تھی۔ ص ۸۲

(۲۲) آپ نے فرمایا، میں اپنی ابتدائی جوانی کے زمانہ میں ہر رات ابراہیم عادل شاہ کی مجلس میں جایا کرتا اور مشاعرہ میں شریک ہوتا۔ اس زمانہ میں میرے پاس دو گھوڑے تھے جن میں ایک سرکش تھا، میں روز بدل بدل کر گھوڑے پر جایا کرتا۔ ایک دن میں نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ آج سرکش گھوڑا لایا جائے، مگر بجائے سرکش گھوڑے کے دوسرا گھوڑا آیا۔ میں نے خادم سے وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ مجھے کسی نے آکر کہا کہ آج سرکش گھوڑا نہ لایا جائے۔ بہرحال میں جارہا تھا کہ ایک شرابی نے مست ہو کر مجھ پر تلوار سے وار کردیا۔ گھوڑے کی وجہ سے مجھ پر وار نہ ہوا خدا نے بچالیا۔ ص ۸۲

(۲۳) آپ نے فرمایا، ابراہیم عادل شاہ اپنے جدید شہر "نورسس پور" میں اکثر مست ہاتھی لڑایا کرتا۔ اتفاقاً میں ایک دن بادشاہ کے پاس جارہا تھا۔ دونوں ہاتھی میری پالکی کے قریب

---

[1] قاضی رضی الدین مرتضیٰ نام تھا۔

آ گئے، مگر کچھ حملہ وغیرہ نہیں کیا۔ بادشاہ اس کو دیکھکر حیران ہو گیا، اور حکم دیا کہ آئندہ ہاتھیوں کے جنگ کے دن میں دیوان خانہ نہ آؤں ص ۸۴

(۲۴) آپ نے فرمایا، میں شہر بیجاپور میں محمد عادل شاہ کے زمانہ میں اس کی تعلیم کے لئے روز جایا کرتا، ایک دن جب حصار کے اندر پہونچا اس وقت میرا لڑکا شاہ صاحب بھی ہمراہ تھا، ناگاہ ایک مست ہاتھی مجھ کو دیکھکر میرے قریب آگیا۔ یہ جگہ نہایت تنگ تھی۔ آنے جانے والوں کو راستہ نہیں ملتا تھا۔ مگر بحمد اللہ ہاتھی قریب آکر واپس ہو گیا۔ خدا نے مجھے اس کے حملہ سے محفوظ رکھا۔ ص ۸۶

اِس تفصیل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مناقب وغیرہ کی کتابوں سے شائقین تاریخ کو معلومات بہدست ہو سکتے ہیں۔ اور ان کی صداقت بعض مرتبہ موجودہ تاریخی معلومات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ فقط

انجمن طیلسانیین عثمانیہ کا سہ ماہی علمی رسالہ

مجلۂ طیلسانیین

حصۂ

معاشیات

(مدیر)

محمد غوث ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (عثمانیہ)

(نائب مدیر)

محمد اکبرالدین صدیقی ایم۔ اے

(مہتمم)

محمد نوراللہ بی ایس سی

سالانہ چندہ پانچ روپے۔ علاوہ محصول ڈاک۔ قیمت فی نسخہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

دفتر مجلۂ طیلسانیین۔ نمائش گاہ باغ عام۔ حیدرآباد دکن

ٹیلیفون نمبر ۲۵۵۳

مطبوعۂ انتظامی پریس حیدرآباد دکن

مجلۂ طیلسانین

(حصۂ معاشیات)

آبان ۱۳۵۴ف اکتوبر ۱۹۴۵ء	فہرست مضامین	جلد ۹ شمارہ ۴

حرفِ آغاز

پہلی جنگِ عظیم کے موقع پر ہی یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ دنیا کی معاشی بنیادیں کس قدر کھوکھلی تھیں۔ جنگ کے اصلی وجوہ اور اسباب معاشی رقابت کے پردہ میں مستور نکلے ۔ ابھی ابھی دنیا نے جس ہیبت ناک مصیبت سے خلاصی پائی ہے، وہ بھی معاشی رقابت کا ہی ایک کرشمہ تھی۔

ان معاشی رقابتوں کو دُور کرنے کے لئے دنیا کے ارباب بست وکشاد کیا تدابیر اختیار کریں گے، وہ اب بھی باہمی بحث وتکرار میں ہی دامن اُلجھائے ہوئے ہیں۔ اس سے قطع نظر دنیا کے ہر حصہ میں معاشی سود وبہبود کے لئے ایک بے نظیر ہل چل ہے، ہر جگہ خود اکتفائی اور عامۃ الناس کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لئے کوشش وسعی کا ہر مرحلہ جوش وانہماک کے ساتھ طے کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی برطانوی ہند کے صوبوں اور دیسی ریاستوں میں پورے انہماک سے کام ہو رہا ہے۔ ہر جگہ مختلف تجاویز عام طور سے شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن ہماری عظیم الشان مملکت میں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا، اس کا ابھی تک عام علم نہیں ہوا ہے۔

بلاشبہ مملکت آصفیہ کے چند بڑے اداروں نے اپنے منظورہ وجاری شدہ سرمایہ کی مقدار دوچند اور سہ چند کر دی ہے، لیکن اس سے ملک کی حقیقی خوش حالی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

گزشتہ چند ہفتوں میں ہندوستان میں سرمایہ مشترکہ کے جو نئے ادارے قائم ہوئے اُن میں سے چند کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے:-

۱۔ دارجلنگ ٹرائی ٹی کارپوریشن۔ بنگال میں چائے کے کاروبار اور چائے کی کاشت کے لیے

۵ لاکھ روپیہ کا سرمایہ

۱۔ ہندو پور ویجیٹبل اینڈ رفائینرز۔ مدراس میں روغنیات اور صابون سازی کے لئے۔ ۱۰ لاکھ روپے کے سرمایہ سے

۲۔ بنگال ڈرگ ہاؤس، بنگال میں ادویہ اور کیمیائی اشیا تیار کرنیوالے۔ ۲۵ لاکھ روپے کے سرمایہ سے

۴۔ کسم پروڈکٹس۔ بنگال میں نباتاتی گھی اور صابون اور دوسری کیمیائی اشیاء کے لئے۔ ۵۰ لاکھ روپے کے سرمایہ سے۔

۵۔ سنٹرل پروڈکشن آف انڈیا۔ بنگال میں معدنی کاروبار کیلئے۔ ۱۵ لاکھ روپے کے سرمایہ سے

۶۔ پربھاکر گلاس ورکس، مدراس میں شیشہ سازی کے اغراض کیلئے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے

۷۔ سری انا پورنا کاٹن ملز۔ بنگال میں کپاس سے پارچہ بافی کے لئے۔ پچاس لاکھ روپے کا سرمایہ۔

۸۔ مودی اسپننگ اینڈ ویونگ ملز میرٹھ صوبجات متحدہ میں۔ گھاس اور دوسرے ریشہ دار اشیاء سے پارچہ بافی کے لیے۔ ایک کروڑ روپے کے سرمایہ سے۔

۹۔ ہندوستان اولن ملز۔ بنگال میں اونی کپڑوں کی تیاری کے لئے۔ دو کروڑ روپے کے سرمایہ سے

۱۰۔ ساسا ادتی مائنگ انڈسٹریز، بنگال میں معدنی کاروبار کیلئے۔ پانچ لاکھ روپے کے سرمایہ سے

۱۱۔ کلیان اسپننگ اینڈ ویونگ ملز۔ بنگال میں پہلے خانگی ادارہ تھا اب عام کیا گیا ہے۔ بیس لاکھ روپے کا سرمایہ۔ کپاس سے پارچہ سازی کے لئے۔

۱۲۔ کوئمبتور آئل ملز۔ مدراس میں۔ نباتاتی روغن سازی کے لئے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے

۱۳۔ موہن جولری۔ مدراس میں سونے اور چاندی کے زیورات بنانے کیلئے۔ ۵ لاکھ روپیہ کا سرمایہ۔

۱۴۔ منجی لمیٹیڈ بمبئی میں، عصری معیار اور ضروریات کے لحاظ سے مال کے لئے بازارات فراہم کرنے اور اسٹور قائم کرنے کیلئے ہندوستان میں بنی ہوئی اشیاء بھی خرید کر فروخت کی جائیں گی۔ دو کروڑ روپے کے سرمایہ سے

۱۵۔ ٹراولس لمیٹیڈ۔ مدراس میں۔ سفر کیلئے سہولتیں بہم پہونچانے کی غرض سے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے

اس کے مقابل ممالک آصفیہ میں کیا ہو رہا ہے۔ ساکت و جامد ہو کر ہم دوسروں کو ہم سے آگے نکلتے دیکھ رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ہمارا ملک اپنی ضرب المثل سست روی کو ایک نئی ضرب المثل تیز روی میں بدل دے!

حیدرآباد کا نظامِ مالیات

از
سعید احمد مینائی
ام۔اے (عثمانیہ)

۲۔ ہندو پور ویجیٹبل اینڈ رفائنرز۔ مدراس میں روغنیات اور صابون سازی کے لیے۔
۱۰ لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۳۔ بنگال ڈرگ ہاؤس، بنگال میں ادویہ اور کیمیائی اشیا تیار کرنیوالے۔ ۲۵ لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۴۔ کسم پروڈکٹس۔ بنگال میں نباتاتی گھی اور صابون اور دوسری کیمیائی اشیاء کے لئے۔
۵۰ لاکھ روپے کے سرمایہ سے۔
۵۔ سنٹرل پروڈکشن آف انڈیا۔ بنگال میں معدنی کاروبار کیلئے۔ ۱۵ لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۶۔ پربھاکر گلاس ورکس، مدراس میں شیشہ سازی کے اغراض کیلئے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۷۔ سری اناپورنا کاٹن ملز۔ بنگال میں کپاس سے پارچہ بافی کے لئے۔ پچاس لاکھ روپے کا سرمایہ۔
۸۔ مودی اسپننگ اینڈ ویونگ ملز میرٹھ صوبجات متحدہ میں۔ گھاس اور دوسرے ریشہ دار اشیاء سے پارچہ بافی کے لیے۔ ایک کروڑ روپے کے سرمایہ سے۔
۹۔ ہندوستان اولن ملز۔ بنگال میں اونی کپڑوں کی تیاری کے لئے۔ دو کروڑ روپے کے سرمایہ سے
۱۰۔ سار اساوتی مائننگ انڈسٹریز، بنگال میں معدنی کاروبار کیلئے۔ پانچ لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۱۱۔ کلیان اسپننگ اینڈ ویونگ ملز۔ بنگال میں، پہلے خانگی ادارہ تھا اب عام کیا گیا ہے۔ بیس لاکھ روپے کا سرمایہ۔ کپاس سے پارچہ سازی کے لئے۔
۱۲۔ کوئمبتور آئل ملز۔ مدراس میں۔ نباتاتی روغن سازی کے لئے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے
۱۳۔ موہن جولری۔ مدراس میں سونے اور چاندی کے زیورات بنانے کیلئے۔ ۵ لاکھ روپیہ کا سرمایہ۔
۱۴۔ منیجی لمیٹڈ بمبئی میں، عصری معیار اور ضروریات کے لحاظ سے مال کے لئے بازارات فراہم کرنے اور اسٹور قائم کرنے کیلئے ہندوستان میں بنی ہوئی اشیاء بھی خرید کر فروخت کی جائیں گی۔
دو کروڑ روپے کے سرمایہ سے
۱۵۔ ٹراولس لمیٹڈ، مدراس میں۔ سفر کیلئے سہولتیں بہم پہونچانے کی غرض سے۔ دس لاکھ روپے کے سرمایہ سے
اس کے مقابل مملکت آصفیہ میں کیا ہو رہا ہے۔ ساکت و جامد ہو کر ہم دوسروں کو ہم سے آگے نکلتے دیکھ رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ہمارا ملک اپنی ضرب المثل سست روی کو ایک ضرب المثل پیش روی میں بدل دے!

پہلا باب

تمہید

(۱) علم مالیات کا موضوع بحث اور اس کے مطالعہ کی غرض وغایت۔

(۲) علم مالیات کا تاریخی ارتقاء

(۳) علم مالیات کے لئے موزوں طریق تحقیق۔

(۴) علم مالیات کی اہمیت اور مالیات حیدرآباد کے مطالعے کی ضرورت

علم مالیات کا موضوع بحث اور اس کے مطالعہ کی غرض وغایت

ظاہر ہے کہ ہر حکومت کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اور اپنے فرائض کو کامیابی سے انجام دینے کی خاطر ذرائع درکار ہوتے ہیں۔ یہ ذرائع ایسے ناگزیر ہوتے ہیں جن کے بغیر مملکت کا کاروبار تشفی بخش طور پر نہیں چل سکتا۔ چنانچہ ان وسائل کو حکومت ان اغراض کی تکمیل پر صرف کرتی ہے جو اس کے نزدیک ناگزیر، معقول اور موزوں ہوتے ہیں۔ ہر ایسے معاشرے یا مملکت میں جو معاشی ترقی کے ابتدائی منازل طے کر چکی ہے لازمی طور پر مالیات کے مسائل درپیش ہوتے ہیں اور ہر ملک خواہ وہ معاشی اعتبار سے مفلوک الحال اور پسماندہ ہو خواہ خوشحال اور ترقی یافتہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے مالی ذرائع کی حاجت کو ضرور محسوس کرتا ہے۔

اس طرح علم مالیات بحث کرتا ہے ان اصولوں اور طریقوں سے جن سے کہ حکومت اپنے وسائل کو حاصل اور صرف کرتی ہے۔ اگر معاشیات کو ایسا علم[1] تصور کرلیا جائے جس کے ذریعے

[1] ملاحظہ کیجئے پروفیسر لائنل رابنس کی تصنیف

محدود ذرائع سے بیشتریں احتیاجات کی تکمیل کی کوشش کیجاتی ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مالیات وہ علم ہے جو ایسی جد و جہد سے بحث کرتا ہے جو مملکت کے فرائض کی تکمیل کے لئے مادی وسائل و ذرائع کے حصول اور صرف سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا موضوع بحث حکومت کی آمدنی اور اخراجات اور ان کے درمیانی تعلق سے وابستہ ہے۔

فرانس کے مشہور ماہر مالیات کولبرٹ[1] نے علم المالیات کے موضوع بحث کا اظہار نہایت دلچسپ پیرائے میں کیا تھا۔ اس کے خیال میں مالیات ایسا فن تھا جس کے ذریعہ بطخ کے پر اس طرح توڑے جائیں کہ زیادہ سے زیادہ پر مل جائیں اور بطخ کم سے کم چلائے[2]۔ یہ تشریح معنی خیز ضرور ہے لیکن زمانہ کے ساتھ ساتھ علم مالیات کا موضوع بحث بے انتہا وسعت اختیار کر چکا ہے اور اب اس میں سارے ایسے اصول شامل ہیں جنھیں حصول آمدنی اور خرچ کے وقت حکومتوں کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔

جس طرح علم معاشیات میں صرف دولت اور پیدائش دولت یا طلب اور رسد کے پہلو ایک دوسرے سے نہایت قریبی تعلق رکھتے ہیں بعینہٖ اسی طرح علم مالیات میں حصول آمدنی اور اخراجات کے مسائل کو ایک دوسرے سے قطعی طور پر جدا کرنا مناسب نہیں علاوہ ازیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علم مالیات کا دائرہ بحث محض آمدنی اور اخراجات کے علیحدہ علیحدہ مطالعے پر ہی تمام نہیں ہو جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ حصول آمدنی اور خرچ کے مسائل مالیات میں اساسی اہمیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آدم اسمتھ نے بھی جسے کم از کم انگلستان کی حد تک علم مالیات کا بانی تصور کرنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "دولت اقوام"[3] میں دو جدا جدا باب "حکمران کے اخراجات" اور اس کے بعد "حکمران کی آمدنی" کے عنوان پر تحریر کئے تھے لیکن وہ یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ

---

1. Colbert
2. مالیات عامہ مصنفہ فنڈ سے شراس جلد اول ص (۵)
3. دولت اقوام کا باب

یہ مباحث اس وقت تک پائے تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ ایک تیسرے علیحدہ باب کا اضافہ نہ کیا جائے جس میں آمدنی اور صرف کے درمیانی تعلق پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔ بہرکیف اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ مالیات کے مطالعہ کے سلسلہ میں اخراجات اور آمدنی کے درمیانی تعلق کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مالیات میں ایک عرصے تک رجحان یہ رہا کہ آمدنی کے مسائل کے مقابلے میں اخراجات کے پہلو کو بہت کم اہمیت دی جاتی لیکن یہ خیال معقول نہ تھا اس لئے کہ مالیات میں خرچ کا سوال اسی قدر اہم ہے جتنا کہ معاشیات میں صرف دولت کا مسئلہ۔ جس طرح کہ ساری پیدائش دولت کا آخری مقصد احتیاجات انسانی کی تکمیل یا صرف دولت ہوتا ہے بالکل اسی طرح علم مالیات میں حصول آمدنی کی انتہائی غایت یہ ہوتی ہے کہ اسے موزوں اور معقول انداز میں صرف کیا جائے چنانچہ ماہرین مالیات نے جتنی شہرت حصول آمدنی کے نظام کی اصلاح کے ذریعے حاصل کی اس سے کسی طرح کم نام اخراجات کے طریقوں کو بہتر بنا کر نہیں پیدا کیا۔

علم مالیات میں اکثر مسائل کے سلسلہ میں عام معاشی اصولوں اور بالخصوص تقسیم دولت کے قوانین کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر سرکاری قرض کے اثرات کی مکمل تشریح اسی وقت ممکن ہے جب کہ اعتبار کے موضوع سے متعلق معاشی نظریوں کو پیش نظر رکھا جائے اسی طرح چونکہ علم مالیات مملکت کے کاروبار سے نہایت قریبی طور پر وابستہ ہے اس لئے اس کے انتظامی اور سیاسی مضمرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تقریباً ایسی ہی صورت تاریخ کی ہے۔ اس وجہ سے کہ کسی موجودہ نظام مالیات کو بخوبی سمجھنے کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ ہم اس کی تاریخی نشوونما سے بھی کافی واقفیت رکھتے ہوں۔ یہاں اس امر کا اعادہ بیجا نہ ہوگا کہ ہر ملک پر کسی دوسرے ملک کے مالی تجربات کا انطباق بے سوچے سمجھے کرنا مناسب نہیں ہے اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ نظری مالیات کو مختلف ممالک پر منطبق کرنا لاحاصل ہے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ زمانی تغیرات کے علاوہ مقامی خصوصیات اور کیفیات کو بھی لازمی طور پر پیش نظر رکھا جائے۔

عام طور پر مالیات کے مسائل کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس سے کہ انفرادی آمدنی اور خرچ کو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کامل یکسانیت کا مفروضہ صحیح نہیں اور بعض امور ایسے ہیں جن کے باعث دونوں کے مقاصد اور نوعیت کے درمیان حد فاصل قائم ہو گئی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ انفرادی خرچ آمدنی کے پیش نظر معین کیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے حکومتیں اکثر پہلے تقریباً اس کا فیصلہ کر لیتی ہیں کہ انہیں کس قدر صرف کرنا ہوگا اور اس اندازے کے بعد وہ حصول آمدنی کی جانب متوجہ ہوتی ہیں بالفاظ دیگر فرد اپنے خرچ کو اپنی آمدنی کے حدود کے اندر معین کرتا ہے برعکس اس کے حکومت اپنے ناگزیر اخراجات کو حرف آخر کی حیثیت دیتی ہے اور اپنی آمدنی اسی کے پیش نظر حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ ہر صورت میں اخراجات کو انکی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور آمدنی میں تغیر ہوتا رہتا ہے کیونکہ جب حکومت کی مجموعی آمدنی میں نمایاں تخفیف ہو جاتی ہے تو اسے بھی تخفیف اخراجات پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ مزید براں اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل غور ہے وہ یہ کہ ذاتی صرف کی صورت میں تقریباً ہمیشہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ صرف کے مقابلہ میں آمدنی بڑھی رہے چنانچہ کسی کام کا ابتدا کرتے وقت یہی خیال ہر شخص کے پیش نظر ہوتا ہے لیکن حکومت کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نفع کی خواہشمند حکومت بھی ہوتی ہے۔ لیکن ضرورت کے پیش نظر وہ بعض خدمات اتنی کم قیمت کے عوض فراہم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے جس سے فائدہ تو درکنار مصارف پیدایش کی تکمیل بھی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ <u>علم مالیات کا تاریخی ارتقاء</u> قبل اس کے کہ ہم مالیات کی اہمیت اور اس کے مطالعے کی غرض و غایت کے مسئلہ کی طرف متوجہ ہوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ علم مالیات کے تاریخی ارتقاء پر بھی نظر ڈالیں تاکہ ایک طرف ہمیں ان حالات کا علم ہو جائے جو اس علم کی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوئے تو دوسری جانب ہمیں اس کی اہمیت اور مقصود و منہاج کو ذہن نشین کرنے میں سہولت ہو۔

زمانہ ماضی میں گو کہ آمدنی کی ضرورت کا احساس شدید اور روز افزوں تھا نیز ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ قدیم سلطنتیں مالیاتی تنظیم کی اہمیت سے بے خبر نہ تھیں لیکن پھر بھی یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ اسی زمانے سے مالیات کو ایک مدون اور باضابطہ علم کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔

"زینوفین[1] کی تصنیف " ایتھنز کی آمدنی[2] کا شمار جس میں شہری مملکت کی آمدنی اور دولت میں اضافے کے طریقوں پر بحث کی گئی ہے، قدیم ترین مالیاتی تصانیف میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم ترین مالیاتی تحریریں جو ملتی ہیں انہیں ٹیسٹس[3] اور پلینی[4] کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوتلیا کی کتاب ارتھ شاستر کو جو تین سو برس قبل مسیح میں تصنیف کی گئی تھی مالیات کے موضوع پر قدیم ترین کتب میں شمار کرنا غلط نہ ہوگا۔ بقول کوتلیا کے " جس طرح کہ کسی باغ میں جیسے جیسے پھل پکتے جاتے ہیں انہیں توڑ لیا جاتا ہے بعینہٖ اسی طرح آمدنی بھی حاصل کی جاتی ہے جوں جوں کہ وہ تیار ہوتی جاتی ہے[5]۔ گویا یہ پہلی کتابیں ہیں جن میں مالیات کے مسائل پر نامکمل مباحث ملتے ہیں۔

علم مالیات کی ابتداء دراصل اس وقت سے ہوئی جب کہ حکمران اور مملکت کی آمدنی کے درمیان حد فاصل قائم کی گئی اس کا تاریخی ثبوت یہ بھی ہے کہ کیمریلسٹس[6] کی تحریروں میں اس علم کا جا بجا تذکرہ ملتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ قدما نے علم مالیات کی طرف سے ایسی بے توجہی کیوں برتی ان اسباب کو پیش کیا جاسکتا ہے جو زمانہ قدیم میں علم معاشیات کی خاطر خواہ ترقی کی راہ میں مستقل رخنہ ثابت ہوئے ان اسباب سے قطع نظر اس جمود کی وجہ یہ بھی تھی کہ یونان اور روما کا دستور دراصل جن بنیادوں

---

۱ Xenophen

۲ Athenian Revenues

۳ Tacitus

۴ pliny

۵ ارتھ شاستر مترجمہ راما شاستری

۶ Camerialists

قائم کیا گیا تھا وہ ان اصولوں کے سراسر منافی تھے جو بالآخر علم معاشیات کی مقبولیت اور ترقی کا باعث بنے۔ ایسی حالت میں جب کہ مملکت کے مقابلہ میں فرد کی قطعاً کوئی اہمیت نہ تھی یہ تصور بھی نہ پیدا ہو سکتا تھا کہ اگر ایک شخص دس فیصد محصول ادا کر رہا تھا اور دوسرا صرف پانچ فیصد تو اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا ناانصافی ہو رہی تھی جب مملکت کی مکمل برتری کو سراسر تسلیم کر لیا گیا تو پھر بھلا محاصل کی معدلت اور بار کا کیا سوال اس طرح یونانیوں اور اہل روما، فلورینس کے باشندوں اور وینس کے بسنے والوں نے علمی مالیات کو ترقی دینے کی کوشش تو ضرور کی لیکن نظری مالیات کی جانب برائے نام توجہ ہوئی۔ علاوہ ازیں ان قدیم مالیاتی تصورات میں مملکت کی برتری کی چھاپ بہت زیادہ نمایاں ہے۔

غرض قرون وسطیٰ کے خاتمے تک یورپ کی مملکتوں کا کاروبار ایسی غیر ترقی یافتہ حالت میں تھا کہ کسی باضابطہ نظام مالیات کی ضرورت ہی نہ محسوس ہوئی۔ حکمران زیادہ تر اپنی ذاتی جاگیرات سے استفادہ کرتے اور محصول محض ایک زائد اور فاضل وسیلے کی حیثیت رکھتا تھا چنانچہ ٹامس ایکویناس نے اپنی تصنیف میں لکھا تھا کہ معمولی حالات میں بادشاہ کو اپنی ذاتی جاگیرات کی آمدنی پر قانع ہونا چاہیئے البتہ فوری یا غیر معمولی صورتوں میں رعایا کو محصول کی ادائی پر رضامند ہونا چاہیئے بشرطیکہ وہ معتدل اور منصفانہ ہوں۔ مختصر یہ کہ اس دور میں نظری مالیات کو کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی اور جہاں تک علمی مالیاتی تنظیم کا تعلق ہے سلطنت روما کے آخری ایام میں اس میں بجائے ترقی کے انحطاط ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ بادشاہ کے آئے دن کے رقمی مطالبات نے جاگیری نظام کے اجزا کو مالیاتی کاروبار کی طرف زیادہ متوجہ کر دیا لیکن اس کے باوجود جاگیری مملکت کا نظام مالیات خانگی آمدنی و خرچ کے نظام سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

گیارھویں اور بارھویں صدی میں یورپ میں بہت سی آزاد اور شہری مملکتیں قائم ہوئیں

ٹامس Thomas Aquivinas

اور واقعہ یہ ہے کہ علم مالیات کے ابتدائی عناصر صحیح معنوں میں جرمنی اور اطالیہ کی ان ریاستوں ہی میں ملتے ہیں۔ نظری مالیات سے متعلق مباحث کے آغاز کا سہرا انہی ریاستوں کے سر ہے اس ضمن میں فلورینس کے مصنفین نے تدریجی محاصل کے بارے میں جو مباحث پیش کئے ہیں وہ بطور خاص قابل توجہ ہیں[۱]۔

علم مالیات کا حقیقی ارتقاء شروع ہوتا ہے اس وقت سے جب کہ قرون وسطیٰ کی معیشت کا خاتمہ اور جدید معیشت کا آغاز ہوا۔

اس سے قبل کی مالیاتی تصانیف پر مذہب اور اخلاق کا رنگ بہت زیادہ غالب تھا۔ لیکن نظام جاگیری کے خاتمے۔ مطلق العنان حکومتوں کے قیام فرانس، اسپین اور انگلستان کے سیاسی و دستوری حالات، زر کے روز افزوں رواج اور معاشی تعلقات کی توسیع نے مالیات کے میدان میں ترقی کی ایک نئی شاہراہ کھولدی۔

چنانچہ اس رجحان کی نمایاں ترین جھلک بودن[۲] کی تصنیف "جمہور[۳]" میں موجود ہے جس کے چھٹے جزو کے دوسرے باب میں مالیاتی مسائل پر بظاہر ایک نئے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان سارے امور کے باوجود سترھویں صدی میں علم مالیات کو سب سے زیادہ ترقی اس وقت ہوئی جب کہ معاشی اصولوں کو تجار نے سیاستدانوں کے لئے عملی اصولوں کی شکل دینی چاہی۔ اس وقت تک انگلستان میں مالیات کی جانب لوگوں نے خاطر خواہ توجہ نہ کی تھی اس میں شک نہیں کہ مختصر رسالوں کی شکل میں بعض مالیاتی مسائل پر اظہار خیال ہوا تھا لیکن سیاسی ریاضی کے رواج نے مالیات کے مسائل کی جانب لوگوں کو زیادہ متوجہ کر دیا اور خاص

۱۔ بیلگین کی تصنیف

"تدریجی محاصل عملی اور نظری طور پر" جس سے فلورینس کے مصنفین بطور خاص (Palmieri) گوئی (Guetti) گوئی سارڈنی (Guiccardini) کے خیالات واضح ہوتے ہیں۔

۲۔ Badin

۳۔ Republic

طور سے سر ولیم پیٹی[1] نے محاصل کے بارے مسئلے میں بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا ہے سر ولیم پیٹی کی کتاب جو انہوں نے محاصل کے عنوان پر لکھی غالباً پہلی ایسی تصنیف ہے جس میں کلیتہً مالیات کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

اس کے بعد موتیسکیو[2] نے اپنی تصنیف "روح قوانین[3]" کے تیرھویں باب میں محاصل اور سرکاری قرضوں کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فطرائین جو اپنے آپ کو "معاشئین" کہنے پر فخر محسوس کرتے تھے علم مالیات کی جانب خاص طور سے متوجہ رہے چنانچہ ان کا اساسی عقیدہ بلحاظ نوعیت اصل میں مالیاتی ہی تھا۔ ہمارے جدید معاشئین کو فطرائین کے مالی تصورات سے کیسا ہی شدید اختلاف کیوں نہ ہو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فطرائین نے مالی مسائل کے انتخاب میں نہایت معقولیت اور قابلیت سے کام لیا تھا۔ ان کے معلومات اور مفروضات ناقص سہی لیکن یہ کیونکر فراموش کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے محصول کی معدلت محصول کے ظاہری وحقیقی بار نیز قومی دولت پر اس کے اثرات کے موضوع پر مفصل بحث کی اور فدرائے آمدنی کا مکمل تجزیہ کرتے ہوئے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ کس ذریعہ سے کس حد تک سرکاری اغراض کی تکمیل ممکن ہے۔ چنانچہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے دلائل غلط سہی لیکن ان کی بدولت مزید تحقیق کا دروازہ کھل گیا

اس مکتب خیال کے بانی کوئینے نے اپنی تصنیف "دوسرے معاشی مسئلے میں" محاصل پر بحث کی ہے۔ کوئینے نے اپنا معاشی جدول اس کے دس برس بعد ترتیب دیا جس میں اس نے پیدائش اور تقسیم دولت کے مخصوص نظریوں کے پیش نظر محاصل اندازی کا ایک جدید تصور پیش کیا اس کے نظریے کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اس نے اس امر پر زور دیا کہ صرف زمین کی پیداوار پر محصول عاید کیا جائے۔ اس کا قول تھا کہ "محصول صرف پیداوار خالص

---

[1] Sir William Petty

[2] Montesquieu

[3] Espirite de Lois

یعنی زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار پر عائد کرنا چاہیئے نہ کہ پیداوار خام یعنی اجرتوں پر کیونکہ اس کے برخلاف صورت میں مصارف پیدائش میں اضافہ ہوجائیگا، تجارت میں رخنہ پڑے گا۔ نیز ہر سال قوم کی مجموعی پیداوار کا ایک حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اس کا یہ تصور اس عقیدے پر مبنی تھا کہ حقیقی معنوں میں پیداوار صرف زراعت ہی سے حاصل ہوسکتی ہے اسی طرح اس کے شاگرد میرابیو[1] نے محاصل اندازی پر ایک تصنیف شائع کی۔ اس سارے دبستان نے بحیثیت مجموعی بلاواسطہ محصول کی حمایت کی جو زرعی پیداوار پر عاید کیا جائے۔ ترگو[2] نے اپنے متعدد مقالوں میں مالیات کے مسائل پر بحث کی ہے فطرائین نے مالیات کے متعلق جو تصورات پیش کئے وہ اس اعتبار سے بالخصوص اہم ہیں کہ ان کے باعث دوسرے معاشئین اس طرف متوجہ ہو گئے[3]

آدم اسمتھ نے نہ صرف اپنے دور کے مالی تصورات اور آرار کو منظم کیا بلکہ اس علم کی اہمیت مطالعے کی ضرورت اور معاشیات کے ساتھ اس کے قریبی تعلق کی جانب بھی لوگوں کو توجہ دلائی اس کے علاوہ اسمتھ نے مالیات کی ایک نمایاں خدمت یہ بھی انجام دی کہ اس نے اس امر کو واضح کردیا کہ مالیات کے مسائل کو تشفی بخش طور پر حل کرنے کے لئے عام معاشی اصولوں کا سہارا لینا لازمی ہے۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آدم اسمتھ نے محصول کے بارے میں جو اہم اصول پیش کئے ان کا تذکرہ کردیا جائے اس لئے کہ باوجود کوہن[4] اور واکر[5] جیسے مصنفین کی سخت تنقیدوں کے آج تک کوئی دوسرا عالم معاشیات ان اصولوں میں کوئی بہت زیادہ نمایاں اضافہ نہ کرسکا ہے۔ آدم اسمتھ نے محصول کے متعلق سابقہ اصولوں میں ایسا بیش بہا اضافہ کیا کہ اس کے

۱۔ Mirabeau

۲۔ Turgot

۳۔ فطرائین نے مالیات میں کیا اضافہ کیا ہے اس کے لئے ملاحظہ فرمائیے ہگس (Higgs) کی کتاب

۴۔ Cohen

۵۔ Walker

متاخرین کی مسلسل کوششوں کے باوجود ان اصولوں کو آج بھی علم مالیات میں وہی قابل رشک مقام حاصل ہے جو کہ اسمتھ کی زندگی میں انہیں حاصل تھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان اصولوں میں سے موجودہ زمانے میں بعض زیادہ اہمیت اختیار کر گئے ہیں اور بعض نسبتاً کم اہم تصور کئے جاتے ہیں ذیل میں ہم اسمتھ کے اصولوں کو درج کرتے ہیں۔

(۱) اصول معدلت :۔ ہر مملکت کی رعایا کو چاہیئے کہ حتی الامکان اپنی اپنی قابلیت کے مطابق یعنی اس آمدنی کے تناسب سے جو انہیں مملکت کے زیر حفاظت اپنے اپنے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ حکومت کے اخراجات میں شریک ہو گویا اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حکومت کو محصول عائد کرنے کا استحقاق حاصل ہے اور رعایا کا فریضہ ہے کہ وہ محصول ادا کرے اس طرح یہ اصول مالی بھی ہے اور اخلاقی بھی۔

(۲) اصول تیقن :۔ جس محصول کا ادا کرنا ہر فرد کے لئے لازمی ہے وہ من مانا نہیں بلکہ بالکل باقاعدہ اور یقینی ہونا چاہیئے۔ وقت ادائیگی طریقہ ادائیگی اور مقدار محصول نہ صرف ادا کرنے والے بلکہ تمام دوسرے اشخاص پر بھی روشن ہونے چاہئیں اس کی برعکس صورت میں محصول دہندہ محصول وصول کرنے والے کی مرضی کا پابند ہو جاتا ہے" آدم اسمتھ کے اس اصول کو امریکی معاشئین نے خاص طور پر اہمیت دی ہے یہاں تک کہ اس اصول کو محصول کا اہم ترین اصول تصور کیا جاتا ہے۔ یہ اصول اس لئے بھی بہت اہم ہے کہ تیقن کے بغیر معدلت اور مساوات کا وجود ہی ممکن نہیں یہ خیال کہ قدیم محصول محصول ہی نہیں ہوتا آدم اسمتھ کے اسی اصول پر مبنی ہے کہ تیقن کی خصوصیت محصول کو نسبتاً بہت زیادہ سہل بنا دیتی ہے۔

(۳) اصول سہولت۔ محصول ایسے وقت پر اور اس طریقے سے عائد کیا جائے جو ادا کرنے والے کے حق میں زیادہ سے زیادہ سہولت کا باعث ہو"

(۴) اصول کفایت :۔ محصول اس طور پر تجویز کیا جائے کہ اس کے باعث جس قدر

[illegible] اقوام۔ فصل پنجم جز : دوم

رقم سرکاری خزانے میں داخل ہو اس کے علاوہ حتی الامکان کم سے کم رقم رعایا کی جیبوں سے نکلے آدم اسمتھ کے اس اصول کو موجودہ زمانے میں عام طور سے محصول کا اہم ترین اصول تصور کیا جاتا ہے۔ کفایت سے اسمتھ کا اشارہ محض وصولی کے انتظامات میں کفایت کی طرف نہیں بلکہ اس سے اس کی مراد یہ بھی ہے کہ محصول صنعتوں کی پیدا آوری اور اجتماع دولت میں بھی مزاحم نہ ہو۔

ریکارڈو نے اپنی تصنیف "اصول معاشیات" میں مالیات کے موضوع پر نہایت مبہم انداز میں اظہار خیال کیا جس سے مالیاتی علم میں ترقی تو درکنار رجحان یہ پیدا ہوگیا کہ نظری مباحث کے پردے میں مخصوص مسائل کی مدافعت یا مخالفت کیجائے اور ظاہر ہے کہ ان کتابچوں اور رسالوں کی قدر و منزلت محض عارضی اور وقتی ہوتی چنانچہ اس دور کی زیادہ مستند تصانیف مثلاً پارنیل[1] کی "مالی اصلاح[2]" اور سیر[3] کی "محصول آمدنی" بھی اس نقص سے پاک نہیں۔ اس سلسلہ میں میکلرش کی کتاب "محصول اندازی اور نظام مالیہ[4]" کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد جان اسٹورٹ مل کی تصنیف "اصول معاشیات" منظر عام پر آئی۔

تاریخی مکتب خیال نے بھی علم مالیات کے ارتقاء میں کافی حصہ لیا۔ چنانچہ اس دبستان کے اس تصور کی وجہ سے کہ موجودہ حالات کو ماضی کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے مالیاتی تاریخ کو بالخصوص ترقی ہوئی چنانچہ شافلے[5] اور شمولر[6] نے یہ نظریہ پیش کیا کہ "محصول کا بار فقط خالص آمدنی پر ڈالنا چاہیئے"

موجودہ صدی میں علم مالیات میں مندرجہ ذیل رجحانات بہت زیادہ نمایاں ہوگئے ہیں۔

(۱) مالیات دراصل قومی مفاد سے قریبی طور پر وابستہ ہے۔ اسے افراد پر بار تصور کرنا

۱۔ Parnell
۲۔ Financial Reform
۳۔ Sayer
۴۔ Taxation and The Financial System
۵۔ Schaffle
۶۔ Schmoller

صحیح نہیں۔

(۲) نظام مالیات کا انحصار معاشی حقائق پر ہوتا ہے۔ ہر ملک کے لئے اس کی مخصوص خصوصیات کی بنا پر ایک جداگانہ نظام مالیات درکار ہوتا ہے۔

(۳) قدیم مالی نظاموں کا جائزہ لیتے وقت اس زمانے کے حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۴) مالیات اور بالخصوص محاصل کے سلسلے میں سماجی مقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

مالیات کے لئے موزوں طریق تحقیق

یہ مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ مالیات کے بارے میں تحقیق کے لئے کونسا طریق تحقیق اختیار کیا جائے اس کا جواب یہ ہے یوں تو ہر طریقے کو استعمال کرنا چاہیے لیکن استقرائی طریقہ مالیاتی واقعات کی تحقیق کے لئے بالخصوص کارآمد ثابت ہوتا ہے البتہ اس کے ذریعے جو نتائج اخذ کئے جائیں ان پر استخراجی طریقے کا انطباق ممکن ہے۔ مالیات اور معاشیات میں جو ایسی مشابہت ہے کہ معاشی تحقیق کے سلسلے میں جو مباحث پیش ہوئے ہیں وہ مالی تحقیق کے دائرے پر بھی کم و بیش پورے اترتے ہیں لیکن پھر بھی ان مسائل کے اعتبار سے جو مالیات کے دائرہ بحث میں شامل ہیں یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس علم میں استخراجی طریق تحقیق کی گنجائش ذرا محدود اور استقرائی طریقے کے لئے میدان نسبتاً بہت وسیع ہے اسی طرح تاریخی اور تقابلی طرز تحقیق بھی نہایت سود مند اور موثر ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان سے ان حالات پر روشنی پڑتی ہے جن میں مختلف مالیاتی اجزا کی نشو و نما ہوئی ہے اسی طرح استقرائی تاریخی اور تقابلی طریقوں سے جو نتائج حاصل ہوں انہیں بنیاد تصور کرکے محاصل کے اثرات اس کے بار اور سرکاری قرض کے اثرات وغیرہ کے بارے میں مزید تحقیق کے لئے استخراجی طریقے کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ استخراجی طریقہ بطور خاص صرف اور محاصل کے بار کی تحقیق کے سلسلے میں سود مند ثابت ہوتا ہے بہر کیف ہمیں مالیات کے متعلق تحقیق اور نتائج کو اخذ کرنے میں حد درجہ احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ مارشل کے مندرجہ ذیل الفاظ جو اس نے عام معاشی تحقیق کی بابت کہے تھے مالیاتی تحقیق پر بالخصوص صادق آتے ہیں:

اس نے کہا تھا

"اس کے لئے پیچیدہ تجزیاتی طریقوں سے زیادہ ذہانت، عقل اور تجربہ درکار ہے[1]۔"

علم مالیات کی اہمیت اور مالیت حیدرآباد کے مطالعے کی ضرورت

علم مالیات کی روزافزوں اہمیت اور مالیت حیدرآباد کے مطالعہ کی شدید ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ کسی ملک کی معاشی خوشحالی کا صحیح اندازہ اس کے نظام مالیات ہی سے ممکن ہے اس لئے کہ کسی ملک کی معاشی ترقی کا دارومدار اس کی مالی حالت پر ہوتا ہے۔

حکومت کی کل میں مالیات کو وہی امتیازی مقام حاصل ہوتا ہے جو گھڑی میں بال کمانی کو۔ کیونکہ مالی ذرائع کی غیر موجودگی میں حکومت اپنے فرائض کو انجام نہیں دے سکتی۔ حکومت کی ساکھ اس کے نظام مالیات پر ہی مبنی ہوتی ہے۔ بعض انتہاپسندوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ مملکت کی آمدنی ہی خود مملکت[2] ہے۔

حکومت کے مقاصد اور ضروریات کے لئے رقوم کی فراہمی اور اس طرح جو وسائل حاصل ہوتے ہیں ان کا استعمال اس درجہ اہم اور سیاسی حیثیت کا ایسا لازمی جزو ہے کہ ہر کس و ناکس جو سیاسی معاشرتی اور معاشی معاملات سے ذرا بھی دلچسپی رکھتا ہے اسے ضرور اس کی جانب توجہ کرنی پڑتی ہے۔ ہم اگر چند لمحے بھی غور کریں تو ہمیں مالیات کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے مثال کے طور پر ہمارے خطوط کی ترسیل ایسے محکمے کے توسط سے عمل میں آتی ہے جسے اس کام کا مکمل اجارہ حاصل ہوتا ہے۔ روشنی کا انتظام سرکاری طور پر ہی ہوتا ہے مالیات کے مسائل یہیں نہیں ختم ہوجاتے بلکہ ان کا تعلق مقامی اداروں سے بھی ہوتا ہے مثلاً پانی کے لئے ہم بلدیے کے محتاج ہوتے ہیں کسی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔ مالیات کے مسائل ہماری

---

[1] اصول معاشیات از آلفریڈ مارشل ضمیمہ (ج) ص (۷۷۰)
[2] مالیات عامہ از فنڈلے شراس صفحہ (۱)

زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اس کا اندازہ روزمرہ کے واقعات سے بخوبی ہو سکتا ہے
واقعہ یہ ہے کہ کسی مضمون کی اہمیت از خود اس کے گہرے مطالعے کی متقاضی ہوتی
ہے پھر مالیات کے سلسلے میں تو اور بہت سی دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں مثلاً مالیات میں مختلف
مالی راستوں کے درمیان انتخاب کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہوتا ہے جن میں سے بعض دوسروں کی
نسبت زیادہ معقول اور سود مند ہوتے ہیں۔ اس بارے میں کسی قطعی نتیجے پر پہنچنے کے لئے
کہ مختلف مالیاتی مسالک جو حکومت اختیار کر سکتی ہے ان میں کون سا سب سے زیادہ مفید
اور منفعت بخش ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ نہایت احتیاط کے ساتھ مالیات اور اس سے
تعلق رکھنے والے امور کا مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے اس میں کامیابی محض اسی وقت ہو سکتی ہے
جب کہ مطالعہ سائنٹیفک ہو تاوقتیکہ ہماری نظر کے سامنے مالیات کا مفصل اور مکمل نقشہ پیش نہ ہو
ہم ہرگز تیقن کے ساتھ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے کہ دراصل ہمارے لئے کونسا مالیاتی مسلک
بیشترین افادیت رکھتا ہے اور کون سا مالیاتی مسلک ہمارے حالات کے لحاظ سے غیر موزوں
اور نامناسب ہے۔

دور حاضر میں مالیات کی اہمیت اس واسطے بھی روز افزوں ہے کہ حکومت کے فرائض
اور مقاصد کا دائرہ رفتار زمانہ کے دوش بدوش وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے ماضی میں جس
وقت تک کہ مملکت کے فرائض محدود سے چند اور سیدھے سادے تھے آمدنی اور خرچ دونوں
کو محض چند مخصوص اور مقررہ اجزاء میں تقسیم کر لیا جاتا تھا۔ لیکن برخلاف اس کے موجودہ حکومتوں
کو آمدنی و خرچ کے سلسلے میں ایسے بڑے اور وسیع طریقوں کو اختیار کرنا پڑتا ہے جو مقابلتہً بہت
زیادہ دشوار گزار اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔

اس سے قطع نظر ایک اور امر بھی ہے جس نے مالیات کے مطالعہ کو غیر معمولی طور پر اہم
اور ضروری بنا دیا ہے وہ یہ کہ مالیاتی تدابیر سے مختلف طبقات کا مفاد کچھ ایسے پیچیدہ انداز
میں متاثر ہوتا ہے کہ جب تک نظام مالیات کا تفصیلی تجزیہ نہ کیا جائے کسی مالی تدبیر کے اثرات

واضح نہیں ہوسکتے ۔

کسی مالیاتی اقدام کی خوبیوں یا نقائص کے متعلق صرف اسی صورت میں فیصلہ ہوسکتا ہے جب کہ ہمارے سامنے اس کے سارے بالراست اور بالواسطہ اثرات کی تصویر موجود ہو نیز موجودہ مالیاتی نظام کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے یہ امر بھی لازمی ہے کہ ہم اس کے تاریخی پس منظر سے بھی کم وبیش واقف ہوں ۔

مالیاتی مسائل روز بروز اہم سے اہم تر ہوتے جارہے ہیں اس کا حقیقی سبب یہ ہے کہ حکومت کے فرائض جو مالیات کی مدد سے انجام پاتے ہیں ۔ روز افزوں وسعت کی جانب مائل ہیں ۔ یہ وسعت محض بہ لحاظ تعداد نہیں بلکہ بہ اعتبار اہمیت بھی ہے ۔ ایک طرف حکومت اپنے آپ بعض کاروبار انجام دے رہی ہے مثلاً ریلیں اور ڈاک تو دوسری جانب خانگی کاروباروں میں اس کی مداخلت بڑھتی جارہی ہے ۔ عدم مداخلت کا مسلک ایک عرصہ ہوا متروک ہوچکا ہے اور جدید صنعتوں کو ترقی دینا بھی موجودہ زمانے میں حکومت کا اولین فریضہ تصور ہوتا ہے ان تمام امور نے علم مالیات کو بہت زیادہ وسیع و ہمہ گیر اور اس کے مسائل کو نسبتاً بہت زیادہ پیچیدہ بنادیا ہے نیز ان ہی وجوہ کے پیش نظر علم مالیات کے مطالعے کی اہمیت اور ضرورت بہت زیادہ نمایاں ہوگئی ہے ۔

بقول جیمز ولسن کے جو ہندوستان کے پہلے وزیر مالیات مقرر ہوئے تھے " مالیات صرف حساب نہیں بلکہ ایک عظیم الشان مسلک ہے بغیر عمدہ مالیات کے عمدہ حکومت کا وجود ہی ممکن نہیں ۔ بغیر ایک عمدہ مالیاتی نظام کے معاشی خوشحالی اور تجارتی وصنعتی ترقی کی منزل حاصل نہیں ہوسکتی "۔

مندرجہ بالا امور کے علاوہ جنہوں نے حیدرآباد کے نظام مالیات کے مطالعے کو اہم بنادیا ہے ۔ ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ ہمارا نظام مالیات درحقیقت ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے معاشی اور صنعتی ترقی دراصل ابھی ایک حد تک ابتدائی منازل میں ہی ہے جیسے

جیسے وقت گزرے گا اور جوں جوں ہم معاشی ترقی کے میدان میں قدم بڑھائیں گے ہمارے مالی مسائل نہ صرف زیادہ اہم بلکہ زیادہ پیچیدہ بھی ہوتے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ مستقبل کے متعلق کسی قسم کی قطعی پیشین گوئی تو ممکن نہیں لیکن یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں بہت سی تبدیلیوں اور متعدد معاشی تغیرات سے گزرنا ہے۔ مالی وسائل اور ذرائع پر دسترس حاصل کرنے اور اس کے بعد انہیں معقول طور پر استعمال کرنے کا جو طریقہ یا انداز ہوتا ہے اس میں لازمی طور پر جیسے جیسے مملکت معاشی ترقی کے مدارج طے کرتی جاتی ہے تغیر ہوتا جاتا ہے بہ الفاظ دیگر جس نہج سے حکومت معاشی ترقی کی ایک منزل میں مالیاتی وسائل کو حاصل اور صرف کرتی ہے وہ خاصی مختلف ہوتی ہے اس طریقے سے جو حکومت نے معاشی ترقی کی کسی سابقہ منزل میں اس غرض کے لئے اختیار کیا تھا۔ غرض کہ معاشی ترقی کی نسبتاً ابتدائی منازل میں جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ مقابلتہً ایک حد تک سیدھا سادہ ہوتا ہے برخلاف اس کے جب کوئی ملک معاشی اور صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ہو جاتا ہے تو اسی کے دوش بہ دوش مالیاتی مسائل بہت زیادہ دشوار گزار اور پیچیدہ ہوتے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں جب کہ یہ تیقن سے کہا جا سکتا ہے کہ حیدرآباد کو بہت سے معاشی تغیرات سے گزرنا ہے یہ امر بدرجہ ضروری ہے کہ ہم اپنے نظام مالیات کا گہرا مطالعہ کریں تاکہ مستقبل میں درپیش ہونے والے کٹھن اور پیچیدہ مسائل کو حل کیا جا سکے اس لئے کہ جس وقت تک ہم اپنے موجودہ نظام مالیات کی اساسی خصوصیات اور اجزاء کو پیش نظر نہ رکھیں ہمارے لئے ممکن نہ ہوگا کہ ہم اس میں مناسب اصلاح کر سکیں۔

غرض معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ اور خوشحال حیدرآباد کی تعمیر محض اسی وقت ممکن ہے جب کہ معاشی حالات اور حقائق کے پیش نظر ایک عمدہ نظام مالیات تشکیل دیا جا سکے اور ایسی صورت میں حیدرآباد کے نظام مالیات کے مطالعے کو جس قدر بھی اہمیت دی جائے کم ہے۔

دوسرا باب

مالیات حیدرآباد انیسویں صدی میں

اٹھارھویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کی ابتدا میں حکومت حیدرآباد کی مالی حالت

ابتدا میں مالیات حیدرآباد کے بارے میں جو معلومات ملتے ہیں وہ نہایت غیر مکمل اور ناکافی ہیں لیکن اس کے باوجود جو کچھ بھی ادھوری تحریریں موجود ہیں ان سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حیدرآباد کی مالی تاریخ کا ابتدائی دور نہایت تاریک اور سراسر ناکامیوں کی ایک طویل اور مسلسل داستان ہے چنانچہ اس زمانے کو حکومت کے مالی معاملات کے نقطۂ نظر سے تاریک ترین دور تصور کرنا ہرگز غلط نہ ہوگا۔

راجہ چندو لال کے زمانۂ وزارت سے قبل مالی نظم و نسق کا جو طریقہ رائج تھا اسے امانی تعلقداری کے لقب سے موسوم کیا جاتا۔ اس نظام کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ جو شخص سب سے زیادہ بولی بولتا سب سے زیادہ بیش بہا نذرانہ پیش کرتا اور بیشترین رقم بطور پیشگی ادا کرتا اسی کے حق میں مالگزاری کی وصولی کا اختیار کر دیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلقدار ابتدا میں جو رقم اپنے پاس سے صرف کرتا اس کی تلافی کی غرض سے زیادہ سے زیادہ مالگزاری وصول کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتا۔ مالگزاری نہایت سختی سے وصول کیجاتی اور غریب کاشتکاروں کو انکی مشقت کی کمائی کے آخری پیسے تک سے محروم کرنے کی کوشش کیجاتی ستم ظریفی یہ کہ اس طرح جو آمدنی حاصل ہوتی اس کا برائے نام حصہ سرکاری خزانے میں داخل کیا جاتا۔ اور بقیہ حصے پر خود تعلقدار قابض

ہو جاتا۔

حکومت کے اخراجات تو روز افزوں تھے لیکن آمدنی کے ذرائع رو بہ انحطاط اور محدود یعنی جیسے جیسے مجموعی آمدنی میں تخفیف ہوتی جاتی اسی کے پہلو بہ پہلو مصارف بڑھتے جاتے۔ اخراجات میں اضافے کا بڑا سبب، فوج کے مصارف تھے جو حکومت حیدرآباد کو ادا کرنے ہوتے۔ منصب کی رقوم کا بار بھی بہت زیادہ تھا اور حکومت کی تقریباً ساری آمدنی ان ہی دو مدوں کی نذر ہو جاتی۔ اول تو باضابطہ حساب کتاب ہوتا ہی نہیں تھا اور اس لئے اس زمانے کی جو دستاویزات ملتی ہیں وہ مکمل اور پُر از معلومات نہیں ہیں۔ دوسرے بجائے اس کے کہ پہلے حکومت کی جملہ آمدنی اور اخراجات کا تخمینہ کر لیا جاتا اور پھر اس کے بعد مختلف مدات قائم کی جاتیں۔ اس زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ فقط اخراجات کا اندراج کر دیا جاتا اور آمدنی کا حساب کتاب نہ ہوتا۔

ظاہر ہے کہ جب اخراجات کا آمدنی سے بڑھ جاتا ایک معمولی سی بات ہو گئی تو آمدنی اور اخراجات میں توازن پیدا کرنے کے لئے اکثر اوقات نا جائز اور نا مناسب طریقوں پر بھی عمل کرنا پڑتا۔ مثال کے طور پر نذرانوں اور پیشگیوں میں اضافے کی غرض سے یکے بعد دیگرے کئی افراد کے نام ایک ہی ضلع کیا جاتا۔ اور قبل اس کے کہ ایک شخص قابض ہو سکتا حکومت کی جانب سے دوسرا شخص پیشگی اور نذر کی وصولی کے بعد نامزد کر دیا جاتا۔ اس کے علاوہ ذاتی جائدادوں کی ضبطی، زمینداروں کے ذاتی حقوق سے انحراف، بیجا جرمانے اور عدل و انصاف کے بہانے بڑے بڑے نذرانوں کی وصولی ایسے طریقے تھے جن سے مزید آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی چنانچہ اس قسم کے نا جائز طریقوں سے جو آمدنی حاصل ہوتی اس کے لئے ایک بالکل علیحدہ مد موجود تھی جیسے "فروعات" کے نام سے موسوم کیا جاتا۔ یہ رقم معمولی آمدنی سے قطعی علیحدہ طور پر دفترداروں کے پاس محفوظ رہتی۔

راجہ چندو لال کے زمانہ میں مالی نظم و نسق

حیدرآباد کا مالی نظم و نسق ۱۸۰۶ء میں راجہ چندو لال کے ہاتھ میں آیا جب کہ وہ پیشکار کے عہدہ پر مامور تھے اور میر عالم وزیر اعظم تھے۔ ۱۸۰۹ء میں میر عالم کے انتقال کے بعد ہز ہائنس نے منیر الملک کو وزیر مقرر کر دیا لیکن

اس کے باوجود راجہ چندو لال کو غیر معمولی اقتدار حاصل رہا وجہ یہ تھی کہ انہیں برطانوی حکومت کا کامل اعتماد حاصل تھا۔ اور وہ وزیر اعظم پر بھی چھائے رہتے۔

اس طرح حیدرآباد کا مالی نظم و نسق ۱۸۰۶ء سے تقریباً ۱۸۴۳ء تک راجہ چندو لال کے تحت رہا اور مناسب معلوم ہوتا کہ ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس چالیس برس کے عرصہ میں مالیات حیدرآباد پر ایک سرسری نظر دوڑائیں اور ایسی حالت میں جب کہ نہ ہی اس زمانہ کی معتبر اور مکمل سرکاری دستاویزات ملتی ہیں اور نہ ہی آمدنی اور اخراجات کے باضابطہ حسابات موجود ہیں۔ اس بارے میں حالات کے محض ایک مختصر سے خاکے پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا

سربستہ طریق مالگزاری مالگزاری کی وصولی کا طریقہ نہایت ناقص تھا۔ یعنی ہر ایسا فرد جسے عام طور سے دولت مند تصور کیا جاتا وزیر اعظم کے پاس اپنی خدمات بحیثیت تعلقدار کے پیش کرنے کا مجاز تھا۔ اگر اس پیشکش کو قبول کرلیا جاتا تو اسے سرکاری خزانے میں ایک معینہ رقم داخل کرنی ہوتی اس رقم کا تخمینہ اس طرح کیا جاتا کہ جو اضلاع اس کے سپرد کئے جاتے ان کی مجموعی مالگزاری کا اندازہ کرکے اس میں سے ۲ فی روپیہ گھٹا دئے جاتے تاکہ اس سے تعلقدار اپنے ماتحتین اور ملازمین کی تنخواہیں ادا کرے۔ اس کے بعد تعلقدار کو ایک سند دے دی جاتی جس پر وزیر اعظم کی مہر ثبت ہوتی اور آخر کار تعلقدار دوبارہ نذر پیش کرکے رخصت ہو جاتا بس یہیں تعلقدار کے جملہ فرائض ختم ہو جاتے اور اگر خزانے میں مالگزاری کی اقساط پابندی سے ادا ہوتی رہتیں تو اس سے کسی قسم کی جواب طلبی یا باز پرس نہ ہوتی۔ تعلقدار خود حیدرآباد میں گل چھرے اڑاتا اور مالگزاری کی وصولی کے سلسلہ میں اپنے ایک نائب کو سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتا جسے تقریباً دو سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی اور قطع نظر اس امر سے کہ وہ مالگزاری کی رقم کس طرح وصول کرتا اور کتنی وصول کرتا اس کا یہ اٹل فریضہ ہوتا کہ کسی طرح بھی دو چار لاکھ روپے سالانہ تعلقدار کے ذاتی فائدے کے لئے وصول کرلے۔

اس دور کے محاصل مندرجہ ذیل فہرست سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دور میں

کتنے متعدد اور مختلف اقسام کے محاصل وصول کئے جاتے تھے ۔

(۱) دھنگر پٹی یعنی مویشیوں پر محصول

(۲) ڈھیر پٹی یعنی وہ محصول جو ڈھیروں پر عائد تھا ۔

(۳) شادی پٹی یعنی شادیوں پر محصول

(۴) چارسائی یعنی چمڑوں اور کھالوں پر محصول

(۵) بھوئی پٹی یعنی وہ محصول جو بھوئی ادا کرے ۔

(۶) ہاٹ بازاری یعنی بازاروں اور ہاٹ پر محصول ۔

(۷) کلال پٹی یعنی شراب فروشوں پر محصول ۔

(۸) جلاہی پٹی یعنی وہ محصول جو جلاہوں پر عاید تھا ۔

(۹) دھارہ پٹی

(۱۰) راہ داری یعنی نقل وحمل پر محصول ہر عملداری کی تبدیلی پر دیا جاتا اور اس کے مندرجہ ذیل سات اجزا تھے ۔

(الف) نھال برتی ۔ یہ محصول مال خریدنے کے فوراً ہی بعد ادا کرنا ہوتا ۔

(ب) راہ داری جو ہر پرگنے کے حدود پر ادا کیا جاتا ۔

(ج) ارسوا ۔ یہ محصول دیسمکھ یا دیشپانڈے وصول کرتے ۔

(د) جنگل یہ محصول رات بھر کے لئے پناہ دینے کے صلے میں ڈھیر وصول کرتے ۔

(ھ) دھل ۔ اس محصول کو پٹیل وصول کرتے ۔

(و) لادور ۔ یہ ایک ایسا محصول تھا جسے پٹیل کے ذریعہ دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جاتا ۔

(ز) پان سپاری ۔ اس نام سے جو محصول وصول کیا جاتا اس سے سرکاری سپاہیوں کی تواضع کی جاتی ۔

(۱۱) غنیم باب ۔ دشمن کے خلاف حفاظت کا محصول ۔

(۱۲) پارل پٹی ۔ بھوسے کی رسد پر محصول

(۱۳) بٹ سبزی ۔ ترکاریوں کی فروخت پر محصول ۔

(۱۴) بانس فروشی ۔ بانس کی فروخت پر محصول

(۱۵) رسم ریڈی

(۱۶) مذکوری پٹی

(۱۷) دفن ۔ جنازوں پر محصول ۔

(۱۸) منڈل اور گردول ۔ باجوں پر محصول

(۱۹) تانی اور پان مال ۔ پان تمباکو والوں اور تیل فروشوں پر محصول ۔

(۲۰) باٹا بازاری ۔ بازاری چوروں پر محصول ۔

(۲۱) مچھی گلٹی ۔ مچھلی پکڑنے والوں پر محصول ۔

(۲۲) کھمبرپٹی ۔ کمہاروں پر محصول ۔

(۲۳) بھینس پٹی ۔ بھینسوں پر محصول ۔

(۲۴) بخشی جانوروں کی فروخت پر محصول ۔

(۲۵) آدم پٹی ۔ کاریگروں پر محصول ۔

(۲۶) محترفہ ۔ مکانات اور دوکانوں پر محصول ۔

(۲۷) سفرپٹی ۔ یعنی ایسا محصول جس سے زمینداروں کے مصارف سفر پورے کئے جاتے ۔

اس دور کے محاصل کی فہرست تو یقیناً بہت طویل ہے لیکن ان سے آمدنی بہت کم حاصل ہوتی اور ان میں سے اکثر محاصل ٹیکس کے بنیادی اصولوں کے سراسر منافی تھے ۔

حصول آمدنی کے بعض دوسرے ذرائع حصول آمدنی کی غرض سے وراثت اور جانشینی کے سلسلے میں بھاری نذرانے وصول کئے جاتے جب کوئی زمیندار فوت ہوجاتا تو اس کا جائز وارث اس وقت تک جاگیر پر قابض نہ ہوسکتا تا وقتیکہ وہ ایک کثیر رقم ادا نہ کردے ۔ اس کا

لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ جاگیردار برسر اقتدار ہونے کے بعد اس رقم کی تلافی اپنی رعیت کو لوٹ کھسوٹ کر کرتا اس قسم کے ناجائز ذرائع سے جو آمدنی حاصل ہوتی وہ بالکل علیحدہ طور پر جمع کر دی جاتی اور اس کے حسابات پر خود راجہ چندو لال کے دستخط ہوتے۔ ان کے ناجائز ہونے سے قطع نظر یہ تدابیر کسی طرح بھی مالی معاملات کو روبہ اصلاح کرنے میں موثر ثابت نہیں ہو سکتیں۔

آمدنی کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ حقوق ٹکسال کو فروخت کر دیا جاتا۔ اور اس طرح معمولی زمیندار بھی سکہ سازی کے مجاز بن جاتے۔ اس وقت ریاست میں چودہ مختلف قسم کے سکے مروج تھے اور طریقہ یہ تھا کہ ہر جاگیردار پر یہ پابندی عائد کر دیتا تھا کہ اس کے علاقہ میں سوائے ایک خاص قسم کے سکے کے کوئی دوسرا سکہ نہ چلے۔

فوری اخراجات کی پابجائی کے لئے مندرجہ ذیل طریقے اختیار کئے جاتے۔

(۱) ساہوکاروں اور زمینداروں سے قرض لینا۔

(۲) زیورات۔ جواہرات اور تعلقوں کو رہن کرنا۔

(۳) تعلقوں کی مالگزاری کو پیشگی وصول کرنا۔

(۴) نذرانے حاصل کرنا۔

اس دور میں حکومت کے اخراجات — حکومت کے اخراجات اس دور میں مندرجہ ذیل مدات میں منقسم تھے

(۱) منہائی از مداخل۔ اس میں ساری ایسی رقمیں شامل تھیں جنہیں ضلع کے عہدے دار وصولی کے مصارف کے طور پر منہا کر لیتے۔ مثلاً صادر یا دفتر کے معمولی مصارف۔ رسوم یعنی پر گنے کے عہدہ داروں کی فیس یومیہ اور سالانہ یعنی بعض وظیفہ خواروں کے روزانہ اور سالانہ مصارف دیہیا دریا یعنی دیہات سے تعلق رکھنے والے مصارف اور اسی قسم کی دوسری منہائیاں۔

(۲) تعلقہ محلات۔ اس میں تمام ایسے تعلقے اور علاقے آجاتے تھے جو قرضوں اور بقایوں کے سلسلے میں منتقل کر دئے گئے تھے اس مد کے تحت ایسے مصارف بھی شمار ہوتے

جو افواج منصبداروں اور ساہوکاروں کے قرض اور سود کی رقوم کے سلسلے میں لاحق ہوتے۔

(۳) مخارج نقد از خزانہ و محلات۔ یعنی مرکزی و صوبہ واری "خزانوں کی نقد ادائیاں" اس میں ہز ہائنس کا الاونس دیوان اور پیشکار کی تنخواہ فوج کی تنخواہ، منصبداروں کے منصب، قلعے کے رسالے کے مصارف، زمینداروں کی تنخواہ اور اخراجات متفرق شامل تھے۔

مندرجہ بالا اخراجات میں سے بعض مدیں ایسی تھیں جو صرف کاغذ پر دی جاتیں لیکن ان کے خرچ کرنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی۔ مثال کے طور پر تنخواہوں کی نصف رقم بھی فی الحقیقت ادا نہیں کیجاتی۔ نیز ان مصارف کے علاوہ بہت سے ایسے اخراجات بھی ہوتے جنہیں مصلحتاً سرکاری حسابات میں داخل ہی نہیں کیا جاتا۔ اس طرح پہلی مد کے تحت صادر کے مصارف ہرگز اتنے نہیں ہوتے جتنے کہ ظاہر کئے جاتے۔ اس کے علاوہ ہر روپے سے دو آنے منہا تو کر لئے جاتے لیکن شاذ و نادر ہی اس طرح حاصل کی ہوئی ساری رقم جائز طور پر صرف کیجاتی۔ کم و بیش یہی کیفیت رسوم پیشہ اور دوسرے وظائف کی تھی جنہیں حکومت تعلقداروں اور سربستہ داروں وغیرہ کے توسط سے لوگوں کو ادا کرتی اور جن کا بیشتر حصہ بجائے ان لوگوں تک پہنچنے کے خود تعلقداروں کی جیب میں چلا جاتا۔

اس دور میں سرکاری قرضہ

۱۸۴۳ء میں تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ کا قرضہ صرف بقایائی افواج کے مصارف کے سلسلے میں موجود تھا اور چنانچہ خود ہز ہائنس کو اس کے سلسلے میں اپنی جیب سے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے ادا کرنے پڑے۔ جب قرض کا مجموعی بار ۲ کروڑ روپیہ سے بھی تجاوز کر گیا تو ایک دفعہ سر چارلس مٹکاف نے بہ سبیل تذکرہ راجہ چندو لال سے دریافت کیا کہ آخر آپ نے اس بھاری قرض کی ادائیگی کے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے؟ راجہ چندو لال نے مسکراتے ہوئے نہایت اطمینان سے جواب دیا "ادائیگی کیسی؟ ادائیگی کا میرا ارادہ ہی نہیں ہے اس لئے کہ قرضخواہوں کو کافی سود دیا جا چکا ہے اور اب انہیں ایک دمڑی بھی ادا نہ کروں گا۔"

راجہ چندو لال کے زمانہ وزارت کے اختتامی سال میں آمدنی و اخراجات کی کیفیت ذیل

کی جدولوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

سرکاری آمدنی

نمبر سلسلہ	سرکاری آمدنی کے مدات	آمدنی (لاکھ روپے میں)
۱	بیدر شریف اور حیدرآباد کے صوبوں کے تنخواہی تعلقے	۲۸ / ۹۵
۲	برار، بیجاپور، اورنگ آباد کے صوبوں کے تنخواہی تعلقے	۱۴ / ۸ / ۴
۳	صوبجات بیدر شریف اور حیدرآباد کے ایسے تعلقے جو دیوانی عاملوں کے تحت تھے۔	۶۳ / ۵۹
۴	صوبجات برار، بیجاپور اور اورنگ آباد کے ایسے تعلقے جو دیوانی عاملوں کے تحت تھے	۵۳ / ۷۲
	میزان	۱۶۰ / ۲۶

سرکاری اخراجات

نمبر سلسلہ	سرکاری اخراجات کی مدات	اخراجات (لاکھ روپے میں)
۱	صادر۔ رسوم۔ یومیہ مشاہرے	۲۱ / ۸۶
۲	اعلیٰ حضرت کا الاونس اور خاندان شاہی کے اخراجات	۲۵ / ۲۵
۳	فوجی اخراجات	۸۱ / ۷۱
۴	دیوان کا مشاہرہ	۳ / ۰۰

۵	منصب دار	۱۳ ر ۱۲
۶	دوسری تنخواہیں	۰۴ ر ۱
۷	عدالتیں	۴ ر
۸	تعلقداروں کے تحت افواج	ر ۴۱
۹	قلعے کارسالہ	۵۷ ر
۱۰	ادنیٰ ملازمین	۲۴ ر ۳
۱۱	یومیہ دار	۹۱ ر ۱
۱۲	برطانوی افواج	۰۰ ر ۴۰
	میزان	۵۷ ر ۱۹۱

مندرجہ بالا اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کی مجموعی آمدنی (۳۶ ر ۱۶۰) لاکھ روپے سالانہ تھی لیکن مجموعی اخراجات (۵۷ ر ۱۹۱) لاکھ روپے تھے۔ اس طرح موازنے میں ۳۱ ر ۳۱ لاکھ روپے کا خسارہ تھا۔ بظاہر اکتیس لاکھ روپے کا خسارہ کچھ بہت زیادہ پریشان کن اور تشویشناک نہیں معلوم ہوتا لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خسارہ حکومت کی مجموعی آمدنی کا پانچواں حصہ تھا

راجہ چندولال کے زمانۂ وزارت کے اختتام اور نواب سالار جنگ کے تقرر کے درمیانی عرصے میں حیدرآباد کا مالی نظم ونسق

اس زمانہ میں بھی حکومت کی مالی حالت نہایت ناگفتہ بہ رہی نہ کوئی باضابطہ سرکاری خزانہ قائم کیا گیا اور نہ ہی باقاعدہ طور پر سرکاری حسابات رکھے جاتے۔ بحیثیت مجموعی مملکت کا مالی نظم ونسق کسی ایک فرد سے تفویض نہیں تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ خود وزیراعظم کا اثر بھی مالی معاملات پر برائے نام ہوتا۔

فوجی جمعداروں اور بعض دوسرے ملازمین سرکار کو جب مسلسل طویل عرصے تک تنخواہیں نہ دیجاتیں تو ان کے نام چھوٹے چھوٹے تعلقے کردئے جاتے جو تنخواہی جاگیروں کے نام سے موسوم ہوتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کئی لاکھ روپے کی آمدنی سے حکومت محروم ہوتی جارہی تھی۔ مالی دشواریوں اور پیچیدگیوں کا یہ سلسلہ بجائے ختم ہونے کے اور بڑھتا ہی گیا۔ منصبدار کجا خود خاندان شاہی کے افراد کی تنخواہیں قرض رہنے لگیں۔

راجہ رام بخش کا زمانہ بھی مالیات کے نقطۂ نگاہ سے حد درجہ دشوار گزار ثابت ہوا۔ برطانوی افواج کی تنخواہیں مسلسل کئی ماہ تک نہیں ادا کیجا سکیں اور آخر کار یہ رزیڈنسی کے خزانے سے ادا کی گئیں۔ اس طرح دوسرے قرضوں کے علاوہ صرف یہی مد اسی لاکھ تک پہنچ گئی۔

حکومت کی ساکھ کس قدر گر گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ساہوکاروں نے حکومت کو قرض دینے سے صاف انکار کردیا تا وقتیکہ وہ جمعداروں کی ضمانت نہ پیش کرے۔ اور اس کے بعد بھی حکومت کو قرض اس شرح سود کی نسبت دوگنی شرح پر دینے کو کہا جو کہ عام طور سے بازار میں رائج تھی۔ نیز اگر حکومت راست طور پر جمعداروں سے معاملہ کرنے کی کوشش کرتی تو اسے اور زیادہ دشواریوں کا سامنا ہوتا۔ اس لئے کہ ہر لاکھ روپے کے معاوضے میں جو جمعدار قرض دیتے وہ ایسی حالت میں جب کہ ہر سپاہی کی تنخواہ چودہ روپیہ ماہوار ہوتی اس کے طلب گار ہوتے کہ حکومت ان کے دستے میں دو چار سو سپاہیوں کا اضافہ کرنے۔ ستم ظریفی یہ کہ سپاہیوں کو شاذ ونادر ہی ملازم رکھا جاتا بلکہ بیشتر اوقات ان کا محض فرضی نام رجسٹر میں لکھ کر حکومت سے تنخواہ کا مطالبہ کیا جاتا اور اس طرح حکومت کو قرض اور سود کے علاوہ تنخواہوں کی رقم بھی ادا کرنی پڑتی۔

ملک کا سارا مالی نظم ونسق غلط اصولوں پر مبنی تھا۔ یعنی حکومت کی آمدنی کے جائز ذرائع تو بیکار تھے لیکن عوام تباہ ہوئے جارہے تھے اکثر سرکاری ملازمین انتہا درجے کے راشی تھے۔ حکومت بھی اپنے وعدے پابندی سے وفا نہ کرتی اور اپنے مالیاتی معاملہ کو روبعمل

لاتے وقت وہ صرف فوری نفع کو دیکھتی اور آئندہ نتائج کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا چونکہ سرکاری خزانے کو ہر لمحے روپے کی ضرورت رہتی اس لئے کاشتکاروں کو مجبور کیا جاتا کہ وہ اسی وقت لگان ادا کر دیں جب کہ ان کی فصلیں کٹ کر فروخت بھی نہ ہوئی ہوتیں اور ایسی صورت میں ان کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ ہوتا کہ وہ ساہوکاروں سے بہت بھاری شرح سود پر قرض لیں اور اس طرح ایک ایسے مطالبے سے نجات حاصل کریں جس سے ان کا بچنا محال تھا کاشتکار مفلس اور زمیندار تباہ ہو چکے تھے۔ تجارت، زراعت اور مقامی صنعتیں بجائے ترقی کے روبہ انحطاط تھیں۔ البتہ تعلقدار، سربستہ دار۔ دسیکھہ اور دیشپانڈوں کے خوب مزے تھے۔

سنہ ۱۸۴۳ء میں ریاست کی زوال پذیر اور ناگفتہ بہ مالی حالت کے پیش نظر ڈیٹن[1] اور بعض مقامی ساہوکاروں نے ایک بینک کے قیام کی تجویز پیش کی تھی تاکہ حکومت کی مالی امداد ہو سکے۔ تجویز یہ تھی کہ اس بینک کا مجموعی سرمایہ پچاس لاکھ روپے مقرر کیا جائے جس میں سے نصف حکومت فراہم کرے۔ دس لاکھ حیدرآباد کے ساہوکاروں کا ہو اور بقیہ پندرہ لاکھ بمبئی کے شہریوں کا لیکن بالآخر اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔

سرکاری ملازمین اور افواج کی تنخواہیں اکثر قرض رہتیں اور انہیں وصول کرنے کا بہت کامیاب اور مقبول طریقہ یہ تھا کہ لوگ وزیر اعظم یا ہز ہائینس کی قیام گاہ کے احاطے میں جا بیٹھتے اور وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے جب تک کہ ان کا قرض بے باق نہ کر دیا جاتا۔ یہ طریقہ "دھرنے کے طریقے" سے موسوم تھا۔

حکومت کی ساکھ زوال پذیر تھی اور اگر اسے قرض کی حاجت ہوتی تو نہایت نمایاں ضمانت اور بہت بھاری شرح سود پر ہی قرض مل سکتا۔ خسارے کی تلافی کرنے اور روز افزوں مصارف کی پابجائی کے لئے جو ناقص ادھوری اور ناکام تدابیر اختیار کی جاتیں ان سے لوگوں کی قوت ادائی

[1] Deighton

بری طرح متاثر ہوتی۔

حکومت کی آمدنی حصول آمدنی کا اہم ترین ذریعہ جیسا کہ آج بھی ہے مالگزاری تھا جس سے بحیثیت مجموعی معمولاً ایک کروڑ روپے کے قریب رقم جمع ہوتی۔ اس میں وہ مصارف شامل نہیں تھے جو مالگزاری کی وصولی کے سلسلے میں لاحق ہوتے اور جن کا تناسب کل رقم کا دس فیصد ہوتا۔ آبکاری کی آمدنی باوجود اس کے کہ سیندھی شراب کے علاوہ بعض دوسرے اشیاء مثلاً بھنے ہوئے گوشت کو بھی اس کے زمرہ میں شامل کرلیا گیا تھا۔ ایک لاکھ سے بھی کم تھی راہداری کے محاصل جو وقتاً فوقتاً سارے ملک میں وصول کئے جاتے ہر ہر قدم پر تجارت اور لین دین کی راہ میں اہم رخنہ ثابت ہوتے۔ ان محاصل سے چار لاکھ کے قریب آمدنی حاصل ہوتی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ملک کی عام تجارت اس سے کس قدر شدید طور پر متاثر ہوتی اس کا صحیح اندازہ دراصل بہت دشوار ہے۔ اس سے قطع نظر اور بھی بہت سے محاصل مختلف امور و اشیاء کے سلسلے میں عاید ہوتے جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں مہتروں۔ چرواہوں۔ جلاہوں، کہاروں کو محصول ادا کرنا پڑتا اور اسی طرح ترکاریوں، بانس چمڑوں اور بھوسے کی فروخت پر محصول عائد تھا ان محاصل سے کم و بیش اتنی ہی رقم وصول ہوتی جتنی کہ محاصل راہ داری سے۔ بعض مقامی محاصل مثلاً مہرانہ جو خطابات کے سلسلے میں وصول کیا جاتا۔ محترفہ یعنی ایسا محصول جو مخصوص پیشوں یا ذرائع معاش کو اختیار کرنے کے لئے اجازت ناموں پر عائد کیا جاتا اور شہر سدھارنی سب سے بحیثیت مجموعی محض چند ہزار روپے کی آمدنی ہو سکتی۔ علاوہ اس کے آمدنی کے بعض دوسرے چھوٹے موٹے ذرائع بھی تھے جن کو اب عدالتوں کے تحت شمار کیا جاتا ہے اور جن کو اس زمانے میں ایسے معقول ذرائع کی حیثیت دی جاتی تھی جن سے محض چند ہزار کی آمدنی حاصل ہو سکتی۔

اس دور میں مختلف محاصل کے مشخص کرنے اور انکی وصولی کے لئے باضابطہ انتظامات موجود تھے۔ چنانچہ مالگزاری کی بھی کم و بیش یہی حالت تھی۔ اس کی وصولی اکثر اوقات

کاشتکاروں اور گتہ داروں کے توسط سے ہوتی اور جس وقت تک کہ حکومت کے مطالبات کی تکمیل ہوتی رہتی وہ ان کی مختلف ناجائز کارروائیوں پر شاذ و نادر ہی معترض ہوتی۔

حکومت کے اخراجات | جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے افواج پر بیشتر میں رقم صرف ہوتی۔ بعض اضلاع کے بڑے بڑے حصے چند امرار نے محض فوجی امداد کے صلے میں اپنے قبضے میں کر رکھے تھے۔ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ اس رقم کو بھی شامل کرتے ہوئے جو کہ حکومت حیدرآباد حکومت برطانیہ کو لشکر کے مصارف کے سلسلے میں ادا کرتی۔ مالگزاری کی بیشتر آمدنی فوجی اخراجات کی نذر ہو جاتی۔ انعامی اور اعزازی جاگیروں کے سلسلے میں جو زمینات بخش دی جاتیں ان سے عموماً کئی لاکھ کا نقصان ہوتا۔ مختصر یہ کہ ایسے محکمے جن پر رعایا کی فلاح و بہبودی اور خوشحالی کا انحصار تھا مستقل بے توجہی کا شکار رہے اور ان پر برائے نام رقم صرف کیگئی۔ تعلیم پر محض چند سو روپے صرف کئے جاتے اور تقریباً اتنی ہی رقم صفائی۔ حفظان صحت اور دواخانوں وغیرہ پر صرف کیجاتی۔ امور عامہ پر حکومت صرف بیس ہزار روپے صرف کرتی اور تالابوں اور سڑکوں وغیرہ کی تعمیر و مرمت کی جانب شاید ہی کبھی توجہ کیجاتی۔ دارالسلطنت کے علاوہ کہیں باقاعدہ پولیس کا وجود ہی نہ تھا۔ عدالتوں کے لئے بحیثیت مجموعی پچاس ہزار روپے کی رقم محفوظ کیجاتی۔ جیل خانوں پر پچیس ہزار روپیہ صرف ہوتے۔

مختصر یہ کہ تمام ایسے امور پر جو کسی بھی مہذب اور ترقی یافتہ مملکت کی ناگزیر ضروریات میں شمار کئے جاسکتے ہیں فقط ایک لاکھ کی رقم صرف کیجاتی۔ عام نظم و نسق کے سلسلے میں جو مصارف ہوتے ان میں بیشترین حصہ خود وزیر اعظم اور دوسرے سرکاری عہدہ داروں کی تنخواہ کا ہوتا سرکاری رسوم ہز ہائینس اور خاندان شاہی کے لئے جو بڑی بڑی رقوم درکار ہوتیں ان کو نت نئے قرضے لے کر پورا کیا جاتا۔ نیز حکومت کو خانگی بینک کاروں اور ساہوکاروں سے جو قرضے ملتے ان پر شرح سود بہت بھاری ہوتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت کی ضروریات اول تو شدید اور روز افزوں ہوتیں دوسرے حکومت شاذ و نادر ہی قرض کی واپسی کے معاملے میں

اپنا وعدہ وفا کر سکتی۔ جیسے جیسے حکومت کی ساکھ گرتی گئی یہ لازمی ہوتا گیا کہ ان قرضوں کی ضمانت کے طور پر بعض اضلاع کی مالگزاری کو ان ساہوکاروں کے پاس رہن کردیا جائے۔ طرفہ یہ کہ بعض اوقات ان اضلاع کے نظم و نسق اور انتظامی امور کو بھی ان ہی ساہوکاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا اور یہ ساہوکار جب ایک دفعہ کسی ضلعے پر قابض ہو جاتے تو حساب کتاب میں پیچیدگیوں اور سود در سود کے دعوؤں کے ذریعے اپنے قبضے کو حتی الامکان برقرار رکھتے بعض اوقات خود سرکاری ملازمین سے یہ التجا کیجاتی کہ وہ حکومت کی ناگفتہ بہ مالی حالت کی اصلاح کے لئے قرض دیں لیکن یہ عہدے دار اس پر محض اسی حالت میں رضامند ہوتے جب کہ حکومت ان کے ساتھ خصوصی مراعات ملحوظ رکھتی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ حکومت کے آئندہ اخراجات کا بار اور زیادہ بڑھ جاتا۔

جوں جوں حالات بد سے بدتر ہوتے گئے حکومت حصول آمدنی کے لئے اور زیادہ نامناسب طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوگئی۔ مثلاً مالگزاروں سے بھاری نذرانے وصول کئے جاتے اور لازمی طور پر ان نذرانوں کی تلافی یہ مالگزار اپنی رعیت سے کرتے جس سے عوام اور زیادہ زبوں حال ہو جاتے۔

آمدنی میں اضافہ کا ایک نامعقول طریقہ یہ بھی تھا کہ غیر قانونی اور ناواجب جرمانے عائد کئے جاتے یا جاگیرات ضبط کرلیجاتیں۔

مالگزاری کی منتقلی قبل از وقت اور بعض اوقات اس دن سے تین سال قبل کردیجاتی جب کہ مالگزاری فی الحقیقت واجب الادا ہوتی۔ نیز خود جس کے نام مالگزاری کردی جاتی اس کے اپنے مطالبات اس قدر گراں ہوتے کہ حکومت کو برائے نام رقم ادا کیجاتی۔

ایسے افراد جن کے بارے میں یہ شبہ ہوتا کہ انہوں نے ناجائز طور پر حکومت کو محروم کرکے دولت پیدا کی ہے تو ان سے بطور خاص جانشینی اور وراثت کے سلسلے میں نذرانے وصول کئے جاتے۔

جب خود حکومت کو اپنی ساکھ اور ذرائع آمدنی شدید طور پر ناکافی ثابت ہوتے تو فرمانروا کے خانگی ذرائع کا سہارا لیا جاتا خود حضور نظام نے اس دوران میں اپنے پاس سے بحیثیت مجموعی ڈیڑھ کروڑ کی رقم ادا کی لیکن اس کے باوجود حکومت کے قرض کی مجموعی مقدار تین کروڑ روپے سے کم نہ ہو سکی۔

برطانوی رزیڈنٹ مسلسل طور پر اس امر کی طرف ہماری حکومت کو متوجہ کرتے رہتے تھے کہ ریاست کی مالی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی اور ملک تباہی کے کنارے پر پہنچ چکا تھا لیکن باوجود اس کے مالی اصلاح کے کسی منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا ۱۸۵۱ء میں مسٹر ڈیشن نے ایک یادداشت پیش کی جس میں ریاست حیدرآباد کے مالی انتظامات کو برطانوی ہاتھوں میں لے لینے کا مشورہ دیا تاوقتیکہ اس کی مالی حالت کی مکمل طور پر اصلاح نہ ہو جائے

نواب سالارجنگ کا تقرر مختار الملک نواب سالار جنگ بہادر نے ۱۸۵۳ء میں مالیات حیدرآباد کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی اور قبل اس کے کہ ہم ان شدید مالی پیچیدگیوں کی جانب متوجہ ہوں جو مالیات کی عام خرابیوں کے علاوہ ان کے زمانۂ وزارت کے آغاز سے ذرا قبل پیدا ہو گئی تھیں اور جنہیں دور کر کے انہوں نے مالیات حیدرآباد کی تاریخ میں سابقہ حالات کے مقابلہ میں ایک ایسے درخشاں باب کا اضافہ کیا جس کی نظیر اس دور میں شاید ہی کوئی دوسری ریاست پیش کر سکے اور جس کے لئے ہماری مملکت ہمیشہ ہمیشہ شرمندۂ احسان رہے گی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حکومت کی آمدنی اور اخراجات کا تفصیلی نقشہ پیش کر دیں

فوری دشواریاں اور انکی مالی اصلاحات اور نظم ونسق

مندرجہ ذیل جدول کا مقابلہ اگر راجہ چندولال کے زمانۂ وزارت کے اختتامی سال یعنی ۱۸۴۳ء میں حکومت کی آمدنی سے کیا جائے تو دونوں کے درمیان نہ صرف حیرت انگیز بلکہ بعید از عقل فرق معلوم ہوتا ہے اس زبردست تفاوت کا سبب اول تو یہ تھا کہ برار۔ رائچور دوآب اور نلدرگ وغیرہ کے اضلاع نیز بھوم اور آل پور وغیرہ کے تعلقوں کی آمدنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے

نام منتقل کردی گئی تھی تاکہ اس کا قرض اور سود ادا ہو سکے چنانچہ اس کارروائی سے حکومت کی آمدنی کس قدر شدید طور پر متاثر ہوئی تھی اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ممکن ہے کہ صرف برار رائچور دوآب اور نلدرگ کے علاقوں کی منتقلی کے باعث حکومت حیدرآباد تقریباً پچاس لاکھ سالانہ کی مستقل آمدنی سے محروم ہوگئی ۔

دوسرے آمدنی کی اس تخفیف کو اس حد تک مالی بدانتظامی اور ابتری پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے جو راجہ چندولال کی علحدگی اور نواب سالار جنگ کے تقرر کے درمیانی عرصے میں اور زیادہ شدت اختیار کر گئی ۔

سرکاری آمدنی ۱۸۵۵ء میں

نمبر سلسلہ	مدات آمدنی	آمدنی (لاکھ روپے میں)
۱	مالگزاری	۶۴٫۸۵
۲	آبکاری	۱٫۷۲
۳	کروڑگیری یا راہ داری	۴٫۶۵
۴	عدالتیں	٫۰۸۶
۵	سود	۱٫۰۶
۶	دیش پٹی	٫۴۳
۷	متفرقات	۲٫۱۳
۸	افواج	٫۰۷۱
	میزان	۷۵٫۰۶

سرکاری اخراجات ۱۸۵۵ء میں

نمبر سلسلہ	مدات خرچ	اخراجات (لاکھ روپے میں)
۱	مالگزاری	۶٫۵۸

نمبر	مد	رقم
۲	کروڑگیری یا راہ داری	۶،۵۸
۳	عدالتیں	،۳۴
۴	جیلخانے	،۱۱
۵	پولیس	،۰۰۶
۶	ڈاکخانے	،۱۴
۷	تعلیم	،۰۰۱۹
۸	دواخانے	،۰۶۴
۹	نظم و نسق	۱،۷۶
۱۰	چھوٹے محکمے	،۰۱۷
۱۱	پرگنہ وطندار	۲،۶۸
۱۲	الاونس وغیرہ	،۴۴
۱۳	خلعت	،۱۱
۱۴	رقوم کی واپسی	۱۶،۴۴
۱۵	سود	،۰۲۳
۱۶	ہزہائنس	۱۵،۹۵
۱۷	منصب	،۷۴
۱۸	متفرقات	۱۴،۲۹
۱۹	افواج	۱۵،۷۱
۲۰	امور عامہ	،۰۸۷
	میزان	۷۳،۴۰ [1]

[1] اخراجات کے ان اعداد کا مقابلہ اگر راجہ چندو لال کے زمانہ وزارت کے اخراجات سے کیا جائے تو

علاوہ ان ساری دشواریوں اور مالی افراتفری کے جن کا تذکرہ ہم مفصل طور پر گذشتہ صفحات میں کر آئے ہیں نواب سالار جنگ کے تقرر کے وقت بعض ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے جنہوں نے مالیات کی اصلاح کے کام کو مشکل سے مشکل تر بنا دیا۔ سب سے پہلے تو یہ کہ برار۔ رائچور دوآب اور نلدرگ وغیرہ کے اضلاع جن سے ہماری حکومت کو تقریباً ۴۰ر۳۴ لاکھ روپے کی آمدنی حاصل ہوتی نیز بھوم اور آل پور وغیرہ کے تعلقے ایسٹ انڈیا کمپنی کی نذر کر دئے گئے تھے تاکہ برطانوی رسالے کے اخراجات پورے ہوسکیں اور خود ایسٹ انڈیا کمپنی کے قرض و سود کی ادائیگی ہو سکے۔ ان اضلاع و تعلقوں کی منتقلی کے باعث ریاست کی مالی حالت اور زیادہ ابتر ہوگئی۔ اس میں شک نہیں کہ سرکاری خزانہ ان اخراجات سے بچ رہا تھا جو اسے ان اضلاع کی منتقلی سے قبل لاحق ہوا کرتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت ایسی بہت سی نئی نئی ذمہ داریوں میں گرفتار ہوگئی جس سے نجات حاصل کرنا سہل نہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مندرجہ بالا علاقوں کی منتقلی کے باعث بہت سے جاگیرداروں نے جن کی جاگیرات انہی علاقوں میں واقع

(بسلسلہ گذشتہ) دونوں میں بہت فرق معلوم ہوتا ہے اور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت کے مجموعی اخراجات میں تقریباً نصف ہی تخفیف ہوچکی تھی لیکن اگر غور کیا جائے تو اخراجات میں یہ تخفیف کفایت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس کا حقیقی سبب یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام برار۔ رائچور دوآب نلدرگ کے اضلاع نیز بھوم اور آل پور کی منتقلی کے باعث حکومت حیدرآباد برطانوی رسالے کے اخراجات اور قرض و سود سے متعلق اخراجات سے عارضی طور پر بچ گئی تھی۔ چنانچہ اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ راجہ چندو لال کے دور وزارت کے آخری سال یعنی سنہ ۱۸۴۳ء میں صرف مختلف فوجی مدات پر بحیثیت مجموعی سوا کروڑ روپے کے قریب رقم صرف ہوتی تھی جس کی تفصیل درج ذیل ہے

فوجی اخراجات	۱۷ر۸۱ لاکھ روپیہ
افواج	۱۴ر۱ لاکھ روپیہ
تلنگ کار رسالہ	۵۷ لاکھ روپیہ
برطانوی افواج	۴۰ لاکھ روپیہ
جملہ فوجی اخراجات	۱۲۲ر۴۲ لاکھ روپیہ

لیکن سنہ ۱۸۵۵ء میں متذکرہ بالا اضلاع کی منتقلی کے بعد افواج کے اخراجات صرف تقریباً ۱۱۶ لاکھ رہ گئے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کے مجموعی اخراجات میں نمایاں کمی کا حقیقی سبب فوجی اخراجات میں شدید تخفیف تھی۔

تھیں مثلاً ایلچ پور اور بھوم کے جاگیردار سلطان نواز الملک، دلاور نواز جنگ ۔ بڑھن خاں،
عبداللہ بن علی اور عمر بن عاد نے اپنی جاگیروں کے عوض زر نقد کا دعویٰ کر دیا اور اس طرح حکومت
کے روبرو کئی لاکھ کے مطالبات پیش ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید حکومت مالی دشواریوں
اور پیچیدگیوں کے اس گرداب سے کبھی نہ نکل سکیگی ۔ آمدنی اس قدر ناکافی تھی کہ منصبداروں
اور شاہی خاندان کے افراد کے مشاہرے بھی وقت پر ادا نہیں ہو سکتے تھے سکھ رسالے نے
جسے ایک عرصے سے تنخواہیں نہ دیگئی تھیں شاہی محل کو محصور کر لیا۔ اور بعض بڑے قرضخواہوں
مثلاً سلطان غالب بن اسود، اور قلندر بیگ نے کھلم کھلا نافرمانی کے مظاہرے کئے ہزہائنس
کا مسلسل اصرار تھا کہ ان کے جواہرات جن کو، لاکھ روپے میں رہن کیا گیا تھا اور جن کو
مسٹر ڈیٹن انگلستان لے گئے تھے اور وہ الماس جو مقامی ساہوکاروں کے پاس گرو تھے جلد سے جلد
واپس لے لئے جائیں۔ صرف مقامی ساہوکاروں کا قرض دو کروڑ ستر لاکھ روپیہ ہو چکا تھا حکومت
کے پیش نظر ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ کس طرح بغیر کوئی شورش بپا کئے برار کے علاقے کو منتقل کردیا جائے

غرض یہ تھی کہ مالیات حیدرآباد کی حالت جب کہ نواب سالار جنگ وزارت کے عہدے
پر فائز ہوئے اور ان حالات میں کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس مالی بدنظمی سے نجات
دلانے اور مالیات حیدرآباد کی ازسرنو تعمیر، سابقہ رقوم کی ادائیگی، قرضوں کی واپسی، رہنوں کا
خاتمہ، اضلاع پر دوبارہ قبضہ ایسے دشوار گزار اور پیچیدہ فرائض تھے جنہیں کامیابی سے ادا
کرنے کے لئے بے نظیر قابلیت، استقلال، جرات اور مہارت کی ضرورت تھی اور درحقیقت
یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ نواب سالار جنگ ہی کی انتھک کوششوں، دور اندیشی اور بے مثل قابلیت
کی بدولت ہماری ریاست اس مالی تباہی سے محفوظ رہی جس کے نتائج نہ صرف معاشی بلکہ
سیاسی اعتبار سے فیصلہ کن ثابت ہوئے۔

نواب سالار جنگ نے بخوبی محسوس کیا کہ فقط نقائص اور خرابیوں کے ازالے پر اکتفا
نہ کی جائے بلکہ مالی نظم و نسق کو تعمیری بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے مالی

ذرائع درکار تھے۔ تعلقوں اور اضلاع میں فوجداری اور دیوانی عدالتوں کے قیام مالگزاری کی وصولی کے لئے ایک علیحدہ محکمہ کی تنظیم، مالگزاری کو مشخص کرنے کے لئے ایک علیحدہ محکمہ کا قیام، عوام کی جان و مال کی حفاظت کے لئے ایک کارگزار محکمہ پولیس۔ امور عامہ کے محکمے۔ ذرائع آمد و رفت و حمل و نقل اور وسائل آبپاشی کی اصلاح جس کے ساتھ زراعت پیشہ طبقہ کی خوشحالی وابستہ تھی۔ اشاعت تعلیم، ملک کے تمام اہم مراکز میں دواخانوں اور محکمہ جات صفائی کا قیام، ڈاک کے بہتر انتظامات، ریلوے کی تعمیر جس کے ذریعہ لین دین اور تجارت کو فروغ ہو، اور بعض فوری اخراجات مثلاً قحط اور خشک سالی تمام ایسے امور تھے جنہیں روبعمل لانے کے لئے اولین شرط یہ تھی کہ ریاست کی مالی حالت کو مستحکم بنایا جائے۔

نواب سالار جنگ نے سب سے پہلے تدبیر یہ اختیار کی کہ دو مالی ماہرین کو مقرر کیا اور ان سے اپنی ذاتی نگرانی میں حسابات مرتب کروائے۔ چنانچہ اس کا اندازہ کہ یہ نگرانی کس قدر شدید تھی اس امر سے بخوبی ممکن ہے کہ سر سالار جنگ خود ہر تختۂ حساب پر دستخط کرتے اس احساس کے پیش نظر کہ جب تک موازنے میں خسارہ موجود رہے خاطر خواہ تعمیری سرگرمیاں نہیں ہو سکتیں انہوں نے مالیات میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی بازار زر میں حکومت کی ساکھ بہت بڑھ گئی اس کے بعد انہوں نے نسبتاً زیادہ مناسب شرح سود پر از سر نو قرضے لئے اور ان سے وہ سابقے قرضے ادا کرئے جن پر حکومت کو بہت بھاری شرح سود ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس طرح سود کی اس سالانہ رقم میں نمایاں تخفیف ہوگئی جو حکومت پابندی سے ادا کرنے پر مجبور تھی۔

اس طریقے سے جو بچت ہوئی اسے ان اضلاع کی واپسی پر صرف کیا گیا جو حکومت کے مفاد کے سراسر خلاف شرائط پر ساہوکاروں کے سپرد کر دئے گئے تھے۔ بہت سی ایسی اراضی تھی جس پر خانگی افراد جعلی حقوق کی بناء پر قابض ہوگئے تھے چنانچہ حکومت نے ان کو واپس لے لیا غرض ان تدابیر کے باعث چند ہی برس میں حکومت کی آمدنی میں پچاس لاکھ سے زیادہ اضافہ ہوگیا

مزید براں سنہ ۱۸۶۰ء میں ضلع رائچور اور دھاراسیون کی واپسی کی بدولت سرکاری آمدنی میں ۲۷ لاکھ روپے کا فوری اضافہ ہو گیا اور ان اضلاع کے مالی نظم و نسق میں معقول اصلاح کے ذریعے ان سے حاصل ہونے والی آمدنی میں مزید اضافہ کیا گیا۔

آمدنی کے اضافے کو محض سابقہ قرض کی واپسی کے لئے محدود نہیں کیا گیا اس لئے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو محض عارضی نتائج حاصل ہوتے برخلاف اس کے سرسالار جنگ نے محسوس کیا کہ ان رقوم کو اگر ملک کی ترقی و خوشحالی پر صرف کیا جائے جس کی طرف سے اب تک سراسر بے توجہی برتی گئی تھی تو حکومت کی آمدنی میں اس قدر اضافہ کیا جا سکتا تھا جو اس سود سے کہیں زیادہ ہوتا جو اس کی برعکس حالت میں قرض کی ادائیگی سے بچ رہتا نواب سالار جنگ نے ایسا مسلک اختیار کیا جس سے اگر ایک طرف قرض اصل اس پر سود کی رقم سال بسال گھٹتی گئی تو دوسری جانب اسی کے ساتھ ساتھ مادی وسائل کی ترقی کے ذریعے ملک کی معاشی ترقی کی رفتار میں نمایاں اضافہ ہو گیا۔

ایسے علاقوں کو واپس لیا گیا جو ماضی میں تعلقداروں کے نام تنخواہی علاقوں کی حیثیت سے منتقل کر دئے گئے تھے مالی انتظامات کی اصلاح کے ذریعے ایک طرف آمدنی میں اضافے کی کوششیں کی گئیں تو دوسری جانب تخفیف مصارف کے ساتھ ساتھ ملک کی معاشی و مادی فلاح پر روپیہ صرف کرنے میں پس و پیش نہ کیا گیا۔ ایسی انعامی جاگیریں جو ناجائز طریقے پر حاصل کی گئی تھیں ان کو واپس لیا گیا۔ بٹائی یا اجناس میں ادائی کا طریقہ ترک کر دیا گیا۔ اس طریقے کے تحت ہوتا یہ تھا کہ مالگزاری تو جنس کی شکل میں جمع کی جاتی لیکن جب اجناس کا ڈھیر ہو جاتا تو حکام کاریگروں کاشتکاروں اور ساہوکاروں کو مجبور کیا جاتا کہ وہ فوراً انہیں بازاری نرخ سے ۵ روپیہ فی کھنڈی بڑھ کر خرید لیں اور نقد قیمت ادا کردیں۔ ظاہر ہے کہ اناج کو ذخیرہ کرنے کے لئے مناسب انتظامات نہ تھے اور وہ کھلا پڑا رہتا جس سے شدید نقصان ہوتا۔ علاوہ ازیں اس طریق میں باز مالگزاری کو من مانی خیانت کا موقع مل جاتا کاشتکار اصلاح فصول کی جانب توجہ نہ کرتے اس لئے

کہ انہیں یقین ہوتا کہ حکومت اس میں حصہ دار بنجائے گی۔ سالار جنگ نے پیداوار کی نوعیت زمینات کی زرخیزی وغیرہ کے پیش نظر ایک مقررہ مدت کے لئے جو رقم معین کرادی اس کے باعث روزمرہ کی شکایات سے بھی نجات ملی اور نظام مالیات میں تیقن کا پہلو بھی پیدا ہوگیا۔ مالگزاری کی رقوم باضابطہ بندوبست کے بعد تیس برس کے لئے معین کردی گئیں۔ پہلے مالگزاری سربستہ طریقہ پر وصول کیجاتی تھی لیکن سالار جنگ نے اس طریقے کو ترک کردیا اور بجائے اس کے سرکاری ملازمین کے ذریعے وصول ہونے لگی۔

بہت سے ایسے محاصل جو لوگوں کی پریشانی اور بے زاری کا باعث تھے برخاست کردئے گئے۔ راہ داری کے محاصل بھی اٹھادئے گئے گو کہ ان لوگوں کو جن کے لئے یہ محاصل راہ داری آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ بن گئے تھے حکومت کو معاوضے کے طور پر دو لاکھ پچاس ہزار سے زاید مالیت کی اراضی بخشنی پڑی لیکن نواب سالار جنگ اس مسلک کے مفید نتائج کے پیش نظر اس پر استقلال سے کاربند رہے۔ ان کے علاوہ بعض ایسے محاصل کو بھی برقرار نہیں رکھا گیا جن کو رواجی حیثیت حاصل تھی اور جو ایک عرصے سے رائج تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نواب سالار جنگ نے یہ محسوس کیا کہ سابقہ بد نظمی کے باعث کاشتکار طبقہ ایسا تباہ حال ہوچکا تھا کہ اس پر مالگزاری کے علاوہ مزید بار ڈالنا سراسر زیادتی اور ناانصافی تھی۔ تجارت اور مختلف پیشوں پر جو محصول محترفہ عاید تھا وہ بھی برخاست کردیا گیا۔ اس طرح مختلف محاصل کے خاتمے کے باعث مجموعی سرکاری آمدنی میں جو تخفیف ہوئی اسے ذیل کی جدول میں پیش کیا گیا ہے۔

	محصول	سالانہ آمدنی جو منقطع ہوگئی
۱	چھوٹے محاصل	۱٬۳۳
۲	امرائی یا پھل کے درختوں پر محصول	۵۶٬
۳	بزچرائی یعنی مویشیوں کی چرائی پر محصول	۲٬۶۶

۴	شہر سد عار یعنی بلدی محاصل	۴۲ ر
۵	سیر دیہہ بہ دیہی یعنی ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں راہداری محصول۔	۴۰ر۳
۶	غلے پر محصول در آمد	۰۰ر۲
۷	محترفہ یعنی تجارت اور پیشوں پر محصول	۹۵ر۲
۸	کپاس اور تیل وغیرہ کے محصول میں تخفیف	۵۰ر۶
	میزان	۸۲ر۱۹

نواب سالار جنگ کے زمانہ وزارت کے بالکل ابتدائی سال بھی حیدرآباد کی تاریخ مالیات میں کس قدر اہمیت رکھتے ہیں اور اس عرصے میں کس قدر نمایاں مالی اصلاح ہوئی ہے اس کا اندازہ برطانوی رزیڈنٹ مسٹر یانڈرس کے مندرجہ ذیل فقروں سے بخوبی ہو سکتا ہے جو انہوں نے ۱۸۶۰ء ۱۸۶۱ء کی رپورٹ نظم ونسق میں تحریر کئے تھے۔ "یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ حیدرآباد جس سے کہ میں ۱۸۶۰ء میں متعارف ہوا اس حیدرآباد کے مقابلہ میں جس کا تذکرہ میرے پیشرو لارڈ مٹکاف نے ۱۸۵۳ء کے مراسلوں میں کیا ہے ویسا ہے جیسا کہ آج کا انگلستان خاندان اسٹورٹ کے انگلستان کے مقابلہ میں اور جیسا کہ حکومت کو بخوبی احساس ہے یہ نتیجہ ہے موجودہ وزیر اعظم نواب سر سالار جنگ ہی کی انتظامی قابلیت و قابل ستائش مالی مسلک کا۔ نہ صرف خزانہ لبریز ہے بلکہ حکومت کی آمدنی مجموعی سالانہ صرف کے مقابلہ میں آٹھ لاکھ زیادہ ہے۔ مزید براں حکومت کا اعتبار وساکھ نہایت مستحکم ہے۔"

۱۸۶۲ء کے بعد حکومت کی مالی اصلاح کی رفتار اور زیادہ تیز ہوگئی۔ ملک کو صوبوں، اضلاع اور تحصیلوں میں تقسیم کردیا گیا اور عدالتوں کا قیام عمل میں آیا۔ پولیس کے انتظامات بھی

بہت بہتر ہو گئے اور امور عامہ پر بھی زیادہ رقوم صرف کی جانے لگیں۔ معتمدی اور بعض دوسرے اہم دفاتر کی از سر نو تنظیم ہوئی اور سرکاری خزانوں سے راست انہیں رقوم ادا کیجانے لگیں۔ سب سے زیادہ نمایاں اصلاح محکمہ مالگزاری میں عمل میں آئی۔ یعنی رعیت واری نظام کے تحت نقد ادائیوں کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ ملک بھر میں ڈاکخانوں، مدارس اور دواخانوں کا قیام عمل میں آیا اس طرح نہ صرف جان و مال کی حفاظت کا سامان پیدا ہو گیا بلکہ معاشی اور سماجی ترقی کی ایک نئی شاہ راہ کھل گئی۔

نواب سالار جنگ کی مالی اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچیس برس کی مدت کے اندر لگان برار اور ریلوں کی آمدنی کے علاوہ مجموعی آمدنی میں (۱۹۲٫۷۸) لاکھ روپے کا اضافہ ہوا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نمبر سلسلہ	اضافہ آمدنی کی مدات	اضافہ آمدنی (لاکھ روپیہ میں)
۱	جاگیروں کی واپسی	۱۲٫۸۵
۲	تنخواہی تعلقوں کی واپسی	۲۹٫۶۴
۳	رہن اضلاع کی واپسی	۲۶٫۸۵
۴	انعامی اراضی کی واپسی	۷٫۳۱
۵	توسیع کاشت، اور دوسرے ذرائع	۱۱۶٫۱۸
	میزان	۱۹۲٫۷۸

ظاہر ہے کہ آمدنی میں اس اضافے کے ساتھ ساتھ اخراجات میں بھی اضافہ ہوا۔ نواب سالار جنگ کے دور وزارت میں حکومت حیدر آباد کے مجموعی اخراجات میں کس قدر اضافہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان کے تقرر کے وقت یعنی ۱۸۵۵ء میں مجموعی اخراجات تقریباً ۴۰٫۴۷ لاکھ روپے سالانہ تھے لیکن ان کے انتقال کے سال یعنی

سنہ ۱۸۸۲ء میں مجموعی اخراجات ۲۸۷،۸۶ لاکھ روپے سالانہ ہوچکے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کے اخراجات میں سوا دو کروڑ روپے کے قریب اضافہ ہوا تھا۔ لیکن اخراجات کے اس اضافے کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ پہلے کے مقابلہ میں اب تعمیری اور پیداآور امور پر بہت زیادہ رقم صرف ہوتی تھی۔ اخراجات میں اضافہ کا بیشتر حصہ مندرجہ ذیل (۱۶) مدات کے سلسلے میں لاحق ہوا۔

(۱) تعلقوں اور اضلاع میں مالگزاری اور عدالتی عہدہ داروں کا تقرر (۲) صدرالمہامین کا تقرر (۳) وزیراعظم کے معتمدین کا تقرر (۴) تنقیح حسابات کے دفتر کا قیام (۵) امور عامہ کا محکمہ (۶) ریاستی ریلیں (۷) بلدہ اور اضلاع پولس (۸) محکمہ ٹپہ (۹) بلدیات (۱۰) راہداری کا محصول اٹھ جانے سے لوگوں کو جو مالی نقصان ہوا تھا اس کا معاوضہ (۱۱) محکمہ تعلیم (۱۲) محکمہ طبابت (۱۳) ہزہائنس کے الاونس میں اضافہ (۱۴) برار کے جاگیرداروں کو برار کی منتقلی کے باعث جو نقصان ہوا تھا اس کا معاوضہ (۱۵) سابقہ بقایوں اور قرضوں کی ادائیگی (۱۶) ہزہائنس کے مصارف

لیکن اخراجات کے اس اضافے کی تلافی مالگزاری، جنگلات، آبکاری، کروڑگیری، اسٹامپ۔ دیش پٹی یعنی سڑکوں پر محصول ٹپہ اور عدالتوں کے ذریعے ہوگئی۔

ابھی سرسالار جنگ کے تقرر کو بیس سال بھی نہیں گزرے تھے کہ ایسے امور جو عوام کی فلاح و بہبودی سے فوری طور پر وابستہ تھے۔ سالانہ مصارف ایک لاکھ سے بڑھ کر پچھتر لاکھ ہوگئے۔ اس کے علاوہ قحط سالی کے مقابلہ اور جنگلات کے لئے بڑی بڑی رقوم مختص کردی گئیں۔

سب سے زیادہ قابل ستائش پہلو اس ترقی کا یہ تھا کہ ان جملہ اصلاحات کو بغیر تجارت اور زراعت پر مزید بارڈالے روبعمل لایا گیا تھا بلکہ واقعہ تو یہ تھا کہ ان اصلاحات کے باعث جن کی نوعیت مالی تھی۔ تجارتی اور زرعی ترقی کے لئے نسبتاً زیادہ سازگار حالات پیدا ہوگئے تھے۔

نواب سالار جنگ کے دور وزارت میں محاصل کے بارے میں بھی کوئی بہت زیادہ نمایاں اضافہ نہیں ہوا صرف محصول اسٹامپ اور سڑکوں پر ایک ہلکے سے محصول کا اضافہ ہوا چنانچہ اس دور میں آمدنی کے اضافے کو ملک کی مجموعی دولت اور پیداوار اور وسائل کی مستقل ترقی پر محمول کرنا غلط نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر ۱۸۵۵ء میں مالگزاری سے صرف ۶۵ لاکھ روپے وصول ہوتے جو ۱۸۸۵ء میں بڑھ کر ۱۰۱ لاکھ ہو گئے۔ اس اضافہ کا حقیقی سبب توسیع کاشت نظام مالگزاری کی اصلاح اور ایسی اراضی کی واپسی تھی جو لوگوں نے ناجائز طور پر غصب کر رکھی تھی ان اصلاحی تدابیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ فی ایکر زمین پر مالگزاری کا بار بجائے بڑھنے کے کم ہو گیا۔

آبکاری کی آمدنی ستر گنی ہو گئی تھی باوجود اس کے کہ سوائے منشیات کے دوسری تمام اشیاء کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔

چنگی کی آمدنی میں گیارہ گنا اضافہ ہوا تھا جو فی الحقیقت مقامی اور بیرونی تجارت میں اضافے کا نتیجہ تھا۔

علاوہ ان مستقل ذرائع آمدنی کے بہت سے نئے ذرائع بھی پیدا ہو گئے۔ مثلاً جنگلات جو مملکت حیدرآباد بالخصوص علاقہ تلنگانہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں ان کی آمدنی دو لاکھ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح بہت سے فلاحی محکمے مثلاً عدالتیں، ڈاکخانے، تعلیمات اور جیلخانوں کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو گیا۔

مالی نظم و نسق اور انتظامات میں عام اصلاحات کے پہلو بہ پہلو سرکاری حسابات اور تنقیح کے طریقوں کو بھی بہتر بنایا گیا۔ ملک کو اضلاع میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ضلع کے صدر مقام پر ایک سرکاری خزانے کا قیام عمل میں آیا جس کے حسابات اور رسائد ماہ بماہ صدر دفتر تنقیح و حسابات میں بھیجے جاتے۔

۱۸۶۶ء میں ایک مزید دفتر حسابات کا قیام عمل میں آیا تھا جس کی غرض یہ تھی کہ ملازمین سرکار کی تنخواہوں اور فوری اخراجات کی تنقیح کرے۔ مگر ابتداء میں اس دفتر کی کارگزاری کو بہت

زیادہ سراہا گیا لیکن آخر کار اس سے وہ مقصد نہ حاصل ہوسکا جسے حاصل کرنا مقصود تھا اس نے لاکھوں روپے بغیر کسی تصفیئے کے رہنے دئے اور ہزاروں روپے بغیر اس کی اجازت کے صرف کئے گئے۔ سالہا سال تک اس نے غیر قانونی کارروائیوں کی تحقیق کی زحمت نہیں گوارا کی اور قبل اس کے کہ کسی قسم کی تحقیقات کیجا سکے ایسے افراد کی بیشتر تعداد جن پر ان کارروائیوں کی ذمہ داری عاید ہوتی تھی مر کھپ گئی۔

غرض بارہ سال کی آزمایش کے بعد جب یہ دفتر اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ثابت ہوا تو اسے برخاست کر دیا گیا۔ اور اس کے بیشتر فرائض اکونٹنٹ جنرل یا صدر محاسب اور معتمد امور عامہ کے سپرد کردئے گئے۔ اس دفتر نے ۲۹، ۶۹ روپیہ کی رقم جو بلا کسی حساب یا تنقیح کے چھوڑ دی تھی اسے سالار جنگ نے ۱۸۷۹ء میں موزوں مدات کے تحت تقسیم کروائی۔

اس عرصے میں سرکاری حسابات کا ایک معقول طریقہ اختیار کیا گیا جس میں ضلعواری خزانوں اور طریق موازنہ کو نمایاں اہمیت دی گئی۔ اس طرح ملک کے مالی انتظامات کی تاریخ میں ایک جدید دور کا آغاز ہوا۔ یہ طریقہ کم و بیش کئی سال تک جاری رہا۔ چار افسروں کو منتخب کرکے بغرض ٹریننگ بمبئی و برار روانہ کیا گیا اور واپسی پر انہیں صدر محاسب کے مددگاروں کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔

مختصر یہ کہ نواب سر سالار جنگ بہادر نے اپنے تقرر کے وقت حیدرآباد کو مالی اعتبار سے نہایت تباہ حال پایا اور اپنے انتقال کے وقت اسے غیر معمولی طور سے مستحکم چھوڑا ایک معمولی سا امر جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سر سالار جنگ کی مالی اصلاحات کس قدر ہمہ گیر بیش بہا اور منفعت بخش تھیں یہ ہے کہ ان کے تقرر کے وقت حیدرآباد کے سرکاری خزانے میں صرف ۸ لاکھ روپیے جمع تھے، بلدہ ہی کا خزانہ ریاست بھر کا واحد خزانہ تھا اور سال کے اختتام پر اس میں صرف تیرہ ہزار روپیے کی سلک موجود تھی لیکن نواب صاحب

کی مسلسل اور انتھک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی زندگی کے آخری سال یعنی سنہ ۱۸۸۳ء میں سرکاری خزانے اور اس کی مختلف شاخوں میں تین کروڑ کی رقم جمع ہو گئی تھی اور ان کے انتقال کے روز یعنی ۹ فروری سنہ ۱۸۸۳ء کو (۸۱) لاکھ روپے کی سلک موجود تھی۔

نواب سالار جنگ کے زمانہ وزارت میں حکومت کی آمدنی کے اضافے کو ذیل کی جدولوں میں نہایت تفصیل سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ اس دور میں کس طرح رفتہ رفتہ مالیات حیدرآباد کو استحکام حاصل ہوا۔

نواب سالار جنگ کے دور وزارت میں سرکاری آمدنی (لاکھ روپے میں)

مدات آمدنی	سنہ ۱۸۵۴ء	سنہ ۱۸۶۵ء	سنہ ۱۸۷۵ء	سنہ ۱۸۷۹ء
مالگزاری	۵۰/۹۶	۱۲۳/۳۲	۱۸۴/۲۸	۱۸۸/۸۲
آبکاری	۱/۵۷	۱۲/۹۲	۲۸/۵۹	۳۴/۱۵
کروڑگیری	۴/۲۴	۴۲/۴۳	۲۴/۹۰	۳۴/۸۳
متفرقات	۳/۲۵	۱۳/۷۴	۱۸/۵۲	۲۸/۶۲
میزان	۶۸/۲۶	۱۹۱/۴۱	۲۵۶/۲۹	۲۸۶/۴۳

سرکاری آمدنی میں اضافہ کا تقابلی مطالعہ

مدات آمدنی	سنہ ۱۸۶۵ء کا مقابلہ سنہ ۱۸۵۴ء سے	سنہ ۱۸۷۵ء کا مقابلہ سنہ ۱۸۶۵ء سے	سنہ ۱۸۷۶ء کا مقابلہ سنہ ۱۸۷۵ء سے	سنہ ۱۸۷۹ء کا مقابلہ سنہ ۱۸۵۴ء سے
	اضافہ لاکھ روپے میں فیصد	اضافہ لاکھ روپے میں فیصد	اضافہ لاکھ روپے میں فیصد	اضافہ لاکھ روپے میں فیصد
مالگزاری	۱۰۹/۱۸ - ۶۴/۳۷	۴۹/۴ - ۶/۹۶	۲/۴ - ۴/۵۴	۲۲۰/۲ - ۱۲۹/۸۶
آبکاری	۷۲۳/۰۴ - ۱۱/۳۵	۱۲۱/۱ - ۱۵/۶۵	۱۹/۵ - ۵/۵۸	۱۰۷۵/۰۸ - ۲۲/۵۸
کروڑگیری	۹۰۱/۵ - ۳۸/۱۹	۰ - ۰	۳۰/۳ - ۹/۹۴	۷۴۲/۶ - ۳۰/۶۰
متفرقات	۲۹۱/۶ - ۹/۴۹	۴۵/۳ - ۵/۷۸	۵۴/۶ - ۱۰/۱۱	۷۷۹/۷۷ - ۲۵/۳۸
میزان	۱۸۱/۴ - ۱۲۳/۴۰	۳۳/۸ - ۶۴/۸۶	۱۱/۸ - ۳۰/۱۶	۳۲۱/۱ - ۲۱۸/۴۳

مالیات حیدرآباد نواب سالار جنگ کے انتقال سے ۱۸۸۵ء تک

۵؍ فروری ۱۸۸۴ء کو حضور وائسرائے نے حضرت غفران مکان کی تخت نشینی پر خاص طور سے انہیں مشورہ دیا کہ مالیات کی جانب بالخصوص توجہ کیجائے۔ نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ غیر تشفی بخش مالیات، ریاستوں کی تباہی کی اولین نشانی ہے اس لئے کہ مالی معاملات سے لاپرواہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے تو بار بار محاصل عاید کرنے پڑتے ہیں اور پھر لوگ رفتہ رفتہ غربت و تباہی کا شکار ہوتے جاتے ہیں اور آخرکار بڑھتی ہوئی شرحوں پر قرض لیا جاتا ہے جس کے باعث لازمی طور پر ریاستیں دیوالیہ ہو جاتی ہیں

ہز ہائنس نے اس مشورے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ ان کی حکومت کا اولین فریضہ یہ ہوگا کہ وہ سرکاری آمدنی اور اخراجات کا جائزہ لے تاکہ ایک طرف مصارف میں تخفیف کے ذریعے اور دوسری جانب مزید ذرائع آمدنی پیدا کرکے ریاست کی مالی حالت کو مستحکم سے مستحکم تر بنایا جائے۔

اس ضمن میں سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ حکومت پر جو ذمہ داریاں قرض کے سلسلے میں عاید ہوتی تھیں اور جو ایک عرصے سے باعث تشویش بنی ہوئی تھیں ان کا باضابطہ تعین کیا جائے چنانچہ خاص طور سے اس مقصد کے لئے کہ حکومت کے قرضے کے متعلق کامل تحقیقات اور اس کے بعد ان کا تصفیہ کیا جائے ایک قرض کمیشن مقرر کیا گیا۔ اس کے دائرہ تحقیق میں نہ صرف ایسے قرضے تھے جو نواب سالار جنگ کے تقرر سے قبل لئے گئے تھے بلکہ اس میں وہ قرضے بھی شامل تھے جو نواب سالار جنگ نے حکومت کی ضروریات کے لئے وقتاً فوقتاً حاصل کئے تھے۔ اس کمیشن کے روبرو جملہ پینتالیس دعوے پیش ہوئے جن کی مجموعی مالیت ۹۲٫۶۲۷ لاکھ روپے تھی جس میں سے ۲۰۳٫۲۱ لاکھ روپیوں کا مطالبہ سود کے سلسلے میں کیا گیا تھا۔ مجموعی دعوؤں کا چوراسی فیصد حصہ (یعنی ۵۹٫۵۲۰ لاکھ روپے کے دعوی) نواب سالار جنگ کے تقرر سے قبل کے زمانہ سے متعلق تھا۔ نیز اس قرض کمیشن کے سامنے جو دعوے پیش کئے گئے

تھے ان میں سے ۰۹٫۹۹۵ لاکھ روپے شخصی یا ذاتی ضمانت پر حاصل کئے گئے تھے اور ۲۰٫۸۲ لاکھ روپے سرکاری ضمانت پر حاصل کئے ہوئے قرض میں شمار ہوتے تھے اس کمیشن نے تحقیقات اور غور و فکر کے بعد صرف ۴۸٫۸ لاکھ روپے کی مالیت کے دعووں کو حق بجانب قرار دیا اور باقیماندہ رقوم یعنی ۱٫۹۱۶ لاکھ روپے کے دعووں کو خارج کیا۔

غیر ضروری مصارف میں کمی کرنے کے لئے تخفیف مصارف کی ایک کمیٹی کا بھی قیام عمل میں آیا اور اس کے علاوہ ایک عام مالیاتی بورڈ بھی قائم کیا گیا جس کی غرض یہ تھی کہ مالی اصلاح کے لئے تجاویز پیش کرے۔ اس بورڈ نے کئی برس کی تحقیقات کے بعد حکومت کے سامنے سفارشات پیش کیں اور شاید اس کے نتیجہ کے طور پر حسابات افواج کی شاخ بھی صدر محاسبی میں ضم ہوگئی تاکہ حسابات پر بہتر نگرانی ہو سکے۔

نواب سالار جنگ کے انتقال یعنی سنہ ۱۸۸۳ء کے بعد سے بیسویں صدی کی ابتدا تک حیدرآباد کی مالی حالت کا اندازہ ذیل کی جدول سے ہو سکتا ہے جس میں سنہ ۱۸۸۲ء اور سنہ ۱۸۹۹ء[1] کی اہم مدات آمدنی اور اہم مدات خرچ کے تقابلی اعداد و شمار درج کئے گئے ہیں۔

آمدنی کا تقابلی مطالعہ

	سنہ ۱۸۸۲ء	سنہ ۱۸۹۹ء
مالگزاری	۱۲۵٫۰۶	۳۰۶٫۳۵
آبکاری	۲۹٫ ۳	۴۸٫۶۱
کروڑگیری	۵۱٫۹۵	۵۲٫۰۸
سود	٫۲	۷٫۴۶
ریلیں	۱۷٫۴۲	۱۲٫۹۶
مجموعی آمدنی	۳۰۸٫۳۱	۳۸۵٫۸۳

[1] سنہ ۱۹۰۰ء کو تقابل کے لئے اس لئے منتخب نہیں کیا گیا کہ اس سال قحط کے باعث غیر معمولی حالات پیدا ہوگئے تھے۔

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرصے میں حکومت کی آمدنی میں تقریباً اسی لاکھ روپے کا اضافہ ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ کم وبیش تمام اہم مدات سے آمدنی میں اضافہ ہوا تھا۔ سوائے ریلوں کے مالگزاری کی مجموعی آمدنی میں تقریباً ۴ لاکھ روپے سالانہ کا اضافہ ہوگیا تھا۔ اسی طرح آبکاری کی آمدنی اس عرصے میں ڈیڑھ گنی ہوگئی تھی۔ سود جس سے سنہ ۱۸۸۲ء میں صرف بیس ہزار روپے سالانہ کی آمدنی حاصل ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں تقریباً آٹھ لاکھ آمدنی کے حصول کا ذریعہ بنا ہوا تھا۔

اخراجات کا تقابلی مطالعہ

(لاکھ روپے میں)

	سنہ ۱۸۸۲ء	سنہ ۱۸۹۹ء
مالگزاری	۳۵،۸۰	۴۲،۳۳
عدالتیں	۹،۰۵	۷،۲۷
پولیس	۳۲،۳۰	۲۶،۷۱
تعلیم	۱،۷۷	۷،۸۹
طبابت	۱،۹۴	۶،۱۰
عام نظم ونسق	۱۲،۳۹	۱۶،۰۶
افواج	۶۵،۷۵	۶۹،۲۹
تعمیرات	۱۷،۲۶	۱۷،۱۶
سود	۱،۲۳	۷،۵۹
ادائی قرض	۰	۴،۲۱
مجموعی اخراجات	۲۸۷،۸۶	۳۷۵،۰۸

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عرصے میں آمدنی کے ساتھ ساتھ

حکومت کے اخراجات میں بھی نمایاں اضافہ ہوا لیکن آمدنی کے اضافے کے مقابلہ میں اخراجات کا اضافہ کم تھا۔ یعنی سنہ ۱۸۸۲ء کی نسبت سنہ ۱۸۹۲ء میں آمدنی تو اسی لاکھ کے قریب بڑھ گئی تھی لیکن مجموعی اخراجات میں تقریباً پچاس لاکھ کا اضافہ ہوا۔

اس عرصے میں مالیات حیدرآباد کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ رہی کہ رفتہ رفتہ تعمیری محاصل پر مجموعی اخراجات روبہ ترقی تھے۔ چنانچہ تعلیم پر سنہ ۱۸۸۲ء میں جو رقم صرف ہوئی تھی اس سے سات گنی رقم سنہ ۱۸۹۹ء میں صرف کی جارہی تھی اسی طرح طبابت پر بھی اخراجات میں نمایاں اضافہ ہوگیا تھا سود اور قرضوں کی ادائی کی جانب بھی توجہ کی جارہی تھی۔

اگر انیسویں صدی میں مالیات حیدرآباد پر بحیثیت مجموعی نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے ابتدائی حصے نیز راجہ چندو لال کے طویل دور وزارت میں حکومت حیدرآباد کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ راجہ چندو لال کی علحدگی اور نواب سالار جنگ کے تقرر کی درمیانی مدت میں حالات بد سے بدتر ہوگئے انیسویں صدی کے پہلے نصف حصے میں حکومت حیدرآباد کے مالی مسلک کی اساسی خصوصیت یہ تھی کہ بجائے اس کے کہ اضافہ آمدنی یا تخفیف اخراجات کے ذریعے مالیہ کو مستقل طور پر متوازن کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مالی دشواریوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے مسلسل قرض لیا جاتا رہا۔

نواب سالار جنگ نے اس مضرت رساں مسلک کو ترک کرکے مالیات حیدرآباد کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ مالی اعتبار سے ان کا دور وزارت سابقہ تاریک زمانے کی نسبت بہت زیادہ درخشاں ہے ظاہر ہے کہ ان کے انتقال کے بعد بھی مالی اصلاح کے اس راستے پر قدم بڑھانے کی کوشش کی گئی جو سالار جنگ اپنی زندگی میں دکھلا گئے تھے لیکن اس کے باوجود انیسویں صدی کے اختتامی سال مالیات حیدرآباد کی تاریخ میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ نیز سنہ ۱۹۰۰ء کے شدید قحط نے حیدرآباد کی مالی حالت کو نہایت شدید طور پر متاثر کیا۔ اور موازنے میں ۴۰ ر ۴۴ ر ۱۴ لاکھ روپے کا خسارہ پیدا ہوگیا جس کی تلافی کیلئے

ہماری حکومت نے حکومت ہند سے قرض لیا ۔

اس باب میں ہم نے انیسویں صدی میں مالیات حیدرآباد کے نمایاں تاریخی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ۔ آئندہ باب میں ہم بیسویں صدی کی ابتدا سے گزشتہ جنگ عظیم کے خاتمے تک مالیات حیدرآباد پر تبصرہ کریں گے

تیسرا باب

مالیات حیدرآباد بیسویں صدی کی ابتدا سے گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ تک

سنہ ۱۹۰۰ء کا قحط سنہ ۱۹۰۰ء کے زبردست قحط نے حیدرآباد کو نہایت شدید طور پر متاثر کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو اس کے باعث آمدنی میں نمایاں تخفیف ہوگئی ۔ دوسرے قحط زدہ علاقوں میں لوگوں کی امداد کے لئے جو تدابیر اختیار کی گئیں ان پر بہت زیادہ اخراجات لاحق ہوئے چنانچہ اس سال حکومت کو مجموعی آمدنی ۳۰۱٫۳۹ لاکھ روپے حاصل ہوئی ۔ لیکن مجموعی اخراجات ۴۴۵٫۸۶ لاکھ روپے ہوئے گویا اس طرح موازنہ میں ۱۴۴٫۴۷ لاکھ روپے کا خسارہ ہوگیا

آمدنی میں تخفیف کا سبب اول تو یہ تھا کہ قحط کے باعث سابقہ سال کے مقابلہ میں مالگزاری کی آمدنی ساٹھ لاکھ کے قریب کم ہوگئی تھی دوسرے کروڑگیری کی مجموعی آمدنی میں تقریباً ۳۰ فیصد تخفیف ہوئی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ قحط نے روئی کی فصل کو شدید طور پر متاثر کیا تھا طرفہ یہ کہ لگان برار کی رقم جو معاہدہ کی رو سے ۲۵ لاکھ روپے سالانہ قرار پائی تھی ٹھیک وصول نہ ہوسکی تھی اسی طرح قحط سالی کے باعث جنگلات کی مجموعی آمدنی میں بھی نمایاں تخفیف ہوگئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے قحط زدہ علاقے کے مویشیوں کی چرائی کی سرکاری جنگلات

میں عام اجازت دے دی اور اس کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کیا۔ اس قحط کے باعث حیدرآباد کے مالیہ میں جو زبردست خسارہ ہو گیا اس کی تلافی کے لئے حکومت حیدرآباد نے برطانوی حکومت سے دو کروڑ روپے قرض لئے اس قرض پر چار فیصد سالانہ سود قرار پایا۔ نیز اس قرض کی ادائیگی کے لئے سالانہ قسط بشمول سود گیارہ لاکھ روپے طے ہوئی جس وقت کہ یہ قرض حاصل کیا گیا تھا اس وقت کی شرح مبادلہ کے لحاظ سے دو کروڑ روپے سکہ کلدار کے تقریباً ڈھائی کروڑ روپے حالی ہوتے تھے۔

اس ڈھائی کروڑ روپے حالی کے قرض کو مندرجہ ذیل امور پر صرف کیا گیا۔

غرض	رقم (لاکھ حالی روپے میں)
موازنے میں خسارے کی تلافی کے لئے	۱۰۹/۹۶
دیگر متفرق اداشدنی قرضوں کی ادائی کیلئے	۵۹/۹۰
سرکاری خزانے کی سلک میں اضافے کیلئے	۸۰/۱۴
میزان	۲۵۰/۰۰

مالیات حیدرآباد بیسویں صدی کے آغاز سے گذشتہ جنگ عظیم کی ابتدا تک

بیسویں صدی کے آغاز اور گذشتہ جنگ عظیم کی درمیانی مدت مالیات حیدرآباد کے لئے ایک حد تک سازگار ثابت ہوئی مجموعی آمدنی مسلسل طور پر ترقی پذیر رہی اور حکومت کے موازنہ میں مستقل طور پر بچت ہوتی رہی۔

ذیل کی جدول میں سنہ ۱۹۰۱ء اور سنہ ۱۹۱۳ء میں حکومت حیدرآباد کی آمدنی کے تقابلی اعداد پیش کئے گئے ہیں۔

آمدنی کا تقابلی جدول[1]

مدات آمدنی	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۱۳ء
مالگزاری	۲۱۴/۱۶	۲۴۳/۸۶

[1] اس جدول میں صرف ان مدات کو درج کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر اہم ہیں یا جن میں زیر بحث عرصہ میں کوئی خاص تغیر ہوا ہے۔

کروڑگیری	۵۴ر۵۸	۷۴ر۴۹
آبکاری	۴۴ر۱۷	۸۷ر۵۶
ٹکان برار	۰	۲۹ر۰۰
سود	۵ر۶۵	۳۴ر۷۴
ریلیں	۴۷ر۸۲	۵ر۴۹
افیون	۴ر۷	۷ر۴
جنگلات	۳ر۳۹	۹ر۹۳
معدنیات	۱ر۳۸	۱ر۱۹
زرکاغذی۔ دارالضرب اور مبادلہ	ر۷۶	۳ر۲۴
متفرقات	۱۰ر۳۰	۴ر۳۸
مجموعی آمدنی	۳۹۸ر۰۸	۵۱۷ر۰۰

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں حکومت کی مجموعی آمدنی میں یعنی سنہ ۱۹۰۱ء کی نسبت سنہ ۱۹۱۳ء میں حکومت کی مجموعی آمدنی تقریباً سوا کروڑ روپے بڑھ گئی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس عرصہ میں مالگزاری کی آمدنی میں معتدبہ اضافہ ہوا جس کا سبب اول تو یہ تھا کہ مسلسل کئی سال تک فصلیں اچھی ہوئی تھیں اور کاشتکار نے نہ صرف جملہ مطالبات ادا کردئے تھے بلکہ بقایاؤں کی وصولی بھی ایک حد تک ہوگئی تھی دوسرے سابقہ بندوبست پر نظرثانی اور زیر کاشت رقبہ میں توسیع کے باعث مالگزاری کی آمدنی میں خاصہ اضافہ ہوگیا۔

اس عرصہ میں حکومت کی مجموعی آمدنی کے اضافہ کو آبکاری کی آمدنی کے اضافہ پر محمول کرنا بھی غلط نہ ہوگا چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۱۳ء میں آبکاری کی آمدنی دوگنی ہوگئی تھی۔ اس غیر معمولی اضافہ کا سبب اول تو یہ تھا کہ نشیات کی نسبتاً زیادہ مقدار فروخت ہو رہی تھی دوسرے یہ کہ حکومت نے جاگیرداروں سے حقوق آبکاری حاصل کرلئے تھے۔

کروڑگیری کی آمدنی میں بھی ۳۰ لاکھ روپے سالانہ کا اضافہ بیرونی تجارت میں ترقی کے باعث ہوا۔

بیسویں صدی کے آغاز اور گزشتہ جنگ عظیم کے درمیانی عرصہ میں مالیات حیدرآباد میں ایک نمایاں رجحان یہ بھی رہا کہ سود کی مجموعی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حکومت حیدرآباد نے بالخصوص حکومت ہند کے پرامیسری نوٹوں کی شکل میں کافی سرمایہ محفوظ کیا۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے میں سود کی عام شرحیں بھی نسبتاً اعلیٰ رہیں۔

اس عرصہ میں ریلوں کی آمدنی البتہ نمایاں طور پر کم ہوگئی۔ آمدنی کی یہ کمی اس لئے بھی زیادہ شدید معلوم ہوتی ہے کہ اس سے قبل طریقہ یہ تھا کہ ریلوں کی مجموعی آمدنی کو سرکاری آمدنی میں اور مجموعی اخراجات کو سرکاری اخراجات میں شریک کردیا جاتا لیکن سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد سے یہ طریقہ ترک کردیا گیا اور سرکاری موازنہ میں ریلوں کا صرف خالص منافع جمع کیا جاتا۔

مندرجہ ذیل جدول میں سنہ ۱۹۰۱ء اور سنہ ۱۹۱۳ء میں حکومت حیدرآباد کے اخراجات کے تقابلی اعداد درج کئے گئے ہیں۔

اخراجات کا تقابلی مطالعہ[1]

	سنہ ۱۹۰۱ء	سنہ ۱۹۱۳ء
مالگزاری	۴۱ر۰۵	۳۴ر۲۷
عدالتیں	۷ر۳۳	۹ر۴۳
پولیس	۲۶ر۵۰	۳۲ر۰۸
تعلیم	۷ر۶۰	۱۱ر۶۰
طبابت	۵ر۹۶	۷ر۶۳
عام نظم و نسق	۱۸ر۹۱	۲۰ر۶۳
افواج	۶۴ر۳۶	۵۳ر۲۴

[1] اس جدول میں صرف ان مدات کو درج کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر اہم ہیں یا جنہیں زیر بحث عرصہ میں کوئی خاص تغیر ہوا ہے

تعمیرات	۱۲٫۸۸	۲۹٫۴۵
سود	۶٫۹۲	۸٫۸۸
ادائی قرض	۶٫۷۱	۱۷٫۷۷
مجموعی اخراجات	۳۸۲٫۶۸	۴۲۳٫۸۷

مندرجہ بالا جدول کے دیکھنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ مجموعی اخراجات میں مجموعی آمدنی کی نسبت کم اضافہ ہوا تھا۔ یعنی بیسویں صدی کے آغاز سے گذشتہ جنگ عظیم تک مجموعی آمدنی میں تو تقریباً سوا کروڑ روپے کا اضافہ ہوا تھا لیکن برخلاف اس کے مجموعی اخراجات کے اضافہ کی مقدار نصف کروڑ بھی نہ تھی۔

اس عرصہ میں مالیات حیدرآباد میں ایک قابل ذکر رجحان یہ کار فرما رہا کہ افواج کی مد پر اخراجات روبہ تخفیف رہے لیکن تعمیری محکموں پر مصارف میں اضافہ ہوتا رہا چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء کی نسبت سنہ ۱۹۱۳ء میں فوجی اخراجات میں ۱۰ لاکھ سے زائد تخفیف ہوئی تھی لیکن تعلیم، طبابت اور تعمیرات کے اخراجات میں علی الترتیب تقریباً ۹۰ فیصد، ۳۰ فیصد اور ۱۳۰ فیصد کا اضافہ ہوا تھا اسی طرح ادائی قرض کے لئے جو سالانہ رقم مختص کیجاتی تھی اس میں بھی اضافہ ہوگیا تھا

مالیات حیدرآباد گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں مالیات حیدرآباد کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء کا موازنہ جب پیش کیا گیا تو اس وقت جنگ کی ابتدا ہوچکی تھی اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سنہ ۱۹۱۴ء تا سنہ ۱۹۱۸ء یعنی پانچ برس کے عرصہ میں حکومت حیدرآباد کی مجموعی آمدنی اور مجموعی اخراجات پر نظر دوڑالیں۔

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۱۵ء	سنہ ۱۹۱۶ء
آمدنی	۵۶۴٫۸۶ لاکھ	۵۷۰٫۳۶ لاکھ	۵۹۵٫۲۷ لاکھ
اخراجات	۴۹۸٫۲۸ لاکھ	۴۸۸٫۴۷ لاکھ	۵۲۵٫۸۶ لاکھ

بچت	۵۸، ۶۶ لاکھ	۸۹، ۱۸ لاکھ	۸۶، ۵۲۵ لاکھ

	سنہ ۱۹۱۷ء	سنہ ۱۹۱۸ء
آمدنی	۰۵، ۶۰۱ لاکھ	۵۱، ۶۰۷ لاکھ
اخراجات	۰۹، ۵۴۳ لاکھ	۰۹، ۵۹۷ لاکھ
بچت	۶۶، ۵۸ لاکھ	۴۲، ۱۰ لاکھ

چونکہ جب سنہ ۱۹۱۴ء کا موازنہ مرتب کیا گیا اس وقت جنگ کو شروع ہوئے محض چند ماہ گزرے تھے اور جنگی اخراجات کا کوئی قطعی اندازہ نہ ہوسکتا تھا اس لئے اس مقصد کے لئے کوئی علیحدہ رقم مختص نہیں کیگئی تھی۔ ظاہر ہے کہ حکومت کی مالی خوشحالی روئی اور تل سے وابستہ تھی اور چونکہ یہ بیشتر غنیم ممالک کو برآمد کئے جاتے تھے اس لئے یہ اندیشہ تھا کہ رسد طلب کے مقابلہ میں بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ مختلف دشواریوں کے باعث برآمد میں جو نمایاں تخفیف ہوگی اسی کے مساوی تخفیف اگر درآمد میں نہ ہوسکی تو برطانوی سکوں کی طلب عثمانیہ سکوں کے مقابلہ میں بہت بڑھ جائے گی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عثمانیہ سکوں کی قدر میں شدید تخفیف ہوگی اس طرح یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ برطانوی سکوں کا ذخیرہ جس پر جنگی اخراجات اور ریلوے کی ادائیگیوں کا بار بھی پڑ رہا تھا کہیں بہت ناکافی نہ ثابت ہو

سنہ ۱۹۱۵ء میں حیدرآباد لیہ جنگ سے متاثر ہو چلا۔ باوجود اس کے کہ روئی اور تل کی فصلیں بہت اچھی نہیں ہوئی تھیں انکی بہت سی مقدار فروخت نہ ہوسکی قیمتیں بہت کم تھیں علاوہ ازیں حالی روپیہ کی قدر مبادلہ اس قدر کم ہو چکی تھی جس کی مثال سابقہ تاریخ زر میں اس وقت سے موجود نہ تھی جب سے کہ حالی اور کلدار کی انتہائی اور اقل ترین شرحوں کا تعین ہوا تھا۔ یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ حکومت کہیں حالی روپیوں کو چلن سے علیحدہ کرنے اور بمبئی کے ذخیرہ پر روپیہ کی ہنڈیاں دینے کے لئے مجبور نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ حکومت عثمانیہ سکوں کے عوض برطانوی سکے نہیں حاصل کر سکتی تھی اور اس لئے برطانوی سکوں کا ذخیرہ جو اکتوبر سنہ ۱۹۱۵ء

میں ۹۱ لاکھ تھا اکتوبر ۱۹۱۶ء میں صرف (۱۶۰) لاکھ رہ گیا تھا۔ ۴۰ لاکھ کی اس کمی کے باعث ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اخراجات میں شدید تخفیف کے بغیر مالیات حیدرآباد کی کیفیت ناگفتہ بہ ہو جائے گی لیکن سکہ حالی کی بیرونی شرح مبادلہ کے متعلق یہ خدشہ بڑی حد تک بے بنیاد ثابت ہوا اور شرح مبادلہ کے برقرار رکھنے میں برطانوی سکوں کا ذخیرہ اتنے شدید طور پر متاثر نہیں ہوا جیسا کہ اندیشہ تھا۔

جنگ کے پہلے سال ہی سے ہزہائنس نے دو سواروں کی رجمنٹوں کے مصارف اپنے ذمہ لے لئے تھے اس کے علاوہ ۱۹۱۵ء کے دوران میں ۳ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم حکومت برطانیہ کو مسلسل ادا کیجاتی رہی۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ پرنس آف ویلز فنڈ۔ ایک لاکھ روپیہ امپریل انڈین ریلیف فنڈ اور پچاس ہزار روپیہ انجمن صلیب احمر کو دئے گئے اس طرح بحیثیت مجموعی اکتوبر ۱۹۱۶ء تک حکومت حیدرآباد کو ۴۰ لاکھ روپے سے زائد جنگی مصارف برداشت کرنے پڑے۔

۱۹۱۶ء کے متعلق خطرہ یہ تھا کہ اس سال غیر معمولی مالی دشواریاں اور پیچیدگیاں پیش آئیں گی لیکن حالات اس کے بالکل برعکس رہے۔ روز افزوں قیمتوں اور بڑھتی ہوئی برآمد کا دور دورہ ہو گیا جس کے باعث سارے سابقہ اندیشے باطل ثابت ہوئے۔ اس کے دو اسباب تھے اول تو یہ کہ اتحادی بحریہ سمندری راستوں پر حاوی ہو گیا تھا جس کے باعث بیرونی تجارت زیادہ متاثر نہیں ہوئی۔ دوسرے اس سال نہ صرف فصول نہایت عمدہ ہوئی تھیں بلکہ جاپانی تاجروں نے ان کی طلب میں نمایاں اضافہ کر دیا تھا چنانچہ ۱۹۱۶ء کی ابتداء ہی میں نہ صرف سابقہ سال کی بچی ہوئی پیداوار فروخت ہو گئی بلکہ اس سال کی ساری فصلیں بھی بہت جلد نمایاں منافع پر ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ ۱۹۱۵ء میں عام شکایت یہ تھی کہ اجناس کی قیمتیں کم اور خریدار مفقود ہیں۔ لیکن دوسرے سال اس کے برعکس شکایت یہ تھی کہ مال اتنی تیز رفتار سے فروخت ہو رہا تھا کہ بمبئی کے بازاروں میں اسے پہنچانا تک دشوار ہو گیا تھا۔ مقدار برآمد کے اضافہ اور مقدار

درآمد کی مسلسل تخفیف نے حالات کا رخ پلٹ دیا ۱۹۱۵ء میں حالی سکے کی شرح مبادلہ کا رجحان تخفیف کی جانب تھا جس کے باعث برطانوی سکوں کا ذخیرہ متاثر ہو رہا تھا لیکن ۱۹۱۶ء میں شرح مبادلہ اپنی بیشترین حد تک پہنچ گئی اور اس پر ۵ ماہ تک قائم رہی برطانوی سکوں کے عوض ۱۱۶ روپیہ کی شرح سے بحیثیت مجموعی (۱۸۶) لاکھ روپے سکہ عثمانیہ خزانہ سے اور (۱۰۵) لاکھ روپے کے نئے سکے دارالضرب سے جاری ہوئے۔ عثمانیہ سکوں کی طلب ایک منزل پر تو اس قدر شدید ہو گئی تھی کہ حالات کو قابو میں رکھنا محال معلوم ہوتا تھا۔ خزانے کی سلک روبہ تخفیف تھی اور دارالضرب کو شب و روز کام کرنا پڑ رہا تھا۔ برطانوی سکوں کی بقایا سلک دو کروڑ روپے سے تجاوز کر چکی تھی اور تسکیک کے لئے چاندی خریدی گئی تھی۔ ۱۹۱۶ء کے خاتمے تک طبی اور امدادی اغراض کے چندوں سے قطع نظر جن کی مجموعی مقدار تین لاکھ سے بڑھ چکی تھی پچہتر لاکھ برطانوی روپے دئے جا چکے تھے اور ۱۹۱۷ء کے موازنے میں اس غرض کے لئے انتالیس لاکھ کی گنجایش رکھی گئی تھی۔

۱۹۱۷ء مالی اعتبار سے نہایت مایوس کن ثابت ہوا باوجود اس کے کہ اس سے نہایت خوشگوار توقعات وابستہ کر لی گئی تھیں بے وقت کی طوفانی بارش نے ۱/۲ فصول کو قطعی طور پر تباہ کر دیا اور یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ شاید تجارت خارجہ بہت بری طرح متاثر ہو گی لیکن روئی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے حالات کو بڑی حد تک سنبھال لیا ریلوں اور کروڑگیری کی آمدنی میں نمایاں تخفیف ہوئی لیکن بڑھتی ہوئی قیمتوں نے مالگزاری کی ادائی کی مقدرت کاشتکاروں میں پیدا کر دی۔ تجارت برآمد میں تخفیف کے باعث مالی پیچیدگیوں کا سلسلہ قائم رہا۔ طرفہ یہ کہ حکومت ہند کے دستورالعمل کی اشاعت نے چاندی کی قیمت اتنی بڑھا دی کہ تسکیک میں کوئی منافعہ باقی نہ رہا۔ آخر مجبور ہو کر حکومت نے چھ فیصدی سود سے پچہتر لاکھ روپے کے قرض کا اعلان کیا۔

مندرجہ ذیل جدول[1] میں گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اہم مدات آمدنی کے تقابلی اعداد پیش کئے گئے ہیں۔

	۱۹۱۴ء	۱۹۱۵ء	۱۹۱۶ء	۱۹۱۷ء	۱۹۱۸ء
مالگزاری	۲۵۸٫۱۰	۲۸۵٫۱۰	۲۸۳٫۹۵	۲۹۲٫۶۰	۲۹۸٫۲۱
کروڑگیری	۸۷٫۹۶	۷۰٫۲۵	۷۹٫۱۷	۷۰٫۴۰	۵۸٫۴۳
آبکاری	۹۶٫۳۷	۱۰۲٫۳۱	۱۰۴٫۷۹	۱۰۹٫۴۴	۱۱۶٫۵۱
افیون	۴٫۷۷	۹٫۱۷	۱۰٫۳۴	۱۱٫۲۳	۱۱٫۰۰
جنگلات	۱۰٫۸۴	۸٫۶۸	۷٫۷۰	۷٫۱۲	۶٫۴۶
سود	۳۶٫۷۳	۳۵٫۳۸	۳۹٫۰۹	۴۰٫۴۰	۴۹٫۱۵
دارالضرب (زرکاغذی منافع)	۲٫۳۵	٫۷۸	۵٫۱۵	۴٫۸۳	۳٫۷۰
ریلیں	۹٫۳۵	۲٫۴۸	۴٫۵۳	۵٫۴۰	۳٫۰۱

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اہم مدات آمدنی کے تقابلی جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالگزاری کی آمدنی میں دوران جنگ میں اضافہ ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ قیمتیں برابر بڑھتی رہیں اور کاشتکاروں نے اپنے سارے مطالبات بے باق کر دئے علاوہ ازیں مالگزاری کی آمدنی میں اس اضافہ کی وجہ یہ بھی تھی کہ مجموعی زیر کاشت رقبے میں بھی توسیع ہوئی۔

۱۹۱۴ء میں حسب دلخواہ موسمی حالات وغیرہ کے باعث اور اضافہ برآمد کی وجہ سے کروڑگیری کی آمدنی بڑھی۔ ۱۹۱۵ء میں کروڑگیری کی آمدنی میں تجارتی دشواریوں کے باعث تخفیف ہوئی۔ لیکن ۱۹۱۶ء میں بحری نقل و حمل کے بہتر حالات اور جاپانی بازاروں کے

[1] اس جدول میں صرف ان مدات کو درج کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر اہم ہیں یا جن میں گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں کوئی خاص تغیر ہوا ہے۔

حصول کے باعث اس آمدنی میں اضافہ ہوا۔ لیکن سنہ ۱۹۱۸ء میں کروڑگیری کی آمدنی میں تخفیف کا سبب یہ ہوا کہ اول تو تجارت برآمد کم ہوگئی دوسرے قیمتی دھاتوں کی برآمد کم کردی گئی تیسرے غذائی نگرانی کے محکمے نے غذائی اجناس کی برآمد پر پابندی عاید کردی۔

آبکاری کی آمدنی میں بھی دوران جنگ میں بڑھتی ہوئی قیمتوں اور تجارتی گرم بازاری کے باعث مسلسل اضافہ ہوا۔

دوران جنگ میں سود کی آمدنی اس لئے برابر بڑھتی رہی کہ اول تو زیادہ رقوم مشغول کی گئیں دوسرے شرح سود میں نمایاں اضافہ ہوگیا تھا۔

جنگ کے ابتدائی سالوں میں مسافروں کی کثرت کے باعث ریلوں کی آمدنی بھی بڑھی۔

افیوں و گانجے کی مد سے آمدنی گذشتہ جنگ کے دوران میں مسلسل بڑھتی رہی۔

اخراجات کی تقابلی جدول [۱]

	سنہ ۱۹۱۴ء	سنہ ۱۹۱۵ء	سنہ ۱۹۱۶ء	سنہ ۱۹۱۷ء	سنہ ۱۹۱۸ء
مالگزاری	۴۹٫۰۰	۵۱٫۳۱	۵۴٫۹۸	۵۵٫۷۷	۵۷٫۱۷
سود	۶٫۹۷	۶٫۹۴	۵۴٫۹۸	۵۵٫۷۷	۵۷٫۱۷
عام نظم و نسق	۲۰٫۶۲	۲۱٫۴۰	۲۱٫۹۱	۲۲٫۵۲	۲۲٫۸۱
عدالتیں	۱۰٫۲۰	۱۰٫۱۱	۹٫۹۷	۹٫۸۱	۱۰٫۴۳
پولیس	۳۵٫۰۶	۳۴٫۳۲	۳۵٫۲۰	۳۸٫۶۴	۴۷٫۱۹
تعلیم	۱۱٫۹۴	۱۳٫۱۰	۱۵٫۱۱	۱۶٫۷۰	۲۲٫۴۵
طبابت	۷٫۴۷	۸٫۹۶	۹٫۴۲	۱۵٫۹۵	۱۳٫۲۸
قرضوں کا تصفیہ	۷۶٫۶۸	۲۷٫۷۵	۳۴٫۴۰	۲۷٫۸۱	۲۷٫۱۲۹

[۱] اس جدول میں صرف ان مدات کو درج کیا گیا ہے جو غیر معمولی طور پر اہم ہیں یا جن میں گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں کوئی خاص تغیر ہوا ہے۔

کارہائے عامہ	۳۶٫۳۹	۳۸٫۴۰	۴۵٫۵۰	۴۲٫۵۲	۵۴٫۰۷
افواج[۱]	۵۴٫۱۴	۵۲٫۳۱	۵۱٫۱۷	۵۰٫۱۱	۵۴٫۳۲

گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اہم مدات اخراجات کے تقابلی مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالگزاری اور عام نظم ونسق پر مجموعی اخراجات برابر بڑھتے رہے۔ دوسرے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ کے باعث ملک کی تعلیمی وتعمیری ترقی میں رخنہ نہیں پڑا۔ چنانچہ تعلیم اور کارہائے عامہ دونوں پر اخراجات میں کسی قسم کی تخفیف نہیں کیگئی بلکہ ان میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اخراجات کے امداد کے تقابلی مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے پہلے سال ۶۲٫۶۷ لاکھ روپے کی رقم قرضوں کی واپسی کے سلسلہ میں صرف کیگئی تھی لیکن اس کے بعد کے سالوں میں اس میں بے حد تخفیف ہوگئی

گذشتہ جنگ عظیم کے دوران میں مالیات حیدرآباد پر راست طور سے جو بار پڑا اس کی تفصیلات ذیل کی جدول میں پیش کیگئی ہے۔

	کلدار (لاکھ روپے میں)
(۱) بری جنگ سے متعلق امداد	۱۱۱٫۰۰
(۲) بحری جنگ سے متعلق امداد	۱۵٫۰۰
(۳) جنگی امدادی امور سے متعلق چندے	۳٫۵۰
(۴) جنگی خدمات سے متعلق امداد	۳٫۲۴
جملہ ایسی رقوم جو ہمیشہ کے لئے دیدی گئیں	۱۳۲٫۷۴
(۵) سنہ ۱۹۱۶ء کے چار فیصد کے قرضے میں حصہ	۳۹٫۰۰

[۱] اس جدول میں جو فوجی اخراجات درج کئے گئے ہیں وہ معمولی فوجی اخراجات کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے اس میں جنگ کے باوجود کوئی معتدبہ اضافہ نہیں معلوم ہوتا۔

(٦) سنہ ١٩١٧ء کے جنگی قرضہ میں حصہ	٢٥ ر ١ ر ٦
مجموعی رقمی امداد جو بطور قرض دیگئی	٢٥ ر ١٠٠ ر ١١
میزان	٩٩ ر ٤ ر ٢٢

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ کے سلسلہ میں مالیات حیدرآباد کو ڈھائی کروڑ روپے کے قریب جس میں سے کم رقم قابل واپسی تھی) باربرداشت کرنا پڑا۔

ظاہر ہے کہ اتنی بڑی رقم سے دستبرداری حاصل کرنے کے سلسلہ میں کافی ایثار کرنا پڑا چنانچہ حیدرآباد میں ریلوں کی تعمیر کے لئے جو ذخیرہ قائم کیا گیا تھا وہ اسی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ گدگ ریلوے کی تعمیر کو روک دیا گیا اور ورنگل لبہارشاہ لائن کی ابتدا ہی نہ ہو سکی۔ اگر جنگ مالیات پر اثر انداز نہ ہوئی ہوتی تو ریلوں میں دو سو میل سے زائد اضافہ ہو چکا ہوتا۔

یہ تو گویا جنگ کے راست مصارف تھے لیکن اس سلسلے میں ان بالواسطہ مالی خساروں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو ریاست کو جنگ کے باعث بھگتنے پڑے۔ حکومت حیدرآباد نے روپے کے تمسکات اور کاغذی تمسکات کی شکل میں جو سرمایہ مشغول کیا تھا اور جس کی مقدار ایک لاکھ سے زائد تھی اس کی قیمت میں راست کمی ہوئی روپے کے تمسکات کی قدر میں بظاہر تو ایک کروڑ سے زائد کا اضافہ ہو گیا تھا لیکن ان کی مجموعی بازاری قیمت حسب سابق ٥ ر ٤ کروڑ روپے تھی۔

چوتھا باب

مالیات حیدر آباد گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد سے سنہ ۱۹۳۹ء تک

گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمہ اور سر اکبر حیدری کے تقرر کی درمیانی چار سالہ مدت مالیات حیدر آباد میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ سوا اس کے کہ اس عرصے میں وہ عارضی اثرات جو جنگ کے باعث مالیات حیدر آباد پر کارفرما رہے تھے رفتہ رفتہ زائل ہو گئے۔ مثلاً جنگ کے دوران میں مجموعی آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا تھا لیکن جنگ کے خاتمے کے دوسرے سال ہی حکومت کی مجموعی آمدنی میں خاصی تخفیف ہو گئی یعنی مجموعی آمدنی ۵۱ ،۶۰۷ لاکھ سے ۳۲ ،۵۶۷ لاکھ ہو گئی۔

مالگزاری کی آمدنی تو کم ہو گئی لیکن کروڑگیری کی آمدنی میں نمایاں اضافہ ہوا جس کا سبب یہ تھا کہ تجارتی لین دین پر سے وہ پابندیاں اٹھ گئی تھیں جو جنگ کے دوران میں کروڑگیری کی آمدنی میں تخفیف کا سبب بنی رہی تھیں اس عرصے میں حکومت کے اخراجات کم و بیش یکساں رہے

سر اکبر کا تقرر اور ان کی مالی اصلاحات — سنہ ۱۹۲۲ء سے البتہ مالیات حیدر آباد میں ایک جدید دور کا آغاز ہوا جب کہ سر اکبر نے مالیات حیدر آباد کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں

میں لی اور دوررس مالی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔

سب سے پہلے تو یہ کہ مدات آمدنی واخراجات کی سابقہ تقسیم میں تغیر کیا گیا۔ مختلف مدون کو باضابطہ اصولوں کے تحت قائم کیا گیا اور اخراجات و آمدنی دونوں میں مختلف مدات کے نشانات سلسلہ میں یکسانیت پیدا کیگئی۔ تعلیم، طبابت، پولیس وغیرہ کو جن کی آمدنی محض اتفاقی و برائے نام ہوتی تھی آمدنی کے تختہ سے خارج کردیا گیا اور انہیں صرف مطبوعہ حسابات میں شریک رکھا گیا۔ واپسی کی رقوم کو جنہیں اب تک ایک ہی مد کے تحت رکھا جاتا تھا انہیں اب اس آمدنی سے منہا کیا جانے لگا جس سے کہ وہ متعلق تھیں۔ یہی صورت معاوضوں کے ساتھ بھی اختیار کیگئی متفرقات کے تحت متعدد مدات کو شریک کرلیا گیا تھا چنانچہ انہیں علیحدہ علیحدہ قائم کیا گیا ٹیلیفون کو سائنٹفک مد سے جدا کر کے تجارتی اور نیم تجارتی مد میں شامل کیا گیا۔ زراعت، علاج حیوانات اور امداد باہمی کی علیحدہ علیحدہ مدات قائم ہوئیں۔ انسداد قحط۔ ادائی قرض فاضل رقوم کے شغل اصل اور تمسکات کی خرید و فروخت کے لئے جدا جدا مدات قائم ہوئیں۔ اس نئی تقسیم کی غرض صرف یہی تھی کہ ہر نوع کی آمدنی اور اخراجات کو صحیح طور پر واضح کیا جاسکے نیز غیر معمولی و معمولی اخراجات کے درمیان امتیاز قائم ہوسکے۔ مثال کے طور پر سکہ سازی کا منافع جسے آمدنی کا ایک مستقل ذریعہ تصور کرنا صحیح نہیں۔ آمدنی کے معمولی ذرائع میں شمار نہ ہونا اسی طرح ایسے اخراجات جو لازمی طور پر ایک معینہ مدت کے بعد لاحق ہوتے ہیں مثلاً قحط سے متعلق اخراجات کو مختلف سالوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا گیا کہ جس سال قحط نمودار ہو اس سال کے موازنے میں اخراجات بہت زیادہ نہ معلوم ہوں۔

مدات محفوظ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں مالیات حیدرآباد کے ایکا اور جزو کی وضاحت کردی جائے جو سر اکبر کا مرہون منت ہے مالیات حیدرآباد کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد سر اکبر نے مختلف مقاصد اور اغراض کے پیش نظر مستقل ذخیرے قائم کئے جن کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

محفوظ سکہ قرطاس اس محفوظ کے قیام کا مقصد زر کاغذی کی پشت پناہ بننا ہے۔ حیدرآباد واحد ریاست ہے جہاں حکومت کا اپنا زر کاغذی رائج ہے۔ ۱۹۱۸ء کے قانون زر کاغذی کی دفعہ نمبر (۹) کی رو سے یہ پابندی عاید ہے کہ زر کاغذی کے سلسلہ میں نقدی کی بجائے حکومت ہند کے تمسکات۔ حکومت حیدرآباد کے تمسکات یا کسی دوسری قسم کے تمسکات گردش میں نوٹوں کی مجموعی تعداد میں ایک تہائی حصہ کی مالیت کے مساوی رکھے جائیں۔ چنانچہ اس کے پیش نظر تقریباً ۵ کروڑ روپے کو مستند تمسکات میں مشغول کیا گیا ہے جس سے کم و بیش پچیس لاکھ روپے سالانہ کی آمدنی حاصل ہوتی ہے

محفوظ استقامت سکۂ عثمانیہ گذشتہ جنگ عظیم نیز سر اکبر کے تقرر سے قبل حکومت حیدرآباد بھی کم و بیش ان تدابیر کی تقلید کرتی تھی جو حکومت ہند نے روپے اور اسٹرلنگ کی درمیانی شرح تبادلہ کے استحکام کے لئے اختیار کی تھیں یوں تو ۱۹۰۹ء میں ۹۰ لاکھ روپے کے اضافہ سے ایک ذخیرہ کے قیام کا حکم صادر ہوا تھا تاکہ برطانوی سکوں کی بڑھتی ہوئی طلب کی تکمیل ہوسکے اور عثمانیہ سکوں کی شرح تبادلہ کو برقرار رکھا جائے لیکن ۱۹۱۱ء تا ۱۹۲۱ء جو چاندی سکہ سازی کی غرض سے خریدی گئی تھی اس کی فروخت کے سلسلے میں (۶۰) لاکھ کے قریب نقصان ہوا اسی طرح کلدار ذخیرہ میں جو پرامیسری نوٹ تھے ان کی فروخت پر ۱۲ لاکھ کا خسارہ ہوا۔ چنانچہ جب بالآخر سر اکبر نے محفوظ استقامت سکۂ عثمانیہ کو قائم کیا تو اس کی ابتدا ڈھائی لاکھ روپیوں کے پرامیسری نوٹوں سے کی۔

سر اکبر کی اس مالی اصلاح کی جس قدر بھی ستائش کی جائے کم ہے چنانچہ اس اقدام کی افادیت کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ اس کے کئی برس بعد انگلستان اور امریکہ نے اس طریقے کے فوائد سے متاثر ہوکر حیدرآباد کی تقلید میں اپنے یہاں بھی استحکامی ذخیرے قائم کئے۔

اس ذخیرے کا تمام تر مقصد یہ ہے کہ حالی اور کلدار سکوں کی شرح تبادلہ کو معینہ حدود

کے اندر رکھا جائے اگر بازاری شرح تبادلہ اس شرح تبادلہ سے کم یا زیادہ ہو جائے جس کا تعین حکومت کی جانب سے ہوا ہے تو حکومت نے اپنے سر یہ ذمہ داری لی ہے کہ وہ مقررہ شرح پر حالی و کلدار زر فراہم کرے اس طرح جو نقصان ہوگا اس کی تلافی اس ذخیرے کے ذریعے کیجا سکتی ہے یہ ذخیرہ جو سکہ سازی یا اجرائی زر کے مجموعی منافع پر مشتمل ہے سنہ ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں ۱۶۲ ر ۳۶ کروڑ روپے تک پہنچ چکا تھا۔

محفوظ ادائی قرضہ | سنہ ۱۹۲۱ء میں حکومت حیدرآباد کا سرکاری قرضہ ڈھائی کروڑ روپے سے تجاوز کر چکا تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۹۱ء کے قرض کی ادائیگی اور ادائی قرض کے ذخیرے کی خاطر پچاس لاکھ کی رقم علحدہ کی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر سال دس لاکھ روپے اس مقصد کے لئے جمع کر دئے جایا کریں۔ اس ذخیرے کے تحت سنہ ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں سوا تین کروڑ روپے سے زائد رقم جمع ہو چکی تھی۔

محفوظ قحط | تجارتی کساد بازاری یا قحط کے مقابلہ کے لئے جن کا ایک معینہ مدت کے بعد ذرا پیشتر ہونا ناگزیر ہوتا ہے ضرورت اس کی تھی کہ پہلے سے سامان کر لیا جائے۔ اندازہ یہ کیا گیا کہ ہر بیس برس کے عرصے میں اس مقصد کے لئے تقریباً تین کروڑ روپے کی رقم درکار ہوتی ہے چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر سال اس مقصد کے تحت پندرہ لاکھ روپے کی رقم محفوظ کر دیجائے ظاہر ہے کہ ان پندرہ لاکھ میں قحط سالی یا تجارتی کساد بازاری کے ان اثرات کی تلافی کے لئے رقوم شامل نہیں تھیں جو مالگزاری یا سرکاری آمدنی کی دوسری مدات پر رونما ہوتی ہیں اور جن کی تلافی اس زائد آمدنی سے ہونی چاہیئے جو حکومت کو خوشحالی کے دور میں حاصل ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں اس محفوظ کے تحت دو کروڑ نوے لاکھ روپے کے قریب رقم موجود تھی۔

محفوظ صنعتی | ایک ذخیرہ اس غرض سے بھی قائم کیا گیا کہ صنعتی کاروباروں کی مالی امداد کیجائے۔ اس کی مجموعی مقدار سنہ ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں دو کروڑ انیس لاکھ کے قریب تھی

اس ذخیرے کی ایک شاخ صنعتی ٹرسٹ فنڈ کے نام سے موسوم ہے۔ فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ ایک کروڑ کی رقم حیدرآباد کی صنعتوں کی مالی اعانت کے لئے محفوظ کردی جائے چنانچہ اس فنڈ سے متعدد صنعتوں کو نفع پہنچا ہے۔ ایک طرف اس کے ذریعہ نئی صنعتوں کے قیام کی کوشش ہوتی ہے تو دوسری طرف قدیم صنعتوں کی دستگیری کیجاتی ہے۔ اس فنڈ میں ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں تقریباً نوے لاکھ روپے موجود تھے۔

عام ذخیرہ ظاہر ہے کہ حکومت سیونگس بنکوں اور سرکاری بیمے اور پراویڈنٹ فنڈ کے لئے جو رقم وصول کرتی ہے ان کے تحفظ کے لئے بھی ایک ذخیرہ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے بھی ایک عام ذخیرہ قائم کیا گیا۔ اس کے تحت ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں پینسٹھ لاکھ روپے کی رقم موجود تھی۔

سر اکبر نے ان ذخیروں سے قطع نظر تمام اہم سرکاری محکموں کے لئے علحدہ علحدہ ذخیرے قائم کردئے تاکہ ان سے ان کے ان غیر معمولی اخراجات کی تکمیل ہوسکے جن کی گنجائش موازنے میں نہ رکھی گئی ہو۔ ان ذخیروں کا مقصد یہ تھا کہ محکمے خاطر خواہ ترقی کرسکیں اور ان کی راہ میں مالی رخنے نہ پڑیں۔ اس ذخیرے کے تحت ۱۹۴۱ء کی ابتدا میں ایک کروڑ نوے لاکھ کی رقم موجود تھی

سررشتہ واری سبیل بندی مالیہ سر اکبر نے یہ محسوس کیا کہ سالانہ موازنے کے طریقے کے تحت ہر سال کے اختتام پر چونکہ مختلف محکموں کی گنجایش سوخت ہوجاتی اس لئے وہ کوشش یہ کرتے کہ کسی طرح جلد سے جلد اپنی مکمل گنجائش سے استفادہ کرلیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مختلف محکمے ترقی کے طویل المدت منصوبوں کو روبعمل لانے کی کوشش نہ کرتے بلکہ اس کے برخلاف ان کے طرز کار کی آخری غایت یہ ہوتی کہ کسی طرح اپنی ساری رقم صرف کردیں قطع نظر اس سے کہ اس رقم کا استعمال مناسب طور پر ہو یا نامناسب طور پر۔ چنانچہ سر اکبر نے ان نقائص کو دور کرنے کے لئے مالیات حیدرآباد

میں ایک جدید طریقے کی ابتدا کی جو سررشتہ داری سبیل بندی ایسے کے لقب سے مشہور ہے غرض ۱۹۲۲ء اس لئے بھی حیدرآباد کی تاریخ مالیات میں نمایاں اہمیت رکھتا ہے کہ اسی سال سررشتہ داری سبیل بندی کا طریقہ اختیار کیا گیا قبل اس کے کہ ہم اس طریقہ پر تبصرہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود سر اکبر کے الفاظ میں اس اسکیم کی تفصیلات پیش کردیں۔

"میں معمولی سرکاری ابواب آمد و خرچ میں سے خالص عارضی ابواب اور خصوصاً ان ابواب کو جن کا شمار اصلی خرچ سرکاری میں نہ سمجھنا چاہیئے علیحدہ دکھانے کی کوشش کرونگا۔ مثلاً سرمایہ محفوظ کے تمسکات جیسے کہ سرکار عظمت مدار کے پرامیسری نوٹ ہیں کہ انکی فروخت سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کے شامل کرنے سے روشن سلک میں بظاہر ایک معتدبہ اضافہ نظر آجاتا ہے لیکن یہ اضافہ فی الحقیقت سرمایہ محفوظ کی کمی کا نتیجہ ہوتا ہے پس اس سے محاصل سرکاری کے اندازہ کی صحیح شکل میں فرق آجاتا ہے اس طرح سکہ عثمانیہ کی تسکیک سے جو منافعہ ہوتا ہے اور جو سابق میں محفوظ کلدار کے نام سے ایک جدا سرمایہ محفوظ سمجھا جاتا تھا تو ایسے منافع پر ایک باقاعدہ ذریعہ آمدنی کی طرح حصر نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس لئے وہ حسابات میں بطور معمولی ابواب آمدنی کے نہیں دکھایا جاسکتا۔ دوسری جانب قحط کے جملہ اخراجات کو در آنحالیکہ قحط ایک وری وقوعہ ہے جس کا کسی نہ کسی سال آنا ضروری ہے صرف ایسے سال کے مجموعی مخارج کا حصہ سمجھنا جس میں قحط فی الواقع آیا ہو متعلقہ سال کے خرچ میں ایک مبالغہ شدید کی صورت پیدا کردیتا ہے۔"

سررشتہ داری انتظام مالیہ

سررشتہ فینانس میں جن مسائل پر سال آئندہ میں مجھے غور و فکر کرنے کا خیال ہے ان میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مدات محاصل و مخارج کی جو تقسیم چلی آتی ہے اس پر نظرثانی اس طور سے ہو کہ ہر ایک مد اپنے صحیح و مناسب موقع پر نظر آئے اور مختلف سرمایہ جات محفوظ اپنے ذرائع وصول یا اغراض مصارف کے لحاظ سے جن کی بنا پر وہ قائم کئے گئے ہیں علحدہ علحدہ نامزد کئے جائیں اس نظرثانی کی ایک غایت یہ

بھی ہو گی کہ اخراجات کی غرض سے سرکار ابد قرار کے مالیہ کی تقسیم سررشتہ وار کر دی جائے جس کو میں سررشتہ واری انتظام مالیہ کے نام سے موسوم کرسکتا ہوں ۔

سر جان سٹریچی کی ایک تحریر سے جس کو میں ذیل میں نقل کرتا ہوں ظاہر ہوگا کہ سرکار عظمت مدار کے مالیہ کا انتظام جس وقت تک صوبہ واری نہیں ہوا تھا اس وقت تک برٹش انڈیا کے خزانۂ عامرہ سے اس صوبہ کو زیادہ روپیہ نہ ملتا تھا جو سب سے زیادہ مستحق ہوتا تھا بلکہ اس کو سب سے زیادہ روپیہ ملتا تھا جو شور مچانے میں سب سے بڑھ کر ہوتا تھا ۔

"لوکل گورنمنٹوں کے پاس کوئی ذریعہ اس علم کا نہ تھا کہ وہ کس پیمانہ سے اندازہ کر کے گورنمنٹ ہند سے اپنے سالانہ مطالبات کریں ۔ جس خزانہ سے وہ روپیہ حاصل کرتے تھے اس کی دولت کو لازوال سمجھتے تھے محض اس وجہ سے کہ اصل حال سے ناواقف تھے ہر طرف ان کو کسی نہ کسی بات میں ترقی پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اور ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی جو قابل تسلیم بھی تھی کہ اپنے صوبہ اور صوبہ کے باشندوں کے لئے ایسی کثیر سے کثیر رقمیں حاصل کریں جن پر حکومت ہند کو وہ ملک کے مالیہ سے دینے پر آمادہ کر سکیں ۔ اس کو تجربہ سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ جس قدر کم کفایت شعاری سے کام لیں گے اور جس قدر زیادہ تقاضے اپنے مطالبات کی بابت کریں گے اسی قدر گورنمنٹ ہند کو اپنے مطالبات کی ضرورت ثابت کرنے پر آمادہ کر دیں گے ۔

"اگر برٹش انڈیا کے صوبوں کی اس تمثیل کو ریاست ہذا کے سررشتہ پر عاید کیا جاوے یعنی جو سررشتہ زیادہ شور کرے اس کو زیادہ رقم مل جاوے تو اس اصول کے برتنے میں اب سے دس پانچ برس پہلے البتہ عملی مشکلات پیش نہ آسکتی تھیں کیونکہ اس زمانہ میں پانچ یا چھ کروڑ کے کل مالیہ میں سے کروڑ ڈیڑھ کروڑ کی بچت ہو جانی ایک معمولی بات تھی لیکن اب ایسا ممکن نہیں چنانچہ میں ۱۳۳۱ف کے اعداد موازنہ کی تفصیل دکھاؤں گا کہ گو سنین ماضیہ کے مقابلہ میں یہ موازنہ جہاں تک مرتب ہوا ہے زیادہ ترین محاصل کا موازنہ ہے لیکن پھر بھی وہ اخراجات

کے لئے جن کی ادائی سرکار نے اپنے ذمہ پہلے سے قریب قریب لازم کرلی ہے محض کفایت
کرنے کی حد سے زیادہ نہیں۔ پس آئندہ اختیار کرنے کے لئے جو اصول اس وقت میرے
ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ چند سال کے لئے ہر سررشتہ کے واسطے ایک مجموعی سالانہ رقم
منظور فرمائی جائے اور ہر ایسے سررشتہ کو اس مجموعی رقم کے اندر صرف کا ایک بڑی حد تک
پورا اختیار بپابندی ایسی عام قیود کے دیا جاوے جو غیر ضروری وسعت اختیلات اور نامناسب
نظائر پیدا کرنے کی مانع ہوں نیز اس کے حسابات ایک موثر اور بالاستیعاب تنقیح کے تابع کردیئے
جائیں سررشتہ جات پر لازم ہوگا کہ جو اصلاحیں وہ کرنا چاہیں اپنی گنجایش کے اندر کریں۔ اگر کسی سررشتہ
کو سرمایہ پر رقم لگانے کی تحریک کرنی ہو تو اس پر لازم ہوگا کہ جس رقم کو سرمایہ پر لگانا چاہتا ہے
اگر اس کا منافعہ اس سود سے کم ہوتا ہو جو سرکار عالی کو ایسی رقم کے مہیا کرنے کے لئے دینا پڑے
تو سود کی اس کمی کا تکملہ اپنی گنجائش سے کرے محاصل سرکار ابد قرار کو اس طرح سررشتہ وار تقسیم
کرنے اور ہر سال ایسے واقعات کے لئے ایک گنجایش محفوظ کرنے کے بعد جن کا قحط کے مثل اپنے
دورہ میں کسی نہ کسی وقت آنا ناگزیر ہے اگر کوئی فاضل رقم بچ رہے تو پھر اس کے بارے میں
رائے دینا کہ وہ کس طرح مفید طور پر تقسیم ہوسکتی ہے سررشتہ فینانس کا ایک مسرت آمیز فرض
ہوگا۔ لیکن معمولاً اس بچت پر اس سررشتہ کا حق مرجح ہوگا جو اس کے پیدا ہونے کا موجب ہوا
اس کے بعد ان وسعت پذیر سررشتہ جات کا حق ہوگا جیسے کہ تعلیمات۔ حفظان صحت۔ تجارت
صنعت و حرفت۔ توسیع ذرائع آمد و رفت اور آبپاشی ہیں جو رعایا کی ذہنی جسمانی اور معاشی نشو
و نما کا باعث ہوسکتے ہیں لیکن جب تک ایسی بچت فی الواقع خزانہ سرکاری میں داخل نہ ہوجائے
اور صدر المہام صاحبان علاقہ جات پر بھروسہ کیا جائیگا کہ مدت مقررہ کے لئے جو گنجایش معین
کی گئی ہے سالانہ اخراجات ان کے اندر ہی رہیں۔"

اسکیم ۱۳۳۱ف میں منظور فرمائی گئی تھی اور جو قواعد معززباب حکومت سرکار عالی نے
منظور فرمائے تھے انکی موجودہ صورت بشمول ترمیمات مابعد حسب ذیل ہے۔

ف۱۔ ہر سررشتہ کے لئے جو گنجایش رکھی جائے گی وہ آغاز ۱۳۳۲ف سے تین سال کے لئے بدیں شرط مقرر کیجائے گی کہ

(الف) نا مساعد حالات (مثلاً قحط یا شدید گرانی) رونما ہو تو یہ لائق تخفیف ہونگے۔

(ب) اگر ختم سال پر معمولی آمدنی میں کچھ بیشی ہوگی تو زائد رقم مختلف سررشتوں میں اس طریق سے جس طرح کہ سرکار عالی تصفیہ فرمائے زائد گنجائش کے طور پر تقسیم کردی جائے گی۔

شیہ خانہ و سررشتہ جات انتظامی مندرجہ زمرہ (و)

ف۲۔ جن سررشتہ جات خرچ کی صراحت حاشیہ میں کیگئی ہے ان میں سے ہر ایک سررشتہ کو اس کی معمولی گنجایش کے علاوہ اس رقم کے صرف کرنے کا بھی حق حاصل ہوگا جو اس کی آمدنی کی بیشی اور کسی ایسی فیس یا محصول وغیرہ سے وصول ہو جو بطور خاص اس سررشتہ کی انجام دہی کار کے لئے عاید کیا گیا ہو۔

ف۳۔ کسی سررشتہ کو خاص صورتوں میں اس کے اخراجات کے لئے بطور پیشگی رقم اس وقت دیجا سکے گی جبکہ سرکار کو اس کا اطمینان ہوجائے گا کہ رقوم مصارف کی تلافی سررشتہ مذکور کی آمدنی کی بیشی سے ہوسکیگی۔

ف۴۔ تجارتی و مثل تجارتی سررشتہ جات مندرجہ حاشیہ میں سے ہر ایک سررشتہ کے اختیار میں مندرجہ ذیل رقوم رہینگی۔

طباعت۔ برقی۔ ٹیلیفون۔ صنعتی کاروبار۔ صنائع محبس۔ اسٹیشنری ڈپو۔

(الف) خالص رقوم مندرجہ موازنہ بابتہ سررشتہ متعلقہ اگر کوئی مقرر ہوئی ہو۔

(ب) اور آمدنی محصلہ سررشتہ متعلق جس سے اس کو

(۱) کل اخراجات کاروبار صرف کرنے ہونگے۔

(۲) فرسودگی کی بابت مناسب رقم مہیا کرنی ہوگی۔

(۳) سرکار کو (۵) فیصدی کے حساب سے کل سرمایہ پر سود ادا کرنا ہوگا باقی رقم

میں سے سررشتہ اپنی حالت کے لحاظ سے جو نفع برآمد ہو داخل سرکار کرے گا۔

دفعہ ۵۔ سر خرچ کی رقم گنجائش موازنہ کے تابع ہوگی زائد از موازنہ خرچ قاعدہ (۳) کی صورت میں یا اس صورت میں جائز ہوگا جبکہ سررشتہ متعلقہ کی سلک میں اس قدر رقم فاضل سال ماسبق کے حساب سے برآمد ہوکر موجود ہوگی۔ جو اخراجات فرمان خسروی کا بلا تحریک سررشتہ عاید ہوں گے ان کا بار سررشتہ متعلقہ کی بچت پر پڑے گا لیکن اگر سابقہ مستلزمات کی پابجائی کے بعد بچت سررشتہ میں کافی گنجائش نہ ہو تو سررشتہ کو اسی قدر رقم معتادی گنجائش کے علاوہ زائد از موازنہ دیجائے گی۔

دفعہ ۶۔ جو اخراجات بطور فیصدی اور اسکیل کے آمدنی محصلہ پر حسب قواعد ادا کئے جاتے ہیں وہ اور نیز وصولات زائد کی واپسی و وضعات اور معافیات گنجائش موازنہ کے تابع نہ ہونگے۔

دفعہ ۷۔ سررشتہ داری رقوم موازنہ میں سے جو بچت ہوگی وہ بدوران سنین مقررہ سررشتہ متعلقہ کے حساب میں باغراض مصارف جمع رہے گی اور تیسرے سال کے آخر پر جو بچت رہے گی اس کا نصف حصہ دوسری قرارداد کے آغاز پر بطور سابق بچت سررشتہ قائم رہے گی لیکن جو بچت مدات ذیل میں بذریعہ تخفیف ظہور میں آئے گی وہ بحق سرکار جمع ہوگی۔

(۱) مناصب و ماہوارات خاص

(۲) یومیہ جات و معمولات (غیر مشروط الخدمت)

(۳) رسوم

(۴) تخفیف جمعیت بے قاعدہ

(۵) تحریر سررشتہ داران فوج

(۶) تمام ماہوارات بلا خدمت

دفعہ ۸۔ جو مصارف سرمایہ (کیپیٹل اکسپنڈیچر) کسی سررشتہ کے لئے منظور ہو چکے ہیں اس سے زائد مصارف سرمایہ کی درخواست اگر سررشتہ مذکور کرے تو سررشتہ مذکور کو کل مصارف سرمایہ بشمول قدیم و جدید مصارف سرمایہ جس کی درخواست کیگئی ہے پانچ فیصدی کے حساب سے سود ادا کرنے کی گنجایش بھی اپنی رقم معینہ کے اندر یعنی اپنی آمدنی سے رکھنا پڑے گی۔ یہ سررشتہ کی خام آمدنی پر پہلا بار ہوگا۔

دفعہ ۹۔ اخراجات متعلقہ مشاہرہ، الونس، صادر اور ابواب مختصہ نافذ الوقت قانون و قواعد اور اسکیلوں کے پابند ہوں گے۔

دفعہ ۱۰۔ سررشتہ جات کو اپنی معینہ رقوم کے متعلق صادر اور مصارف خاص ابواب مختصہ کے ابواب میں بجز ان ابواب کے جن کا ذکر قاعدہ (۶) میں کیا گیا ہے باہم دیگر تبدیل کرنے کا پورا اختیار حاصل رہے گا ان کو صادر اور ابواب مختصہ سے بھتہ اور اخراجات دورہ میں رقم منتقل کرنے کا اختیار بھی ہوگا۔

دفعہ ۱۱۔ جائدادوں کے نامور ہونے کے باعث جو بچت تنخواہوں اور پرسنل الونسوں کے متعلق ہوگی اس کو مستقل جائدادوں کے قائم کرنے کے کام میں نہیں لایا جاسکیگا لیکن وہ بچت اس کام آسکیگی کہ اس سے بقایا تنخواہ یا ہنگامی خدمت کی تنخواہیں جن کی مقدار بچت کی رقم سے بڑھ کر نہ ہو ادا کیجائے۔ عملہ کی تعداد کا جو معیار ہر سررشتہ کے متعلق سرکار عالی نے سیالرز کمیشن کی تحریک پر مقرر فرمایا ہے اس کے اندر مستقل تخفیف عمل میں لانے سے جو بچت ہو اس کو جدید تقررات اضافہ صادر خاص اخراجات اور سررشتہ متعلقہ کی دوسری اصلاحات پر صرف کیا جاسکیگا۔

دفعہ ۱۲۔ بھتہ و اخراجات دورہ کے لئے جو رقم دیگئی ہے نیز جو گنجایش کارہائے عمارات و شوارع آبپاشی اور ترقیات عامہ کے لئے رکھی گئی ہے اور مرمت و تعمیر کے لئے جو رقم ہر سررشتہ کے اختیار میں دیگئی ہے اس کو مشاہرہ یا صادر پر بجز صرف

منظوری سررشتہ فینانس کے جو صرف بہت ہی خاص صورتوں میں دیجائے گی صرف نہیں کیا جاسکیگا۔

غرض اس طریقے کی نمایاں ترین خصوصیت یہ تھی کہ اس کے تحت بجائے ایک سال کے تین برس کی اساس پر مختلف محکموں کی گنجائش کا تعین ہوتا یعنی ہر سہ سالہ مدت کے لئے پہلے سے اس آمدنی کے بارے میں پیش قیاسی کرلی جاتی جس کی معمولی حالات میں حاصل ہونے کی توقع تھی اور اس اندازے کے پیش نظر نیز دوسرے محکموں سے مشورے کے بعد ہر سررشتہ کے لئے تین سال کی حد تک سالانہ رقم کا تعین کردیا جاتا ہے۔ اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ پیش قیاسی میں نہایت احتیاط و سختی برتی جاتی ہے بلکہ آمدنیوں میں کمی وبیشی کے پہلو بہ پہلو مختلف محکموں کی ضروریات اور ترقی کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے سہ سالہ مدت کے اختتام پر جو محکمہ داری بچتیں ہوتیں انہیں مختلف محکموں میں تقسیم کردیا جاتا۔ اس طرح جو بچتیں حاصل ہوتیں ان سے ایسے امور کے لئے گنجائش فراہم کیجاتی جو ایک معینہ مدت میں مکمل ہوسکتے ہیں اور جن پر مصارف غیر متوالی ہوتے ہیں مثلاً سڑکیں وغیرہ۔
اس کے ساتھ ساتھ اخراجات کے لئے جو لازمی طور پر چند برس کے بعد لاحق ہوتے ہیں مثلاً قحط کے لئے ہر سال رقم محفوظ کردی جاتی ہے تاکہ جس سال قحط نمودار ہو اس سال کا موازنہ بہت زیادہ متاثر نہ ہو اور تعمیری سرگرمیوں میں رخنہ نہ پڑے۔

اس مالی اصلاح کا ایک روشن پہلو یہ بھی تھا کہ اس طرح مختلف محکمے سوچ بچار کے بعد اور دور اندیشی سے اپنی گنجائش سے استفادہ کرسکتے تھے جس کے باعث کفایت ہوئی جلد بازی سے خرچ نہیں کیا جاتا جیسا کہ اگر گنجایش قابل سوخت ہو تو سال کے اختتام سے ذرا قبل عام طور سے ہوتا ہے۔

سررشتہ واری سبیل بندی مالیہ کا طریقہ سنہ ۱۹۲۲ء میں اختیار کیا گیا اور یہ مسلسل بیس برس تک کسی خاص تغیر کے جاری رہا۔ باوجود اس کے کہ محکمہ فینانس کو مختلف محکموں

کی گنجایش میں تخفیف کرنے کا استحقاق ہوتا۔ لیکن بیس برس کے عرصے میں کبھی اس کی نوبت نہ آئی کہ محکمہ فینانس اپنے اس اختیار کو استعمال کرتا بلکہ اس کے بر خلاف اگر ضرورت محسوس کیگئی تو محکموں کے لئے مزید گنجایش فراہم کردیگئی۔

مختصر یہ کہ اس طریقے کے تین مقاصد تھے۔ اول تو یہ کہ ہر محکمے کی رقم کا تعین تین برس کے لئے کردیا جائے دوسرے ان محکموں کو رقم کے استعمال میں بیشتر ین آزادی دیجائے تیسرے یہ کہ سختی سے حسابات کی جانچ ہوتی رہے اور فضول خرچی نہ ہو۔ اس طریقے کے تحت محکموں کو اجازت ہوتی کہ پہلے دو برس میں اپنی ساری بچتوں سے استفادہ کریں جو فالتو بچت باقی رہتی وہ کالعدم ہوجاتی جسے آئندہ سال مختلف محکموں کی ضروریات کے پیش نظر تقسیم کردیا جاتا[1]۔

مالیات حیدرآباد محکمہ داری سبیل بندی مالیہ کے نفاذ سے کساد بازاری کی ابتدا تک

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۲ء یعنی محکمہ داری سبیل بندی کے نفاذ اور سنہ ۱۹۲۹ء یعنی کساد بازاری کے آغاز سے قبل مالیات حیدرآباد پر نظر ڈالی جائے تاکہ ان مالی اصلاحات کے نتائج واضح ہوسکیں جو سر اکبر اپنے تقرر کے بعد روبہ عمل لائے تھے مالی اعتبار سے فی الحقیقت سنہ ۱۹۲۲ء سے سنہ ۱۹۳۹ء کا دور نہایت ساز گار ثابت ہوا۔ حکومت کے موازنے میں مسلسل بچت ہوتی رہی جسے مناسب اور منفعت بخش امور پر صرف کیا گیا۔

محکمہ داری سبیل بندی مالیہ کے تحت پہلی سہ سالہ مدت یعنی سنہ ۱۹۲۳ء تا سنہ ۱۹۲۵ء میں دو کروڑ تیئس لاکھ روپے کی مجموعی بچت ہوتی۔ اس بچت میں سے ایک کروڑ تیئس لاکھ

[1] اس طریقے میں تجربے سے کیا نقائص ظاہر ہوئے اور کن وجوہ کی بنا پر اسے مسلسل بیس برس تک قائم رکھنے کے بعد سنہ ۱۹۴۳ء میں ترک کردیا گیا اس پر آگے چلکر بحث کی گئی ہے۔

روپیے کی رقم ریلوں کی خریدی کے لئے اور ساڑھے اٹھارہ لاکھ روپے کی رقم انسداد قحط کے لئے محفوظ کردی گئی اس کے علاوہ سڑکوں کی تعمیر، انتظامات آبرسانی، شفاخانہ عثمانیہ محکمہ علاج مویشیان اور دارالترجمہ پر بھی رقوم صرف کیگئیں۔

سنہ ۱۹۲۶ء تا سنہ ۱۹۳۶ء کی سہ سالہ مدت میں بحیثیت مجموعی چار کروڑ اٹھارہ لاکھ کی بچت ہوئی۔ اس میں ۱۹ لاکھ روپے ریلوں کی خریدی کے ذخیرہ میں محفوظ کئے گئے اور ایک کروڑ ۲۶ لاکھ روپے مختلف عمارتوں مثلاً جامعہ عثمانیہ اور معتمدی کے لئے رکھے گئے۔ اس کے علاوہ سڑکوں کی تعمیر کے لئے ۸۰ لاکھ روپے، کارہائے بلدیہ یعنی اضلاع و شہر میں انتظامات آبرسانی کے لئے ۷۰ لاکھ روپے عام تعلیم کے لئے ۶۵ لاکھ روپے طبابت کے لئے ۲ لاکھ روپے صنعتوں کے لئے ۱۲٫۵ لاکھ روپے زراعت کے لئے ۲٫۷۵ لاکھ روپے اور علاج حیوانات کے لئے ۳ لاکھ روپے محفوظ کئے گئے۔

مدات آمدنی کا تقابلی جدول[1]

	سنہ ۱۹۲۲ء	سنہ ۱۹۲۹ء
مالگزاری	۳۰۲٫۵۰	۳۴۹٫۱۴
کروڑگیری	۱۲۹٫۶۹	۱۵۷٫۱۳
آبکاری	۱۴۱٫۰۱	۱۶۳٫۷۶
افیون	۱۰٫۲۸	۱۵٫۲۸
جنگلات	۵٫۱۳	۱۵٫۴۱
سود	۵۰٫۵۱	۵۲٫۳۷
دارالضرب، زرکاغذی و مبادلہ	۵٫۵۸	۱۸٫۴۷

[1] اس جدول میں صرف ان ہی مدات کو درج کیا گیا ہے جو خاص طور پر اہم ہیں یا جن میں نمایاں تغیر ہوا ہے۔

ریلیں	۱٫۷۲	۴۷٫۵۷
مجموعی آمدنی	۷۱۱٫۲۴	۹۴۱٫۸۸

آمدنی کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۲ء اور سنہ ۱۹۲۹ء کے درمیانی عرصے میں حکومت کی مجموعی آمدنی بہت زیادہ بڑھ گئی یعنی اس عرصے میں حکومت کی آمدنی میں سوا دو کروڑ روپے سے بھی زائد اضافہ ہوا۔ یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ۱۹۲۹ء کی آمدنی اتنی بلند سطح پر پہنچ گئی تھی جس کی مثال سنہ ۱۹۳۷ء کو مستثنیٰ کرتے ہوئے موجودہ جنگ کی ابتدا تک حیدرآباد کی مالی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آمدنی میں اس غیر معمولی اضافے کا سبب یہ تھا کہ کم و بیش اہم مدات سے آمدنی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اس عرصے میں مالگزاری کی آمدنی میں تقریباً چالیس لاکھ روپے سالانہ کا اضافہ ہوا تھا جس کا سبب سازگار موسمی حالات تھے۔ اسی طرح کروڑگیری اور آبکاری کی آمدنی نمایاں طور پر بڑھ گئی تھی۔ [illegible] الذکر میں اضافے کا سبب یہ تھا کہ محصول برآمد اور محصول درآمد دونوں سے آمدنی بڑھ گئی تھی اور موخر الذکر کی آمدنی سیندھی کی فروخت میں اضافہ کے باعث بڑھی تھی۔

سود کی آمدنی بھی رو بہ ترقی رہتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ سرکاری اماناتوں اور مشغول اصل میں مسلسل اضافہ ہوا تھا۔ لین دین کے اضافے اور کاروباری سرگرمی کے باعث ریلوں کی آمدنی بھی بڑھ گئی تھی۔

مدات اخراجات کا تقابلی جدول[1]

	سنہ ۱۹۲۲ء	سنہ ۱۹۲۹ء
مالگزاری	۶۷٫۶۷	۷۸٫۸۹

[1] اس جدول میں صرف ان ہی مدات کو شریک کیا گیا ہے جو خاص طور پر اہم ہیں یا جن میں نمایاں تغیر ہوا ہے۔

عدالتیں	۱۹٫۷۱	۱۹٫۰۴
پولیس	۵۷٫۴۴	۵۸٫۹۸
تعلیم	۶۵٫۱۱	۷۱٫۷۷
طبابت	۱۵٫۶۳	۱۸٫۸۱
عام تنظم و نسق	۳۵٫۲۶	۳۶٫۷۴
افواج	۶۲٫۳۵	۶۴٫۸۹
تعمیرات	۵۹٫۸۶	۱۱۰٫۱۶
سود	۱۴٫۸۶	۲۱٫۹۴
ادائی قرض	۱۰٫	۱۰٫۰۰
مجموعی اخراجات	۶۶۸٫۸۲	۷۶۳٫۹۰

مندرجہ بالا تقابلی اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعی اخراجات میں تقریباً ایک کروڑ روپے سالانہ کا اضافہ ہوگیا تھا۔ لیکن یہ اضافہ آمدنی کے مجموعی اضافے کا نصف بھی نہ تھا۔

سوائے سود اور تعمیرات کے تمام اہم مدات پر اخراجات کم و بیش یکساں رہے تھے تعمیرات پر سالانہ مصارف دوگنے اور سود پر ڈیڑھ گنے ہو گئے تھے۔

مالیات حیدرآباد کساد بازاری کے دوران میں

گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمے اور موجودہ جنگ کی ابتدا کے درمیانی عرصے میں دنیا ایک مکمل تجارتی چکر سے گذری جس میں توسیع روزگار یعنی گرم بازاری کساد بازاری اور بحران تینوں منازل موجود تھے گذشتہ جنگ کے اختتام کے بعد سنہ ۱۹۲۱ء تک گرم بازاری کے حالات برقرار رہے اس کے بعد سرد بازاری کی کیفیت شروع ہوئی جو سنہ ۱۹۲۴ء تک قائم رہی سنہ ۱۹۲۵ء میں حالات کا رخ تبدیل ہوگیا اور سنہ ۱۹۲۹ء تک کم و بیش ہر ملک میں پیدائش اور روزگار کی سطح

بہت بلند رہی لیکن اس کے بعد کے پانچ سال سنہ ۱۹۳۰ء سے سنہ ۱۹۳۴ء تک بحران و شدید کساد بازاری کی کیفیت رہی۔

ہندوستان میں بھی تقریباً حالات یہی رہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء تا سنہ ۱۹۳۴ء معاشی زندگی پر کساد بازاری کے اثرات رونما ہوتے رہے۔

ظاہر ہے کہ کساد بازاری چونکہ قیمتوں، پیدائش اور روزگار وغیرہ کو نمایاں طور پر متاثر کرتی ہے اس لئے مالیات سے اس کا قریبی رشتہ ہے۔ گذشتہ کساد بازاری کے دوران میں تقریباً ہر ملک کا مالیہ غیر متوازن ہوگیا تھا۔ آمدنی میں نمایاں تخفیف ہوئی تھی اور اخراجات اس تناسب سے نہیں گھٹے تھے جس کے باعث مالیے غیر متوازن ہو گئے تھے اس کی تلافی کے لئے ایک طرف آمدنی میں تخفیف کی کوشش کیگئی تو دوسری جانب حکومت نے تخفیف اخراجات کے مسلک پر عمل کیا تھا جس کے باعث معاشی زندگی متاثر ہوئی تھی۔

چنانچہ کساد بازاری کی تقریباً پانچ سالہ مدت سنہ ۱۹۳۰ء تا سنہ ۱۹۳۴ء میں مالیات حیدرآباد کی کیا کیفیت رہی اس مسئلہ پر ہم نے آئندہ صفحات میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

حیدرآباد کے مالیہ پر کساد بازاری کے اثرات سنہ ۱۹۳۰ء میں ظاہر ہوئے جب کہ آمدنی میں نوے لاکھ سے زائد تخفیف ہوگئی اور اخراجات میں تقریباً چالیس لاکھ روپے کا اضافہ ہوا۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں کساد بازاری نے حیدرآباد کے مالیے کو زیادہ شدید طور پر متاثر کیا یعنی سابقہ سال کی نسبت مجموعی آمدنی میں تو تقریباً نوے لاکھ روپے کی کمی ہوئی لیکن اخراجات بیس لاکھ کے قریب بڑھ گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موازنے میں ۶۷،۳۰ لاکھ روپے کا خسارہ پیدا ہوگیا جس کی تلافی سابقہ بچتوں اور قحط و صنعتی مدات محفوظ کے ذریعے سے کی گئی۔

سنہ ۱۹۳۲ء میں گذشتہ سال کی نسبت آمدنی میں ۴۹،۱۵ لاکھ کا اضافہ ہوا لیکن یہ

اضافہ اس کا ثبوت نہ تھا کہ حالات رو بہ اصلاح ہو چکے بلکہ یہ تمامتر نتیجہ تھا ان رقوم کا جو سہ سالہ مدت کے اختتام پر محکموں کے استعمال کے لئے کالعدم قرار دی گئی تھیں۔ مجموعی آمدنی میں اس اضافہ کے ساتھ ساتھ اس سال مجموعی اخراجات میں بھی تقریباً ۴۶ لاکھ کا اضافہ ہوگیا اس طرح خسارہ کی مجموعی مقدار (۶۱،۲۸) لاکھ روپے ہی۔

۱۹۳۳ء میں سابقہ سال کے مقابلہ میں حکومت کی مجموعی آمدنی میں تقریباً ۱۲ لاکھ روپے کی تخفیف ہوئی لیکن اس کے پہلو بہ پہلو مجموعی اخراجات بھی اکیس لاکھ کے قریب گھٹ گئے۔ چنانچہ اس سال (۶۸،۶۱) لاکھ روپے کا خسارہ ہوا۔

۱۹۳۴ء میں گذشتہ سال کی نسبت حکومت کی مجموعی آمدنی گیارہ لاکھ کے قریب کم ہو گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اخراجات میں تقریباً چودہ لاکھ روپے کی تخفیف ہوئی۔ اس طرح بحیثیت مجموعی چھیالیس لاکھ روپے کا خسارہ ہوا۔

کساد بازاری کے دور یعنی ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۴ء میں مالیات حیدرآباد پر اگر بحیثیت مجموعی نظر دوڑائی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۳۰ء سے کساد بازاری کے اثرات حیدرآباد کے مالیہ پر رونما ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد کو مالی اعتبار سے بدترین حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۳۲ء میں آمدنی میں خفیف سا اضافہ ہوا لیکن اخراجات کے اضافے کی رفتار اس سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوئی۔ ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۴ء میں مجموعی آمدنی برابر رو بہ تخفیف رہی۔ لیکن اخراجات میں اس سے بھی زیادہ سرعت سے کمی ہوتی گئی۔ دوسرے الفاظ میں ۱۹۳۱ء کے بعد سے ۱۹۳۴ء تک ہر سال حیدرآباد کے مالیہ میں خسارہ کی مقدار سابقہ سال کی نسبت کم ہوتی گئی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کساد بازاری کے دور میں اہم مدات آمدنی پر بھی نظر دوڑائی جائے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کساد بازاری نے کن مدات کو زیادہ متاثر کیا اور کن کو نسبتاً کم

کساد بازاری کے دوران میں آمدنی کا تقابلی جدول

	سنہ ۱۹۲۹ء [1]	سنہ ۱۹۳۰ء	سنہ ۱۹۳۱ء	سنہ ۱۹۳۲ء	سنہ ۱۹۳۳ء	سنہ ۱۹۳۴ء
مالگزاری	۲۴۱/۹۴	۳۰۲/۰۲	۳۰۰/۲۵	۳۰۹/۲	۳۰۵/۴	۳۰۸/۵
کروڑگیری	۱۵۷/۱۳	۱۵۷/۵۸	۱۰۴/۴۷	۸۴/۶	۱۰۱/۵	۱۰۰/۲
آبکاری	۱۶۳/۷۶	۱۵۹/۴۰	۱۴۵/۷۲	۱۵۴/۰۰	۱۵۸/۴	۱۶۷/۷
افیون	۱۵/۲۸	۱۵/۳۷	۱۳/۳۶	۱۲/۸	۱۴/۲	۱۶/۳
جنگلات	۱۲/۸۵	۱۵/۴۱	۱۲/۸۲	۱۱/۴	۱۱/۸	۱۳/۱
سود	۵۲/۳۴	۵۵/۹۳	۵۸/۹۴	۵۱/۱	۷۳/۵	۴۳/۸
دارالضرب زرکاغذی مبادلہ	۱۸/۳۷	۱۶/۹۶	۲۱/۴۹	۱۸/۴۵	۲۱/۶۸	۱۹/۳
ریلیں	۴۷/۵۷	۴۵/۷۲	۲۹/۹۶	۴۵/۲	۲۸/۱	۴۶/۸
مجموعی آمدنی	۹۴۱/۸۸	۸۵۱/۸۲	۷۶۲/۳۳	۸۱۳/۸۲	۸۰۶/۱۸	۷۹۵/۲۷

آمدنی کے تقابلی اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالگزاری کی آمدنی میں شدید ترین تخفیف سنہ ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ لیکن اس کے بعد چار برس میں اس کی مقدار کم و بیش یکساں رہی۔

کروڑگیری کی آمدنی مالگزاری کے برخلاف سنہ ۱۹۳۰ء میں زیادہ متاثر نہیں ہوئی بلکہ اس میں خفیف سا اضافہ ہوا۔ البتہ سنہ ۱۹۳۱ء میں کروڑگیری کی آمدنی ۵۳ لاکھ روپے گھٹ گئی سنہ ۱۹۳۲ء میں اس میں بیس لاکھ کی مزید تخفیف ہوئی سنہ ۱۹۳۲ء میں کروڑگیری کی آمدنی میں اضافہ ہوا اور وہ تقریباً سنہ ۱۹۳۱ء کے معیار پر آگئی۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں کم و بیش اس کی یہی کیفیت رہی۔ کروڑگیری کی آمدنی میں تخفیف، عام ادنیٰ قیمتوں کے علاوہ اس لئے بھی ہوئی کہ

[1] ہندوستان یا حیدرآباد کی حد تک سنہ ۱۹۲۹ء کو کساد بازاری کے دور میں شمار کرنا صحیح نہیں اسے اس جدول میں محض اس لئے شریک کرلیا گیا ہے کہ مختلف مدات آمدنی کے اتار چڑھاؤ کی بخوبی وضاحت ہوسکے۔

زرعی اجناس کا محصول برآمد کم کردیا گیا تھا۔

آبکاری کی آمدنی کو کساد بازاری زیادہ متاثر نہ کرسکی چنانچہ سنہ ۱۹۳۱ء میں بھی جو آبکاری کے اعتبار سے کساد بازاری کا بدترین سال ثابت ہوا اس کی آمدنی میں سنہ ۱۹۲۹ء یعنی معمولی حالات کی نسبت صرف اٹھارہ لاکھ کی تخفیف ہوئی۔

کساد بازاری کے ابتدائی چار سال میں سود کی آمدنی متاثر نہیں ہوئی البتہ سنہ ۱۹۳۴ء میں اس کی آمدنی میں تخفیف ہوئی جس کا سبب یہ تھا کہ اس سال حکومت ہند نے اپنے قرض کی شرح سود کو کم کردیا۱؎۔

ریلوں کی آمدنی میں سنہ ۱۹۳۱ء میں پندرہ لاکھ کی تخفیف ہوئی جس کا بین سبب ناموافق تجارتی حالات اور سرد بازاری تھی۔

کساد بازاری کے زمانہ میں اہم مدات اخراجات کا مطالعہ اس لئے ضروری ہے تاکہ اندازہ ہوسکے کہ کساد بازاری کے باعث اخراجات میں کس قسم کا رجحان پیدا ہوگیا تھا اور کس حد تک مالی پیچیدگیاں ملک کی تعمیری سرگرمیوں میں مزاحم ہوئی تھیں۔

کساد بازاری کے زمانہ میں اخراجات کا تقابلی جدول

	سنہ ۱۹۲۹ء۲؎	سنہ ۱۹۳۰ء	سنہ ۱۹۳۱ء	سنہ ۱۹۳۲ء	سنہ ۱۹۳۳ء	سنہ ۱۹۳۴ء
مالگزاری	۷۸٫۸	۶۴٫۲	۶۸٫۶	۶۶٫۹	۶۸٫۷	۶۷٫۰۵
سود	۲۱٫۹	۲۳٫۰۶	۲۷٫۷	۳۱٫۲	۳۲٫۶	۲۰٫۴
عام نظم و نسق	۳۶٫۷	۳۹٫۰	۲۳٫۵	۴۱٫۹	۲۱٫۱	۴۱٫۶
افواج	۶۴٫۸	۶۶٫۷	۷۳٫۲	۷۵٫۹	۸۸٫۵	۸۲٫۳
عدالتیں	۱۹٫۰۰	۲۱٫۰۱	۲۵٫۲	۲۳٫۲	۲۲٫۵	۲۲٫۹
پولیس	۵۸٫۹	۶۱٫۱	۶۵٫۶	۶۸٫۴	۶۷٫۴	۶۸٫۰

۱؎ Conversion ۲؎ ہندوستان یا حیدرآباد کی حد تک سنہ ۱۹۲۹ء کو کساد بازاری کے دور میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے اسے اس جدول میں محض اس لئے شریک کرلیا گیا ہے کہ مختلف مدات آمدنی کے اتار چڑھاؤ کی بخوبی وضاحت ہوسکے

تعلیم	۷۱٫۷	۷۶٫۱	۸۶٫۷	۹۰٫۵	۹۸٫۲	۱۱۶٫۴
طبابت	۱۸٫۸	۲۱٫۵۲	۲۳٫۹	۲۹٫۰۰	۲۹٫۳۰	۲۸٫۸
عمارات و وسائل حمل و نقل	۱۱۰٫۱۶	۹۰٫۰۹	۸۴٫۲۷	۹۳٫۰۰	۶۹٫۴	۶۸٫۹
مجموعی اخراجات	۷۶۳٫۹۰	۸۰۱٫۹۹	۸۲۹٫۶۳	۸۷۵٫۱	۸۵۴٫۷۹	۸۴۱٫۳۶

اخراجات کے تقابلی جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ کساد بازاری کے دوران میں فوجی اخراجات مسلسل طور پر ترقی پذیر رہے تھے اس کا اندازہ اس امر سے ممکن ہے کہ ۱۹۲۹ء میں افواج پر ۸۰٫۶۴ لاکھ روپے سالانہ صرف کئے جا رہے تھے لیکن ۱۹۳۴ء میں یہ اخراجات بڑھ کر ۸۳٫۲۸ ہو گئے تھے۔ فوجی اخراجات کا یہ اضافہ اس لئے اور بھی زیادہ قابل توجہ ہے کہ کساد بازاری نے جو مالی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں ان کے باعث کفایت کی ضرورت نہایت شدید ہو گئی تھی۔

پولیس پر بھی اخراجات کساد بازاری کے دوران میں برابر بڑھتے رہے یہی کیفیت سود اور عام نظم و نسق کے اخراجات کی تھی۔

عمارات اور حمل و نقل پر اخراجات میں نہایت تیز رفتار سے مسلسل تخفیف ہوئی۔ ۱۹۲۹ء میں اس مد پر ۱۱۰٫۱۶ لاکھ روپے صرف ہو رہے تھے لیکن ۱۹۳۴ء میں اس پر صرف ۶۸٫۹ لاکھ روپے صرف ہوئے۔

تعلیم اور طبابت پر البتہ اخراجات میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کساد بازاری کے دوران میں حکومت نے جو مالی مسلک اختیار کیا اس کا ایک درخشاں پہلو یہ تھا کہ تعمیری اور عوام کی فلاح و بہبود سے وابستہ محکموں پر اخراجات میں کمی کی بجائے اضافہ کیا گیا۔

مالیات حیدرآباد کساد بازاری کے بعد سے موجودہ جنگ کی ابتدا تک | ۱۹۳۵ء کے بعد سے

دفعتاً دفعتاً حیدرآباد کے مالیہ پر سے کساد بازاری کے اثرات زائل ہوتے گئے اور آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۳۵ء میں محصول موٹر کار ۱۹۳۷ء میں محصول صنعت دیاسلائی اور ۱۹۳۸ء میں محصول شکر و محصول سگریٹ عاید کئے گئے ۱۹۲۷ء و ۱۹۳۵ء کی نسبت حکومت کی مجموعی آمدنی میں اسی لاکھ سے زائد اضافہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد ناموافق موسمی حالات کے باعث حکومت کی آمدنی ۱۹۳۹ء میں کم ہوگئی۔

آمدنی کا تقابلی جدول

	۱۹۳۵ء	۱۹۳۹ء
مالگزاری	۳۱۲/۹۵ لاکھ	۲۹۵/۳۴ لاکھ
کروڑگیری	۹۱/۶۶	۱۱۱/۲۶
آبکاری	۱۶۷/۷۲	۱۶۸/۹۲
افیون	۱۳/۵۹	۱۳/۱۴
جنگلات	۱۲/۳۵	۱۲/۰۴
سود	۲۷/۷۹	۳۰/۵۴
دارالضرب زرکاغذی مبادلہ	۲۱/۲۹	۲۳/۲۰
ریلیں	۱۰۹/۵۲	۱۴۱/۲۲
مجموعی آمدنی	۸۶۲/۰۱	۸۹۲/۶۴

آمدنی کے تقابلی جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۳۵ء کی نسبت ۱۹۳۹ء میں سوائے کروڑگیری اور ریلوں کے تقریباً تمام اہم مدات سے آمدنی میں تخفیف ہوگئی تھی جس کا سبب ناموافق موسمی حالات تھے البتہ کروڑگیری کی آمدنی میں تقریباً بیس لاکھ اور ریلوں کی آمدنی میں ۳۲ لاکھ کے قریب اضافہ ہوا تھا

اخراجات کا تقابلی جدول

	سنہ ۱۹۳۵ء	سنہ ۱۹۳۹ء
مالگزاری	۶۶،۱۵	۶۵،۴۲
سود	۴۱،۱۴	۴۸،۴۶
عام نظم ونسق	۴۱،۱۵	۴۴،۴۴
افواج	۷۹،۰۷	۸۹،۲۱
عدالتیں	۲۲،۱۸	۲۴،۰۹
پولیس	۶۷،۴۷	۶۴،۱۰
تعلیم	۱۰۶،۴۱	۹۳،۰۸
طبابت	۲۹،۱۱	۲۰،۷۶
عمارات و وسائل حمل ونقل	۴۰،۹۸	۵۰،۷۵
مجموعی اخراجات	۷۸۱،۳۰	۸۳۴،۸۷

اس عرصے میں اخراجات کے تقابلی امداد کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ افواج پر مجموعی اخراجات میں نمایاں اضافہ ہو گیا تھا برخلاف اس کے تعلیم پر اخراجات زوال پذیر تھے۔

اس باب میں ہم نے گذشتہ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد سے موجودہ جنگ کی ابتداً تک مالیات حیدرآباد پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔ موجود جنگ کے دوران میں مالیات حیدرآباد کی کیا کیفیت رہی ہے اس موضوع پر ہم کسی آئندہ باب میں بحث کریں گے

پانچواں باب

ابواب آمدنی

اس باب میں ہم مختصر طور پر حکومت حیدرآباد کی آمدنی کے مختلف ابواب پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ حیدرآباد کے اہم مدات آمدنی کے رجحانات کیا رہے ہیں نیز کون سے ابواب آمدنی کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے اور کون سی مدات آمدنی کی حیثیت زوال پذیر رہی ہے۔[1]

زیادہ صحیح اور معتبر نتائج اخذ کرنے کی غرض سے ہم نے بجائے سالانہ اعداد کے ہر پنج سالہ مدت کے اوسط اعداد کو پیش نظر رکھا ہے ان اوسط اعداد کی ابتدا ہم نے سنہ ۱۸۸۲ء یعنی نواب سالار جنگ کے دور کے خاتمے سے کی ہے۔ سنہ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۸۲ء کے دور میں ہمیں فقط ایک ایک انفرادی سال کے اعداد پر اکتفا کرنی پڑی اس لئے کہ اول تو سال بہ سال کے اعداد مفقود ہیں دوسرے نواب سالار جنگ کے دور میں مدات آمدنی کے رجحانات پر ہم دوسرے باب میں بحث کر چکے ہیں۔

[1] اس باب میں ابواب آمدنی کے رجحانات کا تجزیہ سنہ ۱۸۸۵ء سے موجودہ جنگ کی ابتدا تک یعنی گذشتہ پچاس سال کے دوران میں کیا گیا ہے موجودہ جنگ نے مختلف مدات آمدنی کو کس طرح متاثر کیا ہے اور ان میں کس قسم کے رجحانات پیدا کر دئے ہیں اس موضوع پر آٹھویں باب میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مالگزاری ذریعہ آمدنی کی حیثیت سے مالگزاری مالیات حیدرآباد میں بیشتر اہمیت رکھتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل جدول سے اس کی گذشتہ کیفیت پر روشنی پڑتی ہے۔

اوسط سالانہ آمدنی

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۶۴٫۸۵	۸۵
۱۸۶۵ء	۱۲۳٫۳۲	۷۹
۱۸۷۵ء	۱۸۴٫۲۸	۷۲
۱۸۸۲ء تا ۱۸۸۶ء	۱۷۹٫۰۱	۵۵٫۳
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱۹۵٫۴۳	۵۹٫۴
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۲۰۹٫۳۰	۵۸
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۱۸۷٫۸۹	۵۳٫۵
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۲۱۰٫۶۰	۵۱٫۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۲۴۲٫۵۱	۵۰٫۷
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۲۵۹٫۵۸	۴۷٫۶
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۲۵۷٫۵۷	۴۲٫۷
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۲۹۲٫۶۴	۳۸٫۷
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۳۱۱٫۲۴	۳۷٫۵
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۳۱۴٫۱۲	۳۸٫۱
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۳۱۰٫۰۰	۳۳٫۹

مندرجہ بالا جدول سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ مالگزاری کی آمدنی سنہ ۱۸۹۷ء تا سنہ ۱۹۰۱ء کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جبکہ زبردست قحط کے باعث غیر معمولی حالات

پیدا ہو گئے تھے مسلسل طور پر بڑھتی رہی ہے۔ اس کے اضافے کی رفتار ۱۸۵۴ء سے ۱۸۷۵ء تک یعنی نواب سالارجنگ کے دور وزارت اور ۱۹۰۷ء سے ۱۹۳۰ء تک بالخصوص نہایت تیز رہی ہے لیکن مالگزاری کی آمدنی میں کم و بیش مسلسل اضافے کے باوجود مجموعی آمدنی میں اس کا فیصد حصہ رو بہ تخفیف رہا ہے چنانچہ ۱۸۵۴ء میں یعنی آج سے نوے برس قبل حکومت کی مجموعی آمدنی کا تقریباً پچاس فیصد حصہ مالگزاری کے ذریعہ حاصل ہوتا تھا لیکن موجودہ جنگ سے پہلے باوجود اس کے کہ مالگزاری کی مجموعی آمدنی تقریباً پانچ گنی ہوگئی تھی لیکن اس کا فیصد حصہ صرف ۳۲ فیصد رہ گیا لیکن صرف وجہ یہی ہے کہ ماضی میں ہماری حکومت کے پاس دوسرے ایسے اہم ابواب آمدنی موجود نہ تھے جن سے وہ اب استفادہ کر رہی ہے۔

آبکاری | مالگزاری کے بعد آمدنی کے ذریعہ کی حیثیت سے مالیات حیدرآباد میں آبکاری کو اہمیت حاصل ہے۔ اس کا رجحان حسب ذیل رہا ہے۔

سال	اوسط سالانہ آمدنی (لاکھ روپے میں)	فی صد
۱۸۵۴ء	۱٫۷۲	۲
۱۸۶۵ء	۱۲٫۹۲	۷
۱۸۷۵ء	۲۸٫۵۷	۱۱
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۳۳٫۶۷	۱۰٫۴
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۳۳٫۶۲	۱۰٫۲
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۴۳٫۰۴	۱۱٫۹
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۴۴٫۲۸	۱۲٫۹
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۴۸٫۸۴	۱۱٫۸

۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۶۴٫۹۸	۱۳٫۶
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۹۴٫۳۴	۱۷٫۳
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۱۲۴٫۳۷	۲۰٫۶
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱۴۹٫۹۲	۱۹٫۸
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۱۵۸٫۲۰	۱۹٫۰
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۱۶۵٫۸۶	۲۰٫۱
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۷۸٫۸۱	۱۹٫۶

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ آبکاری کی آمدنی کا رجحان مالگزاری سے بالکل مختلف رہا ہے یعنی آبکاری کی مجموعی آمدنی میں اضافے کے پہلو بہ پہلو حکومت کی مجموعی آمدنی میں اس کا تناسب بھی مسلسل طور پر ترقی پذیر رہا ہے ۱۸۵۵ء کے مقابلے میں ۱۹۳۹ء میں آبکاری کی آمدنی اٹھانوے گنی ہو چکی تھی۔ آبکاری کی آمدنی میں اضافے کی رفتار بالخصوص ۱۹۱۵ تا ۱۹۲۵ء نہایت تیز رہی۔ ۱۸۵۵ء میں حکومت کی مجموعی آمدنی کا صرف دو فیصد حصہ آبکاری کے ذریعہ سے حاصل ہوتا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کے تناسب میں اضافہ ہوا اور موجودہ جنگ کے آغاز کے وقت اس کا تناسب بیس فیصد کے قریب پہنچ گیا تھا

کروڑگیری | مالیات حیدرآباد میں آبکاری کے بعد کروڑگیری کو اہمیت حاصل ہے اس کا رجحان حسب ذیل رہا ہے۔

سال	اوسط سالانہ آمدنی (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۴٫۶۵	۶
۱۸۶۵ء	۴۲٫۴۲	۲۲
۱۸۷۵ء	۲۴٫۸۹	۱۰

۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۴۸،۲۲	۱۴،۹
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۴۶،۴۹	۱۴،۱
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۵۰،۴۱	۱۴
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۴۷،۶۵	۱۳،۶
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۵۷،۸۸	۱۴،۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۶۷،۵۰	۱۴،۱
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۷۷،۲۵	۱۴،۲
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۷۲،۸۹	۱۲،۱
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱۳۳،۴۰	۱۷،۹
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۱۳۸،۳۸	۱۶،۷
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۹۶،۷۲	۱۱،۷
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۱۶،۹۳	۱۲،۸

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ کروڑگیری کی مجموعی آمدنی کساد بازاری کے دور کو مستثنیٰ کرتے ہوئے مسلسل طور پر بڑھتی رہی۔ اس مد سے آمدنی میں کس قدر زیادہ اضافہ ہوا ہے اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ سنہ ۱۸۵۴ء میں اس سے صرف ۴،۶۵ لاکھ روپے کی رقم حاصل ہوئی تھی لیکن سنہ ۱۹۳۰ء میں اس سے ۱۵۷،۵۸ لاکھ روپے وصول ہوئے موجودہ جنگ سے قبل کروڑگیری کی آمدنی کی مقدار ۱۱۱،۲۶ لاکھ روپے تھی سنہ ۱۹۲۲ء تا سنہ ۱۹۳۰ء کروڑگیری کی آمدنی میں نہایت تیز رفتار سے اضافہ ہوا۔

ریلیں | مالیات حیدرآباد میں کروڑگیری کے بعد ریلوں کی آمدنی کو اہمیت حاصل ہے چنانچہ اس سے ماضی میں جو آمدنی حاصل ہوئی ہے اسے مندرجہ ذیل جدول میں پیش کیا گیا ہے۔

اوسط سالانہ آمدنی

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۱۳٫۹۱	۴٫۳
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱۰٫۸۹	۳٫۳
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۱۷٫۶۹	۴٫۹
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۲۹٫۸۲	۸٫۵
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۳۳٫۶۰	۸٫۲
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۱۴٫۸۱	۳٫۱
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۴٫۶۹	٫۹
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۱۰٫۱۸	۱٫۷
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۲۵٫۲۴	۳٫۳
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۳۹٫۹۶	۵٫۰
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۶۸٫۷۲	۹٫۱
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۳۲٫۳۵	۱۴٫۵

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۵ء تک ریلوں کی آمدنی کو مالیات حیدرآباد میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی لیکن ان کی خریداری کے بعد سے ان کی آمدنی مسلسل طور پر نہایت تیز رفتار سے بڑھتی رہی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ مالیات حیدرآباد میں آمدنی کی اس مد کو جو اہمیت حاصل ہے اس میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے چنانچہ موجودہ جنگ کی ابتداء سے قبل ریلوں سے حکومت کی مجموعی آمدنی کا تقریباً پندرہ فی صد حصہ حاصل ہوتا رہا تھا۔

سود | سود کو بھی آمدنی کی اہم مدوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

اوسط سالانہ آمدنی

سال	(لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۵۴ء	۱٫۶	۲
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	٫۶۵	٫۲
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱٫۱۸	٫۴
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۹٫۴۹	۲٫۶
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۶٫۶۳	۱٫۹
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۸٫۳۹	۲
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۱۸٫۳۶	۳٫۸
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۳۴٫۹۰	۶٫۴
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۴۵٫۲۱	۷٫۵
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۴۶٫۹۴	۶٫۲
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۵۱٫۲۸	۶٫۱
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۴۴٫۲۹	۵٫۴
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۲۹٫۵۰	۳٫۳

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۹۳۱ء تک نہ صرف سود سے جو مجموعی آمدنی حاصل ہوئی تھی اس میں نمایاں اضافہ ہوتا رہا بلکہ مجموعی آمدنی میں اس کا تناسب بھی ترقی پذیر رہا لیکن اس کے بعد اس میں تخفیف ہوئی ۔ موجودہ جنگ کے آغاز سے قبل اس مد سے تقریباً تیس لاکھ روپے کی آمدنی ہو رہی تھی ۔

اسٹامپ

سال	اوسط سالانہ آمدنی (لاکھ روپے میں)	فیصد
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۳٫۹۲	۱٫۲
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۶٫۳۵	۱٫۹
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۸٫۴۰	۲٫۳
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۸٫۰	۲٫۳
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۷٫۹۵	۱٫۹
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۹٫۴۲	۲٫۰
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۱۱٫۴۰	۲٫۱
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۱۳٫۵۱	۲٫۲
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۱۷٫۶۵	۲٫۳
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۲۰٫۷۸	۲٫۵
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	—	—
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۹٫۵۳	۲٫۱

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسٹامپ کی مجموعی آمدنی میں ہر سال تھوڑی بہت کمی بیشی ہوتی رہی ہے لیکن اس کے باوجود اس کا تناسب حکومت کی مجموعی آمدنی میں تقریباً یکساں رہا ہے۔ موجودہ جنگ کی ابتدا تک اس کے ذریعہ سے حکومت کی آمدنی کا کم و بیش دو فیصد حصہ وصول ہوتا رہا ہے۔

جنگلات [1]

سال	اوسط سالانہ آمدنی (لاکھ روپیں)	فیصد
۱۸۸۲ تا ۱۸۸۶ء	۱٫۲۹	٫۴
۱۸۸۷ تا ۱۸۹۱ء	۱٫۳۸	٫۹۶
۱۸۹۲ تا ۱۸۹۶ء	۱٫۵۲	٫۴
۱۸۹۷ تا ۱۹۰۱ء	۲٫۸۹	٫۸
۱۹۰۲ تا ۱۹۰۶ء	۴٫۵۳	۱٫۱
۱۹۰۷ تا ۱۹۱۱ء	۷٫۴۸	۱٫۶
۱۹۱۲ تا ۱۹۱۶ء	۸٫۹۷	۱٫۶
۱۹۱۷ تا ۱۹۲۱ء	۵٫۷۰	٫۹
۱۹۲۲ تا ۱۹۲۶ء	۹٫۰۷	۱٫۲
۱۹۲۷ تا ۱۹۳۱ء	۱۲٫۶۱	۱٫۵
۱۹۳۲ تا ۱۹۳۶ء	۱۴٫۲۹	۱٫۷
۱۹۳۷ تا ۱۹۳۹ء	۱۲٫۷۳	۱٫۴

جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگلات کی آمدنی رو بہ ترقی ہے اور موجودہ جنگ کی ابتدار سے قبل اس سے ۱۲ لاکھ روپے یعنی مجموعی آمدنی کا تقریباً ۱½ فیصد حصہ وصول ہو رہا تھا۔

ان ابواب آمدنی کے علاوہ جن کا تذکرہ پچھلے صفحات میں ہم نے تفصیل سے کیا ہے زر کاغذی

---

[1] جنگلات اور اسٹامپ کے ذریعہ سے جو آمدنی ہماری حکومت کو حاصل ہوتی ہے اس کی مقدار اس قدر زیادہ نہیں ہے جس کے باعث ان مدات کو آمدنی کے اہم ابواب میں شمار کیا جائے لیکن یہاں ہم نے دونوں کا تفصیلی مطالعہ اس لئے کیا ہے کہ یہ دونوں مدات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور عرصہ دراز سے مالیات حیدرآباد کا ایک جزو بنی ہوئی ہیں۔

مبادلہ و دارالضرب اور لگان برار سے بھی ہماری حکومت کو آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ اول الذکر کی مجموعی آمدنی ترقی پذیر رہی ہے اور ۱۹۳۹ء میں اس سے مجموعی طور پر ۲۳ لاکھ روپے وصول ہو رہے تھے۔ لگان برار میں ظاہر ہے کہ کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی اور اس سے ۲۹ لاکھ روپیہ سالانہ وصول ہوتے ہیں۔

اس باب میں ہم نے مختصر طور پر اہم ابواب آمدنی کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے رجحانات کو واضح کرنے کی کوشش کی۔ آئندہ باب میں ہم حکومت حیدرآباد کے اہم ابواب اخراجات پر تبصرہ کریں گے۔

سترھویں صدی عیسوی کے اوائل میں سلطنت قطب شاہی کے معاشی حالات

از محمد غوث

انگلستان میں ایک مجلس ہاک لیٹ سوسائٹی (Haklayt Society) کے نام سے قائم ہے۔ ۱۸۴۶ء میں یہ مجلس قائم ہوئی تھی۔ اس کا مقصد محض یہ ہے کہ قدیم برّی و بحری سفروں کے حالات اور دوسرے جغرافیائی معلومات کے نوشتے طبع اور شائع کرے۔ یہ مجلس صرف انگریز سیاحوں کے ہی نوشتے شائع نہیں کرتی بلکہ دوسرے السنہ کے کارآمد سیاحت نامے وغیرہ بھی انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کرتی ہے۔ ہر کتاب ایک ماہر فن کے سپرد کی جاتی ہے، اور تصحیح و تحشیہ کے بعد استفادۂ عام کے لئے طبع کی جاتی ہے۔ مطالب کی توضیح کے لئے نقشے، تصاویر اور دوسرے ضروری تختے وغیرہ اصل متن کے ساتھ شریک کئے جاتے ہیں۔ اس مجلس نے ابتدائے قیام سے ۱۹۳۱ء تک ۱۶۶ کتابیں شائع کیں۔ اس مجلس کا سالانہ چندہ ایک گنی مقرر تھا، ارکان کو پورے سال بھر کے مطبوعات تحفۃً فراہم کئے جاتے ہیں اور صرف ارکان ہی اس مجلس کے مطبوعات خرید سکتے ہیں۔

اس مجلس کے دوسرے سلسلہ کا ۶۶ واں مطبوعہ گول کنڈہ کے تین سیاحت ناموں کا مجموعہ ہے اس کا نام ری لے شن آف گول کنڈہ (Relations of Golconda) ہے اس کی ادارت مشہور انگریز تاریخ نویس ڈبلیو۔ ایچ مور لینڈ (W. H. Moreland) نے کی ہے اور بہت محنت و قابلیت سے تعلیقات اور حواشی لکھے ہیں۔ ۳۷ صفحوں کا ایک پُر از معلومات مقدمہ بھی لکھا ہے، اس مقدمہ میں اُمورِ ذیل پر روشنی ڈالی ہے:-

(۱) سلطنت گول کنڈہ (صنعتی و تجارتی تبصرہ)۔ (۲) ساحل کارومنڈل پر یورپین آباد کار۔ (۳) سیاحان

زیر نظر کے حالات: (۴) گول کنڈہ اور مچھلی بندر کے ناموں کی تحقیق

عصری مطبوعات کے دوسرے لوازمات، اشاریہ، نقشے، فہرست، خذات، اور کار آمد ضمیموں سے بھی یہ کتاب خالی نہیں ہے۔ آخر کتاب میں مرتب نے سکوں، اوزان و پیمانوں کے متعلق ایک ضمیمہ میں بہت اچھے معلومات قلمبند کئے ہیں۔

یہ سیاح جنھوں نے حالات قلمبند کئے ہیں، یہ ہیں:۔

(۱) ولیم میت اولڈ (William Methwold) ۱۶۲۵ء میں اولاً یہ حالات طبع ہوئے۔ یہ حالات ۱۶۱۸ء سے ۱۶۲۲ء تک ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر لکھے گئے۔ ولیم میت اولڈ کو آخر میں الیسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر منتخب کیا گیا تھا۔

(۲) دوسرا سیاح جس نے حالات قلمبند کئے، انٹونی شورر (Antony Schorer) ہے اس نے ۱۶۱۵ء یا ۱۶۱۶ء میں یہ حالات لکھے۔ انٹونی شورر نے مچھلی بندر میں ڈچ کے علاقہ کے کارخانہ میں نوکری کی تھی۔ یہ حالات کمپنی کے ڈائرکٹروں کی اطلاع کے لئے لکھے گئے تھے، جن کا صدر دفتر ہالینڈ میں تھا۔ یہ حالات ۱۹۳۰ء سے پہلے شائع نہیں ہوئے

(۳) تیسرے سیاح کے قلمبند کئے ہوئے حالات ہالینڈ میں ۱۶۴۴-۴۶ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئے سیاح کا نام معلوم نہیں ہے۔ مورلینڈ نے خیال کیا ہے کہ سیاح کا نام (Pictor Gielisz Von Ravesteyn) ہے، اور یہ کہ یہ حالات ۱۶۱۴ء میں لکھے گئے۔ تحریر کا مقصد اعلیٰ عہدہ داروں کو حالات سے آگاہ کرنا تھا۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ اردو میں نہ صرف اس کا ترجمہ کیا جائے بلکہ بعض مبالغہ آمیز بیانات کی صحیح مواد سے تصحیح کی جائے۔ ولیم میت اولڈ کے قلمبند کئے ہوئے معاشی حالات کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ نظم و نسق، معاشرت، مذہب اور دوسرے عام حالات کسی اور موقع پر بیان کئے جائیں گے علاوہ ازیں دوسرے دو سیاحوں کے نوشتوں سے حالات کا اقتباس بھی آئندہ پیش کیا جائیگا

مچھلی بندر کو سلطنت گول کنڈہ کا خاص بندر گاہ ہونے کا امتیاز حاصل تھا۔ یہاں اور نظام پٹن میں الیسٹ انڈیا کمپنی کی متعدد تجارتی کوٹھیاں موجود تھیں، مچھلی بندر میں کمپنی کا ایجنٹ رہا کرتا تھا۔

مچھلی بندر چھوٹا سا قصبہ ہے لیکن بہت آباد ہے، کوئی فصیل نہیں ہے، یہ قصبہ کچھ ٹھیک طور سے آباد نہیں ہوا، محلِ وقوع بہت ہی ناموزوں ہے۔

پہلے یہاں مچھلی پکڑنے والوں کی معمولی سی آبادی تھی، بعد میں سڑک کی سہولت سے سوداگر یہاں آباد ہو گئے۔ اس علاقہ میں کہیں کہیں چاول کی دو فصلیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ شاذونادر کبھی کبھی تین فصلیں بھی ہو جاتی ہیں، یوں عام طور سے صرف ایک ہی فصل حاصل ہوتی ہے لیکن پیداوار بہت ہوتی ہے۔ دالوں کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ بہت دُور اوپر کے علاقہ میں اچھے گیہوں کی کاشت بھی ہوتی ہے لیکن زیادہ نہیں۔ اس علاقہ میں گیہوں کم استعمال کیا جاتا ہے۔

غذا کے طور پر استعمال ہونے کے قابل پھول اور بوٹیاں کم ہوتی ہیں، اس کی بجائے پان کا استعمال عام ہے۔

یہ علاقہ بہت زرخیز ہے۔ ہر قسم کے اشیائے مایحتاج بہت ہی ارزاں ہیں، ان کی بہت افراط ہے۔ آٹھ مرغیاں ۱۲ پنس میں ملتی ہیں، ایک گوسفند دس پنس میں۔ اٹھارہ پنس سے دو شلنگ میں اچھا سوّر مل جاتا ہے۔ اسی طرح مچھلی وغیرہ کا بھی حال ہے۔ یہ تو اس قصبہ کا حال ہے لیکن اندرون ملک یہ اشیاء اور بھی ارزاں ملتی ہیں۔

حیدرآباد سے مچھلی بندر کا سفر دس دن میں طے ہوا کرتا تھا۔

بادشاہ کی آمدنی ۲۵ لاکھ پگوڈا ہے۔ ایک پگوڈا ایک فرانسیسی کراون کے مساوی ہے اور ۷ شلنگ ۹ پنس اسٹرلنگ کی قیمت کا۔ کومٹی جو لوگ کہلائے جاتے ہیں وہ اس علاقہ کے بیوپاری ہیں یہ لوگ یا ان کے ملازمین ملک کے اندرونی حصوں میں سفر کرتے پھرتے اور جولاہوں سے کپڑا خریدا کرتے ہیں۔ دوسری ضروری چیزیں بھی خریدتے اور ان سب کو بڑی مقداروں میں بندرگاہوں میں بیرونی تاجروں کو فروخت کر دیا کرتے ہیں۔ فروخت کرنے میں یہ لوگ بیرونی تاجروں سے یا تو ان کا مال بدل لیتے ہیں یا نقد قیمت حاصل کرتے ہیں۔ ان میں کے چند لوگ صرافی کا کام کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی پرکھ بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس طبقہ میں جو غریب لوگ ہیں، وہ دوکانداری کرتے ہیں۔ چاول، مسکہ، تیل، شکر، شہد

اور دوسری غذائی چیزوں کا بیوپار کرتے ہیں۔

کسان اور کوئی گائے اور بیل کسی قیمت پر بھی غیر کو فروخت نہیں کرتے، البتہ آپس میں ۶ سے ۸ شلنگ تک فروخت کرتے ہیں۔

پیشہ ور لوگوں کی عموماً ایک ہی مزدوری ہوتی ہے، اگر مزدوری میں کوئی فرق ہوتا ہے تو وہ کچھ زیادہ نہیں ہوتا۔ لوہار جو کیلے بنایا کرتا ہے اور سنار جو سونے کی زنجیر بناتا ہے، دونوں کو دن بھر میں ۳ پنس مزدوری ملتی ہے، یہ گویا میستری کی مزدوری ہے۔ ان کے نوکروں کو دن بھر میں ایک پینی دی جاتی ہے، بعض کو تو اس سے بھی کم۔

ہمارے مکانوں میں جو لوگ کام کرتے ہیں ان کو ماہانہ معاوضہ کھانے کے بغیر ۵ شلنگ دیا جاتا ہے پورٹر (کہار) جو پالکی اٹھاتے ہیں اُن کا معاوضہ بھی یہی ہے۔ اس ملک میں اشیائے احتیاج کی کثرت اور باشندوں کی معمولی غذا زندگی گزارنے کا سامان کردیتی ہے۔

ابھی حال میں اس سلطنت میں ہیروں کے معدن[۱] کا جو پتہ چلا، اُس کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دہنگر کو اتفاق سے ایک چمکیلے پتھر سے ٹھوکر لگی۔ دہنگر نے بے توجہی سے اس کو اٹھالیا اور ایک کومٹی کو تھوڑے سے چاول کے بدل میں فروخت کردیا۔ کومٹی نے دوسرے کو فروخت کیا۔ تا آنکہ یہ ہیرا اُن لوگوں کے ہاتھ میں پہونچ گیا جو اس کی قدر و قیمت جان سکتے تھے۔ جو لوگ سلسلہ بہ سلسلہ اس کو فروخت کئے تھے اُن کا پتہ چلاتے ہوئے آخر کار دہنگر کے ذریعہ سے معدن کا پتہ مل گیا۔ بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہاں حکومت کی نگرانی قائم ہوگئی۔ جب خبر عام ہوئی تو ہر جگہ کے جوہری وہاں جمع ہوئے یوروپین کوٹھیوں کے حکام ذمہ دار بھی وہاں پہونچے، ان کے ساتھ میتھ اولڈ (Methwold) بھی وہاں پہونچا۔ چار روز سفر میں گزرے، تمام راستہ غیر آباد پہاڑی تھا۔ مچھلی بندر سے یہ مقام ۱۰۸ میل دور تھا ایک خوبصورت قیام گاہ میں یہ سب لوگ فروکش ہوئے۔ گورنر (غالباً نوجداما) سے اجازت لے کر یہ سب

---

[۱] مورلینڈ نے لکھا ہے کہ یہ کولور (Kollur) کا مقام ہے، جو دریائے کرشنا پر واقع ہے۔ انھوں نے ضلع کرشنا کی مینول (Manual) صفحہ ۲۲۴ کا حوالہ دیا ہے۔

لوگ معدن دیکھنے گئے۔ معدن کا محل وقوع شہر سے دو میل پر تھا۔ ان لوگوں کو وہاں بتایا گیا کہ معدن میں روزانہ (۳۰) ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ بادشاہ نے یہ علاقہ سناروں کی ذات کے ایک شخص کو پٹہ پر دے دیا تھا۔ سالانہ محصول تیس لاکھ پگوڈا قرار دیا گیا تھا۔ بادشاہ نے قرار دیا تھا کہ دس قیراط سے زیادہ وزن کے ہیرے شاہی خزانہ میں داخل کر دیئے جائیں۔

پٹہ دار زمین دوسروں کو پھر اپنی جانب سے پٹہ پر دیا کرتا ہے۔ اس میں بعض لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض خسارہ۔

باوجود سخت انتظام اور شدید سزاؤں کے قیمتی ہیرے باہر نکل جایا ہی کرتے ہیں۔ چنانچہ (۴۰) قیراط کے وزنی ہیرے بھی باہر چلے گئے

یہ معدن دریائے کرشنا کے قریب واقع ہے۔ معدن دریافت ہونے سے قبل یہ مقام مشکل آباد تھا اب ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی ہے۔ اس میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں، معدن میں کام کرنے والے اور بیوپاری وغیرہ سب موجود ہیں۔ قرب و جوار کے مقامات سے یہاں سب ضروری چیزیں لائی جاتی ہیں لیکن قیمتیں گراں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ راستہ میں مختلف علاقوں میں محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ مکانات بہت معمولی ہیں، گویا کہ ان کو مستقل سکونت کے لئے تعمیر نہیں کیا گیا ہے۔

بعد میں معدن میں کام بند کر دیا گیا، اور لوگوں کو وہاں جانے کی ممانعت ہو گئی۔ لوگوں نے اس کے اسباب مختلف بیان کئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کام پھر شروع کیا گیا لیکن بہت کم ہیرے دستیاب ہوئے

اس علاقہ میں کم قیمت کے دوسرے اور بھی پتھر پائے جاتے ہیں۔ سیاحت نامہ میں ان کے نام بھی لکھے ہیں[۵]۔

اس علاقہ میں لوہا اور فولاد بھی بہت ہے۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں چیزیں یہاں

---

[۵] وہ یہ ہیں: Aggats, Topasses, Amatists, Garnets.

سے جاتی ہیں۔ جہاں یہ دھاتیں تیار ہوتی ہیں وہاں لوہے کی قیمت ۲ شلنگ مقررہ وزن ہے۔ فولاد آبنے مقررہ وزن میں ۳ شلنگ میں حاصل ہوتا ہے لیکن یہ چیزیں بیلوں پر پندرہ دن کی مسافت طے کرکے بندرگاہ کو پہونچتی ہیں اس لئے وہاں ان کی قیمت زیادہ ہوجاتی ہے، لوہا پانچ شلنگ میں اور فولاد سات شلنگ میں فروخت ہوتا ہے۔

اس علاقہ میں سونا، چاندی، ٹن، تانبا اور دوسری دھاتیں موجود نہیں ہیں۔

اس علاقہ میں چھینٹ کا کپڑا اسی طرح ارزاں اور افراط سے حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ ہندوستان کے اور حصوں میں لیکن اس علاقہ کی چھینٹ مختلف ہوتی ہے، اور آسانی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ چھینٹ اس علاقہ کی ساختہ ہے۔ اس ساحل کارومنڈل میں کپڑے پر چھاپے کا کام جس عمدگی سے ہوتا ہے اس کی شہرت سارے ہندوستان میں ہے، اور بلاشبہ دیکھنے میں یہ کام بہت ہی خوب ہوتا ہے، رنگ اس قدر پکا ہوتا ہے کہ گو کپڑے کو بار بار دھویا جائے لیکن جب تک کپڑا موجود رہتا ہے رنگ بھی باقی رہتا ہے۔ یہ رنگ ایک بوٹی سے فراہم کیا جاتا ہے جس کو اس علاقہ میں Chay[۵۱] کہا جاتا ہے۔ یہ بوٹی اسی علاقہ میں اُگتی ہے۔ اس سے گہرا لال رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ بوٹی شاہی پیداوار سمجھی جاتی ہے۔

اس ملک میں نیل کا رنگ بھی کافی مقدار میں بنایا جاتا ہے، اور لاہوری نیل کے مماثل ہوتا ہے۔ ولندیزی لوگ دکن کے نیل کی خریداری کرتے ہیں اور اسکو ہالینڈ روانہ کیا کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف انگریز شمالی ہند میں تیار ہونے والے نیل کے رنگ کی حالت اور قیمت کے کافی تجربہ کے بعد ہی خریدا کرتے ہیں اور سورت کی بندرگاہ سے اس کو بھیجا کرتے ہیں۔

گزشتہ چند سال سے یہاں تمباکو کی کاشت ہونے لگی ہے اور بڑی مقدار بندر مخا[۵۲] اور اراکان کو بھیج دی جاتی ہے۔ دکن کے لوگ بھی اس کو بہت استعمال کرتے ہیں، یہ تمباکو کمزور ہوتا ہے، لیکن اگر توجہ کی جائے

---

[۵۱] Choy or Chay root

[۵۲] آبنائے باب المندب کے اندر یہ بندرگاہ واقع ہے۔ مورلینڈ نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں جو جہاز ہندوستان سے جاتے تھے وہ اسی بندرگاہ میں لنگر ڈالتے تھے۔

تو یہ بات دور ہو سکتی ہے یہاں کے لوگ تپے دھوپ میں خشک کر لیا کرتے ہیں، اور پھر وہی استعمال کرتے ہیں، کوئی مزید آمیزش نہیں کی جاتی ہے

دوسرے ممالک کو جو مال بھیجا جاتا ہے، اس سے یہاں کے لوگ یقینی طور سے نفع پیدا کرتے ہیں اس مقصد کے تحت یہ لوگ بڑے بڑے جہاز تیار کرتے ہیں، جس مال مسالہ سے یہ جہاز تیار کئے جاتے ہیں اس کے ، نظریہ جہاز بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن انگلستان میں جو جہاز تیار کئے جاتے ہیں، وہ ان کے مقابل خوبصورتی ، سہولت بخشی اور موسم کا مقابلہ کرنے کی قابلیت میں زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔ ان سواحل پر جو جہاز تیار کئے جاتے ہیں، ان میں سے بعض ۶۰۰ ٹن کے بھی ہوا کرتے ہیں ۔ ان جہازوں میں چوبینہ اور لوہا بہت عمدہ استعمال کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں مدر لینڈ نے یہ تعلیق لکھی ہے کہ ایک انگریزی جہاز جس کا نام گلوب (Globe) تھا اس کو نرساپور میں از سر نو درست کیا گیا تھا، اس درستی کی وجہ سے یہ جہاز اور زیادہ بہتر ہو گیا۔

اس ملک کے لوگ اپنے ہی جہازوں میں معمولاً بحیرۂ احمر میں بندر مقع تک سفر کرتے ہیں۔ دوسری جانب سماٹرا، اراکان، پیگو (برما) وغیرہ تک جایا کرتے ہیں، یوں اپنے ہی سواحل پر سیلون اور اس کماری تک جہاز جایا کرتے ہیں

بندرگاہ مقع کو عموماً جنوری میں یہاں سے جہاز جایا کرتے ہیں، اور ستمبر یا اکتوبر میں واپس آتے ہیں۔ اس بندرگاہ پر ہر سال بادشاہ کی جانب سے چاول بھیجے جاتے ہیں تاکہ مکہ اور مدینہ میں خیرات کے طور پر تقسیم کئے جائیں۔ بادشاہ کے لئے یہاں عربی گھوڑے حاصل کئے جاتے ہیں ہر جہاز میں چھ یا آٹھ گھوڑے سما سکتے ہیں، دکن میں گھوڑوں کی کوئی عمدہ نسل موجود نہیں ہے

عرب کو یہاں سے تمبا کو بڑی مقدار میں بھیجا جاتا ہے، اس کے علاوہ مندرجۂ ذیل اشیاء بھی بھیجی جاتی ہیں:
۱۔ Rotans (Rattans) نیزوں کے لئے۔ ۲۔ چھینٹ کے کپڑے عماموں کے لئے
۳۔ لوہا ۔ ۴۔ فولاد۔ ۵۔ نیل ۔ ۶۔ Benjamin ۔ ۷۔ لاکھ۔ ان چیزوں کے بجائے عرب سے ان ممالک میں اونٹ کے بالوں اور ریشم سے بنا ہوا (Camlet) کا کپڑا لایا جاتا ہے۔

لیکن عموماً سلطانی (ترکی سکہ) یا ریال کی صورت میں نقد رقم لائی جاتی ہے۔
ستمبر میں جہاز اراکان اور پیگو (برما) وغیرہ کو جایا کرتے ہیں۔ وہاں سے فروری یا مارچ میں واپس ہوتے ہیں، اور اپریل تک اپنے وطن میں پہونچ جاتے ہیں۔

ان مشرقی ممالک کو جو سامان بھیجا جاتا ہے وہ یہ ہیں:۔

Acheen (سوماٹرا) کو ۱۔ فولاد، بڑی مقدار میں۔ ۲۔ لوہا، قلیل مقدار میں۔ ۳۔ قسم قسم کی چھینٹ رنگین بھی اور سفید بھی۔ ۴۔ ہیرے، یہ وہاں بڑی قیمت میں فروخت ہوتے ہیں۔

وہاں سے جو سامان لایا جاتا ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ Benjamin. ۲۔ کافور۔ ۳۔ کالی مرچ۔ ۴۔ تمام چینی اور جینی کا ہر قسم کا سامان۔ یہ سامان یہاں بڑے نفع سے فروخت ہوتا ہے۔ ۵۔ گندھک۔

اراکان کو جو سامان بھیجا جاتا ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ تمباکو۔ ۲۔ لوہا، تھوڑی مقدار میں۔ ۳۔ رنگین کپڑے۔

وہاں سے جو سامان لایا جاتا ہے وہ یہ ہے:۔

۱۔ سونا۔ ۲۔ لاکھ۔ ۳۔ چاول، بہت بڑی مقدار میں۔ چاول دیجانگر کے علاقہ کے ساحل پر فروخت کیا جاتا تھا۔

پیگو کو جو اشیا بھیجی جاتی تھیں، وہ یہ تھیں:۔

۱۔ چاندی۔ ریال سکہ کی صورت میں۔ ۲۔ دھاگہ۔ ۳۔ ململ، رنگین۔ زیادہ تر لال رنگ کا۔ چھاپہ کیا ہوا کپڑا بھی اس میں شامل ہوتا تھا۔

وہاں سے جو سامان آیا کرتا تھا وہ یہ تھا:۔

۱۔ یاقوت و لعل، دنیا کے دوسرے حصوں میں ان کو بھیجا جاتا تھا۔ ۲۔ سونا۔ ۳۔ لاکھ۔ ۴۔ ٹن ۵۔ پارہ

Tonnassey کو جو سامان جاتا تھا وہ یہ تھا:۔

۱۔ لال رنگ کا دھاگہ۔ ۲۔ لال اور سفید ململ۔ ۳۔ چھاپے کے کپڑے۔ یہاں سے یہ سوداگر ۱۴ دن کا

سفر کرکے سیام تک جایا کرتے تھے ، سیام میں اپنے ملک کے لئے چین کا سامان خریدا کرتے تھے۔
خود اس ملک کے سواحل پر یہ سوداگر چھوٹے چھوٹے جہازوں کے ذریعہ تجارت کیا کرتے ہیں۔
تجارت عموماً چاول اور دوسرے اجناس کی ہوتی تھی ۔ جہاں یہ مال ارزاں ہوتا خریدا جاتا ، اور جہاں نفع ہوتا فروخت کردیا جاتا۔ عموماً ویجانگر کے علاقہ کے سواحل پر یہ مال فروخت ہوا کرتا ۔ بدل میں عموماً بچے حاصل کئے جاتے ۔ یہ عموماً ۲-۳ شلنگ میں حاصل ہوجاتے اور مچھلی بندر میں چالیس شلنگ پر فروخت کردیئے جاتے۔

صنعت کاغذ سازی کے متعلق دو ایک عالمگیری اور آصف جاہی احکام

از محمد غوث

گزشتہ دور میں حکومت کی جانب سے صنعت اور صناعوں کی جو سرپرستی ہوتی تھی وہ اب بالکلیہ فراموش ہو چکی ہے۔ اس بارے میں سرکاری احکام اور اسناد سے تو بہت کم لوگ واقف ہونگے تاریخ دکن کی کانفرنس کے موقع پر مولوی سید بادشاہ حسین صاحب نے ایک مقالہ میں اس امر پر روشنی ڈالی تھی کہ کاغذ سازی کے متعلق نواب میر نظام علی خاں مرحوم نے کس طرح سرپرستی کی تھی۔ اتفاق سے شہاب الدین صاحب کاغذ ساز کاغذی پورہ اورنگ آباد سے تین کاغذات کی نقل حاصل ہوئی ہے۔ جس سے نواب میر نظام علی خاں مرحوم سے پہلے حضرت آصف جاہ اول اور خلد مکان اورنگ زیب کے دور میں جس طرح سرپرستی کی جاتی تھی اس کا حال واضح ہوتا ہے۔

اُمید ہے کہ یہ دلچسپی کا باعث ثابت ہونگے۔

نقل فرمان والاشان پادشاہ خلد مکان بتاریخ شانزدہم شہر جمادی الاولی سال بست و پنجم از جلوس والاسمت تحریر پذیرفت۔

چوں بعرض مقدس سید کہ بموجب فرمان عالی شان پادشاہ غفران پناہ خلد آرام گاہ علیین حضرت

جعل الجنۃ مثواہ

مبلغ یک ہزار و یکصد و چہاردہ تنکہ و دو لاری بطریق سالیانہ بہت خرچ مساجد و فقرا کاغذ پوارہ دولت آباد تابع صوبہ اورنگ آباد خجستہ بنیاد در محصول شاہ بازار کاغذ پوارہ مزبور مقرر است و حارس قلعہ دولت آباد از ابتدائے عمل خود مبلغ مذکور را تنخواہ نکردہ دو در عرض قتلو کہ بجائے شستن خمیر

کاغذاست کاغذ سازان رانمی گذارد کہ خمیررا دراں بشویند و آنہا از فضل وکرم بادشاہی اُمیدوارند حکم جہان مطاع واجب الاتباع صادر شد کہ مبلغ مسطور از حاصل شاہ بازار مرقوم برائے خرچ مساجد وفقرا بدستور سابق حسب الضمن مقرر و محصول کاغذ سازان و کاغذ فروشان کاغذیواڑہ دولت آباد و اورنگ آباد بشرط ساختن عالمگیری معاف باشد باید کہ حکام و متصدیان مہمات حال واستقبال مبلغ مرقوم راموافق ضابطہ و معمول بمصارف مزبوری رسانیدہ باشند۔ ودرباب دیگر نیز بآئین پیشین عمل نمایند دریں بارہ ہرسال سند مجدد طلب ندارند۔

(۲)

نقل پروانچہ بمہر سیادت ورفعت پناہ محمد علی خاں ازقرار بتاریخ پنجم شہر ذی حجہ ۲۹ سنہ

آنکہ سیادت ووزارت پناہ رفعت وکفایت دستگاہ میر عبدالقادر محفوظ باشند مستور نماند کہ بعرض اشرف اقدس ارفع اعلیٰ رسید کہ قیمت نامہ کاغذ دولت آبادی برضامندی کمال الدین وغیرہ کاغذ سازان سکنہ کاغذی واڑہ دولت آباد بمہر سیادت ورفعت پناہ محمد علی خاں رسیدہ کہ حسب الحکم الاعلیٰ قیمت سر دستہ ششنش روپیہ بلا قصور حسب الضمن مقرر شدہ کہ متصدیان صوبہ دکن تنخواہ میدادہ باشند دریں باب ہرچہ حکم شود حکم والا صادر شد کہ منظور دارند باید کہ بموجب حکم والا بعمل آرند دریں باب نہایت تاکید دانند۔

مقررہ ضمن قیمت نامہ کاغذ دولت آبادی عالمگیری برضامندی کمال الدین وغیرہ کاغذ سازان ساکن کاغذی واڑہ متعلقہ دولت آباد مہر محمد علی خاں رسیدہ کہ حسب الحکم والا قیمت فی دستہ ششنش روپیہ بلا قصور مقرر شدہ کہ متصدیان صوبۂ دکن تنخواہ میدادہ باشند۔

عہ ۵

اول	دوم
؏	صہ

مقررا از قرار سراسری فی دستہ اول خوش قماش لفافہ وغیرہ تعلق متصدیان صوبہ۔

سے عہ بلا قصور

(۳)

نقل عنایت نامہ مہری حضرت نظام الملک آصفجاہ اول علیہ الرحمۃ

بہ محمد نصیر الدین کاغذی واڑہ نوشتہ میشود

حسب الدرخواست او سند استقلال از دفتر دیوانی دکن بابت معافی محصول کاغذ سازان دکاغذ فروشان و محصول خریدی صابون و واگذاشت حوض قتلو وغیرہ جہت شستن خمیر کاغذ موقوفی امین و وجہ مساجد و فقرا بدستور سابق و عنایت نامجات بنام عظیم الدولہ بہادر نائب ناظم وقلعہ دار قلعہ دولت آباد و درباب امداد و اعانت صادر شدہ می باید کہ بخاطر جمع تمام بکار خود مستعد و سرگرم باشد۔ زیادہ چہ نوشتہ شود۔ فقط۔

ان کا مطلب یہ ہے۔

۱۔ ۱۱۱۴ تنکہ سالانہ کاغذی واڑہ دولت آباد کے مساجد اور فقرا کے لئے کاغذی واڑہ کے شاہ بازار کے محصول سے مقرر تھے۔ قلعہ دار دولت آباد نے اپنے ابتدائی عمل سے یہ رقم جاری نہیں کی اور نیز حوض قتلو میں کاغذ سازوں کو خمیر دھونے سے منع کر دیا ہے حالانکہ حوض قتلو میں ہی کاغذ کی خمیر دھویا کرتے تھے۔ حکم صادر ہوا کہ شاہ بازار کا محصول پہلے کے موافق مساجد اور فقرا کے لئے صرف ہوا کرے۔ اور کاغذی واڑہ دولت آباد و اورنگ آباد کے کاغذ سازوں اور کاغذ فروشوں کا محصول اس شرط سے معاف کر دیا جائیگا کہ عالمگیری کاغذ بنایا جائے۔

۲۔ کمال الدین وغیرہ کاغذ سازان کاغذی واڑہ دولت آباد کی رضامندی سے کاغذ کا قیمت نامہ ملاحظہ سے گزرا حسبہ سردستہ چھ روپے ادا ہوا کریں۔

۳۔ دفتر دیوانی دکن سے سند جاری ہوئی ہے کہ کاغذ سازوں اور کاغذ فروشوں کا محصول معاف کیا جائے۔ صابون خریدنے کا محصول بھی معاف کیا جائے حوض قتلو میں خمیر دھونے کی اجازت دی جائے امین کو موقوف کر دیا جائے اور فقرا و مساجد کا سالیانہ جاری رہے۔


اشتہارات

التماس

تبدیلیٔ پتہ : معزز خریدار اصحاب پتہ کی تبدیلی سے براہ کرم دفتر مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں۔

کتب برائے تبصرہ : تنقید و تبصرہ کے لئے کتابیں جو بھیجی جاتی ہیں اُس کے دو دو نسخے روانہ فرمائے جائیں۔

اشتہارات : یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور اُردو معیاری رسالوں میں شمار کیا جاتا ہے اور دور و نزدیک جاتا ہے۔ اس رسالہ کے ذریعہ اشتہارات دینا کاروبار کی ترقی میں ممد و معاون ہوگا۔

مقالہ جات جامعۂ عثمانیہ : ادارہ نے اس کا بیڑا اٹھایا ہے کہ علمی ادبی اعلیٰ سے اعلیٰ مقالوں کے ذریعہ اُردو زبان کی بطور خاص خدمت انجام دی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جامعۂ عثمانیہ کے ماہر طالبان مقالہ جات اسوقت تک (۱۲) شائع ہو چکے ہیں۔ جو صاحب اپنے مقالوں کی طباعت کے خواہشمند ہوں وہ براہ کرم مدیر مجلہ ہذا سے مراسلت فرمائیں۔

ادائیٔ چندہ : براہ کرم سالانہ چندہ کی ادائی کی جانب توجہ مبذول فرما کر ممنون فرمائیے۔

پڑھنے کے قابل کتابیں

عہد سلف

بیداری کے لئے ملک کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس کی تاریخ ہے۔ یہ کام تمام زندہ قوموں میں قومی زندگی کا سب سے اصلی اور مقدم عنصر ہے۔ اسکی بدولت سلطنت کی عظمت اور خاندان شاہی کے ساتھ ارادت اور عقیدت کا خیال مستحکم ہوتا جاتا ہے۔ اہل نظر کے پاس مسلم ہے کہ تاریخ سلطنت آصفیہ کو صحیح طریقہ سے لکھنے کی کوشش بہت کم ہوئی ہے۔ اس نقص کو دور کرنے کے لئے جناب مولوی محمد مرتضی مرحوم نے قلم اٹھایا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں انکی تالیف کا پہلا حصہ "عہد سلف" ہے۔ یہ حضرت آصف جاہ کی سوانح عمری کا مقدمہ ہے۔ سلسلۂ بیان قائم کرنے اور صحیح نتائج حاصل کرنے کیلئے ناگزیر سلطنت اسلامی کے نشو و نما یعنی ہندوستان و دکن میں اسلامی سلطنت کے قیام پر ایک تبصرہ لکھنے کی ضرورت داعی ہوئی۔ چنانچہ "عہد سلف" میں مرحوم نے ۱۴سو سال کی تاریخ سلطنت اسلامی پر نہایت دقت نظر سے ایک دلچسپ اسلوب بیان میں تبصرہ کیا ہے۔ تاریخ اسلام و ہند کے شائقین کو اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ قیمت عہ

فوائد بدریہ

یہ کتاب حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک میں نہایت مستند کتاب ہے سیرت مبارک کی نہایت ضخیم عربی کتابوں کا یہ ایک بہترین اردو خلاصہ ہے۔ علاوہ بر آں تقریباً (۸۰) سال پہلے کی زبان اور انشا کا بہترین نمونہ ہے۔ رائل سائز عمدہ ڈبل کاغذ ۴۰ صفحات لکھائی چھپائی نہایت نفیس

قیمت تین روپیہ۔ مجلد چار روپیہ۔

تفسیر فیض الکریم

تالیف قاضی بدر الدولہ و مفتی محمد سعید خاں۔ یہ زبان اردو جس میں تفسیر شان نزول اور احکام وغیرہ نہایت مستند احادیث و تفاسیر و فقہ سے لکھے گئے ہیں ۱۴ جز طبع ہوگئے قیمت چار روپے

مجلہ طیلسانین کا چندہ

۱- مجلہ چندہ دہندہ ارکان انجمن طیلسانین عثمانیہ کو مقررہ قواعد کے موجب بلا قیمت ارسال کیا جائیگا

۲- مجلہ کا حصۂ معاشیات، معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین کے ارکان کو اپنے چندۂ رکنیت کے علاوہ سالانہ (عہ) ایکروپیہ ادا کرنے پر ارسال کیا جائیگا۔ اگران کو مجلہ کے دونوں حصے مطلوب ہوں تو ان کو سالانہ دوروپیہ اپنے چندۂ رکنیت کے علاوہ ادا کرنا ہوگا۔

۳- مجلہ کے دونوں حصوں کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ پانچروپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے پانچروپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی۔

۴- مجلہ کے عام حصہ کی قیمت محصول ڈاک کے علاوہ خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکہ حکومت ہند ہوگی۔

۵- مجلہ کے حصۂ معاشیات کی قیمت علاوہ محصول ڈاک خریداران مملکت آصفیہ سے سالانہ تین روپیہ سکۂ عثمانیہ اور بیرون مملکت آصفیہ سے تین روپیہ سکۂ حکومت ہند ہوگی۔

۶- مجلہ کے ہر حصہ کی قیمت فی نسخہ ایک روپیہ اور دونوں حصوں کی ایک روپیہ آٹھ آنہ ہوگی۔

۷- تبادلہ کے طور پر اشتہارات کی اشاعت مطلوب ہو تو مراسلت کے ذریعہ تصفیہ ہوسکے گا۔

۸- مجلہ کے سلسلہ میں ہر قسم کی مراسلت مہتمم مجلۂ طیلسانین دفتر مجلس نمایش باغ عام روڈ حیدرآباد دکن کے توسط سے کی جانی چاہیئے۔

۹- خریداران مجلہ اپنے پتہ کی تبدیلی سے مہتمم مجلہ کو بروقت مطلع فرمائیں۔

اشتہارات کا نرخ

صفحہ	چار بار کیلئے	ایکبار کے لئے	صفحہ	چار بار کے لئے	ایکبار کیلئے
پورا صفحہ پہلا ورق	۳۰ روپیہ سالانہ	۱۲ روپیہ	پورا صفحہ اندرونی	۲۰ روپیہ سالانہ	۶ روپیہ
آدھا صفحہ "	۲۰ "	۱۰ "	آدھا صفحہ "	۱۵ "	۵ "
پاؤ صفحہ "	۱۵ "	۸ "	پاؤ صفحہ "	۸ "	۳ "

سلسلۂ مطبوعات انجمن طیلسانین عثمانیہ

نام کتاب	مصنف	قیمت
۱۔ عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متولیان ریاست	سید علی محسن ام۔ اے (عثمانیہ)	دو روپے
۲۔ سلطان احمد شاہ بہمنی	ظہیر الدین ام۔ اے (")	دو روپے
۳۔ امام غزالی کے کلامی خصوصیات	محمد غوث (محبوب نگری) ام اے (")	ایک روپیہ آٹھ آنہ
۴۔ موضع دویلی کی معاشی تحقیق	محمد ناصر علی ام۔ اے (")	دو روپے
۵۔ دربار اودھ کا اثر لکھنو کی شاعری پر	محمد اعظم ام۔ اے (")	ایک روپیہ
۶۔ معاشیات کی الف۔ بے۔	محمد ناصر علی ام۔ اے (")	آٹھ آنے
۷۔ عہد سعادت اور حیدرآباد	میر مخدوم علیخاں ام۔ اے (")	دو روپیہ
۸۔ بلدہ سے قصبہ تک	محمد فاروق بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ۔ سی۔ ایس	۴/
۹۔ یادر الکوحل	نظیر حسین آفندی ام۔ ایس سی (عثمانیہ)	۴/
۱۰۔ مقامی محاصل انکے اقسام اور نوعیت	محمد فاروقی بی۔ اے (عثمانیہ) ایچ۔ سی۔ ایس	۴/
۱۱۔ اسلام کے معاشی نظریے۔	محمد یوسف الدین ام۔ اے (عثمانیہ)	ایک روپیہ آٹھ آنہ
۱۲۔ پریم چند اور انکی افسانہ نگاری	محمد اکبر الدین صدیقی ام اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۳۔ ہندوستانی معاشیات کے مبادی	شرف الدین بی اے (عثمانیہ)	دو روپے
۱۴۔ دیسی ریاستیں اور تنظیم ما بعد جنگ	سید محمد تقی ہاشمی ام۔ اے (")	۸/
۱۵۔ موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر	سید صدیق حسین بی اے ال ال ام (")	ایک روپیہ
۱۶۔ دکن میں تعلیم (عہد آصفجاہ اول آصفجاہ ثانی)	سید علی محسن ام اے (عثمانیہ)	زیر طبع
۱۷۔ منشور اقوام متحدہ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ ام اے (عثمانیہ) پی ایچ ڈی۔	
۱۸۔ انتخاب اور رائے دہی	محمد نور اللہ بی ایس سی (عثمانیہ)	ایک روپیہ

نام کتاب	مصنف	قیمت
(۱) رہبر نمائش	خواجہ حمید احمد بی۔ اے	۴ روپے
(۲) تحریک ترقی مملکت آصفیہ	"	تین روپے
(۳) دنیائے نمائش	مرتبہ مجلس نمائش کمیٹی	۸/
(۴) تحفۂ نمائش	"	۸/

مجلۂ طیلسانئین کے مقاصد اور قواعد

۱۔ مجلۂ طیلسانیین انجمن طیلسانیین عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ترجمان ہے۔

۲۔ اغراض و مقاصد

الف۔ جامعۂ عثمانیہ کے منظورہ مابعد طیلسان مقالے شائع کئے جائیں گے۔

ب۔ اردو مطبوعات پر تنقید و تبصرہ کیا جائے گا۔

ج۔ انجمن طیلسانیین عثمانیہ اور اس کے ملحقہ اداروں کی سرگرمیوں اور کاروبار کی تفصیلات شائع کی جائیں گی

د۔ علمی اور ہر جہتی ترقی کی معلومات و اطلاعات شائع کی جائیں گی۔

ھ۔ سیاسیات حاضرہ اور اختلافی مذہبی امور کے متعلق مضامین وغیرہ کسی صورت میں شائع نہ کئے جائیں گے

۳۔ حسب ضرورت مجلہ کے مختلف حصے خاص خاص علم و فن سے مختص ہونگے۔ فی الوقت مجلہ کے دو حصے ہونگے حصۂ عام اور حصۂ معاشیات

۴۔ مجلہ بہمن۔ اردی بہشت۔ امرداد اور آبان مطابق جنوری۔ اپریل۔ جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوگا۔

۵۔ مجلہ کے ہر حصہ کی ضخامت کم از کم ۱۰۰ صفحے ہوگی۔

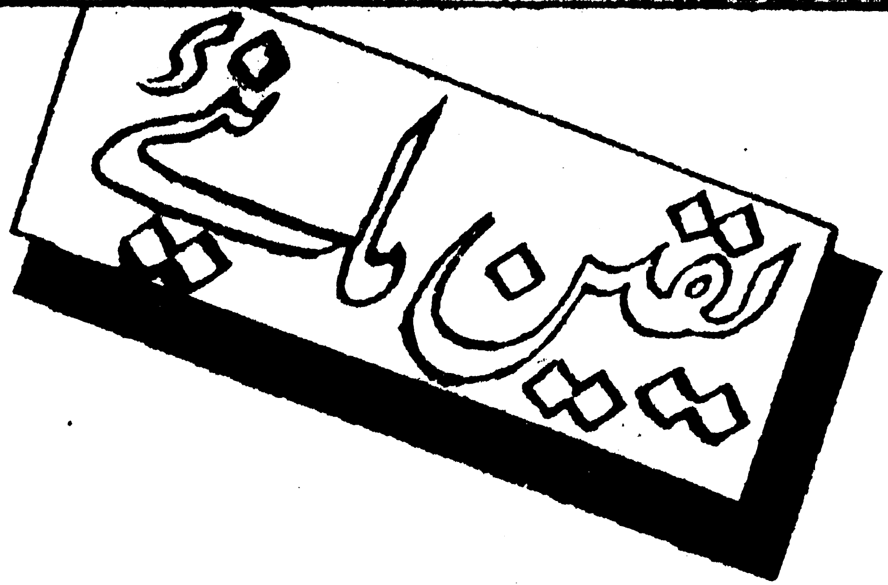
۶۔ مابعد طیلسان مقالے اس صورت میں شائع کئے جائیں گے جبکہ انکا حق اشاعت و طباعت مجلہ کو دیدیا جائے۔ البتہ مؤلف کو دس نسخے ہدیتہً دئے جائیں گے۔ اگر اس سے زائد نسخے درکار ہوں تو کاغذ کی قیمت قبل از قبل ادا کرنے پر انتظام کیا جائے گا۔

۷۔ اگر مضمون یا مقالہ نگار پہلے سے مجلہ کے خریدار نہ ہوں تو مجلہ کا وہ شمارہ جس میں ان کا مضمون شائع ہو بلا قیمت ارسال کیا جائے گا۔

۸۔ سال بھر میں کسی صاحب کے دو مضمون یا مقالے شائع ہونے کی صورت میں سال مابعد کے لیے اگر قواعد انجمن طیلسانیین عثمانیہ مانع نہ ہوں تو مجلہ بلا قیمت جاری کیا جائے گا۔

۹۔ اگر کسی مضمون یا مقالے کے لئے مجلہ اپنے خرچ سے تصاویر کے بلاکس تیار کرے تو ان کو مناسب قیمت پر جس کا تصفیہ مہتمم مجلہ کریگا فروخت کیا جاسکے گا۔

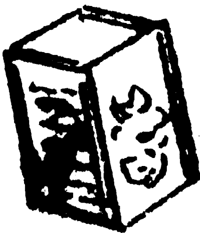
۱۰۔ اگر مجلہ کا کوئی شمارہ اشاعت کے مقررہ مہینے میں وصول نہ ہو تو اس کی اطلاع دوسرے مہینے میں کر دینی چاہئے



میں نے اپنے چہرے کے لئے
ہیمکو اسنو اور پاؤڈر
بہترین پایا ہے

ہیمکو اسنو آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے
بھینی بھینی خوشبو اسکی خصوصیت ہے اس کے استعمال
کے بعد پاؤڈر استعمال کیا جائے تو نہایت عمدہ اثر ہوتا ہے











ہیمکو پوڈر بہت ہی احتیاط کے ساتھ
تیار کیا جاتا ہے دن بھر اسکا اثر
رہتا ہے چنبیلی اور گلاب کی آمیزش

دوسرے اور اشیاء
خوشبودار تیل کا تیل ... آملہ ...





مردوں کے لئے ہیمکو اسپری لائنس
بالوں کے جمانے کیلئے بہت ہی مفید
بھینی بھینی خوشبو

چہرے کو خوبصورت بنانے میں ہیمکو کے تیار کردہ سامان سے بہت مدد ملتی ہے

حیدرآباد پرفیومری کاسمیٹکس لمیٹڈ

حیدرآباد - دکن